

علوم الحدیث

فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ



ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

نشریات



علوم الحدیث
فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ

علوم الحدیث

فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ

ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

نشریات

الحمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 0321-4589419

جملہ حقوق محفوظ

۲۰۱۵ء

نام کتاب : علوم الحدیث۔ فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ
مصنف : پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
اہتمام : نشریات، لاہور
مطبع :



فنی جملہ
نفسی جملہ
نفسی جملہ

اردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724

ڈسٹری بیوٹرز

کتاب سرائے

پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات

فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ

اردو بازار، لاہور فون: 37320318 ٹیکس: 37239884

ای میل: Kitabaraay@hotmail.com



کتاب سرائے

ترتیب

۱۳	حرف اوّل	♦
۱۹	عرض مصنف	♦
	باب اوّل	
	تعارف حدیث	
۲۳	چند بنیادی اصطلاحات	♦
۲۳	سند	♦
۲۴	متن	♦
۲۵	حدیث	♦
۲۸	خبر	♦
۳۰	اثر	♦
۳۲	سنت	♦
۳۶	المسند (نون پر زیرے)	♦
۳۶	المسند (نون پر زیر)	♦
۳۷	المحدث	♦
۳۷	الحافظ	♦
۳۸	الحجہ	♦
۳۹	حدیث نبوی کی اہمیت، ضرورت و حجیت	♦
۴۰	حدیث وحی الہی ہے	♦
۴۳	حدیث کی تشریحی حیثیت	♦

۴۸	♦ ہدایت اطاعتِ رسول سے مستلزم ہے
۵۵	♦ کتابت حدیث
	(ارشاداتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں حکم کتابت اور منع کتابت حدیث میں تطبیق)
۷۷	♦ حوالہ جات
	باب دوم سند حدیث
۸۷	♦ سند حدیث کی اہمیت
۸۷	♦ السند
۸۰	♦ المتن
۹۰	♦ محدثین کا اسناد کی طرف رجحان
۱۰۰	♦ سند حدیث کا آغاز و ارتقاء
۱۱۱	♦ مستشرقین اور سند حدیث
۱۱۲	♦ سند حدیث کا آغاز و ارتقاء
۱۱۶	♦ تحریک استشراق کا آغاز و ارتقاء
۱۱۶	♦ سند حدیث پر مستشرقین کے اعتراضات اور ان کے جوابات
۱۲۳	♦ حوالہ جات
	باب سوم علوم الحدیث
۱۳۳	♦ محدث و طالب حدیث کے آداب
۱۳۳	♦ آداب
۱۴۱	♦ محدث اساتذہ کے ہاں جانے کے آداب
۱۵۰	♦ محدث کے آداب و فرائض
۱۵۵	♦ آداب روایت
۷۷	♦ مقام صحابہ رضی اللہ عنہم اور کتب معرفۃ الصحابہ
۱۵۹	♦ عدالت صحابہ

۱۶۹	کتب معرفۃ الصحابہ	♦
۱۷۵	فن اسماء الرجال	♦
۱۷۵	فن اسماء الرجال	♦
۱۸۲	فن اسماء الرجال کا ارتقاء	♦
۱۸۴	کتب معرفۃ الصحابہ	♦
۱۸۰	کتب طبقات	♦
۱۹۳	کتب التاريخ	♦
۱۹۷	رجال کتب الصحاح الستہ	♦
۲۰۲	کتب الجرح والتعديل	♦
۲۰۹	علم جرح وتعديل کا تحقیقی جائزہ	♦
۲۱۰	علم جرح وتعديل کی تعریف	♦
۲۱۴	علم جرح وتعديل کا ارتقاء	♦
۲۲۰	وجہ طعن فی الراوی	♦
۲۲۱	مراتب جرح وتعديل	♦
۲۲۳	کتب جرح وتعديل	♦
۲۲۵	فن تخریج حدیث	♦
۲۲۸	تخریج حدیث کی اہمیت	♦
۲۲۸	تخریج حدیث کے فوائد	♦
۲۳۰	فن تخریج حدیث کا ارتقائی جائزہ	♦
۲۳۴	تخریج حدیث کے طریقے	♦
۲۵۲	علم الانساب	♦
۲۵۲	تعریف	♦
۲۶۲	علم الانساب پر اہم تصنیفات	♦

۲۶۶	علم معرفۃ الاسماء والکنی	◆
۲۶۶	نام اور کنیت کی معرفت	◆
۲۶۸	الاسماء والکنی پر اہم تصنیفات	◆
۲۷۶	معرفۃ الالقاب	◆
۲۷۷	الاقاب پر مشتمل کتب	◆
۲۷۸	علم الطبقات	◆
۲۸۲	کتب طبقات	◆
۲۸۷	نقد حدیث	◆
۲۸۷	نقد حدیث کی ضرورت و تاریخی پس منظر	◆
۲۸۸	نقد حدیث کی ماہیت	◆
۲۸۹	خارجی نقد حدیث	◆
۲۹۱	داخلی نقد حدیث	◆
۳۰۰	محدثین کا نقد حدیث کا اہتمام	◆
۳۰۱	منکرین حدیث کا نقد حدیث کے بارے میں رویہ	◆
۳۰۳	مستشرقین کا نقد حدیث کے بارے میں رویہ	◆
۳۰۵	حوالہ جات	◆
	باب چہارم	
	کتب حدیث	
۳۳۵	انواع کتب حدیث	◆
۳۵۳	المسانید	◆
۳۵۴	کتب مسانید	◆
۳۸۳	المستدرک	◆
۳۸۳	کتب مستدرکات	◆
۳۹۶	المستخرج	◆

۴۰۰	کتب مستخرجات	◆
۴۱۵	غریب الحدیث	◆
۴۱۶	غریب الحدیث کے کام کا آغاز و ارتقاء	◆
۴۴۶	المسلسلات	◆
۴۵۱	کتب الاطراف	◆
۴۷۰	امام مالک رحمہ اللہ اور ان کی مؤطا	◆
۴۷۳	تدریس حدیث	◆
۴۸۱	مؤطا امام مالک	◆
۴۸۹	صحیحین اور ان کی شرائط	◆
۴۹۲	صحیحین کے بارے میں علماء و محدثین کی رائے	◆
۴۹۷	شرائط صحیحین برائے اخذ احادیث	◆
۵۰۱	الآمالی	◆
۵۰۲	کتب الآمالی کے فوائد	◆
۵۱۲	حدیث قدسی	◆
۵۱۴	اہم مصنفات فن	◆
۵۱۶	الاجزاء	◆
۵۲۰	تعارف کتاب و مؤلف	◆
۵۲۵	المصنف	◆
۵۳۰	المختصرات	◆
۵۳۵	المختبرات	◆
۵۴۰	حوالہ جات	◆

تاریخ حدیث

باب پنجم

۵۷۵	مراکز حدیث	◆
۵۷۶	مکہ مکرمہ کے مراکز حدیث	◆

۵۸۰	♦ مدینہ منورہ کے مراکز حدیث
۵۸۷	♦ مدینہ کے محدثین
۵۸۷	♦ الریاض
۵۹۰	♦ کوفہ کے مراکز حدیث
۵۹۶	♦ بصرہ کے مراکز حدیث
۶۰۰	♦ شام کے مراکز حدیث
۶۰۳	♦ مصر کے مراکز حدیث
۶۰۶	♦ محدثین مصر
۶۰۸	♦ یمن کے مراکز حدیث
۶۰۹	♦ اندلس میں علم حدیث کا ارتقاء
۶۳۰	♦ برصغیر میں علم حدیث
۶۷۸	♦ مدارس علوم الحدیث
۶۹۰	♦ برصغیر میں اسالیب تدریس حدیث
۶۹۰	♦ درس و تدریس حدیث کا ارتقائی جائزہ
۶۹۲	♦ برصغیر میں رائج نصاب تعلیم
۶۹۶	♦ تدریسی اسالیب
۷۰۱	♦ برصغیر کی نامور شخصیات کی تدریس حدیث (تاریخی جائزہ)
۷۰۸	♦ تدریس حدیث میں جدید سہولتوں کے استعمال کا رویہ
۷۰۹	♦ برصغیر میں تدریس حدیث کے اثرات
۷۱۲	♦ حوالہ جات

باب ششم

مکاتب فکر اور ان کا نظریہ حدیث

۷۳۷	♦ فتنہ انکار حدیث (تاریخی و تحقیقی جائزہ برصغیر کے تناظر میں)
۷۳۸	♦ تاریخی پس منظر

- ♦ دور نبوی ﷺ تا عصر حاضر ۷۴۲
- ♦ دور نبوی ﷺ میں انکار حدیث ۷۴۲
- ♦ منکرین حدیث کے مختلف گروہ ۷۵۳
- فتنہ انکار حدیث کے اسباب ۷۵۵
- ♦ برصغیر کے منکرین حدیث ۷۶۲
- ♦ منکرین حدیث کے مراکز ۷۷۸
- ♦ خوارج (تاریخی پس منظر، عقائد اور روایت حدیث) ۷۸۴
- ♦ ابتدائی تاریخ ۷۸۶
- ♦ خوارج کے مشہور فرقے ۷۸۹
- ♦ روایت حدیث اور خوارج ۷۹۳
- ♦ اہل تشیع اور ان کا نظریہ حدیث ۸۰۵
- ♦ شیعہ کی تعریف ۸۰۵
- ♦ اہل تشیع کی کتب صحاح اربعہ اور ان کی شروح ۸۱۱
- ♦ اہل تشیع کی کتب رجال ۸۱۷
- ♦ معتزلہ ۸۲۰
- ♦ معتزلہ کے اصول خمسہ ۸۲۹
- ♦ معتزلہ کے فرقے ۸۳۲
- ♦ معتزلہ کی کتب ۸۴۵
- ♦ معتزلہ اور حدیث نبوی ۸۴۶
- ♦ حدیث نبوی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق بعض اکابرین ۸۴۷
- ♦ معتزلہ کی رائے ۸۴۷
- ♦ حدیث نبوی ﷺ اور مستشرقین ۸۵۴
- ♦ تحریک استشراق کا آغاز و ارتقاء ۸۵۴

- ♦ مستشرقین کے مقاصد ۸۵۵
- ♦ مستشرقین کی تحقیق کے اہم نکات ۸۵۸
- ♦ مستشرقین کا طریقہ کار ۸۵۸
- ♦ مستشرقین کے حدیث نبوی ﷺ پر اعتراضات ۸۵۹
- اور ان کے جوابات
- ♦ استشراقی فکر پر گولڈزیہر کے اثرات ۸۶۶
- ♦ مولانا امین احسن اصلاحی کا نظریہ حدیث ۸۷۲
- ♦ حدیث سے متعلق مولانا کا عام رویہ ۸۷۳
- ♦ مولانا اصلاحی صاحب کا سنت کا نیا مفہوم متعین کرنا اور اس کی ۸۷۴
- مناسبت سے احادیث سے بعد کی راہ دکھلانا
- ♦ مولانا کے ہاں اصول تفسیر میں سنت متواترہ اور احادیث کا ۸۷۷
- مقام
- ♦ نسخ قرآن بذریعہ احادیث میں مولانا اصلاحی کا نقطہ نظر ۸۷۸
- ♦ تفسیر قرآن میں مولانا اصلاحی کی حدیث سے بے اعتنائی ۸۸۰
- ♦ حوالہ جات ۸۸۴
- ♦ منتخب مصادر و مراجع ۹۱۱



نحمدہ و نصلی علی رسول الکریم

حرفِ اول

اسلام دین فطرت ہے جس کی جملہ تفصیلات اور جزئیات کا علم قرآن مجید اور احادیث نبویہ کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے ان دونوں سرچشموں کی نوعیت لازم و ملزوم کی سی ہے۔ انہیں اگر کم فہمی اور کج بخشش سے ایک دوسرے سے جدا کرنے کی مذموم کوشش کی جائے تو اسلامی تہذیب و تمدن کے ایوان کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید اگر وحی مقلو ہے تو حدیث وحی غیر مقلو ہے۔ جس محفوظ طریق پر قرآن مجید نازل ہوا، بعینہ اس کے اصولوں اور احکامات کی تشریح و توضیح بھی پوری حفاظت اور ذمہ داری کے ساتھ انھی ہاتھوں سے محفوظ ہوئی، جنہیں قرآن مجید کی آیات بینات کو قید کتابت میں لانے کی سعادت اور توفیق مرحمت ہوئی۔ یہ کیسی عجیب بات ہوگی کہ جس زبان اور جن ہاتھوں سے آیات قرآنیہ نصیب ہوئیں بالکل اسی زبان اور انہیں ہاتھوں سے ملنے والی احادیث کو نظر انداز کر دیا جائے۔ یوں حدیث اور حفاظت حدیث کے اہتمام سے انکار خود قرآن مجید کی حجیت اور قطعیت سے بالفعل اور بالفعل انکار پر مستلزم ہے۔ ارباب علم و دین سے بڑھ کر اس حقیقت سے کون باخبر ہو سکتا ہے کہ وحی کی تنزیل سے قبل خود روایے صادقہ کا ایک طویل دورانیہ ملتا ہے جس کے اظہار و آثار کو وحی کے علاوہ کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا۔ رسول اکرم ﷺ پر باقاعدہ وحی نازل ہونے سے قبل کے تمام مکالمات کو جو جبریل علیہ السلام کے ساتھ ادا ہوئے، کیا نام اور مقام دیا جائے گا۔

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم ۵۳: ۳-۴)

”آپ ﷺ اپنی خواہش سے بات نہیں فرماتے بلکہ وہ تو وحی ہے جو آپ ﷺ پر نازل کی جاتی ہے۔“

ہماری دینی اور اسلامی روایت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسل علیہم السلام کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان میں سے صرف ۳۱۵ کو کتب و صحائف سے نوازا گیا، بھلا سوچئے تو سہی باقی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کلام الہی کی نوعیت کو حدیث کے علاوہ آپ کیا نام دے سکتے ہیں۔ خود حضور ﷺ پر وحی کی

ابتداء حدیث کی تنزیل سے ہوئی اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں جبریل علیہ السلام سے آخری مکالمہ بھی حدیث کی صورت میں وقوع پذیر ہوا۔ اس ضمن میں قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ پر توجہ کیجیے:

﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ
وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ
وَعِيسَى وَيُؤُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا﴾

(النساء: ۴: ۱۶۳)

”اے نبی ﷺ ہم نے تمہاری جانب اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح کہ نوح علیہ السلام اور اس کے بعد انبیاء علیہم السلام کی طرف بھیجی تھی۔ ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب، عیسیٰ، ایوب یونس ہارون اور سلیمان علیہم السلام کی طرف وحی بھیجی، ہم نے دواؤد علیہ السلام کو زبور دی۔“

انبیاء علیہم السلام کو جس ذریعے سے ہدایت کا پیغام اور احکامات دیے گئے، وہ سب وحی کے علاوہ کچھ اور نہ تھے، اگر یہ وحی متعین الفاظ میں تھی تو متلو اور اگر تشریحی اور توضیحی نوعیت کی تھی تو غیر متلو کہلائے گی مگر اس کی ہر صورت وحی کے قالب میں ڈھلی ہوئی ہے۔ قرآن مجید کی مثل مصحف سماوی کا ثبوت تو تاریخ ادیان کے آثار میں ملتا ہے مگر امت مسلمہ کا یہ منفرد افتخار ہے کہ اس نے حضور ﷺ کے ساتھ ایمانی اور تشریعی تعلق کے باعث آپ ﷺ کے اقوال، افعال، احوال، اعمال اور آثار حتیٰ کہ آپ ﷺ کے شمائل و عادات کو بھی کمال عقیدت اور حزم و احتیاط کے ساتھ محفوظ کیا ہے۔ یہی باعث ہے کہ علوم الحدیث پوری انسانی تاریخ کا سب سے ممتاز اور اعلیٰ علم و فن ہے جس کی وجہ سے یہ علم مسلمانوں کے تخلیقی شعور کے اظہار کا سب سے مؤثر وسیلہ بن گیا ہے۔ علم الحدیث کی حفاظت مطالبہ ربانی بھی ہے اور خود رسول اللہ ﷺ کو بھی اس اسوۂ حسنہ کو محفوظ رکھنے کا شدت سے احساس تھا۔ وہ استثنائی روایت ہے کہ جس میں ایک خاص موقع پر ایک مخصوص مصلحت کے تحت آپ ﷺ نے قرآن کے علاوہ کچھ اور نہ لکھنے کی تاکید فرمائی، ان بیسیوں روایات کی نقیض نہیں ہو سکتی جس میں ان روایات کو لکھنے، سیکھنے سکھانے اور دوسروں تک پہنچانے کی تلقین موجود ہے۔

((تُسْمَعُونَ وَيُسْمَعُ مِنْكُمْ وَيُسْمَعُ مِمَّنْ يَسْمَعُ مِنْكُمْ))

”تم لوگ مجھ سے سنتے ہو، دوسرے لوگ تم سے سنا کریں گے اور پھر ان سے اور لوگ سنیں گے اور پھر ان سے اور لوگ سنیں گے۔“

((نَضْرَأُ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاَهَا حَتَّى يُوَكِّدَهَا إِلَيَّ مَنْ لَمْ يَسْمَعْهَا))

”اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو رونق اور روشنی عطا کرے، جس نے میری بات سنی اور پھر یاد رکھی، یہاں تک کہ وہ بات، اس شخص تک پہنچادی، جس نے اسے نہیں سنا۔“
 ((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))
 ”جو شخص جانتے بوجھتے میری طرف جھوٹ بات منسوب کرے گا تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔“

خطبہ حجۃ الوداع جو انسانی تاریخ میں بنیادی حقوق کی سب سے اولین اور اہم ترین آئینی اور دستوری دستاویز ہے، اسے بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:
 ((فليبلغ الشاهد الغائب))

”جو موجود ہیں، وہ غیر موجود تک اسے پہنچادیں۔“

اس نوعیت کے کلمات اور ارشادات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو اپنی احادیث دوسروں تک پہنچانے کی کس قدر فکر تھی کہ اس ذمہ داری کے لیے کئی نوعیت کے انتظامات کیے۔ ہمیں یہ علم ہونا چاہیے کہ یہ ذخیرہ حدیث جو آج تک امت کی ہدایت کے لیے موجود ہے، یہ تین مستقل ذرائع سے منتقل ہوا۔ عربوں کے حافظے کی خوبی سے کون واقف نہیں ہے۔ ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں کمال عقیدت و احترام سے اپنے حافظے میں محفوظ کیا۔ اگر چودہ سو سال گزرنے کے بعد آج بھی ان احادیث کے سیکڑوں حفاظ امت میں موجود ہیں تو اس ہادی کامل ﷺ کی موجودگی میں حفظ و حفاظت کا کیا عالم ہوگا۔ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ارشادات کو باقاعدہ لکھتے تھے اور اس سلسلے میں آپ کی اجازت کی بیسیوں روایات تاریخ الحدیث اور تدوین حدیث کی کتب میں موجود ہیں۔ خود تعامل امت ایک مستند ذریعہ ہے کہ جس کے باعث آپ ﷺ کی مسنون زندگی کی ہر ادا اور ہر حکم کاملاً محفوظ ہو گیا ہے۔ یہ بات ہمارے ایمان کا حصہ ہے کہ آپ ﷺ کی شخصیت واجب الاتباع اور واجب التقليد ہے۔ آپ ﷺ کے طرز عمل کو اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے ارشادات اور اعمال کو امت کے تنازعات کے رفع کرنے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر: ۵۹)

”جو کچھ رسول ﷺ تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ۔“

یوں ایک رسول اور شارح کی حیثیت سے قرآنی احکامات کی تشریح و توضیح کی ذمہ داری آپ ﷺ کے منصب نبوت کا ناگزیر تقاضا ہے جس کی تمام تفصیلات ذخیرہ حدیث کے علاوہ کہیں

اور دکھائی نہیں دیتیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان تمام وثائق کی تفصیل بڑی تحقیق اور جان فشانی کے ساتھ فراہم کر دی ہے جو عہد رسالت میں لکھے گئے۔ قرآن مجید کے متن کے علاوہ یہ متنوع تحریریں کس فنی نوعیت کی ہیں، ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ احادیث کے کن کن پہلوؤں کو خود آپ ﷺ کے زمانہ خاص میں بھی قلم بند کر لیا گیا تھا۔

آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں تو آپ ﷺ کی شخصیت سراپا دعوت تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی جملہ مشکلات اور مسائل کا حل براہ راست ان کو میسر تھا۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں جب قرآن مجید نے تکمیل دین کا اعلان کیا تو پھر آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے تعامل کے علاوہ ان تمام روایات کو باہمی مذاکروں اور ضرورتوں کے مواقع پر دہرایا۔ ان روایات کی جمع و ترتیب کے ساتھ ساتھ متن اور سند کے حوالے سے وہ علوم و فنون منصفہ شہود پر آئے کہ ابن الصلاح رحمہ اللہ کے بقول ان کی تعداد ۶۵ ہے اور ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس سے بھی زیادہ علوم الحدیث اور فنون حدیث کا تذکرہ کرتے ہیں۔ غیر جانبدارانہ نگاہ سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تاریخ نویسی میں کسی احتیاط کی فنی لحاظ سے جو انتہا اور کمال ہو سکتی ہے، علم حدیث میں اس سے بڑھ کر حزم و احتیاط کو اختیار کیا گیا، بلکہ سچ بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے تدوین حدیث کے عمل کو وہ سائنٹیفک اسلوب اور منہج عطا کیا کہ جس کے باعث یہ ذخیرہ حدیث علوم انسانی کا سب سے بڑا اعزاز اور افتخار بن گیا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جیسے مقدس پیغمبر کی ۳۳ سالہ دنیوی حیات کے صرف تین برس کا تذکرہ ملتا ہے۔ بلکہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کے بقول تو صحیح معنوں میں ان کی حیات کے صرف آخری پچاس دنوں کی ہی مستند تفصیلات ہمارے سامنے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک سو تیس سالہ زندگی کی تفصیلات کا انحصار صرف تورات پر ہے مگر اس کا متن بھی تین سو سال کے بعد کہیں جا کر مرتب ہوا، جس کی روایات کی ثقاہت پر خود یہود کے محققین کو بھی اعتراض ہے۔ ایران کے باطنی مذاہب کے پیش وادوں کی حیات کا ماخذ زند اور پاژند کی بجائے صرف فردوسی کے شاہنامے کے ذریعے سے میسر ہے۔ مگر حضور سرور کائنات ﷺ کی حیات طیبہ کی کامل تفصیلات کو ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم نے کمال حزم و احتیاط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مغازی نگاروں اور سیرت نگاروں کے علاوہ محدثین نے روایات کے جمع کرنے میں اپنی عمریں کھپا دیں اور پھر اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کے ذریعے سے ان روایات پر نقد کا ایسا سائنٹیفک اسلوب وضع کیا کہ جس کے باعث ہر ایک روایت کی توثیق و تردید ہوتی گئی۔ ایک طرف راویوں کے سوانحی کوائف اور ان کے فضائل پر اسماء الرجال کے عنوان سے بیسیوں عظیم کتابیں مرتب ہوئی تو دوسری طرف جرح و تعدیل کے وہ پیمانے وضع کیے گئے کہ جن کی روشنی میں کسی

غلط اور موضوع روایت کا برقرار رہنا مشکل نہیں ناممکن بنا دیا گیا۔

پانچویں صدی ہجری تک علوم الحدیث کے فنی کمالات اپنے نقطہ عروج تک پہنچ گئے۔ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور ابن الصلاح رحمہ اللہ نے اس متن شریف کو وہ بنیادیں عطا کر دیں کہ جن پر زمانہ اور زمین دونوں ناز کر سکتے ہیں۔ آج حدیث کے ہر علم و فن پر عربی زبان میں ہزاروں کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور اس سے زائد ابھی مخطوطات کی صورت میں دیار مغرب اور دولِ اسلامیہ کے مراکز علمی میں موجود ہیں۔ اردو زبان میں بھی علوم الحدیث کی بہت سی عربی کتب کے تراجم کیے گئے تو کچھ طبع زاد تالیفات بھی سامنے آئیں۔ پیش نظر کتاب ”علوم الحدیث، فنی و فکری اور تاریخی مطالعہ“ اسی سلسلہ الذہب کی ایک ممتاز علمی اور تحقیقی کاوش ہے۔ اردو زبان میں اگر علوم الحدیث کی پانچ بہترین کتب کا انتخاب مقصود ہو تو پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر حفظہ اللہ کی یہ تالیف ان میں بآسانی شمار کی جاسکتی ہے۔ ایک بات تو اعتماد سے کہی جاسکتی ہے کہ اردو ادبیات میں علوم الحدیث پر یہ ایک ایسی تالیف ہے اور اس میں اتنے متعدد اور متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے کہ جس کے باعث یہ ایک قاموسی نوعیت کا تجربہ دکھائی دیتا ہے۔ ایک ہزار صفحات کے قریب ضخامت کی اس تحقیقی کتاب میں چار سو کتابوں، مخطوطات اور علمی جرائد سے ۳۰۷۰ مقامات پر استفادہ کیا گیا ہے۔ حدیث کی اصطلاحات، مقام حدیث، ضرورت و حجیت، روایت و درایت، مستشرقین اور حدیث، اسماء الرجال، جرح و تعدیل، فن تخریج، اقسام حدیث، تاریخ حدیث، تدوین حدیث، تذکار محدثین، انتقاد حدیث، مدارس حدیث، مراکز حدیث، نصاب حدیث، فتنہ انکار حدیث، اسالیب تدریس حدیث، غریب الحدیث، آداب الحدیث، تراجم حدیث، فقہ الحدیث، شروح الحدیث، لغات الحدیث، علم الانساب، علم معرفۃ الاسماء والکنی والالقب، علم الطبقات الغرض حدیث کے بیسیوں موضوعات کو سیکڑوں عنوانات کے تحت تقسیم کر کے ہر بات مستند حوالے سے درج کی گئی ہے جس کے باعث یہ تالیف لطیف علمائے عظام، شیوخ الحدیث، جامعات، مدارس اور تعلیمی اداروں کے اساتذہ کرام، حج صاحبان، وکلاء، طلبہ اور تمام علم دوست افراد کے لیے فیض رسانی کا منبع بن گئی ہے۔ اس ضخیم کتاب میں علوم الحدیث کے ہر موضوع کو مستند حوالوں سے مزین کیا گیا ہے۔ آخر میں مراجع اور مصادر کی فہرست سے مؤلف کے ذوق و شوق اور رسوخ فی العلم کا اندازہ ہوتا ہے۔ حدیث کے موضوع پر معلومات کا ایک بحر ذخار ہے جس سے تشنہ کام اپنی عقیدت کی پیاس بجھا سکتا ہے۔ اپنے لوازم، پیش کش، تحقیق، اسلوب، تکنیک اور تجربے کے لحاظ سے یہ ایک کامیاب تصنیف ہے جو ان شاء اللہ قارئین کے لیے ایک علمی ارمغان اور مصنف کے لیے توشہ آخرت ثابت ہوگی۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر نے قدیم و جدید دونوں درسگاہوں سے فیض حاصل کیا ہے، ان کے پاس اگر درس نظامی سے فراغت کی اسناد ہیں تو اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے عربی اور علوم اسلامیہ میں امتیازی سندات کے حامل ہیں۔ انہیں حکومتی وظیفے پر گلاسکو یونیورسٹی، انگلستان سے ۱۹۸۸ء میں پی ایچ ڈی کا اعزاز حاصل ہوا، جہاں انہوں نے امام بغوی رحمہ اللہ کی مصابیح السنۃ کے رجال پر تحقیقی کام کیا۔ ۱۹۸۸ء سے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں حدیث شریف کے استاد اور ۱۹۹۱ء سے مسند سیرت کے ڈائریکٹر ہیں۔ اپنی علمی مناسبت، قلبی لگاؤ، ذہنی استعداد، استحضار علوم اور اخذ و استفادہ کی صلاحیت کے باعث متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ عربی، انگریزی اور اردو زبان میں ان کے ۶۴ کے قریب مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ پیش نظر کتاب ان کی سولہ سالہ علمی ریاضت اور محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ ان میں سے بہت سے مقالات علمی جرائد میں شائع ہوئے یا پھر علمی کانفرنسوں میں پڑھے گئے مگر اپنی موجودہ حالت میں یہ پہلی مرتبہ افادہ عام کے لیے شائع ہو رہے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ اس میں ملت اسلامیہ کے تمام مسالک کی خدمات حدیث کا تذکرہ شامل ہے۔

اس کتاب کی اشاعت فاضل نوجوان محمد رفیع الدین حجازی کے اہتمام میں ان کے مکتبہ ”نشریات“ سے شائع ہو رہی ہے جو طباعت کی دنیا میں ایک روشن ستارے کے طلوع کی حیثیت رکھتا ہے۔ میں اس عظیم موضوع پر منفرد کتاب کے مؤلف اور ناشر دونوں کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور اس کی قبولیت کے لیے دعا گو ہوں۔

پروفیسر عبدالجبار شاہ

ڈائریکٹر جنرل

دعوت اکیدمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد



عرضِ مصنف

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خاتم النبيين وعلى آله

وآصحابه اجمعين. اما بعد

اسلام دین فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعوت و تبلیغ اور تشریح و توضیح کے لیے اشرف الانبیاء حضرت محمد ﷺ کو منتخب فرمایا اور حفاظت کا ذمہ خود لیا۔ آپ کی دعوت پر اس دین فطرت کو قبول کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی کائنات میں سے منتخب شدہ لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی محمدی تعبیر یعنی احادیث نبوی کی حفاظت اس مقدس گروہ کے ہاتھوں حفظ، تحریر، عمل اور تبلیغ کے ذریعے فرمائی۔ تقویٰ و پرہیزگاری سے لبریز ذہن و شعور کے حامل اصحاب رسول ﷺ نے احادیث مبارکہ کو بحفاظت اگلی نسل تک منتقل کیا۔ اسلام میں حدیث نبوی سے محبت جزو ایمان ہے اس محبت اور حدیث کی تشریحی حیثیت کی وجہ سے مسلمان نسل در نسل احادیث نبوی کی دل و جان سے حفاظت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اہل علم میں سے ایک خاص گروہ یعنی محدثین کی جماعت یہ فریضہ اس قدر دیانت داری اور ذمہ داری سے ادا کرتی چلی آ رہی ہے کہ دنیا کی کوئی قوم یا ارباب علم و فضل کا کوئی دوسرا گروہ ان کی ہمسری نہیں کر سکتا۔

محدثین کی زندگی حدیث نبوی کی تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ عمل بالحدیث کا کامل نمونہ ہے۔ حدیث نبوی سے انتہائی شغف ان کی زندگی کا حاصل ٹھہرا اور خدمت حدیث میں اپنی زندگی صرف کرنا معراج حیات سمجھا گیا۔ انہوں نے علوم الحدیث کے نام پر ایک وسیع و عریض لیکن انتہائی منظم و مرتب فن تشکیل دیا اور خود ذاتی زندگی میں نبی ﷺ کی ہر ادا کے اپانے کو اپنی سعادت سمجھا۔ حقیقت میں مسلمان کے ایمان و اسلام کی سلامتی اور دنیا و آخرت کی کامیابی اسی میں مضمر ہے۔ حدیث نبوی چونکہ دین کی اساس ہے اس لیے اس کی حفاظت و تدوین میں انتہائی حزم و احتیاط لازم ہے۔ اسلامی تعلیمات کے ادراک اور مسنون اعمال کی ادائیگی کے لیے صحیح احادیث مبارکہ کو قبول کرنا

ضروری ہے تاکہ کوئی من گھڑت یا مصنوعی بات شریعت کا درجہ نہ پا جائے۔ اس خاطر ذخیرہ احادیث کا فنی طور پر جائزہ، وقت نظر سے مطالعہ اور باریک بینی سے جانچ پڑتال ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی کی غرض سے زندگی بھر کا حاصل مطالعہ پیش خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ آمین۔

راقم الحروف کو اللہ تعالیٰ نے شرف بخشا ہے کہ اپنی ناچیز زندگی کو سرور کائنات ﷺ کی سیرت اور آپ ﷺ کی احادیث مبارکہ کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ احقر کی زندگی کا ہر لمحہ نبی آخر الزمان ﷺ پر قربان اور فدا ہے۔ بندہ ۱۹۸۸ء سے شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور، میں حدیث شریف پڑھا رہا ہے اور ۱۹۹۱ء سے مسند سیرت کی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ اس سلسلے میں دو عالمی سیرت کانفرنسیں اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں منعقد کرانے کا اعزاز بھی حاصل ہے جن میں کئی ممالک سے اہل علم نے شرکت کی۔ پہلی بین الاقوامی سیرت کانفرنس میں پڑھے جانے والے مقالات کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ مختلف قومی اور بین الاقوامی مجلات میں راقم کے ۶۴ تحقیقی مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں اسلامیہ یونیورسٹی کی نمائندگی کا اعزاز بھی حاصل ہوا ہے۔

ایک عرصے سے اہل علم، علوم حدیث پر تاریخی، فکری اور فنی انداز میں ایک جامع اور مبسوط کتاب کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ طلبہ اور اہل علم کی اس ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے اس تحقیقی اور علمی کام کے لیے کمر ہمت باندھ لی اور عرصہ تقریباً سولہ سال کی محنت شاقہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی سعادت بخشی۔ مؤلف اس میں کس حد تک کامیاب ہوا، اس کا فیصلہ اہل علم اور ارباب تحقیق کر سکتے ہیں۔ ان شاء اللہ پڑھنے والوں کو اس کتاب پر کی جانے والی محنت کا اندازہ ہوگا۔ اس میں شامل چند مقالات مختلف کانفرنسوں اور سیکیٹارز میں پڑھے گئے ہیں اور بعض ملکی و غیر ملکی معروف علمی مجلات میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔

احسان شناسی کا اعتراف انسانیت کا دستور اور شرافت کا تقاضا ہے۔ میرے محسنین کی فہرست بہت طویل ہے اور بندہ ان سب کا ممنون و شکر گزار ہے۔

میں شعبہ علوم اسلامیہ کے تمام اساتذہ، ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید رحمت، پروفیسر ڈاکٹر محمد مجر خان غزل کا شمیری، ڈاکٹر شمس البصر، منیر احمد، ابرار محی الدین، سید اسرار حسین بخاری، حافظ شبیر احمد جامعی، ڈاکٹر حافظ افتخار احمد اور ابوالحسن شبیر احمد کے تعاون کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ احباب دفن فو قہ اپنی قیمتی معلومات سے نوازتے رہے۔

میں اپنے حلقہ علم کے احباب اور شاگردان عزیز کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس علمی اور تحقیقی کام میں میری معاونت کی۔ خصوصاً برادر محترم ڈاکٹر خالد ظفر اللہ، ایسوی ایٹ پروفیسر، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج سمندری، (فیصل آباد) اور اپنے شاگرد ڈاکٹر محمد جاوید اختر، اسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ایس ای کالج بہاولپور کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کار علمی میں بھرپور معاونت کی۔ عزیز ساجد اسد اللہ، لیکچرار اسلامیات گورنمنٹ کالج سمندری اور محمد طیب لیکچرار اسلامیات، گورنمنٹ یونیورسٹی کالج فیصل آباد کا شکریہ بھی لازم ہے کہ انہوں نے اس کام میں میری نمایاں مدد کی۔ سیرت چیئر کے سٹینوگرافر فضل احمد بھی شکر ہے کے مستحق ہیں کہ موصوف نے اس کام کو سرانجام دینے میں دن رات محنت شاقہ کی بلکہ اپنی کئی ایک چھٹیاں بھی اس پر قربان کیں۔

محترم پروفیسر عبدالجبار شاہ کی سرپرستی قابل ستائش ہے کہ انہوں نے اس علمی اور تحقیقی کام میں نہایت کرم و عنایت کا ثبوت دیا۔ بالخصوص اس طویل اور ضخیم مسودے کو پڑھ کر اپنی قیمتی آرا اور مشورے سے نوازا اور اس کتاب پر اپنی جان دار اور پُر مغز تعارفی تحریر بھی عنایت کی۔

انتہائے آخر میں پروفیسر ڈاکٹر بلال اے خان، وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہال پور کا شکر گزار ہوں کہ وہ یونیورسٹی کے تعلیمی ماحول کی بہتری میں بہت کوشاں ہیں جن کی خاطر انہوں نے کئی ایک ترقیاتی منصوبوں اور تزئین و آرائش کے پروگراموں کا آغاز کیا ہے اور بالخصوص علمی اور تحقیقی کاموں کی بھرپور حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔

اہل علم اور ارباب تحقیق سے ملتے جلتے ہوں کہ وہ میرے اس کوشش کا مطالعہ فرمائیں اور مجھے میرے تسامحات سے آگاہ کریں تاکہ نقش ثانی کو بہتر بنایا جاسکے۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

ڈائریکٹر سیرت چیئر، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور



باب اول

تعارف حدیث

چند بنیادی اصطلاحات

۱۔ سند:

لغوی معنی:

السند: ”ما ارتفع من الارض“ (جو زمین سے بلند ہو) سند کے معنی اعتماد، سہارا اور تعاون کے بھی ہیں۔ متساندین کے معنی متعاونین کے ہیں، گویا سند کے سہارے سے حدیث روایت ہوتی ہے (۱)۔

اصطلاحی معنی:

اصطلاح میں سند متن حدیث تک پہنچنے کا راستہ یا وہ سلسلہ رواۃ ہے جو متن حدیث تک پہنچاتا ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ”حکایۃ طریق المتن“ (طریق متن کی حکایت ہے)۔ ایک تعریف یہ بھی ہے: ”الطریق الموصلة الى المتن“ (۲) (”سند“ طریق متن تک پہنچنے کا لگاتار سلسلہ یعنی راویوں کا بالترتیب ہونا)۔ طریق کے متعلق کہا گیا ہے: ”الطریق اسماء الرواة“ (۳) (طریق راویوں کے نام ہیں)۔

عبدالرؤف المناوی، حافظ ابن جماعہ اور شیخ طیبی کا قول نقل کرتے ہیں: ”السند الاخبار عن طریق المتن، والاسناد رفع الحديث إلى قائله، قال الطیبی: نعم هما متقاربان فی معنی اعتماد الحفاظ فی صحة الحديث وضعفه علیہما وقال ابن جماعۃ: المحدثون يستعملون السند والاسناد لشيء واحد“ (۴) (سند طریق متن کی خبر ہے۔

اسناد حدیث کو اس کے قائل کی طرف پہنچانا ہے۔ طبی نے کہا: دونوں معنی میں اس لحاظ سے قریب ہیں۔ حفاظ صحت حدیث اور ضعف میں ان دونوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ ابن جماعہ کہتے ہیں، محدثین سند اور اسناد کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی الجامع الصحیح کی یہ روایت مثال کے طور پر ملاحظہ ہو: ”حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن نافع وعبد اللہ بن دینار عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رجلاً سأل رسول اللہ ﷺ عن صلاة اللیل فقال: صلاة اللیل مثنی مثنی فاذا خشی أحدکم الصبح صلی رکعة واحدة وتوثر له ما قد صلی“ (۵)۔

اس روایت میں حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن نافع وعبد اللہ بن دینار عن ابن عمر رضی اللہ عنہما تک سند حدیث ہے۔ آگے ان رجلاً سأل رسول اللہ ﷺ عن صلاة اللیل فقال: صلاة اللیل مثنی مثنی فاذا خشی أحدکم الصبح صلی رکعة واحدة وتوثر له ما قد صلی متن حدیث ہے۔

اسناد حدیث کی حیثیت مسلم ہے۔ اس کے متعلق ابن الصلاح فرماتے ہیں: ”اصل الاسناد أولاً خصیصة فاضلة من خصائص هذه الامة“ (۶) (سند کی اصل سب سے پہلے اس امت کے خصائص میں سے فاضل خصلت ہے)۔ بعد ازاں ابن الصلاح نے عبد اللہ بن مبارک کا یہ قول نقل کیا ہے: ”الاسناد من الدین ولو الاسناد لقال من شاء ما شاء“ (۷) (سند دین میں سے ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو ہر شخص جو چاہتا کہتا رہتا)۔

۲۔ متن:

متن متانة سے ہے جس کے معنی سختی کے ہیں۔ ابن الاثیر کہتے ہیں متین: ”فی اسماء اللہ تعالیٰ المتین، هو القوی الشدید“ (۸) (متن اللہ کے ناموں میں سے ہے۔ وہ بہت قوی ہے)۔

لغت میں کسی چیز کے ابھرے ہوئے حصہ کو متن کہا جاتا ہے۔ محمد جمال الدین قاسمی فرماتے ہیں: ”واخذه إما من المتانة، وهي المباحدة فی الغایة، لانه غاية السند، أو من متنّ الكبش إذا شققت جلد بیضته واستخرجتها فكان المسند استخراج المتن بسنده، أو من المتن: وهو ما صلب وارتفع من الأرض، لأن المسند یقویہ بالسند

ویرفعہ الی قائلہ، أو من تمتین القوس ای شدھا بالعصب، لأن المسند یقوی الحدیث بسندہ“ (۹) (متن متانة سے لیا گیا ہے۔ وہ انتہائی دوری ہے کیونکہ وہ سند کے آخر میں ہوتا ہے یا وہ متن الکبش (میں نے مینڈھے کے بیضہ (حصہ) کے چھلکے کو پھاڑا۔ جب آپ نے اس کے بیضہ کی کھال کو پھاڑا اور اس نے بیضہ نکال لیا۔ گویا کہ مسند نے متن کو سند کے ساتھ نکال دیا۔ یا یہ لفظ متن سے ہے۔ وہ چیز جو سخت اور زمین سے بلند ہے کیونکہ مسند سند سے حدیث کو مضبوط کرتا ہے اور اس کے قائل کی طرف لے جاتا ہے یا یہ تمتین القوس سے ہے یعنی اس نے عصب (پٹھہ) سے کمان کو مضبوط کیا۔ کیونکہ مسند حدیث کو سند سے قوی کرتا ہے)۔

اصطلاح میں اس کلام کو متن کہا جاتا ہے جس تک سند کے ذریعے رسائی حاصل ہو۔ یا حدیث میں جس مقام پر سند کا اختتام ہو اس سے اگلے حصے کو متن کہا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے متن کی تعریف یہ کی ہے: ”هو غاية ما ينتهي إليه الاسناد من الكلام“ (۱۰) (کلام میں جس مقام پر سند ختم ہوتی ہے گویا اس سے آگے کے حصے کو متن کہتے ہیں)۔ ابن جماعة نے متن کی یہ تعریف کی ہے: ”هو ما ينتهي اليه غاية السند من الكلام“ (۱۱) (کلام میں جہاں سند ختم ہو جاتی ہے وہاں متن ہے)۔ طیبی کہتے ہیں: ”اما المتن: فهو الفاظ الحديث التي تقوم بها المعاني“ (۱۲) (متن حدیث کے وہ الفاظ ہیں جن پر معانی کا قیام ہوتا ہے)۔ سند کے ذیل میں بیان کردہ صحیح بخاری کی روایت میں ”ان رجلا“ سے ”ما قد صلی“ تک متن ہے۔

۳۔ حدیث:

لغت میں حدیث کا لفظ حدّث سے محدث حدیث سے ماخوذ ہے۔ تحدیث کے معنی ہیں بات کرنا، کلام کرنا، خبر دینا۔ اس لحاظ سے اس کے معنی کلام اور گفتگو کے ہیں۔ امام راغب، ابوالقاسم حسین بن محمد نے ”مفردات فی غریب القرآن“ میں حدیث کی تعریف یہ لکھی ہے: ”کل کلام یبلغ الانسان من جهة السمع أو الوحی فی یقضته او منامه یقال له حدیث“ (۱۳) (وہ کلام جو انسان کو بذریعہ سماعت یا وحی حالت بیداری یا نیند میں پہنچے حدیث کہلاتا ہے)۔

ڈاکٹر محمود طحان لکھتے ہیں ”الحدیث لغة الجدید ویجمع علی احادیث علی خلاف قیاس“ واصطلاحاً: ما اضيف الى النبی ﷺ من قول او فعل او تقریر او صفة (حدیث کا لغوی معنی ”جدید“ ہے۔ اس کی جمع خلاف قیاس ”احادیث“ ہے۔ اصطلاحی طور پر

اس سے مراد حضور ﷺ کی طرف منسوب قول، فعل، تقریر یا آپ ﷺ کی صفت کا بیان ہے) (۱۴)۔

لفظ حدیث کے معنی جدید کے بھی ہیں اس طرح حدیث قدیم کی ضد ہے۔ اس لحاظ سے حدیث کا لفظ قرآن کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن قدیم ہے اور حدیث اس کے مقابلہ میں جدید ہے۔ لیکن یہ دراصل لغوی لحاظ سے ہے۔

حدیث کا اصطلاحی مفہوم:

شرعی اصطلاح میں حدیث سے مراد وہ اقوال و اعمال اور تقریر جن کی نسبت رسول اللہ کی طرف ہو۔ تقریر سے مراد محدثین کے ہاں کسی آدمی کا کوئی قول یا فعل جو آنحضرت ﷺ کے سامنے لایا گیا ہو۔ آپ ﷺ نے اس کی تصحیح یا تعلیل نہ فرمائی ہو۔ گویا آپ ﷺ کی خاموش رضامندی ہے یہ بھی حدیث میں داخل ہے۔

لفظ حدیث کے سلسلے میں مولانا محمد اسماعیل سلفی فرماتے ہیں: ”حدیث کا لفظ لغت میں قدیم کی ضد ہے۔ اس کا مصدر حدث ہے۔ جس کا اطلاق نئے عوارض پر ہوتا ہے۔ ”رجل حدث“ کے معنی جوان آدمی ہے۔ انسان کے منہ میں دانتوں کی بندش کے اندر قدرت نے ایک ایسی مشین نصب فرمائی ہے۔ جو غیر شعوری طور پر بلا تامل نئے سے نئے الفاظ بناتی چلی جاتی ہے۔ منہ کے خول میں ہوا کی حرکت اور حلق کی آخری حد تک ہوا کے تموج سے لاکھوں الفاظ منٹوں میں بن جاتے ہیں۔ جن میں ایک سے ایک نیا اور جدا ہوتا ہے۔ دانتوں اور ہونٹوں کی رکاوٹ الفاظ کے بننے اور مخارج کی صحت میں مدد دیتی ہے۔ ”ذلک تقدیر العزیز العلیم“ (۱۵)۔

انسان کے اور بھی بیسیوں اعضا ہیں لیکن الفاظ اور نطق کی مشینری صرف منہ میں نصب کی گئی ہے۔ معلوم نہیں دنیا کا سب سے پہلا انسان جب اس نے افہام و تفہیم کے لیے اس مشینری سے پہلے پہل کام لیا ہوگا تو وہ کتنا خوش ہوا ہوگا۔ اور اللہ کی اس نعمت پر کتنے سجدے کیے ہوں گے۔ ”فتبارک اللہ احسن الخالقین“ (۱۶)۔

اس گفتگو کو عربی میں حدیث کہتے ہیں۔ اس کی جمع صحیح مذہب کے مطابق احادیث ہے۔ دنیا کے عجائبات اور خلاف امید واقعات کی حکایات اور قصوں کو بھی احادیث فرمایا گیا ہے۔ ”فجعلنا ہم احادیث“ (۱۷) (ہم نے حوادث کو کہانیوں کی صورت دے دی)۔

”ما یاتیہم من ذکرٍ من ربہم محدث“ (۱۸) (ان کے رب کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے)۔

راغب فرماتے ہیں: ”الحدث وجود الشیء بعد ان لم یکن؛ حتی احدث لک منہ ذکرا“ (۱۹) ”تاویل الاحادیث“ (۲۰)۔ ”لا یکادون یفقہون حدیثا“ (۲۱)۔ سب اسی قسم کے محاورات ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے ارشادات کو اور قرآن عزیز کو بھی حدیث کا نام دیا گیا: ”واذ اسرّ النبی الی بعض ازواجہ حدیثاً“ (۲۲) (جب آنحضرت ﷺ نے اپنی بعض بیویوں سے آہستہ بات کی)۔ ”من اصدق من اللہ حدیثاً“ (۲۳) (اللہ تعالیٰ سے زیادہ کس کی حدیث سچی ہے) (۲۴)۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اقوال کو خود حدیث کا نام دیا۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ روز قیامت آپ ﷺ کی شفاعت کا زیادہ حق دار کون ہوگا آپ ﷺ نے جواباً فرمایا مجھے معلوم تھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تجھ سے پہلے کوئی شخص مجھ سے اس حدیث کے بارے میں سوال نہیں کرے گا کیونکہ تم طلب حدیث کے بہت حریص ہو (۲۵)۔ کچھ علماء نے حدیث کے معنی میں وسعت پیدا کی ہے اور حدیث کی تعریف یہ کی ہے: ”جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو، خواہ قول یا فعل یا تقریر ہو، جبلی یا اخلاقی صفات ہوں، یا قبل از نبوت یا بعد کی سیرت مبارکہ ہو“ (۲۶)۔ بعض نے حدیث کے مفہوم کو مزید وسعت دے کر اس میں آنحضرت ﷺ کے عہد کی تاریخ کو بھی شامل کیا ہے۔ اس وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کا نام ”الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ و سننہ وایامہ“ رکھا۔ اس بات کی وضاحت لازم ہے کہ حدیث رسول ﷺ صرف ایک عہد زریں کی تاریخ نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت شریعت اور قانون کی ہے۔

محدثین کے اصول تحقیق، علماء کے تاریخ و سیر اور مغازی وفقہ و تفسیر وغیرہ کے لیے وضع کردہ اصولوں سے ممتاز اور منفرد ہیں۔ معلوم ہوا حدیث کے مفہوم میں اقوال، افعال تقریرات اور آپ ﷺ کے احوال شامل ہیں (۲۷)۔ قرآن مجید میں یہ لفظ بہت سی جگہ استعمال ہوا ہے۔ چند مقامات بطور مثال ملاحظہ ہوں:

۱۔ ”فما لہؤلاء القوم لا یکادون یفقہون حدیثاً“ (۲۸) (ان لوگوں کو کیا ہے کہ بات سمجھتے نہیں ہیں)۔ آپ ﷺ کے بیان کو حدیث کہا گیا۔

- ۲۔ ”وَمَا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ“ (۲۹) (اپنے رب کی نعمت کو بیان کر)۔
- ۳۔ ”وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا“ (۳۰) (اللہ سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟)۔
- ۴۔ ”فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ“ (۳۱) (آپ ﷺ ان کے ساتھ نہ بیٹھیں جب تک وہ کسی اور بات میں نہ لگ جائیں)۔
- ۵۔ ”وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَوَالِيلِ الْأَحَادِيثِ“ (۳۲) (اللہ تجھے منتخب کرے گا اور باتوں کی تہہ تک پہنچنا سکھائے گا)۔
- ۶۔ ”فَاتَّبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ“ (۳۳) (پس ہم نے ایک کو دوسرے کے پیچھے لگا دیا اور انہیں افسانہ بنا دیا)۔
- ۷۔ ”اللَّهُ نَزَلَ احْسَنَ الْحَدِيثِ“ (۳۴) (اللہ نے اچھا کلام نازل فرمایا)۔
- حدیث کا لفظ آنحضرت ﷺ نے کئی جگہ استعمال فرمایا ہے: ”يُوشِكُ الرَّجُلُ مَتَكُنَا عَلَىٰ أَرِيكَتِهِ يَحْدُثُ بِحَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِي فَيَقُولُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللَّهِ“ (۳۵) (قریب ہے کہ کوئی آدمی تکیہ پر ڈھانس لگائے ہوئے ہو (جب) اسے میری حدیثوں میں سے کوئی حدیث سنائی جائے تو وہ کہے ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب کافی ہے)۔ اس طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ”مَنْ حَدَّثَ عَنِّي حَدِيثًا وَهُوَ يَرِي أَنَّهُ كَذِبٌ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ“ (۳۶) (جس نے مجھ سے کوئی حدیث روایت کی اور اس کو علم ہو کہ وہ جھوٹ ہے (میں نے بیان نہیں کی) تو وہ جھوٹوں میں سے ایک ہے)۔
- ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں درخواست پیش کی: ”اُنِّیْ اَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيثًا کَثِیْرًا اَنْسَاہُ“ (میں آپ ﷺ سے بہت سی احادیث سنتا ہوں لیکن بھول جاتا ہوں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چادر بچھاؤ (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے بچھا دی۔ آپ ﷺ نے اس میں لب مبارک ڈال دی۔ میں نے اسے لپیٹ لیا اور سینے سے لگا لیا۔ اس کے بعد کبھی نہیں بھولا (۳۷)۔

۴۔ خبر:

لغوی مفہوم:

لغت میں نبا یعنی کسی واقعے کی اطلاع کو خبر کہتے ہیں۔ اس کی جمع اخبار ہے۔

اصطلاحی مفہوم:

اصطلاح میں خبر کے متعلق مختلف اقوال ہیں:

- i- خبر حدیث کے مترادف ہے۔ حدیث اور خبر دونوں کا معنی ایک ہے۔
- ii- خبر حدیث کے علاوہ ہے۔ حدیث تو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہوتی ہے جبکہ خبر کی نسبت کسی اور طرف کی جاتی ہے۔
- iii- خبر حدیث سے عام ہے۔ حدیث کی نسبت صرف رسول اللہ ﷺ کی طرف کی جاتی ہے جبکہ خبر کبھی رسول اللہ ﷺ سے منسوب کی جاتی ہے کبھی کسی اور کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔

تاریخ کے عالم کو مؤرخ اور اخباری کہتے ہیں جبکہ حدیث کے عالم کو محدث کہتے ہیں (۳۸)۔

جب حدیث کے معنوں میں خبر کو استعمال کیا جاتا ہے تو سیاق و سباق سے معلوم ہو جاتا ہے مثلاً تمام کتب حدیث کی سند میں ”اخبارنا“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس مقام پر حدیث کا بیان ہوتا ہے۔ اگر تاریخ کی کتاب میں حدیث کے علاوہ کسی واقعہ کی سند میں اخبارنا ہو تو یہ اس واقعہ کے بیان کی خبر ہے۔ اس لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر حدیث تو خبر ضرور ہوتی ہے لیکن ہر خبر کا حدیث ہونا لازمی نہیں ہے۔

امام رازی نے ”المحصل“ میں ابوالحسن بصری سے نقل کیا ہے: ”انہ کلام مفید بنفسہ اضافۃ الی امر من الامور نفیاً او اثباتاً“ (۳۹) (خبر ایسا کلام ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی چیز کسی دوسری چیز کے لیے ثابت ہے یا نہیں)۔ مثلاً خالد پڑھتا ہے۔ پڑھنا خالد کے لیے ثابت ہے اور خالد روتا نہیں ہے سے رونے کی خالد سے نفی کی گئی ہے۔

عبدالرؤف المناوی فرماتے ہیں: ”الخبر: عند اهل اللغة ما ينقل ويتحدث به، عند اهل المعاني: ما يحصل مدلوله في الخارج بغيره، عند الأصولين: مركب كلامي يدخله عقلاً الصدق، وهو ما يطابق الواقع، والكذب هو: ما لا يطابق أي من حيث العقل وكونه خبراً كقام زيد، أما من حيث اللفظ فلا يحتمل إلا الصدق والكذب، احتمال عقلي، وشمل تعريفهم ما يقطع بصدقه كخبره تعالى، وخبر

رسولہ والمتواتر، أو كذبہ كذلك، كالنقيضان يجتمعان أو يرتفعان وعند المحدثين مرادف للحدیث“ (۴۰) (خبر اہل لغت کے ہاں وہ ہے جو نقل کی جائے اور بیان کی جائے اہل معانی کے ہاں وہ ہے جس کا مدلول (مقصود) خارج میں اس کے بغیر حاصل ہو جائے۔ اصولیین کے نزدیک مرکب کلام جس میں عقلاً صدق داخل ہو جائے وہ واقعہ کے مطابق ہو اور کذب جو عقل کے مطابق نہ ہو، اس کا خبر ہونا۔ جیسے قام زید (زید کھڑا ہے)۔ لفظ کے لحاظ سے اس کا احتمال عقلی صدق اور کذب دونوں قطعی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی خبر یا اس کے رسولوں کی خبر اور متواتر یا اس طرح اس کا جھوٹا ہونا دو متضاد خبروں کی مانند ہے جو جمع ہو جائیں۔ محدثین خبر کو حدیث کے مترادف استعمال کرتے ہیں)۔ اس کا پتہ سیاق و سباق سے چل جاتا ہے کہ لفظ خبر کو کس معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

۵۔ اثر:

لغوی معنی:

لغت میں ”بقیۃ الشیء“ کو اثر کہتے ہیں۔ اس کے معنی نشان کے بھی ہیں۔ قدموں کے نشان کو بھی اثر کہتے ہیں۔

ظفر الامانی میں ہے: ”وأما الاثر فهو لغة: البقية من شیء يقال: اثر الدار لما بقي منها“ (۴۱) (اثر لغت میں کسی چیز کے باقی حصے کو کہا جاتا ہے۔ اثر الدار جو چیز گھر میں باقی رہ گئی ہو)۔ ایک شاعر نے کہا ہے: تلک آثارنا تدل علینا

فانظروا بعدنا الی الآثار

(یہ ہمارے قدموں کے نشانات ہیں جو ہم پر دلالت کرتے ہیں کہ ہمارے پیچھے ہمارے نشانات کو دیکھو)۔

اصطلاحی مفہوم:

اصطلاح میں اثر کے مختلف مفہوم بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ اثر کا لفظ خبر اور سنت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ عام طور پر صحابہ اور تابعین کی طرف منسوب اقوال و افعال کو اثر کہا جاتا ہے۔

لیکن یہ لفظ روایت یا حدیث کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ بعض محدثین اثری کی نسبت کو پسند کرتے ہیں (۴۲)۔

آنحضرت ﷺ کی دعاؤں سے متعلق کتب کے نام بھی ”دعائے ماثورہ“ ہیں۔ بعض مدارس کے نام بھی اسی نسبت سے معروف ہیں۔ جامعہ علوم اثریہ، جہلم اور ادارہ علوم اثریہ، فیصل آباد بہت معروف مدارس ہیں۔ ان سے مراد ایسے مدارس جہاں قرآن و حدیث کو دیگر علوم پر فوقیت حاصل ہو۔

امام غزالی ”احیاء علوم الدین“ میں حدیث کا لفظ آنحضرت ﷺ کے ارشادات کے لیے اور اثر کا لفظ صحابہ کے اقوال کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے ”جمہور علماء محدثین کے نزدیک حدیث اور اثر میں کوئی فرق نہیں ہے“ (۴۳)۔

امام سیوطی کی کتاب ”الدر المنثور فی تفسیر الماثور“ میں دونوں چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح امام طبری کی کتاب ”تہذیب الآثار“ اور امام طحاوی کی کتاب ”شرح معانی الآثار“ اور ”مشکل الآثار“ میں بھی اثر کے لفظ کو رسول اللہ ﷺ کے کلمات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے الفاظ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ سیاق و سباق سے معلوم کیا جائے گا کہ اگر اثر کی اصطلاح آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہو تو حدیث رسول ﷺ مراد ہے۔ اگر صحابی و تابعی کی طرف ہو تو ان کے اقوال مراد ہوتے ہیں۔

۱۔ امام طاہر بن صالح الجزائری رحمہ اللہ نے اثر کے متعلق یہ لکھا ہے: ”اما الاثر فانه مرادف للخبر فيطلق على المرفوع والموقوف، وفقهاء الخراسان يسمون الموقوف بالاثر والمرفوع بالخبر“ (۴۴) (اثر خبر کے ہم معنی ہے۔ اس کا اطلاق مرفوع اور موقوف دونوں پر ہوتا ہے۔ فقہا خراسان موقوف کو اثر کا نام دیتے ہیں اور مرفوع کو خبر کا)۔

۲۔ یہی بات عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ نے امام نووی کے حوالے سے لکھی ہے (۴۵)۔

۳۔ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”الاثر هو المروى عن رسول الله او عن صحابي او عن تابعي مطلقاً، وبالجملة: مرفوعاً كان او موقوفاً وعليه جمهور المحدثين من السلف والخلف“ (۴۶) (اثر مطلق طور پر وہ روایت ہے جو رسول اللہ ﷺ یا صحابی یا تابعی سے مروی ہو یعنی مرفوع ہو، موقوف ہو، سلف و خلف جمہور محدثین کا یہی خیال ہے)۔

۴۔ جمال الدین قاسمی کہتے ہیں: ”الاثر ما روى عن الصحابة ويجوز اطلاقه على كلام النبى ايضا“ (۴۷) (اثر وہ ہے جو صحابہ سے مروی ہو اور اس کا اطلاق کلام رسول ﷺ پر جائز ہے)۔

۶۔ سنت:

لغوی مفہوم:

سنت کے معنی واضح راستہ، معروف راستہ اور سیرت کے ہیں۔ سین اور نون مشدد میں قوت، پختگی اور متواتر عادات کا مفہوم ہوتا ہے۔ سن دانت کو کہتے ہیں۔ سنان (نیزے) کے پھل کو کہا جاتا ہے۔ مسنون خشک کپڑے کو کہا گیا ہے۔ سنت اس راستے کو کہا جاتا ہے جس پر متواتر چلنے کی وجہ سے وہ صاف اور واضح ہو گیا ہو۔ جسے ”طریق معبد“ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ راسخ عادات اور مستمر اعمال پر بھی سنت کا اطلاق معروف ہے۔ اس محاورہ کے مطابق طریقہ اور سیرت بھی سنت کے مفہوم میں شامل ہے۔ زبان کے لحاظ سے اچھی اور بُری عادات دونوں پر سنت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ حدیث ”من سنّ سنة حسنة فله اجرها وأجر من عمل بها، ومن سنّ سنة سيئة فله اجرها وأجر من عمل بها“ (۴۸) میں سنت کا لفظ اس لغوی لحاظ سے فرمایا ورنہ سنت نبوی کی صفت سیئہ کیسے ہو سکتی ہے۔ فان السنة خير كلها۔

چند احادیث میں کچھ اعمال کے متعلق بعض صحابہ نے ”نعمت البدعة هذه“ (۴۹) کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ جس سے مراد بدعت لغوی ہے ورنہ اصطلاحاً بدعت کے متعلق جب آنحضرت ﷺ ”كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة“ (۵۰) فرمائیں تو ضلالت کو ضلالت حسنہ کون کہہ سکتا ہے؟ (۵۱)۔ سنت کے متعلق اہل لغت نے کافی لکھا ہے۔ ابن الاثیر فرماتے ہیں:

۱۔ ”الاصل فيها الطريقة والسيرة“ (۵۲) (اس کے اصل معنی طریقہ اور سیرت کے ہیں)۔

۲۔ جرجانی کہتے ہیں ”السنة: لغة العادة“ (۵۳) (سنت لغت کے لحاظ سے عادت کو کہتے ہیں)۔

۳۔ صاحب مسلم الثبوت فرماتے ہیں: ”السنة: لغة العادة“ (۵۴) (سنت لغت میں عادت ہے)۔

۴۔ ابن درید نے ”کتاب الجمهرة“ میں لکھا ہے: ”والسنة: معروفة، وسن فلان سنة حسنة أو قبيحة يسنها سنًا“ (۵۵) (سنت کے معنی عام راستہ معروف ہیں۔ کہا جاتا ہے فلاں شخص نے اچھی یا بُری سنت طریقہ جاری کی۔ مضارع یسنُّ آتا ہے اور مصدر سنّا)۔

۵۔ اسماعیل بن حماد جوہری فرماتے ہیں: السنة: السيرة، قال الهذلي: فلا تجز عن من سيرة انت سرتها فاول راض سنة من يسيرها“ (۵۶) [سنت کے معنی سیرت (طرز، روش، چال، ڈھال) کے ہیں۔ ہذلی شاعر کہتا ہے: جس خصلت (چال) پر تم خود چلے اس سے مت گھبراؤ۔ اس لیے کہ جو شخص کسی خصلت کو اختیار کرتا ہے وہی اس کو پسند کرنے والا ہوتا ہے]۔

۶۔ علامہ زنجیری لکھتے ہیں: ”سن سنة حسنة: طرق طريقة حسنة واستن بسنة فلان ومتسنن: عامل بالسنة“ (۵۷) (فلاں شخص نے سنت جاری رکھی یعنی اچھا طریقہ تجویز کیا۔ فلاں شخص کی سنت کی پیروی کی یعنی اس کے طرز پر عمل کرے۔ فلاں شخص سنت پر عمل کرنے والا ہے)۔

۷۔ ابن منظور کی ”لسان العرب“ میں ہے: ”سن الله سنة ای بین طریقاً قویاً... والسنة السيرة حسنة أو قبيحة“ (۵۸) (اللہ نے ایک پختہ اور محکم راستہ بتلایا، سنت کے معنی سیرت بھی ہیں اچھی یا بُری)۔

سنت کا اصطلاحی مفہوم:

اصطلاح سنت میں رسول اللہ ﷺ کے حکم یا نبی یا کسی کام کے جائز قرار دینے کو کہتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو صرف رسول اللہ ﷺ کے فعل تک محدود رکھتے ہیں لیکن یہ لفظ حدیث کے مترادف ہے۔ شریعت میں آنحضرت ﷺ کے قول، فعل اور خاموشی سب سنت میں داخل ہیں۔ مولانا سلفی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ”اصول فقہ کے متون میں بعض علماء نے فرمایا: ”سنت کا لفظ صرف آنحضرت ﷺ کے اعمال پر بولا جاتا ہے اور حدیث کا لفظ اقوال پر لیکن اولہ شریعہ کے تذکرے میں وہ حدیث اور سنت کو مترادف اور ہم معنی سمجھتے ہیں۔ سنت کا لفظ جب اضافت سے استعمال ہو تو سنت نبوی سے مراد احادیث نبوی ہی لی جاتی ہیں (۵۹)۔

آئمہ حدیث اور فقہ سنت کے لفظ کو اصول میں مترادف استعمال کرتے ہیں:

- ۱۔ جرجانی رحمہ اللہ نے کہا: السنة: شریعة مشترک بین ما صدر عن النبی ﷺ من قول أو فعل أو تقرير و بین ما واطب النبی ﷺ علیہ بلا وجوب (۶۰) ”شریعت میں سنت کا لفظ آنحضرت ﷺ کے قول، فعل اور تقریر اور جس پر آپ ﷺ نے بلا وجوب ہمیشگی اختیار کی، کے درمیان مشترک ہے۔“
- ۲۔ نور الانوار میں ہے: ”السنة: تطلق علی قول الرسول وفعله وسكوته و علی أقوال الصحابة وأفعالهم“ (۶۱) (سنت کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل اور خاموشی پر ہوتا ہے اور صحابہ کے اقوال اور افعال پر ہوتا ہے)۔
- ۳۔ ابن حزم کہتے ہیں: ”السنن تنقسم ثلاثة أقسام قول من النبی ﷺ وفعل منه علیہ السلام وشیء رآه و علمه فأقر علیہ“ (۶۲) (سنن کی تین اقسام ہیں: نبی کا قول، فعل اور (تقریر) جو چیز آپ نے دیکھی اسے جانا اور اس کو برقرار رکھا)۔
- ۴۔ امام صالح بن طاہر الجزاری کہتے ہیں: ”واما السنة فتطلق فی الاكثر علی ما اضیف الی النبی ﷺ من قول او فعل او تقرير فهی مرادفة للحديث عنه علماء الاصول“ (۶۳) (سنت کا اطلاق اکثر طور پر اس چیز پر ہوتا ہے جس کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف ہو۔ خواہ قول ہو یا فعل ہو یا تقریر ہو۔ یہ علماء اصول کے نزدیک حدیث کے مترادف ہے)۔
- ۵۔ نواب صدیق حسن خان کہتے ہیں: ”اما شرعاً فهی قول النبی وفعله وتقريره“ (۶۴) (سنت کا لفظ شرعاً، قول، فعل اور تقریر نبی ﷺ کے لیے استعمال ہوتا ہے)۔
- ۶۔ متاخرین میں سے عجاج الخطیب نے سنت کے متعلق یہ لکھا ہے: ”کل ما أشرع عن النبی من قول أو فعل أو تقرير أو صفة خلقية أو خلقية أو سيرة سواء أكان ذلك قبل البعثة كتحنثه فی غار حراء أم بعدها، والسنة بهذا المعنی مرادفة للحديث النبوی“ (۶۵) (سنت رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال و افعال و تقریرات اور صفات خلقیہ و خلقیہ محاسن و شمائل اور سیرت سب کے مجموعے کا نام ہے۔ خواہ یہ بعثت سے قبل ہو جیسے کہ آپ ﷺ کا غار حراء میں عبادت کرنا یا اس کے بعد)۔ اس تعریف کے اعتبار سے سنت رسول اللہ ﷺ احادیث کے مترادف ہے۔
- لفظ سنت کا اطلاق آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق آپ ﷺ کے صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال پر بھی ہوتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”فعلیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدين المہدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواخذ“ (۶۶) (تمہارے اوپر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لو)۔

قرآن مجید میں لفظ سنت کا استعمال:

- ۱۔ قرآن عزیز میں یہ لفظ متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:
- ۱۔ ”ولا تسجد لسنننا تحویلا“ (۶۷) (آپ ہمارے دستور میں بغاوت نہیں پائیں گے)۔
- ۲۔ ”سنة اللہ فی الذین خلوا من قبل“ (۶۸) (اللہ کا دستور رہا ان لوگوں میں جو پہلے گزرے)۔
- ۳۔ ”فلن تجد لسنة اللہ تبدیلا“ (۶۹) (آپ اللہ کے دستور میں تبدیلیاں نہ پائیں گے)۔
- ۴۔ ”سنة من قد رسلنا قبلک من رسلنا“ (۷۰) (ان لوگوں کا دستور چلا آ رہا ہے جو ان سے پہلے تھے)۔
- مندرجہ بالا مقامات پر سنت کا لفظ دستور، طور، طریقہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔
- ۵۔ ”قد خلست من قبلکم سنن فسیروا فی الارض“ (۷۱) (آپ ﷺ سے قبل واقعات گزر چکے ہیں، زمین میں پھرو)۔
- ۶۔ ”وان یعودوا فقد مضت سنت الاولین“ (۷۲) (اور پھر بھی وہی کریں گے تو پڑ چکی راہ پہلوں کی)۔
- ۷۔ ”فہل ینظرون الا سنة الاولین“ (۷۳) (سو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں جو ان سے پہلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے)۔

حدیث نبوی ﷺ میں سنت کا لفظ:

رسول اللہ ﷺ نے بھی سنت کا لفظ اپنی احادیث میں استعمال فرمایا۔ جیسے صحیح بخاری میں ہے: ”أصوم وافطر وأصلی وأرقد وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی“ (۷۴) (میں روزے رکھتا ہوں اور چھوڑتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور نکاح بھی کیے ہیں جو میری سنت سے منہ پھیرے وہ مجھ سے نہیں ہے)۔

ایک اور حدیث میں فرمایا: ”إنه من احیی سنة من سنتی قد أمیتت بعدی فإن له من الأجر مثل من عمل بها من غیر أن ینقص من أجورهم شیئا ومن ابتدع بدعة ضلالة لا یرضاها اللہ ورسولہ کان علیہ مثل آثام من عمل بها لا ینقص ذلک من أوزار الناس شیئا“ (۷۵) (جس نے میری سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد مر گئی ہو تو اسے ان لوگوں کی مانند اجر ملے گا جو اس پر عمل کریں گے۔ جبکہ عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہ ہوگی۔ اور جس نے غلط راہ نکالی جس پر اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی نہ ہو تو اسے ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ ہوگا جو اس پر عمل کریں گے۔ اس چیز کے بغیر کہ ان کے گناہوں کے بوجھ میں کمی آئے)۔

آنحضرت ﷺ کے عمل کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایک دفعہ حضرت عبد بن عباس رضی اللہ عنہ نے جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھی اور بعد میں لوگوں کو بتایا: ”فقال: انہا سنة“ (۷۶) (یہ آنحضرت ﷺ کا طریقہ کار ہے)۔ سنت کا لفظ حدیث ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کہ ماخذ شریعت ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ کے قول پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں: ”اعلم انه قد اتفق من یعتقد به من اهل العلم علی أن السنة المطهرة مستقلة بتشریع الأحكام وأنہا كالقرآن فی تحلیل الحلال وتحريم الحرام“ (۷۷) ”اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ سنت احکام کے اثبات اور شریعت میں مستقل اصول ہے۔ حلال و حرام کے احکام میں قرآن مجید کی مانند ہے۔“

۷۔ الممسند (نون پر زیر سے):

جو شخص حدیث کو سند کے ساتھ روایت کرے۔ اسے اس کے متعلق معلومات ہوں یا نہ ہوں (۷۸)۔ متاخرین محدثین میں سے حماد انصاری لکھتے ہیں۔ مسند حدیث کے اس راوی کو کہتے ہیں جو سند سے بیان کرے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ اس کا عالم ہو یا روایت ہی کرتا ہو (۷۹)۔

۸۔ الممسند (نون پر زیر):

ایسی حدیث جس کی سند ابتدا سے انتہا تک متصل ہو۔ مسند حدیث کی اس کتاب کو بھی کہتے ہیں جس میں احادیث اسمائے صحابہ کی ترتیب سے جمع کی جائیں یا صحابہ کے حسب و نسب کا لحاظ کیا جاتا ہے مثلاً مسند ابی داؤد طیالسی۔ اس سلسلہ میں بہت معروف اور جامع کتاب مسند احمد بن حنبل ہے۔

- ۲۔ ایسی مرفوع حدیث جس کی سند متصل ہو۔
 ۳۔ مصدر میسی بمعنی اسناد، سند کے ہم معنی ہے (۸۰)۔

۹۔ المحدث:

یہ حدّث محدث تحدیث کا اسم فاعل ہے۔ وہ عالم حدیث جو مسند سے بڑھ کر ہے۔ وہ اسناد کو جانتا ہو۔ اس کو بہت سے متن یاد ہوں۔ اسے اکثر روایات کی صحیح معلومات ہوں۔ راویوں کے حالات کو جانتا ہو۔ اسے بہت سے متون یاد ہوں۔ وہ کتب ستہ، مسانید، معاجم اور احادیث کے اجزاء کا سماع کر چکا ہو۔

مختلف لوگوں نے محدث کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ امام تاج الدین السبکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”محدث وہ ہے جو اسانید حدیث، علل، اسما الرجال، عالی و نازل کا عالم اور اکثر متون کا حافظ ہو۔ اس نے کتب ستہ، مسند احمد، سنن بیہقی، اور معجم طبرانی کا سماع کیا ہو۔ علاوہ ازیں مزید ایک ہزار اجزاء حدیثیہ بھی سنے ہوں۔۔۔ اور فرماتے ہیں کہ ”یہ ادنیٰ ترین درجہ ہے“ (۸۱)۔

ابو الفتح ابن سید الناس کہتے ہیں کہ ہمارے اس دور میں ”محدث“ اسے کہتے ہیں جس کا حدیث کے ساتھ اشتغال بلحاظ روایت و درایت بہت زیادہ ہو۔ راویان حدیث کا وسیع علم رکھتا ہو۔ اپنے زمانے کے رواة حدیث اور مرویات سے کافی حد تک باخبر، بلکہ ایک ممتاز حیثیت کا حامل ہو۔ حتیٰ کہ اس کا حفظ معروف اور ضبط مشہور ہو (۸۲)۔

حافظ ابن حجر محدث کے بارے میں یہ لکھتے ہیں کہ وہ شیوخ سے خود مستفید ہو چکا ہو۔ وہ راویوں کے طبقات اور مراتب کو جانتا ہو۔ اور جرح و تعدیل سے پوری واقفیت رکھتا ہو (۸۳)۔

۱۰۔ الحافظ:

الحافظ بہت سے محدثین کے ہاں محدث کے مترادف ہے (۸۴)۔ متاخرین کے نزدیک ”حافظ“ وہ ہے جسے ایک لاکھ احادیث ”متنا و اسناداً“ زبانی یاد ہوں۔ اس لحاظ سے اس کا درجہ محدث سے بڑھ کر ہے۔ ابن سید الناس کہتے ہیں کہ محدث کی معلومات اتنی زیادہ ہو جائیں کہ اپنے تمام اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ کو طبقات وار جانتا ہو۔ اس طرح سے کہ جنہیں وہ جانتا ہو ان سے زیادہ ہوں جنہیں وہ نہیں جانتا (۸۵)۔

۱۱۔ الحجۃ:

حجت کے معنی دلیل ہیں۔ ایسا حافظ جس کا حافظہ بہت زیادہ ہو اور اسے تین لاکھ ”مسند“ احادیث زبانی یاد ہوں۔ یہ حافظ سے بڑھ کر ہے (۸۶)۔ بعض لوگ کہتے ہیں حجہ کا اطلاق حافظ پر ہی ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت جب اسے اسانید و متون کے حفظ میں اتقان حاصل ہو اور تمام معاملات پر گہری نظر رکھتا ہو۔



حدیث نبوی کی اہمیت، ضرورت و حجیت

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو کہ تمام شعبہ ہائے حیات میں کامیاب عملی راہنمائی کا نظام ہے۔ اسلام ہی اللہ رب العالمین کے ہاں مقبول دین ہے۔ اس دین کے علاوہ دوسرا کوئی نظام اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ”وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ“ (۸۷) (جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے وہ اس سے دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا)۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات قرآن و حدیث کی صورت میں محفوظ ہیں۔

اس نظریاتی و عملی دین کا مکمل نمونہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اسلام کے اساسی اصول اور بنیادی تعلیمات تو قرآن میں موجود ہیں جبکہ اس کی تشریح و توضیح رسول اللہ ﷺ کی سنت اور احادیث مبارکہ ہیں یہ تشریح و توضیح آپ کی ذاتی سوچ و فکر پر مشتمل نہیں بلکہ یہ بھی الہامی ہے۔ حدیث اور علم حدیث کا موضوع آنحضرت ﷺ کی ذات جامع صفات ہے جملہ احادیث نبویہ میں آپ ﷺ کے اقوال و افعال اور حالات و اسوہ حسنہ کا بیان ہے جبکہ اس علم حدیث کے حاصل کرنے کی غرض و غایت ”اطاعت و اتباع رسول“ ہے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں دیا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ (۸۸)۔

آنحضرت ﷺ کے ارشادات آپ ﷺ کی ذات اقدس کی طرح ہی واجب الاحترام ہیں۔ قرآنی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر پیغمبر کا اپنے اپنے دور میں یہی مقام رہا ہے۔ وما ارسلنا من رسول الا ليطيع باذن الله (۸۹)۔

ہر پیغمبر اسی لیے مبعوث کیا جاتا ہے کہ خدا کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے بعض انبیاء پر الہامی کتب نازل ہوئیں جیسے توریت، زبور و انجیل، قرآن اور بعض پر صرف احادیث نازل ہوئیں۔ وہی ان کی شریعت تھی اور وہی احکام، حضرت اسمعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یونس علیہ السلام،

لوط علیہ السلام، ہود علیہ السلام اسی قسم کے انبیاء تھے جن پر بظاہر احادیث کے سوا کچھ بھی نازل نہیں ہوا۔ ان احادیث کی روگردانی کی وجہ سے ان امتوں پر عذاب نازل کیا گیا۔

آنحضرت ﷺ کی طرف ان دونوں قسموں کی وحی نازل فرمائی گئی ہے: ”انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ“ (۹۰) (ہم نے تم پر اسی طرح وحی نازل کی جس طرح نوح علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے انبیاء پر نازل ہوئی)۔ یعنی قرآن بھی نازل فرمایا گیا اور حدیث و سنت بھی۔

قرآن مجید میں اکثر تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول ﷺ کی اطاعت کو بھی ضروری ٹھہرایا ہے اور کہیں صرف رسول کی اطاعت و پیروی کا ہی حکم ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ دینی نقطہ نظر سے قرآن کے پہلو بہ پہلو اسلام اور فقہ و تقنین کا دوسرا سرچشمہ یا مصدر ثانی جس سے ایمان و عمل کے تقاضے مکمل ہوتے ہیں وہ اطاعت رسول ﷺ ہے۔ جس کا واحد ذریعہ ہمارے پاس احادیث رسول ﷺ ہیں۔

حدیث وحی الہی ہے:

حدیث رسول کی الہامی حیثیت مسلم ہے۔ جس پر خود قرآن شاہد ہے کہ آنحضرت ﷺ کے فرامین بھی وحی الہی ہیں۔ سورہ النجم میں ارشاد ہے: ”وما ینطق عن الہوی ان هو الا وحی یوحی“ (۹۱) (آپ ﷺ اپنی خواہش سے بات (حکم دین) نہیں فرماتے بلکہ وہ تو وحی ہے جو آپ ﷺ پر بھیجی جاتی ہے)۔

اس کی وضاحت میں مولانا محمد عبدہ الفلاح لکھتے ہیں: دین کے باب میں (آپ ﷺ) جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی کے بغیر نہیں فرماتے معلوم ہوا کہ حدیث بھی قرآن کی طرح وحی ہے اور واجب الاتباع ہونے کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ علماء نے قرآن کو وحی مقلو اور حدیث کو وحی غیر مقلو کہا ہے (۹۲)۔

وحی مقلو اور وحی غیر مقلو:

وحی مقلو سے مراد وہ وحی ہے جس کی تلاوت کی جائے یعنی جو قرآنی متن کی صورت میں ہے۔ جبکہ وحی غیر مقلو وہ وحی ہے جس کی باقاعدہ تلاوت نہ کی جائے اور یہ نبی اکرم ﷺ کی زبان اقدس سے نکلا ہوا رضائے الہی کے مطابق کلام ہو۔ وحی کی ان دونوں قسموں کا نبی کی زبان سے ادا

ہونے کے بعد ایک مسلمان سے تقاضا ہے کہ ان دونوں پر نظریاتی اور عملی ایمان لائے کیونکہ جیسے قرآن پر ایمان ضروری ہے ویسے ہی اس کی مثل پر بھی۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے: **الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ (۹۳)۔**

نبی اکرم ﷺ کا منصب قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے: **کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم آیتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمة ویعلمکم ما لم تکنوا تعلمون (۹۴)۔** یہاں چار واضح اور جداگانہ فرائض کی ذمہ داری کا ذکر کیا گیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو سونپے گئے ہیں:

- | | |
|------------------|-----------------|
| i- تلاوت آیات۔ | ii- تزکیہ۔ |
| iii- تعلیم کتاب۔ | iv- تعلیم حکمت۔ |

۱۔ تلاوت آیات:

نبی اکرم ﷺ کا پہلا فرض بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ آیات قرآنی کو جوں کا توں بندگان خدا تک پہنچا دیں۔ یہ فریضہ تلاوت آیات کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کو قاصدانہ انداز میں مطلوب نہیں کہ ایک ڈاکیہ کی طرح پیغام کی ترسیل کی جائے بلکہ پیغمبرانہ اور داعیانہ انداز سے اس کی ادائیگی مطلوب ہے کیونکہ اگر نبی کی پوزیشن محض پیغام پہنچانے کی ہوتی تو بس ان کا کام یہیں ختم ہو جاتا اور آگے کی ساری ذمہ داریاں مخاطبین پر عائد ہو جاتیں لیکن اس کے ساتھ اور کام بھی مطلوب ہے اور وہ ہے تعلیم کتاب۔

۲۔ تزکیہ نفس:

تلاوت آیات کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے فرائض منصبی میں لوگوں کا تزکیہ نفس بھی شامل کیا گیا تھا۔ جس کا ذکر کئی مقامات پر قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ یہ آپ ﷺ کے تربیت و تزکیہ کا ہی نتیجہ تھا کہ حالات میسر آنے کے باوجود لوگ اپنے دامن کو گناہوں سے آلودہ ہونے سے حتیٰ الوسع بچائے رکھتے تھے، جیسے حضرت ابو مرثد غنوی کو اندھیری رات کی تنہائی میں دعوت برائی ملی تو انہوں نے اسی تربیت کے نتیجہ میں صاف انکار کر دیا بلکہ اگر کبھی کسی سے گناہ سرزد ہو جاتا تو علی الاعلان ”انی قد زنیٰ وانا ارید ان تطہرنی“ (میں نے زنا کیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ مجھے پاک کر دیں) کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے دنیا کی سزا کو آخرت پر ترجیح دیتا (۹۵)۔

آج ہمارے پاس اس تربیت و تزکیہ کا ذکر کتب احادیث کی صورت میں موجود ہے جس کے ذریعے ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر معاشرے کی اصلاح کر سکتے ہیں۔

۳۔ تعلیم کتاب:

قرآن مجید کی بلاغت و اعجاز اس بات کی مقتضی ہے کہ اس میں اسراف الفاظ نہ ہو۔ چنانچہ تلاوت آیات کے ساتھ تعلیم کتاب کا تذکرہ اس بات کو عیاں کرتا ہے کہ ان دونوں کی حیثیت اور نوعیت میں فرق ہے۔ تلاوت آیات سے سادہ زبان اور دل نشین انداز میں پیغام الہی کو بندوں کے پردہ سماعت تک پہنچا دیا گیا۔ اب ایک معلم کا کام صرف یہ نہیں کہ لوگوں کی اس سماعت کے بعد وہ ان کو تعلیم دینے کے بارے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گیا ہے بلکہ معلم اس مطلوب تعلیم کو مخا طبین کی ذہنی سطح کے پیش نظر، مختلف اسالیب سے قابل قبول بنا کر لوگوں کے دلوں میں اتارتا ہے۔ اور اس کے متعلق تمام شکوک و شبہات کا حل پیش کرتا ہے تاکہ لوگوں کو اس حقیقت کا فہم حاصل ہو جائے۔

قرآن مجید نے وحی غیر متلو کو ”الحکمة“ سے تعبیر کیا ہے۔ الحکمة (حدیث) کے منزل من اللہ ہونے کے بارے میں ارشاد ہے: ”وانزل اللہ علیک الكتاب والحکمة و علمک ما لم تکن تعلم“ (۹۶) مولانا وحید الزماں نے اس آیت کا ترجمہ یوں بیان کیا ہے (اور اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب اتاری قرآن شریف اور حدیث شریف اور جو تو نہیں جانتا تھا، وہ تجھ کو سکھلایا)۔ ایک اور مقام پر قرآن مجید نے حدیث پاک (الحکمة) کو منزل من اللہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”واذکروا نعمة اللہ علیکم وما انزل علیکم من الکتب والحکمة یعظکم بہ“ (۹۷) (اور اللہ تعالیٰ نے جو تم پر احسان کیا اس کو یاد کرو۔ اور جو تم پر کتاب اور حکمت (سنت یعنی حدیث شریف) تمہارے سمجھانے کے لیے اتاری)۔

مفتی محمد عبدہ الفلاح مرحوم لکھتے ہیں: یہاں الحکمت سے مراد سنت ہے یعنی کتاب و سنت کی جو نعمت تم پر نازل کی ہے، اسے مت بھولو۔ یہ دونوں وحی الہی ہیں اور دلیل ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ لہذا منکر حدیث کا وہی حکم ہے جو منکر قرآن کا ہے (۹۸)۔

۴۔ تعلیم حکمت:

تعلیم حکمت کو آنحضرت ﷺ کے فرائض میں گروانا گیا ہے۔ کتاب کے ساتھ تو حکمت کا لفظ قرآن پاک کی متعدد آیات میں آیا ہے، بلکہ اسے الگ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں حکمت

سے مراد سنت نبوی لیا گیا ہے۔ چنانچہ قتادہ سے مروی ہے: الحکمة ای السنة (۹۹)۔ نیز امام شافعی فرماتے ہیں: سمعت من ارضی من اهل العلم بالقرآن ان يقول الحکمة سنة رسول الله (۱۰۰) (میں نے قرآن کے ان اہل علم سے جنہیں میں پسند کرتا ہوں یہ سنا کہ حکمت آنحضرت ﷺ کی سنت ہی ہے)۔

حدیث کی تشریحی حیثیت:

بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کی حدیث و سنت کو دین میں حجت تسلیم نہیں کرتے۔ ان کی نظر میں قرآن مجید ہی ماخذ شریعت ہے۔ احادیث کی حیثیت عرب معاشرے کی عام عادات و رسوم کی سی ہے۔ منکرین حدیث کا یہ نظریہ قرآن و حدیث کی اصولی تعلیمات کے سراسر منافی اور ناقابل عمل ہے۔ قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی ہدایات و تعلیمات کو حجت شرعی قرار دیتے ہوئے فرمایا: ”وما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا واتقوا الله ان الله شديد العقاب“ (۱۰۱) (اور تمہیں جو کچھ رسول دے، اسے لے لو اور جس سے روکے، رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے)۔

شیخ الحدیث مفتی محمد عبده الفلاح اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں: ”اس آیت نے آنحضرت ﷺ کے حکم کو ایک مستقل تشریع کی حیثیت دی ہے اور اسے قرآن کی موافقت کے ساتھ مقید نہیں فرمایا۔ لہذا آنحضرت ﷺ کا جو حکم بذریعہ صحیح روایت ثابت ہوگا، وہ واجب العمل ہو گا“ (۱۰۲)۔

قرآن مجید نے رسول اللہ کے احکام کی حلال و حرام میں بھی حجت کا ذکر فرمایا ہے: ”يا امرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث“ (۱۰۳) (وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور بری بات سے روکتا ہے اور ستھری پاکیزہ چیزیں ان کے لیے حلال کرتا ہے اور پلید (ناپاک) چیزیں ان پر حرام کرتا ہے)۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی سورہ اعراف کی مذکورہ آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”اس آیت کے الفاظ اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تشریحی اختیارات (Legislative powers) عطا کیے ہیں“ (۱۰۴)۔

مولانا محمد ادریس میرٹھی نے بھی آیت بالا کو اس امر کی دلیل قرار دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات تشریحی حیثیت رکھتے ہیں (۱۰۵)۔ گویا حدیث دین میں حجت ہے اور ماخذ شریعت ہے۔

خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی حدیث کو مثل قرآن قرار دیا۔ چنانچہ حدیث نبوی ﷺ ہے: ”الا انی اوتیت الكتاب ومثله معه، الا یوشک رجل شعبان علی اریکته یقول علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوه وما وجدتم فیہ من حرام فحرموه الا لا یحل لکم لحم الحمار الاہلی ولا کل ذی ناب من السبع ولا لقطۃ معاہد الا ان یتغنی عنہا صاحبہا“ (۱۰۶) (لوگو! یاد رکھو مجھے قرآن اور اس کی مثل ایک اور چیز دی گئی ہے۔ خبردار! ایک وقت آئے گا کہ ایک پیٹ بھرا اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہوگا اور کہے گا لوگو! تمہارے لیے قرآن ہی کافی ہے۔ اس میں جو چیز حلال ہے بس وہی حلال ہے اور جو چیز حرام ہے بس وہی حرام ہے۔ سنو! گھریلو گدھا بھی تمہارے لیے حلال نہیں (حالانکہ قرآن میں اس کی حرمت کا ذکر نہیں) نہ ہی درندے جن کی کچلیاں ہیں۔ نہ ہی کسی ذمی کی گری ہوئی چیز کسی کے لیے حلال ہے۔ ہاں البتہ اگر اس کے مالک کو اس کی ضرورت ہی نہ تو پھر جائز ہے)۔

صاحب عون المعبود نے حدیث کی شرح میں بیان کیا ہے کہ حدیث رسول بھی احکام و اوامر میں مثل قرآن ہے۔ نبی ﷺ جو باتیں قرآن میں نہیں ان کو تشریحی حیثیت میں بیان کرتے ہیں۔ امام خطابی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے منکرین سنت کو ڈرایا کہ وہ بھی روافض و خوارج کی طرح قرآن مجید پر اکتفا کر کے سنت کو ترک کر رہے ہیں۔

خطابی مزید کہتے ہیں: فی الحدیث دلیل علی أن لا حاجة بالحدیث أن یعرض علی الكتاب وانہ مهما ثبت عن رسول اللہ ﷺ شیء کان حجة بنفسه فاما ما رواه بعضهم انه قال اذا جاء کم الحدیث فاعرضوه علی کتاب اللہ فان وافقه فخذوه فانہ حدیث باطل لا اصل له (۱۰۷) (اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حدیث کو کتاب قرآن مجید پر پیش کرنا ضروری نہیں ہے۔ اور جب بھی نبی کریم ﷺ سے حکم ثابت ہو گیا وہ آپ ﷺ کا حکم فی نفسہ حجت ہے۔ جہاں تک اس روایت کا معاملہ ہے کہ جس میں بیان ہوا کہ جب کوئی حدیث ملے تو اسے کتاب اللہ پر پیش کیا جائے، وہ روایت باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے)۔

یہ بات یقینی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے فرامین و سنن تشریحی حیثیت رکھتے ہیں۔ علماء امت آپ ﷺ کے تشریحی اختیارات کو تسلیم کرتے ہیں۔ حدیث و سنت کی تشریحی حیثیت سے انکار کرنے والوں کا دعویٰ بے دلیل و باطل ہے۔ یہ لوگ اپنے باطل نظریات کو بنیاد بنا کر دین اسلام کے عملی پہلو کا فکری و عملی انکار کر رہے ہیں (نعوذ باللہ من ذلک)۔

حدیث قرآن مجید کی تفسیر و تشریح ہے:

منکرین حدیث قرآن مجید کی من مانی تاویلات و تشریحات کے قائل و فاعل ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس فکر کے حاملین کا جزیات پر اتفاق تو درکنار بلکہ وہ بنیادی و اصولی احکام دینیہ پر مختلف اور متضاد آراء رکھتے ہیں یہاں تک کہ اس گمراہ گروہ کا نمازوں کی تعداد پر بھی اتفاق نہ ہو سکا بلکہ قرآنی حکم اقموا الصلوٰۃ کو بھی نہ سمجھ پائے۔ ان لوگوں نے قرآن مجید کو حدیث رسول ﷺ سے اغماض اور چشم پوشی کرتے ہوئے سمجھنے کی کوشش کی تو اس میں ناکام و نامراد رہے۔ انہیں قرآنی آیات پر سرسری غور سے سمجھ آنے والے احکام کا بھی فہم نہ مل سکا۔ قرآن مجید کا یہ فرمان اپنے مفہوم کس قدر مبین و واضح ہے غور فرمائیے! ”وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم ولعلہم یتفکرون“ (۱۰۸) (اور ہم نے یہ ذکر قرآن آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل کیا گیا۔ آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں شاید کہ وہ غور کریں)۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ فرض منصبی تھا کہ وہ کتاب اللہ کے احکام و فرائض کی تشریح و توضیح فرمائیں۔ آپ ﷺ کے اس دینی منصب کا انکار اور اس کی اہمیت کم کرنے والوں پر نقد کرتے ہوئے سید مودودی مذکورہ آیت کریمہ کی وضاحت میں فرماتے ہیں: ”پھر کس طرح یہ ممکن ہے کہ شارح قرآن کی حیثیت سے آپ ﷺ کے منصب کو رسالت کے منصب سے الگ قرار دیا جائے۔ اور آپ ﷺ کے پہنچائے ہوئے الفاظ قرآن کو لے کر آپ ﷺ کی شرح و تفسیر قبول کرنے سے انکار کر دیا جائے کیا یہ انکار خود رسالت کا انکار نہ ہو جائے گا“ (۱۰۹)۔

سید مودودی کی رائے صائب ہے کہ آپ ﷺ کی تفسیر و تشریح قرآن سے انکار کرنا، در حقیقت رسالت سے انکار کے مترادف ہے گویا منکرین حدیث اس لحاظ سے منکرین رسالت ہیں۔ فہم قرآن کے لیے حدیث و سنت کی اہمیت واضح کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں: ”اب اگر ہم سنت کو نکال دیں تو اگرچہ ہم دین کی اصولی باتوں سے واقف ہوں گے، لیکن ان کی عملی شکل سے اسی طرح بے خبر ہوں گے جس طرح دور جاہلیت میں دینی حنفی کے پیروکار تھے۔ وہ کہتے کہ اے رب! ہم نہیں جانتے کہ تیری عبادت کس طرح کریں، ورنہ اسی طرح کرتے“ (۱۱۰)۔

معلوم ہوا کہ اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہونے کے لیے تمسک بالحدیث ضروری ہے ورنہ قرآن مجید کے اکثر احکام پر عمل تو کجا ان کا فہم و ادراک بھی ناممکن ہے۔

اطاعتِ رسول کا حکم:

قرآن و سنت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رضائے الہی کے حصول کے لیے اطاعتِ رسول لازم ہے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے۔ اطاعتِ رسول کی اہمیت جاننے کے لیے چند قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیے: ”یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم“ (۱۱۱) (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال برباد مت کرو)۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی عمل خواہ کتنا ہی بہتر کیوں نہ معلوم ہوتا ہو، اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے دائرے سے باہر ہے تو رائیگاں اور برباد ہے (۱۱۲)۔

ارشادِ ربانی ہے ”اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا، فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین“ (۱۱۳) (اور اللہ تعالیٰ کا کہا مانو اور (اس کے) رسول کا کہا مانو اور (ان دونوں کی نافرمانی سے) بچے رہو۔ پھر اگر تم نہ مانو تو یہ جانے رہو (ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا) ہمارے رسول ﷺ کے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے)۔

یہ آیت کریمہ حرمتِ خمر و میسر کے اعلان کے متصل بعد ہے۔ مفتی محمد عبدہ الفلاح اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”شراب اور جوئے سے باز رہنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت سے ڈرو (تفسیر کبیر و قرطبی) یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے مراد قرآن و سنت کی پیروی ہے۔ اور سنت بھی قرآن کی طرح ایک مستقل ماخذِ دین ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”اوتیت القرآن و مثله معہ“ (۱۱۴) (کہ مجھے قرآن دیا گیا اور اس جیسی ایک اور چیز (یعنی حدیث) بھی)۔

تاکیدِ مزید کے لیے اسی بات کو دوبارہ سورۃ تغابن میں دہرایا گیا ہے: ”واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولیتم فانما علی رسولنا البلاغ المبین“ (۱۱۵) (اللہ کا کہا مانو اور رسول ﷺ کا کہا مانو، پس اگر اعراض کرو تو ہمارے رسول کے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے)۔ مطلب یہ کہ ہمارے رسول کا اس سے کچھ نہیں بگڑے گا، کیونکہ اس کا کام صرف تبلیغ ہے۔ امام زہری فرماتے ہیں: اللہ کا کام رسول بھیجنا ہے، رسول کا کام تبلیغ اور لوگوں کا کام تسلیم کرنا ہے (۱۱۶)۔ نیز اہل ایمان کا شیوہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ویطیعون اللہ ورسولہ..... (۱۱۷) (وہ اہل ایمان اللہ اور اس

کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں)۔ مولانا محمد حنیف ندوی اطاعت رسول اللہ ﷺ کے متعلق آیات متعدد لکھ کر درج ذیل اہم امور بیان کرتے ہیں:

- ۱۔ اطاعت رسول سے انکار کفر ہے۔
- ۲۔ اطاعت رسول حصول رحمت الہی کا ذریعہ ہے۔
- ۳۔ فقہی و دینی مسائل میں اختلاف کی صورت میں اللہ اور رسول ﷺ کا فیصلہ حرف آخر ہے۔
- ۴۔ ایمان باللہ اور رسول کے تقاضے اطاعت رسول سے ہی پورے ہو سکتے ہیں۔
- ۵۔ اطاعت رسول کی روگردانی سے ضبط اعمال کا اندیشہ ہے۔
- ۶۔ رسول کی اطاعت، اللہ کی اطاعت کے مترادف ہے۔
- ۷۔ یہ پیغمبر اسی لیے مبعوث ہوا کہ لوگ اس کی اطاعت کریں۔
- ۸۔ حصول محبت الہی کے لیے اطاعت و اتباع رسول لازم ہے۔
- ۹۔ جو لوگ آپ ﷺ کی تعلیمات کی مخالفت میں سرگرم ہیں۔ ان کو عذاب الہی سے ڈرنا چاہیے۔
- ۱۰۔ ایمان اس وقت تک تکمیل پذیر نہیں ہوتا جب تک آنحضرت ﷺ کے احکام و اوامر کو پورے اخلاص سے تسلیم نہ کیا جائے (۱۱۸)۔

حب رسول کا تقاضا (اطاعت و اتباع رسول ﷺ):

نبی کریم ﷺ سے محبت ایمان کا حصہ ہے بلکہ آپ ﷺ کی محبت جب تک دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر نہ ہو ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہے: ”والذی نفسی بیدہ لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ“ (۱۱۹) (اس ذات اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں (رسول اللہ ﷺ) اسے اس کے والد اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)۔

قرآن مجید میں بھی اللہ اور رسول کی محبت اور اس کے تقاضے بیان کرتے ہوئے یوں ارشاد ہے: قل ان کان اباکم و ابناءکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموالکم و اقربتموہا و تجارۃ تخشون کسادہا و مساکن ترضونها احب الیکم من اللہ و رسولہ و جہاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتئ اللہ بامرہ (۱۲۰) (آپ ﷺ فرمادیجئے! کہ

اگر تمہیں اپنے باپ دادا، بیٹے، بھائی، بیویاں، خاندان، کمایا ہوا مال اور تجارت جس کے خراب ہونے کا تمہیں خدشہ ہے، اپنے پسندیدہ مکان اللہ اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو اللہ کے حکم سے عذاب آنے کا انتظار کرو۔ نبی اکرم ﷺ کی محبت کے بغیر ایمان کا دعویٰ باطل ہے۔ آپ ﷺ کی محبت کیسے اور کیونکر حاصل ہوتی ہے؟

اس کی وضاحت درج ذیل حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے: ”من أحبني فقد أحبني ومن أحبني كان معي في الجنة“ (۱۲۱) (جس نے میری سنت کو زندہ کیا، اس نے میرے ساتھ محبت کی اور جس نے میرے ساتھ محبت کی، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا)۔

اس حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت حاصل کرنے کے لیے آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع شرط ہے جو انسان آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع کا قائل و فاعل نہ وہ گویا جنت میں جانے سے انکاری ہے اور ایمان کی نعمت سے محروم ہے۔

ہدایت اطاعت رسول سے مستلزم ہے:

موجودہ دور میں علوم و فنون میں حیرت انگیز ترقی اور معاشرتی اقدار میں تبدیلی سے ہر انسان متاثر ہوا ہے۔ اکثر لوگ اس مادی ترقی کو بنیاد بنا کر دینی و اخلاقی ضوابط کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور روشن خیالی و جدت پسندی جیسی سراب نما اصطلاحات کو اپنی فکری معراج قرار دیتے ہیں۔ اس رویے کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ وہ اپنے غلط خیالات اور بے ہودہ اعمال پر خوش ہو کر دین کی مبارک و ہدایت پر مبنی تعلیمات کو ترک کر رہے ہیں۔ قرآن حکیم ایسے بزم خود روشن خیال منکرین کو متنبہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: قل اطيعوا الله واطيعوا الرسول فان تولوا فانما عليه ما حمل وعليكم ما حملتم وان تطيعوه تهتدوا وما على الرسول الا البلاغ المبين (۱۲۲) (کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ رسول اللہ کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمے تو صرف وہی ہے جو اس پر لازم کر دیا گیا اور تم پر اس کی جوابدہی ہے جو تم پر رکھا گیا ہے۔ ہدایت تو تمہیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی اطاعت کرو گے۔ سنو رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے)۔

رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی سزا:

قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیتے ہوئے اس بات کا اعلان فرمایا: من يطع الرسول فقد اطاع الله (۱۲۳) (اس رسول ﷺ کی جس نے

اطاعت کی، اسی نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

قرآن مجید نے نبی اکرم ﷺ کی نافرمانی کی توکجا، اس کے متعلق مشاورت اور سرگوشی سے بھی منع فرمایا ارشاد ہے: **فَلَا تَنَاجُوا بِالْأَثَمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَتَنَاجُوا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ (۱۲۳)** (گناہ، ظلم و زیادتی اور رسول اللہ کی نافرمانی کی سرگوشی مت کرو بلکہ نفع رسانی اور پرہیزگاری کی باتوں پر تبادلہ خیالات کرو)۔

اللہ تعالیٰ نے نافرمان رسول کو گمراہ قرار دیا: **”وَمَنْ يَعَصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا“ (۱۲۵)** (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا)۔

قرآن مجید میں ہے: **فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابُ أَلِيمٍ (۱۲۶)** (جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آ پڑے یا انہیں کوئی دکھ کی مار نہ پڑے)۔ سورہ جن میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے نافرمان کو ابدی جہنمی قرار دیا گیا: **وَمَنْ يَعَصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنْ لَه نَارُ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا (۱۲۷)** (اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نہ مانے گا، اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا)۔

حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے نافرمان کو جہنمی بلکہ اس کے خود جنت میں جانے سے انکاری قرار دیا گیا: **”كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَنْ يَأْبَى، قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى“ (۱۲۸)** (میری تمام امت جنت میں جائے گی سوائے اس کے جو جنت میں جانے سے انکار کر دے، صحابہ نے پوچھا کہ جنت میں جانے سے کون انکار کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے گویا جنت میں جانے سے انکار کر دیا)۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ منکر حدیث، گمراہ، جہنمی، عذاب الہی کا مستحق اور خود ہی جنت میں جانے سے انکاری ہے۔ اس گمراہ فکر کے حاملین کے لیے لازم ہے کہ فوراً عقیدہ و عمل قرآن و سنت کے مطابق کریں۔ و ما توفیقی الا باللہ۔

علوم اسلامیہ میں حدیث کا مقام:

حدیث و سنت دین اسلام کا دوسرا بنیادی ماخذ ہے۔ اس ماخذ کی دین اسلام میں کیا اہمیت

ہے۔ اس کا اندازہ قرآن مجید کے اس اعلان سے ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی خواہش نفسانی سے بات نہیں فرماتے بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی وحی ہوتی ہے۔

وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى (۱۲۹) (آپ ﷺ اپنی خواہش سے بات (حکم دین) نہیں فرماتے بلکہ وہ تو وحی ہے جو آپ پر بھیجی جاتی ہے)۔

نبی کریم ﷺ نے حدیث کو یاد رکھنے والے کے لیے تروتازگی کی دعا فرمائی۔ ارشاد ہے: ”نضر الله عبدا سمع مقالتي ووعاها واداهها، فرب حامل فقه غير فقيهه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه“ (۱۳۰) (اللہ تعالیٰ اس بندے کو تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی اور اسے یاد کیا اور اسے (آگے) ادا کیا، پس کئی حاملین علم غیر فقیہ ہوتے ہیں اور کئی اپنے سے زیادہ فہم والوں کو علم پہنچاتے ہیں)۔

حدیث و سنت کی اہمیت کے پیش نظر محدثین کرام نے تدوین حدیث کا کام بے حد محنت و لگن سے سرانجام دیا۔ اخذ و روایت حدیث میں ایسی احتیاط و اہتمام کا ثبوت دیا کہ امت مسلمہ سے قبل اس قسم کی منظم و مربوط علمی کاوش اہل ارض نے نہ دیکھی تھی۔ چنانچہ امام ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں: نقل الثقة عن الثقة مع الاتصال حتى يبلغ النبي ﷺ، خص الله به المسلمين دون سائر الملل كلها (۱۳۱) (ثقة راوی کا ثقة راوی سے اتصال سند کے ساتھ نقل کرنا حتیٰ کہ نبی ﷺ تک سند کا پہنچنا، اس کام میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو تمام امتوں میں نمایاں مقام دیا ہے)۔

علوم اسلامیہ میں یہ سلسلہ اسناد و معیار رواۃ کا اہتمام تدوین حدیث کی ضرورت و اہمیت کی عکاسی کرتا ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے بھی امت مسلمہ کے اس اختصاص کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے: ”نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال و اعظم الشان فن ایجاد کیا ہے، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے (۱۳۲)۔“

حدیث و سنت، ملت اسلامیہ کی وحدت کا ذریعہ:

احادیث رسول مسائل دینیہ میں اختلاف اور افتراق کو ختم کرنے کا واحد ذریعہ ہیں۔ اگر حضور ﷺ کے ارشادات اور سنن کو ترک کر دیا جائے تو قرآن مجید کی تفسیر و تعبیر اور اسلام کی عملی صورت کے متعلق بے شمار بنیادی و اصولی اختلافات وجود میں آجائیں گے۔

قرآن مجید میں اختلافات کی صورت میں رجوع الی اللہ و الرسول کا حکم ان الفاظ میں ہے: یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئ

فردوه الى الله والرسول ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير واحسن تاويل (۱۳۳) (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام بہت اچھا ہے)۔ مفتی محمد عبدہ فرماتے ہیں: اس (آیت) سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی طرح رسول اللہ ﷺ کی حدیث بھی اسلامی قانون کا مستقل ماخذ ہے (۱۳۴)۔

امت اسلامیہ میں افتراق و اختلاف کے عود کر آنے کا ذکر کرتے ہوئے ساتھ ہی آپ ﷺ نے اس کا تدارک بھی بیان فرمایا: چنانچہ حدیث شریف میں ہے: اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعة وان عبدا حبشیاً فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المہدیین، تمسکوا بہا، وعضوا علیہا بالنواجذ، وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثہ بدعة وکل بدعة ضلالة (۱۳۵) (میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے، اپنے امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ تمہارا امیر کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو) اور یاد رکھو جو لوگ تم میں سے میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھیں گے۔ ایسے وقت میں میری سنت کو لازم پکڑنا، اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقے پر قائم رہنا اور مضبوطی سے اس پر جم جانا۔ دین میں نئی نئی باتوں (بدعتوں) سے بچنا دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور یہ بدعت گمراہی ہے)۔

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے ایک تو امت میں اختلافات کے خدشے کا اظہار کیا اور دوسرے اختلافات کو ختم کرنے کا طریقہ بتلایا۔ آپ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کی رو سے دراصل اختلافات و افتراقات کا خاتمہ اتباع سنت نبوی و سنت خلفاء سے ہی ممکن ہے۔ آپ ﷺ کا بتلایا ہوا یہ اصول گویا ایک قابل عمل اور آسان حل ہے۔ اسے نسخہ کیمیا سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

اسلامی تہذیب و ثقافت کی اساس:

قرآن مجید کی تفسیر و توضیح اور احکام قرآنی کی عملی تصویر آپ کی سیرت طیبہ ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت تمام شعبہ ہائے زندگی کے لیے مکمل رہنما ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة (۱۳۶) (بے شک تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی

میں بہترین نمونہ ہے۔)

گویا اہل اسلام کے لیے لازم ہے کہ وہ عبادات، معاملات، معاشیات، سیاسیات، اخلاقیات غرضیکہ ہر کام میں اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کریں۔ نبی اکرم ﷺ کی زندگی تمام انسانوں کے لیے اور تمام زمانوں کے اسوہ حسنہ اور ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بظاہر نیکی میں سنت مبارکہ سے اعراض کرتے ہوئے شوقِ عبادت میں زیادہ رغبت کا اظہار کیا جیسے کہ حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے کہا میں شادی نہیں کروں گا، دوسرے نے کہا کہ میں ساری رات نفل قیام کیا کروں گا، تیسرے نے کہا کہ میں بلا ناغہ (نفلی) روزے رکھوں گا، ان صحابہ کی یہ باتیں سن کر آپ سخت ناراض ہوئے۔ اور فرمایا: **انتم الذین قلتم کذا و کذا، اما واللہ انی لا خشاکم للہ و اتقاکم لہ لکنی اصوم و افطر و اصلی و ارقد و اتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی** (۱۳۷) (کیا تم نے ایسا ایسا کیا ہے؟ فرمایا: اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں، لیکن میں روزہ رکھتا ہوں، ترک بھی کرتا ہوں، رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کیے ہیں (یاد رکھو) جس نے میری سنت سے منہ موڑا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی اتباع سے ہی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ممکن ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ اور امتی لوگوں کو سنت کی پیروی کرنے کی سخت تاکید فرمائی نیز سنت سے گریز کرنے والوں کو سخت ڈانٹ پلائی۔

محدثین کرام نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر سیرت نبوی کے تمام گوشوں کو محفوظ کر دیا۔ نیز نبی اکرم ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ عظام کی پاکیزہ زندگیوں کے احوال بھی کتب حدیث و سیر میں مدون و مرتب ہیں۔ اس طرح عہد نبوی و عہد صحابہ کی سیاسی، معاشرتی و معاشی سرگرمیوں سے مکمل آگاہی حاصل کرنے کا اصل ماخذ کتب حدیث ہیں۔

احادیث میں آپ ﷺ کی سنن، تقریرات، احکام نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعلیم نبوی پر عمل کے نمونے مذکور ہیں۔ گویا سنت نبوی و سنت خلفاء راشدین تک رسائی اور ان کے مطابق جدید تہذیبی و ثقافتی اقدار و رجحانات کو بدلنے کے لیے امت مسلمہ کے پاس بے مثال علمی ذخیرہ حدیث و سنن کی کتب میں میسر ہے۔ حدیث کی مشہور ترین کتاب صحیح البخاری کا نام مذکورہ بالا امر کی عکاسی کرتا ہے۔ یاد رہے بخاری شریف کا پورا نام "الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ و سننہ و ایامہ ہے۔

حدیث و سیرت رسول کا تدوینی اعجاز:

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو خاتم النبیین و سید الرسل کا شرف بخشا، آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کو تکمیل دین کا اعزاز بھی عطا فرمایا۔ دین اسلام کے دو بنیادی وصف ایسے ہیں جن میں دوسرا کوئی دین و مذہب کسی طرح بھی اس دین کا شریک و سہیم نہیں۔ ایک تکمیل دین، دوسرے حفاظت و تدوین کا پہلو۔

مسلمانوں کو اپنے دین کے ان نمایاں اوصاف پر بجا طور پر خوشی اور فخر ہے کہ ان کا دین مکمل اور محفوظ ہے۔ البتہ بعض کج رو اور گمراہ لوگ اسلام کی اس خوبی کو مشکوک بنانے کی ناکام سعی کرتے ہوئے گمان کرتے ہیں کہ وہ روشن خیال اور جدت پسند ہیں۔ انکارِ حدیث کا ایک بہانہ حدیث و سنت کے تدوینی پہلو کا بھی ہے۔ مگر یہ لوگ اپنے ہم صف و ہم مشرب غیر مسلم قائدین اور ان کی سیر کے تدوینی احوال کے مقابلے میں حدیث و سیرت نبوی کی حفاظت و اشاعت کے بے مثال و سنہری کارنامے کا امتیازی پہلو بھلا بیٹھے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے سیرت نبوی ﷺ کے تدوینی وصف کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔ موصوف کے تجزیے سے استفادہ پیش خدمت ہے: ”جناب مسیح علیہ السلام کی ۳۳ سالہ زندگی میں سے صرف تین برس کے حالات معلوم ہیں۔ فارس کے ملصحان دین صرف شاہنامہ کے ذریعہ روشناس ہیں۔ ہندوستان کے پیغمبر افسانوں کے حجاب میں گم ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت آج جو کچھ معلوم ہے اس کا ذریعہ صرف موجودہ تورات ہے، جو موسیٰ علیہ السلام کے ۳۰۰ برس بعد عالم وجود میں آئی، یہ قدرت کی طرف سے اشارہ تھا کہ ان کے کارنامے اور اصول تعلیم ابدی نہ تھے۔ اس لیے نقل و روایت کے آئینہ میں جس قدر ان کا ناقص عکس اتر اس سے زیادہ ضروری بھی نہ تھا“ (۱۳۸)۔

حیات مسیح کے تین برس کے حالات کی علامہ شبلی صاحب کی تحقیق کے برعکس انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے صرف پچاس دن کا ریکارڈ ہمارے پاس موجود ہے (۱۳۹)۔

علامہ موصوف سیرت نبوی ﷺ کی خوبی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: دوسری طرف وسعت اور تفصیل کے لحاظ سے یہ حالت ہے کہ اقوال و افعال، وضع و قطع، شکل و شبابہت، رفتار و گفتار، مذاق طبیعت، انداز گفتگو، طرز زندگی، طریق معاشرت، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی، تو اس سوال (کہ کسی شخص کی زندگی / سیرت محفوظ

ہے؟) کے جواب میں صرف ایک صدا بلند ہو سکتی ہے (محمد عربی ﷺ فدیۃ بابی وامی) (۱۴۰)۔
یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت، حدیث و سنت کی تدوین و تحفیظ بہترین طور پر ہوئی جو کہ درحقیقت منشاء الہی تھا کہ حضور سرور کونین ﷺ کی زندگی قیامت تک آنے والے اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والوں کے لیے کامل نمونہ ہے جیسا کہ قرآن مجید کا فرمان ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر
و ذکر اللہ کثیرا (۱۴۱) (بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔ ہر
اس انسان کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی توقع رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرتا ہے)۔

خلاصہ بحث:

زیر بحث مضمون میں ضرورت و اہمیت حدیث کے بعض پہلو بیان کیے گئے ہیں۔ حدیث و سنت کی حجیت پر اجماع امت ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات اس موقف پر شاہد عدل ہیں۔ حجیت حدیث اور منکرین کے اعتراضات کا جائزہ بڑا اہم اور تفصیل طلب موضوع ہے۔ محترم ڈاکٹر خالد ظفر اللہ رندھاوا حفظہ اللہ تعالیٰ نے برصغیر میں حجیت حدیث پر لکھے جانے والے لٹریچر کی ایک جامع فہرست اپنے مضمون ”برصغیر میں حجیت حدیث پر تجزیاتی لٹریچر“ فکر و نظر جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۴، اپریل جون ۲۰۰۰ء ص ۱۲۳-۱۵۴ میں دی ہے۔ نیز منکرین حدیث کے انکار اور اس کے جائزہ پر مبنی لٹریچر پر بھی ”برصغیر میں انکار حدیث کا لٹریچر“ کے عنوان سے ایک بہت اچھی فہرست مرتب کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا مقالہ ماہنامہ ”محدث“ لاہور کی اشاعت خاص ”فتنہ انکار حدیث“ اگست، ستمبر ۲۰۰۲ء میں سترہ صفحات (صفحہ نمبر ۲۲۱ تا ۲۳۷) پر شائع ہوا۔ تفصیلی مطالعہ اور تنقیدی جائزہ فتنہ انکار حدیث کے لیے مذکورہ مقالے مفید ثابت ہوں گے۔ اس کتاب میں مقالہ فتنہ انکار حدیث ملاحظہ کریں۔



کتابت حدیث

ارشاداتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں حکم کتابت اور منع کتابت حدیث میں تطبیق

حدیث رسول ﷺ شریعتِ اسلامیہ کا دوسرا قانونی ماخذ ہے۔ قرآن مجید پڑھنے سے کئی مقامات پر حدیثِ رسول اللہ ﷺ کی اہمیت کا علم ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی طرح اس کی حیثیت بھی مسلم ہے۔ اس کا انکار گویا قرآن مجید کا انکار ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”ويعلمهم الكتاب والحكمة“ (وہ انہیں کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں) (۱۳۲)۔

حکمت سے یہاں حدیثِ رسول اللہ ﷺ ہی مراد ہے۔ اکثر آئمہ حدیث اور علمائے سلف نے یہی مراد لی ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب ”الرسالہ“ میں لکھتے ہیں: ”ففرض الله على الناس اتباع وحيه وسنة رسوله فقال في كتابه: ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلوا عليهم ايتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم انك انت العزيز الحكيم..... فذكر الله الكتاب وهو القرآن، وذكر الحكمة، فسمعت من ارضى من اهل العلم بالقرآن يقول: الحكمة، سنة رسول الله“ (۱۳۳) (اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر وحی کی اطاعت فرض کی ہے اور آنحضرت ﷺ کی سنت کی اتباع ضروری قرار دی ہے۔ آیت قرآنی ”ربنا وابعث فيهم رسولا“..... (یہاں امام صاحب نے سات آیات ایسی درج کی ہیں جن میں حکمت کا لفظ بیان ہوا ہے) میں اللہ تعالیٰ نے جس کتاب کا ذکر کیا ہے وہ قرآن مجید ہے اور حکمت کا ذکر فرمایا۔ میں نے قرآن کا بہت زیادہ علم رکھنے والوں سے سنا ہے۔ کہتے تھے کہ یہاں حکمت سے مراد آنحضرت ﷺ کی سنت (حدیث) ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا: ”وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحى“ (۱۳۴) (وہ اپنی مرضی سے نہیں بولتے وہ تو ایک پیغام ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے)۔ ایک ارشاد یہ ہے: ”وما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا“ (۱۳۵) (اور جو کچھ رسول تمہیں دیں

اسے لے لو اور جس چیز سے تم کو منع کریں رک جاؤ۔ اس قسم کی کئی اور آیات قرآنی سے احادیث رسول ﷺ کی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

منکرین احادیث رسول ﷺ نے کئی انداز سے احادیث رسول ﷺ پر تنقید کی ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود احادیث کو لکھنے سے منع فرما دیا تھا۔ حالانکہ آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا تو وہ بھی احادیث ہیں، ان احادیث کی حیثیت کیا ہوگی۔ انہیں کیونکر تسلیم کر لیا جاتا ہے؟

سچ ہے۔

”دروغ گور حافظہ نباشد“

محدثین عظام اس بات کے قائل ہیں کہ احادیث کی کتابت آنحضرت ﷺ کے دور میں اور آپ ﷺ ہی کے حکم سے شروع ہو گئی تھی۔ اس مضمون میں پیغمبر اسلام ﷺ کے کراہت کتابت حدیث اور اباحت کتابت حدیث سے متعلق ارشادات درج کیے گئے ہیں اور ان پر فنی نکتہ نگاہ سے بحث کر کے دونوں حکموں میں تطبیق دی گئی ہے۔ سب سے پہلے ہم وہ احادیث درج کرتے ہیں جن میں کتابت کے بارے میں کراہت پائی جاتی ہے۔

حدیث ابوسعید رضی اللہ عنہ:

۱. ”عن ابی سعید الخدری أنّ رسول اللہ ﷺ قال: ”لا تکتبوا عنی غیر القرآن ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ و حدّثوا عنی ولا حرج ومن کذب علیّ - قال همّام احسبه قال متعمّداً - فلیتبّوا مقعده من النار“ (۱۳۶) (حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھ سے سن کر قرآن کے علاوہ اور کوئی چیز نہ لکھو۔ جس کسی نے قرآن کے علاوہ کوئی چیز لکھی ہو وہ مٹا دے۔ ہم کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے متعمّداً فرمایا یعنی جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا، تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔)

حدیث کی دیگر کتب میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ یہ حدیث ہے: ”لا تکتبوا عنی شیئاً إلا القرآن فمن کتب عنی شیئاً غیرہ فلیمحہ“ (مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھو، جس نے کچھ لکھا ہو وہ مٹا دے)۔ داری کے اصل الفاظ ”شیئاً غیر القرآن فلیمحہ“ ہیں (۱۳۷)۔

عدم کتابت حدیث کی سب سے بڑی دلیل مندرجہ بالا حدیث ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور

دیگر محدثین اس کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا قول بتاتے ہیں۔ فتح الباری میں ہے: ”منہم من اعلّٰ حدیث ابی سعید وقال الصّواب وقفہ علی ابی سعید قالہ البخاری“ (۱۲۸) (کچھ لوگوں نے حدیث ابی سعید رضی اللہ عنہ کو معلول قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ابی سعید رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے یہ بات امام بخاری نے کہی ہے)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔ اگر بالفرض یہ بات نہ ہو تو بھی الفاظ حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مطلب ہے قرآن کے ساتھ کسی بھی چیز کو ملا کر نہ لکھا جائے تاکہ خلط ملط نہ ہو جائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی دیگر احادیث بھی بیان کر دی جائیں۔

۲. ”عن ابی سعید قال استاذنا النبی ﷺ فی الکتابۃ فلم یأذن لنا وقد روی هذا الحدیث من غیر هذا الوجه عن زید بن اسلم“ (۱۳۹) (حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ ہم نے آنحضرت ﷺ سے لکھنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے اجازت نہ دی۔ اس کے علاوہ یہ حدیث اور سند کے ساتھ زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے)۔

یہی حدیث اور مقام پر الفاظ کے اختلاف کے ساتھ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ: ”انہم استاذنوا النبی ﷺ فی ان یکتبوا عنہ فلم یأذن لہم“ (۱۵۰) (آنحضرت ﷺ سے انہوں نے لکھنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت نہ دی)۔

دارمی کے حاشیہ پر اس کے متعلق لکھا ہے: ”وقد قیل انما نہی ان یکتب الحدیث مع القرآن فی صفحۃ واحده فیختلط بہ فیشتبہ“ (۱۵۱) (حدیث کو قرآن مجید کے ساتھ ایک ہی صفحہ پر لکھنے سے منع فرمایا تاکہ اشتباہ پیدا نہ ہو جائے)۔

علامہ خطابی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: ”انما نہی ان یکتب الحدیث مع القرآن فی صفحۃ واحده لئلا یختلط بہ ویشتبہ علی القاری“ (۱۵۲) (ایک صفحہ میں قرآن کے ساتھ حدیث لکھنے سے اس لیے منع فرمایا تاکہ التباس نہ ہو اور قاری پر مشتبہ نہ ہو)۔ خود حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے ابونضرہ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ایک دفعہ فرمایا: ”قال اردتم ان تجعلوہ قرآنا؟ لا لا“ (۱۵۳) (کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم اسے قرآن بنا لو؟ نہیں، نہیں؟)

ابن عبدالبر نے ایک اور روایت ابونضرہ ہی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت ابو

سعید بنی اللہ سے کہا، جو کچھ ہم آپ بنی اللہ سے سنتے ہیں اس کو لکھ لیا کریں؟ تو آپ بنی اللہ نے فرمایا: ”اتريدون ان تجعلوها مصاحف“ (۱۵۴) (کیا تم اس کو مصاحف بنانا چاہتے ہو)۔

علوم الحدیث کے حاشیہ پر حدیث ابو سعید بنی اللہ پر تبصرہ اس طرح کیا گیا ہے کہ: ”فاحسبه انہ کان ممنوعاً اول الهجرة وحين كان لا يؤمن الاشتغال به عن القرآن“ (۱۵۵) (میرا خیال ہے کہ آغاز ہجرت میں ممنوع تھا بالخصوص اس وقت جب کہ اس میں لگ کر قرآن سے ہٹ جانے کا امکان تھا)۔ ایک اور روایت میں ان احادیث کی مزید وضاحت کی گئی ہے کہ ممانعت اس وجہ سے تھی کہ قرآن مجید کے ساتھ اختلاط حدیث نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ بنی اللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اس وقت تشریف لائے جب ہم آپ ﷺ کی باتیں لکھ رہے تھے۔ فرمایا: ”کیا لکھ رہے ہو؟“ ہم نے کہا، وہ باتیں جو ہم نے آپ ﷺ سے سنی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم کتاب اللہ کے سوا کوئی اور کتاب چاہتے ہو؟ تم سے پہلی امتوں کو اس کے سوا کسی چیز نے نہیں گمراہ کیا کہ انہوں نے کتاب اللہ کے ساتھ دیگر کتابیں بھی لکھ لیں (۱۵۶)۔

صحیفہ ہمام بن منبہ کے مقدمہ میں ڈاکٹر حمید اللہ نے بھی اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے کہ یمن سے نو مسلموں کی جماعت آئی۔ ان میں سے کچھ نے احادیث کو اپنے ان اوراق پر لکھ لیا جن پر قرآن مجید کی سورتیں لکھی تھیں، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کے علاوہ (جو کچھ لکھا ہے) اس کو مٹا دو۔ یہ بات واضح ہی ہے کہ نو مسلم لوگ اس اختلاط سے الجھ جاتے ہیں (۱۵۷)۔ علاوہ ازیں حضرت ابو سعید بنی اللہ کی حدیث پر اور بھی کئی طرح سے تبصرہ کیا گیا ہے۔ مثلاً اہل عرب کا حافظہ بہت معروف تھا۔ اس وجہ سے اس شخص کو لکھنے سے روکا جس کے حافظے پر اعتماد تھا۔ ہم اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیں کہ بعض محدثین کے نزدیک یہ منسوخ ہے (۱۵۸)۔

علامہ احمد شاکر نے بھی حدیث ابی سعید بنی اللہ کو بالکل ابتدا میں بیان کرتے ہوئے کتابت کے متعلق لکھا ہے کہ پوری امت کا مجتمع ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ فیصلہ یہی ہے اور تو اتر سے ثابت ہے، اگر حدیث ابی سعید بنی اللہ ان (کتابت) احادیث کے بعد ہوتی تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو پتہ ہوتا (۱۵۹)۔

حدیث حضرت زید بنی اللہ بن ثابت پر تبصرہ:

”حدثنا نصر بن علی نا ابو احمد نا كثير بن زيد عن المطلب بن عبد الله

بن حنطب قال: دخل زید بن ثابت علی معاویۃ فسأله عن حدیث، فامر انساناً یکتبه، فقال له زید: أن رسول اللہ أمرنا أن لا نکتب شیئاً من حدیثہ فمحاہ“ (۱۶۰) (حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ انہوں نے زید رضی اللہ عنہ سے کسی حدیث کے متعلق پوچھا اور کسی آدمی کو حکم دیا کہ وہ لکھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اپنی احادیث لکھنے سے منع فرمایا ہے۔ تو اُس نے ان کو مٹا دیا)۔

یہ روایت صحیح نہیں ہے اس میں کثیر بن زید حزنئی پر کلام کیا گیا ہے (۱۶۱)۔ اس کے علاوہ مطلب بن عبد اللہ آنحضرت ﷺ سے مرسل روایات بیان کرتا ہے۔ حالانکہ اس کی ملاقات آنحضرت ﷺ سے نہیں ہوئی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ”کثیر التذلیس والارسال من السابعة“ (۱۶۲) (کثرت سے تدلیس کرنے والا اور مرسل روایت کرنے والا اور طبقات کے چوتھے درجے سے ہے)۔

اس حدیث پر مزید تبصرہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ اس میں دو راویوں پر کلام کیا گیا ہے۔ لہذا یہ صحیح نہیں ہے۔ جب احادیث بیان کرنے والے ہی اس حدیث کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے تو اور کسی کو کیا حق حاصل ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر تبصرہ:

”عن الاسود بن قیس قال سمعت سعید بن عمر وبن سعید انہ سمع ابن عمر یحدث عن النبی قال: انا امة امیة لا نکتب و لا نحسب، الشہر ہکذا و ہکذا و عقد الایہام فی الثالثة“ (۱۶۳) [آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہم امی (ان پڑھ) امت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔ مہینہ (انگلیوں کے اشارے سے) اس طرح، اس طرح اور اس طرح ہے اور تیسری دفعہ انگوٹھے کو بند کر لیا (۲۹ دن کی طرف اشارہ کیا)]۔

اس حدیث کا کتابت حدیث کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ اس کو اگر کتابت حدیث پر لاگو کیا جائے تو قرآن مجید کی کتابت پر بھی اس کا اطلاق ہوگا۔ اصل میں یہاں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ ہمارے ہاں لکھنے کا رواج کم ہے۔ ہم مہینے کے دنوں کی گنتی اس طرح سے انگلیوں پر کر لیتے ہیں۔ زیادہ تر عرب لوگوں کا رجحان حافظے پر تھا۔ گھوڑوں کی نسلوں کے ان کو نسب یاد ہوتے تھے۔ لکھنے کو وہ انسان کے حافظے کی کمزوری کی علامت سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کی ضرب المثل تھی: ”العلم فی الصدور لیس فی السطور“ (اصل علم تو سینوں میں ہے، تحریر میں نہیں)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عمر بن ابی ربیعہ کا قصیدہ اس سے ایک دفعہ سن کر یاد کر لیا تھا جس کے اسی شعر تھے (۱۶۴)۔

قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کو نبی الامی کا لقب دیا ہے (۱۶۵) اور ”بعث فی الامیین رسولاً“ کہا ہے (۱۶۶)۔ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کے پاس کاتبین وحی موجود تھے جن سے آنحضرت ﷺ خود قرآن مجید لکھوایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل ہی عرب میں لکھنے کا رواج شروع ہو گیا تھا۔ یوں معلوم ہوا کہ یہ حدیث کتابت سے متعلق نہیں بلکہ ویسے مہینے کے دنوں کی گنتی کے متعلق ہے۔ اس کو کسی محدث نے بھی کتابت حدیث میں درج نہیں کیا۔

حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ: لا تکتبوا عنی الا القرآن فمن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ، وحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج رواہ البزار وفیہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم وهو ضعیف“ (۱۶۷) (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھو، جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہو وہ مٹا دے۔ بنی اسرائیل سے بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس کو بزار نے روایت کیا ہے۔ اس میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم ضعیف ہیں)۔

اس حدیث کی صحت پر مزید جرح کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ اس میں ایک راوی ضعیف ہے۔ جس کی نشاندہی خود علامہ بیہقی نے کر دی ہے۔ تاہم اس پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ یہ اس لیے ہے کہ قرآن کے ساتھ التباس نہ ہو۔ جس طرح کہ پہلے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث لکھی جا چکی ہے۔ اس میں مطلق ممانعت نہیں بلکہ عام لوگوں کو روکا گیا ہے۔ جب کہ خاص لوگوں کو اجازت دی گئی ہے۔

”عن ابی سعید یعنی الخدری قال: کنا قعوداً نکتب ما نسمع من النبی ﷺ فخرج علینا فقال: ما هذا تکتبون فقلنا ما نسمع منک فقال: اکتب مع کتاب اللہ امحضوا کتاب اللہ وأخلصوه قال فجمعنا ما کتبناہ فی صعید واحد ثم احترقناہ بالنار، فقلنا: ای رسول اللہ ﷺ نحدث عنک؟ قال: نعم تحدثوا عنی ولا حرج، ومن کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار، رواہ احمد وفیہ

عبدالرحمن بن زید بن اسلم وهو ضعیف“ (۱۶۸) (حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ سے جو سنت تھے اس کو بیٹھ کر لکھ رہے تھے، آپ ﷺ تشریف لائے تو پوچھا ”یہ کیا لکھ رہے ہو؟ ہم نے کہا ”جو کچھ آپ ﷺ سے سنتے ہیں“۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ اور کتاب لکھتے ہو؟ اللہ کی کتاب کو خالص رکھو“۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ”اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم سے آپ ﷺ بیان کریں؟“ فرمایا: ”ہاں مجھ سے بیان کرو کوئی حرج نہیں۔ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے“۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس کو روایت کیا ہے۔ اس میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم ضعیف ہیں)۔

مذکورہ ضعف کی بنا پر اس پر تبصرہ مناسب نہیں۔ تاہم حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عام لوگوں کو قرآن کے ساتھ لکھنے سے منع فرمادیا تھا تا کہ التباس نہ ہو۔ لیکن جب اس التباس کا خدشہ نہ رہا تو اجازت دے دی۔ مقدمہ ابن الصلاح میں اس طرح ہے: ”ولعلہ صلی اللہ علیہ وسلم اذن الكتابة عنه لمن خشى عليه النسيان ونهى عن الكتابة عنه من وثق بحفظه مخافة الاتكال على الكتاب، او نهى عن كتابة ذلك عنه حين خاف عليهم اختلاط ذلك بصحف القرآن العظيم واذن في كتابته حين امن من ذلك“ (۱۶۹) [امکان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو کتابت کی اجازت دی جس کو بھول جانے کا خوف تھا اور اس کو لکھنے سے منع فرمایا جس کے حافظے (یاد کرنے کا) کا آپ ﷺ کو یقین تھا۔ تا کہ وہ صرف کتابت پر بھروسہ نہ کرے یا اس کو لکھنے سے روکا جس کے متعلق ڈر تھا کہ وہ قرآن مجید کے صحائف کے ساتھ اختلاط نہ کر دے اور اس وقت لکھنے کی اجازت عنایت فرمائی جب اس بات سے بے خونی ہو گئی]۔

اب ہم ان چند احادیث کا جائزہ لیتے ہیں جن میں احادیث کی کتابت کا حکم ہے یا جن کی آنحضرت ﷺ کے سامنے کتابت ہوئی اور آپ ﷺ نے اسے مستحسن قرار دیا:

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ خزاعہ نے فتح مکہ کے سال اپنے ایک مقتول کے بدلے میں بنو لیث کا ایک آدمی قتل کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کو اس کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے اپنی سواری پر سوار ہو کر خطبہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ سے قتل یا (اصحاب) فیل کو روک لیا (راوی کو شک ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فیل کا لفظ استعمال کیا یا قتل کا) رسول اللہ کو اور اہل ایمان کو اہل مکہ پر مسلط کر دیا۔ حرم کو نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال کیا گیا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال کیا جائے گا۔ میرے لیے دن کے چند گھنٹوں کے لیے حلال کیا گیا اور پھر حسب سابق حرام ہو چکا ہے۔

حدود حرم میں نہ کانٹوں کو توڑا جائے، نہ درختوں کو کاٹا جائے۔ نہ یہاں کی گری ہوئی چیز اٹھائی جائے البتہ اس شخص کو اجازت ہے جو گری ہوئی چیز کو شہرت دینا چاہتا ہو (لوگوں کو بتائے تاکہ مالک لے لے)۔ جس قوم کا کوئی شخص مارا جائے اس کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا تو قاتلوں سے قصاص لے یا دیت لے۔ اس پر اہل یمن میں سے ایک شخص ابو شاہ نے عرض کیا: ”اكتب لی یا رسول اللہ“ [اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ] (یہ باتیں) میرے لیے لکھ دیجیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اكتبوا لابی شاہ“ (ابو شاہ کو لکھ دو)۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا صرف اذخر (گھاس کے کاٹنے) کی اجازت دے دیں، اس کو ہم گھروں اور قبروں میں استعمال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ سے ”اكتب لی یا رسول اللہ ﷺ“ کے متعلق پوچھا گیا، تو انہوں نے بتایا کہ: ”هذه الخطبة التي سمعها من رسول الله ﷺ“ (۱۷۰) (یہ وہ خطبہ ہے جو آنحضرت ﷺ سے انہوں نے سنا تھا)۔ یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب العلم اور کتاب اللقطہ دونوں میں کچھ تغیر الفاظ سے لکھی ہے۔ دونوں کو ملا کر یہاں درج کیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر تبصرہ یوں کیا ہے: ”بهذا تظهر مطابقة هذا الحديث للترجمة“ (۱۷۱) (اس سے اس حدیث کے باب سے مطابقت ظاہر ہوتی ہے)۔ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے برصغیر پاک و ہند کے معروف محدث، صاحب تحفۃ الاحوذی، مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”هذا دليل صريح على جواز كتابة الحديث“ (۱۷۲) (یہ کتابت حدیث کے جواز پر صریح دلیل ہے)۔

یہ حدیث صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں بھی ہے مثلاً ابوداؤد، السنن اور جامع بیان العلم (۱۷۳) اور اس میں آنحضرت ﷺ کا دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ حکم کہ ”ابو شاہ کو لکھ دیں“ اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اگرچہ ابتداء میں قرآن مجید سے اشتباہ کی بناء پر کتابت حدیث سے روکا تھا لیکن بعد میں اجازت دے دی تھی۔ سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا یہ اس کے بعد کا واقعہ ہے۔ گویا یہ عدم کتابت کی اجازت کے بعد کا ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”ما من اصحاب النبي احد اكثر حديثاً مني الا ما كان من عبد الله بن عمرو فانّه كان يكتب ولا يكتب“ (۱۷۴) (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور صحابی مجھ سے زیادہ حدیثیں بیان نہ کرتا۔ وہ لکھتے تھے میں نہیں لکھتا تھا)۔ یہ حدیث بھی دیگر کتب احادیث میں ہے۔ سنن ترمذی کے یہ الفاظ ہیں: ”و كنت لا اكتب“

هذا حدیث حسن صحیح (۱۷۵) (میں نہیں لکھتا تھا یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔

علاوہ ازیں سنن دارمی، جامع بیان العلم اور شرح السنہ میں بھی ہے (۱۷۶)۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ کتابت حدیث آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ جیسے صحابی لکھتے تھے۔ ممانعت ہوتی تو آنحضرت ﷺ منع فرما دیتے جب کہ یہاں لکھنے کی صراحت موجود ہے۔

فتح الباری میں اس حدیث کے متعلق یوں لکھا ہے کہ: (یہ روایت صحیح مسلم والی ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت کے متعارض ہے۔ ان میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ نبی نزول قرآن کے (دوران) التباس کی وجہ سے کی گئی ہے۔ التباس کا خطرہ نہ رہا تو اجازت دے دی۔ یا ایک صفحہ پر قرآن مجید کے ساتھ کسی چیز کے لکھنے سے نفی خاص ہے اور اجازت الگ تھی۔ یا نبی مقدم ہے اور اذن ناسخ ہے۔ یا نبی اس کے لیے ہے جو صرف کتابت حدیث پر تکیہ کرے اور حفظ کو چھوڑ دے، دوسرے کو اجازت ہے۔ روایت ابوسعید رضی اللہ عنہ کو موقوف بھی کہا گیا ہے) (۱۷۷)۔

صحیح بخاری کے علاوہ دیگر حدیث کی کتابوں میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے اسی طرح کی حدیثیں بیان کی گئی ہیں جو اس موقف کو مزید تقویت دیتی ہیں۔ اگرچہ اس کی اپنی حیثیت بھی مسلم ہے۔

۲۔ حدیث ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ:

”عن ابی جحیفۃ قال قلت لعلیٰ هل عندکم کتاب؟ قال: لا، الا کتاب اللہ، او فہم اعطیہ رجل مسلم، او ما فی ہذہ الصّحیفۃ، قال: قلت: وما فی ہذہ الصّحیفۃ؟ قال: العقل، وفکاک الاسیر ولا یقتل مسلم بکافر“ (۱۷۸) (حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، ”کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں۔ لیکن اللہ کی کتاب یا فہم جو مسلمان آدمی کو قتل جائے یا جو اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے پوچھا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، دیت، قیدی کو آزاد کرنا اور مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کرنا)۔ اس حدیث کی صحت پر بھی گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری میں اس کا موجود ہونا اس کی صحت کی دلیل ہے۔ بخاری کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی موجود ہے۔

۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کی ہجرت کی حدیث مروی ہے۔ اس میں

سراقہ رضی اللہ عنہ بن مالک مدلی کا واقعہ ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تعاقب کیا۔ قریب گیا تو اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ پھر اس نے آنحضرت ﷺ سے امان طلب کی اور امن کا خط لکھنے کو کہا، آپ ﷺ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا، اس نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ لیا۔ پھر آنحضرت ﷺ آگے تشریف لے گئے (۱۷۹)۔

یہ واقعہ مکہ اور مدینہ کے درمیان کا ہے۔ اگر کتابت کی بالکل ممانعت ہوتی تو آنحضرت ﷺ کیوں اس کو امن کا پروانہ لکھ کر دیتے؟ یہ حدیث کتابت حدیث پر صریح دلیل ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے سراقہ بن مالک کو کسری بن ہرمز کے کنگن پہنانے کی بھی پیش گوئی فرمائی ہے۔ جس کا ذکر کتب حدیث میں تفصیل سے ہے۔

۵۔ ”عن حذیفۃ قال قال النبی ﷺ اکتبوا لی من تلفظ بالاسلام من الناس فکتبنا لہ الفاً وخمس مائۃ رجل“ (۱۸۰) (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں سے جو آدمی زبان سے اسلام کا اقرار کرتا ہے، اس کا نام لکھ لو۔ تعمیل حکم میں ہم نے ایک ہزار پانچ سو (۱۵۰۰) آدمیوں کے نام لکھے)۔

یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔ وہاں یہ الفاظ ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے شمار کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا۔ ”اتخاف علینا ونحن ما بین الست مایۃ الی السبع مایۃ“ (۱۸۱) (آپ ﷺ ہمارے بارے میں ڈرتے ہیں جب کہ ہم چھ سات سو تک ہیں)۔

دونوں احادیث اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث کے مطابق چھ سات سو صرف مدینہ کے آدمی تھے۔ اور پندرہ سو کی تعداد میں مدینہ کے علاوہ ارد گرد کے مسلمان بھی شامل ہیں (۱۸۲)۔ اس حدیث کی صحت کے بارے میں بھی شک کا کوئی امکان نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے لکھنے کا حکم دیا اور پھر باقاعدہ لکھا گیا۔ اگر ممانعت ہوتی تو نہ آپ ﷺ حکم دیتے اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم لکھتے۔

۶۔ ”عن زید بن ثابت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرہ ان یعلم کتاب الیہود حتی کتبت للنبی کتبہ واقراہہ کتبہم اذا کتبوا الیہ“ (۱۸۳) (حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے یہود کی لکھائی (عبرانی) سیکھنے کا حکم دیا حتیٰ کہ میں نے ان کے لیے آنحضرت ﷺ کے خطوط لکھے اور جو خط وہ آنحضرت ﷺ کو لکھتے وہ انہیں پڑھ کر سناتا)۔

آنحضرت ﷺ کے خطوط آپ ﷺ کی حدیث کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ بھی

آنحضرت ﷺ کے حکم سے ہوا۔

بخاری شریف کی حدیث کے مطابق آنحضرت ﷺ کے دور مبارک میں باقاعدہ فوجیوں کے نام درج کر کے ان کو جنگوں میں لڑنے کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ یہ کام بھی آنحضرت ﷺ نے اپنی موجودگی میں کرایا۔ اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے خطوط اور معاہدات ہیں جو آنحضرت ﷺ نے دیگر قوموں سے کیے، وہ بھی گویا آپ ﷺ کے اپنے لکھوائے ہوتے تھے۔ ممانعت کی صورت میں ان کے لکھوانے کا جواز ہی نہیں تھا۔

۷۔ ”عن ابن عباس انہ سمع النبی ﷺ یقول: لا یخلون رجل بامرأة ولا تسافرن امرأة الا ومعها محرم فقام رجل فقال: یا رسول اللہ، کتبت فی غزوة کذا وکذا وخرجت امرأتی حاجّة قال: اذهب فاحجج مع امرأتک“ (۱۸۴) (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے، کوئی آدمی کسی غیر محرم عورت سے تنہائی میں نہ ملے اور نہ اکیلی عورت سفر کرے۔ جب بھی عورت سفر کرے محرم ساتھ ہو۔ ایک آدمی کھڑا ہو گیا کہنے لگا، یا رسول اللہ میرا نام فلاں غزوہ میں درج کیا گیا ہے، اور میری بیوی حج کرنے چلی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”جا اور اس کے ساتھ حج کر۔“

۸۔ حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان کی حدیث:

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان دونوں سے صلح حدیبیہ کی طویل حدیث مروی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ سہیل بن عمرو قاصد قریش نے آنحضرت ﷺ سے کہا، ”ہمارے مابین آپ تحریر کر لیں۔“ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا، ”لکھو۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سہیل نے کہا۔ رحمن تو اللہ کی قسم میں نہیں جانتا۔ آپ لکھیں ”باسمک اللہم“ اس پر مسلمانوں نے کہا، بخدا ہم تو پوری بسم اللہ لکھیں گے! لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا، لکھیں باسمک اللہم ابھر فرمایا ”ہذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ“ (یہ وہ چیز ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی) سہیل نے کہا ”اللہ کی قسم اگر ہم آپ ﷺ کو رسول تسلیم کر لیں تو ہم آپ ﷺ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ ہی ہم آپ ﷺ سے لڑتے۔ آپ محمد ﷺ بن عبد اللہ لکھیں! آنحضرت ﷺ نے فرمایا! ”خدا کی قسم، میں ضرور اللہ کا رسول ہوں۔ اگرچہ آپ لوگوں نے مجھے جھٹلادیا ہے۔ لکھو: ”محمد (ﷺ) بن عبد اللہ“ (۱۸۵)۔

اس حدیث کی مزید تشریح ایک اور حدیث میں ہے: ”عن ابی اسحاق قال سمعت

البراء بن عازب قال لما صالح رسول الله ﷺ اهل الحديبية كتب علي بينهم كتاباً "فكتب محمد رسول الله، فقال المشركون: لا تكتب محمد رسول الله، لو كنت رسولاً لم نقاتلك، فقال لعلي: امحه قال علي: ما انا... فمحا رسول الله بيده وصالحهم" (۱۸۶) (ابی اسحاق سے روایت ہے، انہوں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سنا کہ جب آنحضرت ﷺ نے اہل حدیبیہ سے صلح کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تحریر لکھی۔ انہوں نے لکھا "محمد رسولہ" کے رسول ہیں۔ مشرکوں نے کہا "محمد رسول اللہ نہ لکھیں"۔ اگر آپ (ﷺ) رسول ہوتے تو ہم آپ (ﷺ) سے نہ لڑتے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اسے مٹا دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس کو نہیں مٹا سکتا۔ تب آنحضرت ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور ان سے صلح کر لی۔

یہ تحریر آنحضرت ﷺ نے خود اپنی موجودگی میں لکھوائی۔ اگر لکھنا ناجائز ہوتا تو آپ ﷺ صحابہ کو بتا دیتے۔ یہ آنحضرت ﷺ کی سیاسی تحریر تھی جو اہل مکہ اور مسلمانوں کے درمیان لکھی گئی۔ قرآن کے علاوہ اگر ہر چیز کے لکھنے کی ممانعت ہوتی تو اس معاہدے کو آنحضرت ﷺ زبانی ہی رکھتے۔ یہ حدیث دیگر کتب حدیث میں بھی موجود ہے مثلاً صحیح مسلم (۱۸۷)۔

۹۔ آنحضرت ﷺ نے جو خطوط لکھوائے ان کا ذکر بھی بخاری شریف میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے قیصر روم کو خط لکھا۔ جس کی تحریر یہ تھی: "بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبد الله ورسوله الى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدى: اما بعد، فاني ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم واسلم يؤتك الله اجرک مرتين وان توليت فعليک اثم الاریسین ویا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئاً ولا يتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا باننا مسلمون" (۱۸۸) (اللہ رحمن ورحیم کے نام کے ساتھ۔ محمد اللہ کے بندے اور رسول کی طرف سے هرقل روم کے بادشاہ کی طرف، اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی اتباع کی۔ اس کے بعد میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ سلامت رہو گے۔ اسلام لے آؤ اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا۔ اگر تو نے اعراض کیا تو رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا) پھر قرآن مجید کی آیت لکھی "اے اہل کتاب! اس ایک حکم کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے مابین مشترک ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہمارا بعض بعض کو رب نہ بنائے، پھر

اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دیجئے گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

اس کے علاوہ دیگر حکمرانوں کے نام بھی آنحضرت ﷺ کے خطوط ہیں۔ یہ بھی کتابت حدیث کا زندہ ثبوت احادیث کی کتب میں موجود ہے (۱۸۹)۔

۱۰۔ ”عن عبد اللہ بن عمر وقال: کنت اکتب کل شیء اسمعہ من رسول اللہ ﷺ، أريد حفظه فنهاني قريش وقالوا: أکتب کل شیء تسمعه، ورسول اللہ ﷺ بشر يتكلم في الرضا والغضب فأمسكت عن الكتابة فذكرت ذلك الى رسول اللہ ﷺ فإوما بإصبعه إلى فمه وقال: اکتب فوالذي نفسي بيده ما يخرج منه إلا حق“ (۱۹۰) (حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو چیز میں آنحضرت ﷺ سے سنتا لکھ لیتا تھا۔ ان کو یاد کرنا چاہتا تھا۔ قریش کے لوگوں نے مجھے روکا اور کہا، ہر چیز جو تو سنتا ہے لکھ لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ انسان ہیں، خوشی میں اور غصہ میں بھی بات کرتے ہیں۔ چنانچہ میں لکھنے سے رُک گیا۔ پھر میں نے اس بات کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ تو آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ”لکھو! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اس (زبان) سے صرف حق ہی نکلتا ہے)۔

یہ حدیث دیگر کتب حدیث میں بھی موجود ہے۔ مثلاً جامع بیان العلم، اور سنن دارمی میں یہ الفاظ ہیں: ما خرج منه إلا حق (۱۹۱)۔ مسند احمد میں یہ الفاظ ہیں: ما خرج مني إلا حق (۱۹۲)۔ یہ روایت کتابت حدیث پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں خصوصیت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو اس لیے اجازت دی کہ وہ دیگر کتابوں اور قرآن مجید میں فرق سمجھتے تھے۔ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ نے لکھا ہے کہ یا تو اس حدیث نے عدم کتابت کو منسوخ کر دیا یا پھر حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو دیگر کتب کے ماہر ہونے کی وجہ سے اجازت دے دی: ”ان يكون خص بهذا عبد الله بن عمرو لأنه كان قارئاً للكتب المتقدمة ويكتب بالسريانية والعربية وكان غيره من الصحابة أميين لا يكتب منهم إلا الواحد والاثنان وإذا كتب لم يتقن ولم يصب التهجي فلما خشي عليهم الغلط فيما يكتبون نهاهم، ولما أمن على عبد الله بن عمرو ذلك اذن له“ (۱۹۳) (ممکن ہے آنحضور ﷺ نے عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو کو خصوصی طور پر اس لیے اجازت دی ہو کیوں کہ وہ کتب سابقہ پڑھ سکتے تھے۔ اور سریانی اور عربی لکھنا جانتے تھے۔ بخلاف ان کے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے صرف ایک دو ہی لکھ پڑھ سکتے تھے۔ اور اس میں انہیں پوری مہارت حاصل نہ تھی۔ حروفِ تہجی بھی صحیح لکھنے پر قادر نہ تھے۔ چونکہ ان کی تحریروں

میں غلطی کا احتمال تھا اس لیے ان کو منع کر دیا اور حضرت عبداللہ کو اس لیے اجازت دی کہ یہاں اس قسم کا خدشہ نہ تھا۔

۱۱۔ ”عن عبداللہ بن عمرو أنه أتى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله، إني أريد أن أروى من حديثك، فأردت أن أستعين بكتاب يدي مع قلبي إن رأيت ذلك، فقال رسول الله ﷺ: إن كان حديثي ثم استعن بكتابك مع قلبك (۱۹۴) (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا، ”اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر اجازت دیں میں آپ ﷺ کی احادیث بیان کرنا چاہتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ”میری احادیث کو یاد رکھنے کے ساتھ ساتھ لکھ لیا کرو۔“

یہ حدیث اوپر والی حدیث کی مکمل تائید کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود حدیث لکھنے کی اجازت دی۔ حاکم نے اس حدیث کو بیان کر کے لکھا ہے: ”هذا حديث حسن صحيح الاسناد، أصل في نسخ الحديث يعني الكتابة عن رسول الله ﷺ“ (۱۹۵) (یہ حسن حدیث صحیح اسناد کے ساتھ ہے اور اصلاً حدیث کے لکھنے یعنی رسول اللہ ﷺ سے کتابت کے بارے میں ہے)۔

۱۲۔ ”عن أبي قبيل قال سمعت عبد الله بن عمر وقال بينما نحن حول رسول الله ﷺ نكتب إذ سئل رسول الله ﷺ أي المدينتين تفتح أولاً قسطنطينية أو رومية؟ فقال النبي ﷺ: لا، بل مدينة هرقل أولاً“ (۱۹۶) (ابو قبیل سے روایت ہے، میں نے عبدالرحمن بن عمرو رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے فرمایا، ”ہم رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد لکھ رہے تھے، جب آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ”دونوں شہروں میں سے کونسا شہر پہلے فتح ہوگا، قسطنطنیہ یا رومیہ؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں، بلکہ هرقل کا شہر پہلے فتح ہوگا۔“

یہ تمام احادیث بخاری شریف کی حدیث کی تائید کرتی ہیں۔ جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت کی ہے۔ اس لیے ان کے متعلق شک کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محفل میں تشریف فرما ہوتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے گرد حلقہ باندھ کر لکھتے، آپ ﷺ لکھواتے، صحابہ لکھتے جاتے تھے۔ یہ املاء کی شکل تھی۔ وہ حدیث پیش نظر رہے جس میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ، آپ ﷺ ہر بات دو تین بار دہراتے تاکہ لوگوں کو سمجھنے میں سہولت ہو۔

۱۳۔ ”عن عطاء عن عبد الله بن عمر وقلت: يا رسول الله، ألقيد العلم؟ قال: قيد العلم، قال عطاء: قلت: وما تقييد العلم؟ قال: الكتاب“ (۱۹۷) [حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے، وہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا ”کیا میں علم کو قید کر لوں (لکھ لوں)؟“ ”فرمایا، علم کو قید کر لو“۔ عطاء نے کہا، ”تقید علم کیا ہے؟“ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا، ”لکھنا“۔

یہ حدیث بھی اوپر کی حدیث کی تائید کرتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو لکھنے کی اجازت دی۔ یہ حدیث حافظ نور الدین علی بن ابی بکر پیشمی نے بھی لکھی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: ”فیہ عبداللہ بن المؤمل، وثقہ ابن معین، وابن حبان، وقال ابن سعد: ثقة قليل الحديث“ (۱۹۸) اس میں عبداللہ بن مؤمل ہیں۔ ابن معین وابن حبان نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ ابن سعد بھی انہیں ثقہ قلیل الحدیث کہتے ہیں۔ اگرچہ بعض نے ان پر کلام کیا ہے۔ لیکن دوسرے محدثین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں اور یہ حدیث بھی دیگر احادیث کی تائید کرتی ہے اس وجہ سے حجت ہے۔

۱۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص سے روایت ہے: ”ما یرغبنی فی الحیاة الا الصداقة والوهط، فاما الصداقة فصحيفة كتبها عن رسول الله ﷺ واما الوهط فأرض تصدق بها عمرو بن العاص كان يقوم عليها“ (۱۹۹) (دو چیزوں کی وجہ سے مجھے زندگی عزیز ہے، ایک صحیفہ صادقہ کی وجہ سے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے لکھا تھا اور دوسرے الوهط نامی اراضی کی بنا پر جو مجھے میرے والد عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے عطا کی تھی)۔ معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے خود یہ صحیفہ آنحضرت ﷺ سے سن کر لکھا اور اس کا ذکر انہوں نے خود لکھا (۲۰۰)۔

بقول ابن الاثیر، اس میں ایک ہزار احادیث تھیں (۲۰۱)۔ اگرچہ یہ اصالت ہمارے پاس نہیں لیکن مسند احمد میں یہ جوں کا توں محفوظ ہے (۲۰۲)۔ یہ صحیفہ اس بات کا قابل اعتماد ثبوت ہے کہ احادیث آنحضرت ﷺ کے حکم سے آپ ﷺ کی موجودگی میں لکھی جاتی تھیں۔ اس میں وہ فتویٰ بھی موجود ہے جو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ سوالات پوچھتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ انہیں جوابات ارشاد فرماتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے کہا ہے، یہی صحیفہ صادقہ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے حضرت عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ کو ملا۔ ظن غالب یہی ہے کہ عمرو بن شعیب (م ۱۲۰ھ) اس صحیفہ کو زبانی یاد کر کے اس سے حدیثیں روایت کرتے تھے (۲۰۳)۔

جلیل القدر تابعی حضرت مجاہد رحمہ اللہ (م ۱۰۳ھ) کہتے ہیں۔ ”یہ صحیفہ میں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس دیکھا تھا“ (۲۰۴)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ خود لکھواتے

تھے۔ اس کے متعلق مزید مختصر شرح و تہذیب سنن ابی داؤد میں لکھا گیا: ”واذن لعبد اللہ بن عمر
 وفي الكتابة وحديثه متاخر من النهي لانه لم يزل يكتب ومات وعنده كتابته وهي
 الصحيفة التي كان يسميها الصادقة ولو كان النهي عن الكتابة متاخرا لمحاها
 عبد الله لامر النبي ﷺ بمحو ما كتب عنه غير القرآن فلما لم يمحها واثبتها دل
 على ان الاذن في الكتابة متاخر عن النهي عنها وهذا واضح والحمد لله وانما نهى
 النبي ﷺ عن كتابة غير القرآن في اول الاسلام لئلا يختلط القرآن بغيره فلما علم
 القرآن وتميز وافرأ بالضبط والحفظ وامنت عليه مفسدة الاختلاط اذن في
 الكتابة وقال بعضهم انما كان النهي عن كتابة مخصوصة وهي ان يجمع بين كتابة
 الحديث والقرآن في صحيفة واحدة خشية الالتباس وقد وقع الاتفاق على جواز
 الكتابة في ابقاءها ولو لا الكتابة ما كان بايدينا اليوم من السنة الا اقل
 القليل“ (۲۰۵) (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ نے کتابت کی اجازت دی، ان
 کی حدیث ممانعت کتابت سے متاخر ہے۔ کیوں کہ وہ ہمیشہ لکھتے رہے۔ جب ان کی وفات ہوئی تو
 ان کا لکھا ہوا ان کے پاس تھا۔ یہ وہی صحیفہ ہے جس کو ”الصادقة“ کہتے تھے۔ اگر ممانعت، جواز کتابت
 سے متاخر ہوتی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے حکم کی وجہ سے جو انہوں نے قرآن کے
 علاوہ لکھا ضرور مٹا دیتے۔ جب انہوں نے اس کو نہ مٹایا، بلکہ باقی رکھا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ
 کتابت کی اجازت منع کرنے سے بعد کی ہے۔ اور یہ بات واضح ہے۔ سب تعریف اللہ کے لیے
 ہے۔ آنحضرت ﷺ قرآن پاک کے علاوہ کتابت کو ابتداء میں منع فرمایا تھا تا کہ قرآن مجید اپنے
 علاوہ کسی دوسری چیز سے ملتبس نہ ہو۔ جب قرآن مجید کو جان لیا گیا اور وہ ممتاز ہو گیا اور حفظ کر لیا گیا
 اور اس پر اختلاط سے تحفظ ہو گیا تو آپ ﷺ نے کتابت کی اجازت دے دی، اور بعض نے کہا کہ
 ممانعت، خاص کتابت سے تھی، وہ یہ کہ حدیث اور قرآن کو ایک صفحے پر لکھنے سے التباس کا خطرہ تھا۔
 کتابت (حدیث) اور اس کے باقی رکھنے پر اتفاق ہے۔ اگر احادیث کی کتابت نہ ہوتی تو آج
 ہمارے ہاتھوں میں سنت کا بہت ہی کم حصہ ہوتا۔)

۱۵۔ ”عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال قلت يا رسول الله اكتب كل ما
 اسمع منك؟ قال نعم قلت في الرضاء والغضب قال نعم. فاني لا اقول في ذلك
 الا حقا“ (۲۰۶) (عمرو بن شعيب اپنے باپ، وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں) (یعنی حضرت
 عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے) انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، ”جو چیز بھی

آپ ﷺ سے سنو لکھ لیا کروں؟“ فرمایا: ”ہاں“۔ میں نے کہا: ”خوشی اور غصہ میں بھی“ فرمایا: ”ہاں، اس معاملہ میں میری ہر بات حق ہوتی ہے۔“

یہ حدیث اوپر والی حدیث کی تائید کرتی ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب اپنے دادا تک سند پہنچاتے ہیں۔ پہلے بھی یہ حدیث دوسری سند سے گزر چکی ہے۔ گویا اس پر یہ تصدیق مزید ہے۔

۱۶۔ ”عن ابن راشد الجرائی قال اتیت عبداللہ بن عمرو بن العاص فقلت له حدثنا ممّا سمعت من رسول اللہ فالقی الی صحیفۃ فقال هذا ما کتب لی رسول اللہ ﷺ قال فنظرت فیہا فاذا فیہا انّ ابا بکر الصّدیق قال یا رسول اللہ علّمنی ما اقول اذا اصبحْتُ واذا امسیت. قال یا ابا بکر قل اللّٰهُمَّ فاطر السّموات والارض“ (۲۰۷) (ابن راشد جرائی سے روایت ہے کہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا ”جو بات آپ نے آنحضرت ﷺ سے سنی ہو، وہ بتائیں“۔ انہوں نے مجھے ایک صحیفہ دیا اور کہا، ”یہ ہے وہ جو آنحضرت ﷺ نے میرے لیے لکھا (مجھ سے لکھوایا)۔ ابن راشد کہتے ہیں، میں نے دیکھا اس میں لکھا تھا، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا ”اے اللہ کے رسول ﷺ: مجھے سکھائیں جو میں صبح کے وقت اور شام کے وقت پڑھوں“۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر رضی اللہ عنہ: کہو! ”اللّٰهُمَّ فاطر السّموات والارض... الخ“۔

۱۷۔ ”عن ابی بکر بن محمّد بن عمرو بن حزم عن ابیہ وجده انّ رسول اللہ کتب الی اهل اليمن وکان فی کتابہ انّ من اعتبط مؤمنا قتلاً عن بیّنة فانه قود الا ان یرضی اولیاء المقتول و انّ فی النّفس الدّیّة مائة من الابل“ (۲۰۸) (آنحضرت ﷺ نے اہل یمن کو لکھا، ”جس نے مسلمان کو قتل کیا اور اس پر شہادت مل گئی تو اس کو قتل کیا جائے گا مگر اس صورت میں قتل نہ کیا جائے گا کہ مقتول کے ورثہ راضی ہو جائیں۔ اور جان کے بدلے دیت ایک سو اونٹ ہے)۔ یہ حدیث طویل ہے اور داری میں بھی ہے۔ اس کے حاشیے پر عبداللہ ہاشم یمانی المدنی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے متعلق امام حاکم لکھتے ہیں ”اس کی سند صحیح ہے“۔ امام احمد نے کہا، ”حدیث صحیح ہے“ (۲۰۹)۔

نسائی شریف کے حاشیہ (التعلیقات السلفیہ) پر لکھا ہے: ”کتاب آل عمرو بن حزم کتاب جلیل کتبہ النبی ﷺ لاهل اليمن وارسل معہ عمرو بن حزم ثمّ وجد عنہ بعض آله رووہ عنہ واخذ الناس عنہم ساقہ الحاکم فی المستدرک وصحّحہ“ (۲۱۰) (آل عمرو بن حزم کی کتاب بڑی جلیل القدر ہے۔ جس کو آنحضرت ﷺ نے

اہل یمن کے لیے لکھ کر بھیجا۔ پھر اس کے خاندان میں سے کسی کے پاس رہی۔ لوگوں نے اس کو آگے روایت کیا۔ مستدرک میں حاکم نے اس کو روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔

دارقطنی، کتاب الخراج اور محلی ابن حزم میں بھی اس کو بیان کیا گیا ہے کہ اس کی صحت کے بارے میں شک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود لکھوا کر حضرت عمرو بن حزم کو بھیجا۔ اس صحیفہ کے متعلق اور بھی کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس میں آنحضرت ﷺ نے زکوٰۃ و صدقات، اور خون بہا کے احکام پوری تشریح کے ساتھ درج فرمائے ہیں (۲۱۱)۔ اس کی نقول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے خاندان میں اور متعدد شخصوں کے پاس موجود تھیں (۲۱۲)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے دور خلافت میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات صدقات کی تلاش میں اہل مدینہ کے پاس آدمی بھیجا تو یہ مجموعہ احکام صدقات صحابی رسول عمرو رضی اللہ عنہ بن حزم کے لڑکوں کے ہاں سے لیا گیا (۲۱۳)۔ اس پوری سند سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے صحیح ہونے میں ذرا برابر بھی شک نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے خود پوری شرح و بسط سے احکام لکھ کر بھجوائے۔

۱۸۔ ”عن ابی ہریرۃ قال کان رجل من الانصار یجلس الی رسول اللہ ﷺ فیسمع من النبی الحدیث فیعجبہ ولا یحفظہ فشکا ذلک الی رسول اللہ فقال یا رسول اللہ انی لاسمع منک الحدیث فیعجبنی ولا احفظہ فقال رسول اللہ ﷺ استعن بيمينک و او ما بیدہ الخط و فی الباب عن عبد اللہ بن عمرو هذا الحدیث لیس اسنادہ بذاک القائم و سمعت محمد بن اسماعیل یقول الخلیل بن مرۃ منکر الحدیث“ (۲۱۴) (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری آنحضرت ﷺ کے پاس آتا تھا اور آپ ﷺ کی حدیثیں سنتا تھا یہ اسے اچھی لگتی تھیں لیکن یاد نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ میں آپ ﷺ کی باتیں سنتا ہوں جو مجھے اچھی لگتی ہیں لیکن یاد نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو اور اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ فرمایا۔ اس سلسلہ میں عبد اللہ بن عمرو کی حدیث ہے، جس کی سند ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے محمد بن اسماعیل سے سنا، فرماتے تھے کہ خلیل بن مرہ منکر الحدیث ہے۔ ابو حاتم نے کہا ہے کہ خلیل بن مرہ شیخ مجہول ہے میں اس کو نہیں جانتا“ (۲۱۵)۔

تحفۃ الاحوذی میں حافظ عبدالرحمن مبارک پوری لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف منکر ہے لیکن اس حدیث کی ایک سند ایسی ہے جس میں خلیل بن مرہ نہیں ہے (۲۱۶)۔ اس لیے اس حدیث سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ اس حدیث کے تمام طرق ضعیف نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر صحیح احادیث

اس کے صحیح ہونے کی شاہد ہیں۔

۱۹۔ آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لے گئے تو اوس، خزرج اور یہود کے قبائل بنو نظیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع وغیرہ کئی ٹکڑوں میں منقسم رہتے تھے اور ان میں عام طور پر لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مسلمانوں، یہودیوں اور غیر مسلموں (غیر مسلم عربوں) سے مشورہ کے بعد ایک تحریری اعلامیہ نشر فرمایا۔ جس میں حاکم و محکوم دونوں کے حقوق و فرائض کی تفصیل تھی۔ تاریخ میں اس کو میثاق مدینہ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: ”بسم اللہ الرحمن الرحیم، هذا کتاب محمد النبی ﷺ (رسول اللہ) بین المومنین و المسلمین من قریش و اهل یثرب و من اتبعهم فلاحق بهم ... الخ“۔ پھر اس میں یہود کا ذکر ہے۔ ۲۸۔ دفعات کے اس اعلامیہ میں پانچ مرتبہ اہل هذه الصّحیفۃ کے الفاظ دہرائے گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک تحریر تھی ورنہ اس پر صحیفہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا“ (۲۱۷)۔ اس کے علاوہ بھی کئی معابدات آنحضرت ﷺ نے کئی موقعوں پر کیے جن کی مدون تحریر موجود ہے۔

۲۰۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو ان کی والدہ نے مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا اور کہا کہ آپ ﷺ کے لیے وقف ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا: ”یا رسول اللہ! هذا ابنی وهو غلام کاتب“ (۲۱۸) (اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ میرا بیٹا ہے، یہ بچہ فن کتابت جانتا ہے)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہمیشہ آنحضرت ﷺ کے پاس رہتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا خود بیان ہے: ”خدمت رسول اللہ عشر سنین فما قال لی افّ ولا لم صنعت ولا ألا صنعت“ (۲۱۹) (میں نے آنحضرت ﷺ کی دس سال خدمت کی، آپ ﷺ نے کبھی بھی (ڈانٹتے ہوئے) اف کا کلمہ نہ کہا اور نہ کبھی فرمایا ”یہ کیوں کیا“؟ اور نہ ہی یہ فرمایا ”یہ تم نے کیوں نہ کیا؟)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے آپ کو بتا دیا تھا کہ یہ بچہ کتابت سے آشنا ہے، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھتے۔ صرف احادیث لکھتے ہی نہ تھے بلکہ لکھ کر ان کو پیغمبر ﷺ کی خدمت میں پیش بھی کرتے اور ان کی اصلاح اور صحیح کرالیا کرتے تھے۔

سعید بن ہلال سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہم زیادہ اصرار سے کہتے تھے، تو وہ (لکھی ہوئی) احادیث لاتے اور کہتے تھے یہ وہ احادیث ہیں جو میں نے آنحضرت ﷺ سے سنی ہیں اور انہیں لکھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں (تصحیح کے لیے) پیش کیا ہے (۲۲۰)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان انتہائی اہم ہے۔ ان سے موجودہ کتب احادیث میں دو ہزار چھ سو چھیاسی (۲۶۸۶) احادیث مروی ہیں۔ ان کی احادیث کو مختلف لوگوں نے قلم بند کیا ہے۔

ابان رحمہ اللہ تابعی کا بیان ہے کہ ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ کر احادیث لکھا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ نہ صرف احادیث لکھتے بلکہ اپنے بچوں کو نصیحت کرتے کہ احادیث قلم بند کریں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بچوں سے کہا: ”یا بنی قیدوا هذا العلم“ (میرے بچو، اس علم کو ضبط تحریر میں لے آؤ)۔ مستدرک حاکم میں: ”قیدوا العلم بالكتاب“ کے الفاظ ہیں (۲۲۱)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے خلوص و محبت سے آپ کی خدمت کی اور آپ ﷺ کے شب و روز کی باتوں کو ضبط تحریر میں لا کر اور پھر ان کی خود آنحضرت ﷺ سے تصدیق کرا کر امت پر احسان کیا کہ یہ احادیث مبارکہ لوگوں تک پہنچائیں۔ پھر چراغ سے چراغ جلتا گیا۔

۲۱۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بحرین کا عامل بنا کر بھیجا تو واجباتِ حکومت سے متعلق ایک تحریر لکھ دی۔ اس کی ابتدا اس طرح سے ہوتی ہے: بسم الله الرحمن الرحيم هذه فريضة الصدقة التي فرض رسول الله ﷺ على المسلمين والتي أمر الله به ورسوله“ (۲۲۲)۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الزکوٰۃ کے تین ابواب میں اس نوشتہ کی روایات کو درج کیا ہے۔ سنن دارمی میں ہے: ”عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم كتب الصدقة فلم تخرج إلى عماله حتى قبض رسول الله فلما قبض أخذها أبو بكر فعمل بها من بعد“ (۲۲۳) (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آنحضرت ﷺ نے صدقہ کی تحریر لکھوائی۔ لیکن عمال کو نہ بھیجی تھی کہ آپ ﷺ کی وفات ہو گئی۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس تحریر پر عمل درآمد کر لیا۔ پھر آگے بھی حدیث ہے۔۔۔ امام ابو داؤد نے اس صحیفہ کو حدیث کے مشہور امام حماد بن سلمہ رحمہ اللہ سے روایت کیا گیا ہے۔ جس پر حماد بن سلمہ خود تصریح کرتے ہیں کہ میں نے خود اس نوشتہ کو حاصل کیا) (۲۲۴)۔ امام حاکم نے بھی یہ دستاویز نقل کی ہے (۲۲۵)۔

ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ نے بھی یہ دستاویز بحوالہ حماد رحمہ اللہ بن سلمہ لکھی ہے۔ اس میں حماد رحمہ اللہ بن سلمہ کی یہ تصریح بھی موجود ہے کہ ثابت بنانی نے مجھے ثمامہ رحمہ اللہ بن عبد اللہ کے پاس یہ دستاویز لینے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے یہ دستاویز مجھے دے دی، میں نے اسے دیکھا: ”فإذا عليه خاتم رسول الله“ (۲۲۶) (اس پر جناب رسول اللہ ﷺ کی مہر ثبت تھی)۔

۲۲۔ حضرت عبد اللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک تحریر ہمارے قبیلہ جہینہ میں پہنچی جس میں مختلف احادیث تھیں (۲۲۷)۔

۲۳۔ حضرت وائل بن حجر رحمہ اللہ حضرموت کے شہزادوں میں سے تھے۔ یہ سنہ ۹ھ میں مدینہ

منورہ تشریف لائے اور مسلمان ہوئے۔ ان کی آمد سے قبل آنحضرت ﷺ نے ان کی آمد کی خوش خبری دے دی تھی اور فرمایا تھا: ”راغباً فی اللہ عزّ وجلّ وفی رسولہ وهو بقیۃ ابناء الملوک“ (۲۲۸) (وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ میں رغبت رکھتے ہیں۔ وہ بادشاہوں کے بیٹوں میں سے باقی رہ جانے والے ہیں)۔ یہ کچھ دیر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہنے کے بعد جب وہ جانے لگے تو آپ ﷺ نے ان کو ایک صحیفہ لکھوا کر دیا۔ جس میں نماز، روزہ، شراب اور سود وغیرہ کے احکام تھے (۲۲۹)۔

۲۲۔ مندرجہ بالا تحریروں کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے سینکڑوں کی تعداد میں خطوط اور وثیقے ہیں جو آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں بادشاہوں اور قبیلوں کے سرداروں کو لکھوائے اور ان پر اپنی مہر ثبت کی۔ اس قسم کے خطوط اور وثائق ڈاکٹر حمید اللہ نے جمع کیے ہیں۔ یہ مجموعہ ”الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافة الراشدة“ کے نام سے، پہلی دفعہ ۱۹۳۱ء میں قاہرہ سے اور تیسری مرتبہ بیروت سے ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں ۲۸۱ خطوط اور وثائق آنحضرت ﷺ سے متعلق ہیں۔ ان خطوط میں سے ایک خط وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مقوقس شاہ مصر کو لکھا۔ یہ خط مصر کے آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران برآمد ہوا ہے اور آج بھی مصر میں موجود ہے (۲۳۰)۔ یہ خط حدیث کی مستند کتابوں میں منقول ہے۔ برآمدہ شدہ خط احادیث کی روایت کے عین مطابق ہے۔ یہ مطابقت کتب حدیث کے مستند ہونے کی واضح دلیل ہے۔

ان تمام حقائق کے باوجود اگر عہد نبوی میں کتابت حدیث کا انکار کیا جائے تو اس کے لیے رازی وقت حضرت مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری کا یہ قول نہایت موزوں ہے: ”قد ظنّ بعض الجہلۃ فی هذا الزّمان أنّ الأحادیث النبویۃ لم تکن مکتوبۃ فی عہد رسول اللہ ﷺ ولا فی عہد الصحابة وانما کتبت وجمعت فی عہد التابعین قلت ظنّ بعض الجہلۃ هذا فاسدٌ مبنيّ علی عدم وقوفہ علی حقيقة الحال“ (۲۳۱) (اس دور کے بعض جاہلوں کا گمان ہے کہ احادیث نہ تو عہد نبوی ﷺ میں لکھی گئیں نہ عہد صحابہ میں بلکہ تابعین رضی اللہ عنہم کے دور میں لکھی اور جمع کی گئیں۔ میں کہتا ہوں کہ جاہلوں کا یہ گمان فاسد ہے اور حقیقت حال سے عدم واقفیت کی بنا پر وہ ایسا کہتے ہیں)۔

الغرض جہاں تک عدم کتابت احادیث کا تعلق ہے ان کی اسناد سے معلوم ہو گیا کہ صرف ایک حدیث کے علاوہ باقی سب کمزور ہیں اور اس ایک کی حقیقت بھی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قرآن مجید اور احادیث نبوی کو ایک صفحہ پر لکھنے سے منع فرمایا، تاکہ قرآن مجید اور احادیث میں التباس نہ

ہو (۲۳۲)۔ الگ الگ لکھنے کی اجازت میں بعض (محدثین) نے اس قسم کی احادیث، جن میں ممانعت تھی، منسوخ قرار دی ہیں جب کہ لکھنے کی اجازت والی احادیث ناسخ ہیں (۲۳۳)۔ بعض نے یہ لکھا ہے کہ یہ ممانعت اس کے لیے ہے جو صرف کتابت پر اعتماد کرتا تھا اور حفظ بھول جاتا (۲۳۴)۔

آنحضرت ﷺ کا آخری حکم بلاشبہ کتابت حدیث کے جواز سے متعلق تھا۔ کیونکہ خود آپ ﷺ احادیث لکھواتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ ﷺ کا کتابت سے روکنا صرف ایک ہی کاغذ پر قرآن مجید کے ساتھ حدیث کو اکٹھا لکھنے کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن و حدیث کا فرق صحابہ رضی اللہ عنہم پر واضح ہو گیا یا جن صحابہ رضی اللہ عنہم کو پہلے ہی اس فرق کا بخوبی علم تھا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ تو ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو لکھنے کی عام اجازت مل گئی اور ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے احادیث قلم بند کیں۔ وہ لوگ جو احادیث کو ویسے ہی نہیں مانتے، ان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ممانعت کتابت حدیث کا احادیث سے استدلال کریں، کیوں کہ وہ ویسے ہی احادیث نبوی کے منکر ہیں۔

احادیث شریفہ جو قرآن کریم کی تفسیر اور دین اسلام کا اساسی حصہ ہیں۔ ان کے اعتماد کو مجروح کر کے قرآن اور اسلام کی جملہ تعلیمات کو مشکوک بنانے کی خاطر علمی طور پر ایسے کمزور اور بودے دلائل کا سہارا لیا جاتا ہے حالانکہ قرون اولیٰ میں احادیث نبویہ کی حفاظت کا اصل مدار صرف کتابت پر نہ تھا۔ بلکہ حفظ حدیث، تدریس حدیث، تعامل حدیث کے ذریعے بھی حفاظت و اشاعت حدیث کا انتہائی قابل اعتماد بندوبست موجود تھا۔ مزید احتیاط کے لیے کتابت حدیث کا بھی انتہائی ذمہ داری کے ساتھ وسیع پیمانے پر اہتمام کیا گیا۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی حدیث نبوی پر اپنے اعتماد کی بحالی کا سامان نہیں پاتا تو کوئی حیرانی کی بات نہیں۔ بعض بد نصیب نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کو سامنے پا کر بیان حق زبان اطہر سے سننے کے باوجود بھی ایمان نہیں لاتے تھے۔ اے کاش یہ لوگ اس قرآنی حقیقت کو ابھی سے دل کی آنکھوں سے دیکھ پائیں۔

”وَيَوْمَ يَعْصِي الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا
يَا وَيْلَتَى لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ
جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا“ (۲۳۵) اور اس دن ستم گر شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا ہائے کاش کہ میں نے رسول کی راہ اختیار کی ہوتی۔ ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آ پہنچی تھی اور شیطان تو انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔

حوالہ جات

۱- ابن الاثیر، عز الدین علی بن محمد الشیبانی، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثار (انصار السنۃ الحمدیہ، لاہور ۲/۲۰۸۔

۲- ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی، نزہۃ النظر فی توضیح نخبہ الفکر (فاروقی کتب خانہ، ملتان) ص ۹۲۔

۳- المناوی، عبدالرؤف، ایواقیۃ والدرر (مکتبۃ الرشد الریاض، الطبعة الاولی ۱۹۹۱م) ۱/۱۱۶۔

۴- ایضاً، ۱/۲۳۶۔

۵- البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (دار السلام، الریاض، الطبعة الثانیہ، ۱۹۹۹) حدیث نمبر ۹۹۰، ص ۱۵۹۔

۶- ابن الصلاح، ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمن، علوم الحدیث المعروف بہ مقدمہ ابن الصلاح مع شرح التقیید والایضاح (المکتبۃ العلمیۃ المدینۃ المنورۃ) ص ۲۵۷۔

۷- ایضاً۔

۸- ابن الاثیر، النہایۃ فی غریب الحدیث، ۲/۲۹۳۔

۹- القاسمی، محمد جمال الدین، قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث (دار الکتب العلمیۃ، بیروت الطبعة الاولی ۱۹۷۹ء) ص ۲۰۲؛ ایواقیۃ والدرر، ۲/۲۸۳ (حواشی)۔

۱۰- ایواقیۃ والدرر، ۲/۲۸۳۔

۱۱- ایضاً، ۲/۲۸۳ (حواشی)۔

۱۲- قواعد التحدیث، ص ۲۰۲۔

۱۳- الاصفہانی، ابوالقاسم حسین بن محمد المعروف الراغب، المفردات فی غریب القرآن (دار المعرفۃ بیروت) ص ۱۱۰۔

۱۴- محمود طحان، تیسیر مصطلح الحدیث (نشر السنۃ ملتان) ص ۱۴۔

۱۵- لیس (۳۶) ۳۸۔

- ۱۶۔ المؤمنون (۲۳) ۱۴۔
- ۱۷۔ النساء (۳۳) ۱۹۔
- ۱۸۔ الانبیاء (۲۱) ۲۔
- ۱۹۔ الکہف (۲۸) ۷۰۔
- ۲۰۔ یوسف (۱۲) ۴۱۔
- ۲۱۔ النساء (۴) ۷۸۔
- ۲۲۔ التحريم (۶۶) ۳۔
- ۲۳۔ النساء (۴) ۸۷۔
- ۲۴۔ سلفی، مولانا محمد اسماعیل، حجیت حدیث (فاران اکیڈمی، لاہور) ص ۷۱۔
- ۲۵۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۶۵۷۰، ص ۱۱۳۶۔
- ۲۶۔ السباعی، ڈاکٹر مصطفیٰ، السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی (مطبعة المدنی، قاہرہ، الطبعة الاولى، ۱۹۶۱ء) ص ۱۵۹۔
- ۲۷۔ گوندلوی، حافظ محمد، درس صحیح بخاری (مرتب: منیر احمد سلفی) (اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور طبع اول ۱۹۸۲ء) ص ۲۹-۳۳۔
- ۲۸۔ النساء (۴) ۷۸۔
- ۲۹۔ الضحیٰ (۹۳) ۱۱۔
- ۳۰۔ النساء (۴) ۸۷۔
- ۳۱۔ النساء (۴) ۱۴۰۔
- ۳۲۔ یوسف (۱۲) ۶۔
- ۳۳۔ المؤمنون (۲۳) ۴۴۔
- ۳۴۔ الزمر (۳۹) ۲۳۔
- ۳۵۔ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ، محمد بن یزید القزوی، السنن (مکتبہ دار السلام الریاض الطبعة الاولى ۱۹۹۹م) حدیث نمبر ۱۲، ص ۲۔
- ۳۶۔ ایضاً، حدیث نمبر ۲۸، ص ۶۔
- ۳۷۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱۱۹، ص ۲۵۔

- ۲۸۔ نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، ص ۸۔
- ۳۹۔ الرازی، المحصول، ۷/۲۔
- ۴۰۔ الیواقیت والدرر، ۱/۱۰۹۔
- ۴۱۔ لکھنوی، محمد عبدالحی، ظفر الامانی بشرح مختصر السید الشریف الجرجانی فی مصطلح الحدیث (مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ حلب)، ص ۲۵۔
- ۴۲۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر، تدریب الراوی (المکتبۃ العلمیہ، المدینہ المنورہ، الطبعة الاولیٰ ۱۹۵۹م) ۱/۶۱۔
- ۴۳۔ النووی، ابوزکریا یحییٰ بن شرف الدین الدمشقی، شرح صحیح مسلم (نور محمد اصح المطابع، کراچی) ۱/۶۳۔
- ۴۴۔ الجزائری، طاہر بن صالح، توجیہ النظر الی اصول الاثر (دار المعرفۃ، بیروت)، ص ۳۔
- ۴۵۔ الیواقیت والدرر، ۱/۱۱۲۔
- ۴۶۔ ظفر الامانی، ص ۲۵۔
- ۴۷۔ قواعد التحدیث، ص ۶۱۔
- ۴۸۔ سلفی، حجیت حدیث، ص ۱۷۔
- ۴۹۔ ایضاً، ص ۱۷۔
- ۵۰۔ ایضاً، ص ۱۸۔
- ۵۱۔ ایضاً۔
- ۵۲۔ النہایۃ فی غریب الحدیث، ۲/۴۰۹ (تحت مادہ سنن)۔
- ۵۳۔ الجرجانی، شریف علی، التعریفات (مکتبۃ مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸م)، ص ۱۰۸۔
- ۵۴۔ البہاری، محبت اللہ بن عبد الشکور، مسلم الثبوت مع فوائخ الرحمت (مطبعة الامیریہ مصر، ۱۳۲۲ھ)، ص ۶۶۔
- ۵۵۔ ابن درید، کتاب الجمہرۃ (دارۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۳۲۴ھ) (تحت مادہ سنن)۔
- ۵۶۔ جوہری، جواہر القاموس (تحت مادہ سنن)۔
- ۵۷۔ الزحشری، ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر، اساس البلاغۃ (دار الکتب المصریہ، قاہرہ، طبع اول، ۱۳۲۲ھ/۱۹۵۷ء) (ذیل مادہ سنن) ص ۲۲۱۔
- ۵۸۔ ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب (دار صادر، بیروت) ۱۳/۲۲۵ (تحت مادہ سنن)۔
- ۵۹۔ سلفی، حجیت حدیث، ص ۱۸۔
- ۶۰۔ التعریفات، ص ۱۰۸۔

- ۶۱۔ ملا احمد جیون، نور الانوار (محمد سعید اینڈ سنز، کراچی) اقسام السنہ، ص ۱۷۹۔
- ۶۲۔ ابن حزم، علی بن احمد بن سعید، الاحکام فی اصول الاحکام (مکتبہ عاطف الازھر، الطبعة الاولى ۱۹۷۸م) ۱/۱۷۳۔
- ۶۳۔ توجیہ النظر الی اصول الاثر، ص ۳۔
- ۶۴۔ قنوجی، سید صدیق حسن خان، حصول المامول من علم الاصول (مکتبہ التجاریہ، مصر، ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸م) ص ۳۸۔
- ۶۵۔ محمد عجاج الخطیب، السنۃ قبل التمددین (مکتبہ وھبہ، القاہرہ ۱۳۸۳/۱۹۶۳م) ص ۱۶۔
- ۶۶۔ ابوداؤد، السنن (دار السلام، الریاض، ۱۹۹۹ء) حدیث نمبر ۴۶۰۷، ص ۶۵۱۔
- ۶۷۔ الاسراء (۱۷)، ۷۷۔
- ۶۸۔ الاحزاب (۳۳)، ۳۸۔
- ۶۹۔ فاطر (۳۵)، ۴۳۔
- ۷۰۔ الاسراء (۱۷)، ۷۷۔
- ۷۱۔ آل عمران (۳)، ۱۳۷۔
- ۷۲۔ الانفال (۸)، ۳۸۔
- ۷۳۔ فاطر (۳۵)، ۴۳۔
- ۷۴۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۵۰۶۳، ص ۹۰۶۔
- ۷۵۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، السنن (دار السلام، الطبعة الاولى ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) حدیث نمبر ۲۶۷۷، ص ۶۰۷۔
- ۷۶۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۱۹۸، ص ۴۶۷۔
- ۷۷۔ الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، ارشاد الفحول (مصطفیٰ الحطّی واولادہ، مصر، الطبعة الاولى، ۱۳۵۶ھ) ص ۳۱۔
- ۷۸۔ تدریب الراوی، ۱/۴۳۔
- ۷۹۔ الانصاری، حماد بن محمد، یانغ الثمر فی مصطلح اهل الاثر (مکتبہ ابن قیم المدینۃ المنورہ) ص ۱۰؛ تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۱۶۔
- ۸۰۔ تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۱۶۔
- ۸۱۔ تدریب الراوی، ۱/۲۵-۲۶۔
- ۸۲۔ ایضاً، ۱/۴۸؛ قواعد التحدیث، ص ۷۷۔
- ۸۳۔ ابن حجر، التلک علی مقدمہ ابن الصلاح (الجامعۃ الاسلامیہ، مدینہ منورہ) ۱/۲۶۸۔

- ۸۴۔ قواعد التحدیث، ص ۷۷۔
- ۸۵۔ تدریب الراوی، ۱/۲۸۔
- ۸۶۔ ایضاً۔
- ۸۷۔ آل عمران (۳) ۸۵۔
- ۸۸۔ محمد (۲۷) ۳۳۔
- ۸۹۔ النساء (۴) ۶۲۔
- ۹۰۔ النساء (۴) ۱۶۳۔
- ۹۱۔ النجم (۵۳) ۲-۵۔
- ۹۲۔ محمد عبده الفلاح، تفسیر الحدیث المسمی اشرف الحواشی (شیخ محمد اشرف ناشران قرآن مجید و تاجران کتب لاہور، س۔ ن) ص ۶۲۸۔
- ۹۳۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۴۶۰۴، ص ۶۵۱۔
- ۹۴۔ البقرة (۲) ۱۵۱۔
- ۹۵۔ احمد، المسند (دار الفکر بیروت) ۵/۳۳۷۔
- ۹۶۔ النساء (۴) ۱۱۳۔
- ۹۷۔ البقرة (۲) ۲۳۱۔
- ۹۸۔ تفسیر الحدیث المسمی اشرف الحواشی، البقرة آیت نمبر ۲۳۱، ص ۲۵۔
- ۹۹۔ الطبری، جامع البیان المعروف تفسیر طبری، ۳/۷۷۔
- ۱۰۰۔ الشافعی، الرسالة، ص ۷۸۔
- ۱۰۱۔ الحشر (۵۹) ۷۔
- ۱۰۲۔ اشرف الحواشی، ص ۶۵۲۔
- ۱۰۳۔ الاعراف (۷) ۱۵۷۔
- ۱۰۴۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سنت کی آئینی حیثیت (اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۴) ص ۷۳۔
- ۱۰۵۔ محمد ادریس میرٹھی، بنیت کا تشریحی مقام (بیت التوحید، آصف کالونی کراچی نمبر ۱۶) ص ۵۳۔
- ۱۰۶۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۴۶۰۴، ص ۶۵۱۔
- ۱۰۷۔ عظیم آبادی، شمس الحق، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد (نشر السنہ ملتان) ۳/۳۲۹۔
- ۱۰۸۔ النحل (۱۶) ۳۴۔
- ۱۰۹۔ سنت کی آئینی حیثیت، ص ۷۲۔

۱۱۰۔ اصلاحی، امین احسن، مبادی تدبر حدیث (قاران فاؤنڈیشن لاہور، ۲۰۰۰ء) ص ۲۶۔

۱۱۱۔ محمد (۴۷) ۳۳۔

۱۱۲۔ حافظ صلاح الدین یوسف، تفسیر احسن البیان (دار السلام الرياض) سورہ محمد شرح، آیت نمبر ۳۳،

ص ۸۲۔

۱۱۳۔ المائدہ (۵) ۹۲۔

۱۱۴۔ اشرف الحواشی (حاشیہ آیت مذکورہ) ص ۱۲۸۔

۱۱۵۔ التغابن (۶۴) ۱۲۔

۱۱۶۔ تفسیر احسن البیان، تحت آیت کریمہ، ص ۸۳۵۔

۱۱۷۔ التوبہ (۹) ۷۱۔

۱۱۸۔ ندوی، مولانا محمد حنیف، مطالعہ حدیث (علم و عرفان پبلشرز، لاہور ۲۰۰۳ء) ص ۱۸۔

۱۱۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، (دار السلام، ریاض ۱۹۹۹ء) حدیث نمبر ۱۴، ص ۶۔

۱۲۰۔ التوبہ (۹) ۲۴۔

۱۲۱۔ الطبرانی، ابوالقاسم، سلیمان بن احمد، المعجم الاوسط (دار الحرمین، القاہرہ، ۱۴۱۵ھ) ۱۶۹/۹۔

۱۲۲۔ النور (۲۴) ۵۳۔

۱۲۳۔ النساء (۴) ۸۰۔

۱۲۴۔ المجادلۃ (۵۸) ۹۔

۱۲۵۔ الاحزاب (۳۳) ۳۶۔

۱۲۶۔ النور (۲۴) ۶۳۔

۱۲۷۔ الجن (۷۲) ۲۳۔

۱۲۸۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۷۲۸۰، ص ۱۲۵۲۔

۱۲۹۔ النجم (۵۳) ۵۔

۱۳۰۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۲۲، ص ۵۲۵؛ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۶۵۶، ص ۲۰۳۔

۱۳۱۔ السیوطی، تدریب الراوی، ۱۵۹/۲۔

۱۳۲۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ (حذیفہ اکیڈمی، لاہور ۲۰۰۰ء) ۲۸/۱۔

۱۳۳۔ النساء (۴) ۵۹۔

۱۳۴۔ اشرف الحواشی، تفسیر آیت مذکورہ، ص ۱۰۵۔

۱۳۵۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۴۶۰۷، ص ۶۵۱۔

- ۱۳۶۔ الاحزاب (۳۳) ۲۱۔
- ۱۳۷۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۵۰۶۳، ص ۹۰۶۔
- ۱۳۸۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ (الفیصل، ناشران و تاجران کتب لاہور، ۱۹۹۱ء) ۲۱/۱۔
- ۱۳۹۔ Encyclopaedia Brittanica (1958) vol. 13, p. 16-17.
- ۱۴۰۔ شبلی، سیرت النبی ﷺ، ص ۲۱/۱۔
- ۱۴۱۔ الاحزاب (۳۳) ۲۱۔
- ۱۴۲۔ البقرة (۲) ۱۲۹۔
- ۱۴۳۔ الشافعی، محمد بن ادریس، الرسالة (دار التراث، القاہرہ، ۱۳۵۸ھ)، ص ۷۶-۷۸۔
- ۱۴۴۔ النجم (۵۳) ۴-۳۔
- ۱۴۵۔ الحشر (۵۹) ۷۔
- ۱۴۶۔ مسلم، الجامع الصحیح (نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۹۵۶ء) ۳۲۲/۱۔
- ۱۴۷۔ الدارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن، السنن (دار الفکر بیروت)، ۱/۹۸؛ ابن عبد البر، ابو عمر یوسف، جامع بیان العلم و فضلہ (دار الفکر بیروت) ۱/۶۳۔
- ۱۴۸۔ ابن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری (دار النشر الکتاب الاسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۱ء)، ۱/۱۸۵۔
- ۱۴۹۔ الترمذی، السنن (قرآن محل کراچی) ۲/۱۰۶۔
- ۱۵۰۔ الدارمی، السنن، ۱/۹۸۔
- ۱۵۱۔ ایضاً، ۱/۹۹ (المواشی)۔
- ۱۵۲۔ الخطابی، ابوسلیمان حمد بن محمد البستی، معالم السنن (دار المعرفۃ، بیروت ۱۴۰۰ھ) ۲۳۶/۱۔
- ۱۵۳۔ جامع بیان العلم، ۱/۶۳۔
- ۱۵۴۔ ایضاً۔
- ۱۵۵۔ ابن الصلاح، علوم الحدیث (فاروقی کتب خانہ ملتان) ص ۹۔
- ۱۵۶۔ احمد بن حنبل، المسند (دار الفکر، بیروت) (مسند ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)۔
- ۱۵۷۔ ہمام بن منبہ، الصحیفۃ الصحیحہ بتحقیق ڈاکٹر حمید اللہ (ناشر رشید اللہ یعقوب، کراچی، طبع جدید ۱۹۹۸ء) (مقدمہ) ص ۶۸۔
- ۱۵۸۔ مولانا محمد علی، علوم الحدیث اور امام اعظم (دار العلوم الشہابیہ، سیالکوٹ) ص ۸۶۔
- ۱۵۹۔ احمد محمد شاکر، الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (دار الکتب العلمیہ، بیروت)، ص

- ۱۶۰۔ ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث البجستانی، السنن، حدیث نمبر ۳۶۲۷، ص ۵۲۳۔
- ۱۶۱۔ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ۳/۳۵۶۔
- ۱۶۲۔ ابن حجر، تقریب التہذیب (دارالمعرفۃ، بیروت)، ۲/۲۵۲۔
- ۱۶۳۔ مسلم، الجامع الصحیح، ۱/۳۲۵؛ النسائی، عبد الرحمن احمد بن شعیب، السنن (دار السلام الریاض، ۱۹۹۹) حدیث نمبر ۲۱۳۲، ص ۳۰۰۔
- ۱۶۴۔ عبد الستار الشیخ، اعلام الحفاظ والمحدثین عبر اربعۃ عشر قرناً (دار القلم دمشق، الدار الشامیہ بیروت ۱۹۹۷ء، الطبعة الاولیٰ) ۲/۲۳۵۔
- ۱۶۵۔ الاعراف (۷) ۱۵۸۔
- ۱۶۶۔ المجمعة (۶۲) ۲۔
- ۱۶۷۔ الحیثمی، نور الدین علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد ومنج الفوائد (دار الکتاب العربی، بیروت) ۱/۱۵۱۔
- ۱۶۸۔ ایضاً۔
- ۱۶۹۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۷۱۔
- ۱۷۰۔ البخاری، الجامع الصحیح (نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۹۶۱ء) ۱/۲۲؛ الترمذی، السنن، (قرآن محل کراچی) ۲/۱۰۷؛ مسلم، الجامع الصحیح، ۱/۲۳۹۔
- ۱۷۱۔ فتح الباری، ۱/۲۰۶۔
- ۱۷۲۔ مبارکپوری، عبد الرحمن، تحفۃ الاحوذی شرح السنن الترمذی (دار الکتاب العربی بیروت)، ۳/۳۷۲۔
- ۱۷۳۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۱/۲۲۔
- ۱۷۴۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۶۲۹، ص ۵۳۳؛ جامع بیان العلم وفضلہ، ۱/۸۴۔
- ۱۷۵۔ الترمذی، السنن، ۲/۱۰۷۔
- ۱۷۶۔ الدارمی، السنن، ۱/۱۰۳؛ جامع بیان العلم، ص ۷۰؛ البغوی، ابو محمد الحسین بن مسعود، شرح السنۃ، ۱/۲۔
- ۱۷۷۔ ابن حجر، فتح الباری، ۱/۱۸۵۔
- ۱۷۸۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۱/۲۱۔
- ۱۷۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۱/۵۵۴؛ احمد، المسند، ۴/۱۷۶؛ الحاکم، المستدرک (دار الکتاب العربی بیروت)، ۳/۷۰۔
- ۱۸۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۱/۴۳۰۔
- ۱۸۱۔ مسلم، الجامع الصحیح، ۱/۸۴۔
- ۱۸۲۔ صحیح مسلم مع شرح للنووی (نور محمد اصح المطابع، کراچی، الطبعة الثانیہ، ۱۹۵۶ء) ۱/۸۴، صحیح بخاری مع

- حاشیہ احمد علی سہارنپوری (نور محمد، اصح المطابع، کراچی، الطبعة الثانية، ۱۹۶۱ء) ۱/۳۳۰۔
- ۱۸۳۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۷۱۹۵، ص ۱۲۳۹۔
- ۱۸۴۔ ایضاً، ۱/۳۲۱۔
- ۱۸۵۔ ایضاً، ۱/۳۷۹۔
- ۱۸۶۔ ایضاً، حدیث نمبر ۲۶۹۸، ص ۴۴۰۔
- ۱۸۷۔ بطور مثال مسلم، الجامع الصحیح، ۲/۴۔
- ۱۸۸۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۱/۴۱۳۔
- ۱۸۹۔ مسلم، الجامع الصحیح، ۲/۹۷۔
- ۱۹۰۔ ابوداؤد، السنن، کتاب العلم، ص ۵۱۴۔
- ۱۹۱۔ جامع بیان العلم، ۱/۷۱؛ دارمی، السنن، ۱/۱۰۳۔
- ۱۹۲۔ احمد، المسند، ۲/۱۶۲۔
- ۱۹۳۔ ابن قتیبة، عبد اللہ بن مسلم، تاویل مختلف الحدیث (دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۵ء) ص ۲۶۰۔
- ۱۹۴۔ الدارمی، السنن، ۱/۱۰۴۔
- ۱۹۵۔ المسند رک، ۱/۱۰۵۔
- ۱۹۶۔ الدارمی، السنن، ص ۲۵۵۔
- ۱۹۷۔ جامع بیان العلم، ۱/۷۳۔
- ۱۹۸۔ مجمع الزوائد و منبع الفوائد، ۱/۲۱۸۔
- ۱۹۹۔ الدارمی، السنن، ۱/۱۰۵، جامع بیان العلم، ۱/۷۳۔
- ۲۰۰۔ صحتی صالح، علوم الحدیث (اردو ترجمہ، غلام احمد حریری، مکتبہ کشمیر فیصل آباد، بار پنجم ۱۹۹۷ء) ص ۴۵۔
- ۲۰۱۔ ابن الاثیر، اسد الغابہ فی معرفة الصحابة (دار احیاء التراث العربی، بیروت) ۳/۲۳۳۔
- ۲۰۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲/۱۵۸ تا ۲۲۶۔
- ۲۰۳۔ ابن حجر، احمد بن علی عسقلانی، تہذیب التہذیب (دائرة المعارف العثمانیہ، حیدر آباد) ۸/۴۵-۵۵۔
- ۲۰۴۔ تہذیب التہذیب، ۸/۸۲؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲/۱۲۵۔
- ۲۰۵۔ ابوداؤد، السنن مع شرح معالم السنن للخطابی، ص ۲۳۵-۲۳۶۔
- ۲۰۶۔ جامع بیان العلم، ۱/۷۱۔
- ۲۰۷۔ مقدمہ، تحفۃ الاحوذی، ص ۲۰۔
- ۲۰۸۔ نسائی، السنن، ۲/۲۳۶۔

- ۲۰۹۔ الداری، السنن، ۱/۳۲۰۔
- ۲۱۰۔ نسائی، السنن، ۱/۳۹۷؛ دارقطنی، السنن، ص ۳۷۶۔
- ۲۱۱۔ الطحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد، شرح معانی الآثار (سعید ایچ ایم کمپنی، کراچی، ۱۹۷۵ء)، ۲/۴۱۷۔
- ۲۱۲۔ الدارقطنی، علی بن عمر، السنن (دار المحاسن، قاہرہ ۱۹۶۶ء)، ۲/۱۱۷۔
- ۲۱۳۔ الترمذی، السنن، ۲/۱۰۷۔
- ۲۱۴۔ تحفۃ الاحوذی، ۳/۳۷۵۔
- ۲۱۵۔ خطیب بغدادی، تقييد العلم، ص ۶۶ بحوالہ صحیح صالح، علوم الحدیث، ص ۳۹۔
- ۲۱۶۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، الوثائق السياسية، ص ۴۰۔
- ۲۱۷۔ ابن الاثیر، اسد الغابہ، ۱/۱۲۸۔
- ۲۱۸۔ خطیب التبریزی، مشکوٰۃ المصابیح (نور محمد اصح المطابع، کراچی)، ص ۵۱۸۔
- ۲۱۹۔ ابوبکر غزنوی، کتابت حدیث عہد نبوی میں (مکتبہ غزنویہ لاہور)، بحوالہ حاکم المستدرک۔
- ۲۲۰۔ الداری، السنن، ۱/۱۰۵۔
- ۲۲۱۔ حاکم، المستدرک، ۱/۱۰۶۔
- ۲۲۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۱/۱۹۵۔
- ۲۲۳۔ ایضاً، ۱/۳۲۰۔
- ۲۲۴۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ص ۲۳۰-۲۳۱۔
- ۲۲۵۔ حاکم، المستدرک، ۱/۳۰۹۔
- ۲۲۶۔ شرح معانی الآثار، ص ۴۱۶۔
- ۲۲۷۔ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی، ۱/۲۰۶۔
- ۲۲۸۔ مشکوٰۃ المصابیح، ص ۶۲۱۔
- ۲۲۹۔ الطبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الصغیر (دار احیاء التراث العربی بیروت)، ۱/۲۴۱۔
- ۲۳۰۔ ڈاکٹر حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السياسية (دار النقاش، بیروت، الطبعة الخامسة، ۱۹۸۵ء)، ص ۵۰۔
- ۲۳۱۔ مقدمہ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی، ص ۱۸۔
- ۲۳۲۔ بغوی، شرح السنۃ، ۱/۲۹۵۔
- ۲۳۳۔ ابن قتیبہ، تاویل مختلف الحدیث، ص ۲۸۶۔
- ۲۳۴۔ شرح السنۃ (حاشیہ)، ۱/۲۹۵۔
- ۲۳۵۔ الفرقان (۲۵)، ۲۷۔

سند حدیث

سند حدیث کی اہمیت

مشہور ضرب المثل ہے۔ ”وما آفة الاخبار الا روايتها“ (خبروں کی آفت ان کے راوی ہیں) اور یہ ضرب المثل ایک حقیقت ہے کہ اختلاف ملل و ادیان اور تہذیب و تمدن کے فرق کے باوجود سب لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ جھوٹے کی خبر کی تصدیق نہیں کی جاتی نہ اس کی روایت اور گفتگو کو قبول کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ معلوم ہو کہ وہ کبھی سچ بھی بولتا ہے۔ عام طور پر سچے کی بات کو قبول کیا جاتا ہے اور اس کی بات کا یقین کرنے میں کسی کو کوئی تامل نہیں ہوتا۔ اگرچہ لوگ جانتے ہوں کہ سچے آدمی کے جھوٹ بولنے کا بھی امکان ہے۔ واقعات جو بیان کیے جاتے ہیں ان میں خبر کے غلط یا صحیح ہونے کا انحصار راوی پر ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خبر یا حدیث یا روایت کے بیان کرنے میں اصل چیز سند ہے۔ یعنی اس کے بیان کرنے والوں کی ایمان داری اور صداقت کی عادت، اس لحاظ سے حدیث کی صحت کو راوی کے صدق و عدل سے پرکھا جاتا ہے۔ کبھی کبھی راوی کا سوء حفظ اس کا سبب بنتا ہے۔ محدثین کے طریق کار پر کوئی کلام نہیں کیونکہ وہ اسناد میں شامل راویوں کی چھان بین کرتے ہیں۔ انہوں نے حدیث کے سلسلہ میں خصوصی توجہ دی بلکہ انہوں نے سند حدیث پر متن سے بڑھ کر توجہ دی۔ حضرات محدثین صرف حدیثوں کے ناقلین ہی نہیں بلکہ صحیح معنی میں ناقدین بھی ہیں۔ بنا بریں معلوم ہوتا ہے کہ اسناد کی اہمیت بیان کرنے سے پیشتر سند اور متن کے مفہوم کو واضح کر دیا جائے۔

السند:

لغوی تعریف:

”فلان سند ای معتمد“ (۱) (فلاں سند ہے یعنی معتمد ہے جس پر اعتماد کیا جاتا ہے)۔

۲۔ ”والاسناد فی الحدیث رفعہ الی قائلہ“ (۲) (اسناد حدیث میں اپنے قائل کی طرف منسوب کرنا)۔

۳۔ ”السند ما ارتفع من الارض فی قبل الجبل او الوادی والجمع الاسناد“ (۳) (پہاڑ یا وادی میں جو جگہ زمین سے بلند ہو اس کو سند کہتے ہیں اس کی جمع اسناد ہے)۔

اصطلاحی تعریف:

۱۔ ”طریق متن الحدیث“ (۴) (متن حدیث کا راستہ یعنی راویوں کا سلسلہ ہے)۔ اس بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”هو الطريق الموصلة الى المتن“ (۵) (وہ ایسا راستہ ہے جو متن تک پہنچاتا ہو)۔

۲۔ ”وسند الحدیث هو ما ذکر قبل المتن، ویقال: الطريق لانه یوصل الی المقصود هنا وهو الحدیث کما یوصل الطريق المحسوس الی ما یقصد السالک فیہ“ (۶) (سند حدیث وہ ہے جو متن سے پہلے ہے اور اس کو طریق کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مقصد تک پہنچاتا ہے۔ جس طرح راستہ (طریق) چلنے والے کو اس کے مقصد تک جہاں تک اس کا ارادہ ہوتا ہے پہنچاتا ہے)۔

سند اور اسناد ہم معنی الفاظ ہیں۔ سیوطی فرماتے ہیں کہ ”قال الطیبی: وهما متقاربان فی المعنی اعتمد الحفاظ فی صحة الحدیث وضعفه علیہما وقال ابن جماعة: يستعملون السند والاسناد لشيء واحد“ (۷) (طیبی نے کہا کہ یہ دونوں معنی میں ایک ہیں۔ حفاظ حدیث صحت حدیث اور ضعف حدیث میں ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور ابن جماعة کہتے ہیں کہ سند اور اسناد ایک ہی معنی کے لیے استعمال ہوتے ہیں)۔

حدیث میں ”اسناد“ مصدر استعمال نہیں ہوتا جس کی جمع نہیں بلکہ یہ وہ ہے جو کہ تشنیہ اسنادان اور جمع اسانید استعمال ہوتا ہے (۸) اور لغوی، اصطلاحی تعریف کو بقول مولانا عطاء اللہ حنیف، صاحب التعلیقات السلفیہ علی النسائی اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے۔

”هو الاخبار عن طریق المتن ماخوذ اما من السند وهو ما ارتفع وعلی من سفح الجبل لان الراوی یرفعہ الی قائلہ او عن قولہم فلان سند ای معتمد فسمی طریق الموصلة الی المتن ای الرواة الذین یتوصل بہم الی الحدیث سموا بذاک لاعتماد الفاظ صحة الحدیث وضعفه الیہم“ (۹) (وہ طریق متن کی خبر ہے یا تو یہ سند سے

ماخوذ ہے جو کہ دامن کوہ سے بلند ہو کیونکہ راوی اس کو کہنے والے تک پہنچاتا ہے۔ یا ان کے کہنے سے ”فلان سند“ سے ماخوذ یعنی معتمد ہے اس کا نام، وہ راستہ ہے جو متن تک پہنچتا ہو۔ یعنی راویوں کا سلسلہ جن کی وجہ سے حدیث تک پہنچنے میں ان کا نام آئے۔ اس لیے یہ رکھا گیا۔ کیونکہ ان کی صحت اور ضعف حدیث کے الفاظ کا ان پر دار و مدار ہے۔

المتن:

لغوی تعریف:

۱۔ ”المتن، متن النشی صلب و بابہ ظرف فهو متین و متن الظهر سکتفا الصلب عن یمین و شمال عن عصب و لحم ید کر یؤنث“ (۱۰) (متن کے معنی سخت چیز، اس کا باب ظرف ہے۔ اس کا فاعل متین ہے اور متین الظهر کے معنی پشت کا سخت ہونا، پٹھوں اور گوشت کا دائیں بائیں سے سخت ہونا۔ یہ مذکر اور مؤنث دونوں طرح سے استعمال ہو جاتا ہے)۔

۲۔ ”المتن من کل شی ما صلب ظهرہ والجمع متون و متان“ (۱۱) (متن ہر ایک چیز میں سے جس کی پیٹھ سخت ہو اس کی جمع متون اور متان ہے)۔

۳۔ ”والمماتنة المباعدة فی الغایة و سیر مماتن بعید (۱۲) (مماتنہ انتہائی طور پر دور چلے جانا اور سیر مماتن دور کی سیر ہے)۔

اصطلاحی مفہوم:

۱۔ طیبی نے کہا ”الفاظ الحدیث التي تتقوم بها المعانی“ (۱۳) (متن سے مراد حدیث کے الفاظ جن کے معانی بنتے ہیں)۔

۲۔ ابن جماعة نے کہا ”و هو ما ينتهي اليه غاية السند من الكلام“ (۱۴) (متن وہ ہے کلام میں جہاں سند ختم ہوتی ہے)۔

۳۔ حافظ ابن حجر نے کہا ”و هو غاية ما ينتهي اليه الاسناد من الكلام“ (۱۵) (آخری جگہ جہاں کلام میں سند ختم ہو) اور اس کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں اس طرح سے اجماع ممکن ہے جیسا کہ علامہ محمد جمال الدین قاسمی فرماتے ہیں: ”واخذہ اما من المماتنة

وهی المباعده فی الغایة لأنه السند او من متنت الکبش إذا شقت جلدۃ بیضه واستخرجتها فكان السند استخراج المتن بسنده او عن المتن وهو ما صلب وارتفع من الارض لان المسند یقویہ بالسند ویرفعه إلى قائله او من تمتین القوس ای شدھا بالعصب لان المسند یقوی الحدیث بسنده“ (۱۶) (متن الممانۃ - سے ماخوذ ہے۔ وہ انتہائی دوری ہے کیونکہ وہ سند کی انتہا ہوتی ہے۔ یا یہ متنت الکبش (میں نے مینڈھے کی کھال اتار دی) سے ماخوذ ہے جس وقت آپ نے اس کی جلد پھاڑ دی اور اس کو باہر نکال دیا گویا کہ سند نے متن کو اپنی سند کے ذریعہ نکال دیا۔ یا متن سے ماخوذ ہے جو کہ سخت ہو اور زمین سے بلند ہو کیونکہ مسند سند سے اس کو مستحکم کرتا اور قائل کی طرف لے جاتا ہے۔ یا تمتین القوس سے۔ یعنی اس نے اس کو سخت کر دیا یا مضبوط کر دیا۔ کیونکہ مسند سند سے حدیث کو مستحکم کرتا ہے)۔

محدثین کا اسناد کی طرف رجحان:

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسناد کی چھان بین کی طرف محدثین نے خصوصی توجہ دی تاکہ صحیح روایات کو موضوع روایات سے الگ کر دیا جائے اور شکوک و شبہات رفع کر دیے جائیں۔ عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ سند کو دین کا حصہ قرار دیتے ہیں اور غلط احادیث روایت کرنے والوں کے لیے اسے ایک لگام تصور کرتے ہیں۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں: ”الاسناد من الدین لو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء“ (۱۷) (اسناد دین سے ہیں۔ اگر سند نہ ہوتی تو جو کوئی چاہتا کہتا)۔

اسی طرح سفیان ثوری رحمہ اللہ اسناد کو مومن کے ہاتھ میں بمنزلہ قتال کرنے والے کے ہاتھ میں تلوار سمجھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ: ”الاسناد سلاح المؤمن إذا لم یکن معہ سلاح فبای شیء یقاتل“ (۱۸) (اسناد مومن کا ہتھیار ہے۔ جب اس کے پاس ہتھیار ہی نہ ہو تو وہ لڑائی کیسے کرے گا)۔ اور اعمش رحمہ اللہ جب کسی کو بغیر سند کے بیان کرتے تو کہتے کہ ”بقی داس المال حدثنی فلان ثنا فلان من فلان“ (۱۹) (اصل زر باقی رہ گیا فلاں نے حدیث بیان کی اس نے کہا فلاں نے مجھے فلاں سے حدیث بیان کی ہے)۔ اسی طرح شعبہ رحمہ اللہ ایسی حدیث کو جو کہ سند کے بغیر ہو ایسے کھانے سے تشبیہ دیتے ہیں جو کہ بھوک نہ مٹا سکے۔ فرماتے ہیں: ”کل حدیث لیس فیہ انا وحدثنا فهو خل و بقل“ (۲۰) (ہر وہ حدیث جس میں انا اور حدثنا نہیں وہ سرکہ اور سبزی کی مانند ہے)۔ انہی کا ایک اور قول ہے: ”کل حدیث لیس فیہ حدثنا و اخبرنا مثل الرجل بالفلاة

معہ البعیر لیس له خطام“ (۲۱) (ایسی حدیث جس میں حدیثا اور خبرنا نہ ہو۔ اس آدمی کی مانند ہے جس کے پاس جنگل میں بغیر مہار کے اونٹ ہو)۔

امام زہری رحمہ اللہ (محمد بن مسلم شہاب رحمہ اللہ) حدیث کی سند کے بغیر بیان کرنے کو اللہ پر جرأت سمجھتے ہیں اور عتبہ بن حکیم نے بیان کیا کہ وہ اسحاق بن ابی فروہ کے پاس تھے اور ان کے پاس الزہری رحمہ اللہ تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ ابن ابی فروہ رحمہ اللہ نے کہنا شروع کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الزہری رحمہ اللہ نے کہا اے ابن ابی فروہ رحمہ اللہ! اللہ تجھے ہلاک کرے تو اللہ پر کتنی جرأت کرتا ہے۔ حدیث کو سند سے کیوں بیان نہیں کرتا۔ تو ہمیں ایسی حدیثیں سناتا ہے جس کی نہ تکمیل ہے نہ مہار (یعنی بے سند حدیثیں) (۲۲)۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ جب کبھی حدیث بیان کرتے تو ساتھ سند بیان فرماتے۔ سند کے متعلق ان کا قول ہے کہ: ”لا یصلح ان یوقی السطح الا بدرجۃ“ (۲۳) (سیڑھی کے بغیر چھت پر چڑھنا ممکن نہیں)۔

امام شافعی رحمہ اللہ سند کے بغیر حدیث کو فائدہ مند کی بجائے نقصان دہ فرماتے ہیں۔ ان کا قول ہے: ”مثل الذی یطلب العلم بلا حجة کمثل حاطب اللیل یحمل حزمة حطب وفیه افعی تلدغہ وهو لا یدری“ (۲۴) [ایسا شخص جو بلا دلیل (سند) علم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ حاطب اللیل (رات کو لکڑیاں اکٹھا کرنے والے) کی مانند ہے جو لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے اور اس میں سے سانپ نکلے جو اس کو ڈس لے حالانکہ وہ اس سے بے خبر ہو]۔
اس سلسلے میں امام القسیمی کے اشعار قابل غور ہیں:

اذا لم یکن خبر صحیح عن الاشیاخ متضح الطريق

فلا ترفع به رأسا ودعه فانی ناصح لک یا صدیقی

واسقاط المشائخ من حدیث أشد علی من ثكل الشقیق

وما فی الارض خیر من حدیث له نور باسناد وثیق (۲۵)

[جب صحیح سند والے شیوخ سے حدیث صحیح نہ ہو (یعنی بغیر سند کے ہو) تو اس کی طرف سر اٹھا کر بھی نہ دیکھو۔ اے دوست میری یہی نصیحت ہے۔ حدیث کے مشائخ کا اسقاط میرے لیے حقیقی بھائی کی گمشدگی سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ اس حدیث سے بڑھ کر زمین میں کوئی چیز نہیں جس کے لیے با اعتماد سند کا نور ہو]۔

یہ بات باعث فخر ہے کہ علم الاسناد صرف مسلمانوں ہی میں پایا جاتا ہے اور کسی قوم میں نہیں۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ: ”نقل الشقة کذلک یبلغ إلی النبی خص اللہ به

المسلمین دون سائر اهل الملل کلتھا“ (۲۶) (ثقة کا ثقہ سے نقل کرنا یہاں تک کہ یہ نبی اکرم ﷺ تک پہنچے۔ یہ خصوصیت اللہ تعالیٰ نے تمام ملتوں میں سے صرف مسلمانوں ہی کو عنایت فرمائی ہے)۔ پھر آگے یہود و نصاریٰ کا ذکر کیا ہے کہ ان کا سلسلہ (اسناد) حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ تک نہیں پہنچتا۔ لکھتے ہیں: ”وأما اقوال الصحابة والتابعین فلا يمكن اليهود أن يبلغوا إلى صاحب النبي أصلاً ولا إلى تابع له ولا يمكن النصارى أن يصلوا أعلى من شمعون وبولص“ (۲۷) [جہاں تک یہود کا تعلق ہے ان کے صحابہ کرام (یہود) اور تابعین کے اقوال کے متعلق ممکن ہی نہیں کہ وہ نبی کے صحابی تک (بسد) ہوں اور نہ ہی تابعی تک۔ اور عیسائیوں میں شمعون اور پولس سے آگے سند ممکن نہیں]۔

اسناد در اصل حدیث کو محفوظ انداز میں دوسروں تک پہنچانے کا ایک سلسلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے سنا وہ فرماتے تھے: ”الاسناد من الدین“ (۲۸)۔

یحییٰ کہتے کہ انہوں نے شعبہ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ: ”انما تعلم صحة الحديث بصحة الاسناد“ (۲۹) (حدیث کی صحت کا علم سند کی صحت سے ہوتا ہے)۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ کا قول ہے: ”ما ذهاب العلم الا ذهاب الاسناد“ (۳۰) (اسناد کا ضیاع علم کا ضیاع ہے)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ”ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذونه“ (۳۱) (یہ علم دین ہے دیکھو کہ یہ آپ کس سے حاصل کر رہے ہیں)۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چار آدمیوں سے علم حاصل نہ کرو ان کے علاوہ (اور جس سے چاہو) سے علم حاصل کرو۔ ایک بیوقوف سے، جس کی حماقت واضح ہو اگرچہ وہ بہت زیادہ روایت کرنے والا ہو۔ نہ جھوٹے سے جو عام گفتگو میں جھوٹ بولتا ہو جب اس پر اس بات کا تجربہ نہ ہو جائے، اگرچہ آنحضرت ﷺ پر جھوٹ باندھنے کا اس پر اتہام نہ ہو۔ نہ صاحب ہوئی (اہل بدعت) جو لوگوں کو اپنی اہوا کی طرف بلاتا ہو اور نہ ایسے شیخ سے جو بڑا صاحب فضیلت اور عابد ہو مگر جو حدیث بیان کرے اس کو جانتا نہ ہو“ (۳۲)۔

امام مالک رحمہ اللہ خود بھی حدیث کے بارے میں بہت محتاط تھے۔ بشر بن عمر الزہوانی سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کے متعلق امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ”رأيت في كتيب، قلت: لا، قال: لو كان الثقة لرأيت في كتيب، قال ابن المديني لا أعلم مالكا ترك إنساناً إلا إنساناً في حديثه شيء“ (۳۳) (کیا آپ نے اس کا ذکر میری کتابوں

میں پڑھا! اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ ثقہ ہوتا تو آپ اس کو میری کتابوں میں دیکھتے۔ ابن مدینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے صرف اس شخص کو چھوڑا جس کی حدیث میں خامی تھی۔

عبدالحی الکتانی نے حافظ ابوالقاسم بن عسا کر کے یہ اشعار پڑھے:

لقول الشيخ أنبأني فلان وكان من الأئمة عن فلان
الى ان ينتهي الاسناد اعلى خيراً من محادثة الحسان
ومستمل على صوت فصيح الذّ لددى من صوت القيان (۳۴)

(استاد کا انبائی فلاں کہنا جو کہ دیگر ائمہ فلاں سے روایت کریں یہاں تک کہ سند اپنی انتہا کو پہنچ جائے یہ بات میرے دل کو خوبصورت عورتوں سے گفتگو کرنے سے زیادہ اچھی لگتی ہے اور بلند آواز سے حدیث لکھوانے والا مجھے خوبصورت اور سریلی آواز میں گانے والیوں سے زیادہ محفوظ کرنے والا ہے۔)

قرآن مجید کی آیہ مبارکہ ”أو اثاره من علم“ (۳۵) سے مراد اسناد الحدیث ہے۔ مشہور محدث ابواسحاق ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی نے لکھا ہے کہ علی ابن الحسن نے مجھے بتایا کہ اس نے عبداللہ رحمہ اللہ (ابن المبارک) سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ جب کوئی فیصلہ آپ کو کرنا پڑے تو اثر پر اعتماد کرو۔ علی نے کہا میں نے اس بات کا ذکر ابو حمزہ بن صیون کسری سے کیا جو اہل مرو ہیں جو کہ میرا نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اثر کیا ہے؟ یہ کہ میں آپ کو کسی چیز کے متعلق حدیث بیان کر دوں اور آپ اس پر عمل کرنا شروع کر دیں۔ آپ سے قیامت کو کہا جائے گا کہ آپ کو اس بات کا حکم کس نے دیا ہے۔ آپ کہیں گے کہ ابو حمزہ نے۔ مجھے لایا جائے گا۔ کہا جائے گا کہ یہ خیال کرتا ہے کہ آپ نے اسے اس طرح سے حکم دیا ہے۔ اگر میں نے ہاں کہہ دی تو آپ کو چھوڑ دیا جائے گا اور مجھ سے پوچھا جائے گا کہ آپ نے یہ بات کہاں سے کی۔ اگر میں کہوں گا کہ مجھے اعمش نے کہا۔ پھر اعمش سے پوچھا جائے گا کہ آپ نے یہ بات کہاں سے کی۔ اگر اس نے ہاں کر دی تو مجھے چھوڑ دیا جائے گا اور اعمش سے کہا جائے گا کہ آپ نے کہاں سے کہا۔ وہ کہے گا مجھے ابراہیم نے بیان کیا۔ ابراہیم سے باز پرس ہوگی۔ اگر اس نے ہاں کہہ دی تو اعمش کو چھوڑ دیا جائے گا اور ابراہیم سے پوچھا جائے گا کہ آپ کو کس نے کہا۔ وہ کہے گا کہ مجھے علقمہ نے کہا۔ تو پھر علقمہ سے پوچھا جائے گا۔ اگر اس نے ہاں کر دی تو ابراہیم کو چھوڑ دیا جائے گا اور علقمہ کو کہا جائے گا کہ آپ سے کس نے کہا۔ وہ کہیں گے مجھے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا تو پھر عبداللہ سے پوچھا جائے گا۔ اگر وہ ہاں فرمائیں

گے تو علقمہ کو چھوڑ دیا جائے گا اور ابن مسعود سے کہا جائے گا کہ آپ نے کس سے سنا۔ وہ کہیں گے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ سے کہا جائے گا تو آپ فرمائیں گے کہ مجھے جبریل علیہ السلام نے کہا۔ یہاں تک کہ یہ سند اللہ تبارک و تعالیٰ تک پہنچے گی یہ اثر ہے (۳۶)۔

اسناد کے بارے میں ابن الصلاح کا قول ہے کہ: ”اصل الاسناد اولاً خصیصة فاضلة من خصائص هذه الأمة“ (۳۷) (اسناد اس امت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے)۔ اس طرح ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”لیس لامة من الامم کاسنادهم یعنی هذه الأمة“ (۳۸) (امتوں میں سے کسی امت کے پاس بھی اسناد نہیں جس طرح کہ اس امت کے پاس ہے)۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”علم الاسناد والرواية مما خص الله به أمة محمد وجعله سلمًا الى الدراية فاهل الكتاب لا اسناد لهم“ (۳۹) (علم الاسناد اور روایت ایسی خصوصیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو خاص عنایت کی۔ اس کی روایت کے لیے سیڑھی بنایا اور اہل کتاب کے پاس اسناد نہیں ہے)۔

تاریخ ابن عساکر میں امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ کا قول ہے: ”لم یکن فی أمة من الأمم منذ خلق الله آدم أمة یحفظون آثار نبیهم غیر هذه الأمة“ (۴۰) (آدم کی تخلیق سے لے کر کوئی امت ایسی نہیں جو اپنے نبی کے آثار کی حفاظت اس طرح کرتی ہو جس طرح کہ یہ امت کرتی ہے)۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”اصل الاسناد خصیصة فاضلة من خصائص هذه الأمة“ (۴۱) (اس امت کے خصائص میں سے ایک خصوصیت اسناد کا حامل ہونا ہے)۔ ابوبکر محمد نے فرمایا: ”بلغنی ان الله خص هذه الامة بثلاثة اشياء لم یعطها من قبلها من الأمم، الاسناد، والانساب والاعراب“ (۴۲) (مجھے یہ بات پہنچی کہ اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں اس امت کو عنایت فرمائیں جو کہ ان سے پہلے کسی امت کے پاس نہیں۔ اسناد، انساب اور اعراب)۔

امام احمد نے فرمایا کہ: ”طلب الاسناد العالی سنة عن سلف“ (۴۳) (اسناد عالی کی طلب ان لوگوں کی سنت ہے جو گزر گئے ہیں)۔

امام ابو عبد اللہ حاکم نے فرمایا کہ: ”فلو لا الاسناد وطلب هذه الطائفة له كثرة مواظبتهم علی حفظه لدرس منار الاسلام ولتمکن اهل الاحاد والبدع فیه بوضع الاحادیث وقلب الاسانید فان الاخبار اذا تعرت عن وجود الاسانید فیه کانت متبراء“ (۴۴) [اگر اسناد کے لیے اس گروہ (محدثین) کی طلب اور کثرت مواظبت نہ ہوتی تو اسلام کا

مینار گر جاتا اور محدثین اور اہل بدعت کو وضع حدیث اور سندوں کے بدلنے کا موقع مل جاتا۔ جب اخبار (حدیث) سندوں کے بغیر ہوں تو نامکمل ہوتی ہیں۔]

امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ”طلب الاسناد العالی سنة صحيحة“ (۴۵) (اسناد عالی کی طلب سنت صحیحہ ہے)۔ پھر انہوں نے اس سلسلے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی جس میں ایک اعرابی نے آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر مختلف باتوں کی تصدیق کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں اس بات کی ممانعت تھی کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے کسی چیز کے متعلق سوال کریں۔ ہمیں یہ بات پسند تھی کہ کوئی اعرابی آ کر آنحضرت محمد ﷺ سے سوال کرے اور ہم سنیں۔ ان میں سے ایک آدمی (اعرابی) آیا اس نے کہا اے محمد ﷺ! آپ کا قاصد ہمارے پاس آیا اور اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے سچ کہا۔ اس نے پوچھا کہ زمین کس نے بنائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ نے“۔ اس نے پوچھا پہاڑ (زمین میں) کس نے نصب کیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ نے“۔ اس نے پوچھا اس میں فائدے کس نے بنائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ نے“۔ اس نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور پہاڑوں کو نصب کیا اور ان میں یہ منافع رکھے۔ (کیا) اللہ نے آپ ﷺ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں“۔ اس نے کہا آپ ﷺ کے قاصد نے کہا ہے: ”ایک دن اور ایک رات میں ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس نے سچ کہا“۔ اس نے کہا کہ (اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں) کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ فرمایا: ”ہاں“۔ اس نے کہا آپ ﷺ کے قاصد کا یہ خیال ہے کہ ہمارے مالوں میں زکوٰۃ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس نے سچ کہا“۔ اس نے کہا: ”اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا کیا اللہ نے آپ ﷺ کو یہ حکم دیا ہے؟“ فرمایا کہ ”ہاں“۔ پھر اس نے کہا آپ کے قاصد کا خیال ہے کہ سال کے ایک ماہ کے روز بے ہم پر فرض ہیں۔ فرمایا: ”ہاں اس نے سچ کہا“۔ اس نے کہا آپ ﷺ کے قاصد نے کہا ہم میں سے جو حج کی استطاعت رکھتا ہو وہ حج کرے۔ فرمایا: ”ہاں اس نے سچ کہا“۔ پھر اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا نہ میں اس میں کمی کروں گا اور نہ کوئی زیادتی۔ جب وہ چلا گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”لئن صدق ليدخلن الجنة“ (اگر اس نے سچ کہا تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا)۔

اس حدیث کو بیان کر کے امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح مسلم میں بھی ہے (۴۶)۔ یہ حدیث بھی اسناد نزولی کو چھوڑ کر علو اسناد کی اجازت کی دلیل ہے۔ اگر طلب علو اسناد اچھا کام نہ ہوتا تو

آپ ﷺ اس کے سوال کو برا سمجھتے۔

ابو العباس الدغولی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن حاتم سے سنا فرماتے تھے کہ: ان الله اكرم هذه الامة وشرفها بالاسناد وليس لاحد من الامم قديمًا وحديثًا اسناد موصل انما هي صحف في أيديهم وقد خلطوا بكتبهم الأخبار فليس عندهم تميز ما نزل من التوراة والانجيل وبين ما الحقوه بكتبهم من أخبارهم التي اتخذوها من غير الثقات“ (۴۷) (اللہ تعالیٰ نے اس امت کو مکرم بنایا اور اسناد کے ساتھ اس امت کو شرف بخشا۔ قدیم اور جدید زمانہ میں کسی امت کے ہاں اسناد نہیں۔ ان کے پاس صحائف ہیں۔ انہوں نے اپنی کتابوں سے خبروں کو ملایا۔ ان کے ہاں توراة اور انجیل اور ان خبروں میں کوئی امتیاز نہیں ہے جو انہوں نے غیر ثقہ لوگوں سے لی ہیں)۔

ابو بکر ابن العربی المعافری نے فرمایا کہ: ”والله اكرم هذه الامة بالاسناد لم يعطه احدا غيرها فاحذروا ان تسلكوا مسلك اليهود والنصارى فتحدثوا بغير اسناد فتكونوا سالبين نعمة الله عن انفسكم مطرقين للتهمة اليكم ولا حافظين لمنزلتكم ومشاركين مع قوم لعنهم الله وغضب عليهم وراكبين لسنهم“ (۴۸) (اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اسناد کی وجہ سے مکرم کیا جو کہ ان سے پہلے کسی امت کے پاس نہ تھیں۔ آپ اس بات سے پرہیز کریں کہ یہود و نصاریٰ کے طریقہ کو اپنائیں کہ (ان کی طرح) سند کے بغیر حدیث کو بیان کرنے لگیں۔ اس صورت میں آپ اپنے آپ سے اللہ کی نعمت کو سلب کرنے والے ہوں گے اور آپ تہمت کو اپنی طرف راستہ دینے والے ہوں گے اور اپنے مقام کو ضائع کرنے والے ہوں گے اور آپ اس قوم کے ساتھ مشترک ہوں گے جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان پر اس کا غضب ہوا اور آپ اسی طریقہ پر چلنے والے ہوں گے)۔

عبدالحی لکھنوی بحوالہ ”مواہب اللدنیہ“ فرماتے ہیں: ”الاسناد خصیصة فاضلة من خصائص هذه الامة وسنة بالغة من السنن المؤكدة“ (۴۹) (اسناد اس امت کی خاصیتوں میں سے ایک خاصیت اور سنن مؤکدہ میں سے ایک مکمل سنت ہے)۔ اس کے علاوہ انہوں نے امام الحسن الطہیسی کا قول ان کی کتاب ”الخلاصة“ سے نقل کیا ہے لکھتے ہیں: ”والاسناد خصیصة من خصائص هذه الامة وسنة من السنن البالغة وطلب العلو فيه سنة أيضا ولذلك استحببت فيه الرحلة“ (۵۰) (اسناد اس امت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے اور مکمل سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔ اور علو سند کی طلب بھی اسی طرح سنت ہے چنانچہ اس کے لیے اس

میں سفر کرنا مستحب ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ابلیس کے متعلق کہ وہ فرشتوں میں سے تھا یا نہیں کی بحث میں لکھتے ہیں: وقد روى في هذا آثار كثيرة عن السلف وغالبها من الاسرائيليات التي تنقل لينظر فيها والله اعلم بحال كثير منها ما يقطع بكذبه لمخالفة للحق الذي بأيدينا وفي القرآن غنية عن كل ما عداه من 'الاخبار المتقدمة لأنها لا تكاد تخلو من تبدل وزيادة ونقصان وقد وقع فيها أشياء كثيرة وليس لهم من الحفاظ المتقين الذين ينصفون عنها تحريف الغالين وانتحال المبطلين كما هذه الامة من العلماء والسادة والأتقياء والبررة والنجباء ومن الجهابذة النقاد والحفاظ الجياد الذين دونوا الحديث وحرروا وبنوا صحيحه من حسنه وضعيفه من نكره وموضوعه ومتروكه ومكذوبه وعرفوا الوضاعين والكذابين والمجهولين وغير ذلك من أصناف الرجال كل ذلك صيانة لجناب النبوى والمقام المحمدى خاتم الرسل وسيد البشر صلى الله عليه وسلم أن ينيب إليه كذب أو يحدث عنه بما ليس فيه فرضى الله عنهم وأرضاهم وجعل الجنة الفردوس ماواهم وقد فعل' (۵۱) (اس سلسلے میں سلف سے بہت سے آثار مروی ہیں جن پر غور کی ضرورت ہے۔ ان میں اکثر کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ بعض ایسے ہیں جن کے جھوٹ کا یقین ہے۔ حق سے اس کی مخالفت کی وجہ سے جو ہمارے پاس موجود ہے۔ قرآن مجید میں پہلی تمام خبروں سے استغناء ہے کیونکہ وہ بغیر زیادتی اور نقصان سے خالی نہیں ہیں۔ ان میں سے بہت سی موضوع چیزیں ہیں۔ اور ان کے لیے متقی حفاظ نہیں ہیں جو کہ غالیوں کی تحریف کو دور کریں اور جھوٹے لوگوں کی باتوں کی نشان دہی کریں۔ جس طرح اس امت میں علماء، سردار، متقی لوگ نیک اور شریف ہیں اور دانائے قسم کے نقاد ہیں اور اچھے حفاظ ہیں جنہوں نے حدیث کی تدوین کی اور اسے تحریر کیا اور صحیح کو حسن سے، ضعیف کو منکر سے اور موضوع، متروک اور مکذوب کو واضح کیا۔ انہوں نے وضاع، کذابین اور مجہولین لوگوں کو الگ کیا۔ یہ سب آنحضرت ﷺ کے مقام اور خاتم الرسل اور سید البشر کی وجہ سے کیا تا کہ جھوٹ آپ ﷺ کی طرف منسوب نہ کیا جاسکے۔ یا آپ ﷺ سے وہ بات بیان نہ کی جاسکے جو کہ آپ ﷺ نے ارشاد نہ فرمائی ہو۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور ان کو راضی کر دیا اور ان کا مقام جنت الفردوس میں کیا۔

اسحاق بن ابراہیم الحنظلی رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن طاہر حدیث کا پوچھتے تو میں انہیں سند کے بغیر حدیث بیان کرتا وہ سند کا پوچھتے اور فرماتے: "رواية

الحدیث بلا اسناد من عمل المرضى، فان اسناد الحدیث کرامة من الله لأمة محمد صلی الله علیه وسلم“ (۵۲) [سند کے بغیر حدیث بیان کرنا مریضوں کا کام ہے۔ حدیث کی سند امت محمدیہ کے لیے کرامت (شرف) ہے]۔

امام الرازی رحمہ اللہ سے مروی ہے: ”لم یکن فی امة من الامم امة یحفظون آثار بینہم غیر هذه الامة فقیل له وبما رووا حدیثا لا اصل له قال علماء ہم یعرفون الصحیح من السقیم“ (۵۳) (اس امت کے علاوہ کسی دوسری امت میں اپنے نبی کے آثار کو محفوظ کرنے کا رواج نہ تھا۔ ان سے کہا گیا کہ یہ کبھی وہ حدیث بیان کریں گے جس کی کوئی اصل نہ ہو تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے علما صحیح کو سقیم سے پہچانتے ہیں)۔

امام عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں کہ: ”الاسناد مطلوب فی الدین قد رغبت الیہ أئمة الشرع المتین وجعلوه من خصائص أمة سید المرسلین وحکموا علیہ بكونه سنة من سنن الدین“ (۵۴) (دین میں سند مطلوب ہے۔ علماء شریعت متین نے اس طرح رغبت کی ہے اور انہوں نے اسے سید المرسلین کی امت کی خاصیتوں میں سے ایک خاصیت قرار دیا اور اس کو دین کی سنن میں سے ایک سنت ہونے کا حکم لگایا)۔

”الفضل ما شهدت به الأعداء“ مسلمانوں کی تاریخ کی اس طرح کوشش کے بارے میں مشہور انگریزی مصنف (Springer) سپرنگر نے لکھا ہے:

The glory of the literature of the Mohammadans is its literary biography(55).

اور مشکوٰۃ المصابیح کا مترجم رابسن (Robson) کہتا ہے:

In the gospels as they stand we don't have the various elements of the sources separated out for us as we do through the "isnads" of muslim tradition where at least apparently the transmission is traced back to the source"(56).

اور امام سخاوی رحمہ اللہ اس راز کا پردہ فاش کرتے ہیں جس کے سبب مسلمانوں نے اسناد کی طرف بھرپور انداز میں توجہ دی۔ ”علم تواریخ الرواة من الوفیات“ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”وهو فن عظیم الوقع من الدین قدیم النفع به للمسلمین لا یستغنی عنه ولا یعتنی بأعم منه خصوصاً ما هو القصد الأعظم منه وهو البحث عن الرواة والفحص

عن أحوالهم في ابتدائهم وحالهم واستقبالهم لان الأحكام الاعتقادية والمسائل
الفقهية مأخوذة من كلام الهادي من الضلالة والمبصرين العمى والجهالة، والنقلة
لذلك هم الوسائط بيننا وبينه والرباط في تحقيق ما أوجبه وسنه فكان التعريف
بهم من الواجبات والتشريف بترجمهم من المهمات ولذا قام به في القديم
والحديث أهل الحديث بل نجوم الهدى ورجوم العدای“ (۵۷) (اس فن کا دین میں عظیم
مقام ہے۔ مسلمانوں کے لیے اس کا فائدہ ہے نہ اس سے استغنا برتا جاسکتا ہے اور نہ اس سے کسی عام
چیز کی وجہ سے استغنا ہو سکتا ہے۔ خاص کر اس میں جو بڑا مقصد ہے وہ راویوں کی تفتیش ہے۔ ان کی
ابتداء، ان کے حال اور استقبال کے بارے میں کیونکہ اعتقادی احکام اور فقہی مسائل گمراہی، اندھے
پن اور جہالت سے ہدایت دینے والے مبصرین کے کلام سے ماخوذ ہیں اور اس کے ناقل (رواة)
ہمارے اور ان کے درمیان واسطہ ہیں اور جو چیز آپ نے ضروری قرار دی اور سنت بتائی، اس کے
لیے ہمارے اور آنحضرت محمد صلعم کے درمیان بھی رابطہ ہیں ان کو جاننا لازمی ہے اور ان کے حالات کو
جاننا بھی ضروری ہے۔ اس لیے اس کام کے لیے اہل حدیث بلکہ ہدایت کے ستارے اور دشمنوں کے
لیے تیر ہیں اور قدیم اور جدید زمانہ میں اس کام پر لگے رہے۔

وہ بات جس نے محدثین کو راویوں کی تحقیق و تفتیش کے بارے میں جاننے کے پیچھے لگایا
اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا
قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ“ (۵۸) (اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے
پاس کوئی خبر لے آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور
اپنے کیے پر پشیمان ہو)۔ اسی طرح حضرت محمد ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”عن أبي هريرة أن
النبي قال كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ما سمع“ (۵۹) (آدمی کے جھوٹا
ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ سنن نسائی بات بیان کرے)۔ اس حدیث کے متعلق ابن حبان
البستی کا قول ہے: ”فی هذا الخبر زجر للمرء أن يحدث بكل ما سمع حتى يعلم على
اليقين صحة ثم يحدث دون ما لا يصح“ (۶۰) (اس روایت میں آدمی کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ
ہر سنی سنائی بات کو بیان نہ کرے یہاں تک کہ اس کی صحت (ثقاہت) کا علم نہ ہو جائے پھر اس کو بیان
کرے اور جو صحیح نہ ہو اسے بیان نہ کرے)۔



سند حدیث کا آغاز و ارتقاء

اسناد حدیث کا اہتمام اور اس سے متعلق تحقیق و تفتیش تاریخ اسلام کے ابتدائی دور سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے چھ سال بعد عبداللہ بن سبا اور اس کے ہم نوا لوگوں نے جو فتنہ شروع کیا تھا وہ آخر کار مجسمہ حیا، داماد رسول ﷺ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا باعث بنا۔ اس فتنہ کا سبب لوگوں کے متعارض سیاسی افکار اور آراء میں تعصب تھا۔ اس فتنہ نے حدیث نبوی میں کذب کو داخل کرنا شروع کیا۔ مذہبی اور سیاسی تعصب کی بنا پر ہر ایک چاہتا تھا کہ اپنے افکار و نظریات کو تقویت دے اور دوسروں کو نیچا دکھائے۔ جب علماء و محدثین نے یہ بات دیکھی تو انہوں نے حدیث کے مصادر کے متعلق بحث و تفتیش شروع کی اور جو راوی ان روایات کو نقل کرتے تھے ان کے متعلق چھان بین شروع کر دی۔

اسلام میں کسی خبر کو تحقیق کے بغیر قبول کرنا مناسب ہی نہیں سمجھا گیا قرآن مجید میں ارشاد ہے: ”یا ایہا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین“ (۶۱) (اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق شخص کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم بے جانے ہو جسے کسی قوم پر چڑھ دوڑو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو)۔

اس آیت قرآنی سے معلوم ہوا کہ کسی بھی خبر کے مل جانے کے بعد فوراً ہی اس پر عمل نہیں کرنا چاہیے بلکہ اگر راوی اچھا نہیں ہے تو اس بات کی پوری تحقیق اور تفتیش کی جائے۔ امام حازن اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”اطلبو بیان الامر وانکشاف الحقيقة ولا تعتمدوا علی قول الفاسق“ (۶۲) (امر کی وضاحت اور حقیقت کا انکشاف کرو اور فاسق کی خبر پر اعتماد نہ کرو)۔

آنحضور ﷺ کے ارشادات ہمالیہ میں بھی اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ تحقیق و تفتیش کے بغیر کسی بات کو بیان نہ کیا جائے۔ ”عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ قال: کفی بالمرء اثماً ان یحدث بکل ما سمع“ (۶۳) (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایات میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کسی آدمی کے گناہ گار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی بات کو آگے

بیان کرے۔

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حافظ ابن حبان البستی فرماتے ہیں: ”فی هذا الخبر زجر للمرء ان يحدث بكل ما سمع حتى يعلم على اليقين صحته ثم يحدث دون ما لا يصح“ (۶۳) (اس حدیث میں اس آدمی کے لیے زجر و توبیخ ہے کہ جو ہر چیز سننے سے اسے بیان کرتا رہے۔ جب اسے خبر کی درستگی کا یقینی علم ہو جائے تو وہ وہی بیان کرے جو صحیح ہے)۔

اسلام میں عام جھوٹ کی عادت ہی ناجائز ہے اور پھر خاص طور پر آنحضرت ﷺ کی ذات پر جھوٹ بولنا برا فعل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”قال قال رسول الله ﷺ: حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج وحدثوا عنی ولا تکذبوا علی“ (۶۵) (بنی اسرائیل سے بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مجھ سے بیان کرو اور مجھ پر جھوٹ نہ بولو)۔

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے امام شافعی فرماتے ہیں: ”هذا اشد حدیث روی فی تخریج الروایة عن لا یوثق بخبره عن النبی ﷺ“ (۶۶) (یہ حدیث تخریج حدیث کے متعلق شدید ہے ایسے شخص سے روایت کرنے میں جس کی خبر کا یقین نہ ہو)۔

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے ”التمہید“ میں لکھا ہے جو کہ امام شافعی کے قول کا حصہ معلوم ہوتا ہے: ”فلا ینبغی لاحد ان يحدث عنه صلی اللہ علیہ وسلم الا عن یثق بخبره ویرضی دینہ وامانته، لانہا دیانۃ“ (۶۷) (کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کی حدیث کو بیان کرے مگر صرف ایسے شخص سے جس کے متعلق ثقہ ہونے کا یقین ہو اور اس کے دین اور امانت کے متعلق وہ خوش ہو کیونکہ یہ دین ہے)۔

ایک اور حدیث میں بھی ایسی ہی تہدید ہے: ”عن انس بن مالک قال قال رسول الله ﷺ من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار“ (۶۸) (جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں تیار کرے)۔

حدیث رسول ﷺ کی قدر و منزلت مسلمانوں کے ہاں قرآن مجید کے بعد ابتدائی زمانہ سے چلی آرہی ہے۔ اس وجہ سے اس کے لیے حزم و احتیاط بھی ابتدائی دور میں ہی شروع ہو گئی تھی جس نے بعد میں باقاعدہ ایک علم کی صورت اختیار کر لی اور محدثین نے اس کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حدیث رسول ﷺ کے متعلق خود بہت محتاط رویہ اختیار کرتے تھے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ بن عازب سے روایت ہے ہم نے تمام احادیث آنحضرت ﷺ سے نہیں سنیں۔ ہمارے ساتھی بھی حدیثیں بیان کرتے تھے اور ہم ان سے سنتے۔ ہم اونٹ چرانے میں

مشغول ہوتے۔ اصحاب رسول ﷺ میں سے جو حدیث سننے سے رہ جاتا وہ اپنے ساتھیوں سے سنتا اور ان (میں) سے (بھی) جو زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے (ان سے سنتے) اور جن سے وہ سنتے وہ نہایت حزم و احتیاط کرتے (کانوا یشدون علی ما یسمعون منه) (۶۹)۔ چنانچہ قبیسہ رضی اللہ عنہ بن ذویب سے روایت ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک دادی اپنی وراثت طلب کرنے کے لیے آئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں مجھے کچھ نہیں ملا، میں آج شام لوگوں سے اس معاملہ میں استفسار کروں گا“۔ جب انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی تو لوگوں سے پوچھنے لگے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ آپ نے اسے چھٹا حصہ دیا“۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”کیا کسی اور نے آپ کے ساتھ سنا ہے؟“۔ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ نے کھڑے ہو کر فرمایا: ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسے چھٹا حصہ دیتے ہوئے دیکھا“۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس حکم کو دادی کے لیے جاری کر دیا (۷۰)۔

امام ذہبی نے اس روایت کو نقل کرنے سے قبل فرمایا: ”وکان اول من احتاط فی قبول الاخبار“ (۷۱) [وہ (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) پہلے شخص تھے جنہوں نے قبول اخبار میں احتیاط کی]۔ اس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی احادیث رسول ﷺ کے سلسلہ میں بہت محتاط رہے اس لیے انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے تین دفعہ سلام کرنے پر گواہی طلب کیا۔ امام ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں: ”ففی هذا دلیل علی الخبر اذا رواه ثقتان کان اقوی وارجع مما انفرد به واحد“ (۷۲) (اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث کو جب دو ثقہ راوی بیان کریں تو زیادہ رائج ہوتی ہے۔ (نسبت) اس سے جس کو ایک بیان کرے)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ احادیث رسول ﷺ کے متعلق اتنے محتاط تھے کہ جو حدیث انہوں نے خود نہ سنی ہوتی کسی اور سے سنتے تو اس کے متعلق اس سے حلف لیتے: ”عن علی بن ربیعۃ عن اسماء بن الحکم الفزاری أنه سمع علیاً یقول: کنت اذا سمعت رسول اللہ ﷺ حدیثاً نفعنی اللہ بما شاء ان ینفعنی منه وکان اذا حدثنی عنہ غیرہ استحلقتہ فاذا حلف صدقته، وحدثنی ابو بکر وصدق ابو بکر قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ما من عبد مسلم یدنب ذنباً ثم یتوضا ویصلی رکعتین ثم یتستغفر اللہ الا غفر اللہ لہ“ (۷۳) (علی بن ربیعہ اسماء بن الحکم الفزاری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا۔ کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے کوئی حدیث سنتا تو اللہ جو چاہتا مجھے نفع دیتا۔ جب آپ ﷺ کے علاوہ کوئی اور مجھے حدیث بیان کرتا تو میں اس سے حلف طلب کرتا۔ جب وہ حلف

اٹھالیتا تو میں اس کو سچا سمجھتا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے حدیث بیان کی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جب کوئی مسلمان آدمی گناہ کرتا ہے پھر وضو کرتا ہے اور دو رکعت نماز پڑھتا ہے پھر استغفار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اگر خود آنحضرت ﷺ سے حدیث نہ سنی ہوتی تو کسی دوسرے سے سنتے ہوئے اس سے حلف لیتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں ان لوگوں پر یقین نہ تھا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سچے لوگ تھے بلکہ ان کو اطمینان قلب اسی طرح سے ہوتا تھا۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سنتے تو ان سے حلف نہ لیتے کیونکہ ان کو ایسا کہنا انہیں خود معیوب لگتا تھا اسی لیے کہ صدیق رضی اللہ عنہ اکبر سے بڑھ کر کون سچا ہو سکتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حدیث رسول ﷺ کے سلسلے میں بہت محتاط تھے جب کہ اس زمانہ میں خدشہ بھی کم تھا۔ پھر بعد کے زمانہ میں اس کا خدشہ بھی بڑھ گیا۔ اسی وجہ سے آہستہ آہستہ اس معاملہ میں احتیاط اور تشدد بڑھتا گیا۔ حضرت عقبہ بن نافع کے متعلق ہے کہ وہ اپنی اولاد کو فرمایا کرتے تھے: ”لا تقبلوا الحدیث عن رسول اللہ ﷺ الا عن ثقة“ (۷۴) (رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو صرف ثقہ ہی سے قبول کرو)۔

قال ابو ہریرۃ: ”ان هذا العلم دین فانظروا عن تاخذونه“ (۷۵) (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ علم دین ہے دیکھو آپ اس کو کس سے حاصل کرتے ہیں)۔ ابن معین نے اپنے بیٹے صہیب کو وصیت میں فرمایا: ”یا بنی لا تقبلوا الحدیث عن رسول اللہ ﷺ الا عن ثقة“ (۷۶) (اے بیٹے رسول اللہ ﷺ کی حدیث ثقہ کے علاوہ کسی سے قبول نہ کرو)۔ اسی قسم کا محمد بن سیرین کا بھی قول ہے: ”انما هذا العلم دین فانتظروا عن تاخذونه“ (۷۷)۔

ایسے ہی ایک قول امام مالک رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: ”یہ علم دین ہے دیکھو! آپ کن سے یہ دین حاصل کرتے ہو میں نے ستر ایسے آدمی دیکھے جو حدیثیں (مسجد نبوی کی طرف اشارہ کر کے ہی) بیان کرتے تھے۔ ہر ایک کہتا تھا فلاں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے کہا۔ میں نے ان سے کچھ بھی نہ لیا۔ اگر ان میں سے کسی کو بیت المال پر امین سمجھا جائے تو وہ امین ہوگا۔ ان سے حدیث نہ لینے کا سبب یہ تھا کہ وہ لوگ اس کے اہل نہ تھے۔ ابن شہاب ہمارے ہاں تشریف لاتے تو ہم ان کے دروازے پر اڑدھام کر لیتے تھے“ (۷۸)۔

حدیث رسول ﷺ کے معاملہ میں جھوٹ بولنے والے کی لوگوں کے لیے نشاندہی کی

جاتی تاکہ لوگ ان کے معاملہ میں دھوکہ نہ کھائیں۔ یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں: ”میں نے عبدالرحمان بن مہدی کو کہتے سنا: میں نے شعبہ، ابن المبارک، الثوری اور امام مالک بن انس سے ایسے آدمی کے متعلق پوچھا جس پر تہمت کذب ہو۔ انہوں نے کہا: ”انشرہ فانہ دین“ (۷۹) (اس کے متعلق بات کو پھیلائیے، یہ دین ہے)۔ اس معاملہ میں لوگ اپنے عزیز واقارب کا بھی خیال نہ رکھتے تھے بلکہ اس کے متعلق گفتگو دین کا حصہ سمجھتے تھے۔

حماد بن زید کہتے ہیں کہ ہم نے شعبہ سے کہا کہ ابان بن سعید بن ابی عیاش کے متعلق اس کی عمر اور اس کے قریبی ہونے کی وجہ سے (آپ) بات (طعن کی) نہ کریں فرمانے لگے اے ابو اسماعیل: ”لا یحل الکف عنہ لان الامر دین“ (۸۰) (اس کے متعلق گفتگو سے رک جانا جائز نہیں کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے)۔

حضرت علی بن المدینی رحمہ اللہ سے ان کے والد کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا! میرے علاوہ کسی اور سے سوال کرو انہوں نے دوبارہ سوال کیا تو سر جھکایا اور پھر اٹھا کر فرمایا: ”ہو دین انہ ضعیف“ (۸۱) (یہ دین کا معاملہ ہے، وہ ضعیف ہے)۔

امام ذہبی نے اپنے بیٹے ابو ہریرہ کے متعلق فرمایا: ”انہ حفظ القرآن ثم تشاغل عنہ“ (۸۲) (اس نے قرآن مجید کو حفظ کیا پھر اسے بھول گیا)۔

ان تمام حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین عظام حدیث اور دوسرے معاملات میں امین لوگ تھے۔ ان کے سامنے جب بھی کوئی ایسی بات ہوتی تو حق بیان کر دیتے۔ اسناد کے سلسلہ میں خاص کر پوچھ گچھ اور چھان بین اس وقت شروع ہوئی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں کو احادیث کے متعلق خدشہ ہوا کہ اس میں ملاوٹ نہ کر دی جائے۔ اس سلسلہ میں محمد بن سیرین (م ۱۱۰ھ) جو کہ کبار تابعین میں سے ہیں، کا قول بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے وہ فرماتے ہیں: ”لم یکنوا یسئلون عن الاسناد حتی وقعت الفتنة فلما وقعت نظروا من کان من اهل السنة ومن کان من اهل البدع ترکوا حدیثہ“ (۸۳) (وہ اسناد کے متعلق فتنہ (شہادت عثمان رضی اللہ عنہ) کے وقوع سے قبل سوال نہ کرتے تھے جب فتنہ واقع ہوتا تو دیکھتے تھے کہ اہل سنت کون ہے اور اہل بدعت کون ہے؟ اس صورت میں اہل بدعت کی احادیث چھوڑ دیتے تھے)۔

انہی کا ایک اور قول ہے: ”لم یکنوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قال سموا لنا رجالکم فی نظر الی اهل السنة فیوخذ حدیثہم وینظر الی اهل البدع لا یوخذ حدیثہم“ (۸۴) (وہ اسناد کے متعلق سوال نہ کرتے تھے۔ جب فتنہ وقوع پذیر ہوا تو انہوں

نے کہا ان آدمیوں کے نام لو۔ پس اہل سنت کو دیکھا جاتا تھا اور ان کی احادیث لی جاتی تھیں۔ اہل بدعت کو دیکھا جاتا تھا اور ان کی احادیث نہیں لی جاتی تھیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس معمار صحابہ میں شمار ہوتے ہیں، ان کی پیدائش ہجرت سے تین سال قبل ہوئی اور وفات ۶۸ میں ہوئی۔ ان کے لیے آنحضرت ﷺ نے خود فہم قرآن کی دعا کی (۸۵)۔ ان کا ایک واقعہ امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

مجاہد سے روایت ہے کہ بشیر العدوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور حدیث بیان کرنے لگا اور کہنے لگا۔ ”قال رسول اللہ ﷺ، قال رسول اللہ ﷺ“ مجاہد کہتے ہیں حضرت ابن عباس نے اس کی روایت کی طرف کوئی توجہ نہ کی، نہ ادھر دیکھا۔ وہ کہنے لگا: ”اے ابن عباس! کیا وجہ ہے کہ آپ میری بات نہیں سنتے۔ میں تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سناتا ہوں اور آپ نہیں سنتے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ایک وقت تھا جب ہم کسی آدمی کو یہ کہتے سنتے، ”قال رسول اللہ ﷺ“ تو ہماری نگاہیں اس پر جم جاتیں اور ہمارے کان اس کی بات سنتے۔ لیکن جب لوگ ہر اونچی نیچی جگہ پر سوار ہونے لگے (صحیح اور غلط بیان کرنے لگے تو) ہم صرف وہی چیز لیتے ہیں جو جانتے ہیں“ (۸۶)۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات میں ہی حدیث رسول کے رواۃ کے متعلق احتیاط سے کام لیا جاتا تھا اور احادیث صرف ایسی لی جاتی تھیں جن کے متعلق ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا۔ حدیث رسول کی عظمت ان کے دلوں میں بہت زیادہ تھی، اس کی عظمت کی بنا پر اس میں احتیاط بھی زیادہ کی گئی۔ یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ پہلا شخص جس نے اسناد حدیث کی تفتیش کی وہ عامر شعسی رحمہ اللہ (۱۷۱ھ-۱۰۶ھ) ہیں۔ ربیع بن خثیم نے ایک حدیث پڑھ کر سنائی، شعسی نے کہا میں نے کہا ”من حدثک؟“ (آپ کو کس نے حدیث سنائی؟) فرمایا: عمر بن میمون نے، اور اس سے میں نے پوچھا تھا ”من حدثک؟“ (آپ کو کس نے حدیث سنائی؟) فقال: ابو ایوب صاحب رسول اللہ ﷺ (اس نے کہا حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی نے)۔ یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وہذا اول من فتش عن الاسناد“ (۸۷) (یہ پہلا شخص ہے جس نے سند کے متعلق پوچھا)۔

صحابہ کرام اور کبار تابعین کے زمانہ کے بعد کذب کے پھیلنے کے سبب سے سند کی تاکید زیادہ ہو گئی۔ بعد ازاں اس کی ضرورت اتنی بڑھ گئی کہ جو محدث چاہتا کہ اس کی روایات کو قبول کیا جائے اور ان کی تصدیق کی جائے تو وہ ضرور حدیث کو سند سے بیان کرتا۔ ابن سیرین رحمہ اللہ۔

شعبہ رحمہ اللہ، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری رحمہ اللہ، سفیان الثوری رحمہ اللہ اور عامر الشعمی رحمہ اللہ اسناد حدیث کے متعلق سوال کرتے تھے اور راوی حدیث کے حالات کا جائزہ لیتے تھے۔ بعض اقوال جو اوپر گزر چکے ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں مزید کچھ دلائل یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔

امام سفیان الثوری نے فرمایا: ”لما استعمل الرواة الكذب استعملنا لهم التاريخ“ (۸۸) (جب راویوں نے جھوٹ بولنا شروع کیا تو ہم نے ان کے لیے تاریخ کو استعمال کیا)۔ یعنی ماہ و سال کا حساب پوچھنا شروع کیا۔ جن سے وہ بیان کرتے تھے ان کے متعلق سوالات کہ کس وقت اور کس جگہ ان سے سنا۔ اس سے سچ اور جھوٹ کا پتہ چل جاتا تھا کیونکہ محدثین کو علم تھا کہ جس سے راوی بیان کر رہا ہے وہ کس زمانہ میں کہاں ہوا اور کب اور کہاں فوت ہوا۔

حفص بن غیاث نے فرمایا: ”اذا اتهمتم الشيخ فحاسبوه بالسنين يعني احسبوا سنه و سن من كتب عنه“ (۸۹) (جب آپ شیخ کے متعلق بدگمان ہوں تو دو عمروں سے اس کا محاسبہ کرو یعنی اس کی عمر شمار کرو اور جس (راوی) سے وہ لکھتا ہے اس کی عمر کا حساب لگاؤ)۔

کتب رجال حدیث میں اس قسم کے کئی واقعات ملتے ہیں جن میں محدثین نے کذاب لوگوں کا ناطقہ بند کیا اور ان کو برسر عام رسوا کیا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔ چنانچہ یحییٰ بن صالح سے روایت ہے: ”حدثنا عفیر بن معدان الکلاعی قال: ”قدم علينا عمر بن موسى حمص، فاجتمعنا في المسجد فجعل يقول ”حدثنا شيخكم الصالح“ فلما اكثر قلت له من شيخنا هذا الصالح سمه لنا نعرفه“ قال فقال خالد بن معدان قال: قلت له فاین لقیته؟ قال: لقیته فی غزاة ارمينية. قال: فقلت اتق الله يا شيخ ولا تكذب مات خالد بن معدان سنة اربع و مائة وانت تزعم انك لقیته بعد موته باربع سنين وازيدك اخرى انه لم يغز ارمينية قط! كان يغزوا الروم“ (۹۰) (الکلاعی فرماتے ہیں حمص میں ہمارے ہاں عمر بن موسیٰ آئے ہم مسجد میں ان کے پاس اکٹھے ہو گئے وہ کہنے لگے ”حدثنا شيخكم الصالح“ (آپ کے شیخ صالح نے مجھے حدیث بیان کی) جب بہت زیادہ اس طرح سے کہنے لگا تو میں نے کہا یہ کون ہمارا نیک شیخ ہے؟ ہمیں ان کا نام بتائیے تاکہ ہم جان لیں اس نے کہا: خالد بن معدان۔ میں نے کہا انہیں کس سال ملے تھے اس نے کہا ۱۰۸ھ میں ملا تھا۔ میں نے کہا آپ انہیں کہاں ملے تھے، کہنے لگے میں انہیں ارمینہ کی جنگ میں ملا تھا۔ میں نے کہا اے شیخ! اللہ سے ڈرو اور جھوٹ نہ بولو۔ خالد بن معدان ۱۰۴ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ آپ (انہیں ان کی) وفات سے ۴ سال بعد ملے۔ مزید برآں کہ انہوں نے ارمینہ میں کبھی جنگ نہیں کی۔ انہوں نے توروم میں جنگ لڑی تھی)۔

اس قسم کا ایک واقعہ امام ابو عبد اللہ الحاکم صاحب المستدرک علی الصحیحین سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں ”ابو جعفر محمد بن حاتم الکشی ہمارے ہاں آئے اور عبد بن حمید سے حدیث بیان کرنے لگے۔ میں نے ان سے ان کی پیدائش کے بارے میں سوال کیا۔ کہنے لگے کہ میں دوسو ساٹھ ہجری میں پیدا ہوا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا اس شیخ نے عبد بن حمید سے ان کی وفات کے تیرہ سال بعد سنا (۹۱)۔

اسی قسم کا ایک اہم واقعہ خطیب بغدادی کے زمانہ میں پیش آیا۔ بعض یہودی لوگوں نے قائم کے وزیر اعلیٰ ابوالقاسم کے سامنے ۴۴۷ھ میں ایک خط پیش کیا۔ جس کے متعلق دعویٰ کیا گیا کہ یہ آنحضرت ﷺ کا خط اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تحریر تھی۔ اس خط میں یہ لکھا تھا کہ خیبر کے یہود سے جزیہ ساقط ہو گیا ہے، اس بات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گواہی ثبت تھی۔ وزیر اعلیٰ نے یہ خط الحافظ الحجۃ ابو بکر الخطیب کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے اس پر غور کرنے کے بعد فرمایا یہ جھوٹا خط ہے۔ کہا گیا آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ فرمایا اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گواہی ہے۔ وہ (فتح مکہ) کے سال مسلمان ہوئے (فتح مکہ ۸ھ میں ہوا) اور فتح خیبر سات ہجری میں ہوئی۔ اس میں سعد بن معاذ کی گواہی ہے وہ یوم قریظہ کوفت ہو گئے جو کہ خیبر سے دو سال قبل ہوا۔ جو کچھ خطیب بغدادی نے ابو القاسم سے کہا اس نے اسے قبول کیا اور ان کی بات پر یقین کیا۔ یہود کے بیان کردہ خط کے محتویات پر یقین نہ کیا کیونکہ یہ جھوٹا ثابت ہو گیا تھا (۹۲)۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ کے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین نے راویوں کے حالات معلوم کرنے میں بہت دقت نظر سے کام لیا۔

محدثین حدیث کی تفتیش اور تحقیق کے لیے بڑے بڑے سفر کرتے تھے۔ نصر بن حجاج الوراق سے روایت ہے ہم شعبۂ کے دروازے کے پاس حدیث کا مذاکرہ کر رہے تھے۔ میں نے کہا ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی، اس نے ابواسحاق سے، اس نے عبد اللہ بن عطاء رحمہ اللہ سے، اس نے عقبہ بن عامر الجعفی رحمہ اللہ سے، انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں باری باری اونٹ چراتے تھے۔ ایک دن میں آیا آنحضرت ﷺ کے ارد گرد صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے سنا ”جس نے وضو کیا پھر دو رکعت نماز پڑھی پھر اللہ سے بخشش طلب کی اس کی مغفرت ہو جاتی ہے“۔ میں نے کہا واہ واہ! میرے پیچھے سے ایک آدمی نے مجھے کھینچا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ عمر بن الخطاب تھے۔ فرمانے لگے تجھے کیا ہے آفرین آفرین کہتا ہے۔ میں نے کہا اس بات کو پسند کرتے ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے اگر تم نے اس سے پہلے والی بات سنی ہوتی تو تمہیں

معلوم ہوتا کہ وہ اس سے بھی تعجب انگیز تھی میں نے کہا آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس نے گواہی دی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اسے کہا جائے گا آپ جنت کے جس دروازے سے چاہیں داخل ہو جائیں۔

نصر بیان فرماتے ہیں شعبہ باہر تشریف لائے اور انہوں نے میرے منہ پر تھپڑ مارا پھر دوبارہ اندر داخل ہو گئے۔ نصر کہتے ہیں میں ایک طرف ہو کر رونے لگا۔ پھر وہ نکلے تو پوچھنے لگا اس کو کیا ہو گیا ہے کہ رو رہا ہے۔ عبداللہ بن ادریس نے کہا آپ نے اس سے زیادتی کی ہے۔ شعبہ کہنے لگے دیکھو وہ کیا بیان کرتا ہے۔ اسرائیل سے، وہ ابواسحاق سے، وہ عبداللہ بن عطاء سے، وہ عقبہ بن عامر سے، وہ آنحضرت ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ (شعبہ کہتے ہیں) میں نے ابواسحاق سے پوچھا: آپ کو کس نے بیان کیا۔ اس نے کہا: عبداللہ بن عطاء نے بیان کیا۔ انہوں نے عقبہ بن عامر سے، انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے۔ میں نے ابواسحاق سے کہا: کیا عبداللہ نے عقبہ سے سنا؟ (شعبہ) کہنے لگے وہ (ابواسحاق) غصہ میں آ گئے۔ مسعر بن کدام بھی وہاں موجود تھے۔ مسعر نے مجھے کہا: تو نے شیخ کو ناراض کر دیا۔ میں نے کہا یا تو اس حدیث کو صحیح ثابت کریں ورنہ میں اس کو پھینک دوں گا۔ مسعر نے مجھے کہا: یہ عبداللہ بن عطاء مکہ میں ہیں۔ شعبہ نے کہا: میں نے مکہ کا سفر کیا، میرا حج کا ارادہ نہ تھا بلکہ اس حدیث کی طلب ارادہ تھا۔ میں عبداللہ بن عطاء سے ملا، ان سے اس روایت کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا سعد بن ابراہیم نے مجھے بیان کیا۔ شعبہ کہتے ہیں میں مالک بن انس سے ملا۔ اور ان سے سعد کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے کہا سعد بن ابراہیم مدینہ میں ہیں۔ اس سال انہوں نے حج نہیں کیا۔ میں نے مدینہ منورہ کا سفر کیا۔ مدینہ میں سعد بن ابراہیم سے ملا۔ اور میں نے ان سے پوچھا۔ انہوں نے کہا (یہ) حدیث آپ کے ہاں سے ہے مجھے زیاد بن خرق نے حدیث بیان کی جب انہوں نے زیاد بن خرق کا ذکر کیا تو میں نے کہا یہ کون سی چیز ہے؟ وہ کوئی تھا پھر مدنی ہو گیا پھر بصری ہو گیا۔ شعبہ کہتے ہیں میں نے بصرہ کا سفر کیا۔ میں زیادہ بن خرق سے ملا وہ کہنے لگا: حدیث آپ کی بابت (عمارت) میں سے نہیں ہے۔ میں نے کہا آپ مجھے بیان کریں۔ کہنے لگا تو نہ لوٹائے گا۔ میں نے کہا: آپ یہ مجھے بتائیں (بیان کریں) کہنے لگا مجھے شہر بن حوشب نے بیان کیا۔ میں نے کہا: مجھے اس حدیث سے کیا اگر اس جیسی آنحضرت ﷺ سے صحیح (روایت) ہو تو یہ مجھے اپنے اہل و مال اور تمام لوگوں سے زیادہ پسند ہے۔

اس حدیث کو لکھنے کے بعد ابن عبد البر لکھتے ہیں: ”ہکذا یكون البحث والتفتیش وهذا معروف من شعبة“ (بحث اور تفتیش اس طرح ہوتی ہے اور شعبہ کے متعلق یہ بات مشہور

(ہے) اس لیے ان (شعبہ) کے بارے میں ابو عبد الرحمن النسائی نے کہا۔ اللہ کے رسول کی حدیث پر اللہ کے تین امین ہیں۔ مالک بن انس، شعبہ بن الحجاج اور یحییٰ بن سعید القطان (۹۳)۔

یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں جب سند کے متعلق عام بحث و تفتیش ہونے لگی تو اہل علم ہی نہیں بلکہ عام لوگ بھی سند کے متعلق پوچھنے لگ گئے۔ ایک عام اعرابی سفیان بن عیینہ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا۔ آپ حج کرنے والی ایسی عورت کے متعلق کیا کہتے ہیں جو بیت اللہ کے طواف سے پہلے حیض کی حالت میں ہوگئی؟ سفیان نے جواب دیا وہ سب کچھ کرے جو عام حاجی کرتے ہیں۔ صرف بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ اعرابی نے کہا: کوئی نمونہ ہے؟ سفیان نے کہا: ہاں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بیت اللہ کا طواف کرنے سے قبل حیض آ گیا۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ طواف کے سوا سب کچھ کریں۔ اعرابی نے کہا ان تک بلاغ (سند) ہے؟ انہوں نے کہا ہاں مجھے عبد الرحمن بن القاسم نے اپنے باپ سے بیان کیا، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بیان کیا۔ اعرابی کہنے لگا۔ آپ نے اچھا نمونہ بیان کیا اور صحیح پہنچایا۔ اللہ آپ کی صحیح رہنمائی کرے (۹۴)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ایک عام اعرابی نے سند کا اور پھر کامل سند کا سوال کیا اور ابن عیینہ نے ان کو جواب دینے اور اس کے سوال پوچھنے میں کوئی تنگی محسوس نہ کی۔ بلکہ جو کچھ ان سے پوچھا اس کا خوش دلی سے جواب دیا۔

محدثین حدیث کو ہر لحاظ سے پرکھتے تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ابن سیرین رحمہ اللہ، ابراہیم النخعی رحمہ اللہ اور کئی تابعین کا یہ خیال ہے کہ صرف اس شخص سے حدیث قبول کی جائے جو معروف ہو اور حفظ کرتا ہو۔ میں نے اہل علم میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو اس مذہب کا مخالف ہو“ (۹۵)۔

اس کے متعلق ابراہیم بن حبیش کے شعر بہت عمدہ ہیں:

يساطلبي العلم والروايات ان الروايات ذا آفات

لا تأخذو العلم عن أخى تهم الا عن الجائز الشهادات

اذا رضيت منه الامانة والد ين له طوقوا الامانات (۹۶)

(اے طلباء! اور روایت کے طالبو، روایات میں بڑی مصیبتیں ہوتی ہیں، تہمت زدہ سے علم حاصل نہ کرو، ایسے آدمی سے علم حاصل کرو جس کی گواہی درست ہو۔ جب اس کی امانت اور دین سے خوش ہو جاؤ تو جو کچھ بھی دے لے لو)۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے امام سفیان عیینہ کا مرثیہ اس طرح سے کیا:

من للحدیث عن الزہری یسندہ وللاحادیث عن عمرو بن دینار
 ما قام من بعده من قال حدثنا الزہری فی اہل البدو والحضر (۹۷)
 اسناد کا ذکر اطمینان کا باعث تھا بھز بن حکیم کا یہ قول اس بات کا ثبوت ہے جب ان کے
 سامنے صحیح سند بیان ہوتی تو فرماتے: ”ہذہ شہادات الرجال العدول المرضیین بعضهم
 علی بعض“ (۹۸) (یہ ایسے لوگوں کی گواہیاں ہیں جو عادل ہیں اور ایک دوسرے پر رضامند ہیں)۔



مستشرقین اور سند حدیث

سند حدیث کا مفہوم:

سند درحقیقت متن حدیث کا طریقہ یعنی راویوں کا سلسلہ ہے (۹۹)۔ اس بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ ایسا راستہ ہے جو متن تک پہنچاتا ہو (۱۰۰)۔ سند حدیث متن سے پہلے آتی ہے اس کو طریق کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مقصد تک پہنچاتا ہے (۱۰۱)۔

قرآن حکیم کی روشنی میں سند حدیث کی اہمیت:

اسلام میں تحقیق کے بغیر کسی بات کے قبول کرنے کو درست قرار نہیں دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ** (۱۰۲) (اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم بے جانے بوجھے کسی قوم پر چڑھ دوڑو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو)۔ محدثین نے راویوں کی جانچ پرکھ کے لئے جرح و تعدیل جیسے اہم علم کی بنیاد ڈالی۔ ”وَأَشْهِدُوا ذَوَىٰ عَدْلٍ مِّنكُمْ“ (۱۰۳) (اپنے میں سے دو منصف افراد کو گواہ کرلو)۔ جس طرح گواہ کے لئے قابل اعتماد اور منصف مزاج ہونا ضروری ہے ایسے ہی راوی کی بنیادی صفت بھی عدالت یعنی سیرت کی پاکیزگی ہے۔

حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں سند حدیث کی اہمیت:

”عن ابن ابی بکرۃ عن ابیہ أن النبی ﷺ قال (في خطبة يوم النحر) ليبلغ الشاهد الغائب فإن الشاهد عسى أن يبلغ من هو أوعى له منه“ (۱۰۴) (ابن ابی بکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے قربانی کے دن خطبے میں ارشاد فرمایا: جو حاضر ہیں

وہ (میری باتیں) اُن تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ حاضر کی بہ نسبت غائب زیادہ قوت حافظہ رکھتا ہو۔

آپ ﷺ کے اس فرمان کی بنا پر آپ ﷺ کی احادیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے توسط سے تابعین کو، اُن سے تبع تابعین کو اور پھر یہ روایات کتب حدیث کے توسط سے ہم تک پہنچیں۔

”عن سمرة بن جندب والمغيرة بن شعبة قال قال رسول الله من حدث عني بحديث يرى انه كذب فهو احد الكاذبين“ (۱۰۵) (سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ”جو مجھ سے حدیث روایت کرتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ وہ جھوٹ ہے تو ایسا شخص جھوٹوں میں سے ایک ہے۔)

احادیث کا گھڑنا اور نبی اکرم ﷺ کے نام انہیں منسوب کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ حدیث روایت کرنے سے پہلے رواۃ حدیث کے بارے میں جانیں، راوی کے سچے اور جھوٹے ہونے کی پہچان سند کے بغیر ممکن نہیں۔

راوی کی تحقیق کے بغیر محض سنی سنائی باتوں کو دوسروں تک پہنچانا بھی جھوٹ ہی کی ایک قسم ہے اس کے متعلق میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”عن المغيرة بن شعبة قال سمعت رسول الله يقول: انّ كذباً على ليس ككذب على احدٍ فمن كذب على متعمداً فليتبوأ مقعده من النار“ (۱۰۶) (حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا مجھ پر جھوٹ اور افترا پر دازی کسی عام انسان پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے۔ اس لئے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا (جان بوجھ کر) وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔)

سند حدیث کا آغاز و ارتقاء:

قرآن حکیم کے بعد حدیث رسول ﷺ کی قدر و منزلت ابتدائی دور سے چلی آ رہی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ کی قبولیت کے لئے احتیاط بھی ابتدائی دور سے ہی شروع ہو گئی تھی۔ اسی نے بعد میں ایک علم کی صورت اختیار کر لی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایت حدیث کے لئے بہت محتاط رویہ اختیار کرتے تھے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے تمام احادیث آنحضرت ﷺ سے نہیں سیں۔ ہمارے ساتھی بھی حدیثیں بیان کرتے تھے جو حدیث نہ سن سکتے وہ اپنے ساتھیوں سے سنتے اور ان سے جو زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے اور جن سے وہ سنتے وہ نہایت حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے (۱۰۷)۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حدیث کے بارے میں بہت محتاط روش کے علمبردار تھے۔ انہوں نے بغیر تحقیق کے روایات کی کثرت کو روکنے اور احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھنے اور فروغ دینے کے لئے حدیث میں اصول شہادت کو بنیاد بنایا۔ کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھتے اور اطمینان حاصل کرتے جیسا کہ دادی کی میراث والے مسئلے میں آپ رضی اللہ عنہ نے کیا (۱۰۸)۔

امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قبول اخبار میں احتیاط کی“ (۱۰۹) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بعض صحابیوں کی روایات پر مزید تائید کا مطالبہ کرتے۔ ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنی تائید میں کسی کو پیش کرنے کا اہتمام کرنا پڑا اور انہوں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو بطور گواہ پیش کیا، چنانچہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دروازے کے پیچھے سے تین دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کہا انہوں نے اجازت نہ دی (نہ جواب دیا) وہ لوٹ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے پیچھے پیغام بھیجا اور پوچھا کہ آپ لوٹ کیوں گئے تھے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ”اذا سلم احدکم ثلاثاً فلم یجب فلیرجع“ (۱۱۰) (جب کوئی تم میں سے تین دفعہ سلام کرے اور اسے جواب نہ دیا جائے تو لوٹ جائے)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”آپ اس بات پر کوئی دلیل (گواہ) لائیں ورنہ میں نہ چھوڑوں گا۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ ان کا رنگ متغیر تھا۔ ہم نے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا اور پوچھا کہ آپ میں سے کسی نے یہ سنا ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم تمام نے سنا ہے۔ انہوں (صحابہ رضی اللہ عنہم) نے ایک آدمی ان کے ساتھ بھیج دیا اور اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جا کر بتایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو پسند فرمایا کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تائید ہو جائے۔ اس کو نقل کر کے امام ذہبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث کو جب دو ثقہ راوی بیان کریں تو وہ زیادہ رائج ہوتی ہے بہ نسبت اس کے جس کو ایک بیان کرے“ (۱۱۱)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی روایت حدیث کے قبول کرنے میں اتنے احتیاط پسند تھے کہ جو حدیث انہوں نے خود نہ سنی ہوتی اسے کسی اور سے سنتے ہوئے اطمینان کے لیے قسم لیتے تھے (۱۱۲)۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خود اس بات کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتے ہوئے اپنی مذکورہ شرط کا ذکر کیا (۱۱۳)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جس طرح حدیث روایت کرنے والے سے قسم لیتے تھے اسی طرح اگر کوئی پوچھنے والا حدیث کے بارے میں آپ سے پوچھتا تو جواباً خود بھی قسم کھاتے اور فرماتے (ای ورب الکعبۃ) (۱۱۴)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ان هذا العلم دین

فانظروا عمن تاخذونه“ (۱۱۵) (یہ علم دین ہے، اس لئے دیکھو کہ تم کس سے اس کو حاصل کر رہے ہو)۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بن نافع اپنی اولاد کو ان الفاظ میں وصیت کیا کرتے تھے: ”لا تقبلوا الحدیث عن رسول اللہ ﷺ الا عن ثقة“ (۱۱۶) (رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو صرف ثقہ سے ہی قبول کرو)۔

مشہور تابعی عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مشہور صحابی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس مصر تشریف لے گئے۔ جب ابو ایوب رضی اللہ عنہ انصاری مصر کے امیر مسلمہ رضی اللہ عنہ بن مخلد کے مکان پر پہنچے تو اطلاع ملنے پر مسلمہ رضی اللہ عنہ فوراً باہر آئے اور گلے ملے اور دریافت کیا، کیسے یہ سفر فرمایا؟ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک حدیث میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی اب اس کے سننے والوں میں سے میرے اور عقبہ رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی باقی نہیں رہا ہے۔ آپ میرے ساتھ کسی کو بھیج دیجیے جو عقبہ رضی اللہ عنہ کا مکان مجھے بتلا دے۔ جب ابو ایوب رضی اللہ عنہ عقبہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو وہ فوراً باہر تشریف لائے، معافہ کیا اور اس سفر کی زحمت گوارا کرنے کی وجہ دریافت کی۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”ستر المؤمن“ کے بارے میں آنحضور ﷺ سے براہ راست حدیث سننے والا میرے اور آپ کے سوا کوئی باقی نہیں رہا ہے، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جی ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ”من ستر مؤمناً فی الدنیا علی خزینة سترہ اللہ یوم القیامة“ (جس نے کسی مؤمن کے شرمناک عمل پر پردہ پوشی کی تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ ڈال دے گا)۔

یہ روایت سننے کے بعد ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”صدق“ عقبہ! آپ نے سچ فرمایا۔ اس کے بعد ابو ایوب رضی اللہ عنہ اپنی سواری کی طرف پلٹے اور مدینہ منورہ واپسی کے لئے اس پر سوار ہو گئے۔ امیر مصر کا عطیہ ان کو اس وقت ملا جبکہ وہ مصر کی سرحد پر پہنچ چکے تھے (۱۱۷)۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے مصر تک کا طویل سفر ایک حدیث کی خاطر کیا تا کہ اس حدیث کے لفظوں میں کسی قسم کا شک نہ رہ جائے۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ اپنے شاگردوں سے اس کی تصدیق مدینہ ہی میں کر سکتے تھے لیکن انہوں نے براہ راست حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے معلوم کرنا ضروری خیال کیا اس لیے کہ انہوں نے براہ راست نبی ﷺ سے حدیث سنی تھی۔

ابن عقیل سے روایت ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ طلب حدیث کیلئے اپنے سفر کا قصہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے اونٹ خریدا اور ایک ماہ کا سفر طے کر کے ملک شام میں عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچا۔ قاصد کے ذریعے گھر اطلاع کرائی گئی۔ وہاں سے سوال کیا گیا کہ جابر

بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو فوراً عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور مجھے گلے لگایا، میں نے ان سے کہا، مجھے ایک حدیث کا علم ہوا ہے جسے براہ راست میں نے آپ سے نہیں سنا ہے، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں ہم دونوں میں سے کسی کو موت کا پیغام نہ آ جائے اس لئے میں نے سفر میں جلدی کی، عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا اس حال میں کہ وہ برہنہ بدن، بے ختنہ اور بے سرو سامان ہوں گے، ہم نے پوچھا بہنؤا کے معنی کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا، ایسے اشخاص جن کے پاس کچھ نہ ہو پھر اللہ تعالیٰ ان کو پکارے گا ایسی آواز جس کو دور والے بھی سنیں گے۔ راوی کا بیان ہے کہ میرا گمان ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے بعد فرمایا جیسے قریب والے سنتے ہیں (اللہ تعالیٰ فرمائے گا) میں ہی بادشاہ ہوں، کوئی جنتی، جنت میں داخل نہ ہوگا اس حال میں کہ کوئی دوزخی ظلم کی بنا پر اس سے (قصاص) کا مطالبہ کر رہا ہو، اور کوئی دوزخی دوزخ میں داخل نہ ہوگا اس حال میں کہ کوئی جنتی اس سے ظلم کی وجہ سے بدلہ کا تقاضا کر رہا ہو“ (۱۱۸)۔ اگر صحابہ کے نزدیک سند کی کوئی اہمیت نہ ہوتی تو صحابی رسول حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ صرف ایک حدیث کی خاطر اتنا لمبا دشوار گزار سفر اختیار نہ کرتے۔

عبد اللہ بن ابی فروہ رضی اللہ عنہ، امام زہری رحمہ اللہ کے پاس گئے اور حدیث بیان کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دو دفعہ کہا۔ امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا ابن ابی فروہ اللہ تمہیں تباہ و برباد کرے تو اللہ کے بارے میں کتنی جرأت کرنے والا ہے۔ اپنی حدیث کی سند بیان نہیں کرتا تو ایسی حدیث بیان کرتا ہے جس کی نہ تکمیل ہے نہ مہار (یعنی بے سند حدیثیں) (۱۱۹)۔ یہاں پر امام زہری ابن ابی فروہ سے سند بیان نہ کرنے پر سخت رویہ اختیار کئے ہوئے نظر آتے ہیں جس سے محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے اسناد کو کس قدر اہمیت دی ہے۔

ابو العباس الدغولی رحمہ اللہ نے محمد بن حاتم سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسناد کے ذریعہ اس امت کو شرف بخشا ہے (۱۲۰)۔ ابوبکر ابن العربی المعافری سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے (۱۲۱)۔

مستشرقین:

مستشرق کے معنی مشرقی علوم کا ماہر اور مشرقی آداب سے آگاہ ہونے والے ہیں (۱۲۲)۔ ڈاکٹر عمر فروخ کے مطابق مستشرق علوم اسلامیہ کا وہ مغربی اسکالر ہوتا ہے جو غیر مسلم ہو (۱۲۳)۔ مستشرق در حقیقت ایک ایسے غیر مشرقی محقق کو کہتے ہیں جو مشرقی علوم، معاشرت اور ادب وغیرہ میں دلچسپی رکھتا ہے۔

تحریک استشرقیات کا آغاز و ارتقاء:

تحریک استشرقیات کا آغاز اسلام کے ابتدائی دور ہی میں ہو گیا تھا۔ اسلام کے خلاف سب سے پہلے تحریک چلانے والا ساتویں صدی عیسوی کا جان آف دمشق تھا۔ بارہویں صدی عیسوی کے اختتام تک صرف دو مستشرق ایسے ملتے ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کی زندگی اور اسلامی تہذیب کا مطالعہ معروضی انداز میں کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے ایک پیٹر الفانسی (Peter Alfansi) جو ہسپانوی یہودی ہے اور دوسرا ولیم آف مالسمبری (William of Malmosbury) ہے (۱۲۵)۔

تحریک استشرقیات کا باقاعدہ اور منظم آغاز صلیبی جنگوں (۱۱ تا ۱۳ صدی عیسوی) کے بعد ایک دینی تحریک کے طور پر ہوا۔ اس تحریک کو سلطنت روما اور پاپائیت کی سرپرستی حاصل تھی۔ سترھویں صدی میں لندن، پیرس، کیمبرج، آکسفورڈ، گلاسگو، ایڈنبرا اور سینٹ انڈریوس کی جامعات میں علوم شرقیہ کی تدریس کے لئے شعبہ جات نے کام شروع کر دیا (۱۲۶)، اسی صدی میں بڈویل (Bedwell) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "Muhammad The Imposture" (محمد الکاذب) لکھی (نعوذ باللہ)۔ نجیب العقیقی نے اس عہد میں متعدد کتب کے تراجم عربی سے لاطینی زبان میں کیے جانے کا ذکر کیا ہے (۱۲۷)۔

استشرقیات کے تیسرے اور موجودہ دور کا آغاز آٹھارویں صدی عیسوی سے ہوا اور یہ اب تک جاری ہے۔ فرانس کے سلوٹروی ساسی (۱۶۵۸-۱۷۳۸ء) اور برطانیہ کے ایڈورڈ ولیم لین (۱۸۰۱-۱۸۷۶) کو دورِ جدید کے استشرقیات کا بانی قرار دیا جاسکتا ہے (۱۲۸)۔ مستشرقین کی پہلی کانفرنس ۱۸۷۳ء میں پیرس میں ہوئی یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۷۳ء تک ان میں ہر ایک کو شرکت کی اجازت تھی اب صرف اہل مغرب ہی کو شرکت کی اجازت ہے (۱۲۹)۔

بیسویں صدی کے اواخر میں صورت حال یہ ہے کہ اب مستشرقین، مستشرق کہلوانا پسند نہیں کرتے دوسری عالمگیر جنگ کے بعد وہ "ایڈوانزرز" یا ایریا سٹڈی سپیشلسٹ / ایکسپرٹ کہلوانا پسند کرتے ہیں (۱۳۰)۔

سندِ حدیث پر مستشرقین کے اعتراضات اور ان کے جوابات:

اسنادِ حدیث کی ابتدا کے بارے میں مستشرقین کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر

مستشرقین کی رائے میں اس کا آغاز دوسری صدی ہجری کے اواخر یا تیسری صدی ہجری کے آغاز میں ہوا۔ لیکن ہورووٹز اور رابسن اسناد حدیث کا آغاز پہلی صدی سے تسلیم کرتے ہیں۔
ہورووٹز Horovitz کہتا ہے:

"The first entry of the Isnad into the literature of tradition was in the last 3rd of first century" (131).

(ادب حدیث میں پہلی بار اسناد کے سلسلے کا آغاز پہلی صدی کے آخر تہائی میں ہوا)۔
رابسن کے مطابق:

"It is during the middle years of the first century of Islam that one would first expect anything like an Isnad. By then many of the companions were dead, and people who had not seen the Prophet would be telling stories about him. It might then naturally occur to some to ask these men for their Authority. The growth of a hard and fast system must have been very gradual" (132).

[اسلام کی پہلی صدی کے وسط میں اسناد (جاری ہونے) کی توقع کی جاسکتی ہے، اس وقت تک بہت سے صحابہ وفات پا چکے تھے اور جن لوگوں نے نبی ﷺ کو نہیں دیکھا تھا وہ (صحابہ) اُن (ﷺ) کے بارے میں بہت سی باتیں بتاتے تھے۔ لہذا یہ قدرتی امر تھا کہ اُن سے اُن کی ثقاہت کے بارے میں پوچھا جائے۔ اسناد کا باضابطہ نظام بتدریج ظہور پذیر ہوا]۔

وہ مستشرقین جن کے خیال میں اسناد کا آغاز دوسری صدی کے اواخر یا تیسری صدی کے آغاز میں ہوا ان میں کیتانی (Caetani)، اسپرنگر، گولڈزیہر اور شاخت شامل ہیں۔

کیتانی (Caetani) کے مطابق قدیم محدث عروہ بن زبیر رحمہ اللہ (م ۹۴ھ) نے کسی سند کو پیش نہیں کیا۔ کیتانی نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے چونکہ محمد ﷺ کی وفات کے تقریباً ساٹھ برس بعد عبدالملک کے دور تک اسناد کا رواج نہیں تھا۔ لہذا اسناد کا آغاز عروہ رحمہ اللہ (م ۹۴ھ) اور ابن اسحاق رحمہ اللہ (م ۱۵۱ھ) کے دور کے مابین ہوا۔ اس کے خیال میں اسناد کا سلسلہ دوسری صدی کے آخر یا شاید تیسری صدی کے آغاز میں ہوا (۱۳۳)۔

اسپرنگر (Springer) کے مطابق عروہ (م ۹۴ھ) نے جو کچھ عبدالملک کو تحریر کیا وہ سند

کے بغیر تھا بعد میں اس کے ساتھ اسناد جوڑی گئیں (۱۳۴)۔
شاخت لکھتا ہے:

"There is no reason to suppose that the regular practice of using Isnad, is older than the beginning of the second century A.H." (135).

(اس مفروضے کو قائم کرنے کی کوئی دلیل نہیں کہ اسناد کے باقاعدہ استعمال کا رواج دوسری صدی ہجری کے آغاز سے قبل کا ہے)۔

گولڈ زیہر نے مؤطا امام مالک (م ۱۷۹ھ) جس کا تعلق دوسری صدی ہجری سے ہے، پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کے مطابق معنوی اعتبار سے یہ احادیث کا مجموعہ نہیں بلکہ اس میں عدالتی فیصلوں کو ثابت کرنے کے لیے احادیث کو استعمال کیا گیا ہے۔ گولڈ زیہر کے خیال میں امام مالک رحمہ اللہ (م ۱۷۹ھ) نے اسناد کی تفصیل بیان کرنے کے لئے کوئی مخصوص طریقہ اختیار نہیں کیا تھا بلکہ اکثر و بیشتر وہ عدالتی فیصلوں کے لئے ایسی احادیث بیان کرتے ہیں جن کا سلسلہ اسناد صحابہ تک ملا ہوا نہیں اور اس میں متعدد خامیاں موجود ہیں (۱۳۶)۔

مستشرقین نے اسناد حدیث پر جو اعتراضات کیے اس کی بنیاد امام ابن سیرین کا یہ قول ہے۔ وہ اسناد کے متعلق فتنہ کے وقوع سے قبل سوال نہ کرتے تھے۔ جب فتنہ واقع ہوا تو دیکھتے تھے کہ اہل سنت کون ہے اس کی حدیث لے لیتے تھے اور اہل بدعت کی احادیث چھوڑ دیتے تھے (۱۳۷)۔ ایک اور روایت میں انہی کا قول ہے۔ وہ اسناد کے متعلق سوال نہ کرتے تھے جب فتنہ وقوع پذیر ہوا تو انہوں نے کہا ان آدمیوں کے نام لو جو اہل سنت ہیں ان کی احادیث لے لی جاتی تھیں اور اہل بدعت کی احادیث نہیں لی جاتی تھیں (۱۳۸)۔

شاخت نے اس روایت کو من گھڑت قرار دیتے ہوئے اسے رد کیا ہے۔ اس لیے کہ اس نے فتنے سے مراد اموی خلیفہ ولید بن یزید (۱۲۶ھ) کے قتل کا واقعہ لیا ہے اور جبکہ امام ابن سیرین کی وفات ۱۱۰ھ میں ہو چکی تھی (۱۳۹)۔

رابسن اپنے مقالہ The Isnad in Muslim Tradition میں شاخت کی رائے سے اتفاق نہیں کرتا کہ فتنے سے مراد ۱۲۶ھ کے واقعات ہیں جس کی بنا پر اس نے ابن سیرین کے قول کو من گھڑت قرار دیا ہے۔ رابسن لکھتا ہے: ”مجھے ان نتائج کی صحت پر شک ہے۔ اس میں جس زمانہ کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ واقعی فتنے کا دور تھا، فتنے کے دور کا آغاز نہیں تھا۔ اس سے قبل

علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان خانہ جنگی رہی ہے جو اسلام میں فرقہ بندی کا باعث بنی جس کے اثرات ابھی تک باقی ہیں۔ لیکن یہ دور بھی اتنا ابتدائی ہے کہ ہمیں اس سے صرف نظر کیے بغیر چارہ نہیں۔ زیادہ قرین قیاس وہ دور ہو سکتا ہے جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کا اعلان کیا۔ مؤطا میں امام مالک ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ خواہش نقل کرتے ہیں کہ وہ فتنہ کے دوران مکہ جانا چاہتے تھے لیکن انہوں نے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ اگر انہیں وہاں تک پہنچنے نہ دیا گیا تو وہ نبی ﷺ کے اسوہ پر عمل کریں گے جب کہ انہیں صلح حدیبیہ کے سال مکہ جانے سے روک دیا گیا تھا“ (۱۴۰)۔

یہ واقعات ۶۲ھ اور ۷۲ھ کے درمیان کے ہیں جب مکہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو محصور کر دیا گیا تھا۔ ابن سیرین رحمہ اللہ کی پیدائش ۱۳۳ھ کی ہے اور اس دور میں وہ عمر کی پختگی کے اس مرحلے میں تھے جہاں وہ پورے یقین کے ساتھ اپنی بات کر سکتے تھے۔ لہذا ابن سیرین سے منسوب قول کو درست مانا جاسکتا ہے اور یہ درست ہو تو ہو رڈوٹز (Horovitz) کا نظریہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ادب حدیث میں اسناد کا آغاز پہلی صدی کی تیسری تہائی میں ہوا ہے۔

مستشرقین کی جانب سے بیان کی گئی مختلف آراء یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اسناد کی ابتدا کے بارے میں کسی ایک نکتہ نظر پر ان کا اتفاق نہیں۔ بعض اس کو دوسری صدی کی پیداوار قرار دیتے ہیں اور بعض پہلی صدی کی آخری تہائی کی۔ جبکہ مسلمانوں کا یہ نکتہ نظر ہے کہ احادیث کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیغمبر علیہ السلام سے روایت کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حدیث کو سند سے بیان کرتے تھے اور تابعین نے اُن (صحابہ) کے واسطے سے نبی ﷺ سے روایت کیا مثلاً: ”حدثنا ابراہیم بن یعقوب حدثنا زید بن الحباب حدثنا میمون ابو عبداللہ حدثنا ثابت البنانی قال: قال انس بن مالک: يا ثابت! اخذ عني فانك لن تاخذ عن احد واوثق مني، اني اخذته عن رسول الله واخذه رسول الله عن جبرئيل اخذته جبرئيل عن الله عز وجل“ (۱۴۱) (ثابت بنانی فرماتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ اے ثابت! مجھ سے احادیث لو آپ مجھ سے بڑھ کر کسی ثقہ سے احادیث نہیں لے سکتے۔ میں نے ان احادیث کو رسول اللہ ﷺ سے لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جبریل سے اور جبریل نے اللہ سے)۔

محدثین نے حدیث کی خدمت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کیں اس کے لیے کہیں وہ بڑے بڑے سفر کرتے نظر آتے ہیں کہیں راویوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے تگ و دو کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی کاوشوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس کے لیے باقاعدہ علم اسماء الرجال وجود میں آیا۔ اسی طرح سے اصول حدیث اور الجرح والتعديل جیسے علوم وجود میں آئے۔ عام راویوں پر الگ کتابیں

لکھی گئیں۔ خاص کتب کے راویوں، ثقہ اور ضعیف راویوں، صحابہ اور تابعین سے متعلق کتب انگ لکھی گئیں۔ مختلف شہروں اور انساب کے بارے میں بھی کتابیں لکھی گئیں۔ اس سلسلے میں اگر کسی نے کوئی چیز وضع کر کے اُس کو پیغمبر علیہ السلام کے نام منسوب کرنے کی کوشش کی تو اس کا باقاعدہ غاسبہ کیا گیا۔ اسی قسم کا ایک اہم واقعہ خطیب بغدادی کے زمانے میں پیش آیا۔ بعض یہودی لوگوں نے قائم باللہ کے وزیر اعظم ابوالقاسم علی کے سامنے ۴۴۷ھ میں ایک خط پیش کیا جس کے متعلق دعویٰ کیا کہ یہ آنحضرت ﷺ کا خط تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تحریر تھی۔ اس خط میں یہ لکھا تھا کہ خیبر کے یہود سے جزیہ ساقط ہو گیا ہے۔ جسے خطیب بغدادی نے دلائل سے جھوٹا ثابت کر دیا (۱۴۲)۔ اسناد اور واقعات کی چھان بین اور تحقیق کا شرف دنیا کے کسی اور مذہب کو حاصل نہیں اسلام کو حاصل ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”نقل الثقة عن الثقة كذلك يبلغ الى النبي ﷺ خص الله به المسلمين دون سائر اهل الملل كلها“ (۱۴۳) (ثقة کا ثقہ سے نقل کرنا یہاں تک کہ یہ آنحضرت محمد ﷺ تک پہنچے۔ یہ خصوصیت اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں میں سے صرف مسلمانوں ہی کو عنایت فرمائی ہے)۔

ابن حزم رحمہ اللہ نے یہود و نصاریٰ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ”واما اقوال الصحابة والتابعين فلا يمكن اليهود ان يبلغوا الى صاحب النبي اصلاً ولا الى تابع ولا يمكن النصاري ان يصلوا اعلى من شمعون وبولص“ (۱۴۴) (جہاں تک یہود کا تعلق ہے ان کے صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال کے متعلق ممکن ہی نہیں کہ وہ نبی کے صحابی تک پہنچتے ہوں اور نہ ہی تابعی تک اور عیسائیوں میں وہ شمعون اور پولس سے آگے نہیں جاسکے)۔

امام شعبہ سے تحقیق حدیث کے لیے سفر اور روایت حدیث میں احتیاط پر مبنی واقعہ کتب حدیث میں منقول ہے۔ تفصیل سابقہ مقالے ”سند حدیث اور اس کا آغاز“ میں گزر چکی ہے۔ اس واقعہ کو لکھنے کے بعد ابن عبد البر لکھتے ہیں: ”هكذا يكون البحث والتفتيش وهذا معروف من شعبة“ (بحث اور تفتیش اس طرح ہوتی ہے اور شعبہ کے متعلق یہ بات مشہور ہے)۔ اس لئے ان (شعبہ) کے لئے ابو عبد الرحمن النسائی نے کہا۔ رسول اکرم ﷺ کی حدیث پر اللہ کے تین امین ہیں۔ مالک بن انس رحمہ اللہ، شعبہ بن الحجاج اور یحییٰ بن سعید القطان (۱۴۵)۔

یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں جب سند کے متعلق عام بحث و تفتیش ہونے لگی تو اہل علم ہی نہیں بلکہ عام لوگ بھی سند کے متعلق پوچھنے لگے۔ گئے۔ ایک اعرابی سفیان بن عیینہ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا۔ آپ حج کرنے والی عورت کے متعلق کیا کہتے ہیں، جو بیت اللہ کے طواف سے پہلے حیض کی حالت

میں ہو گئی؟ سفیان نے جواب دیا وہ سب کچھ کرے جو عام حاجی کرتے ہیں صرف بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ اعرابی نے کہا ان تک بلاغ (سند) ہے؟ انہوں نے کہا ہاں مجھے عبدالرحمان بن القاسم نے اپنے باپ سے بیان کیا، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا۔ اعرابی کہنے لگا۔ آپ نے اچھا نمونہ بیان کیا اور صحیح پہنچایا۔ اللہ آپ کی صحیح رہنمائی کرے (۱۳۶)۔

اس روایت سے معلوم ہوا ایک عام اعرابی نے سند کا اور پھر بکاہل سند کا سوال کیا اور ابن عیینہ نے ان کو جواب دینے اور اس کے سوال پوچھنے میں کوئی تنگی نفس محسوس نہ کی بلکہ جو کچھ ان سے پوچھا اس کا خوش دلی سے جواب دیا۔

مشہور مستشرق سپرنگر Springer لکھتا ہے کہ:

"The Glory of the literature of the Mohammadans is its literary biography. There is no nation nor has there been any which like them has during the 12 centuries recorded the life of every man of letters. If the biographical records of the muslimans are collected, we should probably have accounts of the lives of half a million of distinguished persons, and it would be found that there is not a decennium of their history, nor a place of importance which has not its representatives"(147).

اور مشکوٰۃ المصابیح کا مترجم (Robson) کہتا ہے:

"In the gospels as they stand we don't have the various elements of the sources separated out for us as we do through the "Isnads" of muslim traditions where at least apparently, the transmission is traced back to the source"(148).

امام سخاوی سند کی اہمیت اور اس کے فوائد و ثمرات کی بنا پر اس فن سے واقفیت اہل اسلام کے لیے لازمی قرار دی ہے (۱۳۹)۔

ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلام میں سند حدیث کو از حد اہمیت دی گئی۔ اسی پر حدیث کی صحت کا مدار ہے۔ محدثین کسی ایسی حدیث کو قبول نہیں کرتے جس کے اندر مجروح راوی ہوں۔

حدیث کو روایت کرنے سے پہلے انہوں نے ہر طرح سے چھان پھٹک کی۔ اس معاملے میں شک کی بنیاد پر بھی راویوں کو چھوڑ دیا گیا۔ سند حدیث کا آغاز حدیث کی روایت کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ مجھ سے بڑھ کر کوئی بہتر راوی نہیں ہو سکتا کہ میں نے نبی ﷺ سے، انہوں نے حضرت جبرائیل اور انہوں نے اللہ سے سنا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا قبول روایت میں احتیاط کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا راویوں سے قسم لینا۔ ابتدائی دور سے ہی روایت حدیث میں احتیاط کے ساتھ ساتھ روایت پر کسی دوسرے راوی کی گواہی لینا سند کو ثابت کرتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سلسلہ سند کا آغاز دو صحابہ سے ہی ہو گیا تھا۔ لہذا یہ الزام درست نہیں ہے کہ پہلے روایات وجود میں آئیں اور پھر اسناد کو روایات سے جوڑا گیا۔

جہاں تک تابعین کا تعلق ہے وہ احادیث کو صحابہ کے توسط سے نبی ﷺ سے روایت کرتے تھے اور اس طرح یہ سلسلہ بعد میں آنے والے راویان حدیث میں پایا جاتا ہے۔ ان کے بعد جو کتابیں لکھی گئیں ان میں راویوں کا سلسلہ زنجیر کی کڑیوں کی طرح متصل ہے۔ لکھنے والے محدثین کو راویوں کے بارے میں تمام قسم کی معلومات ہیں۔ مسلمانوں کو تمام اقوام عالم میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ سند کا سلسلہ انہی کی میراث ہے۔

اسناد حدیث کی مسلمانوں کے ہاں اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اس کو دین کا حصہ قرار دیتے ہیں۔ اس علم کی وجہ سے ہزاروں لوگوں کے حالات زندگی کی چھان پھٹک کی گئی۔ ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات لکھی گئیں۔ ان کے اخلاق کو پرکھا گیا۔ خورد بینی انداز میں ان کے اعمال کا محاسبہ کیا گیا۔ ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کی گئیں۔ ان کے متعلق حزم و احتیاط سے کام لیا گیا۔ ان کی تحقیق و تفتیش کی گئی۔ اس طرح کی تحقیق کسی اور مذہب کے ماننے والوں میں موجود نہیں ہے۔ اس کی گواہی مشہور مستشرق پیرنگر نے بھی دی ہے۔ جرح و تعدیل کے علم میں بڑے سے بڑے آدمی سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے آدمی کی جانچ پرکھ کی گئی۔ کسی کی حکومت یا جاہ و حشم اُس پر تنقید کو نہ روک سکی۔ اگر کسی کے متعلق کسی شبہ کا اظہار کیا گیا تو اس کی روایت کو چھوڑ دیا گیا۔

سند حدیث کی معلومات کے لیے کئی قسم کی کتب لکھی گئیں۔ ان میں معرفۃ الصحابہ، معرفۃ التابعین، کتب طبقات، کتب الانساب، تاریخ احوال رواۃ الحدیث، کتب مشیخت، کتب وفیات، کتب رجال، کتب مخصوصہ کے رجال، کتب ثقات اور کتب ضعفاء وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد نے اُن سے سُن کر جو احادیث لکھیں اُسے ”صحیفہ ہمام

بن منبہ کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی اس کا مطلب ہے اسے اس سے قبل نقل کیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یمنی تھے اور ان کے شاگرد ہمام رحمہ اللہ بن منبہ یمنی تھے۔ وہ ان سے احادیث لکھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ پہلی صدی کے وسط میں یہ تمام احادیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے ضبط تحریر میں آ گئی تھیں یہ تمام احادیث صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں۔ صحیفہ ہمام بن منبہ کے مخطوطے کے دو قلمی نسخے برلن اور دمشق سے حاصل کر کے ڈاکٹر حمید اللہ نے ان پر تحقیق کی اور اسے شائع کروایا۔ یہ مخطوطہ پہلی صدی ہجری کا ہے جس سے مستشرقین کا یہ مفروضہ غلط ثابت ہوتا ہے کہ اسناد کا تعلق دوسری صدی ہجری کے اواخر یا تیسری صدی ہجری کے آغاز سے ہے۔



حوالہ جات

- ۱۔ الرازی، محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر، مختار الصحاح (مکتبہ لبنان بیروت ۱۹۸۵ء) تحت سادہ، ص ۱۰۰۔
- ۲۔ ایضاً۔
- ۳۔ لسان العرب، ۳/۲۲۰۔
- ۴۔ توجیہ النظر، ص ۲۲۵۔
- ۵۔ نزہۃ النظر فی توضیح الخبۃ الفکر، ص ۹۲۔
- ۶۔ توجیہ النظر، ص ۲۵۔
- ۷۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن، تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی (دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۸۹ء، الطبعة الثانیہ) ۱/۳۱-۳۲۔
- ۸۔ توجیہ النظر، ص ۲۵۔
- ۹۔ شاہ ولی اللہ، اتحاف النبیہ فیما یشتمل علیہ المحدث والفقیہ (مقدمہ) (المکتبہ السلفیہ لاہور، ۱۹۶۹ء) ص ۱۳۔
- ۱۰۔ مختار الصحاح، ص ۲۵۶۔
- ۱۱۔ لسان العرب، ۱۳/۳۹۸۔
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۳۹۹۔
- ۱۳۔ تدریب الراوی، ۱/۳۲۔
- ۱۔ القتبجی، ابوالطیب السید صدیق حسن، المحلۃ فی الذکر الصحاح السنۃ (اسلامی اکادمی لاہور، الطبعة الاولی، ۱۹۷۷ء) ص ۱۱۔
- ۱۱۔ عثمانی، ظفر احمد، مقدمۃ اعلاء السنن (ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ، کراچی) ۱/۲۰۔
- ۱۲۔ تدریب الراوی، ۱/۳۲۔
- ۱۵۔ نزہۃ النظر شرح نخبة الفکر، ص ۹۲-۹۳۔
- ۱۶۔ قواعد التحدیث، ص ۲۰۲۔

- ۱۷- i- الحاکم، معرفۃ علوم الحدیث، ص ۶۔
ii- مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح (مصر) ۱/۲۵۔
- ۱۸- ابن حبان، محمد، کتاب المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین (دائرة المعارف العثمانیہ حیدرآباد، الطبعة الاولى، ۱۹۵۱ء) ۱/۲۷۔
- ۱۹- ایضاً۔
- ۲۰- الخطیب البغدادی، الکفایۃ فی علم اصول الروایۃ، ص ۲۸۳۔
- ۲۱- i- کتاب المجروحین، ۱/۲۷۔
ii- ابن عدی، الكامل فی ضعفاء الرجال (دار الفکر بیروت، الطبع الثانی، ۱۹۸۵ء) ۱/۲۸۔
- ۲۲- i- معرفۃ علوم الحدیث، ص ۶۔
ii- الکفایۃ فی علم اصول الروایۃ، ص ۳۹۱۔
- ۲۳- ابن ابی حاتم، کتاب المجروح والتحدیل (دائرة المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، الطبعة الاولى، ۱۹۶۲ء) ۱/۱۳۔
- ۲۴- البیهقی، ابوبکر احمد بن الحسین، مناقب الشافعی (دار التراث، القاہرہ) ۱/۲۰۔
- ۲۵- قاضی عیاض بن موسیٰ الیھی، الاماماع.... (دار التراث، القاہرہ، الطبعة الاولى، ۱۹۷۰ء) ص ۱۸۹۔
- ۲۶- ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، کتاب الفصل فی الملل والاهواء والنحل (مکتبہ الخانجی، القاہرہ ۱۳۲۱ھ) ۲/۸۲۔
- ۲۷- ایضاً۔
- ۲۸- ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ، التمهید لما فی الموطا من المعانی والاسانید (الرباط، ۱۴۰۶ھ) ۱/۵۷۔
- ۲۹- ایضاً۔
- ۳۰- ایضاً۔
- ۳۱- ایضاً، ص ۲۵۔
- ۳۲- الکفایۃ فی علم الروایۃ، ص ۱۱۶۔
- ۳۳- السیوطی، اسعاف المبطا برجال الموطا مع موطا (دار الآفاق الجدیدۃ، بیروت، ۱۹۸۵ء) ص ۸۷۳۔
- ۳۴- الکتانی، عبدالحی، فہرس الفہارس والاسباط ومعجم المعاجم والشیخات والمسلسلات (المطبعة الجدیدۃ القاہرہ، ۱۳۳۶ھ) ۱/۲۔
- ۳۵- الاحقاف (۲۶) ۴۔
- ۳۶- لکھنوی، عبدالحی، الاجوبۃ الفاضلۃ..... (مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب ۱۹۳۶ء) ص ۲۳۔
- ۳۷- ابن الصلاح، ابو عمر عثمان بن عبدالرحمان، علوم الحدیث المعروف بمقدمۃ ابن الصلاح (دار الفکر، بیروت، ۱۳۸۹ء) ص ۳۵۷۔

- ۳۸۔ المزی، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ۱/۱۶۶۔
- ۳۹۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ابو العباس تقی الدین احمد بن عبد الحلیم، جمع و ترتیب ابو عبد الرحمن بن محمد، مجموعہ فتاویٰ (الریاض ۱۳۸۱ھ)، ۱/۹۔
- ۴۰۔ السنائی، محمد عبدالرؤف، فیض القدر شرح جامع الصغیر (المکتبہ التجاریہ مصر القاہرہ، الطبعة الاولى، ۱۳۵۶ھ) ۱/۲۳۲-۲۳۳۔
- ۴۱۔ ملا علی قاری، علی بن سلطان محمد، شرح شرح نخبہ الفکر (مکتبہ اسلامیہ کوسہ، ۱۳۹۷ھ) ص ۱۹۴۔
- ۴۲۔ المواہب اللدنیہ، ۵/۲۵۳ بحوالہ الاجوبہ الفاضلہ، ص ۲۵۔
- ۴۳۔ الاجوبہ الفاضلہ، ص ۲۴۔
- ۴۴۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ۶۔
- ۴۵۔ ایضاً، ص ۶۔
- ۴۶۔ ایضاً، ص ۵۔
- ۴۷۔ فہرس الفہارس، ۱/۵۰۔
- ۴۸۔ ایضاً۔
- ۴۹۔ الاجوبہ الفاضلہ، ص ۲۵۔
- ۵۰۔ ایضاً، ص ۲۶۔
- ۵۱۔ ابن کثیر، ابوالفداء اسمعیل، تفسیر القرآن العظیم (سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۹۷۳ء) ۶/۶۵۔
- ۵۲۔ الاجوبہ الفاضلہ، ص ۲۲-۲۳۔
- ۵۳۔ ایضاً، ص ۲۴۔
- ۵۴۔ ایضاً، ص ۲۱۔
- 55 "Introduction to "Al-Isabah" by Ibn-i-Hajar, A biographical dictionary of persons who knew Muhammad. (Bishop's College Press. Calcutta 1856.)
56. Robson's James, Ibn-i-Ishaq's, use of isnads (Bulletin of the John Ryland Library, university of Manchester, UK), Vol38, 2nd March 1956.
- ۵۷۔ السنائی، محمد بن عبد الرحمن، فتح المغیث شرح الفیہ الحدیث للعراقی (الکتب العلمیہ بیروت)، ۳/۲۸۱-۲۸۲۔

- ۵۸۔ الحجرات: ۷۔
- ۵۹۔ ابوداؤد، السنن (مکتبۃ الخانجی القاہرہ) ۲/۲۰۲-۲۰۳۔
- ۶۰۔ کتاب البحر و صین، ۷/۱۔
- ۶۱۔ الحجرات (۳۹) ۶۔
- ۶۲۔ الخازن، علاء الدین علی بن محمد البغدادی، تفسیر الخازن المسمی بہ لباب التاویل فی معانی التزیل (دار الفکر، بیروت ۱۹۷۹ء/ ۱۳۹۹ھ) ۶/۲۲۲۔
- ۶۳۔ ابوداؤد، السنن (القاہرہ) ۲/۲۰۳۔
- ۶۴۔ ابن حبان، محمد البستی، کتاب البحر و صین من المحدثین والضعفاء والمترکین (وزارة الاوقاف الشؤون الرباط ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۹ء) ۱/۴۲۔
- ۶۵۔ ابن عبد البر، التعمید وزارة الاوقاف والشئون المملکة المغربیہ ۱۹۷۹ء، ۱/۴۲۔
- ۶۶۔ ایضاً۔
- ۶۷۔ التعمید (مکة المکرمہ) ۱/۴۳۔
- ۶۸۔ ایضاً، ص ۴۳۔
- ۶۹۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ۴۔
- ۷۰۔ ایضاً، ص ۱۵۔
- ۷۱۔ تذکرۃ الحفاظ (حیدرآباد) ۲/۱۔
- ۷۲۔ ایضاً، ۱/۶۔
- ۷۳۔ ایضاً، ص ۱۰: محمد بن ابراہیم الوزير الیمانی، العواصم والقواصم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم (دار البشیر، عمان الطبعة الاولی ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء)۔
- ۷۴۔ التعمید، ۱/۴۵۔
- ۷۵۔ (۱) ایضاً۔
- (۲) ابن عدی، ابواحمد عبد اللہ، الکامل فی ضعفاء الرجال (دار الفکر بیروت، الطبعة الثانیہ ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء)، ۱/۱۵۶۔
- ۷۶۔ التعمید، ۱/۴۵۔
- ۷۷۔ ایضاً، ص ۴۶۔
- ۷۸۔ ایضاً، ۱/۶۷۔

الخطیب البغدادی، احمد بن علی، الکفایۃ فی علم الروایۃ، ص ۱۵۹۔ روایت، ”انما هذا العلم دین فانظروا عمن تاخذونه“ کو مختلف محدثین نے مختلف لوگوں سے منسوب کیا ہے۔ العجلونی نے محمد بن سیرین سے اسے روایت کیا ہے۔ (اسماعیل بن محمد العجلونی، کشف الخفا ومزیل الالباس عما اشهر من الاحادیث علی السنۃ الناس (مؤسسہ الرسالہ بیروت، الطبعة الثالثة ۱۴۰۳ھ) ۱/۳۰۲۔

امام سخاوی برافضہ نے بھی اسے محمد بن سیرین سے ہی بحوالہ صحیح مسلم روایت کیا ہے۔ (السخاوی، محمد عبدالرحمان، المقاصد الحسنة (دار الکتاب العربی بیروت الطبعة الاولى ۱۹۸۵ء/ ۱۴۰۵ھ) ص ۲۱۵-۲۱۶۔ صاحب تہذیب الکمال نے اسے محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے اور امام مالک بن انس سے وہ روایت نقل کی ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ (المزی، جمال الدین ابوالحجاج یوسف، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال (مؤسسہ الرسالہ بیروت الطبعة الثانية ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء)، ۱/۱۶۰-۱۶۱۔

عبدالرحمان بن علی صحیح مسلم کے حوالے سے اسے محمد ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں۔ (عبدالرحمان بن علی بن محمد الشافعی، کتاب تمیز الطیب من الخبیث (دار الکتاب العربی بیروت) ص ۴۹۔

ابن عدی نے یہ الفاظ آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کیے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں ”حدثنا محمد بن احمد بن حمدان البلدی، ثنا ابراہیم بن الہیثم البلدی، ثنا عبدالوارث ابن مقاتل الخراسانی، عن خلید بن دعلج عن انس قال: قال رسول اللہ ﷺ (ان هذا العلم دین فلینظر احدکم ممن یاخذ دینہ) وهذا الحديث يرويه عن خلید عبدالوارث هذا وروح بن عبدالواحد الحرانی“ لیکن حاشیہ میں محقق نے اس کے ایک راوی پر اس طرح سے بحث کی ہے۔

خلید (بالتصغیر) بن دعلج السدوسی ابو حلیس ویقال ابو عبید ضعیف متروک ذکرہ ابن البرقی والعقلمی فی الضعفاء وقال العقلمی مات سنة ۱۶۶ھ (ابن حجر، تہذیب التہذیب) ۳/۱۵۸ الذہبی، المغنی فی الضعفاء، ۱/۲۱۳۔

ابن عدی نے ہی محمد بن سیرین سے یہ الفاظ جو دو الگ طرق سے روایت کیے ہیں۔ (ابن عدی، الکمال فی ضعفاء الرجال، ۱/۱۵۵ تا ۱۵۷)۔ خلید بن دعلج کو دارقطنی نے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ (الدارقطنی، علی بن عمر بن احمد، کتاب الضعفاء والمتروکین (المکتب الاسلامی بیروت، دمشق الطبعة الاولى ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء) ص ۱۲۰۔

امام ذہبی نے بھی اس خلید بن دعلج کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ فرماتے ہیں: خلید بن دعلج عن الحسن ومحمد لبس بقوی، ضعفه احمد وغيره. (الذہبی، المغنی فی الضعفاء (دمشق) ۱/۲۱۳۔

خلید کے متعلق حافظ ابن حجر یوں رقم طراز ہیں: "خلید بن دعلج السدوسی البصری نزل الموصل ثم بیت المقدس ضعیف من السابعة مات سنة ست وستين (ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی، تقریب التہذیب (دار المعرفہ بیروت الطبعة الثانیہ ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء)، ۱/۲۲۷۔ خطیب البغدادی نے اسے محمد بن سیرین، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور آنحضرت ﷺ میں سے روایت کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق اس طرح سے الفاظ ہیں: "انا محمد بن احمد بن رزق، قال حدثنی محمد بن احمد بن الخطاب، نا یوسف بن موسیٰ المرودی، انا منحیر بن سعید، نا روح بن عبدالواحد، نا خلید بن دعلج عن قتادة، عن انس قال، قال رسول الله ﷺ "ان هذا العلم دين فلينظر احدكم ممن ياخذ دينه"۔"

اس پر ڈاکٹر محمود الطحان نے حاشیہ میں یوں تبصرہ فرمایا ہے: "هذا الحديث اخرجہ الحاکم مرفوعاً عن انس ايضاً واخرجہ السجزي في الابانة عن ابي هريرة، ورمز السيوطي في الجامع الصغير ۵۴۵/۲ الى ضعفه ورواية المصنف ضعيفة ايضاً لان في اسنادها خلید بن دعلج السدوسی البصری وهو ضعيف كما قال عنه الحافظ في التقریب لكن هذا القول رواه مسلم في المقدمة، ۱/۱۲ من قول ابن سيرين بسند صحيح"۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح سے روایت کیا ہے: عن ابي هريرة قال "ان هذا العلم دين، فانظروا ممن تاخذونه"۔

محمد بن سیرین کی روایت کے الفاظ یہ ہیں "عن محمد ان هذا العلم دين فانظروا ممن تاخذون دينكم"۔ ڈاکٹر محمود الطحان نے اس روایت پر اس طرح سے تبصرہ کیا ہے: تقدم قبل قليل ان مسلما اخرج هذا القول عن ابن سيرين في مقدمة صحيحه بلفظه الا انه، قال "عن" بدل "ممن" ۱/۱۲۔ (احمد بن علی الخطیب بغدادی، الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ج ۱، ص ۱۲۹، مکتبۃ المعارف الرياض)۔

قاضی الحسن نے محمد بن سیرین سے اس روایت کو الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ چار سندوں سے بیان کیا ہے۔ (الرائز مزی، القاضی الحسن بن عبدالرحمان، المحذات الفاصل بین الراوی والواعی (دار الفکر بیروت الطبعة الاولى ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) ص ۴۱۵-۴۱۴۔

ان تمام اقوال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایات میں ضعف ہے اور حضرت محمد بن سیرین کی طرف یہ الفاظ مختلف کتب حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔ سرخیل محدثین حضرت امام مسلم نے اپنی الجامع الصحیح میں بھی انہیں حضرت محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ انہیں کے الفاظ ہیں اور ممکن ہے بعد میں آنے

والے حضرات نے ان کی خوشہ چینی کی ہو۔ هذا ما عندي والله اعلم بالصواب.

۷۹۔ التمهيد، ۱/۴۷۔

۸۰۔ ایضاً۔

۸۱۔ السخاوی، محمد بن عبد الرحمن، الاعلان بالتونج لمن ذم التاريخ (دار الكتاب العربي بیروت) ۶۶۔

۸۲۔ ایضاً۔

۸۳۔ الذہبی، میزان الاعتدال (دار المعرفة بیروت ۱۳۵۲ھ/۱۹۶۲م الطبعة الاولى) ۱/۳۰۴۔

۸۴۔ مسلم بن حجاج القشیری، الجامع الصحیح (کراچی) ۱/۴۲۵۔

۸۵۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب (دار المعرفة، بیروت الطبعة الثانية، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵م) ۱/۴۲۵۔

۸۶۔ مسلم، الجامع الصحیح، ۱/۴۲۵۔

۸۷۔ الرامهرمزی، ابو محمد حسن بن عبد الرحمن بن خالد، المحدث الفاصل بین الراوی والواعی (دار الفکر بیروت

۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱م) ۴۰۸: حواشی: وقد مات الربیع بن خثیم بالكوفة ولاية عبيد الله بن زياد

عليها (طبقات ابن سعد، ۶/۱۳۴)۔

۸۸۔ ابن الصلاح، علوم الحديث المعروف المقدمه (المطبعة العلمية حلب ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱م، الطبعة الاولى) ص

۳۳۴۔

۸۹۔ ایضاً۔

۹۰۔ الكفاية في علم الرواية، ص ۱۱۹۔

۹۱۔ مقدمه ابن الصلاح، ص ۳۳۴۔

۹۲۔ الاعلان بالتونج لمن ذم التاريخ، ص ۱۰۔

۹۳۔ التمهيد، ۱/۴۵-۵۱۔

۹۴۔ الكفاية في علم الرواية، ص ۴۰۳-۴۰۴۔

۹۵۔ ایضاً، ص ۱۳۳۔

۹۶۔ ایضاً۔

۹۷۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، ص ۱۸۔

۹۸۔ الكامل في ضعفاء الرجال، ۱/۴۸۔

۹۹۔ الجزا ئری، التوجيه النظر الى الاصول الاثر، ص ۲۲۵۔

۱۰۰۔ نزہة النظر في توضیح نخبہ الفکر، ص ۹۲۔

۱۰۱۔ توجيه النظر، ص ۲۵۔

- ۱۰۲۔ الحجرات (۴۹) ۶۔
- ۱۰۳۔ الطلاق (۶۵) ۲۔
- ۱۰۴۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۶۷، ص ۱۶۔
- ۱۰۵۔ مسلم الجامع الصحیح مع شرح النووی (نور محمد اصحح المطابع کراچی) ۶۲/۱۔
- ۱۰۶۔ مسلم، مقدمۃ الجامع الصحیح، ۶۹/۱۔
- ۱۰۷۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ۱۶۔
- ۱۰۸۔ ایضاً، ص ۱۵۔
- ۱۰۹۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۔
- ۱۱۰۔ ایضاً، ۶/۱۔
- ۱۱۱۔ ایضاً۔
- ۱۱۲۔ ایضاً، ۶/۱۔
- ۱۱۳۔ ایضاً، ۱۰/۱۔
- ۱۱۴۔ ابوداؤد، السنن حدیث نمبر ۶۷۳، ص ۶۷۳-۶۷۴۔
- ۱۱۵۔ التمهید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید (المملکت المغربیہ ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۹ء) ۳۵/۱۔
- ۱۱۶۔ ایضاً۔
- ۱۱۷۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ۸۔
- ۱۱۸۔ البخاری، الادب المفرد، (بیروت) ص ۳۳۷۔
- ۱۱۹۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ۶؛ الکفایۃ فی علم الروایۃ، ص ۳۹۱۔
- ۱۲۰۔ کتانی، عبدالحی، فہرس الفہارس (المطبعۃ الجدیدۃ، القاہرہ ۱۳۴۶ھ) ۵۰/۱۔
- ۱۲۱۔ ایضاً۔
- 122- Hans wehr; Dictionary of Modern written Arabic, (ed. J.K cowon, New York, 1961), p10
- ۱۲۳۔ عمر فروخ، الاستشرایق والمستشرقون (عدد خاص، مجلۃ المنہل، عدد ۱۷، اپریل، مئی ۱۹۸۹ء) ص ۱۵۔
- ۱۲۴۔ محمد یوسف رامپوری، تحریک استشرایق (مجلۃ ”دارالعلوم“ دیوبند) ص ۳۵-۴۵۔
- 125- Karen Armstrong, Muhammad: A Bibliography of the Prophet (New York, 1992) p25.
- ۱۲۶۔ تحریک استشرایق، ص ۴۲-۴۳۔

۱۲۷۔ ایضاً، ۲۲۔

128- Edward w. saeed, Orientalism(New York, 1978) p 17-18.

۱۲۹۔ السامرائی، عبدالرزاق، الفکر العربی والفکر الاستشراتی (الریاض ۱۹۸۹ء) ص ۳۰۔

۱۳۰۔ الندوی، ابوالحسن علی، الاسلامیات بین کتابات المستشرقین (مؤسسة الرسالة، بیروت ۱۹۸۶ء)

ص ۱۵-۱۶۔

131- Dar Islam 1918 vol.8, pp39-47.

132- University J.Robson. The Isnad in Muslim Tradition (Glasgow oriental society) 1955, vol.xv, p21.

133- Ibid, pp:18

134- Ibid.

135- Schacht, Origins of Muhammeden Jurisprudence, p:36-37.

136- Gold Ziher, Muslim Studies (George Allen & unwin Ltd. 1971, London, vol.2) p 213

۱۳۷۔ الذہبی، میزان الاعتدال، دارالمعرفة بیروت، الطبعة الأولى، ۱۳۵۲ھ/۱۹۶۲ء، ۱/۳۰۴۔

۱۳۸۔ مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح (نور محمد، اصح المطابع، کراچی) ۱/۴۴۔

۱۳۹۔ The Isnad in Muslim Traditions p20-21

۱۴۰۔ Ibid, p.21-22

۱۴۱۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۳۸۳۱، ص ۸۶۷۔

۱۴۲۔ الاعلان بالتوبخ لمن ذم التاريخ، ص ۱۰۔

۱۴۳۔ ابن حزم، کتاب الفصل فی السبل، ۲/۸۲۔

۱۴۴۔ ایضاً۔

۱۴۵۔ التمهید، ۱/۴۵-۵۱۔

۱۴۶۔ الکفاية فی علم الرواية، ص ۴۰۳-۴۰۴۔

147- Ibn-i-Hajar, Al-Isabah (Introduction by Springer) Bishop's College Press Calcutta, 1856.

148- Robson, Ibn-l-lshaq's use of Isnad, Bulletin of the John Rylands library Manchester, March 2, 1956, vol.38, p.449-465.

۱۴۹۔ فتح المغیث شرح الفیہ الحدیث للعراقی، ۳/۳۰۹-۳۱۰۔

علوم الحدیث

محدث و طالب حدیث کے آداب

ادب وہ نعمت الہی ہے جس سے انسانیت اپنی زندگی کو منظم کرتی اور ایسے ضوابط بناتی ہے جس سے اس کی بقا ممکن ہوتی ہے اور اپنی ذمہ داری کو نبھاتی ہے۔ قوموں کی ترقی علم و عمل اور تجربہ کی مرہونِ منت ہے۔ یہ دونوں چیزیں انسانیت کے لئے صرف اس صورت میں مفید ہو سکتی ہیں جب ادب و اخلاق کے ستون پر قائم ہوں۔ بقول شاعر:

لا تحسبن العلم ینفع وحدہ ما لم یُتوج ربہ بخلاق (۱)

”علم اکیلا فائدہ نہیں دیتا جب تک صاحب علم اس کو (اخلاق) بہتری کے ساتھ مزین نہ کرے۔“

ہر قوم کا ایک منہج ہوتا ہے جس پر چل کر وہ اپنے افراد کی تربیت کرتی ہے۔ یہ منہج یا تو وحی الہی سے حاصل ہوتا ہے یا اور لوگوں کو دیکھ کر یا اپنے بڑے لوگوں کی زندگی اپنا کر اختیار کیا جاتا ہے۔ اسلام میں تربیت کا منہج شریعت اسلامیہ اور صاحب الشریعہ کو سامنے رکھ کر مرتب کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام، تابعین، سلف صالحین کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ انہوں نے آنے والی نسلوں کے لئے بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے جس سے افراد اور جماعتیں تربیت حاصل کر سکتی ہیں۔

آداب

علماء اسلام نے عام طور پر اور محدثین نے خاص کر تربیت میں ادب کو بہت اہمیت دی۔ محدثین طالب علم کی حرکات و سکنات کا خیال رکھتے تھے۔ کتب حدیث میں کتاب الادب کے نام سے ایک حصہ مخصوص ہوتا ہے۔ محدثین نے آداب طالب پر طویل بحث کی ہے۔ بعض محدثین نے اس

نام سے الگ کتب لکھیں۔ جیسے امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب ”الادب المفرد“ خطیب بغدادی کی کتاب ”الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع“ اور ابن عبد البر کی ”جامع بیان العلم و فضلہ“ ہیں۔

ادب کی اہمیت کا اندازہ رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے ہوتا ہے: ”ما نحل والد ولده احسن من ادب حسن“ (۲)۔ (کسی والدین نے ادب سے بڑھ کر کوئی تنفعہ اولاد کو پیش نہیں کیا)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”علمنی ربی فأحسن تعلیمی و أدبنی ربی فأحسن تأدیبی“ (۳)، (میرے رب نے مجھے بہترین علم دیا اور بہترین ادب سکھایا)۔ اس کے متعلق محدثین و علماء کے بہت سے اقوال و آثار ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جن صحابہ سے علم حاصل کرتے تھے۔ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت کی سواری کی رکاب کو پکڑ لیا۔ انہوں نے فرمایا: اے ابن عم الرسول کیا کرتے ہو؟ تو فرمایا: ”ہکذا امرنا بعلماءنا و کبراءنا“ (ہمیں اپنے علماء و کبراء سے اس طرح حکم دیا گیا)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تعلموا العلم، و تعلموا له السکینة و الوقار، و تواضعوا لمن تتعلمون منه و لا تكونوا جبابرة العلماء“ (۴) (علم کو حاصل کرو اور اس کے لیے سکون و وقار بھی حاصل کرو اور جن سے تعلیم حاصل کرتے ہو ان کا احترام کرو اور متکبر علماء میں سے نہ بن جاؤ)۔

ابن وہب فرماتے ہیں: ”ما تعلمت من ادب مالک افضل من علمه“ (۵) (میں نے امام مالک سے ادب سے افضل علم حاصل نہیں کیا)۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ان حقا علی من طلب الحدیث ان یکون له وقار و سکینة و خشية و ان یکون متبعا لا ثار من مضی قبله“ (۶) (جو حدیث طلب کرے اس کے لیے وقار، سکون اور خشیت کا ہونا ضروری ہے اور پہلے کے لوگوں کے آثار کی اتباع کرے)۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”کان الرجل یطلب العلم فلا یلبث ان یری ذلک فی تخشعه و ہدیہ و لسانہ و بصرہ و یدہ“ (۷) (جو آدمی علم حاصل کرتا ہے تو اس کا اثر اس کے خشوع میں نظر آئے اور اس کی چال ڈھال اور زبان آنکھ اور ہاتھوں میں محسوس ہو)۔

ابراہیم الحاربی کا قول ہے: ”ینبغی للرجل اذا سمع شینا من آداب النبی ﷺ ان یتمسک به“ (۸) (آدمی کے لیے مناسب ہے کہ جب نبی ﷺ کے آداب میں سے کچھ سنے تو

ان پر عمل کرے۔

محدثین نے تمام آداب کی رہنمائی کی ہے۔ طلب علم کی حرص، اخلاص نیت، اساتذہ کے آداب اور ان کے ہاں جانے کے آداب۔ اساتذہ کرام کا احترام، غور سے ان کی باتوں کو سننا، سن کر لکھنا۔ لکھنے کے آداب و اصول۔ سوال کرنے کے آداب، مجالس کے آداب۔ خواہ استاد پڑھ رہا ہو یا شاگرد پڑھ رہے ہوں۔ مذاکرہ ہو رہا ہو یا اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہو۔ صرف سماع کے لیے آیا ہو یا مستملى ہو۔ کسی سے اگر کتاب عاریتاً لی ہے تو اس کے کیا آداب ہیں، واپس کس طرح کرنی ہے۔ اس کا خیال کس طرح سے رکھنا ہے۔ ان تمام چیزوں کی تفصیل احوال محدثین اور کتب میں موجود ہیں۔ محدثین نے ان تمام معاملات میں تربیت طلاب کا ہر لحاظ سے خیال رکھا اور ان کی توجہ اور دلی رجحان کا بھی خیال رکھا۔ ان کو کس طرح پیار اور خوش طبعی سے متوجہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق میں مزاح تھا ”انہ کان یمزح ولا یقول الا حقاً“ (۹) (آپ ﷺ مزاح کرتے تھے لیکن کہتے حق ہی تھے)۔

اخلاق:

محدثین نے طلباء کو برے اخلاق سے روکنے اور بہترین اخلاق سے مزین کرنے کے لئے تنبیہات کی ہیں۔ محدثین کی مجالس علم کے ساتھ ساتھ خوش مزاجی کی مجالس تھیں۔ ان کا اختتام اچھی حکایات، اشعار، ادب و زہد اور مخلوق کے عجائبات پر ہوتا تھا۔ ان کی مجالس خشک نہ ہوتی تھیں۔ اصل مقصد علم کو ان تک صحیح انداز سے پہنچانا ہوتا ہے۔

صرف علم سے قوموں کی تربیت نہیں ہوتی۔ تربیت کے لیے نمونہ پیش کرنا اور ساتھ ساتھ ترغیب دینا ضروری ہے۔ تربیت ایسے آداب کی حامل ہوتی ہے جس میں فرد کے تمام اعمال کا خیال رکھا جاتا ہے۔ لوگوں سے اس کے تعلقات کیسے ہیں؟ مسلمان اس تربیت کی وجہ سے اور لوگوں سے ممتاز ہیں۔ اس کی وجہ سے کئی لوگ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ تربیت میں اعتدال ضروری ہے۔ یہ امت ہی امت وسط ہے۔ تربیت کے لیے معلم کا خود عمل کرنا ضروری ہے اور ڈاکٹر کی طرح اپنے طالب علم کی طبیعت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اگر استاد اس بات کا خیال نہ کرے کہ طلباء کی حالت کیا ہے تو علم سیکھ کر بھی ایسے طلباء و طالبات، استاد اور معاشرے کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے:

علمته الرماية کل يوم فلما اشتد ساعده رمانی
و کم علمته نظم القوافی فلما قال قافیہ هجانی (۱۰)

(میں نے ہر روز اسے تیر اندازی سکھائی۔ جب اس کا نشانہ صحیح ہو گیا تو مجھے ہی نشانہ بنایا۔ میں نے اس کو نظم لکھنا سکھایا۔ جب قافیہ بنانے لگا تو اس نے میری ہی ہجو کی)۔
یہ باتیں طلباء میں عدم تربیت، حسد، سوء ظن، والدین کی لاپرواہی اور اساتذہ میں عملی کمی کی وجہ سے صادر ہوتی ہیں۔ شاعر کہتا ہے:

وینشأ ناشیء الفتیان منا علی ما کان عودہ أبوه

(ہمارا نوجوان اس چیز پر پرورش پاتا ہے جس کی عادت والدین ڈالتے ہیں)۔

طالب حدیث کے آداب سے مراد وہ بلند و عالی آداب اور مطلوب علم یعنی رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے شرف و مقام کے مناسب عمدہ اخلاق ہیں جن کے ساتھ اس طالب علم کو متصف ہونا چاہیئے۔ طالب حدیث کے لیے چند عمدہ اوصاف و آداب یہ ہیں:

۱۔ نیت کا خالص ہونا:

طلبا کا علم حدیث کے حصول کے لیے خالص نیت ضروری ہے۔ محدثین کرام ان باتوں کا خاص خیال کرتے۔ علامہ ابواسحاق شاطبی فرماتے ہیں ”کل علم شرعی فطلب الشارع له ان یکون من حیث هو وسیلة إلى التعبد به لله تعالى، لا من جهة أخرى“ (۱۱) (ہر شرعی علم کے لیے صاحب شریعت ﷺ اللہ کے لیے خلوص کا مطالبہ کرتے ہیں کسی اور فائدہ کے لیے وہ علم نہیں ہوتا)۔

تمام معاملات کی طرح عبادت کے لیے بھی اخلاص ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وما امروا الا لیعبدوا الله مخلصین له الدین حنفاء ویقیموا الصلوة ویؤتوا الزکوة وذلک دین القیمۃ“ (۱۲) (انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں۔ یک طرفہ ہو کر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں یہی دین درست اور مضبوط ہے)۔ اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ”انما الاعمال بالنیات“ (۱۲-۱) (تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے)۔

علم حدیث ہی وہ ذریعہ ہے جس سے قرآن اور دین الہی کی تشریح و توضیح ہوتی ہے اور یہ تمام اعمال سے افضل عمل ہے۔ حضرت سفیان الثوری فرماتے ہیں: ”ما اعلم عملاً هو الفضل من طلب الحدیث لمن اراد الله تعالیٰ“ (۱۳) (میں اللہ کی رضا کے لیے حاصل کئے ہوئے علم حدیث سے بڑھ کر کوئی عمل بہتر نہیں سمجھتا)۔ اگر طلب حدیث کی نیت صرف دنیا کے اغراض و مقاصد

کے لیے ہو تو رسول اللہ ﷺ نے سخت وعید سنائی ہے ”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من تعلم علما مما یتغی بہ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامۃ (۱۴) (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایسا علم سیکھا جس سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہو وہ اس نیت سے حاصل نہیں کرتا مگر اسے دنیا کے کسی فائدے کے لیے سیکھتا ہے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں پائے گا) اور حماد بن سلمہ فرماتے ہیں ”من طلب الحدیث لغير اللہ مکر بہ“ (۱۵) (جس نے غیر اللہ کے لیے حدیث کا علم حاصل کیا۔ وہ اس (علم) کے ساتھ سازش کر رہا ہے)۔

تخلیق انسانی کے مقصد کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون“ (۱۶) (میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے) انسان کو اپنا مقصد تخلیق ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے۔ نیت کی صفائی کے بغیر کوئی صالح عمل ممکن نہیں۔ محدثین کے ہاں نیت بہت اہم چیز ہے۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کی ابتداء ”انما الاعمال بالنیات“ سے کی ہے تاکہ طالب علم اپنی نیت کو علم کے لئے خاص کرے۔ اس سے اس کی محنت میں برکت اور اس کا مقصد پورا ہوگا وہ ہمیشہ اللہ کی حفاظت اور معیت میں ہوگا۔ فرشتے اس کے پاؤں کے نیچے پر بچھائیں گے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”من سلك طريقا يطلب فيه علما سلك الله به طريقا من طرق الجنة، وان الملائكة لتضع اجنحتها رضا لطالب العلم و ان العالم لیستغفر له من فی السموات و الارض و الحیتان فی جوف الماء...“ (۱۷) (جو علم حاصل کرنے کے کسی راستہ پر چلے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستے پر چلائے گا۔ بے شک فرشتے طالب علم کے لیے پر بچھاتے ہیں۔ عالم کے لیے جو کچھ آسمانوں و زمین میں ہے استغفار کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ پانی میں مچھلیاں بھی اس کے لیے استغفار کرتی ہیں۔۔۔)۔

محدثین نے نیت کے متعلق بہت تنبیہات فرمائی ہیں۔ لوگوں کو اس وجہ سے عذاب ہوگا کہ ان کی نیت صاف نہ ہوگی۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”من طلب العلم لیجاری بہ العلماء او لیماری بہ السفهاء او یصرف وجوه الناس إلیہ أدخله الله النار“ (۱۸) (جو علم کو اس لیے طلب کرے کہ علماء سے مقابلہ کرے اور نادانوں کے ساتھ جھگڑا کرے یا یہ چاہے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل کرے گا)۔

۲۔ ضیاع وقت کا خیال:

طالب حدیث، وقت سے صحیح فائدہ اٹھائے۔ ہر چیز کے لئے مناسب وقت کا خیال کرے۔ طلب حدیث کے لیے نکلنے کے اوقات، لکھنے کے اوقات، ساتھیوں کے مذاکرہ کے اوقات، ملاقات کے اوقات، کھانے کے اوقات، لکھنے کا سامان تیار کرنے کے اوقات وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں محدثین نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی زندگی سے حاصل کیں۔ محدثین نے طلب حدیث کے لئے صبح کے وقت نکلنے کو ترجیح دی ہے۔ صبح کی اپنی اہمیت ہے۔ معنوی لحاظ سے اور حسی لحاظ سے اللہ نے اس میں برکت اور نفع رکھا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے صبح کے وقت کے لیے دعا کی ہے۔ حضرت صخر الغامدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللھم بارک لا متی فی بکورھا“ (۱۹) (اے اللہ میری امت کی صبح کے وقت میں برکت کر دے)۔ اس حدیث کے متعلق حضرت نافع نے اپنے استاد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: ”فسی طلب العلم والصف الاول“ (۲۰) (علم حاصل کرنے اور پہلی صف میں پہنچنے میں برکت ہے)۔ یہ حدیث تمام دنیاوی معاملات کے متعلق ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے صرف اہم امور کا ذکر کیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صبح کی اہمیت کے پیش نظر فرمایا: اس کی کئی حسی برکتیں ہیں۔ اس وقت کا نفع ظاہر ہے۔ آدمی نیند اور آرام کے بعد تمام کام کرنے کے لئے مستعد ہوتا ہے۔ اس کی پوری تیاری ہوتی ہے۔ عقلی، جسمانی اور ذہنی لحاظ سے وہ تیار ہوتا ہے۔ تمام کاموں کو پوری توجہ سے کر سکتا ہے۔ طلب علم میں ہر لحاظ سے ذہن تیار ہونا ضروری ہے۔

شریک بن عبداللہ النخعی کوفہ کے قاضی بیان کرتے ہیں۔ میں نے ابو اسحاق السبعی کے ساتھ ایک ہزار مرتبہ صبح کی نماز پڑھی، جب وہ علم حدیث حاصل کرتے تھے۔ یہ ان کی عمر کے تقریباً ۳۰ سال بنتے ہیں (۲۱)۔ شریک سے پوچھا گیا آپ کی احادیث بالکل صحیح کیوں ہیں؟ تو اس نے جواب دیا ”لترکی العصائد بالغدوات“ (۲۲) (صبح کے وقت کے کھانے چھوڑنے کی وجہ سے) وہ کھانوں کی بجائے علم حدیث طلب کرتے تھے)۔

صاحب جرح و تعدیل ابو حاتم رازی کا اس کے متعلق عجیب قصہ ہے۔ وہ اپنے وطن ”ری“ جو کہ اب ایران کے شمالی حصہ میں ہے، سے طلب حدیث کے لیے مصر گئے اور سات ماہ رہے۔ وہ کچھ کھانا نہ کھاتے تھے۔ تمام دن اساتذہ کی مجالس کے لئے مخصوص تھا اور رات لکھنے اور اس کے تقابل کرنے کے لیے مخصوص تھی۔ ایک دن کسی دوست کے ساتھ کسی استاد سے حدیث سننے گئے تو پتہ

چلا کہ وہ بیمار ہیں۔ واپس آ گئے۔ راستے میں ایک مچھلی دیکھی اچھی لگی تو خرید لی۔ جب گھر گئے تو کسی استاد کی مجلس حدیث کا وقت ہو گیا۔ مچھلی کو درست نہ کر سکے۔ مجلس کی طرف چلے گئے۔ اس حال میں کہ تین دن گزر گئے۔ اس کے خراب ہونے کا خطرہ تھا۔ اس کو کچا ہی کھا لیا۔ اس کو پکانے کے لئے کسی کو دینے کا وقت بھی نہ تھا۔ پھر فرمایا: ”لا یستطاع العلم براحة الجسد“ (۲۳) (جسم کو آرام دینے سے علم حاصل نہیں کیا جاتا)

محدثین حفظ اور مذاکرہ کا وقت رات کا آخری حصہ رکھتے تھے۔ احمد بن فرات کہتے ہیں ”لم یزل شیوخنا یدکرون اشیاء فی الحفظ فاجمعوا علی انه لیس شیء ابلغ فیہ الا کثرة النظر وحفظ اللیل غالب علی حفظ النہار“ (۲۴) (ہمارے اساتذہ حفظ کے متعلق بعض اشیاء کا ذکر کرتے رہے ان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس معاملہ میں کثرت نظر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ رات کا حفظ دن کے حفظ پر غالب ہے)۔

اسماعیل بن ابی اویس نے اپنے شاگردوں کو وصیت کی: ”اذا هممت ان تحفظ شیئا فقم عند السحر، فاسرج وانظر فیہ فانک لا تنساہ بعد ان شاء اللہ“ (۲۵) (جب آپ کسی چیز کو حفظ کرنے کا ارادہ کریں تو سو جائیں اور صبح کے وقت اٹھیں) (آخری حصہ رات کا) چراغ جلائیں اور اسے دیکھیں پھر کبھی نہ بھولیں گے۔ ان شاء اللہ)۔

عمرو بن دینار نے نیند، نماز اور مذاکرہ حدیث کے لئے رات کو تقسیم کیا ہوا تھا (۲۶)۔ ہر ایک چیز کا وقت مقرر تھا۔ بلکہ بیماری کی حالت میں بھی وہ کتابوں کو پڑھتے۔

شاعر کتب کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

اذا مرضنا تد اوینا بذکر کم ونترک الذکر احیاناً فنتکس (۲۷)

(جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو آپ کو یاد کر کے علاج کرتے ہیں جب آپ کی یاد چھوڑ دیتے ہیں تو دوبارہ بیمار ہو جاتے ہیں)۔

وقت کا خیال ضروری ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ”انّی لامقت الرجل ان اراه فارغاً، لیس فی شیء من عمل الدنیا ولا عمل الآخرة“ (۲۸) (میں کسی آدمی کو دنیا و آخرت کے اعمال سے فارغ دیکھتا ہوں تو ناراض ہوتا ہوں)۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت کی جب انہیں خلیفہ بنایا ”ان للہ حقاً فی اللیل لا یقبلہ فی النہار، و ان للہ حقاً فی النہار لا یقبلہ فی اللیل“ (۲۹) (اللہ کے بعض حقوق رات کے ہیں جو وہ دن کو قبول ہیں اور بعض حقوق دن کے ہیں ان کو رات کو قبول

نہیں کرتا ہے)۔ وقت پر کام کرنا ان کی عادت تھی۔

علامہ نیشاپوری قرآن مجید کی آیت ”والعصر ان الانسان لفي خسر“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں ”لا شيء انفس من العمر“ (۳۰) (عمر سے بڑھ کر کوئی چیز نفیس نہیں ہے)۔ امام رازی فرماتے ہیں ”زمانہ مکاں سے زیادہ اعلیٰ و اشرف ہے اس لیے اس کی اللہ نے قسم کھائی“ (۱-۳۰)۔ حدیث میں ہے ”عن ابي برزة الاسلمي ان رسول الله ﷺ قال: لا تزول

قدما عبد يوم القيامة حتى يسأل عن عمره فيما أفناه وعن علمه فيما فعل وعن ماله من اين اكتسبه وفيما انفق وعن جسمه فيما ابلاه“ (۳۱) (حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن آدم کے قدم قیامت کے روز نہ حرکت کر سکیں گے۔ یہاں تک کہ اس سے پوچھا جائے گا۔ اس نے اپنی زندگی کس طرح گزاری۔ اور علم پر کیا عمل کیا۔ اور مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور جسم کے متعلق سوال ہوگا کہ اسے کن کاموں میں لگایا)۔

۳۔ طلبِ حدیث کا آغاز:

طلبِ حدیث کا آغاز مستند عالم سے کرنا چاہیے۔ امام ابن سیرین فرماتے ہیں ”ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذون دينكم“ (۳۲) (بیشک یہ علم دین ہے سو دیکھا کرو کہ کن لوگوں سے تم اپنا دین حاصل کرتے ہو)۔

دمشق یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب آداب طالب حدیث کے زیر عنوان لکھتے ہیں ”وعلى الطالب ان يتحمل عن الشيوخ الثقافات“ (۳۳) (طالب علم کو مستند عالموں سے حدیث حاصل کرنا لازمی ہے) اور حضرت عقبہ بن نافع نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی ”يا بني لا تقبلوا الحديث عن رسول الله ﷺ الا من ثقة“ (۳۴) (اے میرے بیٹو! رسول اللہ کی حدیث کسی معتمد آدمی سے ہی لیا کرو)۔

انسان کی علم کے بغیر مسئلہ بتانے اور غیر معتمد لوگوں سے حدیث لینے سے بڑی جہالت اور کیا ہوگی؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت قاسم بن محمد جو اپنے دور کے سب سے بڑے عالم تھے بجا فرماتے ہیں ”اقبح من الجمل ان اقول بغير علم او احدث من غير ثقة“ (۳۵) (میں اونٹ سے بدتر ہوں گا اگر بغیر علم کے کوئی بات کہوں یا غیر معتمد سے حدیث بیان کروں)۔ ایک اور جگہ انہیں سے منقول ہے: ”لا تاخذوا الحديث عن رسول الله ﷺ الا عن ثقة“ (۳۶) (تم رسول اللہ ﷺ سے روایت کردہ حدیث اسی شخص سے لیا کرو جو ثقہ ہو)

خليفة راشد سيدنا علي المرتضى رضي الله عنه فرماتے ہیں: ”اذا كتبتم الحديث فاكتبوه
اسنادہ فان یک حقا کنتم شرکاء فی الاجر وان یک باطلا کان وزره
لیہ“ (۳۷) (جب تم کوئی حدیث لکھو تو اسے اس کی سند کے ساتھ لکھا کرو اگر وہ صحیح ہوگی تو تم اس
لے اجر و ثواب میں شریک ہوں گے اگر روایت غلط ہوگی تو اس کا گناہ اس راوی پر ہی ہوگا)۔
صحابہ سے روایت کرنے والا راوی اگر کمزور بھی ہو تو اس سے اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والا کمزور راوی دین کے لیے وجہ خلفشار ہو سکتا ہے۔ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرنے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس لئے علم حدیث صرف ثقہ
متقدم عالم سے حاصل کرے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی لوگ پوچھتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حدیث
ان فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا: ”انت سمعته من رسول الله؟“ تو حضرت انس کو سخت
صدمہ آیا اور کہا ”والله ما کل ما نحدثکم سمعناه من رسول الله، ولكن يحدث بعضنا
بعضا، ولا یتهم بعضنا بعضا“ (۳۸) (اللہ کی قسم تمام وہ احادیث جو رسول اللہ سے ہم روایت
کرتے ہیں، ضروری نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے خود سنی ہوں بلکہ ایک دوسرے سے سن کر بھی
روایت کرتے ہیں کیونکہ ہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو جھوٹ نہیں بیان کرتا)

۴۔ محدث اساتذہ کے ہاں جانے کے آداب:

معروف محدث، مفسر لغوی ابو عبید قاسم بن سلام فرماتے ہیں: میں محدث کے ہاں (گھر)
جائز لے کر فوراً نہ جاتا تھا بلکہ انتظار کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ خود گھر سے باہر آئیں۔ اللہ تعالیٰ کے
اس قول کی تاویل کرتا تھا۔ ”لوا انهم صبروا حتی تخرج الیهم لکان خیرا لهم“ (۳۹)
اگر وہ آپ کے ان کی طرف تشریف تک صبر کریں تو ان کے لیے بہتر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی میں نے
ایک انصاری آدمی سے کہا آؤ صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھیں وہ ان دنوں زیادہ ہیں تو وہ کہنے لگا۔ ابن
عباس رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ پر تعجب ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا خیال ہے لوگوں کو آپ رضی اللہ عنہ کے علم کی ضرورت ہوگی
حالانکہ صحابہ کرام میں بڑے بڑے لوگ ہیں۔ اس نے علم حاصل کرنا چھوڑ دیا لیکن میں صحابہ
رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کے متعلق پوچھتا رہتا۔ مجھے کسی صحابی سے حدیث کے متعلق پتہ چلتا تو میں
اس کے دروازے پر رہتا جبکہ وہ قیلولہ کر رہا ہوتا تھا۔ میں اپنی چادر کا تکیہ بنا کر اس کے دروازے پر

بیٹھا رہتا۔ ہوا مجھ پر مٹی پھینکتی۔ جب وہ نکلتا تو کہتا: اے ابن عم الرسول ﷺ، آپ رضی اللہ عنہ کیوں تشریف لائے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے پیغام کیوں نہ بھیجا، میں خود آتا۔ میں کہتا: میں اس بات کا زیادہ حق دار ہوں کہ میں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آؤں پھر میں ان سے حدیث کا سوال کر لیتا۔ یہ انصاری زندہ رہا یہاں تک کہ اس نے مجھے دیکھ لیا کہ لوگ میرے ارد گرد جمع ہوتے اور مجھ سے سوال کرتے تھے۔ تو، (انصاری) کہتا یہ نوجوان مجھ سے زیادہ عقل مند ثابت ہوا (۴۰)۔

۵۔ اساتذہ کا احترام:

ہر طالب علم کو اساتذہ کا احترام کرنا چاہیے۔ خصوصاً حدیث کے طالب علم پر لازم ہے کہ اپنے استاذ کا بہت احترام کریں۔ امام زہری جو فن حدیث کے مدون اول ہیں۔ اپنے استاذ کا بے انتہا احترام کرتے تھے۔ درس حدیث سے پہلے اپنے استاذ کا ایک باغ سینچتے اور کنویں سے ڈول بھر بھر کر پانی نکالتے اور یہ عمل روز کرتے (۴۱)۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ اختلاف رائے کے باوجود، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی بے حد تعظیم فرماتے، ایک شخص نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں کچھ گستاخانہ سوال کیا۔ آپ نے اس کی سرزنش کی (۴۲)۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ خود بھی احترام اساتذہ میں بے نظیر تھے۔ فرماتے ہیں: میری عمر گزر گئی لیکن اس مدت میں میں نے کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جس میں والدین کے ساتھ اساتذہ کے لیے دعائے کی ہو (۴۳)۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی اپنے استاذ امام شافعی رحمہ اللہ کے لیے ہمیشہ دعائیں فرماتے تھے (۴۴)۔

معروف۔ محدث سفیان بن عیینہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد کی نصیحت تھی کہ اپنے اساتذہ کی خدمت و اطاعت کو واجب سمجھوں، اس لئے میں اساتذہ کی خدمت میں مشہور تھا، میرے والد کا مقولہ ہے "لن یسعد بالعلماء الا من اطاعهم فاطعهم تسعد واخدمهم تقبیس من علمهم" (۴۵) (علماء سے وہی فیض اٹھائے گا جو ان کی اطاعت کرے گا ان کی اطاعت کرو سعادت حاصل ہوگی۔ ان کی خدمت کرو ان کے علم سے (فیض) حاصل کرو گے)۔ شاعر کہتا ہے:

رایت احق الحق المعلم اوجبه حفظا علی کل مسلم

لقد حق ان یهدی الیہ کرامتہ لتعلیم حرف واحد الف درهم

(میں نے دیکھا استاذ کا حق سب حقوق سے بڑھ کر ہے اور ہر مسلمان کو اس کا لحاظ ضروری

ہے اور استاذ تو اس لائق ہے کہ اس کے احترام میں ایک ایک حرف پر ہزاروں درہم نذر کئے جائیں)۔

۶۔ ذوق علم و مطالعہ

امام ابن شہاب زہری بہت بڑے تابعی ہیں۔ امام مالک اور سفیان ثوری جیسے محدث ان کے شاگرد ہیں۔ امام موصوف کے مطالعہ کا یہ حال تھا کہ جب اپنے گھر میں کتب بنی کے لیے بیٹھ جاتے ہیں تو ایسے مصروف ہو جاتے ہیں کہ ان کو کسی چیز کی کچھ خبر نہ رہ جاتی۔ ایک دن ان کی بیوی نے تنگ آ کر کہہ دیا۔ خدا کی قسم یہ کتابیں مجھ پر تین سو کنوں سے بھی زیادہ بھاری ہیں (۴۶)۔

امام احمد بن محمد کے بارے میں ابن حجر لکھتے ہیں ”کان مکبا علی الاشتغال حتی عرض له وجع المفاصل بحيث کان الثوب اذا لمس جسمه المہ ومع ذلک معه کتاب ينظر إليه وربما انكب علی وجهه وهو يطالع“ (۴۷) (رات دن کے کثرت مطالعہ سے جوڑوں میں درد کی تکلیف ایسی ہو گئی کہ جسم پر کپڑا چھو جانے سے بھی تکلیف ہوتی تھی۔ اس کے باوجود مطالعہ میں کتاب رہتی تھی۔ جس کا مطالعہ کرتے ہوئے کبھی کبھی چہرہ کے بل گر پڑتے)۔

علامہ سید رشید رضا صاحب ”تفسیر المنار“ اپنے وطن میں تعلیم پا کر فارغ التحصیل ہو چکے تو آپ کو سید جمال الدین افغانی کے رسالہ ”العروة الوثقی“ کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ رشید رضا نے فوراً عزم کر لیا کہ اپنی زندگی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت پر وقف کر دیں گے، رشید رضا نے اپنا پیام سید جمال الدین افغانی کو بھیجا مگر جواب دینے سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔ اب ان کے شاگرد شیخ محمد عبدہ مصری موجود تھے۔ رشید رضا نے طے کیا کہ مصر جائیں گے اور محمد عبدہ کی صحبت اختیار کریں گے۔ شادی ہو چکی تھی۔ بیوی سے اپنا ارادہ ظاہر کیا وہ سفر کے لیے راضی نہ ہوئی۔ رشید رضا نے بیوی کو طلاق دی اور محمد عبدہ کی خدمت میں مصر کو روانہ ہو گئے (۴۸)۔ اولوالعزم لوگوں نے کبھی بیوی بچوں کی پرواہ نہیں کی۔

امام رازی کو کھانے کے وقت علمی شغل و کتب بنی کا موقع فوت ہونے پر افسوس ہوتا تھا، فرماتے ہیں۔ ”واللہ انی لا تأسف فی الفوات عن الاشتغال بالعلم وقت الاکل، فان الوقت و الزمان عزیزان“ (۴۹) (اللہ کی قسم میں علم چھوڑ کر کھانے کے لیے وقت لگانے پر بھی افسوس کرتا ہوں وقت اور زمانہ دونوں قیمتی ہیں)۔ معلوم ہوا کہ مطالعہ چھوڑ کر کھانا کھانے میں جو وقت خرچ ہوتا تھا۔ اس پر امام کو تاسف ہوتا تھا اور آج جس قدر وقت ہمارے طلباء ضائع کرتے ہیں ویسے ہی وقت ان کو ضائع کر رہا ہے۔

مسٹر آرنلڈ جو علامہ اقبال رحمہ اللہ و علامہ شبلی رحمہ اللہ کے استاد تھے، موصوف علی گڑھ میں فلسفہ

کے پروفیسر تھے۔ ان کے وطن جانے کے موقع پر شبلی رحمہ اللہ بھی ساتھ گئے۔ بمبئی میں جہاز پر سوار ہوئے جب جہاز عدن پہنچ کر آگے بڑھا تو جہاز کا انجن ٹوٹ گیا، جہاز کے ملازمین اور کپتان گھبرائے گھبرائے تدبیریں کرتے تھے، انجن بالکل بے کار ہو چکا تھا، جہاز سست رفتار ہو گیا، عین اسی حالت میں شبلی بصد اضطراب دوڑتا ہوا مسٹر آرنلڈ کے پاس پہنچا۔ دیکھتا ہے کہ وہ نہایت اطمینان سے کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ شبلی رحمہ اللہ نے کہا آپ کو کچھ خبر بھی ہے؟ بولے، کہ ہاں انجن ٹوٹ گیا ہے، شبلی نے کہا ایسی حالت میں یہ کتاب دیکھنے کا موقع ہے؟ جواب ملا ہے ”جہاز کو اگر برباد ہی ہونا ہے تو یہ تھوڑا سا وقت اور بھی قدر کے قابل ہے“ (۵۰)۔

۷۔ تکرار و مذاکرہ:

حدیث کے طالب علم کو روز کے سبق دھرانا چاہیے اور آپس میں مذاکرہ کرنا چاہیے۔ حضرت جعفر بن محمد فرماتے ہیں ”القلوب ترب والعلم غراسها، المذاكرة ماؤها، فاذا انقطع عن الترب ماؤها، جف غراسها“ (۵۱) (دل زمین ہے علم پودا ہے مذاکرہ پانی ہے جب زمین سے پانی کا انقطاع ہو جائے تو اس کا پودا سوکھ جائے گا)۔

علامہ ابواسحاق شیرازی کا معمول تھا کہ اپنے اساتذہ سے روز جو کچھ حاصل کرتے تھے اس کو گھر جا کر بلاناغہ روزانہ سو بار تکرار کر کے حفظ تک پہنچا دیتے۔ آپ مشہور کتاب ”مہذب“ کے مصنف ہیں۔ جس پر چودہ برس کا زمانہ آپ نے صرف کیا (۵۲)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب فرماتے ہیں: ”تذاوروا وتذاکروا هذا الحديث ان لا تفعلوا یندرس ای ینسی“ (ایک دوسرے کو ملا کرو اور علم حدیث کا مذاکرہ کرو، اگر ایسا نہ کرو گے تو بھول جائے گا)۔

عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں ”انما مثل صاحب الحديث بمنزلة السمسار، اذا غاب عن السوق خمسة ايام تغیر بصره“ (۵۳) (صاحب حدیث کی مثال منظم بازار ہے جب وہ بازار سے پانچ دن تک غائب ہو جائے تو اس کی نظر بدل جاتی ہے، یعنی اس کو چیزوں کے متعلق معلومات نہیں رہتی)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک فرماتے ہیں: ”کنا نكون عند النبی ﷺ فنسمع منه الحديث فاذا قمنا تذاکرنا فیما بیننا حتی نحفظه“ (۵۴) (جب ہم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ہوتے تو آپ ﷺ سے حدیث سنتے تھے جب آپ ﷺ کی مجلس سے اٹھتے تو آپس

میں مذاکرہ کرتے یہاں تک کہ اسے یاد کر لیتے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”تحدثوا وتذاکروا، فان الحدیث یدکر بعضہ بعضا“ (۵۵) (تم حدیث بیان کرو اور مذاکرہ کرو بیشک حدیث بعض، بعض کو یاد دلاتی ہیں)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”اذا سمعتم منی حدیثا فتذاکروہ بینکم“ (۵۶) (جب مجھ سے کوئی حدیث سنے تو اس کا مذاکرہ کرو)۔

ابراہیم اصہبان فرماتے تھے: ”کل من حفظ حدیثا فلم یداکرہ تفلت سنہ“ (۵۷) (ہر اس شخص سے حدیث ضائع ہو جاتی ہے جو یاد کرنے کے بعد مذاکرہ نہیں کرتا)۔ مندرجہ بالا اقوال ذکر کرنے کے بعد خطیب بغدادی لکھتے ہیں: ”واذا لم یجد الطالب من یداکرہ، أدام ذکر الحدیث مع نفسه، وکرہ علی قلبہ“ (۵۸) (مذاکرہ کرنے کے لیے کوئی طالب علم نہ ملے تو اپنے نفس کے ساتھ حدیث کا مذاکرہ کرے اور دل میں دہرائے)۔ شاعر نے عبداللہ ابن مبارک کی مجلس کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

ما لذتی الا رواۃ مسند قد قیدت بفصاحة الالفاظ
ومجالس فیہا تحل سکینة ومذاکرات معاشر الحفاظ
نالوا الفضيلة والکرامة والنهی من ربهم برعاية وحفاظ

(مجھے مسند کی روایت میں لذت محسوس ہوتی ہے جس میں الفاظ کی فصاحت ہو۔ ایسی مجالس میں لذت محسوس ہوتی ہے جس میں سکینت اترتی ہو۔ اور حفاظ لوگوں سے مذاکرات میں لذت آتی وہ اللہ کی طرف سے فضیلت اور کرامت اور عقل پاتے ہیں اور ان کا خیال رکھا جاتا ہے اور حفاظت کی جاتی ہے)۔

۸۔ عمل:

علم حدیث حاصل کرنے کے ساتھ اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر صرف اسے حاصل کرتے رہے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس لئے سلف صالحین حدیث کو یاد رکھنے کے لیے اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ جلیل القدر محدث ابراہیم بن اسماعیل فرماتے ہیں ”کنا نستعین بالحدیث علی حفظہ بالعمل“ (۵۹) (ہم حدیث کو یاد کرنے کے لیے عمل سے مدد لیتے تھے)۔ یعنی حدیث پر فوراً عمل کرتے تھے اس سے ہمیں حدیث یاد رہتی تھی۔

امام شعبی بھی یہی فرماتے ہیں: ”کنا نستعین علی حفظ الحدیث بالعمل بہ وکنا نستعین علی طلبہ بالصوم“ (۶۰) (ہم حدیث یاد کرنے کے لیے اس عمل کرنے سے (حفظ میں)

مدد لیتے اور حدیث تلاش کرنے کے لیے روزہ سے مدد لیتے تھے۔

حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں ”ویل لمن لا یعلم ولا یعمل مرة ویل لمن یعلم ولا یعمل سبع مرات“ (اس شخص کو ”ہلاکت“ ایک مرتبہ ہے جو جانتا بھی نہیں، عمل بھی نہیں کرتا اور اس شخص کے لئے سات مرتبہ ہلاکت ہے جو جانتا ہے اور عمل نہیں کرتا ہے)۔

بے عمل خطیب کی تقریر بھی بے اثر ہوتی ہے۔ حضرت مالک بن دینار کہتے ہیں ”ان العالم اذا لم یعمل زلت موعظته عن القلوب کما یزل القطر عن الصفا“ (۶۱) (بے عمل عالم کی نصیحت (وعظ) دلوں سے ایسے اتر جاتی ہے جیسا کہ پہاڑ کے پتھر سے بارش کا قطرہ)۔

زیاد بن ابی سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اذا خرج الکلام من القلب وقع فی القلب واذا خرج من اللسان لم یجاوز الاذان“ (۶۲) (جب بات دل سے نکلے تو دل میں اتر جاتی ہے اور جب زبان سے نکلے تو کانوں سے تجاوز نہیں کرتی)۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”تعلموا العلم واعملوا به ولا تتعلموا لتجملوا به فانه یوشک ان طال بکم زمان ان یتجمل بالعلم کما یتجمل الرجل بشوبه“ (۶۳) (علم حاصل کرو اور اس پر عمل کرو، اور علم کو خوبصورتی کے لئے حاصل نہ کرو۔ قریب ہے اگر تمہاری عمر لمبی ہو جائے تو دیکھو گے کہ آدمی کی علم سے اس طرح خوبصورتی حاصل کی جائے گی جس طرح آدمی کپڑے سے خوبصورتی حاصل کرتا ہے)۔

۹۔ حفظ و ضبط:

طالب حدیث کے لیے ضروری ہے کہ حدیث اللہ کی رضا مسلمانوں کو نصیحت اور آگے پہنچانے کے لیے یاد کرے۔ علامہ محمد مجد الدین فیروز آبادی جس پایہ کے شخص تھے وہ ان کی تصنیف ”قاموس“ سے ظاہر ہے تیمور لنگ جب علامہ فیروز آبادی سے ملتا تو نہایت تعظیم سے پیش آتا۔ لیکن یہ بلند پایہ مقام ان کو بلا کوشش حاصل نہ ہوا تھا۔ خود ان کا بیان ہے کہ ہر روز میں جب تک دوسو سطریں نہ حفظ کر لیتا رات کو آرام نہ کرتا۔ یہ شوق سفر میں بھی قائم رہتا (۶۴)۔

امام زہری رحمہ اللہ کے متعلق منقول ہے کہ بعض خلفائے ابن شہاب زہری کو بلوا کو چار سو حدیثیں لکھوائیں۔ ایک مدت کے بعد خلیفہ نے امام زہری کو بلوایا اور کہا کہ وہ رسالہ گم ہو گیا ہے پھر سے لکھا دیجیے تو امام نے لکھوا دیں۔ جب پہلے رسالہ سے ان کا مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف تک کی کمی بیشی نہ تھی (۶۵)۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے ذوق ضبط و حفظ کا اندازہ اس واقعہ سے کر سکتے ہیں کہ جب امام بخاری بغداد میں رونق افروز ہوئے تو آپ کے کمال و ذکاوت و حافظہ کا جو غلغلہ تھا بغداد کے محدثین نے اس کا امتحان لینا چاہا۔ چنانچہ اصحاب حدیث نے سو حدیثوں کی اسناد و متون الٹ پلٹ کر آپ کے سامنے پیش کیں امام بخاری نے ہر متن کو اس کی اصل سند کے ساتھ اور ہر سند کو اس کے اصلی متن کے ساتھ ملحق کر کے ترتیب وار سنادیا: ”فاقر الناس له بالحفظ واذ عنواله بالفضل“ (لوگوں نے امام بخاری کے حفظ کا اقرار کیا آپ کی فضیلت کے آگے جھک گئے) (۶۶)۔

امام بخاری نے لاکھوں حدیثیں یاد کر رکھی تھیں۔ خود فرماتے ہیں: ”احفظ مائة الف حدیث صحیح و احفظ مائتی الف حدیث غیر صحیح“ (۶۷) (مجھے ایک لاکھ صحیح روایات یاد ہیں اور دو لاکھ غیر صحیح روایات یاد ہیں)۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے رفقاء درس بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری ہمارے ساتھ بصرہ کے شیوخ حدیث کے پاس جاتے تھے۔ ہم سب احادیث قلم بند کر لیتے تھے اور وہ کسی حدیث کو نہیں لکھتے تھے۔ سولہ سترہ دن جب اسی حالت میں گزر گئے تو ہم نے ان کو ملامت کی کہ جب تم احادیث کو ضبط تحریر میں نہیں لاتے تو اس طرح وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟ امام بخاری نے فرمایا کہ جو کچھ ان سولہ سترہ دنوں میں، میں نے شیخ سے سنا ہے مجھے بخوبی یاد ہے آپ لوگ اپنی لکھی ہوئی کاپیاں نکال لے اور مجھ سے زبانی سن لے۔ امام نے اپنے حافظہ سے سنا شروع کیا، پندرہ ہزار سے زائد حدیثیں امام بخاری نے پوری صحت کے ساتھ ہم کو سنادیں (۶۸)۔

۱۰۔ تحصیل علم کے لیے سفر:

تحصیل علم کے لیے سفر کرنا اور نامور علماء سے ملاقاتیں کرنا طلباء کے لیے لازمی منصوبہ ہونا چاہیے۔ علم میں وسعت اور عمق حاصل کرنے کے لئے سفر لازمی ہے۔ حضرت علی بن حصین کہتے ہیں ”لا استطاع العلم براحة الجسم“ (۶۹) (تحصیل علم جسمانی راحت اور آرام طلبی کے ساتھ ناممکن ہے)۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے ”اذا جاء الموت طالباً وهو علی تلک الحال مات شهیداً“ (۷۰) (جب طالب علم پر اس حال میں موت آ جائے کہ وہ علم حاصل کر رہا ہو تو وہ شہید ہے)۔

دوران سفر جس قدر مشہور علماء سے ملاقات ہو سکے ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ علاوہ ازیں ایک بات یہ بھی ہے کہ اساتذہ کی تعداد بھی طالب علم کی قابلیت کی ضمانت بن جاتی ہے۔ طالب علم کو

انتہائی کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے عہد کے زیادہ سے زیادہ اساتذہ سے تعلق رکھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مدینہ میں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مکہ میں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل یمن میں، حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بصرہ میں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کوفہ میں، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بن الصامت اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ شام میں اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو بن العاص نے مصر میں مسند درس و ارشاد قائم کی تھی۔

اکثر احادیث کا علم براہ راست چند صحابہ ہی کو تھا۔ دوسرے صحابہ اسے حاصل کرنے کے لیے مہینوں سفر کرتے تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں ”بلغنی حدیث عن رجل من اصحاب رسول اللہ ﷺ فابتعت بعیرا فشدت علیہ رحلی ثم سرت الیہ شہرا حتی قدمت الشام فاذا عبد اللہ بن انیس الانصاری فقال: جابر بن عبد اللہ، فقلت: نعم، فخرج الی فاعتنقته واعتنقنی، قال: قلت حدیث بلغنی انک سمعتہ من رسول اللہ ﷺ فی المظالم لم اسمعہ أنا منہ، قال سمعت رسول اللہ ﷺ.. الخ“ (۱) (نبی اکرم ﷺ کے اصحاب میں سے ایک صحابی کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ ان کے پاس نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث مظالم سے متعلق ہے (اس حدیث کا علم اس صحابی سے براہ راست حاصل کرنے کے لیے) میں نے ایک اونٹ خریدا اور پلان ڈالا اور شام کی طرف روانہ ہوا۔ ایک ماہ تک برابر چلتا رہا حتیٰ کہ شام پہنچ گیا اور عبداللہ بن انیس انصاری (جن کے نام سے انہیں حدیث پہنچی تھی) کے گھر پہنچا۔ ان کے مکان کے اندر کسی قاصد کو بھیجا اور کہا اطلاع کر دو تمہارے دروازے پر جابر کھڑا ہے۔ قاصد نے واپس آ کر پوچھا کہ کیا جابر بن عبداللہ ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ یہ سن کر عبداللہ بن انیس باہر نکل آئے۔ دونوں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے۔ اس کے بعد حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا مجھے آپ کے نام سے ایک حدیث رسول پہنچی ہے جو آپ ﷺ نے مظالم کے متعلق ارشاد فرمائی ہے۔ میں نے یہ حدیث خود رسول اللہ سے نہیں سنی ہے۔ آپ نے یہ حدیث سنی ہے؟ عبداللہ بن انیس نے جواب میں کہا۔ ہاں میں نے خود رسول اللہ سے یہ حدیث سنی ہے (اس کے بعد عبداللہ بن انیس نے پوری حدیث سنائی)۔

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کا تذکرہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے کہ ایک حدیث کی خاطر مدینے سے شام تک کا سفر کیا جو ایک مہینہ کا تھا۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں: ”رحل جابر عبد اللہ میسرة شہر الی عبد اللہ بن انیس فی حدیث واحد“ (۲) (حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن انیس کی طرف صرف ایک حدیث کے لئے ایک مہینہ کا

ایک اور روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں ”فخشیت ان اموت او تموت قبل ان اسمعه“ (۷۳) (مجھے یہ خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ سے اس حدیث کے سننے سے پہلے میں یا آپ فوت ہو جائیں)۔ اسی طرح حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ صرف ایک حدیث کی سماع کے لئے مدینہ سے مصر گئے۔ ان کا اس سفر سے سماع حدیث کے علاوہ اور کچھ مقصد نہ تھا۔ چنانچہ کھڑے کھڑے سواری پر اس حدیث کو سنا اور پھر اس وقت سواری کو واپس موڑ لیا (۷۴)۔

عہد صحابہ میں ایک شخص حدیث کی تلاش میں مدینہ سے سفر کر کے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق آتا ہے ”قدم رجل من المدينة علی ابی الدرداء وهو بدمشق فقال ما اقدمک یا اخی؟ فقال: حدیث بلغنی انک تحدثہ عن رسول اللہ قال: اما جئت لحاجة؟ قال: لا. قال: اما قدمت لتجارة؟ قال: لا، قال: ما جئت الا فی طلب الحدیث قال: فانی سمعت رسول اللہ الخ“ (۷۵) (ایک شخص مدینہ سے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق آیا۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ اسے سوال کرتے ہیں میرے بھائی تو کس لئے آیا۔ اس نے کہا۔ میں نے ایک حدیث سنی ہے جو آپ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں کسی اور کام کے لئے تو نہیں آیا جواب دیا۔ نہیں پوچھتے ہیں تجارت کی غرض سے تو نہیں آنا ہوا؟ جواب دیتے ہیں نہیں، میں صرف حدیث کی تلاش میں آیا ہوں۔ تب ابو درداء رضی اللہ عنہ نے حدیث روایت فرمائی)۔

خلوص نیت ہی کی کشش تھی کہ لوگ ایک حدیث کے لیے سینکڑوں میل کا سفر اختیار کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح سلف الصالحین بھی علم حدیث کی تلاش میں سفر کرتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز امام دارمی کے بارے میں لکھتے ہیں ”آپ نے کثرت سے سفر کیا اور اکثر بلاد اسلام کا سفر کیا نیز دور دراز شہروں میں گشت کر کے علم حدیث کو جمع کیا“ (۷۶)۔

سعید بن المسیب فرماتے ہیں: ”ان كنت لأسیر الیالی والأیام فی طلب الحدیث الواحد“ (۷۷) (میں ایک حدیث کے لئے کئی رات دن سفر کرتا تھا)۔

۱۱۔ راہِ علم میں خرچ:

محدثین عظام دورِ سلف میں طلب حدیث کے لیے کثیر روپیہ خرچ کرتے تھے۔ خطیب بغدادی کے بارے میں صاحب معجم الادباء نے لکھا ہے ”والخطیب البغدادی قد بذل لطلب

الحديث عشرين الف الف دينار“ (۷۸)۔

خطیب بغدادی نے علم حدیث کی طلب میں دو کروڑ روپیہ خرچ فرمایا (۷۹)۔ امام ذہبی نے طلب حدیث کے سلسلے میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ کیا تھا (۸۰)۔ امام یحییٰ بن معین نے طلب حدیث میں اپنا سامان، گھر کا اثاثہ بیچ بیچ کر ایک کروڑ پچاس لاکھ درہم خرچ کر دیا حتیٰ کہ گھر میں کچھ باقی نہ رہا (۸۱)۔ امام عبداللہ ابن مبارک نے طلب حدیث میں چالیس ہزار درہم خرچ کیے (۸۲)۔

۱۲۔ طلب حدیث میں صبر:

علم اور آرام دو متضاد چیزیں ہیں۔ اس لئے کہ طلب آرام و طلب علم دونوں اکٹھی پوری نہیں ہو سکتیں یا تو طالب علم ہو، من حیث ہو طالب یا طالب راحت ہو۔ دونوں طلبیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ امام طبرانی سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپ کو یہ بے شمار معلومات کیسے حاصل ہوئیں؟ فرمایا: ”كنت انام على البوارى ثلاثين سنة“ (۸۳) (تیس برس تک میری کمر نے بوریہ کے سوا کسی بستر کا لطف نہیں اٹھایا)۔ اس واقعہ کو پڑھ کر طلباء اور شائقین علم کو غور کرنا چاہیے کہ آج ہم راہ علم میں کتنی قربانی دے رہے ہیں۔

فن حدیث کے امام ابو حاتم رازی فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہم چند طالب علم ایک سفر میں تھے، پیدل چلتے چلتے جب توشہ ختم ہوا تو بے آب و دانہ تیس دن تک چلتے رہے ہم میں سے ایک زیادہ عمر رسیدہ تھے۔ وہ برداشت نہ کر سکے بے ہوش ہو کر گر پڑے، ہم لوگ اس کو حرکت دینے لگے تو دیکھا کہ بالکل بے حواس ہو چکے ہیں۔ ہم ان کو چھوڑ کر ایک میل تک ہی گئے ہوں گے کہ میں اس مقام پر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ میرا ساتھی مجھے چھوڑ کر آگے گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک کشتی بان کو اشارہ سے بلایا، اس نے آ کر اس کو پانی پلایا۔ پھر اس نے کہا کہ میرے دو ساتھی بے ہوش پڑے ہیں ان کی خبر لو۔ چنانچہ مجھے کچھ ہوش نہیں تھا۔ ایک آدمی مجھ پر پانی چھڑک رہا تھا اس وقت مجھے افاقہ ہوا اور میں نے تھوڑا سا پانی پیا، اس کے بعد اسی طرح اس شیخ کو ہوش میں لایا گیا (۸۴)۔

شاعر کہتا ہے: آخر العلم لديد طعمه وبدء الذوق منه كالصبر (۸۵)۔

(یعنی علم کا آغاز صبر سے کریں تو انجام میٹھا ہو سکتا ہے)۔

محدث کے آداب و فرائض:

بعض چیزیں محدث اور طالب علم دونوں میں مشترک ہوتی ہیں۔ مثلاً نیت، حفظ، عمل،

وقت کی قدر، ذوق مطالعہ، رحلات علم پر اخراجات وغیرہ، لیکن بعض چیزیں محدث استاد کے لئے ضروری ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ علم حدیث کو نشر کرنا:

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ما تصدق رجل بصدقة افضل من علم ينشره“ (۸۶) (آدمی کا علم پھیلانے سے بہتر کوئی صدقہ نہیں)۔ امام زہری فرماتے ہیں ”ما صبر احد على العلم صبري ولا نشره احد نشري“ (۸۷) (کس نے حصول علم میں میری طرح (مجھ جیسا) صبر نہیں کیا اور نہ کسی نے میری طرح علم پھیلایا)۔

حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”لأن يهدي الله بك رجلا واحدا خير لك من حمر النعم“ (۸۸) (اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے ایک آدمی کو ہدایت دے تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹ سے بہتر ہے)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ نے فرمایا: ”مثل الذى يتعلم العلم ولا يحدث به كمثل الذى يكنز الكنز ولا ينفق“ (اس آدمی کی مثال جو علم حاصل کرتا ہے اور اسے بیان نہیں کرتا اس شخص کی طرح ہے جو خزانہ اکٹھا کرتا ہے اور اسے خرچ نہیں کرتا) (یعنی اس کا کوئی فائدہ نہیں)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مثل الذى يتعلم العلم لا يحدث به الناس كمثل الذى رزقه الله ما لا ولا ينفق منه“ (۸۹) (اس شخص کی مثال جو علم حاصل کرتا ہے اسے لوگوں کو بیان نہیں کرتا اس شخص کی طرح ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اسے وہ خرچ نہیں کرتا)۔

حضرت امام مالک اپنے شاگردوں کو کہا کرتے تھے: ”اتقوا الله وانشروا هذا العلم وعلموه ولا تكتموا“ (اللہ سے ڈرو اور اس علم کو پھیلاؤ، اسے سکھاؤ اور اسے نہ چھپاؤ)۔

رسول اللہ ﷺ نے علم کو چھپانے والے کے لئے سخت وعید سنائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”من سئل عن علم علمه ثم كتمه الجم يوم القيامة بلجام من نار“ (۹۰) (جس کو علم کے بارے میں پوچھا جائے اور وہ جانتا ہو پھر بھی اسے چھپائے تو اس کو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی)۔

خلفاء و امراء لوگوں سے علم پھیلانے کے عہد لیتے خطبوں میں زور دیتے اور عمال کی طرف

تحریر بھیجتے تھے۔ خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ علم پھیلانے کا عہد لیتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”لم يؤخذ على الجاهل عهد بطلب العلم حتى أخذ على العلماء ببذل العلم للجهال“ (۹۱) (جاہل سے علم حاصل کرنے کا عہد نہ لیا جائے جب تک عالم سے یہ عہد نہ لیا جائے کہ علم پوری کوشش سے جاہلوں تک پہنچائے)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جعفر بن برقان کو لکھا ”فمر اهل الفقه والعلم من عندك فلينشر واما علمهم الله في مجالسهم ومساجدهم“ (۹۲) (جو عالم اور فقیہ آپ کے پاس ہے انہیں حکم دو کہ وہ علم جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھایا ہے اسے لوگوں کی مجلسوں اور مسجدوں میں پھیلائیں)۔

محدثین کو علم پھیلانے کا اتنا شوق تھا جب انہیں حدیث سنانے کو کوئی نہ ملتا تو مسافروں اور بچوں کو سنا دیتے تھے۔ محدث عطاء خراسانی کے بارے میں آتا ہے۔ ”اذا لم يجد احدا يحدثه اتى المساكين فحدثهم“ (۹۳) (جب حدیث سنانے کو کوئی نہ ملتا تو مساکین کے پاس آتے انہیں حدیث بیان کرتے تھے)۔ اور محدث اسماعیل بن رجاء کے بارے میں حضرت اعمش فرماتے ہیں ”كان اسماعيل بن رجاء يجمع الصبيان فيحدثهم“ (۹۴) (محدث اسماعیل بن رجاء بچوں کو جمع کرتے تھے پھر انہیں حدیث بیان فرماتے تھے)۔

۲۔ محدث کا وقار (لباس، عزت نفس وغیرہ):

محدث کے باطن یعنی نیت خالص ہونے کے ساتھ ظاہری حالت بھی عمدہ اور طالب حدیث کے لئے نمونہ ہونا چاہیے۔ بنو امیہ کے خلفاء، امراء اور علماء کے لئے رسول اکرم ﷺ کا لباس نمونہ تھا۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ کا لباس نہایت سادہ تھا۔ ابن عباس فرماتے ہیں ”كان النبي ﷺ يلبس قميصا فوق الكعبين مستوي الكمين باطراف اصابعه“ (۹۵) (حضور ﷺ کی قمیض ٹخنوں سے اوپر ہوتی تھی اور آپ کے کف مبارک انگلیوں کے کناروں کے برابر تھے)۔

رسول اللہ ﷺ سفید کپڑا پہننے کا حکم فرماتے تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ”البسوا من ثيابكم البياض فانها من خير ثيابكم“ (۹۶) (اپنے کپڑوں میں سے سفید کپڑے پہنا کر بے شک یہ تمہارے کپڑوں میں سے بہتر ہیں)۔ اور ابوسلمہ فرماتے ہیں ”ان النبي ﷺ كان يتختم في يمينه“ (۹۷) (رسول اللہ ﷺ دائیں ہاتھ میں انگلی پھنتے تھے)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”کنا نعرف خروج النبی بريح الطيب“ (۹۸) (ہم رسول اللہ ﷺ کے گھر سے نکلنے کا پتہ خوشبو سے لگا لیتے تھے)۔ یحییٰ بن محمد الشہید، محدث یحییٰ بن یحییٰ کے لباس کے بارے میں کہتے ہیں ”ما رأیت محدثا ورع من یحییٰ بن یحییٰ ولا احسن لباسا منه“ (۹۹) (میں نے یحییٰ بن یحییٰ سے بڑھ کر پرہیزگار نہیں دیکھا اور نہ ان سے بڑھ کر خوبصورت لباس والا)۔ صاف اور سلیقے سے سلا ہوا لباس اور صاف ستھری ظاہری شکل و صورت کو ہر شخص سراہتا ہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ لباس کے معاملے میں بہت باذوق تھے۔ یمن، مصر اور خراسان تک سے عمدہ عمدہ کپڑے منگواتے۔ عطر کا بہت شوق تھا۔ درس سے پہلے نیا جوڑا پہن کر اور خوشبو لگا کر مجلس علمی کی صدارت کے لیے مسجد نبوی میں تشریف لاتے۔ حضرت مولانا داؤد غزنوی رحمہ اللہ کے بارے میں سید ابو بکر غزنوی لکھتے ہیں: ”طبیعت میں نفاست بہت تھی۔ بدتہذیبی اور ناشائستگی سے ان کی طبیعت مکدر بہت ہوتی تھی۔ کپڑا ہمیشہ نفیس پہنتے۔ کتاب کی جلد نفیس بندھواتے، قلم نفیس خریدتے۔ ان کی کتابوں پر کبھی داغ دھبہ میں نے نہیں دیکھا۔ لباس ہمیشہ اجلا پہنتے تھے۔ میں نے ان کے کپڑوں پر کبھی میل نہیں دیکھی“ (۱۰۰)۔

۳۔ محدث کی مجلس درس:

حضرت امام مالک جب درس حدیث کے لئے مجلس لگاتے تو اتنے ادب اور احترام کے ساتھ بیٹھتے کہ مجلس میں کسی قسم کی کوئی حرکت نہ ہو، جس سے سوئے ادب کا شائبہ ہو۔ سامعین بھی بالکل خاموشی سے مؤدب ہو کر آپ کی بات سنتے۔ مولانا سید سلیمان ندوی امام ذہبی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ”یہاں تک کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی جب امام (مالک) کی مجلس درس میں آ کر شریک ہوئے تو وہ بھی اسی طرح مؤدب ہو کر بیٹھے اور سید صاحب نے امام مالک کی مجلس درس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے ”جاہ و جلال اور شان و شکوہ سے کا شانہ امامت پر بارگاہ شاہی کا دھوکہ ہوتا تھا۔ طلبہ کا ہجوم، مستفتیوں کا ازدحام، امراء کا ورود، علماء کی تشریف آوری، سیاحوں کا گزر، حاضرین کی مؤدب شست، درخانہ پر سوار یوں کا انبوہ، دیکھنے والوں پر رعب و وقار طاری کر دیتا تھا“ (۱۰۱)۔

محدث مجلس میں شامل ہونے والے طلباء کو کلمات ترحیب کہے۔ ابن ابی حنیفہ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں ”دخلت علی النبی ﷺ انا ورجل من بنی عامر فقال: روحبا بکما، انتما منی“ (۱۰۲) (میں ابو حنیفہ اور بنو عامر کے ایک شخص رسول اللہ ﷺ پر داخل

ہوئے تو رسول اللہ نے کلمہ ترحیب ”مرحبا بکما“ کہا۔ اور فرمایا: آپ دونوں مجھ سے ہیں۔

اگر طالب علم سے غلطی ہو جائے تو محدث کو عفو و درگزر کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”لم یکن رسول اللہ بفاحش ولا متفحش، ولا مستحاب فی الاسواق، ولا یجزیء بالسیئة مثلها ولكن یعفو ویصفح“ (۱۰۳) (رسول اللہ ﷺ نہ بدگو تھے نہ بدگوئی پھیلانے والے تھے اور نہ بازاروں میں شور مچاتے تھے۔ برائی کا بدلہ نہیں لیتے بلکہ معاف کرتے اور درگزر کرتے تھے)۔ محدث طلباء کے ساتھ شفقت سے پیش آئے اور ان سے ایسا سلوک کرے جیسے اپنی اولاد کے ساتھ کرتا ہو (۱۰۴)۔

رسول اللہ کی مثال سامنے رکھ کر ترویج علم میں کوشش کرے اور کسی معاوضے کی توقع ہرگز نہ رکھے (۱۰۵)۔ حتی الوسع اپنے شاگردوں کو یہی نصیحت کرے کہ وہ سند فضیلت حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں جب تک کہ اس کے اہل نہ ہو جائیں (۱۰۶)۔

اپنے طالب علموں کے سامنے دوسرے اساتذہ کے مضامین کی برائی نہ کرے بلکہ اس بات پر اصرار کرے کہ طلبا حتی الوسع زیادہ سے زیادہ شعبہ ہائے علوم کی تحصیل پر توجہ دیں (۱۰۷)۔ طالب علم کی غلطی پر مناسب سزا اور اچھے کام پر انعام دینا چاہیے جس سے طالب علم کا دل خوش ہوتا ہے اور ہمت بڑھ جاتی ہے (۱۰۸)۔

۴۔ محدث کی مجلس کا احترام:

طالب حدیث کو محدث کے سامنے بڑے ادب و احترام سے بیٹھنا چاہیے۔ حضرت امام بخاری نے باب باندھا ہے ”باب من برک علی رکتیہ عند الامام او المحدث“ (۱۰۹) (جو شخص امام اور محدث کے سامنے تلمذ کا شرف حاصل کر رہا ہو اسے و زانو ہو کر بیٹھنا چاہیے)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ حدیث بیان فرما رہے تھے۔ حضور ﷺ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”سلونی“ (مجھ سے کچھ پوچھ لو) اس پر حضرت عمر فوراً دو زانو ہو گئے ”فبرک عمر علی رکتیہ“ (۱۱۰)۔

امام بخاری نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جب حدیث بیان ہو تو اپنی ہیئت اور انداز نشست میں بھی ادب کا خیال رکھے اور دو زانو بیٹھے۔ حدیث شریف پڑھاتے وقت کسی کی طرف توجہ بھی نہ کرے اور درمیان قرأت حدیث یا سماع حدیث میں کسی کی بات کا جواب نہ دے۔ حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے: ”باب من سئل علما وهو مشغول فی حدیثہ فأنه

الحدیث ثم اجاب السائل “ (۱۱۱) (اگر کوئی تم سے اس حال میں کوئی مسئلہ دریافت کرے کہ تم حدیث نبوی میں مشغول ہو تو تم پر لازم ہے کہ پہلے حدیث کا اتمام کرو پھر اس سائل کا جواب دو)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ایک دفعہ ایک مجلس میں حدیث بیان کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور آپ ﷺ سے پوچھا ”متی الساعة“ (قیامت کب آئے گی)؟ رسول اللہ ﷺ اپنی پہلی بات میں ہی مصروف رہے۔ جب آپ اپنی حدیث پوری کر چکے تو دریافت فرمایا: سائل کہاں ہے؟ اس اعزابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں ہوں۔ فرمایا: جب امانتیں ضائع ہونے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس نے پوچھا امانتیں کس طرح ضائع ہوں گی؟۔ آپ نے فرمایا (خصوصاً حکومت) جب کام نا اہل لوگوں کے سپرد ہونے لگے تو قیامت کا انتظار کرو (۱۱۲)۔ رسول اللہ کے عمل سے ثابت ہوا کہ حدیث کی مجلس کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف متوجہ ہونا خلاف ادب ہے۔

حضرت ابو قتادہ فرماتے ہیں۔ امام مالک ہمارے سامنے حدیث بیان کر رہے تھے تو ان کو بچھونے سولہ مرتبہ ڈنگ مارا اور امام مالک کا رنگ متغیر ہو گیا۔ چہرہ زرد پڑ گیا مگر حدیث کو درمیان میں قطع نہیں فرمایا جب حدیث بیان کرنے سے فارغ ہو گئے تو میں نے ان سے عرض کیا۔ اے ابو عبد اللہ! میں نے آج آپ کا عجیب حال پایا؟ امام مالک نے فرمایا کہ حدیث پڑھاتے وقت بچھو نے سولہ جگہ ڈنگ مارا۔ مجھے اس سے تکلیف ہو رہی تھی لیکن میں حدیث کی اجلال و تعظیم کی بنا پر صبر کرتا رہا (۱۱۳)۔

۵۔ آداب روایت:

محدث جب اپنی مسند سے روایت کر رہا ہو۔ تو وہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ادا کر رہا ہوتا ہے۔ اسے چاہیے با وضو ہو کر قبلہ رخ ہو کر حدیث پڑھائے۔ حضرت قتادہ کے بارے میں آتا ہے: ”لقد کان يستحب ان لا تقرا الاحادیث التي عن النبی الاعلی وضوء“ (۱۱۴) (اس بات کو اچھا سمجھا جاتا تھا کہ نبی ﷺ کی احادیث کو با وضو پڑھا جائے)۔

یحییٰ بن معین لکھتے ہیں: ”کان سفیان اذا حدث اسقبل القبلة“ (۱۱۵) (سفیان جب حدیث بیان کرتے تو قبلہ کی طرف متوجہ ہو جاتے)۔ حضرت امام بن مالک اور حضرت لیث رحمۃ اللہ علیہما دونوں وضو کے ساتھ حدیث لکھا کرتے تھے (۱۱۶)۔ اور امام بخاری کے متعلق بھی آتا ہے کہ ”اپنی صحیح میں ہر حدیث کی کتابت ہے پہلے آپ غسل فرماتے تھے پھر دو رکعت نماز اٹھل ادا کرتے

تھے۔ بعض نے کہا کہ آب زم زم سے غسل فرمایا کرتے تھے اور ”مقام ابراہیم“ پر دو نفل ادا کرتے تھے (۱۱۷)۔

علماء حدیث کو حدیث بیان کرتے وقت صحت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ خصوصاً ضعیف حدیث بیان کر رہا ہو تو اس کی وجہ اور ضعف کی وضاحت کرنا چاہیے۔ اس طرح حدیث کو مختصر کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ محدث یحییٰ بن معین کے بارے میں آتا ہے ”کان یکرہ الانتخاب ویذمہ ویقول صاحب الانتخاب یندم ولذلک کان یکتب علی وجہ لثلا یسقط علیہ حدیث“ (۱۱۸) (وہ حدیث سے انتخاب کو برا سمجھتے تھے اور اس کی مذمت کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ انتخاب کرنے والا شرمندہ ہوگا۔ اس لیے وہ حدیث کو اسی طرح لکھ دیتے تھے تا کہ حدیث ساقط نہ ہو)۔ اسی طرح روایت بالمعنی سے بھی حتی الوسع احتراز کرنا چاہیے۔ رسول کا ارشاد ہے: ”نضر اللہ امرءاً سمع منا حدیثاً فبلغه کما سمعه“ (۱۱۹) (اللہ اس شخص کو سربز فرمائے جس نے میری کوئی بات سنی اسے یاد رکھا اور اسے آگے اسی طرح نقل کیا جیسا کہ اس نے سنا تھا)۔ صرف بیان حدیث پر اکتفا نہ کرے، بلکہ احادیث مذکورہ احکام بھی بیان کرے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حدیث منسوخ ہو شاذ ہو، یا قابل عمل نہ ہو۔ حدیث کے ساتھ تشریح و توضیح بھی کرے اور حالات حاضرہ پر بھی روشنی ڈالے۔



مقام صحابہ رضی اللہ عنہم اور کتب معرفۃ الصحابہ

لغوی مفہوم:

صحابی صحبۃ سے ماخوذ ہے۔ جو ہری نے کہا: صحبہ، یصحبہ، صحبۃ پیش کے ساتھ اور صحابہ فتح کے ساتھ صحابہ صاحب کی جمع ہے۔ اصحبۃ: میں نے اسے ساتھی بنایا (۱۲۰)۔ فیروز آبادی کہتے ہیں: صَحْبہ، کَسَمَعہ، صَحَابۃ، بکسر و استصحبہ دعاہ الی الصَّحْبۃ (۱۲۱)۔ ابن منظور نے لکھا ہے: صحابی صحب سے ماخوذ ہے۔ صَحْبہ، یصحبہ، صَحْبۃ پیش کے ساتھ اور صحابہ زبر کے ساتھ۔ صاحب کی جمع اصحاب اور اصحاب اور صحبان ہے۔ جیسے شاب اور شبان اور صحاب جیسے جالع اور جیالع اور صحب اور صحابہ (۱۲۲)۔

اصطلاحی مفہوم:

صحابی کی شرعی تعریف علما نے مختلف کی ہے۔ ہم بعض کا ذکر کرتے ہیں: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ہر وہ آدمی جو آنحضور ﷺ کے ساتھ ایک سال ایک ماہ ایک دن یا ایک گھڑی رہا، آپ ﷺ کی باتیں سنیں اور آپ ﷺ کو دیکھا وہ صحابی ہے“ (۱۲۳)۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”من صحب النبی ﷺ اور آہ من المسلمین فہو من اصحابہ“ (۱۲۴) (مسلمانوں میں سے جو آپ ﷺ کے ساتھ رہا یا جس نے آپ ﷺ کو دیکھا وہ صحابی ہے)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ صحابی کی تعریف یوں فرماتے ہیں اور یہ سب سے اچھی اور مقبول تعریف ہے: ”مومنوں میں سے جو آپ ﷺ کے ساتھ رہا اور اس کا خاتمہ بھی اسلام پر ہوا، آپ ﷺ کی مجلس میں داخل ہوا، مجلس طویل ہو یا چھوٹی آپ ﷺ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا یا نہیں جس نے صرف دیکھ لیا اگرچہ مجلس بھی نصیب نہیں ہوئی یا کسی عارضہ کی وجہ سے نہ دیکھ سکا۔ جیسے آپ ﷺ کا نابینا صحابی (سب صحابی کی تعریف میں داخل ہیں)“ (۱۲۵)۔

عدالت صحابہ:

تمام صحابہ عادل ہیں یعنی جملہ صحابہ کرام حق و انصاف پر قائم تھے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ خود باری تعالیٰ اور پھر اس کے رسول ﷺ نے ان کا تذکرہ فرمایا۔ اور ساتھ ہی ان کے پیشوا، مقتدا، ہادی اور جنتی ہونے کی خوشخبری بھی سنادی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشاجرات سے ان کی عدالت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ کسی صحابی سے اگر کوئی چوک ہوئی اس نے فوراً ایسی تلافی کر دی کہ گناہ یا معصیت کا تصور بھی باقی نہ رہا۔ پھر قرآن عظیم نے ان کی تعریفوں کے پل باندھ دیے اور آنحضرت ﷺ نے ان کے اوصاف بیان فرمائے۔ اس لیے اہل اسلام کے تمام گروہ اس بات پر متفق ہیں کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔

عدالت کا لغوی مفہوم:

المجد میں عدالت کا لغوی مفہوم یوں بیان کیا ہے ”انصاف کرنا، سیرت کا پاک ہونا، کردار کا بے داغ ہونا (۱۲۶)۔ علامہ باہلی رحمہ اللہ کا قول ہے: ”رجل عادل“ سے مراد پسندیدہ اور مقبول الشہادہ“ (۱۲۷)

عدالت کا اصطلاحی مفہوم:

بعض محدثین کا قول ہے۔ عدالت وہ ملکہ ہے جو ان کو کبیرہ اور صغیرہ گناہ کے ارتکاب سے روک دے۔ اصطلاح میں راوی کا مسلمان، بالغ، عاقل، گناہ کے اسباب اور برے اخلاق سے پاک ہونا ہے (۱۲۸)۔ امام غزالی کا قول ہے: دین میں استقامت حاصل ہو یعنی آدمی کے نفس میں ایسی پختہ قوت ارادی ہو جس کی وجہ سے وہ تقویٰ اور سنجیدگی کو اپنی عادت بنالے اور لوگوں کو اس کی سچائی پر اعتماد ہو جائے“ (۱۲۹)۔

عبداللہ بن مبارک عادل کے متعلق کہتے ہیں: وہ جماعت میں حاضر ہوتا ہو، شراب نہ پیتا ہو، اس کے دین میں خرابی نہ ہو، جھوٹ نہ بولے، اس کی عقل بھی درست ہو“ (۱۳۰)۔

”الصحابہ کلہم عدول“ کا مفہوم:

مذکورہ بالا معانی کے اعتبار سے سب کے سب صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں۔ وہ کفر و فسق سے متنفر، پرہیزگاروں اور راشدوں کے سرخیل تھے۔

عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم: قرآن مجید کی روشنی میں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت اولئک ہم خیر البریۃ جزاؤہم عند ربہم جنت عدن تجری من تحتہا الانہر خلدین فیہا ابدًا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ذلک لمن خشی ربہ“ (۱۳۱) (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ تمام مخلوق سے بہترین ہیں۔ ان کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ابد الابد تک ان میں رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔ یہ (صلہ) ان کے لیے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے)۔

ارشاد ربانی ہے: ”لکن الرسول والذین آمنوا معہ جاہدوا باموالہم وانفسہم واولئک لہم الخیرات واولئک ہم المفلحون“ (۱۳۲) (لیکن رسول اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے۔ سب اپنے مال و جان سے لڑے۔ انہی کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی لوگ مراد پانے والے ہیں)۔ ارشاد ربانی ہے: ”والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوہم یا حسن رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ وأعدّ لہم جنت تجری تحتہا الانہر خلدین فیہا ابدًا ذلک الفوز العظیم“ (۱۳۳) (اور مہاجرین اور انصار میں سے) جو ہجرت اور اسلام میں) سبقت لے جانے والے ہیں اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغ تیار کر رکھے ہیں۔ جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے)۔

ارشاد ربانی ہے: ”لقد رضی اللہ عن المؤمنین إذ یبایعونک تحت الشجرة فعلم ما فی قلوبہم فانزل السکینۃ علیہم واثابہم فتحًا قریبًا“ (۱۳۴) [۱] (پیغمبر ﷺ! اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے راضی ہو چکا جب وہ (کیکر یا بیری کے) درخت کے تلے (حدیبیہ میں) تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جان لیا جو (اخلاص) ان کے دلوں میں تھا تو ان (کے دلوں) پر تسلی اتاری اور ایک نزدیک والی فتح ان کو انعام میں دی)۔ ارشاد ربانی ہے: ”للفقراء المهاجرین الذین اخرجوا من دیارہم وأموالہم یتبتغون فضلًا من اللہ ورضوانًا وینصرون اللہ ورسولہ اولئک ہم الصّدقون“ (۱۳۵) [۲] (ان مہاجرین محتاجوں کا بھی (حق) ہے جو اپنے گھربار مال و دولت سے نکال دیئے گئے خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کی تلاش میں ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ تو سچے (ایماندار) ہیں)۔

ارشاد ربانی ہے: ”محمد رسول اللہ والذین معہ أشدّاء علی الکفار رحماء بینہم ترہم رگّعا سجّدا یتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماہم فی وجوہہم من اثر السجود ذلک مثلہم فی التوراة ومثلہم فی الانجیل“ (۱۳۶) [محمد ﷺ اللہ کا پیغمبر ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) وہ کافروں پر سخت ہیں۔ آپس میں (ایک دوسرے پر) رحم دل ہیں (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے (کبھی) رکوع کر رہے ہیں (کبھی) سجدہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا مندی کی فکر میں رہتے ہیں ان کی نشانی ان کے چہروں پر ہے یعنی سجدہ کی نشانی یہی حال ان کا تورات اور انجیل میں (بیان ہوا) ہے۔]

ارشاد ربانی ہے: ”یوم لا یخزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ نورہم یسعی بین ایدیہم وبایمانہم“ (۱۳۷) (جس دن اللہ تعالیٰ (اپنے) پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے، رسوا نہ کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا)۔ ارشاد ربانی ہے: ”ولکن اللہ حبّ الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرّہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان أولئک ہم الراشدون فضلا من اللہ ونعمة واللہ علیم حکیم“ (۱۳۸) [اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی ہے، اور تمہارے دلوں میں اس (ایمان) کو اچھا کر دکھایا ہے اور کفر اور نافرمانی اور گناہ سے تم میں نفرت ڈال دی ہے یہی لوگ تو اللہ کے فضل و کرم سے ٹھیک رستے پر ہیں اور اللہ تعالیٰ (سب کچھ) جانتا ہے اور حکمت والا ہے۔]

ارشاد ربانی ہے: ”فبان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اهتدوا وإن تولّوا فإنا ما ہم فی شقاق“ (۱۳۹) (اگر وہ (یہود، نصاریٰ دیگر غیر مسلمین) تمہاری طرح ایمان لاویں تو راہ پاگئے۔ اگر نہ مانیں تو ضد میں گرفتار ہیں)۔

ارشاد ربانی ہے: ”إنّ الذین امنوا والذین ہاجروا وجاہدوا فی سبیل اللہ أولئک یرجون رحمت اللہ واللہ غفور رحیم“ (۱۴۰) (اور جو لوگ ایمان لائے اور (اللہ کے لیے) اپنا ملک چھوڑا (ہجرت را) اور خدا کی راہ میں لڑے انہی کو اللہ کی رحمت کی امید ہے اور اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے)۔

ارشاد ربانی ہے: ”والذین امنوا وہاجروا وجہدوا فی سبیل اللہ والذین ءاؤوا وّنصروا أولئک ہم المؤمنون حقّا لہم مغفرة ورزق کریم“ (۱۴۱) [اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا (یعنی مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم) اور جن لوگوں نے ان (مہاجرین) کو پناہ دی اور (ان کی) مدد کی (یعنی انصار) یہی پکے مسلمان ہیں۔ ان لوگوں کے لیے

اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے (آخرت میں) اور عزت کی روزی (دنیا میں)۔]

ارشاد ربانی ہے: ”التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّجَّادُونَ
الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَفَظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ“ (۱۴۲)
(یہ لوگ ایسے ہیں ہر ایک گناہ سے) توبہ کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی عبادت (اخلاص کے ساتھ)
کرنے والے اور اللہ کی تعریف کرنے والے (ہر حال میں شکر گزار) روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے
والے، سجدہ کرنے والے (یعنی نمازی) اچھی بات کا حکم دینے والے اور بُری بات سے منع کرنے
والے اور اللہ تعالیٰ نے جو حدیں باندھ دیں اور ان کو سنبھالنے والے اور (اے پیغمبر ﷺ) ایسے
مسلمانوں کو (جنت اور اللہ کی رضا مندی کی خوشخبری دے)۔

عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں:

رسول اللہ ﷺ نے اپنے کئی ارشادات میں صحابہ کرام کے فضائل بیان فرمائے۔ چند
ملاحظہ ہیں: ”عن ابی بردۃ عن ابيه قال النبی ﷺ: النجوم امانة للسماء، فاذا ذهبت
النجوم، اتى السماء ما توعد، وانا امانة لاصحابی، فاذا ذهبت انا اتى اصحابی
ما یوعدون، واصحابی امانة لامتی، فاذا ذهب اصحابی اتى امتی ما یوعدون“ (۱۴۳)
[ستارے آسمان کی امان کا سبب ہیں۔ جب ستارے ختم ہوں گے تو قیامت آجائے گی۔ میں صحابہ
کے لئے امن کا سبب ہوں۔ جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو وہ وقت آجائے گا جس کا
وعدہ ان سے کیا جاتا ہے۔ میرے صحابہ میری امت کے لئے امان کا سبب ہیں۔ جب یہ چلے جائیں
گے تو میری امت پر وہ وقت آجائے گا جس کا وعدہ کیا جاتا ہے (قیامت)۔]

عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ما من أحد من
اصحابی یموت بارض إلا بعث قائدًا ونورًا لهم یوم القیامة“ (۱۴۴) (میرا جو صحابی بھی کسی
سرزمین میں فوت ہوا وہ قیامت کے دن اس سرزمین کے (مدفون) لوگوں کے لیے پیشوا اور نمونہ بنا کر
اٹھایا جائے گا)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مثل اصحابی فی امتی
کالمِلح فی الطعام، لا یصلح الطعام إلا بالملح“ (۱۴۵) (میری امت میں میرے صحابہ کی
مثال ایسی ہے۔ جیسے کھانے میں نمک اور کھانا نمک کے بغیر لذیذ نہیں ہوتا)۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خیر الناس قرنی،

ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم“ (۱۳۶) (میری امت کا سب سے بہتر طبقہ وہ ہے جو میرے ساتھ ہے۔ پھر وہ جو اس کے ساتھ ہے)۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”خیر امتی قرنی، ثم الذین یلونہم، ثم الذین یلونہم“ (۱۳۷) (سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو میرے زمانے کے ہیں پھر جو ان کے ساتھ ہیں پھر وہ جو اس کے ساتھ ہے)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”یأتی علی الناس زمان فیغزو فنام من الناس فیقولون: هل فیکم من صاحب رسول اللہ ﷺ؟ فیقولون لہم: نعم، فیفتح لہم، ثم یأتی علی الناس زمان فیغزو فنام من الناس فیقال: هل فیکم من صاحب أصحاب رسول اللہ ﷺ؟ فیقولون: نعم، فیفتح لہم، ثم یأتی علی الناس زمان فیغزو فنام من الناس فیقال: هل فیکم من صاحب أصحاب رسول اللہ ﷺ؟ فیقولون: نعم، فیفتح لہم“ (۱۳۸) [لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا۔ جب کسی جگہ کے لیے لشکر روانہ ہوگا تو کہا جائے گا کیا تم میں کوئی صحابی موجود ہے۔ وہ کہیں گے ہاں۔ چنانچہ (صحابی کے وجود کے برکت سے) انہیں فتح حاصل ہوگی۔ پھر لوگوں پر ایک وقت آئے گا لوگ جنگ کریں گے پس ان سے کہا جائے گا۔ کیا تم میں صحابی کی زیارت کرنے والا (تابعی) موجود ہے۔ وہ کہیں گے ہاں چنانچہ (تابعی کے باعث) فتح ہوگی اور پھر زمانہ آئے گا تو وہ لوگوں سے جنگ کریں گے ان سے پوچھا جائے گا کیا تم میں تابعی کی زیارت کرنے والا ہے (تابعی) وہ کہیں گے ہاں (اس کی وجہ سے) فتح ہوگی]۔

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لا تمس النار مسلماً رآنی او رای من رآنی“ (۱۳۹) (مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ”لا یدخل النار احد ممن بايع تحت الشجرة“ (۱۴۰) (جس شخص نے درخت کے نیچے بیعت (رضوان) کی وہ آگ میں نہیں جائے گا)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا تسبوا اصحابی، فوالذی نفسی بیدہ لو اتی احدکم انفق مثل احد ذہباً ما ادرک مداحہم ولا نصیفہ“ (۱۴۱) (میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو۔ اللہ کی قسم اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے (تو پھر بھی ثواب میں) ان کے مد (تھوڑی مقدار میں) (صدقہ کے

(ثواب) کے برابر یا اس کے نصف کے برابر (ثواب) بھی حاصل نہیں کر سکے گا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا لعنة الله على شرکم“ (۱۵۲) (جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو تم کہو اللہ کی لعنت ہو تمہاری اس برائی پر)۔

عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”اللہ اللہ فی أصحابی، لا تتخذوهم غرضاً من بعدی، فمن أحبهم فبحبی أحبهم، ومن أبغضهم فببغضی أبغضهم، ومن آذاهم، فقد آذانی، ومن آذانی فقد آذی اللہ، ومن آذی اللہ فبوشک أن يأخذه“ (۱۵۳) (میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا میرے بعد انہیں (اپنی بیہودہ حرکات سے) نشانہ نہ بنانا۔ جس نے ان سے محبت کی (گویا کہ) اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی (اسی طرح) جس شخص نے ان (صحابہ کرام) سے بغض رکھا (گویا کہ) اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔ جس نے ان کو تکلیف دی (زبانی، تحریری وغیرہ) (گویا کہ) اس نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی (گویا کہ) اس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی عنقریب اللہ اسے پکڑے گا)۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لو كنت متخذاً خليلاً لاتخذت أبا بكر خليلاً، ولكن أخى وصاحبی“ (۱۵۴) (اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بناتا لیکن وہ میرا بھائی اور ساتھی ہے)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”فمن كان من أهل الصلاة دعى من باب الصلاة، ومن كان من أهل الجهاد دعى من باب الجهاد، ومن كان من أهل الصدقة دعى من باب الصدقة، ومن كان من أهل الصيام دعى من باب الصيام وباب الرّيان، فقال أبو بكر: ما على هذا الذي يدعى من تلك الأبواب من ضرورة؟ قال: هل يدعى منها أحداً يا رسول الله؟ فقال: نعم، وأرجو أن يكون منهم يا أبا بكر“ (۱۵۵) [قیامت کے دن جنت میں داخلہ کے لیے] جو اہل الصلاة میں سے ہوگا اسے ”باب الصلوٰۃ“ سے بلایا جائے گا اور جو اہل الجہاد میں سے ہوگا اسے ”باب الجہاد“ سے بلایا جائے گا اور جو اہل الصدقہ میں سے ہوگا اسے ”باب الصدقہ“ سے بلایا جائے گا۔ اور جو اہل

الصیام میں سے ہوگا اسے ”باب الصیام“ اور ”باب الریان“ سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا، اس شخص کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں ہے جسے ان تمام دروازوں سے بلایا جائے اور پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جسے ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا! اے ابو بکر میں امید کرتا ہوں کہ تو ان میں سے ہوگا۔

فضائل الشیخین:

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص سے روایت ہے: ”أَنَّ النَّبِيَّ بَعَثَهُ عَلَى جِيْشِ ذَاتِ السَّلَاسِلِ، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: عَائِشَةُ، فَقُلْتُ: مَنْ الرِّجَالُ؟ فَقَالَ: أَبُو هَا، فَقُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَعَدَّ رَجُلًا“ (۱۵۶) [مجھے رسول اللہ ﷺ نے ذات السلاسل کی مہم پر بھیجے جانے والے لشکر کا سپہ سالار بنا کر بھیجا جب میں آپ ﷺ کے پاس آیا (میں نے آپ ﷺ سے) پوچھا آپ ﷺ کو سب سے پیارا (محبوب) کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا۔ میں نے عرض کی، مردوں میں سے، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا باپ (ابو بکر رضی اللہ عنہ)۔ پھر میں نے پوچھا اس کے بعد کون محبوب ہے، آپ ﷺ نے فرمایا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ پھر آپ نے چند آدمیوں کے نام لیے۔]

محمد بن حنفیہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے باپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ سے) پوچھا: ”أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ؟“ قَالَ: أَبُو بَكْرٍ، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ عُمَرُ“ (۱۵۷) [رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں سے کون افضل ہے؟ فرمایا ابو بکر رضی اللہ عنہ میں نے پوچھا پھر (ان کے بعد) کون؟ فرمایا عمر رضی اللہ عنہ ہے۔]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ، ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ (پہاڑ) پر چڑھے تو (احد پہاڑ) ہلنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اَنْتَبِتْ اَحَدٌ فَاَنْمَا عَلِيكَ نَبِيٌّ وَصَدِيقٌ وَشَهِيدَانِ“ (۱۵۸) [اے احد (پہاڑ)! ٹھہر جا! تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید (موجود) ہیں۔]

آپ ﷺ نے فرمایا: ”بَيْنَ اَنَا لَائِمٌ شَرِبْتُ - يَعْنِي - اللَّبَنَ حَتَّى اَنْظُرَ إِلَى الرَّيِّ بِجَرَى فِي ظَفْرِي، أَوْ فِي اَظْفَارِي، ثُمَّ نَوَلْتُ عَمْرًا، قَالُوا: فَمَا أَوَّلَتْهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: الْعِلْمُ“ (۱۵۹) [میں سویا ہوا تھا کہ (خواب میں) میں نے پیالہ یعنی دودھ یہاں تک کہ میرے ناخن یا ناخنوں تک (دودھ کی) تری آگئی (خوب سیر ہوا) پھر میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو دے

ویا صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: علم۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”انّ اللہ جعل الحقّ علی لسان عمر و قلبہ“ (۱۶۰) (اللہ تعالیٰ نے حق کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اور دل پر جاری کر دیا ہے)۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کہا: ”یا خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ فقال أبو بکر: أما إنک إن قلت ذاک فلقد سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر“ (۱۶۱) (اے تمام لوگوں سے رسول اللہ کے بعد بہتر انسان) تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر آپ نے یہ بات کہی ہے تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا وہ کہتے تھے عمر سے بہتر کسی شخص پر سورج طلوع نہیں ہوتا)۔

عدالت صحابہ اقوال صحابہ و آئمہ کی روشنی میں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ان اللہ نظر فی قلوب العباد فوجد قلب محمد ﷺ خیر قلوب العباد، فاصطفاه لنفسه، فابتعثه برسالته، ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب محمد ﷺ، فوجد قلوب اصحابہ خیر قلوب العباد، فجعلهم وزراء نبیہ یقاتلون علی دینہ“ (۱۶۲) (اللہ تعالیٰ نے بندوں کے قلوب کا معائنہ فرمایا۔ محمد ﷺ کے دل کو سب بندوں کے دلوں سے بہتر پایا۔ ان کو اپنے لیے منتخب کر لیا اور انہیں اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث کیا پھر اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے دل کے بعد لوگوں کے دلوں کو دیکھا تو آپ ﷺ کے صحابہ کے دلوں کو (باقی) لوگوں کے دلوں سے بہتر پایا۔ ان کو اپنے نبی کا وزیر بنا دیا جو اس (اللہ) کے دین کی خاطر جنگ کریں گے)۔

”وقال ابن عباس رضی اللہ عنہ: لا تسبوا اصحاب محمد ﷺ فلمقام أحدہم ساعة (یعنی مع صلی اللہ علیہ وسلم) خیر من عمل أحدکم أربعین سنة“ (۱۶۳) (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا محمد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو برا نہ کہو، ان میں سے کسی کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کچھ دیر ہونا تم میں سے کسی کے چالیس سال کے عمل سے بہتر ہے)۔ ”ویقول عبداللہ بن مسعود فی تفسیر قول اللہ عزّ وجل: ”وقل هذه

سبيلي أدعو إلى الله على بصيرة ومن اتبعني“ (۱۶۳)۔

”من كان مستنًا فليستن بمن قدمات فإن الأحياء لا تؤمن عليهم الفتنة، أولئك أصحاب محمد صلى الله عليه وآله وسلم كانوا أفضل هذه الأمة، أبرها قلوبًا وأعمقها علمًا وأقلها تكلفًا، اختارهم الله لصحبة نبيه ولإقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم على أثرهم وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرهم فانهم كانوا على الهدى المستقيم“ (۱۶۵) (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر بیان فرماتے ہیں: کہہ دیجیے یہ میرا راستہ ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں اور میری اتباع کرنے والے بصیرت پر ہیں) (جو کوئی طریقہ اختیار کرنا چاہے تو ان کا طریقہ اختیار کرے جو فوت ہو گئے ہیں۔ زندہ لوگوں سے فتنہ کی بے خوفی نہیں ہوتی۔ وہ محمد ﷺ کے ساتھی تھے۔ اس امت میں سب سے بہتر نیک دل، علم میں عمیق کم تکلف کرنے والے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے پسند فرمایا اور اپنے دین کی اقامت کے لیے، ان کی فضیلت کو پہچانو اور ان کے پیچھے چلو اور ان کے اخلاق اور سیرت سے جتنا ہو سکے اپناؤ۔ وہ سیدھے راستے پر تھے)۔

”وقال أبو زرعة الرازي رحمه الله: إذا رأيت الرجل ينقص أحدًا من أصحاب رسول الله ﷺ فاعلم أنه زنديق، وذلك أن الرسول ﷺ عندنا حق والقرآن حق وإنما أذى إلينا هذا القرآن والسنن أصحاب رسول الله ﷺ وإنما يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبتلوا الكتاب والسنة والجرح بهم أولى وهم زنادقة“ (۱۶۶) [ابو زرعة رازی فرماتے ہیں: آپ جب کسی آدمی کو اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی کو برا بھلا کہتے دیکھیں تو آپ جان لیں کہ وہ بے دین ہے۔ یہ اس لیے کہ بے شک رسول ﷺ ہمارے نزدیک سچے ہیں اور قرآن سچا ہے۔ قرآن اور سنتوں (احادیث) کو اصحاب رسول اللہ نے ہم تک پہنچایا ہے۔ وہ (صحابہ کو برا کہنے والے) چاہتے ہیں کہ ہمارے واسطوں (گواہوں) کو مجروح کر دیں تاکہ کتاب اور سنت کو باطل کر دیں۔ لہذا ان پر جرح کرنا زیادہ بہتر ہے وہ زنادقہ ہیں]۔

”وقال الإمام مالك بن أنس الأصبحي إمام دار الهجرة: من تنقص أحدًا من أصحاب رسول الله ﷺ وكان في قلبه عليهم غل فليس له حق في فيئ المسلمين ثم تلا قوله تعالى: ”ما أفاء الله على رسوله“ حتى أتى قوله ”والذين جاءوا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقونا بالإيمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا انك رؤوف رحيم“ (۱۶۷) [امام دارالہجرت امام مالک بن

انس ﷺ فرماتے ہیں: جو اصحاب رسول اللہ میں سے کسی کو برا کہے اور اس کے دل میں ان کے متعلق کینہ ہو۔ اس کے لیے مسلمانوں کی فتنی (مال غنیمت) میں حصہ نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھا۔ جو مال اللہ نے اپنے رسول کو دیا (یہاں تک کہ اس مقام تک آگے پڑھا) وہ لوگ جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ان لوگوں کو جو ہم سے ایمان میں سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کینہ نہ رکھیں۔ بے شک تو شفقت کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

”وقال الإمام أحمد بن حنبل إمام أهل السنة والجماعة رحمه الله تعالى: إذا رأيت أحداً يذكر أصحاب رسول الله ﷺ بسوء فاتهمه على الإسلام (۱۶۸) وقال أبو محمد ابن حزم: الصحابة كلهم من أهل الجنة الخ“ (۱۶۹) (امام اہل سنت والجماعت احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ جب آپ کسی کو دیکھیں کہ وہ اصحاب رسول اللہ کو برے الفاظ میں یاد کرتا ہے تو اس کے اسلام کو ٹھیک نہ سمجھو۔ ابو محمد ابن حزم فرماتے ہیں: تمام صحابہ اہل جنت ہیں)۔

عدالت صحابہ اور اجماع:

”وقد أجمع أهل السنة والجماعة على عدالتهم“ (۱۷۰) (صحابہ کی عدالت پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے)۔

يقول الحافظ ابن الصلاح في علوم الحديث: للصحابة بأسرهم خصيصة وهي أنه لا يسئل عن عدالة أحدٍ منهم بل ذلك أمر مفروغ منه لكونهم على الإطلاق معدلين بنصوص الكتاب والسنة وإجماع من يعتد به في الإجماع من الأمة“ (۱۷۱) [حافظ ابن الصلاح علوم الحديث میں فرماتے ہیں: تمام صحابہ کی ایک خصوصیت ہے وہ یہ کہ ان میں سے کسی کی عدالت کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ ایسا معاملہ ہے جس سے فراغت پائی گئی ہے اور یہ کہ وہ کتاب و سنت کی نصوص سے عادل ہیں اور جوامت میں سے صاحب اجماع ہیں ان کے اجماع سے بھی ثابت ہے]۔

”يقول حافظ المغرب الإمام ابن عبد البر في كتابه الاستيعاب في معرفة الأصحاب: فهم خير القرون وخير أمة أخرجت للناس ثبتت عدالة جميعهم بثناء الله عز وجل وثناء رسول الله ﷺ ولا أعديل ممن ارتضاه لصحبة نبيه ﷺ ونصرته ولا تزكية أفضل من ذلك ولا تعديل أكمل منه قال تعالى: ”محمد رسول الله

والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم تراهم رکعا سجدا یتبتغون فضلا من اللہ ورضوانا“ (۱۷۲) (حافظ مغرب امام ابن عبدالبر اپنی کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرماتے ہیں: وہ بہتر زمانے کے لوگ تھے اور بہتر گروہ تھا جس کو لوگوں کے لئے بنایا گیا۔ ان تمام کی عدالت اللہ کی ان کے لیے تعریف اور رسول اللہ کی تعریف سے ثابت ہو چکی ہے۔ اس سے بڑھ کر عادل کون ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور مدد کے لیے منتخب فرمایا۔ اس سے بڑھ کر کیا تزکیہ ہوگا اور نہ اس سے کامل تعدیل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ آپ انہیں رکوع و سجود میں دیکھتے ہیں۔ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں)۔

”و یقول الخطیب البغدادی: عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم وأخباره عن طهارتهم واختياره لهم في نص القرآن: ”کنتم خیر أمة أخرجت للناس“، فیدکر الخطیب آیات من القرآن ویقول فی النہایة فی آیات یکثر إیرادها ویطول تعدادها“ (۱۷۳) (خطیب بغدادی فرماتے ہیں: صحابہ کی عدالت اللہ کی ان کے لیے تعدیل ان کی طہارت کی خبر اور ان کی نص قرآن سے پسندیدگی ثابت ہوتی ہے۔ ارشاد ہے ”تم بہترین امت ہو۔ جن کو لوگوں کے لیے چنا گیا۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے قرآن کی متعدد آیات ذکر کی ہیں اور آخر میں فرمایا ہے۔ اس معاملے میں آیات بہت ہیں۔ ان کی تعداد کافی ہے)۔

”یقول الإمام النووي: الصحابة کلهم عدول من لابس الفتن وغیرهم بإجماع من یعتقد به“ (۱۷۴) (امام نووی فرماتے ہیں: اجماع کے لحاظ سے تمام صحابہ عادل ہیں۔ جو جنگوں میں شریک ہوئے ہیں اور جو نہ ہوئے)۔ ”و یصرح السیوطی ردًا علی من جرح عدالة الصحابة: والقول بالتعميم هو الذي صرح به الجمهور وهو المعتبر“ (۱۷۵) (امام سیوطی صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت پر جرح کرنے والوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ کی عدالت کا قول ہے جمہور اس کی صراحت کرتے ہیں)۔

”یقول الإمام ابن تیمیة: ومن أصول أهل السنة والجماعة سلامة قلوبهم والسننهم لأصحاب رسول الله ﷺ كما وصفهم الله تعالى في قوله تعالى: ”والذین جاءوا من بعدهم“ (۱۷۶) (امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل سنت والجماعت کے اصول میں سے ہے کہ ان کے دل اور زبانیں اصحاب رسول اللہ سے سلامت رہتی ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت بیان کی ہے کہ جو لوگ بعد میں آتے ہیں وہ پہلے لوگوں کے لیے استغفار کی دعا

کرتے ہیں۔

”يقول الإمام أبو الحسن الأشعري: وكل الصحابة أئمة مأمونون غير متهمين في الدين، وقد أثنى الله ورسوله على جميعهم وتعبدنا بتوقيرهم وتعظيمهم وموالاتهم والتبري من كل من يتنقص أحداً منهم رضي الله عن جميعهم“ (۱۷۷) (امام ابوالحسن رحمہ اللہ اشعری فرماتے ہیں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ائین امام ہیں۔ دین میں ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔ ان تمام کی اللہ اور اس کے رسول نے تعریف کی ہے اور ہمیں بھی ان کی تعظیم اور اکرام کا پابند کیا ہے اور ان سے محبت کا سبق دیا ہے اور ہر اس آدمی سے ہمیں بیزاری کرنے کا کہا ہے جو ان میں سے کسی کی عیب جوئی کرے۔ اللہ ان تمام سے راضی ہو گیا)۔

”وقال ابن كثير: والصحابة كلهم عدول عند أهل السنة والجماعة بما أثنى الله عليهم في كتابه وبما نطقت به السنة النبوية في المدح لهم في جميع أخلاقهم وأفعالهم. وقال ابن الصلاح: إن الأمة مجمعة على تعديل جميع الصحابة“ (۱۷۸) (ابن کثیر فرماتے ہیں تمام صحابہ اہل سنت والجماعت کے ہاں عادل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کی تعریف کی ہے اور سنت نبوی میں بھی ان کی مدح کی گئی ہے۔ اور ان کے اخلاق کو اور افعال کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔ ابن الصلاح کہتے ہیں امت کا اس پر اجماع ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں)۔

”وقال الصابوني: ويرون الكف عما شجر بين أصحاب رسول الله ﷺ، ونظهر الألسنة عن ذكر ما يتضمن عيباً لهم ونقصاً فيهم، ويرون الترحم على جميعهم والموالاته لكافتهم، كذلك يرون تعظيم قدر أزواجه رضي الله عنهن والدعاء لهن ومعرفة فضلهن والإقرار بأنهن أمهات المؤمنين“ (۱۷۹) (صابونی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ (سلف) جن باتوں میں صحابہ کی لڑائیاں ہوئیں۔ ان سے رکنا اور اپنی زبانوں کو روکنا ضروری قرار دیتے ہیں اور ان کے عیب نکالنے کو روکتے ہیں اور ان سے محبت کرنا اور قلبی تعلق رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح سے رسول اللہ کی ازواج مطہرات کی تعظیم بھی ضروری قرار دیتے ہیں اور ان کے لیے دعا کو بھی ضروری سمجھتے ہیں اور ان کی فضیلت کا اقرار کرنا اور یہ کہنا کہ وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں ضروری ہے)۔

کتب معرفة الصحابة:

۱۔ معرفة من نزل من الصحابة سائر البلدان، علی بن المدینی (م ۲۳۷ھ) (۱۸۰)۔

- ۲- فضائل الصحابة، احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) (۱۸۱)۔
- ۳- الصحابة، محمد بن اسماعيل بخاري (م ۲۵۶ھ) (۱۸۲)۔
- ۴- كتاب الصحابة، ابوالحسن بن سبيح (م ۲۵۹ھ) (۱۸۳)۔
- ۵- كتاب اولاد الصحابة، مسلم بن حجاج القشيري (م ۲۶۱ھ) (۱۸۴)۔
- ۶- الصحابة، ابوبكر احمد بن عبدالله بن عبد الرحيم المعروف بابن البرقي (م ۲۷۰ھ) (۱۸۵)۔
- ۷- الصحابة، محمد بن عوف الطائي (م ۲۷۲ھ) (۱۸۶)۔
- ۸- ذكر ما للصحابة من الحديث من العدد، ابو عبد الرحمن قتي بن مخلد الاندلسي (م ۲۸۶ھ) (۱۸۷)۔
- ۹- تسميه اصحاب رسول الله ﷺ، محمد بن عيسى بن سورة الترمذي (م ۲۷۹ھ) (۱۸۸)۔
- ۱۰- الصحابة، ابن ابی خيثمة احمد بن زهير (م ۲۷۹ھ) (۱۸۹)۔
- ۱۱- الوجدان، ابن ابی عاصم احمد بن عمرو النبيل (م ۲۸۷ھ) (۱۹۰)۔
- ۱۲- كتاب المعرفة، ابو محمد عبدالله بن محمد بن عيسى المروزي (م ۲۹۳-۲۲۰ھ) (۱۹۱)۔
- ۱۳- الصحابة، محمد بن عبدالله بن سليمان المعروف بمطين (م ۲۹۷ھ) (۱۹۲)۔
- ۱۴- المقلين من الصحابة، محمد بن عثمان بن ابی شيبة (م ۲۹۷ھ) (۱۹۳)۔
- ۱۵- الصحابة، علي بن سعيد العسكري (م ۳۰۰ھ) (۱۹۴)۔
- ۱۶- الصحابة، محمد بن سعد البراءودي (م ۳۰۱ھ) (۱۹۵)۔
- ۱۷- فضائل الصحابة، ابو عبد الرحمن احمد بن شعيب النسائي (م ۳۰۲ھ) (۱۹۶)۔
- ۱۸- الصحابة، ابو محمد عبدالله بن احمد بن موسى المعروف بحافظ عبدان (م ۳۰۶ھ) (۱۹۷)۔
- ۱۹- معجم الصحابة، ابو يعلى احمد بن علي بن الهيثمي الموصلي (م ۳۰۷ھ) (۱۹۸)۔
- ۲۰- الاحاد في اسماء الصحابة، ابو محمد عبدالله بن جارود النيشابوري (م ۳۰۷ھ) (۱۹۹)۔
- ۲۱- الصحابة، ابوبكر عبدالله بن ابی داود سليمان بن الاشعث (م ۳۱۶-۲۳۰ھ) (۲۰۰)۔
- ۲۲- معجم الصحابة، الحافظ ابو القاسم عبدالله بن محمد بن عبد العزيز بن المرزبان البغوي (م ۳۱۸-۲۲۱ھ) (۲۰۱)۔
- ۲۳- الصحابة، ابو محمد عبدالله بن علي بن الجارود (م ۳۲۰ھ) (۲۰۲)۔
- ۲۴- الصحابة، الامام ابو جعفر العقيلي (م ۳۲۲ھ) (۲۰۳)۔
- ۲۵- معرفة الصحابة الذين نزلوا حمص، ابو القاسم عبد الصمد بن سعيد الحمصي

(م ۳۲۲ھ) (۲۰۲)۔

۲۶۔ الصحابه، الامام الحافظ ابو العباس محمد بن عبد الرحمن الدغوی (م ۳۲۵ھ) (۲۰۵)۔

۲۷۔ کتاب الصحابة او تاريخ الصحابه، ابو محمد عبد الرحمن بن محمد المعروف ابن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) (۲۰۶)۔

۲۸۔ تاريخ الصحابه، محمد بن اسحاق النيسابوری (م ۳۲۲ھ) (۲۰۷)۔

۲۹۔ فضائل الصحابه، ابوالحسن خيثمة بن سليمان (۲۵۰ھ-۳۲۳ھ) (۲۰۸)۔

۳۰۔ فضائل الصحابه، ايضاً (۲۰۹)۔

۳۱۔ الصحابه، محمد بن احمد الغسال (م ۳۲۹ھ) (۲۱۰)۔

۳۲۔ معجم الصحابه، حافظ عبد الباقي بن قانع بن مرزوق الاموي (۲۰۷-۳۰۱ھ) (۲۱۱)۔

۳۳۔ كتاب الصحابه، محمد بن حبان البستي (۲۷۰ھ-۳۵۲ھ) (۲۱۲)۔

۳۴۔ المعروف في اسماء الصحابه، حافظ الحجّ بن السكن علي بن سعيد (م ۳۵۳ھ) (۲۱۳)۔

۳۵۔ كتاب من حدث هو وابوه عن النبي، ابو بكر محمد بن عمر الجعاني (م ۳۵۵ھ) (۲۱۴)۔

۳۶۔ اسماء الصحابه، ابو احمد عبد الله بن عدي (۲۷۷ھ-۳۶۰ھ) (۲۱۵)۔

۳۷۔ الصحابه، ابو القاسم سليمان بن احمد الطبراني (م ۳۶۰ھ) (۲۱۶)۔

۳۸۔ المعجم الكبير، ابو القاسم سليمان بن احمد الطبراني (م ۳۶۰ھ) (۲۱۷)۔

۳۹۔ اسم كل صحابي روى عن رسول الله امراً دينياً، ابو الفتح محمد بن الحسين الازدي (م ۳۶۷ھ) (۲۱۸)۔

۴۰۔ تسميه من وافق اسمه واسم ابيه والتابعين ومن بعدهم من المحدثين، ابو الفتح الازدي (م ۳۶۷ھ) (۲۱۹)۔

۴۱۔ معجم الصحابه، حافظ ابو بكر احمد بن ابراهيم بن اسماعيل الجرجاني (م ۳۸۲ھ) (۲۲۰)۔

۴۲۔ كتاب الصحابه، ابو احمد الحسن بن عبد الله العسكري (م ۳۸۲ھ) (۲۲۱)۔

۴۳۔ فضائل فاطمه، ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان بن شاهين (۲۶۷-۳۸۵ھ) (۲۲۲)۔

۴۴۔ معجم الصحابه، ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان (ت ۳۸۵ھ) (۲۲۳)۔

۴۵۔ معجم الصحابه ومناقبهم، الدارقطني، علي بن عمر (۳۰۵-۳۸۵ھ) (۲۲۴)۔

۴۶۔ معرفة الصحابه، ابو عبد الله محمد بن اسحاق ابن مندة (۳۱۰-۳۹۵ھ) (۲۲۵)۔

۴۷۔ معجم الصحابه، امام احمد بن علي بن لال الحمداني الشافعي (م ۳۹۸ھ) (۲۲۶)۔

- ۴۸۔ فضائل الصحابة، ابوالمطرف عبدالرحمن بن محمد (م ۴۰۲ھ) (۲۲۷)۔
- ۴۹۔ فضائل الفاطمه الزهراء، ابو عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم (م ۴۰۵ھ) (۲۲۸)۔
- ۵۰۔ فضائل ابو بكر وعمر و عثمان و علي من الصحابة، ابو عثمان سعيد بن محمد حرب (م ۴۲۷ھ) (۲۲۹)۔
- ۵۱۔ معرفة الصحابة، ابو نعيم احمد بن عبد الله الاصبهاني (م ۴۳۰ھ) (۲۳۰)۔
- ۵۲۔ الاصابه لاوهام وقعت في معرفة الصحابة لابي نعيم، عبد الغني بن عبد الواحد (م ۶۰۰ھ) (۲۳۱)۔
- ۵۳۔ كتاب المصابيح في الصحابة، يحيى بن يونس الشيرازي (م ۴۳۲ھ) (۲۳۲)۔
- ۵۴۔ الصحابة، ابو العباس جعفر بن محمد بن معز المستغفری (م ۴۳۲ھ) (۲۳۳)۔
- ۵۵۔ فضائل ابو بكر الصديق، العشاري (م ۴۳۱ھ) (۲۳۴)۔
- ۵۶۔ قد استدرک علی الحافظ ابن عبد البر كثير من العلماء ومؤلفات بعضهم كما يلي، ابو عمر يوسف بن عبد البر النمری القرطبي (م ۴۶۳ھ) (۲۳۵)۔
- ۵۷۔ ذيل الاستيعاب، الحافظ محمد بن خلف بن فتحون (م ۵۱۹ھ) (۲۳۶)۔
- ۵۸۔ اوهام ابن عبد البر، الحافظ محمد بن خلف بن فتحون (م ۵۱۹ھ) (۲۳۷)۔
- ۵۹۔ ذيل علی ابن فتحون، الحافظ ابن السكّان احمد بن محمد بن ميمون الاشعري (م ۴۳۸ھ) (۲۳۸)۔
- ۶۰۔ حاشية علی الاستيعاب، ابو علی الحسين بن محمد (م ۴۹۸ھ) (۲۳۹)۔
- ۶۱۔ حاشية علی الاستيعاب، ابراهيم بن يحيى ابی اسحاق بن ائین (م ۵۴۴ھ) (۲۴۰)۔
- ۶۲۔ استدراك علی الاستيعاب، ابو الوليد بن الدباغ (ت ۵۴۶ھ) (۲۴۱)۔
- ۶۳۔ آخر من مات من الصحابة، یحيى بن عبد الوهاب (م ۵۱۱ھ) (۲۴۲)۔
- ۶۴۔ خصائص العشرة المبشرة، محمود بن عمر الزمخشري (م ۵۳۸ھ) (۲۴۳)۔
- ۶۵۔ اقتباس الانوار والتماس الازهار في انساب الصحابة، ابو محمد عبد الله بن علي النخعي (م ۵۴۳ھ) (۲۴۴)۔
- ۶۶۔ فضائل الصحابة، حسن بن ابی الغنائم بن مصري (م ۵۸۶ھ) (۲۴۵)۔
- ۶۷۔ فضائل اهل بدر، ابو الفرج عبد الرحمن المعروف بابن الجوزي (م ۵۹۷ھ) (۲۴۶)۔
- ۶۸۔ فضائل الصديق، ابن الجوزي (م ۶۲۷ھ) (۲۴۷)۔
- ۶۹۔ فضائل عمر، ابن الجوزي (م ۶۲۸ھ) (۲۴۸)۔

- ۷۰۔ مناقب علی، ابن الجوزی (۲۴۹)۔
- ۷۱۔ مناقب الحسن والحسين، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن الاندلسی (م ۶۱۰ھ) (۲۵۰)۔
- ۷۲۔ الاستبصار فی نسب الصحابة من الانصار، موفق الدين عبد اللہ بن قدامة المقدسی (م ۶۲۰ھ) (۲۵۱)۔
- ۷۳۔ اسد الغابة فی معرفة الصحابة، ابوالحسن عز الدين علی بن محمد المعروف بابن الاثير (م ۶۳۰ھ) (۲۵۲)۔
- ۷۴۔ حاشية علی اسد الغابة، مغلطائی بن قلیچ التركي (م ۶۲۲ھ) (۲۵۳)۔
- ۷۵۔ التعريف باسماء الصحابة، ابن خلفون (م ۶۳۶ھ) (۲۵۴)۔
- ۷۶۔ ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، ابو جعفر احمد الشير محبت الطبری (م ۶۲۲ھ) (۲۵۵)۔
- ۷۷۔ الرياض النضرة فی مناقب العشرة، محبت الطبری (۲۵۶)۔
- ۷۸۔ السمط الثمين فی مناقب امهات المؤمنین، محبت الطبری (۲۵۷)۔
- ۷۹۔ الصحابة، ابو القاسم بهاء الدين بن عبد الله المعروف بابن سيد الكل القفطی (م ۶۹۷ھ) (۲۵۸)۔
- ۸۰۔ فضائل العشرة المبشرة، برهان الدين ابراهيم بن عبد الرحمن (م ۷۳۹ھ) (۲۵۹)۔
- ۸۱۔ اسماء الصحابة الشعراء، ابن سيد الناس (م ۷۳۲ھ) (۲۶۰)۔
- ۸۲۔ تجريد اسماء الصحابة، شمس الدين ابو عبد الله محمد بن احمد الذهبي (م ۷۲۸ھ) (۲۶۱)۔
- ۸۳۔ كشف النقاب عما روى الشيخان للاصحاب، ابو سعيد صلاح الدين خليل بن كيكلدي (م ۷۶۱ھ) (۲۶۲)۔
- ۸۴۔ الاصابة فی تمييز الصحابة، احمد بن علی المعروف بابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) (۲۶۳)۔
- ۸۵۔ الرياض المستطابة فيمن روى في الصحيحين من الصحابة، عماد الدين يحيى بن ابی بکر العامري (۸۱۶-۸۹۳) (۲۶۴)۔
- ۸۶۔ در لاصحابه فيمن دخل مصر من الصحابة، الحافظ جلال الدين عبد الرحمن السيوطی (۸۳۹-۹۱۱ھ) (۲۶۵)۔
- ۸۷۔ البدر المنير فی صحابة البشير النذير، محمد قائم بن صالح السندھی (م ۱۱۴۵ھ) (۲۶۶)۔

۸۸۔ الصحابہ، محمد بن ایوب (۲۶۷)۔

۸۹۔ معجم الصحابہ، بشیر ابن اسحاق (۲۶۸)۔

۹۰۔ الصحابہ، محمد بن صالح الطبری (۲۶۹)۔

الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب:

ابن عبد البر الاندلسی (م ۴۶۳ھ) کی تصنیف ”کتب معرفۃ الصحابہ“ میں بہت بڑی ہے۔ اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے تراجم کی تعداد تین ہزار پانچ سو ہے۔ اور معجم کے لحاظ سے صحابہ کے نام مرتب کیے ہیں۔ پہلے ناموں کا ذکر کیا ہے پھر ناموں میں سے مشہور کنیتوں کا ذکر کیا ہے۔ پھر صحابیات کے ناموں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ان کی مشہور کنیتوں کا ذکر کیا ہے۔

اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ:

عزالدین ابی الحسن علی بن محمد ابن الاثیر الجزری (م ۶۳۰ھ) کی یہ کتاب معرفۃ اسماء الصحابہ کے لحاظ سے بڑی نفیس ہے۔ اس میں سات ہزار پانچ سو چون صحابہ رضی اللہ عنہم کے تراجم ہیں۔ ان کے ناموں کو حروف معجم کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔ پہلے دوسرے حرف سے لے کر آخر تک۔ اسی طرح ان کے باپ دادا اور قبائل کا ذکر ہے۔ اور اس میں ناموں کے بارے میں پہلے دوسرے اور تیسرے حروف تک ا، ب، ت، ث کا خیال رکھا گیا ہے۔ اسی طرح آخری نام تک۔ اسی طرح ان کے باپ، دادا اور قبائل کے بارے میں بھی۔ بعد میں ناموں کو ترتیب دیا ہے۔ پھر عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے (۲۷۰)۔



فن اسماء الرجال (اہمیت، ارتقاء و کتب)

فن اسماء الرجال کی تعریف:

فن کے معنی ”کام“ کے ہیں۔ اسماء اسم کی جمع ہے جس کے معنی ”نام“ کے ہیں اور رجال کا واحد رجل ہے جس کے معنی ”آدمی“ کے ہیں۔ راویان حدیث کے حالات و کوائف سے آگاہی حاصل کرنا اور ان کی سیرت و سوانح اور تراجم و احوال کو معرض بیان میں لانا ”فن اسماء الرجال“ یا ”علم اسماء الرجال“ کہلاتا ہے (۲۷۱)۔

ڈاکٹر سحیحی صالح نے اسماء الرجال کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: ”وہو يعرف رواة الحديث من حيث انهم رواة الحديث“ (یہ وہ علم ہے جو رواة حدیث کو بطور راوی حدیث تعارف کراتا ہے) (۲۷۲)۔

فن اسماء الرجال کی اہمیت و ضرورت:

لغت عربیہ میں ”حدیث“ کا لفظ نئی بات، گفتگو، نئی چیز، قابل ذکر واقعہ یا کلام و احوال کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مگر اصطلاح میں رسول اللہ ﷺ کے فرامین، افعال اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔ حدیث کا یہ علم ”علم الحدیث“ کہلاتا ہے۔ جب علم حدیث میں وسعت پیدا ہوئی تو اس کی مختلف شاخیں بن گئیں۔ ان میں ایک نہایت اہم شاخ علم ”اسماء الرجال“ ہے۔ علم حدیث اور اسماء الرجال دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے روح پرور حالات، آپ ﷺ کے اقوال و افعال، عادات و معمولات اور اسوۂ حسنہ کو علمائے حدیث کی رفیع المرتبت جماعت نے

اس طریقے سے محفوظ و مدون کیا کہ دنیا کی پوری تاریخ اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے میں علامہ شبلی کی یہ بات حقیقت حال کی عکاسی کرتی ہے۔

”مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے اپنے پیغمبر ﷺ کے حالات و واقعات کا ایک ایک حرف استقصا کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلم بند نہیں ہو سکے اور نہ آئندہ اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اس سے زیادہ کیا عجیب بات ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال کی تحقیق کی غرض سے آپ ﷺ کو دیکھنے والوں اور ملنے والوں میں سے تقریباً تیرہ ہزار شخصیتوں کے نام اور حالات قلم بند کیے گئے اور یہ اس زمانے میں ہوا جب تصنیف و تالیف کا ابھی آغاز ہی تھا“ (۲۷۳)۔

اس ساری بحث سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کو ہی اس بات کا اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے رواۃ حدیث و آثار کے حالات زندگی کو قلم بند کیا اور ان کی تعداد مستشرقین نے پانچ لاکھ تک بتائی ہے۔ چنانچہ مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر سپرنگر نے ’الاصابہ فی تمییز الصحابہ‘ کے ۱۸۸۶ء کے ایڈیشن کے مقدمہ میں لکھا ہے: ”کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری اور نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔ جس کی بدولت پانچ لاکھ مسلمانوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے“ (۲۷۴)۔

مسلمانوں میں سلسلہ نسب اور علم رجال کا ہونا ایک امتیاز ہے اور یہ شرف حدیث نبوی ﷺ کی عظمت کی بنا پر حاصل ہوا۔ اس علم میں یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ جو حضرات سلسلہ روایت حدیث میں ہیں، وہ کون تھے؟ کہاں سے تھے؟ کیسے تھے؟ ان کا سلسلہ نسب کیا تھا؟ ان کی سمجھ بوجھ کیسی تھی؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ ان کا چال چلن کیسا تھا؟ سطحی الذہن تھے یا نکتہ رس؟ عالم تھے یا جاہل؟ کس تخیل اور کس مشرب کے تھے؟ ان کا سن پیدائش و وفات کیا تھا؟ کہاں رہے؟ کن سے علم حاصل کیا؟ ان کے شاگرد کون سے تھے؟ تقویٰ اور پرہیزگاری میں ان کا کیا مقام تھا؟ تاکہ ان کے ذریعے سے حدیث کی صحت و سقم دریافت کی جاسکے۔ ان جزئی باتوں کا دریافت کرنا اور ان کا پتہ لگانا مشکل تھا لیکن محدثین نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کیں اور رحلت کے ذریعے ایک ایک شہر کے راویوں سے ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کیے۔ انہی تحقیقات کے ذریعے سے اسماء الرجال کا ایک عظیم الشان فن ایجاد ہوا۔ جس کے ایجاد و تشکیل کا شرف مسلمانوں کو حاصل ہوا۔

حدیث کے دو حصے ہوتے ہیں یعنی متن اور سند۔ سند راویوں کا وہ سلسلہ ہے جو الفاظ حدیث سے قبل ہوتا ہے۔ اس پر حدیث کا مدار ہے اگر اس حصے کی واقفیت نہ ہو تو حدیث سمجھ میں نہیں

آسکتی۔ گویا اسماء الرجال کے علم کے بغیر فہم علم حدیث ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد امام علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ) فرماتے ہیں۔ ”التفقه فی معانی الحدیث نصف العلم ومعرفة الرجال نصف العلم“ (۲۷۵) (معانی حدیث کو سمجھنا نصف علم ہے اور معرفت رجال نصف علم ہے)۔ علی بن المدینی کا ایک اور قول ہے: ”اشد التصحیف التصحیف فی اسماء الرجال“ (۲۷۶) (زیادہ تصحیف (نقاط کا فرق) ان لوگوں کے ناموں میں ہوتی ہے)۔

ابو اسحاق ابراہیم بن عبد اللہ النخیری کا قول ہے: ”اولی الاشیاء بالضبط اسماء الناس لانه شیء لا يعرف بالقیاس، فلا قبله شیء یدل علیہ، ولا بعده شیء یشیر الیہ“ (۲۷۷) (سب سے زیادہ جس چیز پر ضبط ہونا چاہیے وہ (حدیث روایت کرنے والے) لوگوں کے نام ہیں کیونکہ کوئی ایسی چیز نہیں جس میں قیاس کام کر سکے اور نہ ان سے پہلے اور نہ ان کے بعد کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جو اس کا پتہ دے سکے)۔

ابن عبد البر کا قول ہے: ”معرفة أعمار العلماء والوقوف علی وفیاتہم من علم خاصة اهل العلم یعنی من علم علیہ اهل العلم أنه لا ینبغی لمن وسم نفسه بالعلم جهل ذلك وأنه مما یلزمه من العلم العناية به والقیامة بحفظه“ (۲۷۸) (علماء کی عمروں کی پہچان اور ان کی وفات کی واقفیت اہل علم کا خاصہ ہے۔ یعنی بلند پایہ اہل علم جو شخص اپنے آپ کو علم سے متعلق سمجھتا ہے۔ اس کے لیے اس کی عدم واقفیت مناسب نہیں ہے۔ اس کے لیے خصوصی توجہ اور اس کی حفاظت کے لیے قیام کی ضرورت ہوتی ہے)۔

شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری توقادی (م ۱۳۷۳ھ) اپنی کتاب ”موقف العقل والعلم العالم من رب العالمین وعبادہ المرسلین“ میں مسلمانوں کا حدیث کی حفاظت کے متعلق تمام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”الطريقة المتبعة فی الاسلام لتوثیق الاحادیث النبویة: أفضل طریق وأعلاها، لا تُدانیها فی دقتها وسموها أي طريقة علمية غربية سعت فی توثیق الروایات، ففي صحيح البخاری مثلاً: ألفان وست مئة واثنان من الاحادیث المسندة، سوى المكررة، انتقاها البخاری من مئة ألف حدیث صحيح حفظها، وفيه قريب من ألفی راو، اختارهم من ثلثین ألفاً من الرواة الثقات الذين يعرفهم. وكتاب البخاری، البالغ اربع مجلدات كبيرة یبقى بعد حذف سانیده علی حجم مجلد واحد متوسط الحجم. فهل سمعتم وسمعت الدنيا أن کتاب تاریخ فی هذا الحجم، یروی ما فیہ سماعاً من ألفی رجل ثقة يعرفهم المؤلف

وغیره من اهل العلم، بأسمائهم وأوصافهم، على أن تكون كل جملة معينة من الكتاب، مؤلفة من سطر أو أكثر أو أقل تقريباً، سمعها فلان، وهو من فلان، إلى أن اتصل الإسناد والسماع بالنبي ﷺ، فيقام لكل سطر من سطور الكتاب تقريباً شهود من الرواة يتحملون مسؤولية روايته“ (۲۷۹) (اسلام میں احادیث نبویہ ﷺ کی توثیق کا معروف طریقہ بہترین اور عالی مرتبہ ہے۔ کئی علمی، منفرد اور بہتر طریقہ توثیق روایات میں لطافت اور بلندی میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری میں مکرر احادیث چھوڑ کر ۲۶۰۲ مسند احادیث ہیں۔ جن کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک لاکھ صحیح احادیث سے منتخب کیا جو ان کو یاد تھیں اور ان میں تقریباً دو ہزار راوی ہیں، جن کو انہوں نے ان ۳۰ ہزار سے زائد ثقہ راویوں میں سے منتخب کیا جن کو وہ جانتے تھے۔ بخاری کی کتاب چار بڑی جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی اسانید کو حذف کر کے بھی متوسط حجم کی ایک جلد رہ جاتی ہے۔ کیا آپ نے سنا اور کیا دنیا نے سمجھا کہ تاریخ کی کتاب اس ضخامت کی ہو کہ جس میں دو ہزار ثقہ آدمیوں کا سماع ہو۔ جن کو مؤلف اور دیگر اہل علم جانتے ہوں۔ ان کے نام، ان کے اوصاف اس لحاظ سے کہ اس کتاب کا ہر جملہ جو ایک سطر یا اس سے کم ہو کو فلاں نے فلاں سے سنا یہاں تک کہ اتصال اسناد و سماع نبی ﷺ تک پہنچ جائے اس کتاب کی ہر سطر پر راوی بطور گواہ موجود ہوں جو اس حدیث کی روایت کے متعلق جواب دہ ہوں)۔

وہ مزید فرماتے ہیں: ”اَدَى كَمَالُ الْعَتَاءِ الْإِسْلَامِي بِحَيَاةِ نَبِيِّنَا ﷺ، وَتَبَعَ أَقْوَالَهُ وَأَفْعَالَهُ، إِلَى الْعَتَاءِ بِحَيَاةِ الْمُتَّبِعِينَ أَنْفُسَهُمْ أَعْنَى الرِّوَاةِ عَنْهُ، وَلَيْسَ أَحَدٌ فِي الدُّنْيَا عُنِيَ فِي سَبِيلِ الْعَنَاءِ بِهِ، بِكُلِّ مَنْ لَقِيَهُ وَبِكُلِّ مَنْ رَوَى عَنْهُ شَيْئاً، وَبِمَنْ رَوَى عَنْ رَوَى، عَمَّنْ رَوَى إِلَى آخِرِهِ، إِلَى رَسُولِ اللَّهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدًا ﷺ“ (۲۸۰) (ہمارے نبی ﷺ کی زندگی کے اقوال و افعال کی تلاش پر خصوصی توجہ دی گئی یہاں تک کہ آپ ﷺ سے روایت کرنے والوں پر پوری توجہ کی گئی (معلومات کے لحاظ سے) دنیا میں کسی کے متعلق اتنی توجہ نہیں کی گئی۔ اور وہ شخص جو آپ ﷺ کو ملایا جس نے آپ ﷺ سے کچھ روایت کیا اور اس پر جس نے روایت کیا اور جن سے روایت کیا اور یہ بھی سلسلہ سیدنا محمد رسول ﷺ تک پہنچ جائے)۔

اسحاق بن ابراہیم بیان کرتے ہیں۔ ہارون الرشید نے ایک زندیق کو گرفتار کرایا اور اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس زندیق نے کہا۔ آپ مجھے کیوں قتل کرتے ہیں؟ تو ہارون نے کہا: تاکہ لوگوں کو آپ سے آرام دوں، تو اس نے کہا: اے امیر المؤمنین، آپ ان چار ہزار احادیث کے متعلق کیا کریں گے جو میں نے وضع کی ہیں؟ میں نے ان میں حلال کو حرام قرار دیا ہے، اور حرام

کو حلال قرار دیا ہے اور ان میں ایک لفظ بھی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد نہیں فرمایا۔ ہارون الرشید نے کہا: ”أین أنت یا عدو اللہ من أبی إسحاق الفزاري وعبد اللہ بن المبارک؟“ (۲۸۱) (اے اللہ کے دشمن تم ابو اسحاق فزاری اور عبد اللہ بن مبارک سے بچ کر کہاں جا سکتے ہو جو ان کو چھلنی کی طرح چھان کر ایک ایک حرف نکال پھینکیں گے)۔

یحییٰ بن سعید کہتے ہیں: ”لا تنظروا الی الحدیث ولكن انظروا الی الاسناد، فان صح الاسناد والا فلا تغتروا بالحدیث اذا لم یصح الاسناد“ (۲۸۲) (حدیث کو نہ دیکھو۔ اسناد کو دیکھو اگر اسناد ٹھیک ہو تو بہتر ہے۔ اگر اسناد ٹھیک نہ ہو تو حدیث کے متعلق دھوکہ نہ کھاؤ)۔ یزید بن زریج کہتے ہیں: ”لکل دین فرسان و فرسان هذا الدین اصحاب الاسانید“ (۲۸۳) (ہر دین کے شاہسوار ہوتے ہیں اور اس دین کے شاہسوار اصحاب اسناد ہیں)۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں ”آلة الحدیث الصدق والشهرة والطلب وترك البدع واجتناب الكبائر“ (۲۸۴) (حدیث کا ہتھیار، سچائی، شہرت، طلب، ترک بدعت اور کبائر سے اجتناب ہے)۔

امام شافعی رحمہ اللہ (ت ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ حدیث کی اس وقت تک حجت قائم نہیں ہو سکتی جب تک مندرجہ ذیل امور پیش نظر نہ ہوں:

”أن یکون من حدث به عالما بالسنة، ثقة فی دینه، معروف بالصدق فی حدیثه، عاقلا لما یحدث به، عالما بما یحیل معانی الحدیث من اللفظ، أو یکون ممن یؤدی الحدیث بحروفه کما سمعه لا یحدث به علی المعنی؛ لأنه إذا حدث به علی المعنی وهو غیر عالم بما یحیل معناه، لا یدری لعلہ یحیل الحلال الی الحرام، یا إذا آذاه بحروفه، لم یبق فیہ وجه یخاف فیہ إحالة الحدیث. ویكون حافظا إن حدث من حفظه، حافظا لکتابه إن حدث من کتابه، إذا شرک لهم الحفظ فی حدیث وافق حدیثهم، بریا من أن یکون مدلسا یحدث عن لقی بما لم یسمع أو یحدث عن النبی ﷺ بما یحدث الثقات بخلافه عنه علیہ السلام. ویكون هکذا من بوقه ممن حدثه، حتی ینتهی بالحدیث موصولا الی النبی ﷺ“ (۲۸۵) (حدیث بیان کرنے والا سنت کا عالم ہو، دین کے معاملے میں معتبر ہو، گفتگو میں سچا ہو، جو حدیث بیان کرے اس کو بچھتا ہو، لفظی معانی بدلنے کا علم رکھتا ہو۔ یا ان لوگوں سے ہو جو روایت باللفظ بیان کرتے ہیں جس

طرح سنا، روایت بالمعنی بیان نہ کرے۔ کیونکہ اگر وہ روایت بالمعنی بیان کرے اور روایت بالمعنی کو سمجھتا نہ ہو (یعنی بدلنے کو نہ سمجھے) تو ہو سکتا ہے کہ حلال کو حرام بنا دے۔ جب وہ روایت باللفظ بیان کرے گا تو اس بات کا کوئی ڈرنہ ہوگا کہ حدیث کسی اور معنی میں بیان ہو جائے گی۔ اگر حافظہ سے بیان کرے تو حدیث اس کو خوب یاد ہو۔ اگر کتاب سے بیان کرے تو کتاب کی اچھی طرح حفاظت کرتا ہو۔ اگر اور لوگوں کے ساتھ یاد کرنے میں شریک ہو تو ان کی حدیث کے مطابق بیان کرے۔ وہ مدلس نہ ہو کہ وہ اس سے بیان کرنے لگے جسے وہ ملا ہو یا رسول اللہ ﷺ سے وہ بیان کرے کہ اس سے نہ سنا ہو۔ ثقات راوی اس کی حدیث کے خلاف رسول اللہ ﷺ سے بیان کریں۔ اس قسم کے راوی اس کے اوپر ہوں جن سے وہ بیان کرے۔ یہاں تک کہ حدیث موصول رسول اللہ ﷺ تک پہنچ جائے۔

احمد بن محمد قسطلانی (م ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں کہ محدث بغداد ابو بکر محمد بن احمد فرمایا کرتے تھے: ”بلغنی أنّ اللہ خصّ هذه الأمة بثلاثة أشياء لم يعطها من قبلها من الأمم: الإسناد، والأنساب، والإعراب“ (۲۸۶) (مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تین چیزوں کی خصوصیت دی ہے جو پہلے کسی امت کو نہیں دی تھیں۔ علم الاسناد، علم الانساب اور علم الاعراب)۔ امام ابن حزم (م ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں ”نقل الثقة عن الثقة، حتى يبلغ به النبي ﷺ مع الاتصال، يخبر كل واحد منهم باسم الذي اخبره ونسبه، وكلهم معروف الحال والعين والعدالة والزمان والمكان: خص الله به المسلمين دون سائر اهل الممل كلها“ (۲۸۷) (ثقة راوی ثقہ راوی سے بیان کرتے ہوئے اتصال کے ساتھ رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک جس سے روایت کرتے ہیں اس کے نام و نسب بھی بیان کرتے ہیں۔ ہر ایک معروف الحال اور جانا پہچانا ہے اور زمان و مکان کے اعتبار سے عادل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے سارے ادیان و مذاہب کے سوا صرف مسلمانوں کو یہ خصوصیت بخشی ہے)۔

امام عبداللہ بن عبدالرحمان الداری نے اس کی مفصل کیفیت بیان کی ہے۔ اس سے احادیث نبوی کی شرعی نوعیت اور صحابہ کی کمال درجہ احتیاط کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ”میمون بن مہران کہتے ہیں کہ ابو بکر صدیق کے زمانہ خلافت میں جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ پہلے قرآن میں تلاش کرتے۔ وہاں اس کا حکم مل جاتا تو فیصلہ دے دیتے۔ اگر قرآن سے فیصلہ نہ ملتا تو اپنی معلومات احادیث پر غور کرتے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ مل جاتا تو اس پر حکم نافذ کر دیتے۔ اگر اس میں بھی قاصر رہتے تو عام طور پر صحابہ میں منادی کراتے کہ ہمارے پاس اس قسم کا مقدمہ اور مسئلہ درپیش

ہے، کیا آپ صاحبان کو اس کے متعلق آنحضرت ﷺ کا کوئی فیصلہ معلوم ہے؟ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ لوگ خود حاضر ہو جاتے اور آپ سے علم نبوی بیان کرتے اور اس کو سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے کہ ہم میں رسول اللہ ﷺ کی باتوں کے یاد رکھنے والے موجود ہیں اور اگر پھر بھی غیر ممکن ہوتا تو صحابہ سے مشورہ لے کر اتفاق رائے سے فیصلہ کر دیتے۔“ (۲۸۸)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحابہ سے ہی احادیث کو حفظ کرنے والے لوگوں کے متعلق معلومات حاصل کی جاتی رہی ہیں۔

قرآن مجید میں فن اسماء الرجال:

مولانا عبدالغفار حسن فرماتے ہیں: ارشاد ربانی ہے ”قُلْ اَرَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ اَيَتُونِيْ بِكُتُبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا وَاَثَرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اَنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ“ (۲۸۹) (کہو کہ بھلا تم نے ان چیزوں کو دیکھا ہے جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو (ذرا) مجھے بھی دکھاؤ کہ انہوں نے کون سی زمین پیدا کی ہے یا آسمان میں ان کی شراکت ہے، اگر سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب میرے پاس لاؤ یا علم (انبیاء میں) سے کچھ منقول چلا آتا ہو تو اسے پیش کرو)۔

اس آیت میں لفظ ”اثارة“ محل استدلال ہے، لفظ اثارة کی اصل ”اثر“ ہے جس کے معنی روایت کے ہیں اس کے تین مصدر مستعمل ہیں۔ اثرة، اثارة، اثر۔ قاضی شوکانی تفسیر ”فتح القدیر“ میں لکھتے ہیں: ”أصل الكلمة من الاثر وهي الرواية يقال: أثرت الحديث وأثره أثره وأثاره وأثرا، اذا ذكرته عن غيرك وقال عطاء أو شيء تأثرونه عن نبي كان قبل محمد صلى الله عليه وسلم، قال مقاتل: أو رواية من علم الأنبياء“ (۲۹۰) (یہ لفظ اثر کے مادے سے ہے، جب کسی دوسرے سے بات نقل کی جائے تو اس موقع پر یہ کلمہ بولا جاتا ہے۔ عطاء تابعی کہتے ہیں ”یا کوئی ایسی چیز پیش کرو جس کو تم آنحضور ﷺ سے پہلے کسی نبی سے روایت کرتے ہو“۔ مقاتل مفسر کہتے ہیں ”یا علم انبیاء میں سے کوئی روایت پیش ہو)۔

قاموس میں ہے ”الاثرة المكرمة المتوارثة، كالماثرة والبقية من العلم توثر كالأثرة والأثارة“ (۲۹۱) (اثرة اس خوبی کو کہتے ہیں جو آباء اجداد سے اولاد کی طرف منتقل ہوتی چلی آتی ہے اور اس بقیہ علم کو بھی کہتے ہیں جو منقول ہوتا چلا آتا ہے جیسا کہ اثرة اور اثارة کا مفہوم ہے)۔ خلاصہ کلام یہ کہ لفظ اثارة نقل اور روایت کا مفہوم رکھتا ہے۔ آیت مذکورہ بالا میں مشرکین

سے ان کے شرک کے ثبوت میں دو چیزوں کا مطالبہ کیا گیا ہے:

(الف) کسی سابق کتاب سے اس کی دلیل لاؤ۔

(ب) یا کوئی ایسی نقل و روایت پیش کرو جس کی بنیاد علم پر ہو، ظاہر ہے کوئی سی نقل و روایت بغیر

ناقل و راوی کے اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی اس لیے سند یعنی سلسلہ رواۃ کا اہتمام ضروری ہے اس کے بغیر کلام منقول کا صحت و ضعف واضح نہیں ہو سکتا (۲۹۲)۔

حدیث نبوی میں فن اسماء الرجال:

رسول اللہ کی احادیث مبارکہ میں بھی رجال پر بحث ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”أن رجلاً استأذن على النبي ﷺ فقال ائذنوا له، فلبس ابن العشيرة أو بس رجل العشيرة“ (۲۹۳) (ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ نے فرمایا کہ اس کو اجازت دے دو، قبیلے کا بُرا بیٹا ہے یا وہ قبیلے کا بہت بُرا آدمی ہے)۔

مشہور صحابیہ حضرت فاطمہ بنت قیس (رضی اللہ عنہا) کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تھی۔ نئی شادی کے مشورے کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور ابو جہم رضی اللہ عنہ دونوں نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ اب مجھے کیا کرنا چاہیے تو حضور ﷺ نے فرمایا: ”أما أبو الجهم فلا يضع عصاه عن عاتقه، وأما معاوية فصعلوك لا مال له“ (۲۹۴) (ابو جہم عورتوں کو مارنے والا ہے اور معاویہ تنگ دست آدمی ہے اس کے پاس مال نہیں ہے)۔ ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ زبان نبوی سے بھی رجال پر گفتگو ہوئی ہے۔

فن اسماء الرجال کا ارتقا:

علم اسماء الرجال آنحضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہی شروع ہو گیا تھا چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انساب کے ماہر تھے انساب کی مہارت علم اسماء الرجال سے ہی متعلق ہے۔

صحابہ کرام میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبداللہ انصاری اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی صفت اول کے رجال الحدیث ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ انہوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت قیس کی

روایت کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا ”لا نترک کتاب اللہ و سنة نبینا لقول امرأة لا ندري
أصدقت أم كذبت أم حفظت أو نسيت“ (۲۹۵) (ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی
سنت کو ایک عورت کی وجہ سے نہیں چھوڑیں گے ہمیں کیا معلوم اس نے سچ کہا یا جھوٹ اس نے یاد رکھا
یا بھول گئی)۔

تابعین میں سعید بن جبیر (م ۹۵ھ) ابراہیم نخعی (م ۹۵ھ) عامر الشعمی (م ۱۰۳ھ) طاؤس (م ۱۰۵ھ)
اور حسن بھری (م ۱۱۰ھ) نے رجال پر کلام کیا ہے۔ اسی طرح ایوب سختیانی (م ۱۳۱ھ) عبد اللہ بن
عون (م ۱۵۱ھ)، سلیمان تیمی (م ۱۴۳ھ)، شعبہ بن حجاج (م ۱۶۰ھ)، سفیان الثوری (م ۱۶۱ھ)،
مالک بن انس (م ۱۷۹ھ)، اوزاعی (م ۱۵۷ھ) عبد اللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ)، یحییٰ بن سعید
القطن (م ۱۴۳ھ)، وکیع بن الجرح (م ۱۹۷ھ) اور عبد الرحمن بن المہدی (م ۱۹۸ھ) جیسے اہل علم
نے بھی رجال میں کلام کیا ہے۔

تیسری صدی ہجری میں علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ) نے ”کتاب العلل“ میں، امام احمد
بن حنبل (م ۲۴۱ھ) نے ”کتاب العلل و معرفة الرجال“ میں، امام بخاری (م ۲۵۶ھ) نے
”تاریخ“ میں، امام مسلم (م ۲۶۱ھ) نے ”مقدمہ صحیح مسلم“ میں، امام ترمذی (م ۲۷۹ھ) نے ”کتاب
العلل“ میں رجال پر کلام کیا ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں اس فن پر کام کرنے والے درج ذیل لوگ ہیں امام نسائی
(م ۳۰۳ھ) نے ”کتاب الضعفاء والمتروکین“ اور محمد بن احمد بن حماد الدولابی (م ۳۱۰ھ)
نے ”کتاب الاسماء و الکنی“ تصنیف کی اس کتاب میں راویان حدیث کے ناموں اور کنیتوں کی
وضاحت کی گئی ہے۔ ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی (م ۳۲۷ھ) ”کتاب الجرح و التعديل
کے مصنف ہیں اس کا مقدمہ قابل دید ہے اس کے علاوہ ”کتاب الکنی“ اور ”کتاب المراسیل“ بھی
ان کی تصانیف ہیں جو اسی موضوع پر مشتمل ہیں۔ امام محمد بن حبان بستی (م ۳۵۴ھ) نے ”کتاب
اشقات“ اور ”کتاب البحر و جین“ لکھی ہیں۔ ابو احمد علی بن عدی بن علی قطن (م ۳۶۵ھ) نے فن
اسماء الرجال پر ”الکامل فی ضعف الرجال“ کے نام سے کتاب لکھی، دارقطنی (م ۳۸۵ھ) نے اپنی
”کتاب العلل“ میں رجال پر بہت مفید بحثیں کی ہیں۔ امام دارقطنی نے ”کتاب الضعفاء“ تالیف کی
و چھپ چکی ہے۔ اسی طرح ان کی کتاب ”المؤتلف و المختلف“ بھی چھپ چکی ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں ابو یوسف بن عمر بن عبد البر (م ۴۶۳ھ) اور خطیب بغدادی
(م ۴۶۳ھ) نے بھی اسماء الرجال پر بہت کام زیادہ کیا۔

چھٹی صدی ہجری کے مؤلفین رجال میں سے امام بیہقی (م ۵۵۸ھ) امام ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) ہیں۔ اس کے علاوہ معروف محدث عبدالغنی مقدسی (م ۶۰۰ھ) نے ”الکمال فی اسماء الرجال“ لکھی۔

ساتویں صدی ہجری میں امام نووی (م ۶۷۶ھ) نے اس فن پر گراں قدر کام کیا۔ ان کی کتاب ”تہذیب الاسماء واللغات“ بہت معروف ہے۔

آٹھویں صدی ہجری میں حافظ یوسف بن زکی مزی (م ۷۴۲ھ) حافظ ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے ”تاریخ الاسلام“، ”سیر اعلام النبلا“ اور ”تذکرۃ الحفاظ“ میں اور ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے ”البدایہ والنہایہ“ میں رجال پر کلام کیا۔

نویں صدی ہجری میں حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے اس فن پر گراں قدر کام کیا۔ ان کی کتب میں ”الاصابہ فی تمییز الصحابہ“، ”تہذیب التہذیب“ اور ”تقریب التہذیب“ بہت معروف ہیں۔ تقی الدین بن فہد (م ۸۷۱ھ) نے بھی اس فن پر کام کیا۔

دسویں صدی ہجری میں شمس الدین سخاوی (م ۹۰۲ھ) اور امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے بھی اس فن پر کام کیا۔

گیارہویں صدی ہجری کے رجال کے متعلق محمد الحمی نے ”خلاصہ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر“ لکھی اور بارہویں صدی ہجری میں اسماء الرجال کے متعلق ابوالفضل محمد خلیل بن علی المرادی (م ۱۲۰۶ھ) نے ”سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر“ لکھی۔

فن اسماء الرجال پر تحقیق کا یہ سلسلہ پہلی صدی ہجری سے لے کر اب تک جاری ہے۔ اس عرصہ میں حدیث اور رجال پر بے پناہ کام ہوا اور مختلف محدثین نے اس پر عمریں صرف کر دیں۔ ”علم الاسماء الرجال آغاز تا عصر حاضر“ کے عنوان پر رفعت طاہرہ نے محترمہ ڈاکٹر جمیلہ شوکت کی زیر نگرانی ۲۰۰۴ء میں شیخ زید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ فل کا مقالہ لکھا ہے۔ حال ہی میں محترمہ سمیہ نے پروفیسر ڈاکٹر فضل احمد کے زیر نگرانی ”فن رجال کی منتخب تالیفات کا تحقیقی مطالعہ“ (تیسری تا دسویں صدی ہجری) پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ کر شعبہ علوم اسلامیہ کراچی یونیورسٹی سے ۲۰۰۵ء میں ڈگری حاصل کی ہے۔ رجال کے متعلق معروف کتب کا ذکر مناسب ہوگا۔

کتب معرفۃ الصحابہ:

یہ وہ کتب ہیں جن میں صحابہ کرام کی کے حالات مدون کیے گئے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کے حالات پر مشتمل کتابیں لکھنے کی کئی وجوہات ہیں۔ سب سے پہلی اور اہم وجہ حدیثوں میں مرسل اور مرفوع کی معرفت ہے۔ اگر صحابہ کے حالات اور ان کے اسما معلوم نہ ہوں تو مرفوع، مرسل اور مقطوع حدیث کی تمیز مشکل ہو جائے گی۔

معرفۃ الصحابہ:

یہ کتاب حافظ ابو نعیم، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق الاصبہانی (م ۳۳۰ھ) کی ہے۔ حافظ ابو نعیم ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے (۲۹۶)۔ حصول تعلیم کی خاطر شام، بغداد، کوفہ، بصرہ، نیشاپور اور مکہ کا سفر کیا اور وہاں کے ممتاز اہل علم سے کسب فیض کیا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں ”کان ابوہ من علماء المحدثین والرحالین، فاستجاز لہ جماعة من کبار المسندین“ (۲۹۷) (اس کا والد علمائے محدثین اور حدیث کے لیے سفر کرنے والوں میں سے تھا۔) (ابو نعیم کو) عالی سندر کھنے والے کبار محدثین نے اسے روایت کی اجازت دی۔ اسی وجہ سے ابو بکر الخطیب آپ کے بارے میں فرماتے تھے ”لم أر أحدا أطلق علیہ اسم الحافظ غیر رجلین، ابو نعیم الاصبہانی و ابو حازم العبدوی“ (۲۹۸) (میں نے نہیں دیکھا کہ ابو نعیم اصبہانی اور ابو حازم العبدوی کے علاوہ کسی اور کے لیے حافظ کا اطلاق ہو سکتا ہو)۔ ابو نعیم نے ۳۳۰ھ میں وفات پائی (۲۹۹)۔

حافظ ابو نعیم کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ ان میں سے ایک اہم تصنیف ”معرفۃ الصحابہ“ ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ کتاب کا آغاز ایک مقدمہ سے ہوتا ہے۔ جس میں سبب تالیف اور کتاب کا منہج بیان کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں ”بدأت باخبار فی مناقبہم و مراتبہم ثم قدمت ذکر العشرة المشہود لہم بالجنة و اتبعتمہم بمن وافق اسمہ اسم الرسول ﷺ ثم رتب اسمی الباقین علی ترتیب حروف المعجم“ (۳۰۰) (میں نے ان (صحابہ) کے مناقب اور مراتب کے حالات سے آغاز کیا ہے اور ان دس صحابہ کو مقدم کیا۔ جن کو جنت کی بشارت دی گئی اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے نام کے موافق (ہم نام محمد) کو۔ پھر باقی تمام ناموں کو حروف معجم پر مرتب کیا ہے)۔

عشرہ مبشرہ کی فضیلت اجمالاً بیان کرنے کے بعد ان میں سے پہلے حضرت ابو بکر کے حالات ”معرفۃ نسبة الصديق العتيق ابي بكر و مولده و فاته“ (۳۰۱) کے عنوان کے تحت سند کے ساتھ مختصراً اس طرح بیان کیا ہے: ”حدثنا عبد الله بن محمد بن جعفر ثنا موسى بن هارون ثنا حامد بن يحيى البلخي ثنا سفيان بن عيينه عن زياد بن سعد عن عامر بن

عبداللہ بن الزبیر عن أبيه قال كان اسم أبي بكر عبد الله بن عثمان فلما قال له رسول الله ﷺ أنت عتيق الله من النار سمى عتيقا وقد قيل فيه وجه آخر (۳۰۲)۔

اسی طرح دوسرے روایہ کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً ”باب الثاء“ میں ”ثابت بن قیس بن الشماس“ کے عنوان کے تحت پہلے مصنف نے اپنی طرف سے ان کے مختصر حالات بیان کیے ہیں۔ لکھتے ہیں ”ابن ثعلبہ بن زہیر بن امرئ القیس بن مالک بن الحارث بن الخزرج یکنی ابا محمد کان خطیب الأنصار جہیر الصوت شهد له النبی ﷺ بالجنة استشهد بالیمامة سنة اثنی عشرة روى عنه أنس بن مالک وبنو محمد واسماعيل وقیس وعبدالرحمن بن أبی لیلی وغیرہم أو صلی بعد موته فأنفذت وصيته بعد موته“ (۳۰۳)۔

اس کے بعد باقی تمام اصحاب رسول ﷺ کے حالات پوری سند کے ساتھ نقل کیے ہیں۔

الاستیعاب فی معرفة الاصحاب:

یہ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر النمری کی تصنیف ہے جو ۳۶۸ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ علمی دنیا کے کبار اور عظیم علماء سے استفادہ کیا اور حدیث، فقہ، علم الانساب اور علم الاخبار میں بھی پوری دسترس حاصل کی۔ ”ابن خلکان لکھتے ہیں: ”کان مع تقدمه فی علم الاثر وبصره بالفقه ومعانی الحديث، له بسطة كبيرة فی علم النسب“ (۳۰۴)۔ آپ ۴۶۳ھ میں وفات پا گئے (۳۰۵)۔

”الاستیعاب“ صحابہ کرام کی معرفت کے لیے اہم تصانیف میں سے ہے۔ دوسرے اہل علم نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے جن میں ابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) نے ”اسد الغابہ“ میں ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے ”تجريد اسماء الصحابة“ میں اور ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے ”الاصابة“ میں روایہ کے حالات و تراجم کا مآخذ اس کتاب کو بنایا ہے (۳۰۶)۔ اس کے ابتدا میں رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے وفات تک کے اہم واقعات ہیں۔ اس کے بعد صحابہ کرام کو حروف بحجم کی ترتیب سے بیان کیا ہے۔ اور مشترک ناموں کو ایک باب میں بیان کرتے ہیں۔ اگر کسی نام کا ایک ہی راوی ہو تو ایسے ناموں کو ہر حرف کے آخر میں ”باب الافراد“ کے تحت بیان کیا ہے۔

اس کتاب میں تین ہزار پانچ سو صحابہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب حروف تہجی کے حساب سے مرتب ہے لیکن اس سلسلے میں کام سے پہلے حرف کا اعتبار کیا گیا ہے۔ نام کے بعد ان لوگوں کا ذکر

ہے جو اپنی کنیت کی وجہ سے مشہور ہیں۔ اس کے بعد صحابیات کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ پھر ان عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو اپنی کنیت سے مشہور تھیں۔

اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ:

یہ عزالدین ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالکریم بن الواحد الشیبانی (م ۶۳۰ھ) جو ابن الاثیر کے نام سے مشہور ہیں کی تصنیف ہے۔ ابن الاثیر نے اپنی کتاب میں سات ہزار پانچ سو چون (۷۵۵۳) اسمائے گرامی کا ذکر کیا ہے (۳۰۷)۔ ان تمام اسمائے گرامی کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے اور اس سلسلے میں ہر نام کے پہلے، دوسرے اور تیسرے حرف کا اعتبار کیا ہے۔ اس طرح صحابہ کرام کے آباؤ اجداد اور قبائل کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد ان کی کنیتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور کتاب کے آخر میں صحابیات کے اسمائے گرامی کا ذکر ہے (۳۰۸)۔ اس کتاب کے رموز درج ذیل ہیں:

الف: ابن مندہ ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ (م ۳۹۵ھ) جو ابن مندہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی صحابہ سے متعلق کتاب معرفۃ الصحابہ ہے۔

ع: ابو نعیم (م ۴۳۰ھ) کی کتاب معرفۃ الصحابہ۔

ب: ابن عبدالبر، ابو عمر یوسف بن عبداللہ (م ۴۶۳ھ) کی کتاب ”الاستیعاب“۔

س: ابو موسیٰ محمد بن عمر المدینی (م ۵۸۱ھ) کی کتاب ”معرفۃ الصحابہ“ (۳۰۹)۔

تجربہ اسماء الصحابہ:

یہ حافظ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد ذہبی (۶۷۳-۷۴۸ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ ابن الاثیر الجزری کی کتاب ”اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ“ کا اختصار ہے اور اس کا منہج بھی کافی حد تک اسد الغابہ سے ملتا جلتا ہے۔ کتاب حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کی گئی ہے اور صحابہ کرام کو مختلف انواع کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً صحابی کا نام، کنیت، باپ کا نام اور قبیلہ وغیرہ (۳۱۰)۔

الاصابہ فی تمییز الصحابہ:

یہ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) کی تصنیف ہے (۳۱۱)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معرفت کے لیے یہ بھی اہم کتاب ہے۔ کتاب کے آغاز میں مختصر مقدمہ تحریر کیا گیا ہے جس میں امام بخاری رحمہ اللہ سے امام ذہبی تک جن لوگوں نے اس موضوع پر قلم

اٹھایا ہے۔ ان کا مختصر ذکر کیا گیا ہے اور ان میں سے بعض پر تنقید بھی کی گئی ہے۔

اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معرفت اور عدالت وغیرہ بیان کی ہے۔ اور مختصر کتاب کا منہج بھی ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں ”رتبہ علی اربعة اقسام فی کل حرف“ (۳۱۲) (میں نے اس کتاب میں صحابہ کرام کو ہر حرف میں چار اقسام میں تقسیم کیا ہے)۔

پہلی قسم: ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خاص ہے جن کے صحابہ ہونے کی صراحت موجود ہو یا کسی راوی سے اس کی وضاحت ہو۔

دوسری قسم: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان بچوں کے بارے میں ہے جو نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں پیدا ہوئے اور آپ ﷺ کی وفات کے وقت وہ چھوٹی عمر کے تھے۔ ان کا ذکر اس گمان پر کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ضرور نبی اکرم ﷺ کو دیکھا ہوگا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عام طور پر یہ کوشش کرتے تھے کہ اپنے بچوں کو آپ ﷺ کے پاس لے جائیں تاکہ آپ ﷺ ان کا کوئی نام تجویز کریں اور ان بچوں کے لیے برکت کی دعا فرمائیں۔

تیسری قسم: مخضرین کے تراجم پر مشتمل ہے جنہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا اور ان کے بارے میں کوئی روایت بھی نہ ملے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے ملاقات کی ہو یا دیکھا ہو۔ اہل علم کے نزدیک بالاتفاق یہ صحابی نہیں ہیں۔

چوتھی قسم: ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کو غلطی کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار کیا گیا ہے (۳۱۳)۔

کتاب حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب ہے اور یہ ترتیب ان کے باپ اور دادا کے نام میں بھی موجود ہے انہوں نے سب سے پہلے مردوں کا ذکر کیا ہے پھر ان کی کنیتوں کا اس کے بعد عورتوں اور ان کی کنیتوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب میں ۱۲۶۷ راویوں کا ذکر ہے۔ جو راوی اپنے نام سے مشہور تھے ان کی تعداد ۹۷۷ ہے۔ جو کنیت کے لحاظ سے مشہور تھے ان کی تعداد ۱۲۸۸ ہے۔ اور جو صحابیات ناموں اور کنیتوں سے مشہور ہیں ان کی تعداد ۱۵۲۲ ہے (۳۱۴)۔

تراجم بیان کرتے ہوئے ابن حجر نے اختصار سے کام لیا ہے کیونکہ ان کا مقصد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت یا عدم صحبت کی وضاحت کرنا ہے اس لیے عموماً نام و نسب، کنیت، لقب اور مشہور نسبت پر اکتفا کرتے ہیں اور کبھی ہجرت، غزوہ میں شرکت کی طرف دیکھتے ہوئے سن وفات کا بھی ذکر کر دیتے ہیں۔

کتاب طبقات:

صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ طبقات پر بھی کتب لکھی گئیں۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین نے رجال کے مختلف طبقات قائم کیے ہیں اور ان کے حالات طبقہ بہ طبقہ اپنے عہد تک بیان کیے ہیں۔ اس طرز پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں حسب ذیل مشہور ہیں:

طبقات ابن سعد:

یہ کتاب محمد بن سعد بن منیع البصری، ابو عبد اللہ کی ہے۔ جو ۱۶۸ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور بصرہ کے نامور علماء سے اکتساب فیض کے بعد بغداد تشریف لے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ طویل عرصہ اپنے استاذ محمد بن عمر الواقدی کے کاتب کی حیثیت سے گزارا اس لئے کاتب الواقدی کے نام سے مشہور ہو گئے (۳۱۵)۔

ابن سعد کو اہل علم نے ثقہ اور معتبر مانا ہے۔ اگرچہ بعض نے اس پر جرح کی ہے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں ”محمد بن سعد عندنا من اهل العدالة وحديثه يدل على صدقه فانه يتحرى في كثير من رواياته“ (۳۱۶) (ہمارے ہاں محمد بن سعد اہل عدالت میں سے ہیں اور اس کی حدیث اس کی سچائی پر دلیل ہے کیونکہ وہ روایات زیادہ حاصل کرنے کی کوشش میں رہتا تھا)۔ ابن سعد نے ۲۳۰ھ میں وفات پائی (۳۱۷)۔ طبقات ابن سعد، الطبقات الکبریٰ لابن سعد کے نام سے ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء میں دار صادر، بیروت سے نو جلدوں میں شائع ہوئی۔

اس کی پہلی جلد سیرت طیبہ پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد آنحضرت ﷺ کے غزوات، مرض اور وفات کا ذکر ہے نیز جو حضرات مدینہ منورہ میں مفتی کے فرائض سرانجام دیتے تھے ان کا ذکر کرنے کے ساتھ قرآن پاک کو جمع کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خواہ ان کا تعلق آنحضرت ﷺ کے دور کے ساتھ ہو یا بعد کے دور سے، ان سب کا ذکر کیا گیا ہے۔ تیسری جلد میں ان مہاجرین اور انصار کے حالات کا ذکر ہے جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔ چوتھی جلد میں ان قدیم الاسلام صحابہ کا ذکر ہے جو غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ اس کے ساتھ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر بھی ہے جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ پانچویں جلد میں تابعین مدینہ کا ذکر ہے نیز ان صحابہ رضی اللہ عنہم کا جو مکہ، طائف، یمن، یمامہ اور بحرین میں سکونت پذیر ہوئے اور آخر میں مذکورہ شہروں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد ان کی جگہ لینے والے تابعین کا ذکر ہے۔ چھٹی جلد میں ان صحابہ کا ذکر ہے جو کوفہ میں قیام پذیر

ہوئے۔ پھر کوفہ کے تابعین اور ان اہل علم کا ذکر ہے جو مصنف کے دور تک ہوئے۔ ساتویں جلد میں ان صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کا ذکر ہے جو مختلف شہروں میں قیام پذیر ہوئے لیکن ان میں اہل بصرہ، شام اور مصر کا ذکر زیادہ ہے۔ جبکہ باقی شہروں کے رہنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔ آٹھویں جلد میں صحابیات کا ذکر ہے۔

ابن سعد نے طبقات کو نسبی، طبقاتی اور مکانی اعتبار سے ترتیب دیا ہے۔ اور صحابہ کرام کی سبقت فی الاسلام کو ملحوظ رکھا ہے بالخصوص مدینہ منورہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سبقت فی الاسلام کو بنیاد بنایا ہے۔ اس لحاظ سے انہوں نے صحابہ کرام کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے:

- ۱۔ بدری، مہاجرین و انصار
- ۲۔ وہ اصحاب جو حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔
- ۳۔ جو فتح مکہ سے قبل اسلام لائے۔

ابن سعد نے صحابہ کرام اور بعض تابعین کے تراجم قدرے تفصیل سے بیان کیے ہیں جوں وہ اپنے زمانے سے قریب ہوتے جاتے ہیں تراجم بھی مختصر ہوتے ہیں۔ ابن سعد نے رجال پر جرح و تعدیل بھی کی ہے۔ ان کی اصطلاحات تعدیل کے لیے ”ثقة“، ”ثقة ثبت“، ”صالح الحدیث“، ”ثقة ثبت مامون“ وغیرہ جبکہ جرح کے لیے ”منکر الحدیث“، ”متروک الحدیث“، ”ضعیف“ ”مجہول“ لیس یحتج بحدیثہ وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے (۳۱۸)۔

تذکرۃ الحفاظ:

یہ کتاب شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی کی ہے۔ جو ۶۷۳ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے شروع میں والد کا پیشہ صرافی اپنایا تھا۔ اس لیے معاصرین انہیں الذہبی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ذہبی نے ۱۸ سال کی عمر میں طلب حدیث کی طرف خصوصی توجہ دی اور تحصیل علم کے لیے مختلف شہروں کا سفر کیا اور وہاں کے ممتاز اہل علم سے اکتساب فیض کیا (۳۱۹)۔ آپ کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ انہوں نے اپنی مشہور کتاب ”معجم الشیوخ“ کی دو ضخیم جلدوں میں ان کو درج کیا ہے نیز ”تذکرۃ الحفاظ“ کے آخر میں بھی ۳۶ شیوخ کا مختصر تذکرہ کیا ہے۔

علامہ ذہبی نے اپنے دور کے مشہور مدارس میں حدیث کی تدریس کی۔ شیخ الحدیث کے منصب پر ہوتے ہوئے اس محنت و جانفشانی سے کام کیا کہ آپ کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ علامہ ذہبی نے حدیث، فقہ، تاریخ اور اسماء الرجال میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ آپ نے دمشق

میں واقع ”ترتیب ام صالح“ کے مقام پر ۷۲۸ھ میں وفات پائی اور آپ کو ”باب الصغیر“ میں دفن کیا گیا (۳۲۰)۔

”تذکرۃ الحفاظ“ دارالکتب العلمیہ بیروت سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے (۳۲۱)۔ اس کے چار اجزاء کا اردو ترجمہ دو جلدوں میں اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا ایک ایڈیشن شیخ زکریا غیرات کے حاشیے کے ساتھ ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا ہے جس میں ۱۱۷۶ روایات کے تراجم کے علاوہ ۳۶ شیوخ کے تراجم اور آخر میں ”لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ“، للممکی اور ”ذیل طبقات الحفاظ“ سیوطی بھی شامل ہیں (۳۲۲)۔ علامہ ذہبی نے اس کتاب کو اکیس طبقات پر مرتب کیا ہے۔ انہوں نے صرف حفاظ کو شمار کیا ہے۔ غیر حفاظ کو ذکر کیا ہے لیکن شمار نہیں کیا ہے۔

تراجم بیان کرتے ہوئے علامہ ذہبی نے زیادہ طوالت سے گریز کیا ہے۔ ہر حافظ حدیث کے نام و نسب، تاریخ پیدائش، اساتذہ اور تلامذہ کا ذکر کیا ہے مثلاً سعید بن المسیب کے ترجمے میں لکھا ہے ”سعید بن المسیب الامام شیخ الاسلام فقیہ المدینہ ابو محمد المخزومی: أجل التابعین ولد لستین مفتا من خلافة عمر وسمع من عمر شیا وهو یخطب وسمع من عثمان وزید بن ثابت وعائشة وسعد وسعید وأبی هريرة رضی اللہ عنہم وخلق“ (۳۲۳)۔ پھر اس کے اخلاق و عادات، علم و فضل اور ثقاہت و عدالت وغیرہ کے بارے میں معاصرین و متاخرین کی آرا بیان کرتے ہیں: قال احمد بن حنبل وغیرہ: ”مراسلات سعید صحاح“، ”وقال قتاده“ ما رايت احدا اعلم من سعید بن المسیب“ (۳۲۴)۔ خود امام ذہبی بھی اس پر تبصرہ کرتے ہیں۔ ”کان واسع العلم وافر الحرمة متین الدیانة، قوالا بالحق فقیہ النفس“ (۳۲۵)۔

اس کے علاوہ راوی کی تالیفات، تاریخ وفات اور اسی سال انتقال پانے والے محدثین اور ان کی عمر اور جائے تدفین کا بھی تذکرہ کرتے ہیں مثلاً ابو عوانہ کے ذکر میں لکھتے ہیں: ”مات فی شهر ربیع الاول سنة ست وسبعین ومائة بالبصرة رحمة الله علیه“ (۳۲۶)۔

طبقات الحفاظ:

جلال الدین عبدالرحمان بن ابوبکر السیوطی (ل ۹۱۱ھ) کی تالیف ہے۔ انہوں نے علم کے تمام شعبوں میں دسترس حاصل کی اور ہر ایک پر قلم اٹھایا۔ ان کے شاگرد داؤدی کے مطابق ان کی تالیفات کی تعداد ۵۰۰ ہے (۳۲۷)۔

”طبقات الحفاظ“ متعدد بار شائع ہو چکی ہے (۳۲۸)۔ ایک جلد میں مختصر سی یہ کتاب علامہ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ کا خلاصہ اور ذیل ہے جیسا کہ علامہ سیوطی نے مقدمہ میں بیان کیا ہے: ”هذا كتاب طبقات الحفاظ ومعدلي حملة العلم النبوي ومن يرجع إلى اجتهادهم في التوثيق والتجريح، والتضعيف والتصحيح لخصتها من ”طبقات“ إمام الحفاظ أبي عبد الله الذهبي وذيلت عليه من جاء بعده“ (۳۲۹)۔

علامہ سیوطی نے ”تذکرۃ الحفاظ“ کے بعض ناموں کو حذف کیا ہے۔ بعض ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ یہ کتاب ۲۲ طبقات پر مشتمل ہے۔ اکیسویں طبقہ کے آخر میں لکھا ہے ”هذا آخر ما أورده الحافظ الذهبي وأنا أذيل عليه لمن جاء بعده“ (۳۳۰)۔ اس کے بعد امام ذہبی اور ان کے بعد آنے والے دیگر علماء کو شامل کیا ہے۔ ان میں سب سے آخری حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) ہیں۔ اس کتاب کا پہلا طبقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔ علامہ سیوطی نے تراجم میں مختصر اسلوب اختیار کیا ہے۔ صحابہ کرام کے صرف نام ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

مثلاً ۱۷۔ ثم عبد الله بن عمر ۱۸۔ وعبد الله بن عباس ۱۹۔ وعبد الله بن عمرو بن العاص ۲۰۔ وعقبه بن عامر (۳۳۱)۔ (صحابہ کرام کے ناموں کے ساتھ ذکر کردہ نمبر وہی ہیں جو طبقات الحفاظ میں ہیں)۔

باقی طبقات میں تراجم بیان کرتے ہوئے نام کے ساتھ نسب، کنیت، نسبت اور شیوخ و تلامذہ کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً سعید بن ابی عروبہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں ”سعيد بن أبي عروبة مهران العدوي مولا هم أبو النصر البصري، روى عن الحسن، وابن سيرين، وإيوب، وزیاد بن كليب، وقتادة، وخلق وعنه الأعمش أحد شيوخه، وشعبة، والثوري، وابن المبارك ويحيى القطان، ويزيد بن زريع، وخلق“ (۳۳۲)۔ اسی طرح غزوات اور معرکوں میں شرکت کا ذکر ہے۔ راویوں کے اہم مناصب کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کے علم و فضل کو بھی بیان کیا ہے۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں ”وهو أحفظ الصحابة، قال الشافعي: أبو هريرة أحفظ من روى الحديث في الدنيا“ (۳۳۳)۔

جرح و تعدیل سے متعلق آئمہ کی آراء، تالیفات اور خود بھی رواۃ پر تبصرہ کرتے ہوئے آخر میں وفات کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً فریابی کے بارے میں لکھتے ہیں: ”قاضي الدينور، وصاحب التصانيف، رحل من الترك إلى مصر، وكان ثقة مأمونا. ورد إلى بغداد فاستقبل بالطيارات والزبازب، وحضر مجلسه نحو ثلاثين ألفاً، وكان المستملون ثلاث مائة

وستة عشر. وقال الخطيب كان من أوعية العلم. من اهل المعرفة والفهم طوف شرقا وغربا. ولد سنة سبع ومائتين، ومات في محرم سنة احدى وثلاث مائة“ (۳۳۴)۔

جرح و تعدیل کے لیے امام صاحب عموماً یہ اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔ تعدیل کے لیے: ثقة، صالح الحدیث، یس بہ باس وغیرہ۔ جرح کے لیے: ضعیف، کذاب، منکر الحدیث، لا یکتب حدیثہ وغیرہ۔

کتب التاریخ:

راویوں کے درمیان ناموں یا ان کے باپ و ادا کے ناموں اور کنیتوں میں التباس ہو جاتا ہے جس سے یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں ایک راوی کو التباس کی وجہ سے دوسرے راوی کی جگہ یا ایک ہی راوی کو دو الگ الگ شخص نہ سمجھ لیا جائے۔ اس لیے محدثین نے راویوں کے اسماء اور کنیتوں کی باقاعدہ تحقیق کر کے ان کو مستقل کتابوں میں منضبط کر دیا ہے۔ جیسے تاریخ الکبیر بخاری اور تاریخ الثقات وغیرہ۔

تاریخ یحییٰ بن معین:

یہ کتاب ابو زکریا یحییٰ بن معین (م ۲۳۳ھ) کی ہے جو بغداد میں ۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے (۳۳۵)، تحصیل علم حدیث کی خاطر والد کی تمام متروکہ رقم خرچ کر ڈالی۔ ابن خلکان لکھتے ہیں ”خلف لابنہ یحییٰ، الف الف درہم وخمسين الف درہم، فانفق جميع المال على الحديث حتى لم يبق له نعل يلبسه“ (۳۳۶)۔ آپ نے مدینہ میں ۲۳۳ھ کو وفات پائی (۳۳۷)۔

”تاریخ یحییٰ بن معین“ اکثر کتابوں میں ”التاریخ والعلل“ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب جرح و تعدیل میں ان کے اقوال کا مجموعہ ہے۔ جس کے راوی ان کے شاگرد خاص، ابوالفضل عباس بن محمد بن حاتم الدوری (م ۲۷۱ھ) ہیں۔ اس کتاب کے اکثر مضامین ان کے تلمیذ مذکور کے سوالات کے جوابات یا تلمیذ مذکور کی موجودگی میں دوسرے لوگوں کے سوالات کے جوابات ہیں۔ یہ کتاب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر مؤلف کے دور تک کے راویان حدیث پر مشتمل ہے۔ سب سے پہلے صحابہ کرام کا ذکر ہے پھر مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، خراسان، واسط، مدائن، بغداد، شام، مصر، جزیرہ وغیرہ کے بعد تابعین و دیگر اہل علم کا مختصر تذکرہ ہے۔ اگر کوئی راوی کنیت سے معروف ہے تو اس کا نام بھی ذکر کرتے ہیں اور جو نام سے معروف ہے تو اس کی کنیت بھی بتاتے ہیں۔ اسی طرح اس کی نسبت

اور طبقہ کو بتلایا ہے کہ وہ صحابی ہے یا تابعی۔ نیز یہ بھی بتاتے ہیں کہ اس سے کسی نے روایت نہیں کی ہے اور کبھی ان سے مروی کوئی حدیث بھی ذکر کرتے ہیں اور بسا اوقات راوی کے منصب یا غزوہ/معرکہ میں شرکت کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔ بعض رواۃ کے وفات اور اس کو کسی ایسے واقعہ سے مربوط کر دیتے ہیں جس سے تاریخ وفات کا تعین ہو سکے۔

امام یحییٰ بن معین اس فن کے امام ہی نہیں بلکہ امام "نامہ سمجھے جاتے تھے انہوں نے رواۃ کی تعدیل یا تخریج سے متعلق جو حکم لگایا ہے اس کے بعد کے محدثین و اہل علم نے ان اقوال کو بہت اہمیت دی ہے (۳۳۸)۔

التاریخ الکبیر:

یہ کتاب امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم کی ہے۔ جو ۱۹۴ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں بینائی چلی گئی۔ والدہ کی گریہ زاری اور دعا کی کثرت سے ان کی بینائی لوٹ آئی۔ ابتدائی تعلیم بخارا کے شیوخ سے حاصل کی۔ گیارہ برس کی عمر میں علامہ داخلی جیسے تبحر عالم اور محدث کو ایک سند پر ٹوک دیا اور تصحیح کرادی (۳۳۹)۔

طلب علم کے لیے مختلف شہروں کا سفر کیا اور ممتاز علماء سے مستفید ہوئے۔ خطیب بغدادی ان کے مختلف شہروں کے سفر کے بارے میں لکھتے ہیں "ورحل فی طلب العلم الی سائر محدثی الأمصار و کتب بخراسان و الجبال، و مدن العراق کلها و بالحجاز و الشام و مصر (۳۴۰)۔

امام بخاری صرف حافظ حدیث ہی نہ تھے بلکہ آپ کو فقہ و اجتہاد کے ساتھ ساتھ علل حدیث میں بھی بلند مقام حاصل تھا۔ علل حدیث کے بہت بڑے ماہر تھے اور اپنے وقت کے امام گردانے جاتے تھے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: "لم أر بالعراق ولا بخراسان فی معنی العلل و التاریخ و معرفة الأسانید من محمد بن اسماعیل" (۳۴۱)۔

بقول خطیب: بڑے بڑے محدثین آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر علل حدیث کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے (۳۴۲)۔

امام بخاری جرح و تعدیل میں بہت احتیاط کرتے تھے اور سخت قسم کے جرح استعمال نہیں کرتے تھے اکثر "فیہ نظر" "لم یصح حدیثہ" "یخالف بعض حدیثہ" وغیرہ کہتے تھے (۳۴۳)۔ اگر کہیں سخت قسم کے الفاظ استعمال کرنا ہوں تو "منکر الحدیث" ہی کہتے ہیں "کذاب"،

’وضاع‘ کے الفاظ بہت کم استعمال کرتے ہیں بلکہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ ”فلاں نے اسے جھوٹا قرار دیا“ یا ”فلاں نے اس پر جھوٹ کی تہمت لگائی ہے“۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ۲۵۶ھ میں وفات پائی (۳۴۲)۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی تصانیف میں بیس، پچیس کتابوں کے نام ملتے ہیں۔ جن میں سے کچھ ناپید ہیں، کچھ مخطوطات کی شکل میں کتب خانوں میں محفوظ ہیں اور کچھ طبع ہو چکی ہیں۔ التاريخ الکبیر متعدد بار شائع ہو چکی ہے (۳۴۵)۔ اس کتاب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر اپنے عہد تک کے راویان حدیث کے تراجم بیان کیے ہیں۔

مقدمہ میں مختصر انبی اکرم ﷺ کی سیرت کا بھی ذکر کیا ہے۔ راویوں کو حروف مجتم پر ترتیب دیا ہے اور ہر ایک کے پہلے حرف ہی کی رعایت رکھی ہے۔ لیکن اسم محمد کے شرف کی بناء پر محمد نام کے رواۃ کا ذکر پہلے کیا ہے۔ اس طرح دوسرے پیغمبروں کے نام الف میں ”ابراہیم“، ”اسماعیل“، ”اسحاق“ اور ”ایوب“ کے نام کے رواۃ کو بھی مقدم کیا ہے۔ حروف تہجی کے اعتبار سے ایک نام سے باب شروع کرتے ہیں اور ہر باب میں کسی ترتیب کا خیال رکھے بغیر صحابہ کا ذکر پہلے کرتے ہیں۔ اگر اس نام کے رواۃ کی تعداد زیادہ ہو تو ان کی ولدیت کے اعتبار سے ان کو ذیلی ابواب میں تقسیم کرتے ہیں اور اس میں بھی ترتیب موجود ہے۔ جن راویوں کی ولدیت مجہول ہے ان کو باب ”من اسماء الناس ممن لا يعرف بابیہ“ کے تحت بیان کیا ہے۔ جو راوی اپنے آباء کے ناموں سے معروف ہیں ان کا ذکر آخر میں ”باب من لا يعرف له اسم و يعرفون بابائهم“ میں کیا ہے۔ سب سے آخر میں کنیتوں کے ساتھ معروف رواۃ کا ذکر ہے۔ اس میں بھی حروف تہجی کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب میں طوالت اور کثرت واقعات سے احتراز کیا اور مختصر اسلوب اختیار کیا ہے۔ اس بات کی وضاحت امام بخاری رحمہ اللہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں: ”قل ، اسم فی التاريخ الاولہ عندی قصۃ الانی کرہت تطویل الکتاب“ (۳۴۶)۔ رواۃ کے تعارف میں راوی، اس کے باپ اور دادا کا نام، اس کی کنیت، قبیلہ، شہر یا دونوں ہی کی طرف نسبت بیان کرتے ہیں۔ راوی کے بعض شیوخ و تلامذہ اور اس کی ایک یا ایک سے زائد روایتوں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اس کی مختلف غزوات، معرکوں میں شرکت کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔ بسا اوقات راوی کے کسی اہم منصب کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ بعض رواۃ کے سال وفات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اگر سن وفات کی تحدید نہ ہو سکے تو وفات کے وقت کو ایسے مشہور واقعہ سے مربوط کر دیتے ہیں جس سے اس کے سال وفات کا پتہ ہو سکے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس کتاب میں حدیث کے بہت سے ایسے متون لائے ہیں جنہیں ہم حدیث کی دوسری بڑی کتابوں میں نہیں پاتے اور اس میں کچھ عجب نہیں کیونکہ وہ حدیث کے اماموں کے امام ہیں اور امیر المؤمنین فی الحدیث کا درجہ رکھتے ہیں۔

التاریخ الاوسط:

یہ امام بخاری کی تالیف ہے۔ اس کتاب کے دو راوی ہیں۔ ابو محمد عبداللہ بن احمد الحافظ اور ابو محمد زنجویہ بن محمد اللباد (۳۲۷)۔ اس کتاب کے آغاز میں امام بخاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں ”کتاب المختصر من تاریخ ہجرة رسول الله والمهاجرين، والأنصار، وطبقات التابعين بإحسان ومن بعدهم، ووفاتهم، وبعض نسبهم، وكناهم، ومن يرغب عن حديثه“ (۳۲۸) (اس مختصر کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی ہجرت، مهاجرین، انصار، طبقات تابعین اور اس کے بعد (تابع تابعین) کے وفات، نسب، کنیت اور جس کو حدیث رسول میں رغبت ہو کا ذکر ہے)۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحابہ کرام کے حالات کو تاریخ وفات کے لحاظ سے ترتیب دی ہے اور دوسرے رواۃ کو زمانہ کے لحاظ سے ترتیب دی ہے۔ تاریخ اوسط کا اسلوب تقریباً آپ کی دوسری کتاب تاریخ الصغیر جیسا ہے بعض رواۃ اور قصے زائد ہیں۔

التاریخ الصغیر:

یہ کتاب بھی امام بخاری رحمہ اللہ کی تالیف ہے یہ کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ امام بخاری نے تاریخ الکبیر کو حروف تہجی کے مطابق ترتیب دیا ہے۔ جب کہ ”التاریخ الصغیر“ میں زمانی ترتیب کو مد نظر رکھا ہے۔ یہ عہد نبوی سے لے کر اپنے زمانے کے رواۃ کے حالات پر مشتمل ہے۔ بعض نے اسے صرف صحابہ کے تراجم کا مجموعہ قرار دیا ہے۔

آغاز میں نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک کے اہم واقعات اور آپ ﷺ کی سیرت کا مختصر ذکر کیا ہے اور آپ ﷺ کی فضیلت میں چند احادیث بھی بیان کی ہیں جن میں وفات پانے والے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے آپ ﷺ سے احادیث بیان کی ہیں۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بارے میں اختلافی روایات بیان کی ہیں اور ان میں سے بعض روایات پر تبصرہ بھی کیا ہے۔ پھر بالترتیب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں وفات پانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا ہے۔
خلفائے راشدین کے عہد کے بعد انہوں نے رواۃ کو طبقات میں تقسیم کیا ہے اور ہر طبقہ دس سال پر محیط ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے راویوں پر جرح و تعدیل بھی کی ہے اور تعدیل و تخرج کے لیے یا تو خود حکم لگاتے ہیں یا پھر دیگر آئمہ کی آراء بیان کرتے ہیں۔ اس کتاب میں بھی زیادہ تر وہی اصطلاحات استعمال کی ہیں جو التاریخ الکبیر میں کی ہیں (۳۴۹)۔

رجال کتب الصحاح الستہ :

صحاح ستہ احادیث کی معروف کتب ہیں ان کے رجال پر مختلف لوگوں نے کام کیا ہے جن میں چند درج ذیل ہیں۔

تہذیب الکمال :

جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزنی کی تالیف ہے جو حلب کے نواح میں ۶۵۴ھ میں پیدا ہوئے (۳۵۰)۔ اور ”مزة“ دمشق کی ایک بستی ہے (۳۵۱) جس میں پرورش پائی۔ بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا اور فقہ میں معمولی سوجھ بوجھ پیدا کرنے کے بعد علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ مکہ، مدینہ، حلب، مصر، حماة اور بعلبک وغیرہ کے علماء و شیوخ سے اکتساب فیض کیا (۳۵۲)۔

امام مزنی فن حدیث میں منفرد علمی شخصیت کے حامل تھے۔ علم لغت اور علم ادب میں مہارت حاصل کی (۳۵۳)۔ اسماء الرجال میں آپ نے کمال پیدا کیا۔ اس فن میں ان کی مہارت کا اندازہ ان کی کتاب ”تہذیب الکمال فی اسماء الرجال“ سے لگایا جاسکتا ہے (۳۵۴)۔ یہ کتاب کتب صحاح ستہ کے رجال کے ساتھ ساتھ ان اصحاب کی مشہور مصنفات کے رجال کے تراجم پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں مختصر اکتب ستہ کا تعارف اور اپنی کتاب کا منہج بیان کیا ہے۔ اگرچہ یہ کتاب رجال سے متعلق ہے لیکن ابتدائی اکرم رضی اللہ عنہ کے ذکر سے کی ہے۔

تراجم بیان کرتے ہوئے ہر راوی کے نام کے ساتھ حدیث کی کتب کے رموز دیے گئے ہیں جو یہ ہیں:

ع: کتب الستہ کا اتفاق۔ ۴: کتب اربعہ کا اتفاق۔

خ: الجامع الصحیح للبخاری۔ خت: تعلیقات بخاری۔

- ز: کتاب القراءة خلف الامام للبخاری.
- ی: کتاب رفع الیدین فی الصلاة للبخاری
- بخ: کتاب الادب المفرد للبخاری. عنخ: کتاب خلق افعال العباد للبخاری.
- م: الجامع الصحيح لمسلم. مق: مقدمه الجامع الصحيح لمسلم.
- د: السنن لابن داؤد. مد: کتاب المراسیل لابن داؤد.
- قد: کتاب الرد علی اهل القدر لابن داؤد.
- خد: کتاب النسخ والمنسوخ لابن داؤد.
- ف: کتاب التفرّد لابن داؤد. صد: فضائل الانصار لابن داؤد.
- ل: کتاب المسائل التي سأل عنها احمد بن حنبل. کد: مسند حدیث مالک بن انس.
- ت: السنن للترمذی. تم: شمائل الترمذی.
- س: السنن للنسائی. سی: کتاب عمل الیوم واللیلۃ للنسائی.
- ص: خصائص امیر المؤمنین علی للنسائی
- عس: مسند علی. کن: مسند حدیث مالک بن انس.
- ق: السنن لابن ماجه.
- فق: کتاب التفسیر ابن ماجه (۳۵۵)۔

یہ کتاب حروف تہجی پر مرتب ہے اور یہ ترتیب راوی کے باپ اور دادا کے نام میں بھی موجود ہے۔ لیکن بعض ناموں کے شرف کی بنا پر مقدم کیا ہے کہ الف میں احمد اور میم میں محمد کو مقدم کیا ہے۔ امام مزنی نے فصول کی ترتیب میں پہلے ناموں کو پھر الکئی پھر الانساب پھر الالقاب اور آخر میں مبہمات من الرجال کا ذکر کیا ہے۔ ہر فصل میں رجال کو حروف تہجی سے بیان کیا ہے اور سب سے آخر میں عورتوں کا ذکر کیا ہے اور ان کو بھی اسی ترتیب سے بیان کیا ہے۔ امام مزنی کی اس ترتیب سے ایک راوی کا ذکر کئی مقامات پر آ سکتا ہے۔ تراجم بیان کرتے ہوئے امام مزنی راوی کا نام و نسب، کنیت کے بعد علمی مقام بیان کرتے ہیں اور حصول علم کے لیے جن شہروں کا سفر کیا کبھی ان کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان شیوخ و تلامذہ کا تفصیلی ذکر حروف تہجی کی ترتیب سے کیا ہے اور ان کے ساتھ بھی ان کتابوں کی علامات بیان کی ہیں۔ جن میں ان کی کوئی روایت موجود ہے۔ پھر ان کی جرح و تعدیل سے متعلق آئمہ کے اقوال اور آراء بیان کیے ہیں۔ آخر میں روائۃ کی وفات بھی ذکر کرتے ہیں۔

اکمال تہذیب الکمال:

یہ کتاب ابو عبد اللہ علاء الدین، مغلطائی بن قلیچ بن عبد اللہ اچیری کی تالیف ہے۔ مؤلف ۶۸۹ھ میں پیدا ہوئے (۳۵۶)۔ آٹھویں صدی کے نامور محدث تھے، معرفت حدیث و رجال میں اپنے معاصرین میں نمایاں تھے۔ ان کے بارے میں حافظ فہد مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الامام، العلامة، الحافظ، المحدث، المشہور“ (۳۵۷) (علاء الدین مغلطائی، امام، علامہ، حافظ اور مشہور محدث ہیں)۔

امام ابن حجر لکھتے ہیں ”وقد تلقاه عنہ اکثر مشائخنا وقلدوہ فیہ لأنہ انتہت الیہ ریاسة الحدیث فی زمانہ فاخذ عنہ عامة من لقیناہ من المشائخ کالعراقی والبلقینی والرحوی“ (۳۵۸) (ہمارے اکثر مشائخ نے مغلطائی سے حدیث میں استفادہ کیا اور اس امر میں انہی کے پیروکار رہے۔ کیونکہ اس دور کے حدیث میں فرمانروائی کا خاتمہ انہی پر ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ہمارے اکثر مشائخ جیسے عراقی، بلقینی اور رحوی وغیرہ نے انہی سے علم حدیث حاصل کیا)۔

عراقی فرماتے ہیں ”کان عارفاً بالأنساب معرفة جلیلة، وأما غیرہا من متعلقات الحدیث فلہ بہا خبرة متوسطة، وتصانیفہ اکثر من مائة“ (۳۵۹)۔ (وہ انساب میں زیادہ معرفت رکھتے تھے لیکن حدیث کے دوسرے متعلقات کے بارے میں درمیانہ درجہ رکھتے تھے اور ان کی تصانیف سو سے زائد ہیں)۔

مغلطائی کی تصانیف میں سے ایک اہم تصانیف اکمال تہذیب الکمال ہے (۳۶۰)۔ ”اکمال“ کے بارے میں خود مؤلف لکھتے ہیں ”رایت أن أذكر فی هذا الكتاب ما یصلح أن یكون اکمالاً لتہذیب الکمال الذی ألفہ شیخنا العلامة الحافظ المتقن المتفنن جمال الدین المزی“ (۳۶۱)۔ ”زیر نظر کتاب علامہ حافظ جمال الدین مزری کی ”تہذیب الکمال“ کے لئے بطور اکمال و تتمہ ہے“ مزید لکھتے ہیں کیونکہ امام مزری نے اپنی کتاب میں بعض اہم امور سے اعتنا نہیں کیا اور کچھ غیر ضروری اشیاء کا تذکرہ کیا ہے مثلاً:

- ۱۔ بعض جگہ عالی السند احادیث کا تذکرہ کیا ہے جبکہ یہ رجال کی کتاب ہے۔
- ۲۔ اپنی بساط کے مطابق رواۃ حدیث کے شیوخ اور تلامذہ کا مکمل ذکر کیا ہے۔ حالانکہ ان کا استیعاب اور تمام کا احاطہ ایک مشکل امر ہے۔
- ۳۔ اسی طرح بعض اوقات رجال پر غیر ضروری تذکرہ کرتے ہیں جس سے رجال کی رفعت

شان یا ان کا ضعف معلوم نہیں ہوتا۔ جب کہ یہی امور تو رواۃ حدیث کی جرح و تعدیل اور ان کے حالات زندگی کو پرکھنے میں مقصود سمجھے جاتے ہیں (۳۶۲)۔

مصنف نے علامہ مزی سے ”تہذیب الکمال“ میں کتب ستہ کے جو رواۃ رہ گئے تھے۔ ان کا تذکرہ کیا ہے۔

رواۃ حدیث پر جرح و تعدیل میں بعض نادر کتابوں کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ ان میں سے رشاطی رحمہ اللہ اور زبیر بن بکار کی کتابیں، عبدالباقی بن قانع کی ”کتاب الوفيات“ احمد بن ابی خالد کی کتاب ”التعریف صحیح التاریخ“ اور ”تاریخ القرب“ قابل ذکر ہیں۔

مغلطائی نے متاخرین میں سے حاکم، ابن شاہین، ابن حزم اور ابواسحاق صریفی رحمہ اللہ کے اقوال بھی ذکر کیے ہیں جس سے علامہ مزی نے اعتناء نہیں کیا۔ جس راوی سے ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ابن الجارود وغیرہ نے کوئی روایت لی ہو تو اس کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں جس سے راوی کی توثیق کے لئے مزید تائید ہوتی ہے (۳۶۳)۔

تہذیب التہذیب:

یہ حافظ ابن حجر کی تالیف ہے۔ یہ کتاب، کتب ستہ کے رجال کے ساتھ ساتھ دوسرے آئمہ کی مشہور کتب کے رجال کے احوال پر مشتمل ہے۔ ابن حجر نے امام مزی کی ”تہذیب الکمال“ کا اختصار کیا ہے اور علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ) کی ”تذہیب تہذیب الکمال“ اور مغلطائی بن قلیج (م ۷۶۳ھ) کی کتاب اکمال تہذیب الکمال میں بعض چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔

ابن حجر نے اس کتاب کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے اور یہ ترتیب رواۃ کے باب کے ناموں میں بھی موجود ہے لیکن امام مزی کی طرح احمد اور محمد کے شرف کی بناء پر ”الف“ میں ”احمد“ اور ”میم“ میں ”محمد“ نام کے رجال کا ذکر پہلے کیا ہے۔ ابن حجر نے ترجمہ راوی کی ابتداء ایسے رموز سے کی ہے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اصحاب کتب ستہ میں سے کس نے اور کس کتاب میں اس سے روایت کی تخریج کی ہے۔ اور انہوں نے بھی ان کتب کے لیے وہی رموز استعمال کیے ہیں جو امام مزی نے تہذیب الکمال میں استعمال کیے ہیں۔

راوی کے حالات بیان کرتے ہوئے اس کا نام و نسب، کنیت، نسبت اور اس کے معروف شیوخ و تلامذہ کا ذکر کرتے ہیں۔ شیوخ و تلامذہ میں انہوں نے امام مزی کی ترتیب (حروف تہجی) کا التزام نہیں کیا ہے۔ راوی کی ثقاہت و عدالت اور علم و فضل کے بارے میں آئمہ جرح و تعدیل کے

اقوال بیان کیے ہیں اور اپنی رائے لفظ ”قلت“ کہہ کر شروع کی ہے۔ اس طرح انہوں نے امام مزی کی ”تہذیب الکمال“ کی احسن طریقے سے تہذیب کی اور ”تقریب التہذیب“ کے نام سے دو جلدوں میں اس کا اختصار کیا ہے (۳۶۴)۔

تقریب التہذیب:

یہ تہذیب التہذیب کا خلاصہ ہے۔ یہ بھی ابن حجر کی تالیف ہے (۳۶۵)۔ تہذیب التہذیب کی طرح اصحاب کتب ستہ کے رجال پر مشتمل ہے۔ البتہ اس میں رجال کے نام و نسب، کنیت، نسبت اور جرح و تعدیل میں ان کا مرتبہ اور طبقہ بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ مترجم کے شیوخ و تلامذہ اور اس کی جرح و تعدیل سے متعلق آئمہ کی آراء کو حذف کر دیا ہے۔

ابن حجر نے اس کتاب کو حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے اور یہ ترتیب ان کے باپ کے ناموں میں بھی موجود ہے لیکن ”الف“ میں ”احمد“ اور ”میم“ میں ”محمد“ کو شرف کی بنا پر مقدم کیا ہے۔ فصول کی ترتیب کو ”تہذیب التہذیب“ کی ترتیب پر برقرار رکھا ہے۔ ابن حجر نے مقدمہ میں رجال کے ۱۲ طبقات بیان کیے ہیں جن کی مختصر تفصیل درج ہے:

پہلا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

دوسرا: کبار تابعین کا ہے جیسے سعید بن المسیب رحمہ اللہ وغیرہ۔

تیسرا: تابعین میں سے وسطی تابعین کا ہے جیسے حسن بصری رحمہ اللہ اور ابن سیرین رحمہ اللہ وغیرہ۔

چوتھا: کبار تابعین سے روایت کرنے والوں کا ہے جیسے زہری، قتادہ وغیرہ۔

پانچواں: طبقہ صغریٰ ہے۔ ان میں سے جنہوں نے ایک یا دو سے روایت کیا ہے اور ان سے بعض کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سماع ثابت نہ ہو، جیسے اعمش۔

چھٹا: ان لوگوں کا ہے جو پانچویں طبقہ کے زبانی کے تھے لیکن ان کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہ ہو جیسے ابن جریج۔

ساتواں: کبار تبع تابعین کا ہے جیسے امام مالک اور سفیان الثوری۔

آٹھواں: تبع تابعین میں سے طبقہ وسطیٰ ہے جیسے ابن علیہ اور ابن عیینہ۔

نواں: تبع تابعین میں سے طبقہ صغریٰ ہے جیسے یزید بن ہارون، امام شافعی، ابو داؤد الطیالسی وغیرہ۔

دسواں: تبع تابعین میں سے اخذ کرنے والے کبار جنہوں نے تابعین سے ملاقات نہ کی ہو جیسے

امام احمد بن حنبل۔

گیارہواں: تبع تابعین روایت کرنے والوں کا طبقہ وسطی ہے جیسے امام ذہلی اور امام بخاری۔
بارہواں: تبع تابعین سے اخذ کرنے والے صفار جیسے امام ترمذی (۳۶۶)۔

تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمہ الاربعہ:

یہ کتاب حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) کی ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے ائمہ اربعہ امام احمد بن حنبل، امام مالک بن انس، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہم کی کتب حدیث کے ان راویوں کے حالات کا تذکرہ کیا ہے۔ جن سے ”کتب ستہ“ میں کوئی حدیث مذکور نہیں ہے اور علامہ مزی نے بھی انہیں تہذیب الکمال میں ذکر نہیں کیا۔ حافظ ابن حجر نے ابو عبد اللہ دمشقی الحسینی کی کتاب ”التذکرۃ فی رجال الکتاب العشرۃ“ سے استفادہ کیا اور اس پر کچھ رواۃ کے اضافہ کے ساتھ مستقل کتاب کی شکل دی اور دارقطنی کی کتاب ”الغرائب عن مالک“ بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن والآثار امام احمد بن حنبل کی کتاب ”الزہد“، امام محمد بن الحسن کی کتاب الآثار سے بھی بعض رواۃ کا اضافہ کیا۔ اس کتاب کے بعض رموز یہ ہیں:

(۱) امام احمد۔ (ک) امام مالک۔

(فح) امام شافعی۔ (فہ) امام ابو حنیفہ۔

(عب) امام احمد غیر ابیہ اور کتب الستہ کے چار رموز کو اسی حالت پر رکھا ہے (۳۶۷)۔

کتب الجرح والتعديل:

کتب جرح والتعديل میں راویوں کے ثقہ و غیر ثقہ، عادل و غیر عادل وغیرہ پر بحث کی جاتی ہے۔ ”جرح“ کے معنی زخمی کرنا، عیب لگانے کے ہیں۔ یعنی عیب کی بنا پر راوی کی روایت کو رد کیا جاتا ہے۔ تعديل کا لفظ عدل سے ہے۔ جس کے معنی برابر کے ہیں اور جو روایت کے معیار پر پورا اترنے کی خبر دیتا ہے۔ جرح و تعديل سے راویوں کے حالات پہچانے جاتے ہیں۔ راویوں کو پہچاننے میں سستی برتی جائے اور ان کی جانچ پڑتال پر محنت نہ کی جائے تو پورے دین کے بگڑنے کا اندیشہ پیدا ہوتا ہے۔ اسے مد نظر رکھ کر محدثین نے راویوں کے قابل اعتماد، قابل اعتراض اور مجروح روایات پر مشتمل کتابیں لکھیں۔

کتاب العلل و معرفة الرجال:

یہ کتاب ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل کی تالیف ہے جو ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے (۳۶۸)۔ والد بچپن میں وفات پا گئے۔ ماں کے زیر سایہ پرورش پائی (۳۶۹)۔ طلب حدیث کے لیے کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام اور جزیرہ کا سفر کیا اور وہاں کے ممتاز شیوخ سے مستفید ہوئے (۳۷۰)۔

امام احمد رحمہ اللہ اپنے وقت کے اجل علما میں سے تھے۔ حدیث اور فقہ میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ قوی حافظہ کے مالک اور نہایت ہی متقی اور پرہیزگار تھے۔ معاصرین آپ کے علم و فضل کے معترف تھے۔ امام علی بن المدینی فرماتے تھے ”لیس فی أصحابنا أحفظ من أبی عبد اللہ أحمد بن حنبل، أنه لا يحدث الا من كتابه، ولنا فيه أسوة حسنة“ (۳۷۱)۔ (ہمارے ساتھیوں میں ابو عبد اللہ احمد بن حنبل جیسا قوی حافظہ والا شخص نہیں تھا۔ پھر بھی وہ کتاب ہی سے حدیث بیان کرتے تھے اور یہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے)۔ امام احمد ۲۴۱ھ میں وفات پا گئے۔ امام احمد کی یہ کتاب رجال کی جرح و تعدیل کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہے (۳۷۲)۔ اس کتاب کو ان کے بیٹے نے بعض حواشی و اضافہ کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب راویوں کے حالات اور حدیث کی صحت و سقم کے بارے میں ہے لیکن کسی خاص طریقے پر مرتب نہیں ہے۔ اس میں نہ نسبی ترتیب پائی جاتی ہے اور نہ زمانی و مکانی اور نہ ہی حروف معجم پر مرتب ہے۔

راویوں کے تعارف میں نام، ولدیت، کنیت، شہر یا قبیلہ کی طرف نسبت کا ذکر کرتے ہیں۔ کبھی راوی کے شیوخ و تلامذہ کا بھی ذکر کرتے ہیں لیکن اس میں بھی کوئی خاص ترتیب نہیں ہے۔ راویوں کے ثقہ یا ضعیف ہونے کے بارے میں خود بھی حکم لگاتے ہیں اور دوسرے شیوخ کی آراء بھی بیان کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) نے اپنی کتاب ”الجرح والتعدیل“ کا بڑا حصہ اسی سے لیا ہے۔

التاریخ الثقات:

یہ کتاب ابو الحسن احمد بن عبد اللہ بن صالح العجلی کی ہے جو ۱۸۲ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے (۳۷۳)۔ کوفہ، بصرہ اور بغداد میں اقامت اختیار کی۔ پھر خلق قرآن کے فتنہ میں عراق چھوڑ کر طرابلس العرب میں آئے (۳۷۴)۔ حدیث کی معرفت میں ان کا خاص مقام تھا۔ متقی اور پرہیزگار تھے۔ ۲۶۱ھ میں وفات پائی (۳۷۵)۔

علامہ عجمی کی یہ کتاب اسماء الرجال کے قدیم ماخذ میں سے ہے اور بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ کتاب حروف تہجی کے مطابق مرتب ہے۔ اسم ”احمد“ سے اس کی ابتدا ہوتی ہے۔ مؤلف لکھتے ہیں ”رتبته علی حروف المعجم و بدأت بمن اسمه أحمد تبرکاً بالنبی ﷺ“ (۳۷۶)۔ رواد کے تراجم میں علامہ عجمی نے اختصار سے کام لیا ہے زیادہ تر راویوں کا تذکرہ ایک یا دو سطروں میں ہے۔ مثلاً عبداللہ بن ذکوان ابو الزناد: مدنی، تابعی، ثقة، سمع من انس (۳۷۷)۔ صرف چند رجال کے تراجم کی حد تک طویل ہیں مثلاً حجاج بن ارطاة النخعی کا ترجمہ تقریباً دو صفحات کا ہے (۳۷۸)۔ تراجم میں راوی، اس کے والد کا نام، کنیت، شہر کی طرف نسبت اور عقیدہ ذکر کرتے ہیں مثلاً اسحاق بن منصور السلولی: کوفی، ثقة، کان فیہ تشیع، وقد کتبت عنه (۳۷۹)۔ رواد کے شیوخ و تلامذہ کو کم ہی بیان کرتے ہیں اگر وہ صحابہ یا تابعین میں سے ہوں تو ان کا طبقہ بھی بیان کرتے ہیں مثلاً عبداللہ بن سنجرة، ابو معمر: من أصحاب عبداللہ، ثقة و کان مجاہد یقول: هو عاشر عشرة من أصحاب عبداللہ (۳۸۰)۔ راوی کے متعلق بعض احادیث بھی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ابوموسیٰ الاشعری کے بارے میں لکھتے ہیں: کسان احسن أصحاب رسول اللہ صوتا۔ قال رسول اللہ ”لقد اوتی هذا مزماراً من مزامیر آل داؤد“ (۳۸۱)۔

یہ کتاب نام سے ظاہر ہے ثقہ رواد کی تاریخ کے بارے میں ہے لیکن اس میں کچھ اصحاب قدر، اصحاب تشیع اور بعض ضعفاء کا ذکر بھی ملتا ہے۔ مثلاً ”ابان بن یزید العطار: کان یری رأی القدر لا یتکلم فیہ“ (۳۸۲)۔

”إسماعیل بن أبان الغنوی: کوفی، ضعیف الحدیث یحدث عن ابن ابی خالد، و هشام بن عروة، أدرکناہ، ولم نکتب عنه شیئاً“ (۳۸۳)۔ القاسم بن عبداللہ بن عمر بن حفص، متروک الحدیث (۳۸۴)۔ انہوں نے رواد کی تعدیل کے لیے زیادہ تر ثقہ، ثقہ ثقہ، صدوق، جائز الحدیث کی اصطلاحات کو استعمال کیا ہے۔

کتاب الثقات:

یہ حافظ محمد بن حبان بن احمد ابی حاتم البستی کی تالیف ہے جو ابن حبان کے نام سے مشہور ہیں۔ ابن حبان نے تحصیل علم کے لیے بہت سے شہروں کا سفر کیا اور وہاں سے اکتساب فیض کیا (۳۸۵)۔

ابن حبان نے اپنے زمانے کے مشہور محدث ہونے کے ساتھ فقہ، لغت، طب اور فلکیات کے بھی عالم تھے۔ ایک عرصہ سمرقند میں قاضی کے عہدے پر فائز رہے۔ ابوسعید ادریسی کہتے ہیں ”کان علی قضاء سمرقند زمانا وکان من فقهاء الدین، وحفاظ الآثار، عالما بالطب، وبالنبجوم، وفنون العلم“ (۳۸۶)۔ ابن حبان نے ۳۵۴ھ میں بست کے مقام پر وفات پائی (۳۸۷)۔

یہ کتاب جس طرح کہ نام سے ظاہر ہے حدیث کے ثقہ اور عادل راویوں کے حالات کے متعلق ہے اور صحابہ کرام سے لے کر مؤلف کے زمانے تک کے رواۃ پر مشتمل ہے۔ لیکن ابتداء نبی اکرم ﷺ کے ذکر سے کی ہے۔ آپ ﷺ کی پیدائش سے وفات تک کے اہم واقعات، بعثت، ہجرت، غزوات کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر حضرت علی کی شہادت تک خلفائے راشدین کی مختصر تاریخ کا بیان ہے۔ اس کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس کے خلفاء و ملوک کا مختصر تذکرہ کیا ہے۔ ان کے نام و نسب، وفات و مقام، بحیثیت خلیفہ تقرر کی کا وقت اور ان کی مدت خلافت وغیرہ بیان کی ہے۔ اس کے بعد صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

ابن حبان نے کتاب کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے:

- ۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
- ۲۔ تابعین کرام
- ۳۔ تبع تابعین
- ۴۔ اتباع تبع تابعین

ان تمام طبقات کو حروف معجم پر ترتیب دیا ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے پہلے عشرہ مبشرہ کا ذکر کرتے ہیں اور باقی صحابہ کرام کو حروف تہجی کی ترتیب سے بیان کیا ہے۔ یہ ترتیب نام کے صرف پہلے حرف میں ہے۔ ہر حرف میں پہلے مردوں کا اس کے بعد عورتوں کا اور ہر طبقہ کے آخر میں کنیت سے معروف مردوں اور عورتوں کا ذکر کیا ہے۔

رواۃ کے تراجم میں نام، نسب، کنیت، نسبت، شیوخ و تلامذہ، منصب، غزوات، فتوحات میں شرکت ذکر کرتے ہیں۔ صحابہ کے تراجم میں مختلف شہروں میں ان کی تعداد اور ان کی روایات کے پھیلنے کے مقامات کا ذکر بھی کرتے ہیں (۳۸۸)۔

کتاب الضعفاء والمترکین:

یہ ابوالفرج، عبدالرحمان بن ابوالحسن ابن الجوزی کی تالیف ہے جو ۵۱۰ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ ابن الجوزی بہت بڑے مفسر، مؤرخ اور محدث تھے۔ آپ نے ۵۹۷ھ میں وفات پائی (۳۸۹)۔

ابن الجوزی نے اس کتاب کو حروف تہجی پر ترتیب دیا ہے اور یہ ترتیب ان کے باپ کے ناموں میں بھی موجود ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے نام سے معروف رواۃ کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ”باب النکئی“ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ جو اپنے نام کی بجائے کنیت سے معروف ہیں اور آخر میں ان کا ذکر کیا ہے جن کا نہ تو نام معلوم ہے اور نہ ہی کنیت، بلکہ وہ کسی اور کے نام سے معروف ہیں اور رواۃ پر تعدیل و تخرج کی ہے۔

میزان الاعتدال فی نقد الرجال:

یہ کتاب ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی (ت ۷۴۸ھ) کی تالیف ہے۔ نقد رجال کے موضوع پر میزان الاعتدال کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس کتاب کا موضوع ضعیف راوی ہیں۔ جن راویوں کے بارے میں تھوڑا سا بھی کلام کیا گیا ہے ان کو بھی شامل کیا ہے۔ اگرچہ بعض ان کے نزدیک ثقہ ہیں۔

ثقہ راویوں کو ذکر کرنے کا مقصد، ان سے پہلے جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں ان ثقہ راویوں کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ ان کے مقابلے میں ان کا دفاع ہے خود اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ ”فأصله وموضوعه في الضعفاء، وفيه خلق كما قدمنا في الخطبة من الثقات ذكرتهم للذبت عنهم ولأن الكلام فيهم غير مؤثر ضعفا“ (۳۹۰)۔

علامہ ذہبی نے گیارہ ہزار ترین (۱۱۰۵۳) رواۃ کے تراجم ذکر کیے ہیں۔ کتاب کو حروف تہجی پر ترتیب دیا ہے اور یہ ترتیب راویوں کے باپ کے ناموں میں بھی موجود ہے۔ رواۃ کو مختلف فصول اور ابواب کے تحت بیان کیا ہے جن کی فصول کی تفصیل حسب ذیل ہے:

- ۱۔ مردوں اور خواتین کے تراجم پر مشتمل ہے۔ جیسے الف، تا، یاء حروف معجم پر ترتیب دیا ہے۔
- ۲۔ کنیتوں سے معروف رواۃ پر مشتمل ہے۔
- ۳۔ ان راویان حدیث پر مشتمل ہے جو اپنے نام سے معروف ہیں۔
- ۴۔ نسب سے معروف رواۃ پر مشتمل ہے۔
- ۵۔ غیر معروف رواۃ کے بارے میں ہے۔
- ۶۔ غیر معروف خواتین کے متعلق ہے۔
- ۷۔ خواتین کی کنیتوں پر مشتمل ہے۔
- ۸۔ یہ فصل بغیر نام والے راویوں کے بارے میں ہے اور لفظ ”والدہ“ سے شروع ہوتی ہے۔

مثلاً والدہ خطاب بن صالح (۳۹۱)۔

مصنف نے کتب ستہ کے لیے بعض رموز استعمال کیے ہیں اور جس راوی کی کوئی روایت ان میں سے کسی کتاب میں ہو تو اس راوی کے نام کے ساتھ اس کتاب کی علامت تحریر بیان کی ہے۔ رموز یہ ہیں:

خ:	بخاری	م:	صحیح مسلم
د:	سنن ابی داؤد	ق:	سنن ابن ماجہ
ت:	سنن ترمذی	س:	سنن نسائی
عو:	سنن اربعہ	ع:	کتب ستہ (۳۹۲)

تراجم بیان کرتے ہوئے راوی کا نام اور اس کا نسب بیان کرنے کے بعد اس کے شیوخ و تلامذہ کا ذکر کرتے ہیں، پھر علماء جرح و تعدیل کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ جس راوی کو مجہول قرار دیا ہو اور اس قول کی نسبت قائل کی طرف نہ کی تو اپنی رائے لفظ ”فیہ جہالۃ“، ”نکرہ“، ”یجہل“ ”لا یعرف“، ”ثقة“، ”صدوق“، ”صالح الحدیث“ جیسے دوسرے الفاظ سے ظاہر کرتے ہیں۔

مصنف راویوں کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل کی آراء کو نقل کرنے کے ساتھ ان پر خود بھی جرح و تنقید کرتے ہیں اور اگر کوئی راوی ان کے نزدیک ثقہ ہو تو اس پر کی گئی جرح کو رد کرتے ہوئے اس کی توثیق کرتے ہیں (۳۹۳)۔

لسان المیزان:

یہ کتاب حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) کی تالیف ہے۔ مصنف نے علامہ ذہبی کی ”میزان الاعتدال“ کا اختصار کیا ہے اور متکلم فیہ رواۃ کا اضافہ کیا ہے۔ اضافی ترجمہ کے بعد لفظ (ز) اور حافظ عراقی نے میزان الاعتدال پر حاشیہ سے جو اضافہ کیا ہے تو اس کے لیے لفظ (و) بطور رمز استعمال کیا ہے اور آخر میں ایک فصل کا اضافہ کیا ہے۔ اس میں ان تمام رواۃ کا ذکر کرنے کی کوشش کی ہے جو میزان الاعتدال میں نہیں ہیں یا ان سے رہ گئے۔

اس فصل کے شروع میں مؤلف نے اپنا منہج اور رموز کے بارے میں بتایا ہے۔ رموز میں سے کچھ کے مطلب یہ ہیں: ”صح“ راوی پر بلا دلیل جرح کی گئی۔ اس سے پہلے ”مح“ لکھا ہوا ہو تو اس کا مطلب ہے اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ مصنف نے اس کے دو فائدے بیان کیے ہیں: ۱۔ ان تمام راویوں کا تعارف جن کا ذہبی نے ”تذہیب التہذیب“ میں ذکر کیا ہے۔

۲۔ محققین کی سہولت کے لیے جو ان رواۃ کے بارے میں جاننا چاہیں (۳۹۴)۔

شیعہ کی کتب رجال:

شیعہ کی کتب حدیث اصول اربعہ کے نام سے معروف ہیں۔ ان کے رواۃ بھی اپنے ہیں اور ان کی کتب رجال بھی علیحدہ ہیں۔ چند کتب کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ ابو عمرو کثی (ت ۳۷۰ھ) ”رجال کثی“ کے مؤلف ہیں ان کی یہ تالیف اہل تشیع کے ہاں معتبر ہے۔

۲۔ علامہ نجاشی (ت ۴۵۰ھ) نے ”رجال نجاشی“ لکھی۔ اس میں جابجا رجال کثی کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی کے پاس قدماء کی لکھی گئی کتب رجال موجود تھیں۔ متعدد مقامات پر اس قسم کی عبارات ملتی ہیں۔ ایک جگہ یہ بھی ملتا ہے کہ حمزہ بن قاسم نے امام باقر کے رجال لکھے تھے۔

۳۔ رجال طوسی، یہ محمد بن حسن طوسی (م ۴۶۰ھ) ”تہذیب الاحکام“ اور ”الاستبصار“ کے مؤلف ہیں ان کی ایک کتاب فہرست بھی ہے جو اسماء الرجال میں ہے۔ رجال طوسی اس کے علاوہ ہے۔

۴۔ متاخرین میں محمد بن علی استرآبادی رجالی کے نام سے معروف ہیں۔

۵۔ علامہ مامقانی کی کتاب ”تنقیح المقال“ شیعہ اسماء الرجال کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔



علم جرح و تعدیل کا تحقیقی جائزہ

سیرت نبوی کا ایک درخشندہ پہلو:

رسول اللہ ﷺ کی ذات کائنات میں ایسی شخصیت ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک لوگوں کی رہنمائی کیلئے مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات عالم گیر ہیں اور زندگی کے ہر معاملے میں آپ ﷺ کی زندگی سے نمونہ ملتا ہے۔ کائنات کے انسان اول سے لے کر آج تک کے انسانوں میں سے سب سے زیادہ محفوظ اور صحیح آپ ﷺ کی زندگی کے حالات ہیں۔ اس کا اعتراف مسلمان ہی نہیں مستشرقین بھی کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کے ہر قول اور فعل کو بہت اچھے انداز سے محفوظ کیا۔ اس کے لئے انہوں نے زندگیاں وقف کیں۔ حدیث رسول ﷺ کے لیے سفر کیے، صعوبتیں برداشت کیں۔ انہیں کی محنتوں اور کاوشوں کا نتیجہ آج ہمارے سامنے علوم الحدیث کی شکل میں ہے۔ ابتدائی طور پر یہ علم حدیث یاد کرنے اور لکھنے تک محدود تھا لیکن آہستہ آہستہ اس علم میں ارتقاء ہوا۔ اس کی مختلف قسمیں بنیں۔ انہیں علوم میں علم اسماء الرجال مرتب ہوا۔ جس کی مثال کسی اور قوم میں نہیں ہے۔ اس کا ذکر مشہور مستشرق اسپرنگر نے ”الاصابة فی تمییز الصحابة“ کے مقدمہ میں کیا۔ حدیث سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کے مکمل حالات مرتب کئے گئے تاکہ حدیث نبوی ہر شک و شبہ سے بالاتر ہو۔ اسماء الرجال میں سے پھر علم جرح و تعدیل نے الگ ایک علم کی حیثیت اختیار کی جس پر حدیث نبوی کی قبولیت اور عدم قبولیت کا مدار ہے۔

علم جرح و تعدیل کا بنیادی تعلق تو علم حدیث کے ساتھ ہے، لیکن سیرت طیبہ سے بھی دو وجوہ سے اس کا گہرا اور قریبی تعلق ہے، اور سیرت طیبہ کا صحیح اور مستند بیان علم جرح و تعدیل کو نظر انداز کر کے کسی صورت مکمل نہیں ہو سکتا۔ ایک تو اس لیے کہ سیرت طیبہ کا بہت بڑا حصہ خود کتب احادیث میں محفوظ ہے، جس سے استفادے کے لیے علم جرح و تعدیل سے کما حقہ واقفیت ضروری ہے۔ دوسرا

خود کتب سیرت میں موجود روایات سیرت کی بھی جانچ اور پرکھ کے لیے علم جرح و تعدیل ہی واحد ذریعہ ہے۔ جب سے سیرت طیبہ پر نئے اسلوب اور تحقیق کے روایتی و بنیادی اصولوں کی روشنی میں کام کا آغاز ہوا ہے، اس کے بعد علم سیرت کے نقطہ نظر سے بھی علم جرح و تعدیل کی اہمیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ ان سطور میں اسی پہلو کو سامنے رکھ کر علم جرح و تعدیل کے حوالے سے بنیادی معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ سب سے پہلے چند بنیادی تعریفیں بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ جرح کی تعریف:

i۔ لغوی تعریف:

جرح جَرَحَ يَجْرَحُ کا مصدر ہے۔ جرح: اثر داء فی الجلد مجروح ”زخمی جلد پر بیماری کا نشان“۔ والاستجراح، النقصان والعيب والفساد ”الاستجراح بمعنی نقصان، عیب اور فساد ہے“ (۳۹۵)۔

ii۔ اصطلاحی تعریف:

”الجرح فی اصطلاح المحدثین هو ظهور وصف فی الراوی یثلم عدالته، او یخل حفظه وضبطه“ (۳۹۶) (اصطلاح محدثین میں جرح سے مراد: ”راوی کے اس وصف کا ظاہر ہونا ہے۔ جس سے اسکی عدالت میں نقص پیدا ہو یا جس سے اسکا حافظہ خراب ہو جائے یا یادداشت میں خرابی ہو)۔

علامہ فیومی نے لکھا ہے: ”الجرح مما یترتب علیہ رد شہادته او خبره، او التوقف فیہ، والتجریح هو اثبات وصف من الاوصاف الجارحة“ (۳۹۷) (جرح پر اس کی ’راوی‘ شہادت اور روایت کو رد کرنے کا مدار یا توقف ہے۔ تجریح مجروح کرنے والے اوصاف میں سے کسی وصف کا ثابت ہونا ہے)۔

ان دونوں تعریفوں سے معلوم ہوا کہ گواہ یا راوی کے وہ اوصاف جو تحقیق کے بعد اس کے عیوب کو ظاہر کریں اور ان کی بنا پر اس کی روایت اور گواہی کو رد کیا جائے جرح کہلاتے ہیں۔

۲۔ عدالت کی تعریف:

i۔ لغوی تعریف:

عدالت اور تعدیل کا مادہ عدل ہے۔ یہ لفظ ظلم کا متضاد ہے ”العدالة الاقتصاء فی

الامور، وهو خلاف الجور وما اوقع في النفس انه مستقيم“ (۳۹۸) (عدالت معاملات میں میانہ روی ہے اور یہ جور کے لفظ کا متضاد ہے جو چیز دل کے اندر بیٹھ جائے کہ وہ ٹھیک ہے)۔
ii: عدالت کی اصطلاحی تعریف:

”العدالة انما هي التزام العدل، والعدل هو القيام بالفرائض واجتناب المحارم والضبط لما روى واخبر به فقط“ (۳۹۹) (عدالت، عدل کو لازم کرنا ہے۔ عدل سے مراد فرائض کا قیام ہے اور حرام چیزوں سے بچنا اور وہ چیز جو روایت کرے اور بتائے اس کو اچھی طرح سے یاد رکھنا ہے)۔ تعدیل معتبر یا عادل قرار دینا ہے۔ تحقیق کے بعد کسی گواہ یا راوی کو عادل قرار دینا۔

iii: علم جرح و تعدیل کی تعریف:

”فهو علم يبحث في احوال الرواة من حيث قبول رواياتهم اوردھا بالفاظ مخصوصة ويرتب بفرق في مراتب تلك الالفاظ“ (۴۰۰) (علم جرح و تعدیل ایسا علم ہے جس میں راویوں پر انکی روایات کو قبول و رد کے لحاظ سے مخصوص الفاظ سے بحث کی جاتی ہے۔ اور ان الفاظ کے مراتب میں فرق کی بنا پر رواۃ کے مراتب مرتب کئے جاتے ہیں)۔

iv: علم جرح و تعدیل کی اہمیت:

جرح و تعدیل علوم حدیث کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ جرح و تعدیل کا علم ہر عالم کو نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ کام تو فی الواقع انہیں ائمہ کا حصہ تھا جو اس فن میں کامل مہارت و امامت کا مقام رکھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آئمہ حضرات کو اپنے نبی ﷺ کی سنت کی حفاظت کے لئے پیدا فرمایا تھا۔ موجودہ دور میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنی ناقص و محدود عقل سے حدیثوں کو پرکھنے اور جانچنے کی کوشش کر رہے ہیں جو نہ صرف فن حدیث سے ناواقف بلکہ اسلام کے اصول و مبادی سے بھی نا آشنا ہیں۔ درحقیقت یہ مستشرقین کے فکری تلامذہ اور مقلدین ہیں۔ مستشرقین نے جو شوگر کوٹڈز ہر انہیں اسلام کے خلاف پلایا ہے۔ یہ لوگ مختلف انداز میں اسی کو ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ احادیث کی صحت اور سقم کا اپنی جہالت کے باوجود فیصلہ کرنا اسکی واضح دلیل ہے جو کہ صریحاً گمراہی و ضلالت ہے۔

اس علم کی بنا پر ہی حدیث کی صحیح پرکھ ہوتی ہے اور رواۃ کا صحیح پتہ چلتا ہے۔ علم حدیث میں اس علم کا بہت بڑا حصہ ہے۔ رواۃ کی جانچ پرکھ کی بنا پر ہی احادیث کے صحیح، متواتر، شاذ، ضعیف، منکر، موضوع اور متصل ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ محدثین کی محنت شاقہ اور جدوجہد کے نتیجہ میں اصول جرح و

تعدیل وضع ہوئے بعد میں بعض دیگر علوم میں بھی انہی اصولوں کو مد نظر رکھا گیا۔ لیکن اس علم کی ابتداء کا سہرا محدثین کے سر ہے باقی لوگ ان کے خوشہ چیں ہیں۔

علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں علم حدیث کی ترانوے (۹۳) انواع بیان کی ہیں اور ہر نوع کی مختلف اقسام بتائی ہیں۔ اس سے اس علم کی اہمیت و افادیت اور وسعت و جامعیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے متعلق محدثین نے کس طرح سے محنت کی ہے۔ علم جرح و تعدیل کے مطالعہ سے ہی راویوں کے مکمل حالات کی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ان کی دیانت، امانت، صداقت اور لین دین کیسا تھا؟ وہ حدیث کے معاملے میں کیسے تھے؟ ان کا حافظہ کیسا تھا؟ اعلیٰ درجے کے محدث کے مقابلے میں اگر اس سے کم درجے کا محدث کسی معاملے میں مخالفت کرے تو وہ حدیث شاذ ہوگی۔ جس حدیث کے تمام راوی عادل، کامل الضبط اور دیگر اعلیٰ صفات رکھتے ہوں تو وہ صحیح کہلائے گی۔ حافظہ کی کمزوری ہو تو حسن بن جائے گی۔ اگر کوئی راوی استاد کا نام چھپا کر کسی اور طرح سے ظاہر کرے یا جس روایت کو بیان کر رہا ہو وہ اس استاد سے نہ سنی ہو تو وہ مدلس کہلائے گا۔ ان تمام چیزوں کی جانچ پرکھ کے لئے محدثین نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی صحیح میں جن رواۃ سے بیان کیا ہے ان کے متعلق انہیں ہر قسم کی معلومات ہیں۔ اپنے علم و تقویٰ کے باوجود انہوں نے سولہ سال میں اپنی الجامع الصحیح کو مکمل کیا۔

تعدیل تو ظاہر ہے کہ راوی کی مدح و ثنا ہے اس کے جواز میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ البتہ جرح بظاہر برائی و غیبت ہے جسے شریعت عام انسانوں کے لیے پسند نہیں کرتی چہ جائیکہ اہل علم کی زبان سے ہو اور وہ بھی اہل اسلام و اہل علم کے متعلق ہو۔ مگر چونکہ اس کا تعلق دین کی ایک اہم ضرورت ہے بلکہ دین و احکام کی حفاظت ہے۔ اس لئے اس کا اظہار ضروری ہے اور اس کو غیبت شمار نہیں کیا جاتا۔

۱۔ ابن سیرین کا مقولہ ہے: ”ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذونه“ (۴۰۱) (یہ علم

دین ہے لہذا خوب اچھی طرح غور کر لیا کرو کہ تم اپنا دین کن لوگوں سے حاصل کر رہے ہو)۔

۲۔ ابن مبارک کا قول ہے: ”الاسناد من الدين لو لا الاسناد لقال من شاء ما

شاء“ (۴۰۲) (اسناد دین کا ایک جزو ہے اگر یہ مبارک سلسلہ نہ ہوتا تو ہر شخص جو چاہتا کہتا)۔

۳۔ ابن سیرین کا بیان ہے: ”لم يكونوا يسئلون عن الاسناد حتى وقعت الفتنة

فلما وقعت نظروا من كان من اهل السنة، ومن كان من اهل البدع تركوا

حدیثہ“ (۴۰۳) (وہ حضرات (صحابہ و تابعین) اسناد کے متعلق سوال نہیں کیا کرتے تھے

مگر جب فتنوں کا دور دورہ ہوا تو دیکھتے تھے کہ اہل سنت کون ہے۔ اور اہل بدعت کون

ہے۔ اس صورت میں اہل بدعت کی حدیث کو چھوڑ دیتے تھے۔

اس لیے امت نہ صرف اسکے جواز کی بلکہ استحسان اور ضروری ہونے کی قائل رہی ہے اور اسکا ثبوت قرآن اور حدیث میں موجود ہے ”یا ایہا الذین امنوا ان جاءکم فاسقٌ بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قومًا بجهالة فتصبوا علی ما فعلتم ندمین“ (۴۰۴) (اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے سامنے کوئی خبر بیان کرے تو چھان بین کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کو نقصان پہنچا دو پھر اپنے کئے پر شرمندہ ہو)۔

امام خازن اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ”اس امر کی وضاحت اور حقیقت کا انکشاف کرو اور فاسق کی خبر پر اعتماد نہ کرو (۴۰۵)۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے متعلق وضاحت فرمائی کہ تحقیق کے بغیر بات نہ کی جائے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ”کفی بالمرء اثما ان يحدث بكل ما سمع“ (۴۰۶) (کسی انسان کے لئے یہ گناہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی بات کو آگے بیان کرے)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”واذا جاءهم امر من الامن او الخوف اذا عوا به ولو ردوه الى الرسول والی اولی الامر منهم لعلہم الذین یستنبطونہ منهم ولو لا فضل اللہ علیکم ورحمته لاتبعتم الشیطان الا قلیلاً“ (۴۰۷) (اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول ﷺ کے اور جوان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان تک پہنچائیں تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں اور اگر تم لوگوں پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم سب کے سب شیطان کے پیرو ہو جاتے سوائے تھوڑے سے آدمیوں کے)۔

حضور ﷺ سے تعدیل بھی منقول ہے اور جرح بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد: ”ان عبد اللہ رجلاً صالحاً“ (۴۰۸) (عبداللہ ایک نیک آدمی ہے) ان کے حق میں تعدیل ہے۔

حدیث نبوی ہے: ”عن عائشة ان رجلاً استاذن علی النبی ﷺ فلما راہ قال بئس اخو العشیرة وبئس ابن العشیرة، فلما جلس تطلق النبی ﷺ فی وجهہ وانبسط الیہ فلما انطلق الرجل قالت له عائشة یا رسول اللہ ﷺ! حین رايت الرجل قلت له کذا وکذا ثم تطلعت فی وجهہ وانبسطت الیہ فقال رسول اللہ ﷺ یا عائشة: متی عهدتني فاحشاً؟ ان شر الناس عند اللہ منزلةً یوم القیامة من ترکہ الناس اتقاء شره“ (۴۰۹) (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول پاک ﷺ کے

پاس آنے کی اجازت مانگی جب آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا قبیلے کا برا بھائی یا قبیلے کا برا بیٹا ہے۔ پھر جب وہ آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گیا تو نبی کریم ﷺ کے چہرے سے خوشی کے اثرات نمایاں تھے پھر جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ جب آپ ﷺ نے اس آدمی کو دیکھا تو ایسے ایسے کہا اور پھر اس کے سامنے آپ ﷺ کے چہرے پر خوشی کے اثرات تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! آپ نے کب مجھے فحش پایا ہے۔ اللہ کے ہاں قیامت کے روز برے وہ لوگ ہیں جن کو ان کے شرکی وجہ سے لوگ چھوڑ دیں۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آخر کب تک تم کردار کے ذکر سے گریز کرو گے، اسکی برائیاں بیان کرو تا کہ لوگ اس سے ہوشیار رہیں“ (۴۱۰)۔

عدالت صحابہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتؤمنون باللہ“ (۴۱۱) (تم بہترین امت ہو جن کو لوگوں کے لئے نکالا گیا تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان لاتے ہو)۔

حدیث نبوی ہے: ”لا تمس النار مسلماً رآنی او رأی من رانی“ (۴۱۲) (جس مسلمان نے مجھے دیکھا اسے آگ نہیں چھوئے گی اور جس نے اس مسلمان کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا، اسے بھی آگ نہیں چھوئے گی)۔

عدالت صحابہ کے متعلق قرآن مجید کی کئی آیات، زبان نبوی سے متعدد احادیث میں ان کی عدالت بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح اہل ایمان کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں جب کہ کفار کی برائیاں بیان کی گئی ہیں۔

۵۔ علم جرح و تعدیل کا ارتقاء:

جرح و تعدیل کا سلسلہ دور صحابہ رضی اللہ عنہم ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ خوارج و روافض کے ظہور کے بعد تحقیق اور تفتیش روایت قبول کی جاتی تھی۔ قرآن و حدیث سے بھی جرح و تعدیل ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”کنتم خیر امة اخرجت“ (۴۱۳) (تم بہترین امت نکالی گئی ہو)۔

مزید فرمایا گیا: ”ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا“ (۴۱۴) (اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے سامنے کوئی خبر یا واقعہ بیان کرے تو چھان بین کر لیا کرو)۔ اس طرح ارشاد ربانی ہے: ”کذلک جعلنا کم امة وسطاً لتکونوا شهداء علی الناس ویكون الرسول علیکم شہیداً“ (۴۱۵) (اور ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنادیا ہے جو اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں کے

مقابلے میں گواہ ہو اور تمہارے لیے رسول ﷺ گواہ ہوں۔

حدیث نبوی ﷺ ہے: ”عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ قال: مر رجل علی رسول اللہ فقال: ما تقولون فی هذا؟ قالوا: حری ان خطب ان ینکح، وان شفیع ان یشفع وان قال ان یستمع له قال ثم مر رجل من فقراء المسلمین فقال: ما تقولون فی هذا؟ قالوا: حری ان خطب ان لا ینکح، وان شفیع ان لا یشفع، وان قال ان لا یستمع الیه فقال رسول اللہ ﷺ: هذا خیر من ملء الارض مثل هذا“ (۴۱۶) (ایک آدمی رسول ﷺ کے پاس سے گزرا تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اگر یہ شخص نکاح کا پیغام لائے تو اسے قبول کیا جائے اور اگر سفارش کرے تو سفارش قبول کی جائے گی۔ اگر یہ بات کہے تو اس کی بات سنی جائے گی۔ پھر مسلمان فقراء میں سے ایک آدمی گزرا تو آپ ﷺ نے پوچھا آپ کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے تو انہوں نے کہا اگر یہ نکاح کا پیغام بھیجے تو اس کو قبول نہ کیا جائے گا اور اگر سفارش کرے تو سفارش قبول نہیں کی جائے گی اور کہے تو اس کی بات کو بھی نہیں سنا جائے گا۔ رسول ﷺ نے فرمایا: ”یہ اُس جیسے لوگوں سے بہتر ہے خواہ اُن سے تمام زمین بھر جائے۔“

اس حدیث کے اندر اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی کسی شخص یا بات کے متعلق بتائے کہ اس کی دینی حیثیت کیا ہے اور ایسا کہنا غیبت نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے خود اس کے بارے میں بتایا تاکہ اگر وہ سچا آدمی ہو تو اس کا لوگوں کو پتہ چلے اور اگر جھوٹا آدمی ہو تو اس کے بارے میں بھی لوگوں کو پتہ چل جائے (۴۱۷)۔

امام حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری فرماتے ہیں ”جن صحابہ و تابعین و ائمہ سے جرح و تعدیل ثابت ہے ان کو دس طبقات پر تقسیم کیا گیا ہے اور ہر طبقہ میں سے چار افراد کو لیا گیا ہے۔ طبقہ اولیٰ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت ہیں۔ ان حضرات نے جرح و تعدیل اور روایات کی صحت و سقم پر بحث کی ہے اور دسویں طبقہ میں ابو اسحاق ابراہیم بن حمزہ اصہبانی رضی اللہ عنہ، ابو علی نیشاپوری رضی اللہ عنہ، ابو بکر محمد بن عمر بن سلمہ بغدادی رضی اللہ عنہ اور ابو القاسم حمزہ رضی اللہ عنہ بن علی کنانی مصری ہیں“ (۴۱۸)۔ صحابہ میں سے سب سے پہلے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جرح و تعدیل فرمائی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کی دادی میراث کے بارے میں سوال کرنے کے لیے آئیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”قرآن اور حدیث میں اس کے بارے میں کوئی حکم نہیں پاتا میں لوگوں سے پوچھ کر بتاؤں گا۔“ جب لوگوں سے پوچھا تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ نے جواب دیا کہ دادی کو

چھٹا حصہ ملنا چاہیے۔ حضور ﷺ سے ایسا ہی مروی ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس پر کوئی گواہ مانگا تو محمد بن سلمہ نے اس پر گواہی دی (۴۱۹)۔ اس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی احادیث رسول ﷺ کے سلسلہ میں بہت محتاط تھے۔ امام ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں: ”وہو الذی سنّ للمحدثین التثبت فی النقل وربما کان یتوقف فی خبر الواحد إذا ارتاب“ (وہی ہیں جنہوں نے نقل حدیث میں ثبوت کو محدثین کے لیے جاری کیا۔ جب کبھی خبر واحد کے متعلق شک ہوتا تو توقف فرماتے)۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے دروازے کے پیچھے سے تین دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کہا۔ انہوں نے اجازت نہ دی (نہ جواب دیا)۔ وہ لوٹ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے پیچھے پیغام بھیجا اور پوچھا کہ آپ لوٹ کیوں گئے تھے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا تھا: ”إذا سلم أحدکم ثلاثاً فلم یجب فلیرجع“ (جب آپ میں سے کوئی تین دفعہ سلام کرے اور اسے جواب نہ دیا جائے لوٹ جائے)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ اس بات پر کوئی دلیل (گواہ) لائیں ورنہ میں نہ چھوڑوں گا (لا فعلن بک)۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ ان کا رنگ متغیر تھا۔ ہم نے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا اور پوچھا کہ آپ میں سے کسی نے یہ سنا ہے۔ ہم نے کہا ہم تمام نے سنا ہے۔ انہوں (صحابہ رضی اللہ عنہم) نے ایک آدمی ان کے ساتھ بھیج دیا اور اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جا کر بتایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو پسند فرمایا کہ حضرت ابو موسیٰ کی خبر کی تائید ہو جائے۔ اس کو نقل کر کے امام ذہبی فرماتے ہیں: ”ففی هذا دلیل علی الخبر اذا رواه ثقتان کان اقوی وارجح مما انفرد به واحد“ (۴۲۰) (اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث کو جب دو ثقہ راوی بیان کریں تو زیادہ رائج ہوتی ہے نسبت اس کے جس کو ایک بیان کرے)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کسی سے حدیث سنتے تو یقین کرنے کے لئے حلف لیتے تھے۔ اگرچہ وہ ثقہ اور مامون ہوتا۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ جب میں پیغمبر ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ جو چاہتا مجھے اس سے نفع دیتا اور جب میں کسی اور سے حدیث سنتا تو میں اس سے قسم لیتا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حدیث بیان کی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے سچ کہا: ”قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ما من عبد مسلم یدنب ذنباً ثم یتوضا ویصلی رکعتین ثم یرکع ثم یسأل اللہ الا غفر له“ (۴۲۱) (انہوں (ابو بکر رضی اللہ عنہ) نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے ہیں کوئی مسلمان اگر کوئی گناہ کرے پھر وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے اور استغفار کرے تو اسے بخش دیا جائے گا)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ اپنے ساتھی صحابہ کرام وغیرہ کو حدیث کے معاملے میں متہم نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ایسا احتیاط کے تقاضے سے کرتے تھے تاکہ کوئی آدمی ایسی جرات نہ کر سکے (۲۲۲)۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رجال پر کلام بہت سے صحابہ کرام نے کیا ہے، تابعین کے عہد میں اس سلسلے میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ آگے چلتا رہا۔

چند آئمہ جرح و تعدیل:

یوں تو بڑے بڑے محدثین نے مختلف راویوں پر بحث کی ہے۔ لیکن جو حضرات اس موضوع پر زیادہ مشہور ہوئے، انہیں جرح و تعدیل کے امام کہا جاتا ہے۔ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے صالح بن محمد الجزرة رحمہ اللہ سے بیان کیا کہ پہلے جس نے اماموں میں سے رجال کے متعلق کلام کیا شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ، یحییٰ بن سعید القطان پھر احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور یحییٰ بن معین رحمہ اللہ ہیں۔ انہوں نے بطور علم اس پر کام کیا ہے۔ ان سے قبل رسول اللہ ﷺ اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین نیز ان کے بعد آنے والوں سے جرح و تعدیل کا کلام ثابت ہے (۲۲۳)۔ مندرجہ ذیل حضرات اس ابتدائی طور پر اس باب میں بہت معروف رہے ہیں:

- ۱۔ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج (ت ۱۲۰ھ)
- ۲۔ امام سفیان ثوری (ت ۱۶۱ھ)
- ۳۔ امام مالک رحمہ اللہ (ت ۱۷۹ھ)
- ۴۔ عبد اللہ بن مبارک (ت ۱۸۱ھ)
- ۵۔ سفیان بن عیینہ (ت ۱۹۷ھ)
- ۶۔ وکیع بن الجراح (ت ۱۹۷ھ)
- ۷۔ یحییٰ بن سعید القطان (ت ۱۹۸ھ)
- ۸۔ عبد الرحمن بن مہدی (ت ۱۹۸ھ)
- ۹۔ یحییٰ بن معین (ت ۲۲۳ھ)
- ۱۰۔ علی بن المدینی (ت ۲۳۴ھ)
- ۱۱۔ امام احمد بن حنبل (ت ۲۴۱ھ)
- ۱۲۔ امام بخاری (ت ۲۵۶ھ)

۱۳۔	امام مسلم	(ت ۲۶۱ھ)
۱۴۔	ابوزر عدرازی	(ت ۲۶۴ھ)
۱۵۔	ابوداؤد سجستانی	(ت ۲۷۵ھ)
۱۶۔	امام نسائی	(ت ۳۰۳ھ)
۱۷۔	ابوحاتم رازی	(ت ۳۲۷ھ)
۱۸۔	عبداللہ بن عدی	(ت ۳۶۵ھ)
۱۹۔	امام ابو عبداللہ حاکم	(ت ۴۰۵ھ)
۲۰۔	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	(ت ۴۶۳ھ)
۲۱۔	ابوعمر یوسف بن عبدالبر	(ت ۴۶۳ھ)
۲۲۔	ابن الجوزی	(ت ۵۹۷ھ)
۲۳۔	ابن الاثیر	(ت ۶۰۲ھ)
۲۴۔	امام ذہبی	(ت ۷۴۸ھ)
۲۵۔	ابن حجر	(ت ۸۵۲ھ)
۲۶۔	دارقطنی	(ت ۳۸۵ھ)

ان حضرات نے جرح و تعدیل کے قوانین وضع کیے۔ رواد حدیث کے درجات متعین کیے اور ایک لاکھ کے قریب اشخاص کے حالات زندگی چھان مارے۔ یہی وہ حضرات ہیں جنہوں نے علم نبی ﷺ کو نکھارا۔ یہ امت مسلمہ کا ایسا عظیم علمی کارنامہ ہے کہ اقوام عالم میں اسکی نظیر نہیں ملتی۔

دوسری صدی آئی تو اسلام میں مزید بہت سے نئے نئے فرقے پیدا ہوئے۔ حافظ ذہبی ”تذکرۃ الحفاظ“ میں فرماتے ہیں۔ ”اس طبقہ کے دور میں دولت اسلامیہ بنی امیہ سے بنی عباس کی طرف ۱۳۲ھ میں منتقل ہوئی۔ اسی زمانے میں بصرہ میں عمرو بن عبید اللہ، اور واصل بن عطاء اللہ نمایاں ہوئے۔ جنہوں نے لوگوں کو مذہب اعتزال کی طرف دعوت دی۔“

حافظ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”جب تابعین کا دور اخیر آیا، یعنی ۱۵۰ھ کے قریب تو آئمہ کی ایک جماعت نے توثیق و تصنیف پر باقاعدہ کلام کیا۔“ حافظ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”یہ جو کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے رجال پر شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ اور مکھی بن سعید قطان رحمہ اللہ نے کلام کیا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے باقاعدہ جرح و تعدیل کو فن کی حیثیت دی اور اس کو مدون کیا۔“ (۴۲۳)۔

۶۔ شروط جرح و تعدیل:

شروط تعدیل:

- قبول تعدیل کے چار شروط ہیں:
- ۱۔ معدل عادل ہو: فاسق کی تعدیل مقبول نہیں ہوگی۔
 - ۲۔ معدل متیقظ ہو: مغفل نہ ہو کہ راوی کے حالات ظاہری سے دھوکہ کھا جائے۔
 - ۳۔ معدل اسباب تعدیل کا عارف ہو: جو صفات قبول و رد کو نہ جانتا ہو اس کی تعدیل مقبول نہیں ہوگی۔
 - ۴۔ وہ پرہیزگار ہو: اس کی پرہیزگاری اس کو تعصب اور خواہشات سے روکے (۴۲۵)۔

شروط جرح:

- قبول جرح کے پانچ شروط ہیں:
- ۱۔ جرح عادل ہو، فاسق کی جرح مقبول نہیں ہوگی۔
 - ۲۔ جرح متیقظ ہو، مغفل کی جرح مقبول نہیں ہوگی۔
 - ۳۔ جرح اسباب جرح کا عارف ہو، غیر عارف کی جرح مقبول نہیں ہوگی۔
 - ۴۔ جرح اسباب جرح کا بیان کرنے والا ہو، جرح مبہم مقبول نہیں ہوگی۔
 - ۵۔ اس سلسلے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جرح مبہم کے قبول کے قائل ہیں۔ الا یہ کہ جن رواۃ کی رایت معلوم ہے ان کے بارے میں جرح مبہم اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک کہ سبب جرح ان نہ کر دیا جائے۔

جن کی امامت لوگوں کے درمیان مشہور ہو اور جن کی عدالت حد تو اتر کو پہنچتی ہو ایسے اماموں پر واقع جرح غیر مقبول ہوگی جیسے نافع رحمہ اللہ، شعبہ رحمہ اللہ، مالک اور بخاری رحمہ اللہ وغیرہ (۴۲۶)۔

تعارض جرح و تعدیل:

تعارض جرح و تعدیل کی چار حالتیں ہیں:

جرح و تعدیل دونوں ہی مبہم ہوں۔ یعنی اسباب جرح یا اسباب تعدیل غیر مفسر ہوں ایسی

صورت میں اگر ہم جرح مبہم کے عدم قبول کے قائل ہوتے ہیں تو گویا تعدیل مبہم کے قبول کے قائل ہوئے کیونکہ فی الواقع اسکا کوئی تعارض نہیں۔ اگر جرح مبہم کے قائل ہوتے ہیں اور یہی رائج ہے تو اس وقت تعارض لازم آتا ہے۔ پس رائج پر عمل ہوگا۔
مرجحات یہ ہیں:

- ۱۔ قائل عادل ہو۔
- ۲۔ راوی کے حالات کو اچھی طرح جاننے والا ہو۔
- ۳۔ اسباب جرح و تعدیل کا جاننے والا ہو۔
- ۴۔ کثرت تعداد کی رعایت کی جائے گی۔ جارح کی تعداد زیادہ ہو تو وہ مجروح سمجھا جائے گا۔ اگر معدل کی تعداد زیادہ ہو تو اس کو عادل سمجھا جائے گا۔

ثانی: جرح و تعدیل دونوں ہی مفسر ہوں یعنی اسباب جرح یا اسباب تعدیل مبین ہوں تو جرح مقبول ہوگی۔ کیونکہ جارح کے پاس زیادہ علم ہے۔ اگر کوئی معدل یہ کہے کہ جن اسباب کی بنا پر اس کو مجروح کیا گیا ہے وہ اسباب و بنیاد زائل ہو گئے ہیں۔ اس وقت تعدیل مقبول ہوگی کیونکہ معدل کے پاس زیادتی علم ہے۔

ثالث: تعدیل مبہم ہو اور جرح مفسر ہو تو اس وقت جرح مقبول ہوگی۔ کیونکہ جارح کے پاس زیادتی علم ہے۔

رابع: جرح مبہم ہو اور تعدیل مفسر ہو تو اس وقت تعدیل مقبول ہوگی رائج ہونے کی بنا پر (۴۲۷)۔

۸۔ وجوہ طعن فی راوی:

طعن راوی کے دس اسباب ہیں جن میں سے پانچ کا تعلق عدالت سے ہے اور پانچ کا تعلق ضبط سے ہے۔

(الف) طعن متعلقہ عدالت:

- | | | |
|--------|-------------|---------|
| ۱۔ کذب | ۲۔ تہمت کذب | ۳۔ بدعت |
| ۴۔ فسق | ۵۔ جہالت | |

(ب) طعن متعلقہ ضبط:

- | | |
|-----------------|---------------------|
| ۱۔ زبانی اغلاط۔ | ۲۔ یادداشت کی خرابی |
|-----------------|---------------------|

۳۔ غفلت ولا پرواہی ۴۔ کثرت وہم۔

۵۔ مخالفت ثقات (۲۲۸)

۹۔ مراتب جرح و تعدیل:

تعدیل کے مراتب اور ان کے الفاظ:

(الف) ”ما دل علی المبالغة فی التوثیق أو کان علی وزن أفعّل. وهی أرفعها مثل،

فلان الیہ المنتهی فی الثبت، أو فلان أثبت الناس“ (کسی راوی کی توثیق میں مبالغہ پر مشتمل لفظ یا اسم تفصیل ہو جو افعّل کے وزن پر آئے۔ یہ تعدیل کے سب سے ارفع معیار کو ظاہر کرتا ہے مثلاً یوں کہا جائے فلاں شخص وہ ہے جس پر ثبوت اور پختہ روی کی انتہا ہوتی ہے یا فلاں شخص وہ ہے جو لوگوں میں سب سے زیادہ ثقاہت کا حامل ہے)۔

(ب) ”ثم ما تاکد بصفة أو صفتین من صفات التوثیق کثقة ثقة، أو ثقة ثبت“ (۲۲۹) (پھر توثیق کے لئے ایک یا دو صفات استعمال کر کے توثیق کو موکد بنایا گیا ہو جیسے ”ثقة ثقة“ یا ”ثقة ثبت“)۔

(ج) ”ثم ما عبر عنه بصفة دالة علی التوثیق من غیر توکید کثقة، أو حجة“ (۲۳۰) (اس کے بعد توثیق کا درجہ ہے جس میں ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہو جو توثیق پر دلالت کرتا ہو لیکن اس کی تاکید نہ ہو جیسے کہا جائے ثقة یا حجة)۔

(د) ”ثم ما دل علی التعدیل من دون اشعار بالضبط، کصدوق. أو محله الصدق، أو لا بأس به عند غیر ابن معین، فان ”لا بأس به“ اذا قالها ابن معین فی الراوی فهو عنده ثقة“ (۲۳۱) (ایسے الفاظ جو راوی کی تعدیل پر دلالت کریں لیکن اس میں ضبط شامل نہ ہو۔ مثلاً کہا جائے ”صدوق“ یا ”محله الصدق“ یا ”لا بأس به“ وغیرہ البتہ ”لا بأس به“ کا فقرہ ابن معین کسی راوی کے سلسلے میں استعمال کریں تو یہ فقرہ ثقہ اور پوری طرح با اعتماد راوی ہی کے بارے میں استعمال کرتے ہیں)۔

(ه) ”ثم ما لیس فیہ دلالة علی التوثیق أو التجریح، مثل فلان شیخ، أو روی عنه الناس“ (پھر ایسے الفاظ بھی ہوتے ہیں جن میں راوی کو توثیق یا تجرح کی کوئی علامت نہیں ہوتی جیسے کوئی کہے ”فلان شیخ“ یا ”روی عنه الناس“ (فلاں شیخ ہے یا لوگوں نے اس سے روایت کیا)۔

(و) ثم ما أشعر بالقرب من التحريح: مثل: فلان صالح الحديث أو يكتب حديثه (۴۳۲) (پھر ایک ایسا طریق بیان بھی ہے جو جرح راوی کی طرف اشارہ کرنے والا ہے جیسے فلاں صالح الحديث یعنی فلاں شخص روایت حدیث کی صلاحیت رکھتا ہے یا اس کی حدیث کو لکھا جاتا ہے)۔

جرح کے مراتب اور اس کے الفاظ:

الف: ما دل علی التلین: وہی أسهلها فی الجرح مثل: فلان لين الحديث أو فيه مقال (نرم رویہ پر دلالت کرنے والے الفاظ، جیسا کہ کہا جائے "فلان لين الحديث یا فيه مقال" (فلاں حدیث میں نرم ہے یا اس میں گفتگو ہے)۔

ب: "ثم ما صرح بعدم كتابة حديثه ونحوه، مثل: فلان لا يكتب عنه، أو لا تحل الرواية عنه أو ضعيف جدًا، أو واه بمرة" (پھر ایسے الفاظ جن میں زیر بحث راوی کی روایات کی عدم کتابت کی صراحت ہو جائے۔ مثلاً "فلان لا يكتب" یا "لا تحل الرواية وغيره" یا "واه بمرة"۔

ج: "ثم ما صرح بعدم الاحتجاج به وشبهه: مثل فلان لا يحتج به، أو ضعيف، أوله مناكير" (پھر ایسے الفاظ جن میں ناقابل حجت ہونے کی صراحت اور اس سے ملتے جلتے الفاظ ہوں۔ مثلاً "فلان لا يحتج" یا "ضعيف" یا "له مناكير"۔

د: "ثم ما فيه اتهام بالكذب أو نحوه: مثل فلان متهم بالكذب، أو متهم بالوضع، أو يسرق الحديث، أو ساقط، أو متروك، أو ليس بثقة" (پھر وہ الفاظ جن کے ذریعے راوی پر جھوٹ وغیرہ تہمت لگائی جائے مثلاً "فلان متهم بالكذب" یا "فلان متهم بالوضع" یا "يسرق الحديث" یا "ساقط" یا "متروك" یا "ليس بثقة"۔

هـ: "ثم ما دل على وصفه بالكذب ونحوه: مثل كذاب أو دجال أو وضاع" (پھر ایسے الفاظ جو اس کے جھوٹ ہونے پر دلالت کرتے ہوں مثلاً "كذاب" "دجال" یا "وضاع"۔

و: ثم ما دل على المبالغة في الكذب (وہی اسوہا) مثل فلان أكذب الناس، أو اليه المنتهى في الكذب، أو هو ركن الكذب (پھر وہ الفاظ جو اس کے جھوٹ

کی عادت کی انتہا کو بیان کریں۔ یہ صورت سب سے بری ہے مثلاً ”فلان اکذب الناس“ یا ”الیہ المنتہی فی الکذب“ یا ”ہو رکن الکذب“ (۴۳۳)۔

۱۰۔ کتب جرح و تعدیل:

(الف) کتب ضعفاء:

- ۱۔ علل حدیث و معرفۃ الرجال، علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ)۔
- ۲۔ کتاب الضعفاء، یحییٰ بن معین (م ۲۳۳ھ)۔
- ۳۔ کتاب العلل و معرفۃ الرجال، احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)۔
- ۴۔ کتاب الضعفاء، محمد بن عبد اللہ البرقی الزہری مولا ہم (م ۲۴۹ھ)۔
- ۵۔ الضعفاء الصغیر، محمد بن اسماعیل البخاری (م ۲۵۶ھ)۔
- ۶۔ احوال الرجال، ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی (م ۲۵۹ھ)۔
- ۷۔ الضعفاء والمتر وکون، ابو زرعة عبد اللہ بن عبد الکریم بن یزید الرازی (م ۲۶۴ھ)۔
- ۸۔ الضعفاء والمتر وکون من اصحاب الحدیث، ابو عثمان سعید بن عمرو بن عمار الازدی البرزعی (م ۲۹۲ھ)۔
- ۹۔ الضعفاء والمتر وکون، ابو عبد الرحمن احمد بن علی بن شعیب بن علی النسائی (م ۳۰۳ھ)۔
- ۱۰۔ الضعفاء، ابو یحییٰ زکریا الساجی (م ۳۰۷ھ)۔
- ۱۱۔ الضعفاء، ابو بشر محمد بن حماد الدولابی (م ۳۳۰ھ)۔
- ۱۲۔ کتاب الضعفاء، ابو العرب محمد بن احمد بن تمیم القیر وانی (م ۳۳۳ھ)۔
- ۱۳۔ کتاب الضعفاء والمتر وکون، ابو الحسن علی بن احمد بن المهدی الدارقطنی (م ۳۸۵ھ)۔
- ۱۴۔ الضعفاء، ابو نعیم الاصبہانی (م ۴۳۰ھ)۔
- ۱۵۔ کتاب الضعفاء والمتر وکون، ابو الفرج بن الجوزی (م ۵۹۷ھ)۔

کتب ثقات:

- ۱۔ الثقات، ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق السعدی الجوزجانی (م ۲۵۹ھ)۔
- ۲۔ الثقات ابو الحسن احمد بن عبد اللہ العجلی (م ۲۶۱ھ)۔

- ۳۔ الہدایۃ والارشاد فی معرفۃ اہل الثقۃ والسداد، ابو نصر احمد بن محمد الکلاباذی (م ۳۱۸ھ)
- ۴۔ الثقات، ابو العرب محمد بن احمد التمیمی (م ۳۳۳ھ)۔
- ۵۔ الثقات، محمد بن احمد بن حبان البستی (م ۳۵۴ھ)۔
- ۶۔ تاریخ اسماء الثقات، عمر بن احمد بن شاہین الواعظ (م ۳۷۵ھ) (مقدمہ الجرح والتعذیل، ۱۴۹ تا ۱۶۷)۔
- ۷۔ ذکر اسماء تابعین ومن بعدهم۔، ابو الحسن علی بن عمر دارقطنی (م ۳۸۵ھ)۔
- ۸۔ تذکرۃ الحفاظ، شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ)۔

کتاب ثقات وضعفاء:

- ۱۔ التاريخ الكبير، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶ھ)۔
- ۲۔ التاريخ الاوسط، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶ھ)۔
- ۳۔ التاريخ الصغير، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶ھ)۔
- ۴۔ الجرح والتعذیل، ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی (م ۳۲۷ھ)۔
- ۵۔ اخبار اصمھان، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبھانی (م ۴۳۰ھ)۔
- ۶۔ تاریخ بغداد، ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (م ۴۶۳ھ)۔
- ۷۔ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ابو الحجاج یوسف بن المزنی (م ۷۴۲ھ)۔
- ۸۔ التذکرۃ فی رجال العشرہ، ابو عبد اللہ محمد بن علی الحسینی (م ۷۶۵ھ)۔
- ۹۔ المغنی فی ضبط الرجال محمد طاہر ثنی (ت ۹۸۶ھ) (۴۳۴)۔



فنِ تخریج حدیث: ایک مطالعہ

لغوی مفہوم:

- ۱۔ تخریج ”خراج“ سے لیا گیا ہے جس کے معنی خارج ہونے کے ہیں۔
- ۲۔ کسی ایک چیز میں دو متضاد معاملات کا اکٹھا ہونا بھی تخریج کہلاتا ہے اس لفظ کے کئی معنی ہیں ان میں زیادہ اہم استنباط، تدریب اور توجیہ ہیں (۲۳۵)۔ احمد بن فارس نے ”خرج“ کے معنی لکھے ہیں:
- ۱۔ النفاذ عن الشیء: (کسی چیز سے نکلنا)۔
- ۲۔ اختلاف اللونین: (دورنگوں کا اختلاف) (۲۳۶)۔
- ابن منظور نے لکھا ہے: خارج کل شیء: (ہر چیز کا ظاہر)، وخرجت خوارج فلان: ظہرت نجابتہ: (اس کی شرافت ظاہر ہوگئی)۔ وخراج: اسم لعبة لهم معروفة، وهو أن یمسک أحدہم شیئا بیدہ و یقول لسانہم: اخرجوا مافی یدی: (یہ ایک معروف کھیل کا نام ہے وہ اس طرح سے کہ ایک شخص کسی چیز کو اپنے ہاتھ میں پکڑتا ہے۔ اور باقی لوگوں سے کہتا ہے جو میرے ہاتھ میں ہے اسے نکالو) (۲۳۷)۔
- امام بغوی نے آیت: ”اخرج ضحہا“ کی تفسیر میں لکھا ہے: ای ابرز و اظہر نہارہا (۲۳۸) (اس نے اپنے دن کو ظاہر کیا)۔ اعجم الوسیط میں ہے:
- ۱۔ خرج خروجاً: برز من مقرہ او حالہ وانفصل: (وہ اپنے مقام سے نکلا یا کسی حالت سے نکلا اور الگ ہو گیا)۔
- ۲۔ خرجت السماء: اصحت و انقشع عنها الغیم: (آسمان صاف ہو گیا اور اس سے بادل چھٹ گئے)۔
- ۳۔ خرجت خوارج فلان: خرجت نجابتہ: (اس کی شرافت ظاہر ہوگئی)۔

۴۔ خرج من الامر والشدة: خَلَصَ منه: (وہ معاملے یا سختی سے نکل گیا، یعنی نجات پا گیا)۔

۵۔ خرج من دينه: قضاہ: (اس نے قرضہ ادا کر دیا)۔

۶۔ خرج على السلطان: تمرّد: (اس نے حکمران کے خلاف سرکشی کی)۔

۷۔ خرج في العلم او الصناعة: (وہ علم میں یا کسی صنعت میں فائق ہو گیا)۔

۸۔ اخرج الحديث: نقله بالاسانيد الصحيحة (اس نے احادیث کو صحیح اسانید سے نقل کیا) (۴۳۹)۔

مصباح اللغات میں ہے: خرج ومخرجا من موضعه: نكلنا، في العلم: فائق ہونا، به: نکالنا، عليه، جنگ کے لئے نكلنا، الرعية على الملك: سرکشی و بغاوت کرنا، الى فلان من دينه: ادا کرنا، خرج من المكان: نکالنا۔ الارض: خراج مقرر کرنا، خرج المسئلة: مسئلہ کی توجیہ کرنا، خرج الولد في الادب: مہذب و تجربہ کار بنانا، العمل: ایک دوسرے کے مخالف مختلف قسم کے کام کر دینا، خرج الغلام اللوح: کچھ لکھنا اور کچھ چھوڑ دینا (۴۴۰)۔

اصطلاحی مفہوم

۱۔ تخریج سے مراد اصلی مصادر میں سے حدیث کے مقام کی دلالت ہے جس میں اس کو سند کے

ساتھ بیان کیا گیا ہو۔ پھر ضرورت کے وقت اس کا مرتبہ بیان کرنا ہے۔

۲۔ کسی چیز کو باضابطہ انداز سے لکھنا اور اس کا پورا حوالہ دینا تخریج کہلاتا ہے۔

۳۔ کتب فقہ و تفسیر وغیرہ کی احادیث کو جداگانہ مجموعوں میں جمع کرنا۔

۴۔ حدیث کی کسی کتاب سے خاص قسم کی احادیث مثلاً مرفوع، متصل، مرسل وغیرہ کو الگ کرنا۔

۵۔ حدیث کا حوالہ دینے کیلئے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ یہ حدیث ہمیں کہاں سے ملے

گی۔ اس کی درست نشاندہی کرنے کو تخریج حدیث کہتے ہیں (۴۴۱)۔

غماری نے لکھا ہے:

۱۔ تخریج احادیث کو ان کتب کی طرف منسوب کرنا ہے۔ جن میں وہ بیان ہوئی ہیں۔ ان

پر صحت اور ضعف کے لحاظ سے کلام کیا جائے یا محض اصل کتب کی طرف منسوب کر دیا

جائے (۴۴۲)۔

۲۔ اخراج: اس کا مطلب حدیث کو اسناد کے ساتھ رسول ﷺ تک رواۃ کا بیان ہے

اگر مرفوع ہو تو رسول اللہ ﷺ تک بیان ہے۔ اگر موقوف تو صحابی تک بیان ہے اگر

مقطوع ہو تو تابعی تک بیان ہے (۴۴۳)۔

ابن الصلاح نے کہا: محدثین کے ہاں تصنیف کے دو طریقے ہیں: احداہما: التصنیف علی الأبواب، وهو تخریجہ علی أحكام الفقہ وغیرہا (۴۴۴) (ایک ابواب کے لحاظ سے تصنیف وہ احکام فقہ وغیرہ کے لحاظ سے تخریج ہے)۔ اس کا مطلب لوگوں کے سامنے لانا اور اپنی کتاب میں بیان کرنا ہے۔

اخراج الحدیث کا معنی اصل کتب میں اس کا بیان کرنا ہے امام سخاوی نے لکھا ہے: التخریج اخراج المحدثات الأحادیث من بطون الأجزاء والمشیخات والکتب ونحوها وسیاقها من مرویات نفسه أو بعض شیوخہ أو أقرانہ أو نحو ذلک والکلام علیہا وعزوہا من رواہا من أصحاب الکتب والدواوین (۴۴۵) (محدثات کا احادیث کو اجزائے احادیث، مشیخات اور کتب سے روایت کرنا ہے۔ اسے اپنی مرویات میں سے، یا اپنے بعض اساتذہ کی مرویات سے، یا اپنے ہم عصروں وغیرہ سے روایت کرنا، ان پر گفتگو کرنا اور کتب احادیث اور دواوین احادیث میں سے جس کسی نے بیان کیا ہو تو اس کی طرف منسوب کرنا ہے)۔

امام سیوطی نے اپنی کتاب الجامع الصغیر میں فرمایا: بالغت فی تحریر التخریج (میں نے تخریج کی پوری کوشش کی ہے)۔ امام عبدالرؤف المناوی نے سیوطی کی اس عبارت کی شرح میں لکھا ہے: بمعنی اجتهدت فی تہذیب عزو الأحادیث الی مخرجیہا من أئمة الحدیث، من الجوامع والسنن والمسانید، فلا أعزو الی شیء منها إلا بعد التفتیش عن حاله وحال مخرجه، ولا أکتفی بعزوہ من لیس من أہلہ۔ وإن جل۔ کعظماء المفسرین (۴۴۶) (میں نے احادیث کو ان کے اصل مصادر کی طرف منسوب کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے۔ آئمہ حدیث میں جس امام نے اس حدیث کو اپنی الجامع، السنن یا المسند میں روایت کیا، میں کسی حدیث کو اس کو بیان کرنے والے کی طرف تحقیق کے بغیر منسوب نہیں کروں گا، اور نہ اس کو اس کی طرف منسوب کروں گا جو اس کا اہل نہ ہو اگرچہ وہ عام لحاظ سے بڑا آدمی ہو جیسے عظیم مفسر ہیں)۔

ان تمام تعریفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اصطلاحی لحاظ سے تخریج حدیث کا مطلب ہے اس حدیث کو اس کتاب کی طرف منسوب کرنا جس میں ابتداء میں بیان ہوئی ہو۔ خواہ وہ کتاب مسند ہو یا جامع، سنن ہو یا مجتم۔ اگر ابتدائی طور پر کسی بھی اصل کتاب میں ہو خواہ وہ چھوٹی کتاب ہو جیسے امام بخاری کی جزء رفع الیدین یا جزء القراءة وغیرہ۔ کیونکہ امام بخاری امیر المؤمنین فی الحدیث اور ابتدائی محدث ہیں۔ اگر کوئی حدیث صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں آگئی تو صحت بتانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ

ان کتب کی صحت پر اتفاق ہے ورنہ اگر السنن کی کسی کتاب میں ہو تو صحت کا جاننا ضروری ہے اس سلسلہ میں معروف محدث الشیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی کتب صحیح سنن ترمذی، صحیح سنن ابی داؤد، صحیح سنن نسائی اور صحیح سنن ابن ماجہ بہت مفید ہیں۔ انہوں نے چاروں سنن کی ضعیف بھی الگ کر کے لکھی ہیں جو چھپ گئی ہیں۔ اسی طرح ان کی دیگر کتب سلسلہ الاحادیث الصحیحہ اور سلسلہ الاحادیث الضعیفہ میں بھی انہوں نے احادیث کی وضاحت کر دی ہے۔ جزاہ اللہ خیراً۔

تخریج حدیث کی اہمیت:

فن تخریج حدیث کو جاننا علم حدیث کے طالب علم کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اس علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ ہر دینی گفتگو اور تحریر میں احادیث کا ذکر آتا ہے۔ جن کا اعتبار احادیث کے ماخذ اور مراتب کے علم پر موقوف ہے۔ تخریج حدیث کو جاننا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث کے اصلی مصادر تک کیسے رسائی ہو سکتی ہے۔ علم حدیث کا کوئی طالب علم کسی حدیث سے اس وقت تک استفادہ نہیں کر سکتا جب تک اسے پتہ نہ چلے کہ مصنفین نے اس حدیث کو کس کتاب میں سے بیان کیا ہے۔ تخریج حدیث کے ذریعے ہی حدیث کے اصلی مصادر اور ان آئمہ کا پتہ چلتا ہے جنہوں نے اس کو بیان کیا ہو۔

تخریج حدیث کے فوائد:

علم تخریج حدیث کے بے شمار فوائد ہیں جن میں چند درج ذیل ہیں:

- ۱۔ معرفت مصدر یا مصادر حدیث: حدیث کی تخریج سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث کو کن آئمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں کن مقامات پر شامل کیا ہے۔
- ۲۔ اگر ایک حدیث کسی ایک ہی کتاب میں کئی مقامات پر ہو مثلاً صحیح بخاری میں ایک حدیث جو پانچ مقامات پر ہے تو ممکن ہے امام بخاری اسے ایک سے زیادہ جگہ بیان کر کے جہاں ایک ہی حدیث سے مختلف احکامات کا استنباط کر رہے ہوں وہیں اس کی الگ الگ اسناد روایت بھی کر رہے ہوں یوں ایک حدیث کی پانچ سندوں کا پتہ چل سکتا ہے۔ اسی طرح سے حدیث کی دس بارہ کتابوں سے وہ حدیث مل جائے تو ہمیں اس حدیث کی کئی سندوں کا پتہ چلتا ہے۔ جس سے اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا جاسکتا ہے۔
- ۳۔ کثرت اسناد کی معرفت سے سند کی پوری معلومات حاصل ہوتی ہیں اور مختلف سندوں کا

- تقابل کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی حدیث معضل کوئی مرسل اور کوئی منقطع ہے۔
- ۴۔ کثرت طرق حدیث سے اگر ایک حدیث ایک سند سے تو ضعیف ہو اور دوسری سند سے وہ صحیح ہو یا ایک سند سے منقطع ہو تو ممکن ہے کہ دوسری سند سے متصل ہو۔ اس سے مزید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔
- ۵۔ کثرت طرق حدیث سے ہمیں احادیث کے متابعات اور شواہد مل جاتے ہیں جن سے ہم ضعف کی بجائے اس پر حسن کا حکم لگا سکتے ہیں۔
- ۶۔ حدیث کے بارے میں ہمیں مختلف آئمہ کے اقوال ملتے ہیں کہ انہوں نے اس کی صحت یا ضعف کے بارے میں کیا حکم لگایا ہے۔
- ۷۔ سند میں مہمل راویوں کا پتہ چل جاتا ہے کیونکہ ایک سند میں کوئی راوی مہمل ہوتا ہے جبکہ کسی دوسری سند کے اندر اس مہمل راوی کا پتہ چل جاتا ہے۔ مثلاً عن احمد یا عن محمد ایک سند میں جبکہ دوسری سند اس کے باپ یا قبیلہ کی نسبت کا ذکر ہو تو راوی کی تعیین ہو جاتی ہے۔
- ۸۔ مبہم راوی کا تعیین ہو جاتا ہے مثلاً ایک روایت میں یہ لفظ ہوتے ہیں ”عن الرجل“ یا ”عن فلان“ لیکن تخریج حدیث سے اس روایت کی دوسری سند کے اندر اس کا نام آ جاتا ہے اور یوں نام کا پتہ چل جاتا ہے۔
- ۹۔ جو راوی ”عنعنہ“ کے ساتھ مدلس ہو اس کا شک دور ہو جاتا ہے ایک سند کے اندر وہ مدلس راوی ”عن“ کے ساتھ روایت کرتا ہے لیکن دوسری سند کے ساتھ ”سمعت“ یا ”حدثنا“ کہہ کر اپنے استاد سے وہ متصل بیان کرتا ہے اس سے سند سے انقطاع ختم ہو جاتا ہے۔ اور مدلس کا ”عن“ سے روایت کرنا ظاہر ہو جاتا ہے کہ دراصل اس کی سند متصل ہے۔ یوں اس کا عن سے روایت کا کوئی حرج نہیں ہے۔
- ۱۰۔ روایت میں اختلاط کا زائل ہونا: جب کوئی ایسی حدیث ہو جس میں مختلط راوی ہو اور ہمیں یہ پتہ نہ چلے کہ اس راوی کے اختلاط سے پہلے بیان کیا گیا ہے یا بعد میں بیان کیا گیا ہے۔ جب حدیث کی تخریج کی جاتی ہے تو اس سند کے علاوہ کسی اور سند میں یہ پتہ چل جاتا ہے کہ اس نے اختلاط سے قبل اس کو روایت کیا ہے۔
- ۱۱۔ روایت کے صحیح راویوں کا پتہ چلنا: بعض اوقات سند میں راوی کی کنیت، لقب یا نسبت کا ذکر ہوتا ہے اور کئی راویوں کی کنیتیں اور لقب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ تخریج حدیث کی صورت میں مختلف سندوں کے اندر کسی نہ کسی سند میں اس کے نام کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

۱۲۔ روایت میں زیادتی کی معرفت: بعض اوقات روایت ایسی ہوتی ہے کہ حکم صریح کا ہمیں پتہ نہیں چلتا لیکن کئی روایات سامنے آنے کی صورت میں اصل حکم کا پتہ چل جاتا ہے اور معنی واضح ہو جاتے ہیں۔

۱۳۔ غریب کے معنی کا بیان: بعض اوقات حدیث کے اندر کوئی غریب لفظ ہوتا ہے تو دوسری روایت کی تخریج سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات دوسری روایت میں وہ غریب لفظ نہیں ہوتا یا کسی اور سند کے ساتھ بیان کردہ حدیث میں اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

۱۴۔ شذوذ کے حکم کا زائل ہونا: بعض اوقات کوئی حدیث شاذ ہوتی ہے لیکن جب زیادہ روایات کا ہمیں پتہ چلتا ہے تو کسی اور سند کے ساتھ جو روایت آتی ہے اس سے اس کا شاذ ہونا ختم ہو جاتا ہے۔

۱۵۔ مدرج کا بیان: بعض اوقات کسی حدیث کے متن میں کوئی راوی اپنا کلام داخل کر دیتا ہے۔ روایات کے تقابل سے راوی کے کلام کے داخل کرنے کا پتہ چل جاتا ہے۔

۱۶۔ نقص کی وضاحت: بعض اوقات کسی حدیث کا کوئی حصہ راوی بھول جاتا ہے یا اس کو مختصر کر دیتا ہے۔ تخریج حدیث سے ہمیں بھولے ہوئے یا مختصر کئے ہوئے حصے کا پتہ چل جاتا ہے۔

۱۷۔ اوہام اور رواۃ کی غلطیوں کا انکشاف: بعض اوقات راوی کوئی غلطی کرتا ہے یا اسے روایت میں وہم ہوتا ہے تو تخریج حدیث سے ہمیں اس وہم اور غلطی کا پتہ چل جاتا ہے۔

۱۸۔ معرفت روایت باللفظ بعض اوقات کوئی راوی حدیث بالمعنی بیان کرتا ہے اور تخریج حدیث سے ہمیں روایت باللفظ کا پتہ چل جاتا ہے۔

۱۹۔ واقعات کے وقت اور مقام کا بیان کثرت روایات سے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ ہمیں اس کے زمانے اور مقام کا پتہ چلے کیونکہ بعض راوی اس کا ذکر کر دیتے ہیں۔

۲۰۔ کاتبوں کی غلطیوں کا علم: بعض اوقات کوئی ناخ (کاتب) سند یا متن میں غلطی کرتا ہے تو تخریج حدیث سے دیگر روایات میں اس کی وضاحت ہو جاتی ہے (۴۴۷)۔

فن تخریج حدیث کا ارتقائی جائزہ:

دینی علوم کا اصل ماخذ کتاب و سنت ہے۔ ہر آدمی جو علوم دین کے بارے میں کلام کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کلام مجید اور حدیث نبوی، آثارِ صحابہ اور تابعین سے دلیل

لائے۔ قرآن مجید حتمی کتاب ہے۔ نہ اس میں کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی۔ اس کے احکامات اور آیات و دلائل تخریج سے بالا ہیں۔ حدیث نبوی کے معاملہ میں غور و فکر ضروری ہے کیونکہ احادیث میں متواتر، خبر احاد، صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع ہر قسم کی روایات شامل ہوتی ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کی پوری طرح سے وضاحت ہو۔

ابتدائی چند صدیوں میں حدیث سے متعلق وسعت معلومات کی بناء پر احادیث کی تخریج کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ اس لیے کہ حدیث کے سامنے آتے ہی اہل علم کے ذہنوں میں اس کے مآخذ آ جاتے تھے۔ مگر بعد میں علوم و فنون کی کثرت و وسعت اور علوم حدیث سے عدم واقفیت کی بناء پر اس کی ضرورت محسوس کی گئی تاکہ عام طالبین تحقیق کا وقت مطلوبہ احادیث کی تحقیق میں صرف نہ ہو۔ چنانچہ بعض محققین نے تفسیر، فقہ اور تاریخ وغیرہ کی کتابوں میں ذکر کردہ احادیث کی مستقل کتابوں کی صورت میں تخریج کی ہے (۴۴۸)۔

اخذ حدیث میں تحقیق کی ابتداء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے ہو گئی تھی۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم حدیث کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی تحقیق کے بعد لیتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دادی کی دراشت کے سلسلے میں تحقیق سے کام لیا (۴۴۹)۔ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے سلام کے سلسلے میں بیان کردہ روایت کی تحقیق کی (۴۵۰)۔ اسی طرح حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عورت کے اسقاط حمل کے بارے میں مشورہ کیا تو حضرت مغیرہ نے فرمایا: اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ایک غلام کی دیت دینے کا فیصلہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر آپ سچے ہیں تو کسی اور کو بھی گواہ لائیں جو اس بات کو جانتا ہو۔ حضرت محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ نے اس بات کی گواہی دی کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح فیصلہ کیا ہے (۴۵۱)۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کے سلسلے میں سوائے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قسم لیتے تھے (۴۵۲)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم رسول اللہ ﷺ سے حدیثوں کو بیان کرتے تھے اور انہیں یاد کرتے تھے جب لوگوں نے غلط سلط بیان کرنا شروع کر دیا تو ہم بہت احتیاط کرنے لگے (۴۵۳)۔

حدیث کی تحقیق و تثبیت کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بہت سے اقوال ہیں، اسی طرح سے تابعین سے بھی کہ وہ حدیث کو دیکھتے ہوئے اس کی سند کو اچھی طرح دیکھتے تھے اور اہل سنت کی حدیث کو لیتے اور بدعتی کی حدیث کو نہیں لیتے تھے۔ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں احادیث کی

جمع و تدوین کا کام شروع ہوا تو بعض محدثین نے احادیث کی مستقل کتابیں لکھیں جیسے امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے بعد کے دور کے لوگ اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ، اسی طرح سے اس زمانے کی بعض کتب میں مراہیل، معلقات اور معصل روایات بھی آ گئیں۔ یہاں تک کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی الجامع الصحیح میں ترجمۃ الابواب میں بعض معلق روایات بھی لکھیں۔ جن کو انہوں نے بعض اور مقامات پر متصل بیان کیا اور بعض کے متعلق صحیح بخاری کی شروح میں ان کا متصل ہونا بیان کیا گیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک کتاب بنام تغلیق التعلیق لکھی جس میں بخاری شریف میں معلق روایات کی پوری تفصیل بیان کی ہے یہ کتاب مطبوع ہے۔ اسی طرح سے باقی کئی لوگوں نے بھی دیگر کتب احادیث کے بارے میں ایسا ہی کیا۔ حافظ ابو عمر احمد بن خالد قرطبی رحمہ اللہ (م ۲۲۲ھ) نے بھی ”مسند مؤطا“ لکھی۔

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد البر رحمہ اللہ (م ۴۶۳ھ) نے ”کتاب التمهید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید“ لکھی۔ اس میں انہوں نے مؤطا کی تمام احادیث کو سند سے بیان کیا اور جن روایات کو امام مالک نے موصول یا مرسل بیان کیا ان پر کلام کیا اور چار روایات کے علاوہ تمام مراہیل کو متصل بیان کیا۔ اسی طرح سے امام ابو بکر احمد بن حسین البیہقی رحمہ اللہ (م ۴۵۸ھ) نے کتاب ”معرفة السنن والآثار“ کتاب لکھی جس میں انہوں نے وہ روایات لکھیں جن سے امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتب میں دلیل پکڑی۔ اسی طرح سے امام قضاوی رحمہ اللہ (م ۴۵۴ھ) نے ”مسند الشہاب“ لکھی جو کہ دراصل تخریج احادیث ہی کی ایک کتاب ہے۔ اس فن میں باقاعدہ طور پر چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں کام ہوا۔

چھٹی صدی ہجری میں ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی رحمہ اللہ (م ۵۰۷ھ) نے ”احادیث الشہاب“ لکھی جس میں انہوں نے قضاوی کی احادیث کو مسند بیان کیا۔ حافظ ابو منصور شہردار بن شیریہ الدیلمی رحمہ اللہ (م ۵۵۸ھ) نے کتاب ”احادیث کتاب الفردوس“ لکھی جس میں انہوں نے اپنے والد کی کتاب مسند الفردوس کی تخریج کی اور اسے حروف مجتم کے لحاظ سے مرتب کیا۔ اس میں دس ہزار احادیث ہیں جن میں سے زیادہ تر موضوع اور منکر ہیں۔

حافظ ابو بکر محمد بن موسیٰ الحازمی رحمہ اللہ (م ۵۸۴ھ) نے ابو اسحق شیرازی رحمہ اللہ کی کتاب ”المہذب فی الفقہ الشافعی“ کی تخریج کی۔ کتاب کا نام ”تخریج المہذب“ رکھا۔ عبد اللہ بن یوسف الزیلیعی رحمہ اللہ (م ۷۲۶ھ) نے ”نصب الراية فی تخریج احادیث الہدایہ“ لکھی۔

جس کا خلاصہ ”الدراية“ کے نام سے حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے لکھا۔ یہ دونوں کتب مطبوع ہیں۔ برہان الدین مرغینانی رحمہ اللہ (م ۵۹۳ھ) کی الہدایہ کی تخریج علاؤ الدین محمد بن عثمان المازنی المعروف الترمکمانی رحمہ اللہ (م ۷۵۰ھ) نے بھی کی اور کتاب کا نام ”الکفایہ فی المعرفة لحدیث الہدایہ“ لکھا۔

ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی رحمہ اللہ (م ۷۴۹ھ) نے امام بغوی رحمہ اللہ (م ۵۱۶ھ) کی کتاب ”مصانح السنہ“ کی احادیث کی تخریج کی اور اس کے ہر باب میں تیسری فصل کا اضافہ کیا اور کتاب کا نام ”مشکوٰۃ المصانح“ رکھا اس کام کی تکمیل ۷۳۷ھ میں کی۔ مختصر ابن حاجب کی تخریج حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عبد اللہ ہادی رحمہ اللہ (م ۷۴۴ھ) نے کی۔

اسی طرح کئی اور لوگوں نے آٹھویں صدی ہجری میں مختلف کتابوں کی احادیث کی تخریج کی۔ نویں صدی ہجری میں ابو المعالی محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ (م ۸۰۳ھ) نے ”احادیث المصانح“ کی تخریج کی اور ”الشرح الکبیر للرافعی“ کی احادیث کی تخریج سراج الدین عمر بن علی المعروف ابن ملقن رحمہ اللہ (م ۸۰۴ھ) نے کی اور اس کا نام ”البدر المنیر فی تخریج الاحادیث والآثار الواقعہ فی الشرح الکبیر“ رکھا۔

امام غزالی رحمہ اللہ کی احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج زین الدین ابو الفضل عبدالرحیم بن الحسین عراقی رحمہ اللہ (م ۸۰۶ھ) نے ”إخبار الأحياء بأخبار الإحياء“ کے نام سے کی۔ بعض نے اس کا نام ”المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار“ لکھا ہے۔ دسویں صدی میں حافظ محمد بن عبدالرحمن سخاوی رحمہ اللہ (م ۹۰۲ھ) نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی کتاب ”غنیۃ الطالبین“ کی تخریج بنام ”البغیۃ بتخریج الاحادیث الغنیۃ“ لکھی۔ اسی طرح سے جلال الدین عبدالرحمان سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) نے ”الشفاء“ کی احادیث کی تخریج ”مناہل الصفا“ کے نام سے لکھی۔ اس صدی میں اور بھی کئی لوگوں نے کام کیا۔

گیارہویں صدی میں ملا علی قاری رحمہ اللہ (م ۱۰۱۴ھ) نے ”شرح عقائد نسفیہ“ کی احادیث کی تخریج کی۔ اسی طرح سے عبدالرؤف المناوی رحمہ اللہ (م ۱۰۳۱ھ) نے تفسیر بیضاوی کی احادیث کی تخریج بنام ”تحفة الراوی فی تخریج احادیث البيضاوی“ کی۔

اسی طرح تفسیر البیضاوی کی احادیث کی تخریج محمد بن حمات زادہ رحمہ اللہ (م ۱۱۷۵ھ) نے کی۔ عبدالستار بن عبدالوہاب صدیقی ہندی رحمہ اللہ نزیل مکہ (م ۱۳۵۴ھ) نے شعرانی کی کتاب ”کشف الغمہ“ کی احادیث کی تخریج کی (۴۵۴)۔ اسی طرح مولانا وحید الزمان رحمہ اللہ نے ”تخریج

احادیث شرح العقائد للفتازانی“ لکھی۔ شیخ احمد صبحہ اللہ مد راسی رحمہ اللہ نے ”تخریج احادیث صفوۃ“ لکھی۔ شیخ محمد سعید صبحہ اللہ مد راسی نے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے مکاتیب میں ذکر کردہ احادیث کی تخریج اٹکی: ”نشید المبانی فی تخریج احادیث مکتوبات الربانی“ لکھی (۲۵۵)۔ راقم الحروف نے ”حمیدۃ الزمان بافضلیۃ الرسول الاعظم بنص القرآن“ تصنیف منیر دمشقی کی احادیث کی تخریج کی (۲۵۶)۔ اسی طرح ہم نے مولانا ابوالقاسم بنارسی رحمہ اللہ (۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء) کی کتاب ”جمع القرآن والاحادیث“ کی تخریج کی (۲۵۷)۔

تخریج حدیث کے طریقے:

تخریج حدیث کے کئی طریقے ہیں جن میں اہم درج ذیل ہیں:

- ۱۔ راوی کی معرفت کے طریقے سے تخریج۔
- ۲۔ حدیث کے موضوع کی معرفت کے طریقے سے تخریج۔
- ۳۔ حدیث کے پہلے حصے کی معرفت کے طریقے سے تخریج۔
- ۴۔ متن و سند کے لحاظ سے حدیث کی تخریج۔
- ۵۔ حدیث کے الفاظ کے ذریعے تخریج (۲۵۸)۔

۱۔ راوی کی معرفت کے طریقے سے تخریج:

اس طریقے میں ہم راوی کا نام معلوم ہونے کی بنا پر حدیث معلوم کر لیتے ہیں اس میں صحابی کا نام معلوم ہونا ضروری ہے لیکن اگر راوی صحابی کا نام معلوم نہ ہو تو اس طریقے سے حدیث معلوم نہیں کی جاسکتی۔ اس طریقے میں ہم مندرجہ ذیل تین قسم کی کتب سے مدد لے سکتے ہیں:

(i) المسانید:

- ۱۔ مسند ابی داؤد، سلیمان بن داؤد الطیالسی (م ۲۰۴ھ)۔
- ۲۔ مسند اسد بن موسی الاموی (م ۲۱۲ھ)۔
- ۳۔ مسند الحمیدی (م ۲۱۹ھ)۔
- ۴۔ مسند امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)۔
- ۵۔ مسند ابی یعلی الموصلی (م ۳۰۷ھ)۔

یہ مسانید صحابہ کے نام پر مرتب ہوئی ہیں اور ان کے نام حروف تہجی کے اعتبار سے پر مرتب

ہوئے ہیں۔ بعض اوقات یہ نام اسلام میں سبقت کی بنا پر مرتب کئے جاتے ہیں۔ بعض اوقات قبائل اور شہروں کے لحاظ سے ترتیب دی جاتی ہیں۔ بطور مثال مسند ابی داؤد طیالسی میں ترتیب اس طرح سے ہے۔ سب سے پہلے عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کو لیا گیا ہے اور ان میں سے احادیث ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو پہلے لیا گیا ہے۔ ان کی پہلی حدیث یہ لکھی ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کوئی گناہ کرے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ سے استغفار کرے تو اس کو بخش دیا جائے گا (۴۵۹)۔ اس کے بعد باقی لوگوں کی احادیث لکھی ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مسند میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ابتدا کی ہے اور پھر باقی تین خلفاء رضی اللہ عنہ اور پھر عشرہ مبشرہ میں سے باقی لوگوں کی احادیث لکھی ہیں پھر دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احادیث ہیں (۴۶۰)۔

(ii) المعاجم:

معجم میں حدیث کی ترتیب مسانید صحابہ، بلدان یا شیوخ کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ عام طور پر معجم حروف کے لحاظ سے مرتب کی جاتی ہیں۔ معجم کی مشہور کتابیں:

۱۔ المعجم الکبیر: ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م ۳۶۰ھ) یہ حروف معجم کے لحاظ سے مرتب کی گئی ہے۔

۲۔ المعجم الاوسط: ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م ۳۶۰ھ)۔

۳۔ المعجم الصغیر: ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م ۳۶۰ھ)۔

۴۔ المعجم الصحابہ: ابوعلی احمد بن علی الموصلی (م ۳۰۷ھ)۔

۵۔ المعجم الصحابہ: احمد بن علی الہمدانی (م ۳۹۸ھ)۔

بطور مثال المعجم الصغیر میں طبرانی نے ایک ہزار ایک سوا کسٹھ (۱۱۶۱) احادیث لکھی ہیں۔ اس کتاب کو انہوں نے اساتذہ کی ترتیب سے لکھا ہے۔ لکھتے ہیں: هذا اول کتاب فوائد مشائخی الذین کتبت عنهم بالأمصار، خرجت عن کل واحد منهم حدیثاً واحداً، وجعلت أسماءهم علی حروف المعجم (۴۶۱)۔

(iii) کتب الاطراف:

یہ کتب عام طور پر مسانید صحابہ کے لحاظ سے مرتب کی جاتی ہیں۔ ان کے نام حروف معجم کے لحاظ سے لکھے جاتے ہیں مثلاً وہ صحابی جن کے نام الف سے شروع ہوتے ہیں وہ پہلے پھر باء سے شروع ہونے والے نام آتے ہیں۔ اس طرح باقی ناموں کی ترتیب ہوتی ہے۔ اس قسم کی کتب کا

انحصار حدیث کی ایک طرف (ابتداء) پر ہوتا ہے جو کہ باقی پر دلالت کرتی ہے پھر وہ سندیں بیان کی جاتی ہیں جن کے ذریعے مذکورہ متن بیان کیا گیا ہے۔ اس فن کی مشہور کتب درج ذیل ہیں:

۱۔ تحفة الاشراف بمعرفة الاطراف، حافظ جمال الدین یوسف بن عبدالرحمن المرزى (م ۷۴۲ھ)۔ اس میں کتب ستہ اور بعض دیگر کتب کی احادیث ہیں۔

۲۔ ذخائر الوریث فی الدلالة علی مواضع الحدیث، شیخ عبدالغنی النابلسی الدمشقی (م ۱۱۴۳ھ)۔ اس میں کتب ستہ اور مؤطا امام مالک کی احادیث ہیں۔

بطور مثال تحفة الاشراف کے ابتداء میں مقدمہ ہے اس کے بعد رموز کتاب کی وضاحت ہے۔ پھر ابتدا میں حرف الالف میں پہلے نمبر پر ابیض بن جمال الحمیری الماریبی ہے:

۱۔ انه وفد الى النبي ﷺ فاستقتطعه الملع الذی بمارب: الحدیث.. د فی الخراج... ت فی الاحکام... س فی احياء الموات (فی الكبرى) .. ق فی الاحکام (۴۶۲)۔

۲۔ حدیث کے موضوع کی معرفت کے طریقے سے تخریج:

اس طریقے میں وہ شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جو حدیث کے موضوعات کا علمی ذوق رکھتا ہو۔ عام طور پر اس طریقہ سے تلاش کی جانے والی حدیث کئی موضوعات سے متعلق ہوتی ہے۔ مطالعہ حدیث کرنے والے اساتذہ و طلباء احادیث کے موضوعات کو اچھی طرح سے سمجھتے ہیں۔ موضوع کا تعین کر کے حدیث تین قسم کی کتابوں سے تلاش کی جاسکتی ہے:

۱۔ عام مشہور کتابیں: وہ کتب جن میں کئی قسم کی احادیث ہوتی ہیں۔

۱۔ الجوامع ۲۔ المستخرجات علی الجوامع

۳۔ المستدرکات علی الجوامع ۴۔ الجامع

۵۔ الزوائد ۶۔ کتاب مفتاح کنوز السنہ

۱۔ الجوامع:

جوامع ”جامع“ کی جمع ہے اور محدثین کی اصطلاح میں جامع ہر اس حدیث کی کتاب کو کہتے ہیں کہ جس میں تمام قسم کی ضروری احادیث موجود ہوں۔ مثلاً عقائد، احکام، رقائق (نری)، کھانے پینے، سفر و قیام کے آداب اور تفسیر کے متعلقات، تاریخ و سیر، فتن اور مناقب و مثالب وغیرہ موجود ہوں۔ مشہور ترین جامع، الجامع الصحیح للبخاری والجامع الصحیح لمسلم ہے۔

۲۔ المستخرجات علی الجوامع:

”مستخرجات“ (مستخرج) کی جمع ہے اور محدثین کے ہاں مستخرج وہ کتاب حدیث ہے کہ جس کا مصنف کسی ایک کتاب کا استخراج کرتے ہوئے اس کتاب کی احادیث کو اپنی ذاتی سند سے بیان کرتا ہے اور صاحب کتاب کی سند کو چھوڑتا ہے اور یہ مستخرج صاحب کتاب کے ساتھ اس کے استاد اور یا پھر اوپر جا کر مل جاتا ہے اگرچہ صحابی میں ہی ملے اور اسکی شرط یہ ہے کہ وہ اتنے دور والے شیخ کے ساتھ نہ جائے کہ قریب والے تک پہنچانے والی سند مفقود ہو کر ہی رہ جائے۔ بسا اوقات مستخرج اُن احادیث کو حذف کر جاتا ہے جن کی اسے اپنی پسند کی سند نہیں ملتی اور بسا اوقات ان کی صاحب کتاب کے طریق سے ذکر بھی کر دیتا ہے مثلاً مستخرج اسماعیلی علی البخاری۔

۳۔ المستدرکات علی الجوامع:

المستدرکات جمع ہے ”مستدرک“ کی۔ ہر اس کتاب کو مستدرک کہا جاتا ہے جس میں اس کا مؤلف ایسی احادیث ذکر کرے جن کا کسی اور کتاب پر اس نے استدراک کیا ہو اور اس پہلی کتاب سے وہ روایات رہ گئی ہوں جبکہ یہ روایات اس کتاب کی ہی شروط پر ہوں جیسے (مستدرک علی التحسین)۔

۴۔ الجامع:

یہ ”جامع“ کی جمع ہے اور مجمع ہر اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں مصنف کتاب بہت سی تصنیفات کی احادیث کو جمع کر دیتا ہے اور اس کتاب کی ترتیب وہی ہوتی ہے جو ان کتابوں کی جن کی احادیث کو اس نے جمع کیا ہے۔

۵۔ الزوائد:

وہ تصنیفات جن میں ان کے مؤلفین ایسی احادیث جمع کرتے ہیں جو کہ بعض کتابوں میں نہیں ہوتیں اور دوسری کتب میں وہ موجود ہوتی ہیں۔

۶۔ مفتاح کنوز السنہ:

اس کتاب میں موضوعاتی فہرست کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ اس کا مصنف مستشرق ڈاکٹر ارند جان ہے۔ یہ انگریزی تصنیف ہے مگر استاذ محمد فواد عبدالباقی نے تصحیح و تنقیح کے بعد اس کا عربی زبان

میں ترجمہ کیا ہے۔ اس میں مؤلف نے چودہ کتابوں کی احادیث کی فہرست مرتب کی ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں مصنف کو دس سال کا طویل عرصہ لگا اور مترجم رحمۃ اللہ کو چار سال ترجمہ کرتے ہوئے لگ گئے۔

- ii۔ ایسی کتب حدیث جو دین کے اکثر ابواب اور موضوعات پر مشتمل ہوں:
- ۱۔ الموطات ۲۔ السنن ۳۔ المصنفات

۱۔ الموطات:

موطات، مؤطا کی جمع ہے۔ لغوی طور پر ہموار کی ہوئی جگہ کو کہتے ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں ہر وہ کتاب جس کی ترتیب فقہی ابواب بندی کے مطابق ہو۔ اس میں مرفوع، موقوف اور مقطوع تمام قسم کی احادیث موجود ہوں مؤطا کہلاتی ہے اور مؤطا کو مؤطا اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا مصنف اسے لوگوں کیلئے آسان بنا کر پیش کرتا ہے۔ اس صنف کی مشہور کتاب مؤطا امام مالک ہے۔

۲۔ السنن:

ایسی کتب حدیث جن کی ترتیب فقہی ابواب بندی پر ہو، لیکن ان میں صرف مرفوع احادیث مذکور ہوتی ہیں، موقوف اور مقطوع قسم کی روایات ان میں نہیں ہوتیں۔ مشہور سنن میں سے سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ سنن نسائی ہیں۔

۳۔ المصنفات:

ایسی کتب جن کو فقہی ابواب بندی کے تحت مرتب کیا گیا ہو۔ اور ان میں مرفوع، موقوف اور مقطوع تمام قسم کی احادیث مذکور ہوں، یعنی ان میں احادیث نبویہ، اقوال صحابہ، تابعین کے فتوے اور بسا اوقات تبع تابعین کے فتاویٰ بھی ہوتے ہیں۔ جیسے مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ (م ۲۳۵)۔

- iii۔ ایسی کتب حدیث جو کسی ایک موضوع پر مشتمل ہوں:

۱۔ اجزاء:

یہ جزء کی جمع ہے اور محدثین کی اصطلاح میں جزء اس کتاب کو کہتے ہیں:

(i) جس میں صرف ایک صحابی یا تابعی کی مرویات جمع کی گئی ہوں۔

(ii) جس میں ایک ہی موضوع سے متعلقہ احادیث کو جمع کیا گیا ہو۔
جیسے جزء رفع الیدین فی الصلوٰۃ و جزء القراءة خلف الامام۔ دونوں کے مصنف امام بخاری (م ۲۵۶ھ) ہیں۔

۲۔ الترغیب والترہیب :

کتب ترغیب و ترہیب میں ایسی احادیث کو جمع کیا جاتا ہے کہ جن میں آپ ﷺ نے کسی مستحسن کام کا مطالبہ امر کے ساتھ کیا ہو جیسے بر الوالدین اور ایسی احادیث جن میں برے کاموں سے منع کر کے ترہیب دلائی گئی ہو جیسے والدین کی نافرمانی والی احادیث۔ اس قسم کی کتب میں حدیث تلاش کرنا مشکل نہیں ہے۔ جیسے امام منذری (م ۶۵۶ھ) کی الترغیب والترہیب۔

۳۔ حدیث کے پہلے حصے کی معرفت کے طریقے سے تخریج :

اگر حدیث کے پہلے حصے کا علم ہو تو اس طریقے سے حدیث معلوم ہو سکتی ہے اور اگر پہلا کلمہ معلوم نہ ہو تو اس طریقے سے حدیث معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس طریقہ سے تین قسم کی کتب میں احادیث ملتی ہیں۔

الف : مشہور احادیث کی کتب :

ان کتب میں وہ احادیث ہوتی ہیں جو لوگوں کی زبان پر عام ہوتی ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔ ان سے مراد اصطلاح حدیث کی وہ قسم نہیں جس میں تین راوی ہوں۔ یہاں مشہور سے مراد شہرت ہے۔

۱۔ المقاصد الحسنہ فی بیان کثیر من الاحادیث المشتہرة علی اللسنۃ، محمد بن عبدالرحمن السخاوی (م ۹۰۲ھ)۔

۲۔ الدرر المنتشرة فی الاحادیث المشتہرة، جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)۔

۳۔ تمییز الطیب من الخبیث فیما یدور علی السنۃ الناس من الحدیث، عبدالرحمن بن علی بن الدیج الشیبانی (ت ۹۴۴ھ)۔

۴۔ التذکرہ فی الاحادیث المشتہرہ، بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی (م ۹۷۴ھ)۔

۵۔ کشف الخفا و مزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی السنۃ الناس، اسماعیل بن محمد عجلونی (ت ۱۱۶۲ھ) (یہ پانچوں کتب مطبوع ہیں) ان میں مشہور احادیث

ہیں اور ان کا ابتدائی حصہ معلوم ہو تو احادیث مل جاتی ہیں۔

بطور مثال امام سیوطی نے ”الدرر المنتشرة في الاحاديث المشتهرة“ میں الف بائی ترتیب سے کل ۴۶۳ احادیث لکھی ہیں۔ پھر ۴۶۴ تا ۴۹۳ احادیث ترتیب کے بغیر لکھی ہیں۔ پہلی حدیث: ابغض الحلال الى الله الطلاق ہے (۴۶۳)۔ ترتیب میں آخری حدیث نمبر ۴۶۳: یا خیل الله ارکبی ہے (۴۶۴)۔ اسی طرح کا انداز اس قسم کی دیگر کتب میں بھی ہے۔
ب: وہ کتاب جن میں احادیث حروف معجم کی ترتیب سے مرتب ہوئی ہیں۔

الجامع الصغير في احاديث البشير والنذير، جلال الدين سيوطي (م ۹۱۱ھ)
الجامع الصغير كوالف بآئی ترتیب سے لکھا گیا ہے۔ مختصر مقدمہ کے بعد رموز کتاب لکھے ہیں۔ پہلے ہمزہ سے شروع کیا ہے۔

پہلی حدیث: آتی باب الجنة فاستفتح فيقول الخازن: من انت؟ فاقول: محمد، فيقول: بك امرت (حم۔ م) عن انس لکھا ہے (۴۶۵)۔

ج: المفاتيح اور الفهارس جن کو علماء نے خاص کتب کے لیے تصنیف کیا ہے مثلاً:
مفتاح الحسین: توقادی۔

البغية في ترتيب احاديث الحلية: غماری۔

فہر س ترتیب احادیث ابن ماجہ: محمد فواد عبدالباقی۔

فہر س مشكاة المصابيح، محمد جمیل العطار (دار الفکر بیروت، ۱۹۹۴ء)۔

الاطراف الستة مجمع الزوائد المطالب العاليه، عمر (مکتبہ دار الطحاوی الرياض)۔

فہار س الام، د۔ عبدالرحمن المرعشي (دار المعرفہ بیروت ۱۹۸۸ء)۔

فہار س احادیث السنن الکبریٰ للبیہقی، عبدالرحمن یوسف، (دار المعرفہ بیروت ۱۹۸۸ء)۔

فہار س حلیۃ الاولیاء، ابو ہاجر السعید، (دار الفکر بیروت ۱۹۹۲ء)۔

فہر س احادیث وآثار صحیح البخاری، عالم الکتب، بیروت۔

فہار س صحیح مسلم، دھوا لمجد الخامس الملحق بالکتاب، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

فہار س (سنن) الداری، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

فہار س السنن:

فہار س سنن ابی داؤد، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

- فهارس سنن ابن ماجه، دار الكتب العلمية، بيروت۔
- فہرس احاديث وآثار سنن الدارمي، عالم الكتب، بيروت۔
- فہرس احاديث وآثار سنن الدار قطنی، عالم الكتب، بيروت۔

فهارس المصنفات:

- فہرس احاديث وآثار مصنف عبدالرزاق، عالم الكتب، بيروت۔
- فہرس احاديث وآثار مصنف ابن ابی شيبه، عالم الكتب، بيروت۔

فهارس الجامع:

- معجم جامع الاصول، دار الفكر، بيروت۔
- المرشد إلى كنز العمال، مؤسسة الرسالة، بيروت۔
- مفتاح الوصول إلى التاج الجامع الأصول، دار إحياء التراث العربي، بيروت۔

فهارس الزوائد:

- فہرس احاديث موارد الظمآن، دار البشائر الإسلامية، بيروت۔
- فہرس احاديث المطالب العالیه، دار المعرفة، بيروت۔
- فہرس احاديث كشف الاستار عن زوائد البزار، دار الكتب العلمية، بيروت۔
- فہرس مجمع البحرين في زوائد المجملين، مكتبة الرشد، الرياض۔

فهارس المستدرکات:

- الإبانة في ترتيب احاديث وآثار مسند ابی عوانة، مكتبة دار الأخصی، الكويت۔

فهارس كتب موضوع عام:

- فهارس التروغيب والترهيب، دار إحياء التراث العربي، بيروت۔
- قرة عين المسعد بترتيب اطراف الأدب المفرد، مكتبة المعلا، الكويت۔
- فہرس احاديث كتاب الزهد، للإمام احمد، دار البشائر الإسلامية، بيروت۔

- فہرس احادیث و آثار کتاب الأموال، لأبي عبيد، عالم الكتب، بيروت۔
- فہارس احادیث الأموال، حمید بن زنجویہ والخراج لیحیی بن آدم القرشي والخراج لأبي يوسف، دار الهجرة، الرياض۔
- فہارس احادیث و آثار کتاب السنہ، لابن ابی عاصم، مکتبۃ الرشد، الرياض۔
- فہرس احادیث الزہد، لابن المبارک، دارالبشارۃ الاسلامیہ، بیروت۔
- فہرس احادیث نوادر الأصول، حکیم الترمذی، دارالبشارۃ الاسلامیہ، بیروت۔
- کنوز الباحثین: التراجم والفہارس التفصیلیۃ لکتاب ریاض الصالحین، دارالفکر المعاصر، بیروت۔
- فہارس شعب الإیمان، للبيهقي، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔
- فہرس الأحادیث التي رواها ابن أبي الدنيا (اطراف احادیث ۳۹ کتاباً) دار ابن حزم، بیروت۔
- فہارس زاد المعاد، مؤسسة الرسالة، بیروت۔

فہارس کتب احادیث الاحکام:

- فہرس الاحادیث والآثار، للمحلی، دارالریۃ، الرياض۔
- تنویر اولی الابصار بترتیب احادیث نیل الاوطار، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔
- فہارس شرح معانی الآثار للطحاوی، دارالجیل، بیروت۔

فہارس کتب التخریج:

- فہرس احادیث و آثار کتاب نصب الراية، عالم الكتب، بیروت۔
- فہارس التلخیص الحبیر، دارالمعرفۃ، بیروت۔
- فہارس الدراية في تخریج احادیث الهدایۃ، دارالمعرفۃ، بیروت۔
- إسعاف الملحقین بترتیب احادیث إحياء علوم الدین (وتخریج) دار البشارۃ الاسلامیہ، بیروت۔
- فتح الوهاب بتخریج احادیث الشہاب، عالم الكتب، بیروت۔

فهارس المسانيد:

- فهارس احاديث وآثار مسند احمد، المكتب الاسلامي، بيروت۔
- فهارس احاديث مسند الحميدى، دارالبشار للإسلامية، بيروت۔
- ترتيب اطراف احاديث مسند الطيالسي، مكتبة دارالاقصى، الكويت۔
- فهارس مسند ابى يعلى الموصلي، دارالمأمون للتراث، دمشق۔

فهارس المعاجم:

- فهارس المعجم الاوسط، للطبراني، مكتبة المعارف، الرياض۔
- فهارس المعجم الكبير، للطبراني، داراحياء التراث العربي، بيروت۔
- فهارس كتب التزمّت الصّحّة سوى الصحيحين والمستدرّكات والمستخرجات السابقة:
- فهارس صحيح ابن خزيمة، دارالكتب العلمية، بيروت۔
- فهارس الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان، مؤسسة الرسالة، بيروت۔
- فهارس كتب يغلب على احاديثها الضعف إذا انفردت بإخراجها سوى كتب التراجم:

- فهارس احاديث نواذر الاصول، دارالبشار للإسلامية، بيروت۔
- فهارس الفردوس بمأثور الخطاب، دارالكتب العلمية، بيروت۔
- قبس الأنوار وتذليل الصعاب في ترتيب أحاديث الشهاب، المطبعة العلمية، حلب۔

فهارس كتب الأحاديث الموضوعة:

- فهارس كتاب الموضوعات، دارالبشار للإسلامية، بيروت۔
- الدرر المجموعة بترتيب احاديث الآلء المصنوعة، دارالبشار للإسلامية، بيروت۔
- فهارس احاديث الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة، مكتبة الرشد، الرياض۔

- التذكرة المشفوعة في ترتيب احاديث تنزيه الشريعة
- المرفوعة، البشار الإسلامية، بيروت۔

فهارس كتب علل الحديث:

- فهارس علل الحديث لابن ابي حاتم، دارالمعرفة، بيروت۔

فهارس كتب المراسيل:

- فهارس احاديث المراسيل لأبي داود، دارالمعرفة، بيروت۔

فهارس كتب التفاسير

- فهارس احاديث تفسير البغوي، دارالبشار الإسلامية، بيروت۔
- فهارس احاديث تفسير القرآن العظيم لابن كثير، دارالمعرفة، بيروت۔
- فهارس احاديث الدرر المنثور في التفسير بالمأثور، عالم الكتب، الرياض۔
- فهارس تفسير البحر المحيط لأبي حيان، دارالكتب العلمية، بيروت۔
- فهارس الجامع لأحكام القرآن، دار إحياء التراث العربي، بيروت۔
- فهارس التفسير الكبير للرازي، دارالكتب العلمية، بيروت۔
- فهارس روح المعاني للآلوسي، دارالكتب العلمية، بيروت۔

فهارس كتب الشروح

- فهارس إتحاف السادة المتقين، دار إحياء التراث العربي، بيروت۔
- فهارس فتح الباري، دارالكتب العلمية، بيروت۔
- فهارس الفتح الرباني، دار الجليل، بيروت۔
- فهارس التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد المغرب، وزارة الأوقاف۔
- فهارس الاستذكار، دار قتيبة، بيروت۔

فهارس كتب غريب الحديث:

- فہرس غریب الحديث، لأبي عبيد القاسم بن سلام، دار البشائر الإسلامية، بيروت۔
- فہارس غریب الحديث، للخطابی والحریری وابن قتیبہ، دار البشائر الإسلامية، بيروت۔

فهارس كتب التاريخ:

- فہارس تاریخ الطبری، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔
- فہرس عام لکتاب البدایہ والنہایہ، مکتبۃ المعارف، بیروت۔

مراجع لا بدّ منها في المكتبة الحديثية:

- المعجم المفهرس لألفاظ الحديث الشريف لفنسنک۔
- مفتاح كنوز السنّة لفنسنک القاہرہ، لجنۃ ترجمۃ دائرۃ المعارف الإسلامیہ۔
- مفتاح المعجم المفهرس، لمأمون صاغر جی، دار الفکر المعاصر، بیروت۔
- موسوعة اطراف الحديث النبوي الشريف، لمحمد السعيد بن بسيوني زغلول، دار الفکر، بیروت۔
- الرسالة المستطرفة، للكتاني، دار البشائر الإسلامية، بيروت۔

فهارس كتب الرجال غير المختصة بالضعفاء

- فہرس الاحادیث والآثار لکتاب الکنى والأسماء، للدولابی، عالم الکتب، بیروت۔
- فہارس التاریخ الكبير للجاری، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔
- فہارس کتاب الجرح والتعديل لابن ابی حاتم الرازی، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔
- فہرس احادیث حلیۃ الاولیاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔
- فہرس احادیث وآثار تاریخ جرجان، جامعۃ الإمام محمد بن سعود، الرياض۔
- فہارس کتاب الثقات لابن حبان، مؤسسة الکتب الثقافیہ، بیروت۔
- فہارس مختصر تاریخ دمشق لابن منظور، دار الفکر المعاصر، بیروت۔
- فہارس الطبقات الکبریٰ لابن سعد، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

- فہارس تاریخ بغداد، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔
- فہارس ذیول تاریخ بغداد، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

فہارس کتب الرجال الضعفاء:

- بلوغ الآمال فی ترتیب احادیث میزان الاعتدال، المکتب الاسلامی، بیروت۔
- فہرس کتاب المجروحین والضعفاء لابن حبان، دارالبحیل، بیروت۔
- معجم الکامل فی ضعف الرجال، دارالفکر، بیروت۔
- مندرجہ بالا تمام کتب میں احادیث الف بابی ترتیب سے لکھی گئی ہیں۔

۴۔ متن وسند کے لحاظ سے (حدیث کا حال معلوم کر کے) تخریج حدیث:

حدیث کے متن یا سند میں جو چیزیں اور صفات ہوں ان پر غور و فکر کر کے حدیث کا مخرج تلاش کیا جائے۔ یا وہ صفات معلوم ہونے کی بنا پر کتب حدیث میں تلاش کی جائیں جو کتب ان صفات کے لیے سند یا متن کے لحاظ سے لکھی گئی ہوں۔

۱۔ الممتن:

جب حدیث کے متن میں وضع کی علامات ظاہر ہوں اور اس میں رکاکت لفظی یا فساد معنی یا قرآن کی صریح خلاف ورزی ہو تو عام طور پر یہ احادیث موضوعات کی کتابوں میں ملیں گی ان میں اس حدیث کی تخریج ہوگی اور وضع کرنے والے کا نام ہوگا اس سلسلے کی چند کتب درج ذیل ہیں:

- ۱۔ الموضوعات الکبریٰ، ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ)۔
- ۲۔ تنزیة الشريعة المرفوعة عن الاحادیث الشنیعة الموضوعة. ابن عراق (م ۹۶۳ھ) یہ ابواب پر مرتب ہے۔
- ۳۔ المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع المسمی: الموضوعات الصغریٰ: ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ)، یہ بحکم کے حروف پر مرتب ہے۔
- ۴۔ الفوائد المجموعة للشوکانی۔

(ii) اگر تلاش کی جانے والی حدیث قدسی ہوگی تو ہم اس کو حدیث قدسیہ کی کتابوں میں تلاش کریں گے۔ الاتحافات السنیة بالا حدیث القدسیہ: عبدالرؤف مناوی (م ۱۰۳۱ھ)۔

ب: السند جب کسی حدیث میں لطائف سند کے سے متعلق بات ہو تو ایسی حدیث کو سند سے

متعلق کتب میں دیکھا جائے گا مثلاً:

(i) کوئی حدیث باپ کی بیٹی سے مروی ہو تو تخریج کے وقت سے روایت الآباء عن الأبناء کی حدیث میں دیکھیں گے۔ مثلاً: کتاب روایۃ الآباء عن الأبناء کی کتب: خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)۔

(ii) اگر حدیث مسلسل ہو تو ایسی کتب سے مدد لی جائے گی جو حدیث مسلسلہ کے بارے میں ہوں، مثلاً: المسلسلات الکبریٰ: امام سیوطی (م ۹۱۱ھ)۔

(iii) حدیث مرسل ہو تو مراسل کی کتابوں میں دیکھا جائے گا مثلاً: مراسل ابی داؤد (م ۲۷۵ھ)۔

المراسل عبدالرحمن بن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ)۔

(iv) اگر سند میں راوی ضعیف ہو تو کتب ضعفاء میں دیکھا جائے گا مثلاً:

i- الکامل فی ضعفاء الرجال: ابن عدی (م ۳۶۵ھ)۔

ii- میزان الاعتدال: ذہبی (م ۷۴۸ھ)۔

iii- لسان المیزان: ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)۔

متن و سند کا اکٹھا ہونا:

اگر مذکورہ بالا صفات و احوال جب متن و سند میں اکٹھے ہو جائیں گے تو ایسی کتابوں کو دیکھیں گے جو ان کے لیے تیار کی گئیں ہیں: مثلاً

۱- علل الحدیث: ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) یہ ابواب پر مرتب ہے۔ اور اس میں ۲۸۴۰ احادیث ہیں۔ اس کی ابتدا میں علل احادیث کے متعلق مکمل اسانید کے ساتھ محدثین کے اقوال لکھے ہیں۔ مثلاً عبدالرحمن بن مہدی کا قول: لان اعرف علة حدیث هو عندی احب الی من ان اکتب حدیثا لیس عندی (۴۶۶)۔

۲- الاسماء المبهمة فی الانباء المحکمة: خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)۔

۳- المستفاد من مهمات المتن والاسناد: البوزرعة (م ۸۲۶ھ) یہ فقہی ابواب پر مرتب ہے۔

۵- حدیث کے الفاظ کے ذریعے تخریج:

اس طریقہ میں ایسے کلمہ کے ذریعے تخریج کی جاتی ہے جو حدیث میں کم آتا ہے۔

یعنی عبارت میں آنے والا ایسا لفظ جو بکثرت استعمال نہ ہوتا ہو اس کو اس کتاب میں بنیاد بنایا گیا ہے۔ مثلاً المعجم المفہر للالفاظ الحدیث النبوی، پروفیسر ونسنگ، اس کتاب کو نو (۹) کتب حدیث سے مرتب کیا گیا ہے۔ کتب صحاح ستہ، سنن داری (کتاب پر مسند داری لکھا ہے) مؤطا مالک، مسند احمد بن حنبل۔ صفحات کے نیچے مخفف الفاظ دے گئے ہیں ملاحظہ ہوں۔ خ یعنی البخاری، م یعنی مسلم بن الحجاج، د یعنی ابو داؤد، ت یعنی الترمذی، ن یعنی النسائی، ق یعنی ابن ماجہ، دی یعنی الداری، ط یعنی المؤطا، حم یعنی احمد بن حنبل (۳۶۷)۔ اس وجہ سے آسانی رہتی ہے۔ اس کتاب کو احادیث کے مادہ کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔ الفاظ کے ساتھ حدیث میں کتاب کا نام، اس کی کتاب کا نام مثلاً: الصلاة، اور پھر باب کا نمبر لکھا ہوتا ہے، سوائے مسند احمد کے، اس کے قدیم مصری نسخے کی جلد اور صفحہ نمبر بھی ہوتا ہے۔ احادیث کے الفاظ معلوم ہونے کی صورت میں احادیث تلاش کر لی جاتی ہیں، مثلاً حدیث: ایاکم والجلوس علی الطرقات، کو جلوس کے مادہ: جلس میں تلاش کیا تو اس طرح سے ملا: ایاکم والجلوس علی الطرقات، خ مظالم ۲۲، استئذان ۲، لباس ۱۱۳، دادب ۱۲، ت استئذان ۳۰، دی، استئذان ۲۲، حم ۳/۳۶ (۳۶۸) اسی حدیث کو: طرقات کے مادے طرق میں دیکھا تو اس طرح سے ملا: ایاکم والجلوس علی الطرقات، خ مظالم ۲۲، استئذان ۲، م لباس ۱۱۳، دادب ۱۲، حم ۳/۳۶، ۴۷، ۶۱ (۳۶۹) لیکن بعض اوقات اس کتاب میں احادیث نہیں ملتیں۔ معلوم ہوتا ہے ان کتب کی احادیث مکمل طور پر نہیں لی گئیں۔

نامور محدثین کی تخریج حدیث کے شاہکار نمونے:

۱۔ معروف محدث احمد صقر نے ”دلائل النبوة“ للامام بیہقی کو ایڈٹ کیا۔ اس کے مقدمہ تحقیق کے آخر میں لکھا ہے: وبعد: فبانی أرجو أن اکون قد وفقت فی تحقیق هذا الكتاب وتخریج نصوصه علی نحو یرضی کرام العلماء، وأسأل الله سبحانه أن یتقبل عملي فيه، وأن یدقني ومولفه من رحمته ومثوبته يوم تجد کل نفس ما عملت من خیر مُحضراً، إنه اکرم مسئول واجود مأمول، وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم (۴۷۰)۔

اس کتاب پر ان کی تخریج بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے ”دلائل النبوة“ کی عبارت ملاحظہ ہو: عن عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعود، عن أبيه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نضر الله امرءاً سمع منا حديثاً فأكاده كما سمعه، ورب مبلغ أوعى من سامع (۴۷۱)۔

اس حدیث پر احمد صقر نے یہ حاشیہ لکھا ہے: الحدیث من روایة ابن مسعود أخرجه أحمد في المسند ۹۶/۲ والشافعي في الرسالة ص ۴۰۱-۴۰۲، وابن أبي حاتم في الجرح والتعديل ۹/۱-۱۰ وابن ماجه في مقدمة السنن ۸۵/۱، والترمذي في جامعه: كتاب العلم: باب ما جاء في الحث على تبليغ السماع ۱۰۹/۲-۱۱۰، وابن حبان في صحيحه ۲۲۴/۱ (المعارف) وانظره في جامع بيان العلم ۴۰/۱، والكفاية ص ۲۹، ۹۴، ومعرفة السنن والآثار ۱۵/۱-۱۶. والإلماع ص ۱۵۳.

اس حدیث سے آگے اصل کتاب ”دلائل النبوة“ کی عبارت اس طرح ہے: قال الشافعي: فلما ندب رسولُ الله صلى الله عليه وسلم إلى استماع مقالته وأدائها أمرًا يُؤدِّيها - والامرُ واحدٌ - دلّ أنه لا يأمر أن يؤدَّى عنه إلا ما تقومُ الحجة به على من أدّى إليه (۴۷۲). اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے: الرسالة ص ۴۰۲، ومعرفة علوم الحديث للحاكم ص ۲۶۰، والكفاية ص ۲۹، ومفتاح الجنة ص ۵، ومعرفة السنن والآثار ۱۶/۱.

۲۔ مشہور محدث احمد محمد شاكر نے مسند للامام احمد بن حنبل کو ایڈٹ کیا، ان کی تحقیق کا نمونہ مع عبارت مسند ملاحظہ ہو: حدثنا أبو سعيد مولى بني هاشم حدثنا شداد، يعني ابن سعيد، حدثنا غيلان بن جرير عن مطرف قال: قلنا للزبير: يا أبا عبد الله، ما جاء بكم؟ ضيعتم الخليفة حتى قُتل، ثم جئتم تطلبون بدمه! قال الزبير: إنا قرأناها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر وعثمان: (واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة) لم تكن نحسب أننا أهلها، حتى وقعت منا حيث وقعت (۴۷۳)۔

اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے: إسناده صحيح. شداد بن سعيد الراسبي: ثقة. غيلان بن جرير الأزدي: ثقة. مطرف: هو ابن عبد الله بن الشخير الحرشي العامري، وهو تابعي ثقة، كان ذا فضل وورع وأدب، ولد في حياة رسول الله. ”الشخير“ بكسر الشين وتشديد الخاء المكسورة. ”الحرشي“ بفتح الحاء والراء. والحديث ذكره ابن كثير في التفسير ۴: ۳۹ عن المسند. ثم قال: ”وقد رواه البزار من حديث مطرف عن الزبير، وقال: لا نعرف مطرفاً روى عن الزبير غير هذا الحديث“. وهو أيضاً في الزوائد ۷: ۲۷ وقال: ”رواه أحمد بإسنادين، رجال أحدهما رجال الصحيح“، يريد به هذا، ويريد بالإسناد الآخر ما يأتي ۱۴۳۸.

ایک اور روایت اس طرح ہے: حدثنا رَوْح حدثنا محمد بن أبي حفصة حدثنا الزهري عن عُبَيْد اللَّهِ بن عبد الله عن ابن عباس قال: سمعت عبد الرحمن بن عوف يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا كان الوباء بأرض ولست بها فلا تدخلها، وإذا كان بأرض وأنت بها فلا تخرج منها (۲۷۴)۔

اس پر احمد محمد شاكر رحمہ اللہ نے حاشیہ اس طرح لکھا ہے: اسنادہ صحیح۔ محمد بن أبي حفصة البصري: ثقة، وثقه ابن معين وأبو داود وغيرهما، وترجمه البخاري في الكبير ۲۲۶/۱/۱ باسم "محمد بن ميسرة" وهو اسم أبي حفصة، وأخرج له الشيخان. عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود: تابعي ثقة فقيه شاعر، كثير الحديث والعلم. والحديث رواه البخاري ۱۰: ۱۵-۱۲۱ و ۱۲: ۳۰۳ ومسلم ۱: ۱۸۸ وأبو داود ۳: ۱۵۳-۱۵۴ من طريق الزهري عن عبد الحميد بن عبد الرحمن بن زيد بن الخطاب عن عبد الله بن عبد الله بن الحرث بن نوفل عن ابن عباس، وفيه قصة عند البخاري ومسلم. وسيأتي من هذه الطريق ۱۶۷۹ والمراد بالوباء هنا الطاعون، وانظر ۱۶۷۸۔

۳۔ معروف محدث ناصر الدين الالباني رحمہ اللہ نے "سلسلة الاحاديث الصحيحة" میں یہ حدیث لکھی ہے: إنما بعثت لأتمم مكارم (وفى رواية صالح) الأخلاق (۲۷۵)۔ اس پر حاشیہ اس طرح لکھا ہے: رواه البخاري في "الأدب المفرد" رقم (۲۷۳)، وابن سعد في "الطبقات" (۱۹۲/۱)، والحاكم (۶۱۳/۲)، وأحمد (۳۱۸/۲)، وابن عساكر في "تاريخ دمشق" (۱/۲۶۷/۶) من طريق ابن عجلان عن القعقاع بن حكيم عن أبي صالح عن أبي هريرة مرفوعاً. وهذا إسناد حسن، وقال الحاكم: "صحيح على شرط مسلم" ووافقه الذهبي وابن عجلان، وإنما أخرج له مسلم مقروناً بغيره. وله شاهد، أخرجه ابن وهب في "الجامع" (ص ۷۵): أخبرني هشام بن سعد عن زيد بن أسلم مرفوعاً به. وهذا مرسل حسن الإسناد، فالحديث صحيح. وقد رواه مالك في "الموطأ" (۸/۹۰۳/۲) بلاغاً، وقال ابن عبد البر: "وهو حديث صحيح متصل من وجوه صحاح عن أبي هريرة وغيره"۔

۴۔ ناصر الدين الالباني رحمہ اللہ نے "سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة" میں یہ حدیث لکھی ہے: كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لَحِيَّتِهِ؛ مِنْ عَرَضِهَا وَطَوِيلِهَا (۲۷۶)۔ اس پر حاشیہ اس طرح

لکھا ہے: موضوع أخرجه الترمذي (۱۱/۳)، والعقيلي في "الضعفاء" (ص ۲۸۸)، وابن عدي (۲/۲۴۳)، وأبو الشيخ في "أخلاق النبي ﷺ" (۳۰۶) من طريق عمر ابن هارون البلخي عن أسامة بن زيد عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده مرفوعاً. وقال الترمذي: "هذا حديث غريب، سمعت محمد بن إسماعيل يقول: عمر بن هارون مقارب الحديث، لا أعرف له حديثاً ليس له أصل - أو قال: يتفرد به - إلا هذا الحديث". قلت: وفي ترجمته رواه العقيلي، ثم قال: "ولا يُعرف إلا به، وقد روي عن النبي ﷺ بأسانيد جياذ أنه قال: "أعفوا اللحى، وأحفوا الشوارب"، وهذه الرواية أولى". وعمر هذا؛ قال في "الميزان": "قال ابن معين: كذاب خبيث. وقال صالح جزرة: كذاب". ثم ساق له هذا الحديث. لكن قال ابن عدي عقبه: "وقد روي هذا عن أسامة غير عمر بن هارون". فليُنظر، فإنه خلاف ما قاله البخاري والعقيلي أنه تفرد به عمر.

۵۔ امام بغوی کی مصابیح السنہ کی تحقیق یوسف عبد الرحمن المرعشی، محمد سلیم سمارہ، اور جمال حمدی الذہبی نے کی ہے بطور مثال حدیث اس طرح ہے: وَقَالَتِ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: "كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفَعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ مَا يُعْرِقْنَ مِنَ الْغَلَسِ (۴۷۷)۔

اس پر حاشیہ اس طرح لکھا ہے: متفق علیہ. أخرجه: البخاري في الصحيح ۳۴۹/۲، كتاب الأذان (۱۰)، باب انتظار الناس قيام الإمام العالم (۱۳۳)، الحديث (۸۶۷). ومسلم في الصحيح ۴۴۶/۱، كتاب المساجد (۵)، باب استحباب التكبير بالصبح في أول وقتها، وهو التغليس (۴۰)، الحديث (۶۴۵/۳۳۲). ومتلفعات: أي متجللات ومتلففات، وبمروطهن: أي باكسيتهن واحدها مرط بكسر الميم (النووي، شرح صحيح مسلم ۵/۱۴۳-۱۴۴). و (الغلس): ظلمة آخر الليل.

علم تخریج حدیث سے متعلق کتب:

علم تخریج حدیث دیگر علوم کی طرح قدیم نہیں بلکہ اس کا رواج بعد میں پڑا، خاص کر اس وقت جب طالب علموں کو اسے پڑھانے کی ضرورت پڑی۔ اساتذہ نے اپنے پڑھانے اور طلباء کے فائدے کے لئے بعض کتب لکھیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

- ۱- حصول التفریح بأصول التخریج، لأبی الفیض احمد بن الصدیق الغماری (م ۱۳۸۰ھ) بمکتبة الطبریة الرياض۔
- ۲- اصول التخریج ودراسة الأسانید، للدكتور محمود الطحان، دار القرآن الکریم، بیروت ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱م۔
- ۳- کشف اللثام عن اسرار تخریج احادیث سید الانام، الدكتور عبدالموجود محمد عبد اللطیف، بدار ابن تیمیة، مصر، ۱۹۸۵م۔
- ۴- طرق تخریج حدیث رسول الله ﷺ، الدكتور عبدالمهدي عبد القادر عبد الهادي، بدار الاعتصام، مصر، ۱۹۸۷م۔
- ۵- اصول التخریج وطرق تخریج الحديث، للدكتور شاکر ذیب فیاض۔
- ۶- منهج دراسة الأسانید والحکم علیها، وطلبه دراسة فی تخریج الأحادیث، للدكتور ولید بن حسن العائی (۱۴۱۶ھ-۱۹۹۶م) بدار الفأس، الأردن، ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷م۔
- ۷- علم تخریج الأحادیث: اصوله - طرائقه - مناهجه - لدكتور محمد محمود بکار - دار طيبة الرياض، ۱۴۱۸ھ۔
- ۸- تخریج الحديث، لدكتور همام عبد الرحیم سعید - جامعة القدس المفتوحة فی عمان ۱۹۹۶م۔
- ۹- تبسیط علم التخریج، الدكتور مصطفى سلیمان الندوی - نشر دار الکلمة۔
- ۱۰- التأسیل لأصول التخریج، للشیخ بکر بن عبد الله ابو زید - نشر بدار العاصمة فی الرياض، ۱۴۱۳ھ۔
- ۱۱- مفاتیح علوم الحديث وطرق تخریجه، لمحمد عثمان النخست - مکتبة الساعی الرياض۔
- ۱۲- فن تخریج الحديث، للدكتور عزت علی عید عطیة - وهو مقال نشر فی مجلة علمیة الشریعة واصول الدین والعلوم العربیة والاجتماعیة بالقصیم، ۱۴۰۱ھ-۱۴۰۲ھ، السنة الثانیة، العدد الثانی۔
- ۱۳- مناهج الحدیثین: حدودها وغاياتها ومصادرها، الدكتور نور الدین عتر حفظه الله ورعاه - وهو مقال نشر فی مجلة الاحمدیة، العدد الخامس، المحرم ۱۴۲۱ نیسان ۲۰۰۰م - میز فیہ بین التخریج ومناهج الحدیثین۔
- ۱۴- طرق تخریج اقوال الصحابة والتابعین: تکملة کتاب طرق تخریج حدیث رسول الله ﷺ، د- عبدالمهدي عبد القادر عبد الهادي مکتبة الإیمان، القاهرة، ۱۴۱۷ھ۔
- ۱۵- تخریج الحديث الشریف، د- علی نائف بقاعی، دار البشائر الاسلامیة، بیروت ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰م الطبعة الاولى۔

علم الانساب

تعریف:

انساب نسب کی جمع ہے اور کتب انساب سے مراد ایسی کتب ہیں جو راویوں کے نسب سے متعلق ہوں اور ان میں ان کی نسبتوں کا ذکر ہو۔ ان میں سے بعض کتب اور ان کے مؤلف درج ذیل ہیں: هو علم یتعرف منه أنساب الناس وقواعد الكلية والجزئية والفرص منه الاحتراز عن الخطأ فی النسب شخص (۱-۲۷۷) (یہ ایسا علم ہے جس کے ذریعے لوگوں کے نسب، کلی اور جزئی قاعدہ سے پہچانا جاتا ہے۔ اور اس علم کا غرض وغایت نسب میں غلطیوں سے بچنا ہے)

۱۔ امام محمد بن طاہر المقدسی شیبانی (م ۵۰۷ھ):

ان کی پیدائش شوال ۴۲۸ھ میں ہوئی۔ آپ کی کنیت ابو الفضل اور نام محمد بن طاہر ہے۔ بیت المقدس کے رہنے والے مشہور حافظ حدیث ہیں۔ آپ نے طلب علم کے لیے تمام اسلامی ممالک کے علمی سرچشمے کھنگال ڈالے اور اپنے قلب و دماغ میں علم کا اتنا وسیع ذخیرہ جمع کیا جو کسی نے جمع نہیں کیا ہوگا۔ آپ ابن قیصرانی شیبانی کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں (۳۷۸)۔

ابن طاہر اپنے متعلق کہتے ہیں کہ تحصیل حدیث میں، میں نے کبھی جانور پر سواری نہیں کی بلکہ اپنی کتابیں اپنی کمر پر اٹھا کر پیدل چلتا تھا۔ میں نے طالب علمی کے زمانہ میں کبھی کسی سے کوئی چیز نہیں مانگی جو مل جاتا اسی پر گزارہ کر لیتا تھا۔ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ سفر میں ہمیشہ دن رات ۲۰ فرلانگ فاصلہ طے کرتے تھے اور انہیں اس پر قدرت حاصل تھی (۳۷۹)۔

اساتذہ:

آپ نے اپنے شہر میں فقیہ نصر، ابو عثمان بن ورقاء اور بغداد میں ابو محمد صریفی، ابو المنصور اور ان کے طبقے سے، مکہ معظمہ میں حسن بن عبد الرحمن شافعی، سعد بن علی زنجانی، مصر میں ابو

اسحاق حبال سے علم حدیث حاصل کیا (۳۸۰)۔ اصفہان میں عبدالوہاب بن مندہ، نیشاپور میں فضل بن محبت، ہرات میں محمد بن ابی مسعود فارسی، آمد میں قاسم بن احمد اصفہانی سے علم حدیث کی سند حاصل کی (۳۸۱)۔

دینور میں ابوبکر بن لال کے شاگرد ابن عباد، رے میں ابوزکریا مزکی کے شاگرد اسماعیل بن علی سے، سرخس میں محمد بن مظفر سے، قزیرین بن ابو عمر بن مہدی کے شاگرد محمد بن ابراہیم عجل سے، کوفہ میں ابوالقاسم حسین بن محمد سے، موصل میں حبیب اللہ بن احمد مقری سے علم حدیث حاصل کیا۔ اس کے علاوہ مروالروز، نوقان، حرین شریفین، ہمدان، واسط، اسد آباد، بسطام اور دیگر شہروں میں بھی پہنچے اور وہاں کے سرچشمہ ہائے علم سے اپنی پیاس بجھائی (۳۸۲)۔

تلامذہ:

آپ سے استفادہ کرنے والوں میں شیروہ بن شہردار، ابو جعفر بن ابی علی، ابو نصر غازی، عبدالوہاب سلفی اور ان کے صاحبزادے، ابو زرہ محمد بن اسماعیل طرطوسی اور دوسرے لوگ شامل ہیں (۳۸۳)۔

مقام و مرتبہ:

ابوالقاسم ابن عسا کر کہتے ہیں: میں نے حافظ محمد بن اسماعیل کو فرماتے سنا، کہتے تھے جن محدثین کو مجھے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان میں ابن طاہر سب سے بڑے حافظ حدیث ہیں (۳۸۴)۔ حافظ سلفی کہتے ہیں میں نے ابن طاہر سے سنا ہے کہ میں نے رے میں صحیحین، سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ کو سات مرتبہ لکھا (۳۸۵)۔ سمعانی کہتے ہیں کہ میں نے ابوالحسن کرخی سے ابن طاہر کے متعلق پوچھا تو بولے روئے زمین پر ان کی نظیر نہیں ملتی (۳۸۶)۔

ابو مسعود عبدالرحیم حاجی کہتے ہیں میں نے ابن طاہر سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ طلب حدیث میں مجھے دو بار خون کا پیشاب آنے لگا تھا۔ ایک دفعہ بغداد میں اور دوسری دفعہ مکہ معظمہ میں۔ کیونکہ سخت گرمی میں ننگے پاؤں سفر کرتا تھا جس کی وجہ سے مجھے یہ بیماری لاحق ہو گئی۔

دقاق اپنے رسالہ میں ان پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”یہ ملامت گرسوئی تھی۔ پہلے رے پھر ہمدان میں سکونت پذیر تھے۔ ”صفوة التصوف“ نامی کتاب کے مصنف ہیں۔ بخاری، مسلم اور دیگر محدثین کے شیوخ کے بارے میں انہیں معمولی واقفیت حاصل تھی۔ امام ذہبی لکھتے ہیں۔

”اے نکتہ چیں! یہ تم سے کہیں زیادہ حافظ حدیث ہے۔“ دقاق نے یہ بھی کہا ہے کہ مجھے ان کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہ ہر چیز کی اباحت کے قائل تھے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کے مسلمان تھے۔ سنت کے پابند تھے۔ عملیات میں حدیث کو کبھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ ہاں سماع کی اباحت کے قائل تھے۔ زندقہ اور کفر کی قسم کی مطلق اباحت سے کوسوں دور تھے“ (۲۸۷)۔

سماع حدیث:

ابن طاہر کہتے ہیں کہ ۴۶۰ھ میں میں نے حدیث کا سماع شروع کر دیا اور مزید تعلیم کے لیے ۴۶۷ھ میں بغداد میں داخل ہوا (۲۸۸)۔ شیریہ، تاریخ ہمدان میں لکھتے ہیں ”ابن طاہر نے ہمدان میں مکان تعمیر کیا اور وہاں سکونت پذیر ہو گئے۔ آپ ثقہ اور حافظ حدیث تھے۔ صحیح اور ضعیف حدیث کو خوب جانتے تھے۔ رجال اور متون کے متعلق انہیں معرفت تامہ حاصل تھی۔ آپ کی تصانیف کا دائرہ بہت وسیع تھا، خط عمدہ تھا، اتباع سنت آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا اور فضولیات و تعصب سے دور بھاگتے تھے۔ ہلکے پھلکے جسم کے باوجود بڑے قوی تھے (۲۸۹)۔“

تصانیف:

ابن عسا کر کہتے ہیں آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی فہرست بہت طویل ہے اور ان میں ادہام بھی بہت زیادہ ہیں۔ شعر البتہ اچھے کہتے تھے لیکن نحو میں کچھ ماہر نہیں تھے۔ مبارک بن کامل کہتے ہیں: مجھے ابن طاہر نے یہ شعر سنایا۔

ساروا بھا کالبد ر فی ہودج یمیس محفو فا بآثر ابہ (۲۹۰)

(رقیب چاند جیسی محبوبہ کو کچا دے میں سوار کر کے لے چلے جو اپنی ہجویوں میں گھری جا رہی تھی)۔

وفات:

شجاع ذہلی کہتے ہیں: ”ابن طاہر نے حج سے واپسی پر جمعہ کے دن ربیع الاول اور بقول ابو عمر نصف ربیع الاول ۵۰۷ھ میں بغداد میں داعی اجل کو لبیک کہا“ (۲۹۱)۔

۲۔ امام رشاطی نخعی مری (م ۵۴۲ھ):

آپ کی کنیت ابو محمد، نام عبداللہ بن علی بن عبداللہ اور لقب رشاطی ہے۔ آپ ۴۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ابن عارف نے آپ کا سال پیدائش ۴۶۵ھ لکھا ہے مگر پہلا قول زیادہ صحیح

ہے (۴۹۲)۔ مریہ کے رہنے والے نامور حافظ حدیث اور علم الانساب کے بہت بڑے عالم ہیں (۴۹۳)۔ ابو جعفر بن زبیر کہتے ہیں۔ آپ نے ابو علی غسانی، ابو الحسن، ابو علی صدفی، ابن فتحون اور بعض دوسرے علما سے علم کی تحصیل کی (۴۹۴)۔

آپ متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ جن میں سے قابل ذکر یہ ہیں:

۱. اقتباس الانوار والتماس الازہار فی انساب الصحابة رواة الآثار

۲. الاعلام لما فی المختلف والمؤتلف للدارقطنی من الأوهام.

۳. الانتصار من القاضی أبی محمد بن عطیہ.

ان کے علاوہ بھی آپ کی تصنیف کردہ کتب بہت ہیں (۴۹۵)۔

مقام و مرتبہ:

آپ صاحب ضبط و اتقان اور امام ہیں۔ علم الرجال کے ماہر، تاریخ و انساب کے حافظ، با کمال فقیہ اور محدث ہیں۔ آپ ان معدودے چند مشاہیر میں سے ایک ہیں جن کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ آپ سے ابو محمد عبید اللہ، احمد بن حبر، ابن مضاء، ابن خالد بن رفاعہ، ابو محمد عبد الرحیم اور ابو بکر بن ابی جمرہ روایت کرتے ہیں (۴۹۶)۔ آپ نے جمادی الآخر ۵۴۲ھ میں شہر مریہ پر دشمن کے قبضہ کے وقت جام شہادت نوش فرمایا (۴۹۷)۔

۳۔ امام علامہ ابن الاثیر الجزری (م ۶۳۰ھ):

آپ کی کنیت ابو الحسن، نام علی بن اثیر، ابو الکرم محمد بن محمد بن عبد الکرم شیبانی، لقب عز الدین، جزیرہ ابن عمر کے رہنے والے بلند پایہ حافظ حدیث، نامور محدث اور جلیل القدر لغوی ہیں۔ شہرہ آفاق کتب ”تاریخ کامل“ ”اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابة“ اور ”الانساب“ وغیرہ کے مصنف اور صاحب ”جامع الاصول“ علامہ مجد الدین اور صاحب کتاب ”المثل السائر“ وزیر ضیاء الدین نصر اللہ کے بھائی ہیں (۴۹۸)۔ ۵۵۵ھ میں جزیرہ ابن عمر میں پیدا ہوئے اور موصل میں خطیب ابو الفضل طوسی اور یحییٰ الشافعی وغیرہ سے، بغداد میں عبد المنعم بن کلیب اور دمشق میں ابو القاسم بن صغریٰ اور زین الامناء سے حدیث کا سماع کیا۔ اپنی تصانیف میں ان شیوخ سے روایت کرتے ہیں۔ مختلف اوقات میں موصل، دمشق اور حلب میں حدیث پڑھاتے رہے ہیں (۴۹۹)۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست خاصی طویل ہے۔ قابل ذکر درج ذیل ہیں۔

ابن دہشی، قوصی، مجد الدین عقیلی، شرف الدین ابن عسا کر اور قضائی وغیرہ (۵۰۰)۔

عام حالات:

آپ کی ذات مجمع فضائل اور آپ کا گھر مجمع علما تھا۔ آپ بہت بڑے عالم، علم الانساب اور علم الرجال کے ماہر اور نامور مؤرخ تھے۔ تواضع پسند، سخی اور امانتدار تھے۔ آپ ایک دفعہ شاہی چلچلی کی حیثیت سے شام بھی تشریف لائے تھے۔ آپ نے موصل کی ایک تفصیلی تاریخ لکھنا شروع کی تھی لیکن وہ پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکی (۵۰۱)۔

آپ کا شہر جزیرہ ابن عمر ہے بقول ابن خلکان اس کے بانی رئیس اعظم عبدالعزیز بن عمر برقعیدی ہیں انہیں کی طرف یہ منسوب ہے۔ ابن المستوفی مؤرخ اربل نے دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ اس شہر کو عمر بن اوس تغلبی کے دونوں بیٹوں اوس اور کامل نے آباد کیا تھا۔ جو ان کی طرف انتساب کی وجہ سے جزیرہ ابن عمر کہلایا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ گورنر عراق یوسف بن عمر ثقفی کی طرف منسوب ہے۔ علامہ ابن اثیر نے اواخر شعبان ۶۳۰ھ میں انتقال فرمایا (۵۰۲)۔

۴۔ امام السمعانی مروزی تمیمی (م ۵۶۲ھ):

آپ کی کنیت ابو سعد اور نام عبدالکریم بن حافظ تاج الاسلام ابو بکر محمد بن علامہ مجتہد ابو مظفر منصور بن محمد ہے۔ مرو کے رہنے والے نامی گرامی اور باکمال حافظ حدیث ہیں۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ شعبان ۵۰۶ھ میں پیدا ہوئے (۵۰۳)۔ ۵۰۹ھ کے آخر میں آپ کے والد انہیں نیشاپور لے گئے اور عمر رسیدہ شیخ عبدالغفار بن محمد شیرازی، عبید بن محمد قشیری اور متعدد دوسرے محدثین کی مجلس میں حاضر کیا (۵۰۴)۔ مرو میں ابو منصور محمد بن علی ناقلہ کراعی کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع بھی ملا پھر ۵۱۰ھ میں والد ماجد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا تو آپ نے اپنے بچاؤں اور خاندان کے دوسرے افراد کے زیر کفالت تربیت پائی (۵۰۵)۔

قرآن مجید حفظ کیا اور علم فقہ کی تعلیم حاصل کی پھر علم حدیث کی طرف رغبت ہوئی اور اس کی محبت دل میں اس طرح سمائی کہ اس میں کمال پیدا کیا جائے چنانچہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بہت سفر باندھا اور دور دراز ممالک کی طرف روانہ ہو گئے (۵۰۶)۔ نیشاپور میں ابو عبداللہ فراوی، ہر شحامی اور اس طبقہ کے دوسرے محدثین سے فیض حاصل کیا (۵۰۷)۔ اصفہان میں حسین بن عبد الملک خلال، سعید بن ابوالرجاء اور اس طبقہ کے دوسرے اہل علم سے، بغداد میں ابو بکر محمد بن

عبدالباقی انصاری اور دوسرے مشاہیر سے، کوفہ میں عمر بن ابرہیم علوی سے اور دمشق میں ابوالفتح مصیصی سے حدیث کا سماع کیا (۵۰۸)۔ اس کے علاوہ بخارا، سمرقند اور بلخ کے علمی سرچشموں سے بھی سیراب ہوئے۔ فراغت کے بعد متعدد جلدوں میں ایک معجم لکھی (۵۰۹)۔

مقام و مرتبہ:

آپ بہت ذہین اور تیز فہم تھے۔ آپ کی تحریر بہت خوشخط اور خوش نما تھی اور لکھنے میں سبک رفتار تھے۔ عرصہ تک درس و تدریس اور فتویٰ نویسی میں مصروف رہے۔ وعظ بھی کہا کرتے تھے۔ حدیث کی املا بھی کرایا کرتے تھے۔ آنے جانے والے مشاہیر سے علمی فوائد لکھ لیا کرتے تھے (۵۱۰)۔ ثقہ، حافظ اور حجت تھے۔ حصول علم کے لیے آپ کے سفر کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ راست گو اور دیانتدار تھے۔ آپ کی سیرت بے داغ تھی۔ دوستوں کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ علم کا وسیع ذخیرہ اپنے قلب و دماغ میں محفوظ رکھتے تھے (۵۱۱)۔

ابن نجار کہتے ہیں ”میں نے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ آپ کے شیوخ اور اساتذہ کی تعداد سات ہزار افراد تک پہنچتی ہے اور یہ وہ تعداد ہے کہ آپ کے سوائے شیوخ سے استفادہ کا موقع کسی کو کم ہی ملا ہوگا۔ آپ کی تصانیف عمدگی اور حسن ترتیب میں شاہکار ہیں۔ جن کو جگہ جگہ ظریفانہ لطائف اور بر محل اشعار نے چار چاند لگا دیے ہیں“ (۵۱۲)۔ آپ ثقہ، صاحب دیانت، ظریف الطبع اور کثیر السفر تھے۔ تبحر علمی کا یہ حال ہے کہ نہ صرف اقران بلکہ اکثر شیوخ بھی آپ سے استفادہ کرنے پر مجبور تھے (۵۱۳)۔

امام ذہبی لکھتے ہیں ہمیں محدثین کی ایک جماعت نے آپ سے بلا واسطہ حدیث بیان کی ہے۔ میں کہتا ہوں آپ کے تلامذہ میں آپ کے صاحبزادے عبدالرحیم مفتی مرو، حافظ ابوالقاسم ابن عساکر، ان کے صاحبزادہ قاسم، عبدالوہاب بن سکینے، عبدالغفار بن مہیاء، ابوروح عبدالعزیز بن محمد ہروی، ابوالضوء شہاب شذیانی، افتخار عبدال مطلب حلبی، ابوالفتح محمد بن محمد صالح اور دوسرے مشاہیر شامل ہیں (۵۱۴)۔

تصانیف:

آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل کتابوں کے نام ابن نجار نے نقل کئے ہیں:

۱۔ الذیل علی تاریخ الخطیب	۲۔ تاریخ مرو
۳۔ ادب الطلب	۴۔ الاسفار عن الاسفار
۵۔ الاملاء والاستملاء	۶۔ معجم البلدان
۷۔ معجم الشیوخ	۸۔ تحفة المسافر
۹۔ الہدایۃ	۱۰۔ عز العزله
۱۱۔ الادب واستعمال الحسب	۱۲۔ المناسک
۱۳۔ الدعوات	۱۴۔ الدعوات النبوة
۱۵۔ غسل الیدین	۱۶۔ امانین السباتین
۱۷۔ دخول الحمام	۱۸۔ صلوٰۃ التبیح
۱۹۔ التحایا	۲۰۔ تحفہ العید
۲۱۔ الرسائل والوسائل	۲۲۔ فضل الہر
۲۳۔ الانساب	۲۴۔ صلوٰۃ الضحیٰ
۲۵۔ الصدق فی الصداقۃ	۲۶۔ تخفیف الصلوٰۃ
۲۷۔ لغۃ المشتاق الی ساکن العراق	۲۸۔ من کنیتہ ابوسعید
۲۹۔ فضائل الشام (۵۱۵)	

علامہ ابوسعید بیت المقدس بھی گئے اس وقت اس پر عیسائیوں کا قبضہ تھا۔ آپ نے اپنی تصنیف کتاب التجیر میں اپنے شیوخ کے حالات قلمبند کیے اور اس میں بڑے عمدہ فوائد جمع فرمائے ہیں (۵۱۶)۔ آپ نے ۵۶ سال کی عمر میں شروع ربیع الاول ۵۶۲ھ شہر مرو میں داعی اجل کو لبیک کہا (۵۱۷)۔

۵۔ امام خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ):

آپ کی کنیت ابوبکر نام احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی اور لقب محدث الشام العراق ہے۔ آپ بغداد کے رہنے والے بہت بڑے عالم اور نامور حافظ حدیث ہیں۔ بہت سی عمدہ اور پر مغز کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۳۹۲ھ میں پیدا ہوئے (۵۱۸)۔ آپ کے والد عراق کی ایک بستی برزنجان کے خطیب تھے۔ انہوں نے علامہ کتانی سے قرآن مجید پڑھا تھا اور انہی سے حدیث کا سماع کیا تھا۔ وہ اپنے اس لڑکے یعنی صاحب ترجمہ کی تعلیم و تربیت کے لیے بڑے حریص تھے۔ اس لیے

انہوں نے ان کو بچپن ۴۰۳ھ میں ہی حدیث کا سماع کرانا شروع کر دیا تھا (۵۱۹)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بچے کے دل میں مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا کر دیا۔ چنانچہ وہ مختلف ممالک کی طرف دیوانہ وار لپکے اور نورِ علم سے اپنے قلب و دماغ کو منور کیا (۵۲۰)۔ فراغت کے بعد ایسی جامع کتابیں لکھیں جو آپ کی زندگی میں ہی چار و انگ میں عالم پھیل گئیں (۵۲۱)۔ اور آپ جملہ فنون و حدیث میں اپنے ہم عصروں سے سبقت لے گئے۔ آپ نے بغداد میں ابوالحسن بن صلت، ابوہازی، ابو عمر بن مہدی، ابوالحسن بن متیم، ابن زرقویہ، ابراہیم بن مخلد باخری اور اس شہر میں موجود دوسرے اہل علم سے حدیث کا سماع کیا (۵۲۲)۔ پھر ۴۱۲ھ میں بصرہ گئے اور راویۃ السنن ابو عمر قاسم بن جعفر ہاشمی، علی بن قاسم عبدالرحمان بن محمد سراج، قاضی ابوبکر حیری، ابونصر کسار اور ایک جماعت سے ہمدان میں محمد بن عیسیٰ سے اکتساب فیض کیا (۵۲۳)۔ اس طرح کوفہ، رے، حرین، شریفین، دمشق، قدس، صور وغیرہ کے علمی سرچشمے کو کھنگالا۔ آپ حج کرنے کے لیے گئے اور ۴۵۱ھ میں دوبارہ شام آئے اور گیارہ سال تک مقیم رہے (۵۲۴)۔

تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے چند مشہور شخصیات کے نام درج ذیل ہیں:

شیخ برقانی، ابوالفضل بن خیرون، فقیہ نصر مقدسی، ابو عبد اللہ حمیدی، عبدالعزیز کتانی، ابو نصر بن ماکولا، عبد اللہ بن احمد سمرقندی، مبارک بن طیوری، عبدالرحمان بن محمد قزار شیبانی، یوسف بن ایوب ہمدانی نزیل مصر اور دوسرے بہت سے لوگ جن کا شمار مشکل ہے (۵۲۵)۔

ابن ماکولا کے بقول ”جن چوٹی کے علما سے ہمیں ملنے کا اتفاق ہوا خطیب ان میں سے معرفت، حفظ، ضبط و اتقان، علل و اسانید کی چھان بین اور حدیث صحیح و غریب، فرد منکر اور مطروح کے جاننے میں آخری شخص ہیں“ (۵۲۶)۔

مؤتمن سیاجی کہتے ہیں ”بغداد نے امام دارقطنی کے بعد خطیب جیسا کوئی آدمی پیدا نہیں کیا (۵۲۷)۔ ابوسعید سمعانی کہتے ہیں ”خطیب بارعب، پروقار، ثقہ، حق کے متلاشی اور حجت تھے۔ آپ کی تحریر بڑی دلکش ہوتی تھی کثیر الضبط اور فصیح الکلام تھے۔ آپ پر حفاظ حدیث کا خاتمہ ہوا (۵۲۸)۔ علامہ خطیب کا اپنا بیان ہے کہ جب وہ حج کے لیے گئے تو انہوں نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہ جس مقصد کے لیے آب زم زم پیا جائے وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ زم زم کا پانی تین مرتبہ پیا اور اللہ تعالیٰ سے تین حاجتیں طلب کیں۔ پہلی حاجت یہ تھی کہ انہیں اپنی مشہور عالم

کتاب ”تاریخ“ بغداد میں پڑھانے کا موقع ملے۔ دوسری حاجت یہ تھی کہ وہ جامع منصور میں حدیث املا کرائیں۔ تیسری حاجت یہ تھی کہ انہیں مرنے کے بعد مشہور ولی اللہ بشرحانی کے جوار میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ اللہ نے ان کی یہ تینوں خواہشیں پوری کیں (۵۲۹)۔ آپ کا میاب مصنف تھے۔ علامہ سمعانی نے آپ کی تصنیف کردہ کتابوں کی تعداد ۵۲ بتائی ہیں۔ ان میں سے چند مشہور کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ تاریخ بغداد	۲۔ الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع
۳۔ الکفایہ	۴۔ السابق واللاحق
۵۔ شرف اصحاب الحدیث	۶۔ المحقق والمفتقر
۷۔ الفصل والوصل	۸۔ الموضح
۹۔ التطفیل	۱۰۔ الفقیہ والمحقق
۱۱۔ الرواة عن مالک	۱۲۔ البخلا
۱۳۔ الفنون	۱۴۔ النجیر بہا
۱۵۔ من حدیث نسی	۱۶۔ الحیل
۱۷۔ الرحلة فی طلب الحدیث	۱۸۔ اقتضاء العلم
۱۹۔ مقلوب الاسماء	۲۰۔ صلوۃ التسبیح
۲۱۔ صوم یوم الشک	۲۲۔ اجازۃ المجہول (۵۳۰)

ابو الحسنین ہمدانی کہتے ہیں۔ خطیب کی وفات کے ساتھ یہ علم مر گیا۔ رئیس الرؤسا نے شہر کے واعظوں اور خطیبوں کو حکم دیا تھا کہ وہ خطیب کو دکھائے اور سنائے بغیر کوئی حدیث روایت نہ کریں۔ ایک دفعہ ایک یہودی نے ایک ایسی دستاویز پیش کی جس میں حضور ﷺ کے اہل خیر سے جزیہ معاف کر دینے کا ذکر تھا اور اس دستاویز پر بعض صحابہ کی شہادت بھی ثبت تھی۔ وزیر نے یہ دستاویز علامہ خطیب کو دکھائی تو انہوں نے کہا یہ دستاویز جعلی ہے۔ وزیر نے آپ سے پوچھا کس بنا پر اس کو جعلی کہتے ہیں؟ بولے اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شہادت درج ہے اور اس وقت وہ مسلمان ہی نہیں تھے۔ وہ خیبر کے بعد فتح مکہ کے سال اسلام لائے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں حضرت سعد بن معاذ کی گواہی ہے اور وہ جنگ خیبر سے پہلے انتقال کر گئے تھے (۵۳۱)۔

شجاع ذہلی کہتے ہیں، خطیب امام، مصنف اور ایسے باکمال حافظ حدیث تھے کہ ان کی نظیر نہیں ملتی تھی (۵۳۲)۔ جب خطیب بغداد آئے اور انہیں پتا چلا کہ ایک کتاب میں خلیفہ قائم بامر

اللہ کے سماع کا ذکر ہے تو دار الخلافہ پہنچے اور کتاب مذکور کے مطالعہ کی اجازت چاہی خلیفہ کو معلوم ہوا تو بولے یہ بڑے آدمی ہیں۔ اس کتاب کو پڑھنے سے ان کی کیا غرض ہو سکتی ہے؟ انہیں کوئی اور کام ہو گا؟ دیکھو وہ کیا کام ہے؟ جب آپ سے پوچھا گیا کہ دراصل آپ کا مقصد کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ مجھے جامع منصور میں حدیث املا کرانے کی اجازت مل جائے (۵۳۳)

امیر ابو منصور علی بن علی کہتے ہیں خطیب نے خلیفہ قائم باللہ کو ایک مکتوب لکھا کہ میرے بعد میرا مال بیت المال میں جائے گا۔ مجھے اسے اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کرنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ خلیفہ نے اجازت دے دی اور آپ نے اپنا سارا مال محدثین میں تقسیم کر دیا (۵۳۴)۔

مکی ربیعہ کہتے ہیں علامہ خطیب ۱۵ رمضان المبارک ۴۶۳ھ میں بیمار ہوئے۔ دو مہینے برابر بیمار رہے۔ ذی الحجہ کے شروع میں بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور ۷ ذی الحجہ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا (۵۳۵)۔

علم الانساب پر اہم تصنیفات:

- ۱۔ انساب حمیر و ملوکھا لہ بن ہشام صاحب السیرۃ (م ۲۱۳ھ)۔
- ۲۔ کتاب النسب لابن عبید قاسم بن سلام اللہروی (م ۲۲۴ھ)۔
- ۳۔ أنساب الشعراء، لأبی جعفر محمد بن حبیب البغدادی (م ۲۲۵ھ)۔
- ۴۔ نسب قریش، للزبیر بن بکار (م ۲۵۶ھ)۔
- ۵۔ انساب الأشراف، للبلاذری (م ۲۷۹ھ)۔
- ۶۔ نسب عدنان و قحطان، لأبی العباس محمد بن یزید المبرد النخوی (م ۲۸۵ھ)۔
- ۷۔ الإکلیل فی الأنساب حمیر وایام ملوکھا، لأبی محمد الحسن بن احمد الہمدانی (م ۳۳۴ھ)۔
- ۸۔ نسب عبد شمس، لأبی الفرج علی بن حسین الإصبہانی (م ۳۵۶ھ)۔
- ۹۔ نسب بنی شیبان، لأبی الفرج علی بن حسین الإصبہانی (م ۳۵۶ھ)۔
- ۱۰۔ نسب آل المہلب، لأبی الفرج علی بن حسین الإصبہانی (م ۳۵۶ھ)۔
- ۱۱۔ القصد والأمام الی انساب العرب والجم، لابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ القرطبی (م ۴۶۳ھ)۔
- ۱۲۔ اقتباس الأنوار والتماس الازہار فی انساب الصحابة ورواة الآثار، لأبی محمد عبد اللہ بن علی اللخمی الرشاطی (م ۵۴۲ھ)۔

- ۱۳۔ التعریف بالأنساب، لأبی الحسن احمد بن محمد بن ابراهیم الأشعری (م ۵۵۰ھ)۔
- ۱۴۔ الأنساب، لأبی محمد الحسن بن علی المعروف بالقاضی (م ۵۶۱ھ)۔
- ۱۵۔ الأنساب للسمعی، عبدالکریم (م ۵۶۲ھ)۔
- ۱۶۔ الجوهرة فی نسب النبی واصحابه العشرة، لکمال الدین عبدالرحمن بن محمد الأنباری (م ۵۷۷ھ)۔
- ۱۷۔ عیالہ المبتدی فی الأنساب، لزرین الدین، ابی بکر محمد بن موسی الحازمی (م ۵۸۴ھ)۔
- ۱۸۔ تاج الأنساب، محمد بن اسعد الحسینی (م ۵۸۸ھ)۔
- ۱۹۔ أنساب المحدثین للحافظ محبت الدین محمد بن محمود ابن النجار البغدادی (م ۶۳۳ھ)۔
- ۲۰۔ الشجرة فی الانساب، محمد بن رضوان (م ۶۵۷ھ)۔
- ۲۱۔ بغیة ذوی الغم فی معرفة۔۔۔، للمملک الفضل عباس ابن المملک المجاهد (م ۷۸۷ھ)۔
- ۲۲۔ اسماء القبائل وانشابها، السید معز الدین محمد المهدی قزوینی (م ۱۳۰۰ھ)۔
- ۲۳۔ دیوان العرب وجوهرة الادب فی ایضاح النسب، محمد بن احمد بن عبداللہ الأسدی۔

کتاب الأنساب:

ابوسعبد عبدالکریم بن محمد بن منصور التمیمی السمعانی (م ۵۶۲ھ) کی کتابوں میں سے یہ مشہور ترین کتاب ہے۔ اس کے بارے میں صاحب کشف الظنون کہتے ہیں کہ یہ اس فن کی سب سے ضخیم اور کامل کتاب ہے جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ حجم میں بڑا ہونے کی وجہ سے اس کے مختلف لوگوں نے تراجم و خلاصے بھی لکھے ہیں (۵۳۶)۔

ابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) نے اس کی تلخیص ”اللباب“ کے نام سے کی ہے اور اس میں کافی چیزیں شامل کی ہیں جو سمعی سے رہ گئی تھیں۔ اور سیوطی نے اس کی بھی تلخیص لکھی اور بہت چیزوں کا اضافہ کیا۔ اور اس کا نام ”لب اللباب“ رکھا اور اس طرح قاضی قطب الدین محمد بن محمد الحفیری (م ۸۹۴ھ) نے بھی تلخیص کی لکھی۔ اور اس میں ابن الاثیر کے اضافوں کو بھی شامل کیا۔ اور اس کا نام ”الاکتساب“ رکھا۔ الأنساب کے شروع میں علم الانساب کی تعریف، انساب کی معروف تصانیف، کتاب کا تعارف، مؤلف کے حالات زندگی، موجودہ ایڈیشن میں جس نسخہ پر اعتماد کیا ہے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد اصل کتاب مقدمہ سے شروع ہوتی ہے اور بعد میں علم الانساب کی تعلیم و معرفت کی

ترغیب، رسول اللہ اور عرب قبائل کے نسب کا بیان ہے۔ پھر صفحہ ۵۶ سے حروف تہجی کا لحاظ رکھتے ہوئے ابواب میں نسب بیان کیا ہے۔ مثلاً باب اللفین وما یشلھما کے تحت سب سے پہلے الآنجی کے متعلق لکھا ہے۔ روی عن ابیہ وعنه ابو النضر محمد بن یوسف الفقیہ، اخرج حدیثہ الحاکم فی امالیہ (۵۳۷)۔ اور باب العین والطاء میں ”الطائر“ کی نسبت یوں لکھا ہے ہذہ النسبة الی بیع ”العطر“ والطیب: والمنتسبون الی ہذہ الصنعة جماعة کثیرة من العلماء والمحدثین (۵۳۸) (یہ نسبت عطر اور خوشبو فروش پیشہ افراد کی طرف منسوب ہے اس پیشے کی نسبت علماء اور محدثین کی ایک جماعت کی طرف ہے)۔ پھر آگے ان کی تفصیل بیان کی ہے۔

کتاب النسب:

یہ ابو عبید قاسم بن سلام (۱۵۴ھ-۲۲۴ھ) کی تالیف ہے جس کی مریم محمد خیر الدرع نے دمشق یونیورسٹی میں ڈاکٹر سہیل زکاء کی نگرانی میں تحقیق کی ہے اور ایم اے تاریخ کی ڈگری حاصل کی ہے (۵۳۹) اس کتاب کے شروع میں محققہ نے ۱۴۴ صفحات پر علم الانساب اور کتاب الانساب پر مفید بحث کی ہے۔ اس کے بعد مصنف پر بھی تفصیلی نوٹ تحریر کیا ہے۔ پھر کتاب النسب کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ اس میں عرب قبائل اور چند رؤساء کے نسب کو بیان کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے بنو ہاشم کے نسب کو بیان کیا ہے لکھتے ہیں ”ولد ہاشم بن عبد مناف: عبد المطلب وامہ سلمی بنت عمرو، من بنی عدی ابن النجسار، ونضلة واسدا، وصیفیابا صیفی۔ فولد عبد المطلب: عبد اللہ، واما طالب والزبیر وعبد الکعبہ وامہما فاطمة بنت عمرو بن عائد بن عمران بن مخزوم، والعباس، وضراراء، وامہا نثیلة بنت جناب ابن النمیر بن قاسط، وحمزة، والمقوم، وحجلا وامہم ہالة بنت اہیب بن عبد المناف بن زہرة، واما لہب وقثم، والحارث والغیداق (۵۴۰)۔ اس طرح ہر ایک پر تفصیل سے لکھا ہے۔

اقتباس الانوار:

یہ عبد اللہ بن علی بن عبد اللہ اللغنی (۳۶۶-۵۴۲ھ) اندلس کی تالیف ہے۔ جنہوں نے مرید میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ علم حدیث اور انساب کے بڑے عالم تھے۔ اور ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ ان میں سے ایک ”اقتباس الانوار والتماس الازہار الصحابة ورواة الآثار“ ہے (۵۴۱)۔

ابن خلکان نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے ”احسن فیہ وجمع وما قصر“

وہو علی اسلوب السمعانی (الانساب یہ بہت عمدہ مجموعہ ہے اور اس کا جمع و اختصار سمعانی کے اسلوب پر ہے) (۵۴۲)۔ یہ کتاب پانچ اسفار میں منقسم ہے (۵۴۳) اور حروف تہجی کا لحاظ رکھتے ہوئے ترتیب دیا ہے۔ شروع میں الباجی کی نسبت پر تبصرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں ”باجہ فی افریقہ و باجہ فی الاندلس، رایت فی بعض التواریخ: ان تفسیر باجہ فی لغة العجم السلم“ (۵۴۴) (باجہ ایک افریقہ میں ہے اور دوسرا باجہ نامی شہر اندلس میں ہے، بعض تاریخ کی کتب میں اس کے معنی عجمی زبان میں سیڑھی ہے)۔ پھر آگے جا کر لکھتے ہیں ”فمن باجہ الاندلس جماعة من العلماء، منهج: الفقیہ القاضی ابو ولید سلیمان بن خلف بن سعد بن ایوب الباجی، شارح المؤطا (۵۴۵) (باجہ اندلس سے علماء کی ایک جماعت مشہور ہوئی ان میں ایک فقیہ ابو الولید سلیمان نامی ہے جو مؤطا امام مالک کے شارح ہیں)۔

اسماء القبائل و انسابها:

سید معز الدین محمد الحمیدی قزوینی (م ۱۳۰۰ھ) ہے ۱۲۲۲ھ میں نجف اشرف میں پیدا ہوئے۔ اپنے چچا سید باقر سے ۲۴ سال تک علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد درس و تدریس تصنیف و تالیف شروع کیا۔ اور ۱۳۰۰ھ میں وفات پا گئے (۵۴۶)۔ یہ کتاب میں کامل سلیمان الجبوری کے تحقیق و حاشیہ کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ کتاب حروف تہجی کے ترتیب پر ابواب میں تقسیم کیا ہے مثلاً باب ”الالف“ میں لکھتے ہیں اعاجیب: قبیلۃ من المعدویۃ فی العراق“ (۵۴۷)۔ اس طرح باب ”میم“ میں مرة کے قبیلہ کی نسبت یوں بیان کیا ہے: ابو قبیلۃ من قریش و هو مرة بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر (۵۴۸) اور ”باب ہاء“ میں یھوزا کی نسب ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں: اخو یوسف الصدیق، ابو قبیلۃ من بنی اسرائیل (۵۴۹)۔



علم معرفۃ الاسماء والکنی

نام اور کنیت کی معرفت:

علم حدیث ایک گلدستہ کی مانند ہے جس میں کئی قسم کے پھول ہوتے ہیں۔ اس کی مختلف انواع و اقسام ہیں۔ ان میں اصول حدیث، تاریخ حدیث، علم جرح و تعدیل، متن حدیث پھر ان کی کئی اقسام ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم، معرفۃ اسماء والکنی والقباب ہے۔ بعض اوقات کسی راوی کا نام اور کنیت بھی وہی نام ہوتا ہے بعض اوقات وہ اپنے نام کے ساتھ مشہور ہوتا ہے۔ کنیت کے ساتھ نہیں یا اس کے برعکس یعنی کنیت کے ساتھ مشہور ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی کنیت سے مشہور ہیں جبکہ امام مالک اپنے نام سے مشہور ہیں۔

کنیت کی تعریف:

اپنے بیٹے یا باپ کے نام کی طرف منسوب ہونے کو عربی میں کنیت کہتے ہیں۔ مثلاً ابو القاسم، ابوالحسن ابوعبداللہ اور ابن عمر وغیرہ۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ کنیت لازماً بیٹے کی وجہ سے ہی ہو۔ بیٹے کے بغیر ویسے بھی بعض لوگوں نے کنیت اختیار کی۔ مثلاً ابوبکر حالانکہ ابوبکر کا کوئی ایسا بیٹا نہ تھا، جس کا نام بکر ہو۔ اسی طرح ابو ہریرہ، اور حضرت عائشہ کی کنیت ام عبداللہ تھی حالانکہ ان کا بیٹا عبداللہ نہ تھا (۵۵۰)۔

یہ بڑا پیچیدہ فن ہے جس کی کئی قسمیں ہیں:

- ۱۔ نام اور کنیت ایک ہی ہو جیسے ابوبلال الاشعری۔
- ۲۔ کنیت مشہور ہو مگر یہ علم نہ ہو کہ اس شخص کا اصل نام کوئی ہے یا نہیں۔ مثلاً ابواناس رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔
- ۳۔ کوئی شخص کسی کنیت سے مشہور ہو جائے۔ حالانکہ اس کا اپنا نام اور اپنی حقیقی کنیت موجود ہو۔

جیسے ابو تراب علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی کنیت ہے حالانکہ ان کا نام علی اور اصل کنیت ابوالحسن تھی۔

جس کی دو کنیتیں ہوں۔ مثلاً ابن جریج کی دو کنیتیں تھیں:

i۔ ابوالولید ii۔ ابو خالد

کنیت میں اختلاف ہو مثلاً اسامہ بن زید، ان کی کنیت کے بارے میں تین اقوال ہیں:

i۔ ابو محمد ii۔ ابو عبد اللہ iii۔ ابو خارجہ

کنیت تو مشہور ہو مگر نام میں اختلاف ہو۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ ان کا نام عبد الرحمن بن صخر تھا۔

جس کے نام اور کنیت دونوں میں اختلاف ہو۔ مثلاً سفینہ کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کا نام عمیر یا صالح یا مہران تھا اور کنیت ابو عبد الرحمن یا ابوالبختری تھی۔

جس کی کنیت اور نام دونوں معروف ہوں اور دونوں کے ذریعے شہرت رکھتا ہو۔ مثلاً ابو عبد اللہ سفیان ثوری، ابو عبد اللہ امام مالک، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی، ابو عبد اللہ احمد بن حنبل (۵۵۱)۔

فائدہ:

اس علم کا فائدہ یہ ہے کہ ایک ہی کنیت رکھنے والے دو اشخاص کے درمیان اشتباہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب ایک شخص کا کبھی نام ذکر کیا جائے اور کبھی کنیت تو یہ گمان ہوتا ہے کہ دو آدمی ہیں حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا، اس کا علم ہو جاتا ہے۔

تالیف کا طریقہ:

اس فن میں تالیف کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے کنیت ذکر کی جاتی ہے اور لفظ ”ابو“ کو چھوڑ کر اس کے بعد پہلے حرف کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس طرح ”ابو“ کے بعد آنے والے تمام اسماء حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کئے جاتے ہیں مثلاً: ابواسحاق حرف الف میں ہوگا، پھر اس کے نام کا ذکر آئے گا۔ اسی طرح باب الباء میں ”ابو بشر“ پھر اس کا نام آئے گا۔

اسی طرح ابو عبد اللہ حرف عین میں ہوگا
ابو محمد حرف میم میں ہوگا (۵۵۲)۔

الاسماء والکنیٰ پر اہم تصنیفات:

محدثین کرام نے جس طرح راویان حدیث کے تراجم و احوال پر کتابیں تصنیف کیں۔ اسی طرح ان حضرات نے اس ضرورت کے پیش نظر کہ ان کے ناموں میں اشتباہ و التباس نہ پیدا ہو سکے۔ بعض راوی اپنے ناموں سے مشہور ہوتے ہیں بعض کنیتوں سے مشہور ہوتے ہیں۔ بعض دونوں سے مشہور ہوتے ہیں اور بعض کسی خاص صفت کی وجہ سے مشہور ہوتے ہیں یا لقب کی وجہ سے یا اپنے نسب کی وجہ سے مشہور ہوتے ہیں۔ ان چیزوں کو جاننے کے لیے مختلف لوگوں نے کتب لکھی ہیں۔ بعض نے صرف اسماء پر بعض نے کنیتوں پر اور بعض نے القاب کے بارے میں۔ بعض نے انساب پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ ان تمام کا مقصد یہ تھا کہ راوی کے بارے میں معلومات ہو جائیں۔ ان میں سے چند کتابوں کا اجمالی تعارف مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ ”الاسامی والکنیٰ“

تعارف مصنف:

نام و نسب ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی۔ آپ بغداد میں ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو سماع حدیث کے لیے وقف کر دیا۔ آپ اسلامی دیار و بلاد میں خوب سیر کی اور وقت کے نامور اساتذہ سے حدیثیں سنیں۔ آپ کے شیوخ میں ہشیم اور ابراہیم بن سعید اور سفیان بن عیینہ جیسے اکابر محدثین شامل ہیں۔ آپ نے حدیث کی جانب پوری توجہ مبذول کی۔ حتیٰ کہ اہل الحدیث آپ کو اپنا امام قرار دیتے ہیں۔ امام شافعی حدیث و فقہ میں مہارت کے باوجود احادیث کی تصحیح و تصنیف کے بارے میں امام احمد پر اعتماد کیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بغداد میں امام شافعی کی ملاقات ان سے ہوئی تو فرمایا: ”جب کسی حدیث کی صحت آپ کے نزدیک ثابت ہو جائے تو مجھے بتا دیا کریں تاکہ میں اس پر عمل کروں خواہ اس کے راوی شامی اور عراقی ہوں یا حجازی اور یمنی“ (۵۵۳)۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جب میں عراق سے نکلا تو اپنے پیچھے احمد بن حنبل سے بڑھ کر صاحب علم و فضل اور عابد و زاہد شخص نہیں چھوڑا“ (۵۵۴)۔ تمام معاصرین نے باختلاف مذاہب و مسلک آپ کے علم و فضل اور حدیث نبوی میں مہارت کا اعتراف کیا ہے۔

اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: ”احمد بن حنبل کائنات پر اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے

درمیان حجت ہیں“ (۵۵۵)۔

خليفة ماموں و معتصم پر غلبہ پا کر بعض معتزلہ نے ان سے یہ کہا تھا کہ لوگوں کو خلقِ قرآن کا عقیدہ تسلیم کرنے پر مجبور کیا جائے آپ کو بھی مجبور کیا گیا مگر آپ نے انکار کر دیا۔ اس کی پاداش میں آپ کو قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا اور آپ کو دڑے مارے گئے۔ مگر آپ اپنے عقیدہ پر جمے رہے۔ اس واقعہ کے بعد بشر الحافی نے بیان کیا ہے کہ ”امام احمد کو بھٹی میں ڈالا گیا تو آپ کندن بن کر نکلے۔ امام احمد بغداد میں ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے جبکہ تمام علماء آپ کے شاخو اں اور مدح گستر تھے“ (۵۵۶)۔

تعارف کتاب:

امام احمد بن حنبل نے جو کتاب لکھی ہے۔ اس کا نام ”کتاب الاسامی والکنی“ ہے۔ جس میں انہوں نے رواۃ کے نام لکھے ہیں۔ اور اگر کسی راوی کا نام معلوم ہو تو اس کی کنیت کا ذکر کیا ہے۔ اگر کسی کی کنیت معلوم تھی تو اس کا نام لکھا ہے اور بعض واقعات کو انہوں نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ امام احمد نے اس کتاب میں ۴۳۸ راویوں کا نام اور کنیتوں کا ذکر کیا ہے اور اس کی پوری وضاحت کی ہے۔ کتاب ابتداء سے (حافظ ابو طاہر سلفی) سے پوری سند کے ساتھ امام احمد بن حنبل تک پہنچتی ہے (۵۵۷)۔

سب سے پہلے انہوں نے ابو بکر صدیق کا نام ذکر کیا ہے کہ ایک سند کے مطابق عتیق بن عثمان تھا (۵۵۸) پھر دوسری سند سے نام عبداللہ بن عثمان ذکر کیا ہے (۵۵۹)۔ بعد ازاں اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ ان کی شان میں قرآن کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

فاما من اعطى واتقى وصدق بالحسنى فئسره ليسرى (۵۶۰) (وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سب سے اچھی بات کی تصدیق کی۔ ہم اس کو آسان راستے کی سہولت دیں گے)۔ اسی طرح انہوں نے ہند بن ابی طالب کی کنیت ام ہانی لکھی ہے (۵۶۱)۔ اسی طرح مشہور صحابی ابو مرید الغنوی کا نام کناز بن حصین لکھا ہے (۵۶۲)۔ بعض ناموں کو رسول اللہ ﷺ نے بدلا اس کا ذکر کیا ہے۔ مثال کے طور پر عبداللہ بن سلام کا نام الحصین تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کا نام عبداللہ رکھا (۵۶۳)۔

عبدالرحمن بن عوف کا نام عبد عمرو تھا ان کا نام عبدالرحمن رکھا (۵۶۴)۔ ابوسفیان کا نام صخر بن حرب لکھا ہے (۶۶۵)۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ کا نام جندب بن جنادہ لکھا ہے (۵۶۶)۔ بعض لوگوں کے بارے میں ناموں کے علاوہ اور بھی وضاحتیں دے دیتے ہیں۔ مثلاً حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بن نعمان کے

بارے میں لکھا ہے کہ بدری صحابی تھے اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے ماں جائے بھائی تھے (۵۶۷)۔ بعض راویوں کی احادیث کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ بعض اوقات اگر دو کنیتیں ایک جیسی ہوں تو ان کی وضاحت کی جائے مثلاً لکھا ہے: ام الدرداء الصغریٰ کا نام مجیمہ تھا بعض نے مجیمہ بنت فلان الوصابہ لکھا ہے (۵۶۸)۔ پھر لکھا ہے ام الدرداء الکبریٰ کا نام خیرۃ ابی حدرد ہے۔ اسی کے آخری راوی ابوایاز معاویہ بن قرۃ ہیں (۵۶۹)۔

۲۔ الکئی:

تعارف مصنف:

نام ونسب ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم تھے۔ آپ امام الحدیث و شیخ الحفاظ کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ آپ بخارا کے شہر میں ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں انہوں نے اپنی پہلی کتاب ”قضايا الصحابة والتابعين“ مرتب کی۔ اس کے بعد حضور ﷺ کے روضہ کے پاس بیٹھ کر دوسری کتاب ”تاریخ کبیر“ لکھی اور اس کے علاوہ متعدد کتب کے مصنف بھی ہیں اور آپ کی مشہور تصنیف ”الجامع الصحیح“ ہے۔ جسے اصح الکتاب بعد کتاب اللہ سمجھا جاتا ہے یعنی قرآن پاک کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب ہے۔ آپ نے ۲۵۶ھ میں باسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی (۵۷۰)۔

تعارف کتاب:

امام بخاری نے نہایت گراں قدر اور مفید تصنیفات مسلمانوں کے لیے پیچھے چھوڑیں۔ اسماء الرجال پر جہاں دوسرے لوگوں نے لکھا وہاں امام صاحب بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ آپ نے اسماء الرجال پر ایک کتاب ”الکئی“ کے نام سے لکھی۔ دراصل ”الکئی“ امام بخاری کی تاریخ کا ہی ایک حصہ ہے۔ یہ کتاب الگ بھی شائع ہوئی ہے (۵۷۱)۔ اس کتاب میں امام بخاری نے ۹۹۳ راویوں کے بارے میں لکھا ہے۔

یہ کتاب امام کے شاگرد ابو الحسن محمد بن ابراہیم بن شعیب المعروف بالغازی کی روایت سے ہے۔ شروع کتاب سے لے کر تقریباً ص ۱۸ تک مطلقاً ”باب“ سے شروع کیا ہے پھر ہر حرف کے لیے الگ الگ باب بنائے ہیں مثلاً باب الالف، باب الجیم، باب الحاء وغیرہ۔ ابتداء میں بسم اللہ

کے بعد باب لکھنا لکھا ہے۔ اس کے پہلے راوی ابوامیہ بن احث ہیں۔ دوسرے راوی ابوامیہ مخزومی ہیں۔ تیسرے راوی ابوامیہ انصاری ہیں (۵۷۲)۔

امام بخاری نے راویوں کی کنیت کا ذکر کیا ہے اور بعض اوقات ان کی احادیث بھی بیان کی ہیں۔ مثلاً دوسرا راوی ابوامیہ مخزومی (۵۷۳)۔ بعض اوقات راوی کی کنیت کے ساتھ اس کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ اور جس سے روایت کی اس (استاد) کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثال کے طور پر ابوالاشعث ان کا نام عطار لکھا ہے۔ اور جن سے وہ روایت کرتے ہیں ان کا نام حمزہ اسلمی ہے۔ ان سے روایت کرنے والے اشعث بن سوار کا ذکر ہے (۵۷۴)۔

امام بخاری نے راویوں کی کنیت کے سلسلہ میں بھی ہر باب میں حروفِ تہجی کا لحاظ رکھا ہے اور بعض مقام پر کنیت کے ساتھ ان کے قبیلہ کے تعلق کو بھی بیان کرتے ہیں (یعنی ان کے قبیلے کا ذکر کرتے ہیں)۔ مثلاً ابوالاسود الریاض، ابوالاسود الغفاری وغیرہ (۵۷۵)۔ اور کبھی کنیت کے ساتھ ان کی علاقائی نسبت کو بیان کرتے ہیں جیسے ابوالاسود البصری وغیرہ (۵۷۶)۔ بعض اوقات صرف شاگرد کا ذکر کرتے ہیں۔ جیسے اکیسواں راوی ابوالصغیر ہے۔ ان سے ابن جریج نے بیان کیا ہے۔ بعض راویوں کے استادوں اور شاگردوں کا بھی ذکر کیا ہے (۵۷۷)۔

۳۔ کتاب الاسماء والکنی:

تعارف مصنف و کتاب:

علی بن المدینی (۱۶۱-۲۳۴ھ) ممتاز ائمہ میں سے تھے۔ اسماء الرجال اور علل حدیث میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے اس ضمن میں عدیم النظر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اس لیے علمائے حدیث نے آپ کی تحسین کی اور آپ کی مہارت و بصیرت کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ سفیان بن عیینہ اور یحیی القطان جو کہ دونوں ان کے استاد ہیں۔ یحیی القطان فرماتے ہیں: ”بخدا جس قدر علم وہ مجھ سے حاصل کرتے تھے اس سے کئی گنا زیادہ میں ان سے حاصل کرتا تھا“ (۵۷۸)۔

ابن المدینی امام بخاری کے استاد ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں: ”علی بن المدینی کے سوا کسی اور کے سامنے مجھے اپنی بے مانگی کا احساس نہیں ہوا“ (۵۷۹)۔ ابو حاتم فرماتے ہیں: ”ابن المدینی حدیث اور علل کی پہچان میں نہایت بلند مقام رکھتے ہیں“ (۵۸۰)۔

امام حاکم نے اپنی کتاب ”معرفۃ علوم حدیث“ میں ابن المدینی کی متعدد تصانیف کا تذکرہ

کیا ہے۔ جن سے ان کے بلند پایہ عالم ہونے اور علوم الحدیث میں مہارت و بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ (۵۸۱)۔ ”کتاب الاسماء والکنی“ اسما الرجال پر ان کی اہم تصنیف ہے۔ یہ کتاب بہت جامع ہے اور آٹھ اجزاء پر مشتمل ہے۔ علی بن المدینی کا دور ۱۶۱ھ سے ۲۳۲ھ تک ہے۔ یہ کتاب غیر مطبوع ہے۔

۴۔ الکُنّی:

ابو احمد محمد بن احمد المعروف حاکم کبیر:

تعارف مصنف و کتاب: اس کتاب کے مصنف نیشاپور کے بلند پایہ حافظ حدیث محمد بن محمد بن احمد بن اسحاق ہے۔ حاکم کبیر کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ ۲۸۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اس کتاب کے مصنف نیشاپور کے بلند پایہ حافظ حدیث محمد بن محمد بن احمد بن اسحاق ہیں۔ حاکم کبیر کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ ۲۸۵ھ میں پیدا ہوئے۔

امام ذہبی لکھتے ہیں: ”ابو احمد، الحاکم، محدث خراسان، الامام، الحافظ الجہیز، محمد بن محمد بن احمد بن اسحاق النیسابوری الکراہیسی صاحب التصانیف وهذا هو الحاکم الکبیر مؤلف کتاب الکُنّی“ (۵۸۲) ۳۳۳ ہجری میں منصب قضاء پر فائز ہوئے اور مدت تک مختلف شہروں کے قاضی (جج) رہے۔ ان کے کمرہ عدالت میں ہمیشہ کتابوں کا ڈھیر ہوتا تھا جب فریقین کے درمیان فیصلہ کرنے سے کچھ وقت بچتا تو کتابوں کے مطالعہ میں مصروف ہو جاتے تھے (۵۸۳)۔

آخر عمر میں آبائی وطن خراسان میں رہ کر عبادت الہی، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے لیے صرف کر دی۔ امام حاکم کے مطابق آپ نے صحیحین اور جامع ترمذی پر فوائد علمیہ کا اضافہ کیا (۵۸۴)۔ اپنے دور کے فن حدیث کے امام اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ شروط صحیح، اسامی اور کنی کی معرفت میں سب پر مقدم سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے ۹۳ سال کی عمر میں ۳۷۸ھ کو وفات پائی (۵۸۵)۔ آپ کی تصانیف میں سے ایک اہم تصنیف ”کتاب الکُنّی“ ہے۔ یہ کتاب چودہ مجلدات پر مشتمل ہے۔ یہ بہت عمدہ کتاب ہے۔ اس میں دوسری کتب سے زائد مواد موجود ہے۔ حافظ ذہبی نے اس کتاب کو از سر نو حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا اور اس کا نام ”المقتنی فی سرد الکُنّی“ رکھا (۵۸۶)۔

۵۔ کتاب الکنى والاسماء:

تعارف مصنف و کتاب:

ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری امام کبیر اور عظیم حافظ حدیث تھے۔ آپ ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ احادیث کی تلاش میں مختلف اسلامی بلاد و امصار میں گھومے پھرے (۵۸۷)۔ آپ کی امامت و جلالت اور مہارت و حذاقت پر علماء کا اجماع ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل آپ کی کتاب صحیح مسلم ہے۔ اس کے علاوہ متعدد تصانیف ہیں۔ اسماء الرجال پر بھی انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ”کتاب الکنى والاسماء“ ہے۔ آپ رحمہ اللہ نے ۲۶۱ھ میں وفات پائی (۵۸۸)۔

۶۔ الکنى والاسماء:

تعارف مصنف و کتاب:

یہ کتاب رے کے مشہور حافظ حدیث ابو البشر محمد بن احمد بن حماد بن بن سعید بن مسلم انصاری، الدولابی کی ہے۔ آپ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ انہوں نے ۳۱۰ھ میں وفات پائی (۵۸۹)۔ یہ کتاب دو اجزاء پر مشتمل ہے اس کے ابتداء میں رسول اللہ ﷺ کے نام، کنیت اور آپ کے ہم نام کنیت رکھنے کی ممانعت وغیرہ عنوانات کے تحت تفصیلات جمع کی ہیں اور احادیث و اقوال کو سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پھر ان صحابہ کرام کے کنیتوں کو بیان کیا ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی اور وہ کنیت سے بھی معروف تھے انہیں مستقل عنوان کے تحت بیان کیا ہے مثلاً ”کنیۃ سعد بن ابی وقاص“ (۵۹۰)۔ پھر ان تمام صحابہ کرام کے کنیتوں کے متعلق احادیث و اقوال کو سند کے ساتھ ابواب کی شکل میں بیان کیا ہے۔ لفظ باب کی بجائے ”من ابتداء کنیتہ...“ استعمال کیا ہے۔ مثلاً ”من ابتداء کنیتہ ت“ اور حروف تہجی کا لحاظ رکھتے ہوئے جمع کیا ہے (۵۹۱) اور تابعین میں سے بھی جو کنیت سے معروف تھے ان کو بھی اسی ترتیب سے جمع کیا ہے لیکن ان کے لیے لفظ باب استعمال کیا ہے۔ مثلاً باب الغین (۵۹۲)۔ اس کتاب کی اطراف حدیث کو مولانا برق توحیدی نے ”مفتاح الہدی لاحادیث الکنى“ کے نام سے جمع کیا ہے اور اس میں حروف تہجی کا لحاظ رکھا ہے (۵۹۳)۔

۷۔ الاسامی من یعرف بالکنی:

تعارف مصنف و کتاب:

آپ کی کنیت ابو حاتم، نام محمد بن حبان اور بست مقام کی نسبت کی وجہ سے البستی مشہور ہے۔ تحصیل علم کے لیے مصر سے خراسان تک تمام شہروں کا سفر کیا۔ اور ابو عبد الرحمن نسائی، ابویعلیٰ موصلی اور ابوبکر بن خزیمہ جیسے نامور محدثین سے استفادہ کیا (۵۹۴)۔ کچھ عرصہ سمرقند اور نساء میں قضاء عہدہ پر فائز رہے (۵۹۵)۔ ۳۴۰ھ میں واپس اپنے وطن خراسان آ کر درس و تدریس شروع کیا تو آپ سے پڑھنے کے لیے طلبہ کے قافلے مختلف شہروں سے آئے تھے (۵۹۶)۔

امام حاکم فرماتے ہیں: ”ابن حبان لغت اور حدیث میں علم کا خزانہ تھے“ (۵۹۷)۔ آپ نامور شاگردوں میں امام حاکم، منصور بن عبد اللہ خالدی، ابو معاذ عبد الرحمن بن محمد بن رزق اللہ، ابو الحسن محمد بن احمد بن ہارون زوزنی، محمد بن احمد بن منصور نوقانی شامل ہیں (۵۹۸)۔

درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ تصنیف و تالیف میں بھی پیش پیش تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں ”صاحب تصانیف“ (۵۹۹)۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں سے ایک مقید تصنیف ”الاسامی من یعرف بالکنی“ ہیں۔ انہوں نے یہ کتاب ان راویوں کی کنیتوں کے بارے میں لکھی ہے جو راویان حدیث اپنے نام کے ساتھ معروف تھے۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے اور بہت عمدہ کتاب ہے۔ ابن حبان نے ۳۵۴ھ میں وفات پائی (۶۰۰)۔

۸. الاکمال فی رفع الارتياب عن المؤتلف والمختلف فی الاسماء الکنی والانساب:

تعارف مصنف و کتاب:

حافظ امیر ابو نصر علی بن ہبہ اللہ بن جعفر بغدادی (۴۲۱ھ - ۴۷۵ھ) یہ ابن ماکولا کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی یہ کتاب نہایت مفید ہے (۶۰۱)۔ مؤرخ ابن خلکان نے اس کو بے نظیر کتاب قرار دیا ہے (۶۰۲)۔ اس کتاب کو تصنیف کرتے وقت مصنف نے عبد الغنی ازدی اور خطیب بغدادی کہ کتب کو پیش نظر رکھا ہے۔ مصنف اپنی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب میں نے خطیب احمد بن علی بن ثابت کی کتاب ”تکلمة المؤتلف والمختلف“ اور دوسرے مصنفین کی کتب کو دیکھا تو ان میں بکثرت اغلاط پائیں۔ انہوں نے بعض لوگوں کی نسبتیں غلط بیان کیں۔ کئی ایک کا ذکر

نہیں کیا اور بعض کا تعارف مشکوک کر دیا۔ یہ دیکھ کر میں نے ایک جامع اور درست کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے اس کام کا آغاز حصول ثواب و قبولیت کی نیت سے کیا۔ اور میں نے اس کتاب کو حروف معجم کی ترتیب سے مرتب کیا ہے۔ ابواب کا آغاز اسی سے کیا۔ پھر کنیتوں اور آباؤ اجداد کی نسبت کا لحاظ رکھا۔ اسی طرح میں نے رواۃ، امراء اور اشراف کا لحاظ رکھا ہے (۶۰۳)۔

مصنف مزید لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے میں نے صحابہ، پھر تابعین اور اتباع تابعین کا ذکر کرنے کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے لوگوں کا تعارف کر دیا ہے (۶۰۴)۔

ابن ماکولا اپنے تحقیقی کام کے اوصاف بیان کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ دارقطنی، خطیب بغدادی اور ابن سعید ازدی کی کتب میں جن باتوں میں اضطراب تھا، میں نے ان کی تحقیق کی اور ان حضرات کے اوہام کی تصحیح کی۔ مجھے اس فن پر تصنیف میں اولیت کا دعویٰ ہے اور نہ ہی اسلاف کی برابری کا گمان۔ مگر میں یہ کہتا ہوں کہ میں نے اپنے پیش رو علماء کی پیروی کی ہے (۶۰۵)۔

کتاب الاکمال کا ذیل (ضمیمہ) حافظ ابو بکر محمد بن عبدالغنی بغدادی نے ”اکمال الاکمال“ کے نام سے لکھا تھا۔ اس کتاب (ضمیمہ) کا تکملہ اکمال الکمال فی الانساب والاسماء ولا سباب کے نام سے شیخ جمال الدین ابو حامد محمد بن علی ابن الصابونی (م ۶۸۰ھ) نے تحریر کیا جو کہ ابن ماکولا کی الاکمال کی ساتویں جلد کے ساتھ شائع ہوا ہے جو کہ ۴۳ صفحات پر مشتمل ہے (۶۰۶)۔

۹. تحفة ذوی الارب فی مشکل الاسماء والنسب:

یہ کتاب ابن خطیب الدہشہ محمد بن احمد ہمدانی (۵۰۷ھ-۸۳۴ھ) کی ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو ۸۰۴ھ میں تالیف کیا تھا (۶۰۷)۔

۱۰۔ الکئی:

اس نام کی امام نسائی اور عبدالرحمن بن ابی حاتم وغیرہ کی کتابیں ہیں (۶۰۸)۔

۱۱۔ الاستغناء فی معرفۃ الکئی:

ابن عبدالبر (ت ۴۶۳ھ)۔

۱۲۔ اللمنی فی الکئی:

حافظ سیوطی (ت ۹۱۱ھ)۔

معرفۃ الالقاب

تعریف :

القباب، لقب کی جمع ہے۔ لقب اس صفت کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے کوئی شخص مشہور ہو جائے۔ خواہ وہ اچھے معنی پر دلالت کرے یا برے معنی پر دلالت کرے (۶۰۹)۔ بعض محدثین اور راویان حدیث القباب سے مشہور ہیں۔ اس لیے ان کے اصل نام معلوم کرنے کے لیے اور لقب کا صحیح تلفظ واضح کرنے کو معرفۃ الالقاب کہتے ہیں۔ اس کے دو فائدے ہیں: ۱۔ بعض لقب سے مشہور ہوتے ہیں کوئی شخص لقب کو نام نہ سمجھ بیٹھے اور جس شخص کا کبھی نام ذکر ہوتا ہو لوگ نام کو لقب نہ سمجھ لیں کبھی لقب اور نام الگ ہوتے ہیں تو اس پر دو شخصوں کا گمان نہ ہو۔ ۲۔ وہ سبب معلوم ہو جائے جس کی بناء پر وہ شخص اس لقب سے مشہور ہو۔ کیونکہ لقب کے معنی کبھی کبھی اچھے نہیں ہوتے۔ اس لیے اسباب جاننا ضروری ہے (۶۱۰)۔ القباب کی دو قسمیں ہیں:

الف: ایک وہ جو صاحب لقب کو پسند ہو۔ اور اس کی عظمت پر دلالت کرے جیسے زین العابدین۔
ب: دوسرے وہ جو صاحب لقب کو پسند ہو یا نہ ہو اور اس کی صفت معلوم رہے انف الناقۃ (۶۱۱)۔
مثالیں:

- ۱۔ الفضال: جس کے معنی گمراہ کے ہیں۔ یہ معاویہ بن عبدالکریم کا لقب ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ کے راستے میں بھول گئے تھے۔
- ۲۔ الضعیف: اس کے معنی کمزور کے ہیں یہ عبداللہ بن محمد کا لقب الضعیف تھا۔ وہ جسمانی طور پر کمزور تھے۔ حدیث میں نہیں (۶۱۲)۔ عبدالغنی بن سعید فرماتے ہیں ”ووجلیل القدر آدمیوں کے ساتھ قبیح لقب لگ گئے ہیں۔ ایک الفضال دوسرا الضعیف“ (۶۱۳)۔
- ۳۔ عندر: مجازی لغت میں اس کے معنی ہیں ”شور مچانے والا“ اور یہ محمد بن جعفر البصری کا لقب ہے جو کہ شعبۃ بن الحجاج کے ساتھی تھے۔ اس لقب کا سبب یہ ہوا کہ وہ ابن جریج

- کے پاس آئے تو انہوں نے شور مچایا تو ابن جریج نے فرمایا کہ ”اسکت یا غندر“ (۶۱۴)۔
- ۴۔ مشکداتہ: عبداللہ بن عمر الاموی کا لقب ہے۔ فارسی کا لفظ ہے۔ جس کا معنی ہے مشک کا دانہ یا مشک رکھنے کا برتن (۶۱۵)۔
- ۵۔ مطین: ابو جعفر محمد بن عبداللہ بن سلیمان الکوفی الحضرمی کا لقب ہے۔ جب وہ بچے تھے تو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ بچے مٹی لا کر ان کی پیٹھ پر مل رہے تھے۔ مٹی کو عربی میں طین کہتے ہیں۔ ابو نعیم دکین وہاں سے گزر رہے کہنے لگے ”اے مطین تم علم کی مجلس میں کیوں نہیں بیٹھتے“۔ چنانچہ ان کا یہ لقب پڑ گیا (۶۱۶)۔
- ۶۔ غنجار: رخساروں کی سرخی کی وجہ سے۔ عیسیٰ بن موسیٰ تیمی کا لقب تھا۔
- ۷۔ صاعقہ: حافظ محمد بن ابراہیم، استاد بخاری کا لقب تھا۔ ان کی قوت حفظ و یاد کی وجہ سے یہ لقب دیا گیا (۶۱۷)۔

القاب پر مشتمل کتب:

- ۱۔ نزہۃ الالباب: یہ حافظ ابن حجر کی کتاب ہے۔ آپ کی تالیفات کی تعداد ۱۵۰ سے بھی زائد ہے (۶۱۸)۔ القاب پر آپ کی سب سے عمدہ تصنیف ”نزہۃ الالباب“ ہے (۶۱۹)۔ بعد ازاں آپ کے شاگرد سخاوی (ت ۹۰۲ھ) نے اس میں مفید اضافے بھی کیے ہیں اور الگ مستقل کتاب بنادی جس کا نام ”عمدة الاصحاب فی معرفة الالقاب“ رکھا۔ آپ ۸۵۲ھ میں فوت ہوئے۔
- ۲۔ کتاب الاسماء والالقاب: ابو الفرج بن الجوزی (م ۵۹۷ھ)۔
- ۳۔ کتاب الالقاب والکنی: ابو بکر احمد بن عبدالرحمن (م ۴۰۷ھ)۔
- ۴۔ کتاب مجمع الآداب فی مجتم الاسماء والالقاب: ابو الولید القرظی محدث اندلس۔
- ۵۔ فتح الباب فی الکنی والالقاب: محمد بن اسحاق ابن مندہ (۳۱۵ھ-۳۵۵ھ) (۶۲۰)۔
- ۶۔ الکنی فی الکمال فی معرفة الرجال: ابو الفضل علی بن الحسین (م ۴۰۷ھ یا ۴۲۷ھ)۔
- ۷۔ عمدة الاصحاب فی معرفة الالقاب، سخاوی (م ۹۰۲ھ)۔
- ۸۔ کشف النقاب عن الالقاب، سیوطی (م ۹۱۱ھ) (۶۲۱)۔
- عبدالغنی بن سعید الازدی المصری (م ۴۰۹ھ) اور ابو الولید ابن الدباغ یوسف بن عبدالعزیز الاندلسی (م ۵۴۶ھ) نے بھی القاب پر کتابیں لکھی ہیں۔



علم الطبقات

لغوی مفہوم:

لغوی اعتبار سے لفظ ”طبقة“ میں کسی جماعت یا گروہ کے لوگوں کے درمیان موافقت، مطابقت، انضمام، مناسبت، تشابہت یا درجہ اور مرتبت کا مفہوم پایا جاتا ہے (۶۲۲)۔ طبقات، طبقہ کی جمع ہے۔ جب اسم زماں کے طور پر آئے تو نسل کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن اسم مکاں میں ایک جیسے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ طبقات میں لوگوں کے ایسے گروہ کا تذکرہ ہوتا ہے جن میں زمانہ، نسل، علاقہ، رقبہ، شیوخ یا کسی اور لحاظ سے موافقت و مطابقت ہو۔

اصطلاحی مفہوم:

محدثین کے نزدیک طبقہ سے مراد ہے۔ ”هم القوم المتشابهون في السن وفي الشيوخ الذين اخذوا عنهم العلم“ (۶۲۳) (علماء کا، ایسا گروہ جو ہم عصر اور شیوخ کے اعتبار سے متشابہ ہو جن سے انہوں نے علم (حدیث) اخذ کیا ہو)۔

طبقہ کی عصری تحدید:

امام ہجری نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں طبقہ بیس سال کا ہوتا ہے (۶۲۴)، جبکہ امام بخاری اور امام ذہبی نے طبقہ کا لحاظ دس سال کے اعتبار سے کیا ہے (۶۲۵)۔ امام حاکم نے طبقہ سے لوگوں کے مراتب میں اختلاف مراد لیا ہے۔ انہوں نے صحابہ کے آپس میں مقام و مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں بارہ طبقات میں تقسیم کیا ہے جس میں قبول اسلام میں سبقت، ہجرت نیز غزوات وغیرہ میں آپ ﷺ کی معیت کو مد نظر رکھا گیا ہے جبکہ تابعین کو پندرہ طبقات میں منقسم کیا ہے (۶۲۶)۔ اسی طرح ابن سعد نے صحابہ کرام کے تین اور تابعین کے چار طبقے گردانے ہیں (۶۲۷)۔

طبقات کے مراتب:

تقریب التہذیب میں امام ابن حجر نے طبقات کی درج ذیل اعتبار سے درجہ بندی کی ہے:

- ۱۔ استاد اور شاگرد کے درمیان ملاقات کے اعتبار سے۔
- ۲۔ پیدائش کے اعتبار سے۔
- ۳۔ وفات کے اعتبار سے۔
- ۴۔ عمر کے اعتبار سے۔
- ۵۔ زمانے/عہد کے اعتبار سے۔
- ۶۔ سن طلب کے اعتبار سے (صغریٰ میں کثیر شیوخ سے ملاقات کرنے یا کبریٰ میں ملاقات کے اعتبار سے) (۶۲۸)۔ مراتب کے ساتھ ساتھ زمانے کے لحاظ سے امام ابن حجر نے طبقات کی درج ذیل تقسیم کی ہے:

- | | |
|---------------|--|
| پہلا طبقہ: | اپنے اپنے مرتبے کے لحاظ سے صحابہ کرام۔ |
| دوسرا طبقہ: | کبار تابعین، جیسے ابن مسیب رحمہ اللہ، اگر مخضرمی ہو تو صراحت کر دی ہے۔ |
| تیسرا طبقہ: | درمیانہ طبقہ کے تابعین۔ جیسے حسن بصری رحمہ اللہ اور ابن سیرین رحمہ اللہ وغیرہ۔ |
| چوتھا طبقہ: | وہ تابعین جنہوں نے کبار تابعین سے روایت کی ہو جیسے زہری یا قتادہ۔ |
| پانچواں طبقہ: | چوتھے طبقے سے چھوٹے تابعین جنہوں نے ایک یا دو صحابہ کو دیکھا مگر ان کا صحابہ سے سماع ثابت نہ ہو جیسے اعمش۔ |
| چھٹا طبقہ: | وہ رواۃ جو پانچویں طبقہ کے ہم عصر ہوں مگر ان کی صحابہ سے ملاقات نہ ہوئی ہو، جیسے ابن جریج رحمہ اللہ۔ |
| ساتواں طبقہ: | کبار تبع تابعین جیسے امام مالک رحمہ اللہ، امام ثوری رحمہ اللہ۔ |
| آٹھواں طبقہ: | درمیانہ طبقہ کے تبع تابعین جیسے ابن عیینہ، ابن علیہ۔ |
| نواں طبقہ: | صغار تبع تابعین جیسے امام شافعی، ابوداؤد الطیالسی، عبدالرزاق۔ |
| دسواں طبقہ: | تبع تابعین سے روایت کرنے والے کبار رواۃ جو تابعین سے نہیں ملے جیسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ۔ |

- | | |
|----------------|---|
| گیارہواں طبقہ: | دسویں طبقہ کے درمیانہ درجے کے رواۃ جیسے امام ذہلی، امام بخاری۔ |
| بارہواں طبقہ: | تبع تابعین سے روایت کرنے والے چھوٹے راوی جیسے امام ترمذی (۶۲۹)۔ |
- ان میں سے پہلے اور دوسرے طبقہ کے رواۃ کا تعلق سن ۱۰۰ ہجری سے قبل زمانہ سے ہے۔ جبکہ تیسرے سے آٹھویں طبقہ تک کا زمانہ سن ۱۰۰ ہجری کے بعد کا ہے، اسی طرح نویں سے لے کر

بارہویں طبقے کا تعلق سن ۲۰۰ ہجری کے بعد سے ہے۔ امام ابن حجر نے جس وقت نظر اور باریک بینی سے طبقہ کے مراتب اور ان کی درجہ بندی کی ہے اس سے ان کی علم طبقات میں مہارت اور درک کا اظہار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں ”امیر المؤمنین فی علم طبقات الرجال“ کہا گیا ہے (۶۳۰)۔

طبقات کا تعلق علوم الحدیث میں نقد اسناد سے ہے۔ اسے اگر علم اسماء الرجال کی تاریخ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ جس میں رواۃ کے حالات بیان کر کے اس کا طبقہ متعین کیا جاتا ہے جو علم تاریخ کا وظیفہ نہیں ہے۔ ثقاہت حدیث پر خارجی بحث میں علم اسماء الرجال کو بہت زیادہ اہمیت کے باعث اسے نصف علم حدیث گردانا گیا ہے۔ فن جرح و تعدیل بھی اسماء الرجال کی جانچ پڑتال کی ایک شاخ ہے۔ ان علوم کے باہمی ارتباط و تعلق سے ہمیں علم طبقات کی علوم الحدیث میں اہمیت و مقام کا پتہ چلتا ہے۔ درج ذیل چند مثالیں علم طبقات کے فوائد اور اس کی اہمیت پر شاہد عدل ہیں۔

(الف) علم طبقات کے ذریعے ہم نام رواۃ میں تمیز کرنا:

طبقات رواۃ کی معرفت سے ہی یہ چیز ممکن ہو سکتی ہے کہ متشابہ اور ایک جیسے ناموں کے رواۃ میں تمیز کی جاسکے۔ ایک مثال سے اس کی اہمیت واضح ہوگی۔

کوفہ میں اسماعیل بن ابان نام کے دو ہم عصر راوی تھے۔ ایک اسماعیل بن ابان الوراق الازدی (م ۲۱۶ھ) ہے جبکہ دوسرا اسماعیل بن ابان (م ۲۱۰ھ) الغنوی ان میں سے الوراۃ ثقہ راوی اور امام بخاری کے شیوخ میں سے ہے جبکہ دوسرا راوی الغنوی کذاب اور وضاع ہے (۶۳۱)۔ ان دونوں سے حافظ یعقوب ابن ابی شیبہ بن الصلت البغدادی (م ۲۶۲ھ) روایت کرتا ہے۔ روایت میں ان دونوں کے درمیان تمیز کرنے کے لیے ہمیں علم الطبقات کا مرہون منت ہونا پڑے گا۔ جس سے ان کے شیوخ کا تعین ہوگا نیز ان سے روایت کرنے والے طبقہ سے بھی ان کی وضاحت ہوگی۔

(ب) تاریخی اعتبار سے غلطیوں کی تصحیح:

ابو القاسم الطبرانی (۲۶۰ھ-۳۶۰ھ) نے بعض روایتیں ابو بکر احمد بن عبد اللہ بن عبد الرحیم بن البرقی سے روایت کی ہیں (۶۳۲)۔ محدثین نے اسے طبرانی کا وہم گردانا ہے کیونکہ جب ۲۷۰ھ میں البرقی مصر میں فوت ہوئے تو طبرانی ابھی فلسطین میں اپنی بچپن کی عمر کو پہنچے تھے اور تحصیل علم کا مرحلہ اس کے بعد طے کیا تھا۔ ان کے شیوخ کے طبقہ میں البرقی کے بھائی عبد الرحیم بن البرقی (م ۲۸۶ھ) ہیں۔ طبرانی نے ان سے سنا اور گمان کیا کہ وہ احمد بن عبد اللہ البرقی ہیں۔

(ج) سند میں وارد غیر منسوب راوی کا تعین:

بعض دفعہ سند میں راوی کو اس کی کنیت یا صرف نام سے ذکر کیا جاتا ہے جس سے صراحتاً اس کا تعین نہیں ہو پاتا تو طبقات رواۃ کی مدد سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ سفیان بن سعید الثوری (۹۷ھ-۱۶۱ھ) اور سفیان بن عیینہ (۱۰۷ھ-۱۹۸ھ) نے اکثر ایک ہی سلسلہ شیوخ سے روایت کی ہے۔ اور اسناد میں سفیان کے نام کا تعین نہیں ہو پاتا کہ دونوں میں سے کون ہے۔ اس کی وضاحت یوں ہوتی ہے کہ امام ثوری نے ابن عیینہ کے مقدم طبقہ سے اخذ کیا ہے جنہیں ابن عیینہ نے نہیں پایا۔ جیسا عمرو بن مرة اور زبید الیامی وغیرہ۔ اسی طرح ابن عیینہ امام ثوری سے ۳۷ سال بعد تک زندہ رہے اور ان سے محدثین کے دو طبقات نے اخذ کیا ہے اور انہوں نے امام ثوری سے روایت نہیں کیا چنانچہ جب امام احمد اور ان کے طبقہ کے محدثین اپنی روایت میں بغیر وضاحت کے سفیان کے نام سے روایت کریں تو اس سے مراد ابن عیینہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب عبداللہ بن مبارک، یحیی القطان، وکیع، ابو نعیم الفضل بن زکین وغیرہ ”حدثا سفیان“ کہیں تو اس سے مراد سفیان ثوری ہیں جبکہ سفیان بن عیینہ کو ان کے والد کی نسبت سے روایت کرتے ہیں (۶۳۳)۔

علم طبقات کے ذریعے کذاب اور متروکین کی نشاندہی:

علم طبقات کے ذریعے کذاب اور ضعیف و متروک رواۃ کی اغلاط کی نشاندہی بڑی آسانی سے ہو جاتی ہے کہ جب ایک راوی ایک طبقہ کے راوی سے روایت کر رہا ہو اور پھر اس سے ایک طبقہ آگے جا کر روایت شروع کر دے یا دونوں کو اکٹھا ملا دے مثلاً

- امام حاکم، ابو زرہ اور خطیب البغدادی نے احمد بن علی الحسن بن شاذان نیشاپوری (م ۳۵۰ھ) کو کذاب گردانا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا امام ابو عیسیٰ الترمذی (م ۲۷۹ھ) اور ابو حاتم الرازی (م ۲۷۷ھ) سے سماع بالکل صحیح ہے۔ یہ دونوں احمد بن علی نیشاپوری کے طبقہ سے ہیں۔ لیکن پھر ابن شاذان اس سے آگے بڑھتے ہوئے جب مسلم بن حجاج (م ۲۶۱ھ) اور احمد بن ازھر (م ۲۶۳ھ) سے بھی سماع کا دعویٰ کرتا ہے تو نقاد فوراً اس کے کذب کو آشکار کر دیتے ہیں (۶۳۴)۔ اسی طرح وکیع سے روایت ہے کہ انہوں نے غالب بن عبید اللہ الجزری سے ایک حدیث کے بارے سوال کیا۔ اس نے بیان کیا کہ ”حدثنا سعید بن المسیب والاعمش“ وکیع کہتے ہیں کہ میں نے اسے چھوڑ دیا اور اس سے نہ پوچھا (۶۳۵)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی روایت

میں اعمش اور سعید بن المسیب سے سماع کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ سعید بن المسیب تو اعمش کے شیوخ کے طبقہ سے ہیں اور اعمش نے نہ انہیں پایا ہے نہ ان سے سنا ہے کیونکہ وہ سعید بن مسیب کی زندگی میں کوفہ میں تھا۔ چنانچہ امام وکیع نے فوراً اس حقیقت کو پایا اور اس کی روایت کو ترک کر دیا۔

— اخبار اور نقل میں خلط ملط ہونے کی نشاندہی:

المزی نے بیان کیا ہے کہ ”اعمش نے ابو بکرۃ کی رکاب تھامی“ یہ کیسے ممکن ہے کہ پانچویں طبقہ کے اعمش دوسرے طبقہ کے ابو بکرۃ کو پالیں۔ ان کی تو پیدائش ہی ابو بکرہ کی وفات کے بعد ہوئی (۶۳۶)۔

کتب طبقات:

دوسری صدی ہجری کے ابتداء تک تدوین حدیث اور مجموعہ احادیث کے حوالے سے بعض اہم کتب منظر عام پر آ چکی تھیں مگر علم الرجال کے حوالے سے کسی تصنیف کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی اس کی ایک وجہ تو تقصیر سند تھی اور دوسری وجہ شیوخ محدثین کا معروف ہونا تھا کہ ہر عام و خاص انہیں جانتے تھے لیکن دوسری صدی کے اختتام تک جب اسلامی حکومت کی سرحدیں وسیع ہوئیں وہیں محدثین نے رحلات علمیہ سے دور دراز کے علماء سے اکتساب کیا۔ اس وقت اس بات کی ضرورت سامنے آئی کہ رجال حدیث کے اسماء و احوال کو ضبط تحریر میں لایا جائے۔ اس وقت کتب طبقات کو احاطہ تحریر میں لانے کا آغاز ہوا۔ اس ضمن میں ہم تک پہنچنے والی کتب طبقات تین طرح کی ہیں:

اول: ایسی کتب طبقات جس میں تمام علاقوں کے رجال کا تذکرہ ملتا ہے۔ جیسے طبقات ابن سعد یا طبقات خلیفہ بن خیاط وغیرہ۔

دوم: ایسی کتب جس میں کسی خاص شہر یا ایک علاقہ کے محدثین کا ذکر کیا گیا ہو جیسے طبقات الشامیین لابن زرعہ الدمشقی، طبقات المحدثین باصمہان لابن الشیخ الاصمہانی۔

سوم: ایسی کتب جس میں بعض مشہور محدثین کے شیوخ یا رجال یا معرفۃ الاخوان والاخوات کا تذکرہ کیا گیا ہو جیسے شیوخ مالک لمسلم بن حجاج یا رواۃ عن مالک“ خطیب بغدادی وغیرہ (۶۳۷)۔ چند اہم کتب طبقات کا تعارف پیش خدمت ہے۔

۱۔ طبقات الفقہاء والمحدثین: ابھیثم بن عدی بن عبدالرحمن الطائی الشعلی الکونی (۱۱۳)۔

۲۰۷ھ) اسے علم الطبقات میں خصوصاً اور علم الرجال میں عمومی طور پر ابتدائی کتب میں شمار کیا جاتا

ہے (۶۳۸)۔ اب اس مفقود کتاب کا تذکرہ صرف کتابوں میں ہی ملتا ہے۔ اس میں سے صرف ابو بکر الخطیب کی ”تاریخ بغداد“ میں منقول ۲۳ نصوص اس کتاب کے ایک حصہ کو زندہ رکھے ہوئے ہے (۶۳۹)۔

الھیشم بن عدی کی طبقات الصحابہ میں بھی ایک کتاب ہے (۶۴۰)۔

کتاب الطبقات:

محمد بن عمر بن واقد الواقدی (۱۳۰-۲۰۷ھ)۔ مغازی اور حدیث کے کبار علماء میں شمار کیے جانے والے الواقدی نے رجال میں کئی ایک کتب تصنیف کی ہیں۔ اس میں اس کی کتاب الطبقات بھی ہے (۶۴۱) جو کہ اپنے فن میں ایک ممیز تصنیف گردانی جاتی ہے جس سے بہت سے اہل علم مستفید ہوئے۔

الطبقات الکبریٰ:

محمد بن سعد بن منیع البغدادی کاتب الواقدی (۱۶۸-۲۳۰ھ) طبقات ابن سعد کے نام سے معروف اس جامع کتاب نے اہل علم کے ہاں بہت شہرت و مقام حاصل کیا ہے۔ ابن سعد بصرہ میں پیدا ہوئے۔ مدینہ منورہ میں الواقدی کی صحبت سے بہت زیادہ مستفید ہونے پر ”کاتب الواقدی“ سے ملقب ہوئے۔ ابن سعد سے واقدی سے مغازی، سیر اور رجال میں بہت زیادہ اخذ کیا ہے۔ واقدی کے علاوہ دیگر اہل انساب اور مؤرخین جیسے هشام بن الکلسی، الھیشم بن عدی سے بھی روایت کیا ہے، تین ہزار سے زائد صحابہ و تابعین کے تذکرہ کا احاطہ کرنے والی طبقات الکبریٰ کی پہلی جلد سیرت الرسول ﷺ مشتمل ہے۔ کتاب کی ایک خاص بات اس کی آخری جلد تذکرہ خواتین کے لیے مختص ہے۔ سب سے پہلے یہ کتاب ۱۹۰۳-۱۹۰۷ء میں مستشرق سخاؤ اور دیگر مستشرقین کی کاوشوں سے منظر عام پر آئی۔ بعد میں مصر اور بیروت سے چھپی ہے (۶۴۲)۔

کتاب الطبقات:

ابو عمرو خلیفہ بن خیاط البصری (۱۶۰-۲۴۰ھ) آٹھ اجزاء پر مشتمل کتاب الطبقات، ابو عمرو خلیفہ بن خیاط المعروف بشار کی بہت اہم اور وقیع تصنیف ہے۔ علم الطبقات میں اسے ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس کتاب کی سب سے اہم خوبی انساب کا خاص طور پر اہتمام ہے۔ مؤلف نے کتاب کی ابتداء میں ان شیوخ کا تذکرہ کیا ہے جن سے اس نے اخذ کیا تھا۔ علم الانساب پر بعض

احادیث اور روایات ذکر کرنے کے بعد سب سے پہلے رسول اکرم ﷺ کے نسب کو ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد مدینہ کے صحابہ کرام کا تذکرہ ہے۔ ان کے بعد وہ صحابہ جو کوفہ میں آباد ہوئے ان کے نسب کا ذکر کیا ہے۔ بعد ازاں تابعین کو گیارہ طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ طبقات کوفہ کے تذکرہ کے بعد طبقات بصرہ پھر اہل مدینہ (جس میں صحابہ کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ ان کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے) بعد ازاں اہل مکہ، پھر اہل طائف، پھر اہل یمن، اہل یمامہ، مصر، شام پھر اہل موصل و خراسان اور رے اور واسط اور بغداد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب پہلے دمشق سے ۱۹۶۶ء میں ڈاکٹر سہیل زکا کی تحقیق سے شائع ہوئی پھر بغداد سے ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی تحقیق انیق سے چھپی ہے (۶۳۳)۔

الطبقات:

امام مسلم بن حجاج نیشاپوری (م ۲۶۱ھ)۔

الطبقات، امام مسلم بن حجاج کی ایک چھوٹی سی کتاب ہے جسے مصنف نے صرف صحابہ اور تابعین کے تذکرہ تک ہی محدود رکھا ہے۔ اس میں انہوں نے صحابہ کا ایک طبقہ جبکہ تابعین کے تین طبقات بنائے ہیں۔ امام مسلم نے صحابی کا تابعین سے امتیاز کیا ہے اور ان کے بلاد کی تحدید کی ہے۔ جس سے علم طبقات میں کسی راوی کے تذکرہ کے تعیین میں بہت مدد ملتی ہے (۶۳۴)۔

مشاہیر علماء الامصار:

ابو حاتم ابن حبان

اس میں ابن حبان نے مشہور معروف اہل علم کے بلاد اور طبقات کے لحاظ سے تراجم قلم بند کیے ہیں۔ مصنف نے رواۃ احادیث کو چار طبقات میں منقسم کیا ہے۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین سے روایت کرنے والے اس طرح بلاد اسلام کو چھ اقالیم میں تقسیم کیا ہے۔ اس کتاب میں بہت سے ادہام و تاریخی اغلاط پائے جاتے ہیں (۶۳۵)۔ خاص شہر یا علاقہ کے لحاظ سے لکھی جانے والی بعض کتب طبقات کا تعارف پیش خدمت ہے۔

طبقات الشامیین:

حافظ ابو القاسم محمود بن ابراہیم بن محمد بن عیسیٰ بن القاسم بن سمیع الدمشقی (م ۲۵۹ھ)۔

ابن سمیع کی یہ بہت معروف کتاب ہے جس کا امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ذکر کیا ہے (۶۳۶)۔ تاریخ دمشق میں اس کی بہت سی نقل کی گئی ہیں۔

طبقات علماء افریقیہ:

حافظ ابو العرب محمد بن احمد بن تمیم التیمی القیرانی۔ طبقات افریقیہ کے بارے لکھی جانے والی کتب میں سے سب سے زیادہ وسیع اور پہلے لکھی جانے والی کتاب ابو العرب کی ”طبقات علماء افریقیہ“ ہے۔ یہ حافظ ابو عبد اللہ محمد بن حارث بن اسد النخشی القروی نزیل اندلس کی روایت سے ہم تک پہنچی ہے۔ جس پر اس کے حواشی اور زیادات بھی ہیں۔

طبقات علماء افریقیہ سات اجزاء پر مشتمل ہے۔ اہل قیروان کے حالات پر مشتمل ہے تین اجزاء ابو العرب کے جبکہ اگلے تین اجزاء ابن حارث کی تالیف ہیں۔ ساتواں جزء پھر ابو العرب کا تحریر کردہ ہے۔ جس میں علماء تونس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں افریقہ کے فضائل کے بارے باطل اور موضوع روایات نے بھی جگہ پائی ہے۔ سب سے پہلے ۱۹۱۲ء میں علامہ محمد العربی بن ابی نشیب الجزائری (م ۱۳۴۷ھ) کی تحقیق سے شائع ہوئی (۶۴۷)۔

طبقات اہل کوفہ:

ابو جعفر محمد بن عثمان بن ابی شیبہ العبسی (م ۲۹۷ھ)۔
حافظ المزنی نے سلیمان بن عبد الرحمن مولیٰ بن اسد کے ترجمہ میں اس کتاب سے نقل کیا ہے (۶۳۸)۔

طبقات احمد ثنین باصہان والواردین علیہا:

حافظ ابو الشیخ عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الاصہانی (۲۷۲ھ-۳۶۹ھ)۔ ۱۶۵ صفحات پر مشتمل اس کا ایک نسخہ مکتبہ الظاہریہ دمشق میں موجود ہے جو ابو صالح عبید اللہ بن عمر بن عبد الرحیم الحنبلہ کے خط سے ہے۔

مقدمہ میں اصہان کی فضیلت اور اس کو دوسرے علاقوں سے ممتاز کرنے والی باتوں کا تذکرہ ہے۔۔۔ پھر پہلے طبقہ میں ان صحابہ کا تذکرہ ہے جنہوں نے اصہان کی فتح میں حصہ لیا۔ دوسرے طبقہ میں ان کبار تابعین کا تعارف کروایا گیا ہے جو یہاں داخل ہوئے ان میں سب سے پہلے اخف بن قیس کا تذکرہ ہے۔ پھر درجہ بدرجہ ذکر کرتے ہوئے گیارہ طبقات قلم بند کیے گئے ہیں۔

مصنف نے بعض جگہ پر مقدم اور متاخر کا خیال نہیں رکھا جیسے بشر بن الحسین کو تیسرے طبقہ

میں ذکر کیا جبکہ مبارک بن فضالہ اور الیث بن سعد کو چوتھے طبقہ میں ذکر کیا ہے جبکہ دونوں اس سے بڑے اور سماع میں مقدم ہیں۔ یہ کتاب بیروت سے دو دفعہ طبع ہو چکی ہے (۶۳۹)۔ یہ مضمون درج ذیل کتب سے اخذ کیا گیا ہے۔ تفصیلات اور مصادر و مراجع کے لیے ملاحظہ ہو:

- i۔ المھندس اسعد سالم قیم، علم طبقات المحدثین، اہمیتہ وفوائدہ، مکتبہ الرشید، الریاض ۱۹۹۴ء۔
- ii۔ ابوالبراء ہیم محمد الیاس عبدالرحمن الفالوذہ، مدخل الی علم الطبقات، مکتبہ نداء، ارد، ۲۰۰۱ء۔



نقد حدیث

لغوی معنی:

نقد کا لغوی مفہوم ہے: ”تمیز الدراہم و اخراج الزیف منها“ (۶۵۰) (دراہم کی تمیز کرنا اور ردی دراہم کو الگ کرنا) یعنی اس میں صحیح اور درست کو سقیم اور غیر معیاری سے الگ کرنا کے معنی پائے جاتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:

نقد حدیث کی اصطلاحی تعریف یوں کی گئی ہے: ”هو تلميز الاحاديث الصحيحة من السقيمة، والحكم على روايتها بتجربها أو تعديلا بالفاظ مخصوصة ودلائل معلومة“ (۶۵۱) (صحیح احادیث کو سقیم (ضعیف) احادیث سے ممتاز کرنا اور اس کے رواۃ پر مخصوص اور علمی دلائل سے جرح و تعدیل کرنا نقد حدیث کہلاتا ہے)۔

نقد حدیث کی ضرورت و تاریخی پس منظر:

خطا و نسیان انسانی فطرت کا خاصا ہے۔ انسان سے غلطی کا صدور بھول چوک سے یا پھر دانستہ ہو سکتا ہے لیکن احادیث کے معاملہ میں کسی قسم کی بھی غلطی قطعاً قابل قبول نہیں کیونکہ احادیث کی حیثیت دین کے مصادر و اساس کی ہے لہذا ضروری ہے کہ احادیث کو بشری خطا اور غلطیوں کی تمام آلائشوں سے پاک کیا جائے۔ دین و شریعت میں اسی مرکزی حیثیت کے پیش نظر مسلمانوں نے ابتداء سے خدمت حدیث کی طرف بھرپور توجہ دی اور حدیث کو قرآن مجید کے ساتھ ساتھ بقیہ علوم کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دی۔ اخذ و قبول، جمع و تدوین، تصحیح و تنقیح کے لیے بیسیوں انواع پر مشتمل علوم الحدیث کا فن سائنٹفک بنیادوں پر تشکیل دیا (۶۵۲) اور اس میدان میں ایسی روایات قائم کیں کہ دنیا کی کوئی قوم ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

محدثین کی ان مساعی جلیلہ میں سے نقد حدیث کا پہلو بہت نمایاں ہے جس میں یہ جانچنے کی بھرپور کوشش ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب یہ بات درست ہے یا نہیں تاکہ اسے قبول کرتے ہوئے اس میں مذکور حکم کو فرض سمجھتے ہوئے اس پر عمل کیا جائے یا پھر نسبت غلط ہونے کی صورت میں اس سے احتراز کیا جائے۔ اس جذبہ کے تحت بالکل ابتداء سے ہی روایتوں کی جانچ پڑتال کا کام بڑی جانفشانی سے شروع ہو گیا تھا اگرچہ اخذ و رد کے لیے نقد کے اصول و معیار کا رنگ وہ نہیں تھا جو بعد کے ادوار میں ٹھہرا۔ اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ احادیث کی نشر و اشاعت کا دائرہ مکانی طور پر وسیع ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ احوال و ظروف کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ احادیث کے پرکھنے کے معیار بھی سخت اور کڑے ہوتے چلے گئے۔ محدثین عظام نے ہر دور میں اس کی طرف خاص توجہ دی ہے۔ ثقہ تابعی ربیع بن خثیم (م ۶۳ھ)، خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)، ابن عساکر (م ۵۷۱ھ) ابن جوزی (م ۵۹۷ھ)، امام ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ)، امام صفائی (م ۶۵۰ھ)، ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ) امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) امام ابن قیم (م ۷۵۱ھ)، ابن ملقن (م ۸۰۳ھ)، امام بلقینی (م ۸۰۷ھ)، ابوالحسن علی اُخسبلی (م ۸۳۷ھ)، امام سخاوی (م ۹۰۲ھ) امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) ابن عراق الکفائی (م ۹۶۳ھ) علامہ عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) علامہ قاسمی (م ۱۳۳۲ھ) وغیرہ چند ایک نام ہیں جنہوں نے نقد حدیث کے حوالے سے قلم اٹھایا اور اس کے اصول و معیارات مقرر کیے۔ صدیوں پر محیط تاریخ علوم الحدیث میں سے صدی وار چند ایک حوالہ جات داخلی نقد حدیث کی فکر کا تسلسل ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں (۶۵۳)۔

امام ابن قیم (م ۷۵۱ھ) سے جب اس نوعیت کا سوال ہوا کہ کیا نقد سند کے بغیر محض متن پر غور و فکر سے حدیث نبوی کی پہچان ممکن ہے؟ تو آپ نے نہ صرف ہاں میں جواب دیا بلکہ اپنی کتاب ”المنار المہیف“ میں پچاس کے قریب نقد کے حوالے سے درایتی معیاروں کی نشان دہی فرمادی۔ ان سے پہلے امام صفائی (م ۶۵۰ھ) اپنی موضوعات میں ان سے مقدم امام ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) موضوعات میں اور ان کے پیش رو جوزقانی (م ۵۴۳ھ) ”کتاب الاباطیل والنائیر“ میں درایتی معیاروں پر نقد حدیث کی راہ اختیار کر چکے ہیں۔ عقلی و روایتی معیاروں پر نقد حدیث کے رویہ کا تسلسل صحابہ کرام تک جا پہنچتا ہے (۶۵۳)۔

نقد حدیث کی ماہیت:

ترکیب و ہیئت کے لحاظ سے حدیث دو اجزاء پر مشتمل ہوتی ہے:

i۔ سند (خارجی جزء) ii۔ متن (داخلی جزء)

سند پر ہونے والا نقد خارجی نقد جبکہ متن پر ہونے والی تحقیق و تنقیح داخلی نقد کے طور پر معروف ہے (۶۵۵)۔ خارجی نقد میں سند، سلسلہ سند، رواۃ اور احوال رواۃ کی تحقیق اور درجہ بندی کی جاتی ہے۔ راوی کے ذاتی احوال، کردار، قوت حافظہ، بصیرت، ذہنی و علمی استعداد، اخلاق و کردار، ذریعہ معاش اور اس کے مشاغل کو کھنگالا جاتا ہے اور یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ اس نے روایت حدیث کی شرائط کا کن قدر لحاظ کیا ہے۔

داخلی نقد میں متن حدیث کو دیکھنا ہوتا ہے کہ اس کے الفاظ اور جملوں کی ساخت، اس کے معانی اور مفہوم زمانے کے عقلی، تجرباتی اور طبعی تقاضوں، مسلمہ اصولوں اور شرعی اصولوں کے موافق ہیں یا نہیں۔ خارجی اور داخلی نقد کو الگ الگ زیر بحث لایا جاتا ہے۔

خارجی نقد حدیث:

محدثین نے دینی فریضہ سمجھ کر شک و شبہ سے پاک احادیث کو آگے روایت کرنے کے لیے بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لیا کیونکہ ان کے ہاں ”الاسناد من الدین“ (۶۵۶) کی سوچ پائی جاتی ہے۔ محدثین نے سند کے مختلف پہلوؤں کے حوالے سے بہت سی اصطلاحات وضع کی ہیں۔ یہ تمام تر معرفت سند اور تحقیق سند کی غرض سے وضع کی گئی ہیں۔ سند پر نقد و جرح میں محدثین انہیں اصطلاحات کے پیش نظر حدیث پر حکم لگاتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کی تعریف ذکر کی جاتی ہے:

۱۔ مرفوع:

اس قول (بات)، فعل (کام) اور تقریر (تائید) کو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب ہو۔ خواہ اس کی نسبت آپ ﷺ کی طرف صحابی نے کی ہو یا تابعی نے یا کسی اور نے اور خواہ اس کی سند متصل ہو یا نہ ہو۔

۲۔ موقوف

وہ حدیث ہے جو صحابی کی طرف منسوب ہو خواہ قول ہو یا فعل ہو، خواہ اس کی سند متصل ہو یا منقطع۔

۳۔ مقطوع:

وہ قول و فعل ہے جس کی کسی تابعی کی طرف نسبت کی جائے۔

۴۔ صحیح:

اس مسند حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند متصل ہو جس کو صاحب عدالت اور ضابط راوی دوسرے عادل اور ضابط راوی سے روایت کرے۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ یا صحابی و تابعی تک پہنچ جائے اور وہ معلل اور شاذ بھی نہ ہو۔

۵۔ حسن:

وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی خفیف الضبط ہو، یعنی اس کی یادداشت ناقص ہو، اور صحیح لذاتہ کی باقی سب شرطیں اس میں موجود ہوں یعنی: سند کا اتصال، روایت کی عدالت، روایت کا شاذ نہ ہونا اور اسناد کا علت خفیہ سے پاک ہونا۔

۶۔ ضعیف:

ایسی روایت جس میں نہ صحیح اور نہ حسن کی صفات پائی جائیں۔

۷۔ موضوع:

موضوع اس روایت کو کہتے ہیں جس کو کوئی کذاب گھڑ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دے۔

۸۔ شاذ:

وہ حدیث ہے جسے کوئی مقبول راوی ایسے راوی کے خلاف روایت کرے جو مرتبہ میں اس سے نائق ہو۔

۹۔ منکر:

وہ حدیث ہے جو کسی ایسے راوی سے مروی ہو جو فسق یا فحش غلط یا کثرت غفلت کے ساتھ مطعون ہو یا جس روایت میں ضعیف راوی ثقہ راوی کی مخالفت کرے۔

۱۰۔ مسند:

وہ حدیث ہے جو کسی صحابی نے مرفوعاً بیان کی ہو اور ایسی سند سے مروی ہو جو بظاہر متصل ہو، پس وہ حدیث جس میں انقطاع خفی ہو وہ بھی مسند کہلائے گی۔

۱۔ معلق:

وہ حدیث ہے جس کی سند کا ابتدائی حصہ حذف کر دیا ہو، یا تمام سند حذف کر دی ہو یا صحابی اور تابعی کے علاوہ باقی سند حذف کی ہو، یا مصنف نے اپنی جانب سے ابتدائے سند سے صرف ایک یا چند راویوں کو حذف کیا ہو، سب کو معلق کہا جاتا ہے۔

۱۱۔ معضل:

وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان میں سے دو یا زیادہ راوی مسلسل حذف ہو گئے ہوں۔

۱۲۔ مرسل:

وہ حدیث ہے جس کی سند کا آخری حصہ تابعی کے بعد بیان کیا گیا ہو۔ یعنی تابعی قال رسول اللہ کہے اور حدیث بیان کرے۔

۱۳۔ مدلس:

وہ حدیث ہے جس میں سقط خفی ہو، یعنی راوی اپنے استاد کو (جس سے یہ حدیث سنی ہے) ف کر کے مافوق سے (جس سے لقاء تو ہو مگر اس سے یہ حدیث نہ سنی ہو) اس طرح روایت کرے۔ استاد کا محذوف ہونا معلوم نہ ہو بلکہ یہ محسوس ہو کہ مافوق ہی سے سنا ہو (۶۵۷)۔

۱۴۔ خلی نقد حدیث:

لم يقف العلماء عند نقد الحديث من حيث سندہ بل تعدوا الى النظر في متنہ (۶۵۸) (علماء نے نقد حدیث کے معاملہ میں صرف سند پر ہی اکتفاء کیا بلکہ متن کی طرف بھی توجہ دی)۔ محدثین نے متن حدیث پر نقد کے بہت سے معیار اور اصول مقرر کیے ہیں جن میں سے بعض کا متنازعہ فیہ ہے۔ جن کا ذکر مولانا تقی امینی نے ”حدیث کا روایتی معیار“ میں کیا ہے۔ ان کا مختصر پیش خدمت ہے۔

حدیث میں رکاکت کا پایا جانا:

آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب روایت میں کسی قسم کی لفظی یا معنوی رکاکت

(سطحیت) پائی جائے۔ ملا علی قاری کہتے ہیں ”وضعی ہونے کی پہچان حدیث کے الفاظ کی رکاکت اور خرابی ہے جو سننے والے کو ناگوار گزرے اور طبیعت اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو۔“ یہ رکاکت دو طرح کی ہو سکتی ہے: (۱) لفظی رکاکت (۲) معنوی رکاکت

i۔ لفظی رکاکت:

لفظی رکاکت یہ ہے کہ الفاظ و جملوں میں وضاحت و بلاغت کے معیار اور قواعد عربیہ کی خلاف ورزی ہو جسے دیکھ کر ”عربی زبان کا ماہر جان لے کہ اس قسم کا کلام کسی فصیح اللسان کا نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام ہو، جو فصیح ترین تھے۔“

ii۔ معنوی رکاکت:

معنوی رکاکت یہ ہے کہ معنی و مفہوم میں نادانی و کم عقلی کی بات پائی جائے جو شان نبوت سے فروتر ہو اور کلام معیار نبوت سے گر جائے۔ بقول د۔ مصطفیٰ السباعی ”حدیث کم عقلی و بھونڈے پن پر مشتمل ہو کہ جس سے عقلاً محفوظ رہتے ہیں۔“ مثلاً أربع لا يشبعن من أربع، أرض من مطر، وأنثى من ذكر، وعین من نظر، وعالم من علم (چار کو چار سے شکم سیری نہیں ہوتی، زمین کو بارش سے، عورت کو مرد سے، آنکھ کو دیکھنے سے اور عالم کو علم سے)۔

۲۔ حدیث میں مختلف پیشے اختیار کرنے کی برائی ہو:

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث میں مختلف پیشوں اور ان کے اختیار کرنے والوں کی برائی بیان کی گئی ہو۔ وحدیث ذم الحاکة والاصاکفة والصواغین او صنعة من الصنائع المباحة کذب علی رسول اللہ ﷺ اذ لا بدم الله ورسوله الصنائع المباحة (پارجہ باقوں، موچیوں، سناروں یا مباح دستکاریوں سے کسی دستکاری کی برائی کرنے والی حدیث رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ ہے۔ اللہ اور اس کا رسول مباح دستکاریوں کی برائی نہیں کرتا) مثلاً ”شرار امتی الصانعون والصانغون“ (میری امت کے بدترین لوگ دستکار اور سنار ہیں)۔

۳۔ کسی خاندان قوم یا شہر کی برائی ہو:

آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب حدیث میں کسی خاندان، قوم یا شہر کی برائی ہو: ”احادیث ذم الحبشة والسودان کلها کذب ومنها احادیث ذم الترك واحادیث ذم

الخصیان واحادیث ذم الممالیک“ (جشنہ اور سوڈان کی برائی سے متعلق احادیث سب جھوٹی ہیں۔ اسی طرح ترک، خسی اور غلاموں کی برائی سے متعلق حدیثیں بھی جھوٹی ہیں)۔ مثلاً زنجی إذا شبع زنی وإذا جاع سرق (جھٹی جب شکم سیر ہوتا ہے تو زنا کرتا ہے اور جب بھوکا ہوتا ہے تو چوری کرتا ہے)۔

اربع مدائن من مدن النار فی الدنيا القسطنطینیة والطبریة وانطاکیہ
المحترقة وصنعاء (چار شہر دوزخ کے شہروں میں سے ہیں قسطنطنیہ، طبریہ، جلاہوا
انطاکیہ اور صنعاء)

شر المال فی آخر الزمان الممالیک (آخری زمانہ میں بدترین مال غلام ہوں
گے)

۴۔ بے ڈھنگی اور اوٹ پٹانگ باتیں پائی جائیں:

آپ ﷺ سے منسوب حدیث میں بے ڈھنگی اور اوٹ پٹانگ باتیں پائی جائیں جو
رسول اللہ ﷺ کی شان سے بعید ہوں۔ اشتمالہ علی أمثال هذه المجازفات التي لا يقول
مثلها رسول الله ﷺ (رسول اللہ ﷺ کی حدیث ایسی بے ڈھنگی باتوں پر مشتمل ہو جو
آپ ﷺ کی زبان سے نہیں نکل سکتی ہیں) مثلاً: اعتبروا عقل الرجل فی طول لحيته
ونقش خاتمه وكنيته (داڑھی کی لمبائی انگوٹھی کے نقش اور کنیت سے آدمی کی عقل کا اندازہ کرو)۔

۵۔ لغویت، تمسخر اور کم عقلی و بے وقوفی کی بات پائی جائے:

جس حدیث میں ایسی لغویت و تمسخر اور کم عقلی و بیوقوفی کی بات پائی جائے جس سے ذمہ
دار لوگ پرہیز کرتے ہیں۔ سماحة الحديث وكونه مما يسخر منه (حدیث میں لغوپن اور
ایسی بات ہو جس سے تمسخر کیا جاسکتا ہو) مثلاً: لو كان الأرض رجلاً لكان حليماً ما أكله جائع
إلا شبعه (اگر چاول مرد ہوتا تو وہ بردبار ہوتا جو بھوکا بھی اسے کھاتا شکم سیر ہو جاتا)۔

۶۔ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے واقعہ میں شان نبوت پر حرف آئے اور
معیار نبوت برقرار نہ رہے:

رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے واقعہ کی تشریح اس انداز میں ہو کہ نبوت پر حرف آئے

اور معیار نبوت برقرار نہ رہے۔ مثلاً حضرت آمنہ سے منقول ہے پیدائش کے بعد آپ ﷺ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ ایک نور نکلا جس نے مشرق و مغرب کو روشن کر دیا۔ میں نے اس کے ذریعہ شام کے محلات دیکھے یہاں تک کہ بھری میں اونٹوں کو سرائٹھائے دیکھا۔

۷۔ کلام انبیاء کے مشابہ نہ ہو:

رسول اللہ کی طرف منسوب حدیث کلام انبیاء کے مشابہ نہ ہو۔ چہ جائیکہ رسول اللہ ﷺ کا کلام جس کو مختلف وجوہ سے فوقیت حاصل ہے۔ ان یکون کلامہ لا یشبہ کلام الانبیاء فضلا عن کلام رسول اللہ ﷺ (آپ ﷺ کی طرف منسوب کلام نبیوں کے کلام سے مشابہ نہ ہو چہ جائیکہ رسول اللہ ﷺ کا کلام) مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے رونے سے متعلق روایتیں کہ تمام آدمیوں کا رونا جمع کیا جائے تو بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتا یا ان کے آنسوؤں کو اولاد آدم کے آنسوؤں سے وزن کیا جائے تو آدم کے آنسو کا پلہ چھلک جائے وغیرہ۔

۸۔ عرش معلیٰ پر جانے کی روایت:

واقعہ معراج میں آنحضرت ﷺ کا عرش معلیٰ پر پہنچ کر جوتے اتارنے کا ارادہ کرنے کی روایت کہ ”یا محمد لا تخلع نعلیک فان العرش یتشرف بقدمک متعلا“ (اے محمد ﷺ! اپنے نعلین نہ اتاریے عرش آپ ﷺ کے نعلین پہن کر آنے سے شرف حاصل کرے گا)۔

۹۔ خرقہ صوفیاء کی نسبت آپ ﷺ کی طرف صحیح نہیں ہے:

آنحضرت ﷺ کی طرف خرقہ صوفیہ کی روایات کا کوئی اصل نہیں ہے۔ امام سخاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

انه ليس في شيء من طرقها ما يثبت ولم يرو في خبر صحيح ولا حسن ولا ضعيف ان النبي ﷺ البس خرقه على الصور المتعارفة بين الصوفية لأحد من أصحابه ولا أمر أحدًا من أصحابه يفعل ذلك وكل ما يروى في ذلك صريحا لم يات (صوفیہ میں خرقہ پہنانے کی جو صورتیں متعارف ہیں ان کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا کسی صحابی کو خرقہ پہنانا، ان کو ایسا کرنے کا حکم دینا کسی صحیح، حسن اور ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہے جو کچھ اس سلسلہ میں روایت کیا جاتا ہے وہ سب صراحتہً باطل ہے)۔

سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کہتے ہیں: ان یكون الحدیث مخالفاً لبديهات العقول من غير ان يمكن تاويله (حدیث عقل کی بدیہات کے خلاف ہو جس کی تاویل ممکن نہ ہو) مثلاً: ان سفينة نوح طافت بالبیت سبعا و صلت عند المقام رکعتین (حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نے بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی)۔ طول اللحية دليل قلة العقل (داڑھی کی درازی کم عقلی کی دلیل ہے)۔

۱۴۔ حدیث حکمت و اخلاق کے اصول کے خلاف ہو:

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث حکمت و اخلاق کے عام اصول کے خلاف ہو۔ ان یكون مخالفاً للقواعد العامة في الحكم والأخلاق (حدیث حکمت و اخلاق کے عام قواعد کے خلاف ہو) مثلاً شرارکم معلمو صیانتکم أقلهم رحمة علی الیتیم وأغلظهم علی المساکین (تم میں سے سب سے زیادہ برے بچوں کے معلم ہیں وہ یتیموں پر بہت کم مہربان اور مسکینوں پر زیادہ سخت ہوتے ہیں) النظرة الى المرءة الحسناء یزید فی البصر (خوبصورت عورت کی طرف دیکھنے سے بصارت بڑھتی ہے)۔

۱۵۔ حدیث شہوت و فساد کی داعی ہو:

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث شہوت و فساد کی رغبت دلاتی ہو۔ أو داعياً إلى الشهوة والمفسدة (یا حدیث شہوت و فساد کی داعی ہو) مثلاً شهوة النساء تضاعف علی شهوة الرجال (عورتوں کی شہوت مردوں کی شہوت سے کئی گنا ہوتی ہے) شکوت إلى جبریل ضعفی من الوقاع فأمرنی باکل الهريسة (میں نے جبریل سے نفسانی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے حریرہ کھانے کا حکم دیا)۔

۱۶۔ حدیث قواعد طب کے خلاف ہو:

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث قواعد طب کے خلاف ہو۔ أو یكون مخالفاً لقواعد الطب المتفق علیها (یا حدیث طب کے متفقہ قواعد کے خلاف ہو) مثلاً الباذ نجان شفاء من کل داء (بیٹلن میں ہر بیماری کی شفاء ہے)۔ یا علی: علیک بالملح فإنه شفاء من سبعین داء الجدام والبرص والجنون (اے علی! نمک استعمال کرو اس میں ستر بیماریوں کی شفاء ہے جدام، برص اور جنون سے)۔

۱۷۔ حدیث تاریخی حقائق کے خلاف ہو:

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث تاریخی حقائق کے خلاف ہو۔ مخالفہ لحقائق التاريخ المعروفة في عصر النبي (یا حدیث ان تاریخی حقائق کے خلاف ہو جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مشہور تھے) مثلاً: ان النبي وضع الجزية على أهل خيبر ورفع عنهم الكلفة والسخرة بشهادة سعد بن معاذ وكتابة معاوية۔ یہ روایت ان وجوہ سے باطل ہے۔

i۔ جس وقت اہل خیبر سے سنہ ۷ ہجری میں معاہدہ ہوا تو اس وقت تک جزیرہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ یہ حکم غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوا۔

ii۔ اس میں حضرت سعد بن معاذ بن معاذ کی گواہی ہے حالانکہ ان کی وفات غزوہ خندق (۵ ہجری) کے ایک ماہ بعد ہو گئی تھی۔

iii۔ اس کے کاتب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں حالانکہ اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ فتح مکہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔

iv۔ اس میں بطور نشان کلمہ (سر پر پٹی باندھنے) اور بریگاد کا ذکر ہے۔ حالانکہ اس زمانہ میں یہ دونوں چیزیں نہیں تھیں۔

۱۸۔ حدیث کے خلاف صحیح شواہد موجود ہوں:

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث کے خلاف ایسے شواہد موجود ہوں جن سے اس کا باطل ہونا ظاہر ہوتا ہو۔ ان يكون الحديث مما تقوم الشواهد الصحيحة على بطلانه (حدیث ایسی ہو کہ اس کے بطلان پر صحیح شواہد موجود ہوں) مثلاً: عوج بن عنق کے بارے میں ہے۔ ان طوله ثلاثة الاف ذراع وثلاث مائة وثلاثة وثلثين وثلاثا (عوج بن عنق) جسے حضرت موسیٰ نے قتل کیا تھا) کا قد تین ہزار تین سو تینتیس اور ثلاث ذراع تھا)۔

رتن ہندی کے متعلق ہے: عاش ست مائة سنة وثلاثين سنة (وہ چھ سو تیس سال تک زندہ رہا)۔

۱۹۔ حدیث اللہ کی تنزیہ و کمال کے خلاف ہو:

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و کمال کے خلاف ہو۔ او مخالف لما يوجب العقل لله من تنزيه و کمال (حدیث اس کے مخالف ہو جو انسانی عقل اللہ

کے لیے تزییہ و کمال واجب کرتی ہو) مثلاً: ان الله خلق الفرس فاجراها فعرقت فخلق نفسه منها (اللہ نے گھوڑا پیدا کیا اس کو دوڑایا، وہ پسینہ پسینہ ہو گیا اس سے اپنی ذات کو پیدا کیا) نعوذ باللہ من ذلك۔

۲۰۔ حدیث صراحت قرآن کے خلاف ہو:

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث صراحت قرآن کے مخالف ہو۔ مخالفہ الحدیث صریح القرآن (حدیث صریح قرآن کے خلاف ہو) مثلاً یحشر اولاد الزنا فی صورة القردة والخنزیر (قیامت کے دن ولد الزنا بندر اور خنزیر کی شکل میں جمع کیے جائیں گے)۔ لا یدخل الجنة ولد الزنا ولا بشیء من نسله التي سبعة آباء الجنة (ولد الزنا اور اس کی نسل سے سات پشت تک کوئی شخص جنت میں نہیں جائے گا) جبکہ قرآن صراحاً بیان کرتا ہے: ولا تزر وازرة وزر اخرى (کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا)۔

۲۱۔ حدیث سنت صریحہ کو توڑنے والی ہو:

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث سنت صریحہ کو کھلم کھلا توڑنے والی ہو۔ مناقضة الحدیث لما جاءت به السنة الصریحة مناقضة بینة (حدیث ان باتوں کو کھلم کھلا توڑنے والی ہو جو سنت صریحہ سے ثابت ہوں)۔ اس اصول کے تحت ہر وہ حدیث موضوع قرار پائی گئی جو:

- i۔ فساد، ظلم، فعل عبث، باطل کی تعریف اور حق کی برائی پر مشتمل ہو۔
- ii۔ جن میں نام والقباب کی اس قدر اہمیت بیان کی گئی ہو کہ اس سے ایمان و عمل صالح کی اہمیت مجروح ہوتی ہو۔ مثلاً إذا أتت من امتی ثلاث مائة وثمانون سنة فقد حلت لهم العزبة والترهب علی رؤوس الجبال (جب میری امت پر تین سو اسی سال گزر جائیں گے تو ان کے مجرد رہنا اور پہاڑوں کی چوٹی پر رہبانیت اختیار کرنا حلال ہے)۔

۲۲۔ حدیث قرآن و سنت کے قواعد خلاف ہو:

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث ان عام قواعد کے خلاف ہو جو قرآن و سنت سے مستنبط کیے گئے ہوں۔ او یکون مخالفاً للقواعد العامة المأخوذة من القرآن والسنة (یا حدیث قواعد عامہ کے مخالف ہو جو قرآن و سنت سے نکالے گئے ہیں) مثلاً الصلوة

خلف العالم باربعة آلاف واربعمائة و اربعین صلوة (عالم کے پیچھے نماز چار ہزار چار سو چالیس نمازوں کے برابر ہے)۔

۲۳۔ حدیث میں پیشین گوئی ماہ و سن کے تعین کے ساتھ ہو:

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث میں آئندہ واقعات کی ایسی پیشین گوئی ہو جو ماہ و سال کے تعین کے ساتھ ہو۔ محدثین نے اسے قابل اعتبار نہیں گردانا ہے۔ اویس کون فی الحدیث تاریخ کذا و کذا (یا ایسی حدیث جس میں فلاں فلاں تاریخ ہو) مثلاً إذا كانت سنة ستین ومائة كان الغرباء اربعة قرآن فی جوف ظالم ومصحف فی بیت قوم لا یقرؤن فیہ ومسجد فی نادى قوم لا یصلون ورجل صالح بین قوم سوء (سن ایک سو ساٹھ میں چار چیزیں اجنبی ہو جائیں گی قرآن ظالم کے پیٹ (سینہ) میں، مصحف ایسے لوگوں کے گھر جو اس سے تلاوت نہ کریں گے، مسجد قوم کی مجلس میں کہ وہ نماز نہ پڑھیں گے اور صالح آدمی برے لوگوں میں)۔

۲۴۔ چھوٹے کام پر بھاری ثواب کی بشارت ہو:

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ایسی حدیث جس میں چھوٹے کام پر بھاری ثواب کی بشارت دی گئی ہو۔ اشتمال الحدیث علی افراط فی الثواب العظیم علی الفعل الصغیر (حدیث میں چھوٹے کام پر عظیم ثواب کی افراط ہو) مثلاً من اغتسل يوم الجمعة بنية وربة كتب الله له بكل شعرة نورا يوم القيامة ورفع الله له بكل قطرة درجة في الجنة من الدر والياقوت والزبرجد بین کل درجتین مسيرة مائة عام (جس نے جمعہ کے دن طلب ثواب کی نیت سے غسل کیا، اللہ تعالیٰ ہر بال کے بدلے قیامت کے دن نور لکھے گا اور ہر قطرہ کے بدلے جنت میں موتی یا قوت اور زمرد کے درجات بلند کرے گا جس کے ہر دو درجوں میں دو سو سال کی مسافت ہوگی)۔

۲۵۔ حدیث میں چھوٹی بات پر سخت وعید کا مبالغہ ہو:

رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب حدیث میں چھوٹی بات پر سخت وعید کا مبالغہ ہو۔ اشتمال الحدیث علی المبالغة بالوعید الشدید علی الامر الحقیر (حدیث امر حقیر پر مبالغہ میز سخت وعید پر مشتمل ہو)۔ مثلاً من قرض بین شعر بعد العشاء الاخبر لم تقبل له صلوة لک اللیلة (جس نے عشاء کی نماز کے بعد شعر کہا تو اس کی اس رات کی کوئی نماز قبول نہ ہوگی)۔

۲۶۔ حدیث میں مفاد، عصبیت اور اختلاف کو دخل ہو:

حدیث روایت کرنے میں ذاتی مفاد، گروہی عصبیت دین و مسلک کے اختلاف کو دخل ہو۔ محدثین کے نزدیک اس ضمن میں اصول بیان ہوئے ہیں: الا یکون ناشیا عن باعث نفسی حمل الراوی علی روایتہ (کوئی ذاتی محرک راوی کو روایت پر ابھارنے والا نہ ہو) نیز موافقة الحدیث لمذہب الراوی وهو متعصب فقال فی تعصبہ (حدیث راوی کے مسلک کے موافق ہو اور وہ مسلک میں انتہائی درجہ کا متعصب ہو)۔ مثلاً ایک حریرہ کی تجارت کرنے والے نے اپنے کاروبار کو فروغ کے لیے حدیث وضع کی۔ الہریسة تشدد الظہر (حریرہ کمر کو مضبوط کرتا ہے)۔ گروہی عصبیت کے تحت امام ابو حنیفہ کی تعریف میں روایت بیان کی گئی۔ ابو حنیفہ سراج امتی (ابو حنیفہ میری امت کا چراغ ہے)۔ اور امام شافعی کی مذمت میں کہا گیا: سیکون فی امتی رجل یقال له محمد بن ادریس هو أضمر علی امتی من ابلیس (میری امت میں ایک آدمی ہوگا جس کا نام محمد بن ادریس ہے وہ میری امت کے لیے ابلیس سے زیادہ ضرر رساں ہے)۔ مسلکی اختلاف کے تحت بہت سی روایات بنائی گئیں جیسے: من رفع یدیه فی الصلوۃ فلا صلوۃ له (جس شخص نے نماز میں اپنے ہاتھ اٹھائے اس کی نماز نہ ہوگی) (۶۵۹)۔

نقد حدیث کے بارے میں رویہ:

مقاصد و نتائج کے حوالے سے تین مختلف رویے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ان تینوں کی تہہ میں خلوص، جہل و فرار اور تعصب کا الگ الگ جذبہ کارفرما ہے:

۱۔ محدثین کا نقد حدیث کے بارے میں رویہ۔

۲۔ منکرین حدیث کا نقد حدیث کے بارے میں رویہ۔

۳۔ مستشرقین کا نقد حدیث کے بارے میں رویہ۔

ان تینوں کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے۔

محدثین کا نقد حدیث کا اہتمام:

کہا گیا ہے کہ الملائکہ حراس السماء واصحاب الحدیث حراس الارض (۶۶۰) خلوص پر مبنی صحیح اہداف اور مثبت نتائج کا حامل رویہ اختیار کرنے والا پہلا گروہ محافظین روایات امت محدثین عظام کا ہے۔ انہوں نے بڑی حزم و احتیاط سے احادیث کو تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر پرکھا۔ اصول تنقید، علم

جرح، علم تعدیل اور علم اسماء الرجال وغیرہ ترتیب دے کر نہایت جانفشانی اور محنت شاقہ سے صحیح اور ضعیف احادیث میں تمیز کی کوشش کی۔ اس ضمن میں انتہائی باریک بینی اور وقت نظر سے جہاں راوی اور سلسلہ حدیث پر بڑی غیر جانبداری سے بحث کی وہیں متن حدیث کا عقلی اور درایتی معیاروں کے ذریعے تصحیح و تنقیح کا فریضہ بڑی ذمہ داری سے انجام دیا اور وہ اس سلسلہ میں کسی تسامح و تساهل کو قبول کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ دراصل اس کی تہہ میں محدثین کے پیش نظر مقام نبوت تھا اور اس کے ساتھ اپنے پختہ ایمان اور دینی حمیت کا مظاہرہ تھا کہ دین کے اس چشمہ صافی کو کوئی چیز گدلا نہ دے۔

بقول گولڈ زیہر محدثین عظام کا اسلامی دنیا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک، اندلس سے وسط ایشیاء تک شہر شہر، قریہ قریہ اور بستی بستی، رحال (بہت زیادہ سفر کرنے والے) جو ال (بہت زیادہ سیاحت کرنے والے) اور طواف الاقالیم (ملکوں کا طواف کرنے والے) جیسے قابل فخر القاب حاصل کرنا کوئی استعارہ نہیں تھا نہ ہی مبالغہ تھا اور نہ ہی یہ صرف محض سیر و سیاحت یا تجربہ حاصل کرنے کے لیے تھا۔ بلکہ ان کا مقصد صرف احادیث کو جاننے والوں کو ملنا اور ان سے صحیح احادیث حاصل کرنا تھا (۶۶۱)۔

سہولیات کے فقدان اور مصائب و آلام پر مبنی سفر کر کے کیا محدثین ہر رطب و یابس اور غیر ثقہ بات کو حدیث مان کر بیٹھ رہے یقیناً نہیں۔ انہوں نے اس ضمن میں بہت عرق ریزی سے کام لے کر صحیح اور سقیم کی پہچان کے بعد صحیح روایات کو ہی اپنے دفاتر کی زینت بنایا۔ اس نقد حدیث کا رویہ شروع سے ہی محدثین کے ہاں موجود ہے اور احادیث نبوی انتہائی سخت جانچ پڑتال کے بعد ہی نسل در نسل آگے منتقل ہوتی رہی ہیں۔ یہ تاریخی تسلسل ہر دور میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ محدثین کا نقد حدیث کا مقصد وحید احادیث کی رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کی صحیح پرکھ کرنا ہے۔ اس میں ان کا خلوص اور یقین ایمان بالرسالت کا اظہار ہوتا ہے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ محدثین کے ایمان کا ایک جز یہ بھی تھا۔

”قال رسول اللہ ﷺ ایک ایسا کلمہ ہے جسے صحیح حدیث کے سوا کسی بھی صورت میں استعمال نہیں کیا جانا چاہیے“ (۶۶۲)۔

منکرین حدیث کا نقد حدیث کے بارے میں رویہ:

جہالت کا شکار منکرین حدیث کے رویے کا تجلیلی جائزہ لینے سے ان کی فکر کی تہہ میں درج ذیل بعض عوامل کا رفرمانظر آتے ہیں:

- i- احکام شریعت کی پابندی سے فرار
- ii- رسالت پر ایمان میں جھول۔
- iii- اپنی انفرادی ناقص عقل کو بزعم خویش عقل کل گردان کر اسے کسوٹی قرار دینا۔
- iv- مرعوبیت کا شکار ہو کر دشمنانِ دین کے اعتراضات و شبہات سے متاثر ہونا۔
- v- علوم الحدیث کا سطحی علم (۶۶۳)۔

بنظر عمیق مطالعہ سے آشکار ہوتا ہے کہ منکرین حدیث کی احادیث پر تنقید انہی عوامل کا نتیجہ ہے مزید برآں بعض جگہ وہ مخصوص احوال کے رد عمل کا شکار ہو گئے، کج فکری کا شکار اور جہل مرکب میں مبتلا یہ گروہ حق سے کوسوں دور جا نکلا اور اندھیرے میں ٹامک ٹویاں مارتے ہوئے دین اسلام کی خود ساختہ تعبیر و تشریح کرنے لگا جو کہ عقلاً و عملاً حماقت کے سوا کچھ نہیں (۶۶۴) انکار حدیث میں ان کے علم حدیث کا سطحی علم ایک اہم عنصر ہے اس ضمن میں حقائق پر مبنی تبصرہ ملاحظہ ہو ”انکار حدیث کا سب سے پہلا اور بنیادی سبب یہ ہے کہ منکرین حدیث راسخ فی علم القرآن ہی نہیں وہ علم حدیث میں بھی مکمل عبور نہیں رکھتے اور حدیث کی مختلف انواع و اقسام اور راویوں سے متعلق فن تنقید و تحقیق سے بے خبر واقع ہوئے ہیں (۶۶۵)۔

منکرین حدیث کے مختلف گروہوں کے ہاں نقد حدیث کے حوالے سے یکسانیت نظر نہیں آتی بلکہ بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہوئے نقد حدیث کے حوالے سے اپنے اپنے اصول و معیارات وضع کیے ہیں۔ نقد حدیث کے ضمن میں دور اذکار ظن و تخمین اور انکل پچو کو علمی اصولوں پر ترجیح دی۔ حدیث کے ٹھکرانے اور رد و قبول کا معیار اپنی عقل، مشاہدہ اور ذہنی approach کو رکھا (۶۶۶)۔ حدیث خواہ کتنی ہی صحیح اور بے نقص ہو، سند کتنی ہی عالی ہو، رواۃ کی عدالت جتنی بھی بے عیب ہو نیز امت نے اسے قبول کا درجہ دے رکھا ہو ان کی بلا سے وہ اسے قبول نہیں کرتے (۶۶۷)۔ بلکہ اکثر الگ الگ وادی میں سرگرداں ہونے کے باوجود منکرین حدیث اور مستشرقین کے الزامات، شبہات اور اعتراضات میں ایک گونا گونا ممالکٹ پائی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ منکرین حدیث کے بارے میں عمومی تاثر پایا جاتا ہے کہ ان لوگوں کے اعتراضات مستشرقین کے اعتراضات سے براہ راست ماخوذ ہیں (۶۶۸)۔ گولڈ زیہر، شاخت، ڈوزی اور اسپرنگر وغیرہ کے افکار کا جائزہ لیں تو فوراً یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ منکرین حدیث کی طرف سے کیے جانے والے بڑے بڑے اعتراضات من و عن وہی ہیں جو ان معاندین اسلام نے کیے ہیں (۶۶۹)۔ مستشرقین کی متعصبانہ تحقیق و تنقید سے متاثر ہونا دراصل اپنی علمی سطحیت، ذہنی مرعوبیت اور فکری کج روی کا نتیجہ تھا۔ میدان جنگ میں مغلوب ہونے والی قوم ذہنی شکست کا شکار ہو جاتی ہے۔ دنیائے اسلام پر مغرب

کے سیاسی و تہذیبی تسلط کے دوران یہاں کے مختلف خطوں میں مصلحین اور دانشوروں کے ایسے گروہ منظر عام پر آئے جو مغربی تہذیب و تمدن سے مرعوب اور مستشرقین کی تحقیقات و تصانیف سے متاثر تھے۔ انہوں نے حدیث و سنت کی روایت و حفاظت اور اس کی حجیت کے بارے ایسا نقطہ نظر اپنایا جو مستشرقین کے خیالات سے ہم آہنگ تھا احساس کمتری کا شکار ہو کر یہ ان کے دام میں پھنس گئے (۶۷۰) احادیث میں عیب نکالتے ہوئے بے بنیاد شبہات و اعتراضات کا دفتر کھول کر ان کی استنادی و تشریحی حیثیت کو مشکوک ٹھہرانے لگتے ہیں۔ چہ جائیکہ اسلام کے استدلالی طریق کار سے حدیث نبوی کی استنادی حیثیت کو محدثین کے مسلمہ اصولوں پر پرکھ کر تسلیم کر لیتے۔

مستشرقین کا نقد حدیث کے بارے رویہ:

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب نشاۃ ثانیہ اور احیائے علوم کی تحریک سے مغرب کا علمی و فکری، تہذیبی و معاشی اور سیاسی غلبہ کی جانب سفر کا آغاز ہوا تو بالخصوص عالم اسلام کے حوالے سے اس کے ہر اول دستے کے فرائض مستشرقین نے ہی انجام دیئے (۶۷۱)۔ انہوں نے جہاں دین اسلام کی حقانیت اور پیغمبر اسلام کی نبوت و رسالت کو محور تنقید بنایا وہیں اسلام کی ایک اہم اساس احادیث و سنن کو ساقط الاعتبار اور بے وقعت ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ انہوں نے احادیث کی حجیت اور تاریخی حیثیت کو پوری قوت سے چیلنج کرنے کی کوشش کی۔ احادیث رسول کو نشانہ تنقید بنانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ اسلام کو ایک مشکوک، باہم متعارض، غیر عقلی اور نیم مہذب و متمدن دین کی شکل میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے مختلف جہات اور زاویوں سے احادیث رسول کو نقد و تحلیل کا نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ احادیث کے اخذ و قبول اور جرح و تعدیل کے جامع اور منظم علوم الحدیث پر جہاں محدثین عظام تعریف و توصیف کے مستحق تھے ان ”سکارلز“ نے محض ضد و عناد کی بناء پر اس سائنٹفک علم کو ناقابل اعتبار گردانا۔ حالانکہ محدثین عظام کے اخذ حدیث کے بارے متعین کردہ اصول و معیارات بہر حال ان یورپین محققین کے وضع کردہ اصولوں سے زیادہ سخت اور بہتر تھے جو انہوں نے خود قدیم تاریخ کے ماخذ کی جانچ پڑتال کے لیے اختیار کیے تھے۔ احادیث کی صحت کی جانچ و پڑتال کے بارے ان مستشرقین کا انداز تحقیق اور نقد تاریخی دیانت کے اصولوں سے بھی میل نہیں کھاتا بلکہ یہ صرف ان کا اسلام کے بارے تعصب و عناد کا مظہر ہے (۶۷۲) اگر ہم مستشرقین کے اس رویہ کا نفسیاتی جائزہ لیں تو اس کا ایک ذہنی پس منظر سامنے آتا ہے۔ یورپ میں جب مذہبی اداروں کے گھناؤنے کردار کے رد عمل میں اصلاح اور مذہب بیزار قسم کی تحریکیں چل رہی تھیں تو انتقاد عالیہ (Hi-criticism) کے حوالے سے مسلم مذہبی حقائق کو عقلی معیار اور تاریخی اصولوں پر پرکھنے

کار حجان بڑھا۔ جس کا نتیجہ محدود مشاہدے اور دستیاب ناکافی تاریخی مواد کی بناء پر مذہبی اساسوں کا سرے سے انکار ہوتا چلا گیا (۶۷۳)۔ نوبت بایں جا رسیدہ رابرٹسن ممبر پر یوی کونسل نے ثابت کیا کہ تاریخ میں یسوع ناصری نام کا کوئی شخص موجود ہی نہیں (۶۷۴)۔ اس سے ہم نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ تابناک اور درخشندہ روایات کے حامل علم حدیث سے تہی دامن اقوام کے نمائندہ سکالرز کا اصول حدیث کو غیر مفید گرداننا دراصل اپنی بے بسی پر پردہ ڈالنے کی سعی لا حاصل ہے۔

حدیث پر مستشرقین کی نقد و جرح کی تحقیق کو ڈاکٹر خالد علوی صاحب نے یوں بیان کیا ہے:

۱۔ حدیث لٹریچر زیادہ تر زبانی روایت پر مبنی ہے جو ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک زبانی روایت سے منتقل ہوتا رہا۔

۲۔ اسناد کا طریقہ پہلی صدی ہجری کے آخر سے استعمال کیا گیا لہذا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جن احادیث کو ان اسناد سے بیان کیا گیا ہے وہ صحیح معنوں میں حدیث ہے۔

۳۔ کم عمر صحابہ کی روایات بڑی عمر کے صحابہ کی مرویات سے کہیں زیادہ ہیں اس لیے ان کے ساتھ جو مسند ملحق کی گئی ہے وہ قابل اعتماد نہیں۔

۴۔ بہت سی احادیث آپس میں متضاد ہیں۔

۵۔ ایسے یقینی ثبوت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر اسناد اور متن حدیث موضوع ہیں۔

۶۔ مسلم نقادوں نے اپنے تنقیدی اصولوں کو سند تک محدود رکھا ہے اور متن حدیث پر کبھی تنقیدی نظر نہیں ڈالی (۶۷۵)۔

ان پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان محققین نے ایک طرف شعوری طور پر تاریخی حقائق کو جھٹلانے کی کوشش کی ہے اور بد نیتی کے ساتھ ساتھ ان کی جہالت بھی آشکار ہوتی ہے (۶۷۶)۔ احادیث کے تحریری سرمایہ کا حیات نبوی میں ہی ثبوت ملتا ہے کہ ۵۲ کے قریب صحابہ کرام کا احادیث کو زینت قرطاس بنانا on the record تاریخی حقیقت ہے (۶۷۷) نیز ابتداء سے ہی سند حدیث کا اہتمام کرنے پر تفصیلی روشنی کتاب کے دوسرے اوراق میں ڈالی گئی ہے۔ اسی طرح یہ دعویٰ بھی انتہائی مضحکہ خیز ہے کہ مسلم نقادوں نے تنقیدی اصولوں کو سند تک ہی محدود رکھا ہے متن پر تنقیدی نگاہ نہیں ڈالی۔ نقد حدیث پر ہماری یہ ساری بحث اس پر دال ہے۔

محدثین نے مستشرقین اور ان کے ساتھ ساتھ ان کے خوشہ چیں منکرین حدیث کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کو رفع کرنے اور ذہنی اور فکری انتشار کو خالص علمی انداز میں دور کرنے کے لیے بھر پور کوشش کی ہے۔ اس مسلم میراث پر امت مسلمہ کا اعتماد بحال کرنے کے لیے اہم کردار ادا کیا ہے۔

حوالہ جات

- ۱۔ احمد محمد نور، من ادب الحمد ثین فی التریبۃ والتعلیم (دار البحوث للخدمات الاسلامیہ و احیاء التراث دینی، الطبعة الثانية، ۱۹۹۸) ص ۱۱۔
- ۲۔ ترمذی، السنن، (دار السلام، الرياض)، حدیث نمبر ۱۹۵۲، ص ۳۲۸۔
- ۳۔ عجلونی، کشف الخفاء (طبعة مؤسسة الرسالة بیروت، طبع ثالث ۱۹۸۳ء) ۷۲/۱۔
- ۴۔ ابن عبد البر، جامع بیان العلم وفضله (دار الفکر، بیروت) ۱۵۱/۱۔
- ۵۔ ایضاً، ۱۵۳/۱۔
- ۶۔ ایضاً، ۱۳/۲۔
- ۷۔ خطیب بغدادی، الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع (مکتبہ المعارف الرياض، ۱۹۸۳ء) ۱۴۲/۱۔
- ۸۔ ایضاً۔
- ۹۔ الشیخی، نور الدین، مجمع الزوائد (طبعة مؤسسة المعارف بیروت، ۱۹۸۶ء) ۹۲/۸۔
- ۱۰۔ من ادب الحمد ثین فی التریبۃ والتعلیم، ص ۱۶۔
- ۱۱۔ قاسمی، جمال الدین، قواعد التحدیث (دار الکتب العلمیۃ بیروت)، ص ۳۹۳۔
- ۱۲۔ البیہ (۹۸) ۵۔
- ۱۳۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱، ص ۱۔
- ۱۴۔ حبیب اللہ، بن عطا السجستانی، آداب الطالب و العالم و الحمد (مکتبۃ محمود سلام، کراچی) ص ۲۱۔
- ۱۵۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۶۶۴، ص ۵۲۵-۵۲۶؛ ابن ماجہ، السنن، حدیث نمبر ۲۵۲، ص ۳۸-۳۹۔
- ۱۶۔ آداب الطالب و العالم و الحمد، ص ۲۱۔
- ۱۷۔ الذاریات (۵۱) ۵۶۔
- ۱۸۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۶۴۱، ص ۵۲۳۔ ترمذی، السنن (دار السلام الرياض، الطبعة الاولى، ۱۹۹۹ء) حدیث نمبر ۲۶۸۲، ص ۶۰۸-۶۰۹۔

۱۸۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۶۵۴، ص ۶۰۲-۶۰۳۔

۱۹۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۱۲۱۲، ص ۲۹۵-۲۹۶۔

۲۰۔ الجامع الاخلاقی الراوی، ۱/۱۵۰۔

۲۱۔ ایضاً، ۱/۱۵۰۔

۲۲۔ الراہر، نزی، المحدثات الفاصل (دار الفکر، ۱۹۷۱ء) ص ۲۰۲؛ الجامع لاخلاقی الراوی، ۱/۱۵۰۔

۲۳۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق، ۱۰/۱/۱۶۳؛ من ادب المحدثین فی التربیۃ الاسلامیۃ، ص ۳۷۔

۲۴۔ الخطیب البغدادی، الجامع لاخلاقی الراوی وآداب السامع، ۲/۲۶۵۔

۲۵۔ ایضاً۔

۲۶۔ ایضاً، ۲/۲۶۳۔

۲۷۔ من ادب المحدثین فی تربیۃ الاسلامیۃ، ص ۳۹۔

۲۸۔ من ادب المحدثین فی تربیۃ الاسلامیۃ، ص ۳۹ بحوالہ حلیۃ لابن ابی نعیم، ۱/۱۳۰۔

۲۹۔ ابن ابی شیبہ، المصنف (دار الفکر بیروت ۱۴۰۹ھ-۱۹۸۹ء، الطبعة الاولى) ۸/۱۳۵۔

۳۰۔ احمی، غرائب القرآن و رغائب الفرقان (منشورات الرضی، قم ایران) سورہ العصر۔

۳۰۔۱۔ الرازی، تفسیر کبیر، ۳۲/۸۵-۸۶۔

۳۱۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۴۱۷، ص ۵۵۰-۵۵۱۔

۳۲۔ مقدمہ صحیح مسلم (دار السلام الریاض) ۱/۳۵؛ التمهید لابن عبدالبر (مکة المکرمہ) ۱/۳۶۔

۳۳۔ عجاج الخطیب، اصول حدیث، ص ۴۴۱۔

۳۴۔ ابن عبدالبر، التمهید، ۱/۴۵؛ خطیب بغدادی، الکفایہ، (المکتبۃ العلمیۃ بیروت) ص ۳۱۔

۳۵۔ التمهید، ۱/۳۶۔

۳۶۔ الخطیب البغدادی، الکفایہ (المکتبۃ العلمیۃ المدینۃ المنورہ) ص ۳۳۔

۳۷۔ ذاکٹر خالد محمود، آثار الحدیث، ۲/۵۷ بحوالہ شرح الجامع الصغیر للمناوی، ص ۵۵۔

۳۸۔ الجامع لاخلاقی الراوی، ۱/۱۱۸۔

۳۹۔ الحجرات (۴۹) ۵؛ الجامع لاخلاقی الراوی، ۱/۱۵۸۔

۴۰۔ الذہبی، سیر اعلام النبلاء (مؤسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۹۸۶ء) ۳/۳۴۳؛ الجامع لاخلاقی الراوی،

۱/۱۵۸۔

۴۱۔ تذکرۃ الحفاظ (دار احیاء التراث العربی بیروت)، ذکر شیخ عبید اللہ بن عبد اللہ، ۱/۷۹۔

- ۴۲۔ نووی، محی الدین محیی بن شرف، تہذیب الاسماء واللغات (دار الفکر بیروت، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء) ۵۰۳/۲۔
- ۴۳۔ ایضاً۔
- ۴۴۔ تہذیب الاسماء، ۸۰/۱۔
- ۴۵۔ ایضاً، ۲۱۷/۱۔
- ۴۶۔ ابن خلکان، وفيات الاعیان (منشورات الرضی قم، ایران، الطبعة الثانية)۔
- ۴۷۔ ابن حجر، الدرر الكامنة (دار الجلیل بیروت، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء) ۲۸۷/۱۔
- ۴۸۔ ہفتہ وار ہند کلکتہ، ۱۶ دسمبر ۱۹۳۵ء۔
- ۴۹۔ عیون الانباء، ۲۳/۲۔
- ۵۰۔ شبلی، سفرنامہ، ص ۱۶۔
- ۵۱۔ الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع، ص ۲۷۸۔
- ۵۲۔ تہذیب الاسماء، ۳۶۵/۲۔
- ۵۳۔ الجامع لاخلاق الراوی، ۲۳۷/۱۔
- ۵۴۔ ایضاً، ص ۲۷۸۔
- ۵۵۔ ایضاً، ۲۳۶/۱۔
- ۵۶۔ ایضاً، ۲۳۷/۱۔
- ۵۷۔ ایضاً، ۲۳۸/۱۔
- ۵۸۔ ایضاً۔
- ۵۹۔ ایضاً، ۲۷۸/۲۔
- ۶۰۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضله، ۱۴/۲۔
- ۶۱۔ ایضاً، ۱۱/۲۔
- ۶۲۔ ایضاً۔
- ۶۳۔ ایضاً، ۸/۲۔
- ۶۴۔ جھنڈاگری، عبدالرؤف، العلم والعلماء (مکتبہ قدوسیہ لاہور) ص ۶۴۔
- ۶۵۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ (دار احیاء التراث العربی، بیروت) ۱۱۰/۱۔
- ۶۶۔ ابن حجر، ہدی الساری المعروف مقدمة فتح الباری (ادارۃ البحوث العلمیۃ الریاض) ص ۴۸۶۔
- ۶۷۔ ایضاً، ص ۴۸۷۔

- ۶۸۔ ایضاً، ص ۲۸۶۔
- ۶۹۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ۱/۱۰۹۔
- ۷۰۔ ایضاً، ۱/۱۱۵۔
- ۷۱۔ ایضاً، ۱/۱۱۱-۱۱۲؛ البغدادی، الرحلة فی طلب الحدیث (دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۷۵ء) ص ۱۱۰۔
- ۷۲۔ بخاری، الجامع الصحیح (باب الخروج فی طلب العلم، تعاقباً) ص ۱۸۔
- ۷۳۔ خطیب بغدادی، الرحلة فی طلب الحدیث، ص ۱۱۰۔
- ۷۴۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ص ۱۲۱۔
- ۷۵۔ الترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۶۸۲، ص ۶۰۸-۶۰۹۔
- ۷۶۔ شاہ عبدالعزیز، بستان المحدثین (ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، طبع سوم، ۱۹۸۴ء) ص ۱۱۷۔
- ۷۷۔ جامع بیان العلم، ۱/۱۱۳۔
- ۷۸۔ العلم والعلماء، ص ۵۵ بحوالہ معجم الادباء، ۱/۲۵۵۔
- ۷۹۔ ایضاً، ص ۵۵ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۱۹۔
- ۸۰۔ العلم والعلماء، ص ۵۵ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۳۵۲۔
- ۸۱۔ تہذیب الاسماء، ۲/۲۵۲۔
- ۸۲۔ العلم والعلماء، ص ۵۵ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ۔
- ۸۳۔ ایضاً، ص ۳۸ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ، ۳/۱۲۸۔
- ۸۴۔ ایضاً، ص ۳۷-۳۸ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۴۷۔
- ۸۵۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ۱/۱۱۶۔
- ۸۶۔ ایضاً، ۱/۱۵۰۔
- ۸۷۔ ایضاً، ۱/۱۵۰؛ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱۰۹۔
- ۸۸۔ ایضاً، ۱/۱۴۷۔
- ۸۹۔ ایضاً، ۱/۱۴۸۔
- ۹۰۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۶۳۹، ص ۶۰۱۔
- ۹۱۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ۱/۱۴۸۔
- ۹۲۔ ایضاً، ۱/۱۳۹۔
- ۹۳۔ الجامع لاخلاق الراوی، ۱/۲۰۳۔

- ۹۴۔ ایضاً، ۱/۲۰۳۔
- ۹۵۔ سیوطی، الجامع الصغیر (دار الفکر بیروت ۱۹۹۲ء) ۶/۵۵۹۔
- ۹۶۔ ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۸۷۸، ص ۵۵۱۔
- ۹۷۔ ایضاً، حدیث نمبر ۴۲۲۶، ص ۵۹۲۔
- ۹۸۔ جامع الصغیر، ۵/۲۳۳۔
- ۹۹۔ الجامع لاخلاق الراوی، ۱/۳۸۱۔
- ۱۰۰۔ غزنوی، سید ابوبکر، حضرت مولانا داؤد غزنوی رحمہ اللہ (مکتبہ غزنویہ، لاہور) ص ۲۹۰۔
- ۱۰۱۔ ندوی، سید سلیمان، حیات امام مالک (مجلس نشریات اسلام، کراچی)، ص ۳۵۔
- ۱۰۲۔ موارد القلمان، کتاب المناقب باب بنی عامر، حدیث ۲۳۰۰۔
- ۱۰۳۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۴۸۳۸، ص ۸۵۶۔
- ۱۰۴۔ احیاء علوم الدین، ۱/۴۶۔
- ۱۰۵۔ ایضاً۔
- ۱۰۶۔ ایضاً۔
- ۱۰۷۔ ایضاً، ۱/۴۷۔
- ۱۰۸۔ ایضاً، ۳/۵۸۔
- ۱۰۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص ۲۱۔
- ۱۱۰۔ ایضاً، حدیث نمبر ۹۳، ص ۲۱۔
- ۱۱۱۔ ایضاً، ص ۱۴۔
- ۱۱۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۵۹، ص ۱۴۔
- ۱۱۳۔ محدث دہلوی، عبدالحق، مدارج النبوة (مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار لاہور)، ۱/۳۶۲۔
- ۱۱۴۔ ڈاکٹر خالد محمود، آثار الحدیث، ۲/۶۹، بحوالہ کتاب التاریخ للنجاشی بن معین، ۲/۲۱۳۔
- ۱۱۵۔ آثار الحدیث، ۲/۶۹، بحوالہ مصنف لعبد الرزاق، ۱/۳۶۲۔
- ۱۱۶۔ مدارج النبوة، ۱/۴۶۳۔
- ۱۱۷۔ ایضاً۔
- ۱۱۸۔ آثار الحدیث، ۲/۶۹-۷۰۔
- ۱۱۹۔ دارمی، السنن (سلسلہ مطبوعات کتب السنہ النبویہ، مدینہ المنورہ)، ۱/۶۶، عن ابی الدرداء۔

- ۱۲۰۔ جوہری، ابوالفداء اسماعیل بن حماد، الصحاح (مقدمہ) ۱/۱۶۱۔
- ۱۲۱۔ فیروز آبادی مجدالدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط (دار الفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ)، ۱/۹۱۔
- ۱۲۲۔ ابن منظور، لسان العرب (دار صادر بیروت) ۱/۵۱۹۔
- ۱۲۳۔ خطیب بغدادی، الکفایہ، ص ۱۵۱۔
- ۱۲۴۔ بخاری، الجامع الصحیح، دار السلام الریاض، ۱۹۹۹ء (کتاب فضائل اصحاب النبی) ص ۶۱۲۔
- ۱۲۵۔ ابن حجر العسقلانی، الاصابۃ، ۱/۷۔
- ۱۲۶۔ المنجد، ۳۳۔
- ۱۲۷۔ لسان العرب، ۱/۳۳۔
- ۱۲۸۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۹۶۔
- ۱۲۹۔ امام غزالی، المستصفی، ۱/۱۵۷۔
- ۱۳۰۔ الکفایہ: ص ۷۹۔
- ۱۳۱۔ سورہ البینہ (۹۸) ۷-۸۔
- ۱۳۲۔ التوبہ (۹) ۸۸۔
- ۱۳۳۔ التوبہ (۹) ۱۰۰۔
- ۱۳۴۔ الفتح (۲۸) ۱۸۔
- ۱۳۵۔ الحشر (۵۹) ۸۔
- ۱۳۶۔ الفتح (۲۸) ۲۹۔
- ۱۳۷۔ التحریم (۶۶) ۸۔
- ۱۳۸۔ الحجرات (۴۹) ۷-۸۔
- ۱۳۹۔ البقرۃ (۲) ۱۳۷۔
- ۱۴۰۔ البقرۃ (۲) ۲۱۸۔
- ۱۴۱۔ الانفال (۸) ۷۴۔
- ۱۴۲۔ التوبہ (۹) ۱۱۲۔
- ۱۴۳۔ مسلم الجامع الصحیح ۲/۳۰۸۔
- ۱۴۴۔ الترمذی، السنن، حدیث نمبر ۳۸۶۵، ص ۸۷۳۔
- ۱۴۵۔ خطیب حمیری، مشکاة المصابیح، حدیث نمبر ۶۰۱۵، ص ۳۳۵۔

- ۱۴۶۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث ۳۶۵۱، ص ۶۱۲۔
- ۱۴۶۲۔ ایضاً، حدیث ۳۶۵۰، ص ۶۱۲۔
- ۱۴۸۱۔ ایضاً، حدیث ۳۶۴۹۔ ص ۶۱۲؛ مسلم، الجامع الصحیح، ۲/۳۰۸۔
- ۱۴۹۱۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۳۸۵۸، ص ۸۷۱-۸۷۲۔
- ۱۵۰۱۔ ایضاً حدیث نمبر ۳۸۶۰، ص ۸۷۲۔
- ۱۵۱۱۔ ایضاً، حدیث نمبر ۳۸۶۱، ص ۸۷۲۔
- ۱۵۲۱۔ ایضاً حدیث نمبر ۳۸۶۶، ص ۸۷۳۔
- ۱۵۳۱۔ ایضاً حدیث نمبر ۳۸۶۲، ص ۸۷۲۔
- ۱۵۴۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۳۶۵۶، ص ۶۱۲۔
- ۱۵۵۱۔ ایضاً، حدیث نمبر ۳۶۶۶، ص ۶۱۵۔
- ۱۵۶۱۔ ایضاً، حدیث نمبر ۳۶۶۲، ص ۶۱۳-۶۱۵۔
- ۱۵۷۱۔ ایضاً حدیث نمبر ۳۶۷۱، ص ۶۱۶۔
- ۱۵۸۱۔ ایضاً حدیث نمبر ۳۶۷۵، ص ۶۱۷۔
- ۱۵۹۱۔ ایضاً حدیث نمبر ۳۶۸۱، ص ۶۱۸؛ ترمذی، السنن ۳۶۸۷، ص ۸۳۹۔
- ۱۶۰۱۔ ترمذی، السنن حدیث نمبر ۳۶۸۲، ص ۸۳۸۔
- ۱۶۱۱۔ ایضاً، حدیث ۳۶۸۳، ص ۸۳۸۔
- ۱۶۲۱۔ احمد، المسند، ۱/۳۳۹؛ علی المتقی، کنز العمال، ۲/۳۱۱۔
- ۱۶۳۱۔ ابن أبي العز، شرح العقيدة الطحاوية، ۴۶۹۔
- ۱۶۴۱۔ یوسف (۱۲) ۱۰۸۔
- ۱۶۵۱۔ البغوی، معالم التنزیل، ۳/۳۲۱۔
- ۱۶۶۱۔ الکفایۃ، ص ۴۹؛ الإصابۃ، ۱/۱۰؛ روى الخطیب البغدادی فی تاریخ بغداد، ۱۰/۱۷۴ فی ترجمۃ عبداللہ بن مصعب الزبیری سندہ إلى الزبیر بن أبی بکر وهي کنیة بکار قال: حدثني عمي مصعب بن عبداللہ قال حدثني أبي عبداللہ بن مصعب قال قال لي أمير المؤمنين المهدي: يا أبا بکر ما تقول فيمن يتنقص أصحاب رسول اللہ ﷺ قال قلت: زنادقة: قال: ما سمعت أحداً قال هذا قبلك. قال: هم قوم أرادوا رسول اللہ ﷺ بنقص لم يجدوا أحداً من الأمة يتابعهم على ذلك فتقصوا هؤلاء عند أبناء هؤلاء،

وهؤلاء عند أبناء هؤلاء فكانهم قالوا: رسول الله ﷺ يصحبه صحابة السوء فقال: ما أراه إلا كما قلت.

- ۱۶۷- الحشر (۵۹) ۷-۱۰: ابن تيمية، الصارم المسلول (المكتب الاسلامي بيروت، ۱۹۹۴ء) ص ۵۶۸.
- ۱۶۸- ابن تيمية، الصارم المسلول على شاتم الرسول، ص ۵۶۸.
- ۱۶۹- ابن حجر، الإصابة، ۱/۱۰.
- ۱۷۰- أحمد، فضائل الصحابة (مقدمة)، ۱/۱۵.
- ۱۷۱- ابن الصلاح، علوم الحديث مع التقييد والإيضاح، ص ۳۰۱.
- ۱۷۲- ابن عبد البر، الاستيعاب في معرفة الأصحاب، ۱/۲ (على هامش الإصابة).
- ۱۷۳- الكفاية، ص ۴۶-۴۷.
- ۱۷۴- النووي، التقریب والتيسير، ص ۹۲.
- ۱۷۵- سيوطي، تدريب الراوي، ۲/۲۱۶.
- ۱۷۶- ابن تيمية، شرح العقيدة الواسطية، ص ۱۶۶.
- ۱۷۷- أبو الحسن الأشعري، الإلابة من أصول الديانة، ص ۱۹۰-۱۹۱.
- ۱۷۸- ابن كثير، اختصار علوم الحديث، ص ۱۷۶-۱۷۷.
- ۱۷۹- الصابوني، عقيدة السلف وأصحاب الحديث، ص ۹۳.
- ۱۸۰- الکتاني، الرسالة المستطرفة، ۱۲۷، فتح المغيبي، ۳/۹۲.
- ۱۸۱- مطبوع جامعة أم القرى مكة المكرمة (انظر أيضاً الندوى المظاهري، أسماء الرجال، ص ۸۳).
- ۱۸۲- الإصابة، ۲/۱.
- ۱۸۳- مجلة البحث العلمي، والتراث الاسلامي العربي، ص ۳۵۳.
- ۱۸۴- النسائي، فضائل الصحابة، ۲۹، الذهي، تذكرة الحفاظ، ص ۲-۵۹۰.
- ۱۸۵- مجلة البحث العلمي، ص ۳۵۳.
- ۱۸۶- أيضاً، ص ۳۵۳.
- ۱۸۷- فؤاد سيزگين، تاريخ التراث العربي، ۱/۲۹۷.
- ۱۸۸- مطبوع من مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت، ۱۹۸۶ء، الطبعة الاولى.
- ۱۸۹- مجلة البحث العلمي، ص ۳۵۳.
- ۱۹۰- النسائي، فضائل الصحابة، ص ۲۷.

- ۱۹۱۔ الرسالة المستطرفة، ص ۱۲۶۔
- ۱۹۲۔ الاصابة، ۹/۱؛ النسائی، فضائل الصحابة، ص ۲۷۔
- ۱۹۳۔ مجلة البحث العلمي، ص ۳۵۳۔
- ۱۹۴۔ النسائی، فضائل الصحابة، ص ۲۷۔
- ۱۹۵۔ ابو نعیم، معرفة الصحابة، ۱/۲۸ (المقدمة)۔
- ۱۹۶۔ مطبوع من دار البيضاء، مغرب ۱۹۸۳ء۔
- ۱۹۷۔ السخاوی، فتح المغیث، ۳/۹۲۔
- ۱۹۸۔ حاجی خلیفہ، كشف الظنون، ۲/۱۷۳۶۔
- ۱۹۹۔ ابن الخیر اشعری، الفهرست، ص ۲۱۵؛ السخاوی، الاعلان بالتونج، ص ۹۲۔
- ۲۰۰۔ الاصابة، ۲/۱؛ السخاوی، فتح المغیث، ۳/۹۲۔
- ۲۰۱۔ الاصابة، ۲/۱-۳۔
- ۲۰۲۔ مجلة البحث العلمي، ص ۳۵۴۔
- ۲۰۳۔ النسائی، فضائل الصحابة، ص ۲۸۔
- ۲۰۴۔ مجلة البحث العلمي، ص ۳۵۳۔
- ۲۰۵۔ فتح المغیث، ۳/۹۲۔
- ۲۰۶۔ مجلة البحث العلمي، ص ۳۵۴۔
- ۲۰۷۔ كشف الظنون، ۲/۲۷۵۔
- ۲۰۸۔ مطبوع دار الكتب العربی، بیروت ۱۹۸۰ء۔
- ۲۰۹۔ تاریخ التراث العربی، ۱/۳۶۹۔
- ۲۱۰۔ مجلة البحث العلمي، ص ۳۵۴۔
- ۲۱۱۔ فهرست، ۲۱۵، تاریخ التراث العربی، ۱/۳۰۵۔
- ۲۱۲۔ الاصابة، ۳/۱؛ السنه قبل التدوین، ص ۲۶۲۔
- ۲۱۳۔ الاصابة، ۳/۱؛ الفهرست، ص ۲۱۵۔
- ۲۱۴۔ مجلة البحث العلمي، ص ۳۵۵۔
- ۲۱۵۔ تاریخ التراث العربی، ۱/۳۹۹۔
- ۲۱۶۔ مجلة البحث العلمي، ص ۳۵۵۔

- ۲۱۷- الاصابة، ۱/۳؛ تاريخ التراث العربي، ۱/۳۹۳، مطبوع متداول۔
- ۲۱۸- تاريخ التراث العربي، ۱/۴۰۳۔
- ۲۱۹- ايضاً۔
- ۲۲۰- كشف الظنون، ۲/۱۷۳۶؛ التراث، ۱/۴۰۷-۴۰۸۔
- ۲۲۱- مجلة البحث العلمي، ص ۳۵۵۔
- ۲۲۲- احمد، فضائل الصحابة، ۱/۱۸۔
- ۲۲۳- الاصابة، ۱/۳، فتح المغيث، ۳/۹۲۔
- ۲۲۴- تاريخ التراث العربي، ۱/۴۲۴۔
- ۲۲۵- ايضاً، ۱/۴۳۹۔
- ۲۲۶- كشف الظنون، ۲/۱۷۳۶۔
- ۲۲۷- تذكرة الحفاظ، ۳/۲۲۸۔
- ۲۲۸- كشف الظنون، ۲/۱۲۱۶۔
- ۲۲۹- فهرسة، ص ۲۹۱۔
- ۲۳۰- فتح المغيث، ۳/۹۲؛ النسائي، فضائل الصحابة، ص ۳۷۔
- ۲۳۱- ايضاً، ۳/۹۲۔
- ۲۳۲- مجلة البحث العلمي، ص ۳۵۷۔
- ۲۳۳- النسائي، فضائل الصحابة، ص ۳۰۔
- ۲۳۴- احمد، فضائل الصحابة، ۱/۱۹۔
- ۲۳۵- مطبوع دار احياء التراث العربي، بيروت في ۱۳۲۸ھ على هامش الاصابة في تمييز الصحابة لابن حجر۔
- ۲۳۶- الاصابة، ۱/۳۔
- ۲۳۷- مجلة البحث العلمي، ص ۳۵۸۔
- ۲۳۸- النسائي، فضائل الصحابة، ص ۳۱۔
- ۲۳۹- مجلة البحث العلمي، ص ۳۵۸۔
- ۲۴۰- النسائي، فضائل الصحابة، ص ۳۱۔
- ۲۴۱- مجلة البحث العلمي، ص ۳۵۸۔
- ۲۴۲- النسائي، فضائل الصحابة، ص ۳۱۔

- ۲۳۲- مطبوع المؤسسة العامة للصحافة والطباعة، بغداد ۱۹۶۱ء۔
- ۲۳۳- النسائي، فضائل الصحابة، ص ۳۱-۱۱۵۔
- ۲۳۴- ايضاً، ص ۳۷۔
- ۲۳۵- ايضاً۔
- ۲۳۶- ايضاً۔
- ۲۳۷- ايضاً۔
- ۲۳۸- احمد، فضائل الصحابة، ص ۳۷۔
- ۲۳۹- النسائي، فضائل الصحابة، ص ۳۷۔
- ۲۴۰- مطبوع دار احياء التراث العربي، بيروت ۱۹۷۳ء۔
- ۲۴۱- مطبوع دار احياء التراث العربي، بيروت۔
- ۲۴۲- مجلة البحث العلمي، ص ۳۵۹۔
- ۲۴۳- النسائي، فضائل الصحابة، ص ۳۱۔
- ۲۴۴- ايضاً، ص ۳۷۔
- ۲۴۵- ايضاً، وهو مطبوع دار الكتب العلمية بيروت في ۱۹۸۳ء۔
- ۲۴۶- النسائي، فضائل الصحابة، ص ۳۷۔
- ۲۴۷- ايضاً۔
- ۲۴۸- كشف الظنون، ۲/ ۱۲۷۶۔
- ۲۴۹- مجلة البحث العلمي، ص ۳۵۹۔
- ۲۵۰- مجلة البحث العلمي، ۳۵۹ وهو مطبوع۔
- ۲۵۱- مخطوط في مكتبة عثمانية بحلب ورقم ۲۵۱، وهو مطبوع من الجامعة الاسلامية ببها ولبور في قسم السيرة تحقيق راقم السطور۔
- ۲۵۲- مطبوع دار احياء التراث العربي، بيروت۔
- ۲۵۳- مطبوع مكتبة المعارف بيروت، ۱۹۸۳ء۔
- ۲۵۴- الندوي، فن اسماء الرجال، ص ۸۵۔
- ۲۵۵- ايضاً۔
- ۲۵۶- النسائي، فضائل الصحابة، ص ۳۲۔

- ۲۶۸۔ ایضاً۔
- ۲۶۹۔ ایضاً۔
- ۲۷۰۔ ابن الاثیر، مقدمہ النہایۃ، ص ۱۲۔
- ۲۷۱۔ بھٹی، محمد اسحاق، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد (مکتبہ قدوسیہ لاہور) ص ۳۰۰۔
- ۲۷۲۔ صبحی صالح، علوم الحدیث (مکتبہ کشمیر فیصل آباد، ۱۹۹۷ء، طبع پنجم) ص ۱۴۵۔
- ۲۷۳۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی (الفیصل ناشران، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۱ء) ۱/۲۵۔
- ۲۷۴۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، مقدمہ سپرنگر (مطبوعہ کلکتہ)۔
- ۲۷۵۔ مزنی، تہذیب الکمال (مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، الطبع الثانیہ، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء) ۱/۱۶۵۔
- ۲۷۶۔ خطیب بغدادی، تلخیص المتشابہ فی الرسم، المقدمہ تحقیق سیکنہ شہانی۔
- ۲۷۷۔ قاضی عیاض، الاماماع (تحقیق احمد صقر، قاہرہ) ص ۱۵۵۔
- ۲۷۸۔ ابن عبدالبر، الاستدکار، عبدالحی کتانی، فہرس الفہارس والاثبات۔
- ۲۷۹۔ المرعشی، محمد عبدالرحمن، فتح المنان مقدمۃ لسان المیزان (احیاء التراث العربی بیروت، ۱۹۹۵ء) ص ۱۶۳۔
- ۲۸۰۔ ایضاً، ص ۱۶۳-۱۶۴۔
- ۲۸۱۔ ایضاً، ص ۱۶۸۔
- ۲۸۲۔ تہذیب الکمال، ۱/۱۶۵۔
- ۲۸۳۔ ایضاً، ۱/۱۶۵۔
- ۲۸۴۔ ایضاً۔
- ۲۸۵۔ ایضاً، ۱۶۳-۱۶۴۔
- ۲۸۶۔ محمد عبدالرحمان، فتح المنان مقدمۃ لسان المیزان، ص ۱۶۱۔
- ۲۸۷۔ ایضاً، ص ۱۵۹-۱۶۰۔
- ۲۸۸۔ نجم الدین اصلاحی، دلائل السنن والآثار (ادارہ معارف اسلامیہ منصورہ لاہور، طبع اول ۱۹۸۷ء، بحوالہ سنن دارمی) ص ۱۶۱۔
- ۲۸۹۔ الاحقاف (۴۶) ۴۔
- ۲۹۰۔ قاضی شوکانی، فتح القدیر، (مصطفیٰ البابا لکھنؤ واولادہ بمصر، ۱۳۵۱ھ) ۱۳/۵۔
- ۲۹۱۔ فیروز آبادی، القاموس المحیط، تحت مادہ۔

- ۲۹۲- عبدالغفار حسن رحمانی، عظمت حدیث (دارالعلم، آب پارہ مارکیٹ، اسلام آباد) ص ۳۱۷-۳۱۸۔
- ۲۹۳- مسلم، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۶۵۹۶، ص ۱۱۳۲۔
- ۲۹۴- خطیب تبریزی، المشکوٰۃ، ۲/۹۸۸۔
- ۲۹۵- مسلم، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۳۷۱۰۔
- ۲۹۶- ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱/۲۵۳-۲۵۴۔
- ۲۹۷- ایضاً، ۱/۲۵۵۔
- ۲۹۸- ایضاً، ۱/۲۵۸۔
- ۲۹۹- ذہبی، العمر فی خبر من غیر (دارالکتب العلمیہ بیروت) ۲/۲۶۲۔
- ۳۰۰- ابوالعیم، معرفۃ الصحابہ، (مکتبہ الحرمین الریاض ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء الطبعة الاولى) ۱/۱۰۷۔
- ۳۰۱- ایضاً، ۱/۱۴۹۔
- ۳۰۲- ایضاً، ۱/۱۵۳۔
- ۳۰۳- ایضاً، ۳/۲۱۹۔
- ۳۰۴- ابن خلکان، وفیات الاعیان، (منشورات الشریف الرضی، قم) ۷/۶۷۔
- ۳۰۵- الذہبی، العمر، ۲/۳۱۶۔
- ۳۰۶- ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (یہ کتاب الاصابۃ کے حاشیہ پر احیاء التراث العربی، بیروت نے ۱۳۲۸ھ میں پہلی مرتبہ شائع کی)۔
- ۳۰۷- ڈاکٹر محمود طحان، اصول التخریج۔۔۔ (دار القرآن الکریم بیروت طبع ثالث ۱۹۸۱ء) ص ۱۷۰۔
- ۳۰۸- ایضاً۔
- ۳۰۹- ایضاً۔
- ۳۱۰- یہ کتاب مطبوع ہے۔
- ۳۱۱- الاستیعاب کے ساتھ دار احیاء التراث بیروت سے ۱۳۲۸ھ میں چار جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔
- ۳۱۲- ابن حجر، الاصابہ، مقدمہ (دار احیاء التراث العربی بیروت، طبع اول ۱۳۲۸ھ) ۱/۲۔
- ۳۱۳- ایضاً، ۱/۴-۷۔
- ۳۱۴- اصول التخریج ودراسۃ الاسانید، ص ۱۸۲-۱۸۳۔
- ۳۱۵- وفیات الاعیان، ۲/۳۵۱۔
- ۳۱۶- خطیب بغدادی، تاریخ بغداد (دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۹۷ء) ۵/۳۲۱۔

- ۳۱۷۔ الذہبی، العمر فی خبر من غیر، ۱/۳۲۰۔
- ۳۱۸۔ طبقات ابن سعد، دار صادر بیروت، ۱۹۸۵ء میں طبع ہوئی۔ (پہلی مرتبہ ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی)۔
- ۳۱۹۔ ابن العمد، شذرات الذهب، (المکتب التجاری بیروت) ۶/۱۵۳۔
- ۳۲۰۔ شذرات الذهب، ۶/۱۵۵۔
- ۳۲۱۔ ایک ایڈیشن شیخ زکریا عیرات کے حاشیہ کے ساتھ ۱۹۹۸ء میں دار الکتب العلمیہ بیروت (پانچ اجزاء) تین جلدوں میں شائع ہوا ہے۔
- ۳۲۲۔ اردو ترجمہ چار اجزاء دو جلدوں میں اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور سے شائع ہوا ہے۔
- ۳۲۳۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء) ۱/۴۳۔
- ۳۲۴۔ ایضاً، ۱/۴۴۔
- ۳۲۵۔ ایضاً، ۱/۴۴۔
- ۳۲۶۔ ایضاً، ۱/۱۷۴۔
- ۳۲۷۔ شذرات الذهب، ۸/۵۳۔
- ۳۲۸۔ ایک ایڈیشن دار الکتب العلمیہ بیروت سے ۱۹۹۳ء میں طبع ہوئی ہے۔
- ۳۲۹۔ سیوطی، طبقات الحفاظ، ص ۵۲۱۔
- ۳۳۰۔ ایضاً، ص ۵۲۱۔
- ۳۳۱۔ ایضاً، ص ۱۸۔
- ۳۳۲۔ ایضاً، ص ۸۵۔
- ۳۳۳۔ ایضاً، ص ۱۷۔
- ۳۳۴۔ ایضاً، ص ۳۰۵۔
- ۳۳۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۵۔
- ۳۳۶۔ وفيات الأعیان، ۶/۱۳۹۔
- ۳۳۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۵۔
- ۳۳۸۔ عبداللہ احمد حسن کی تحقیق سے دار القلم بیروت سے دو جلدوں میں ”تاریخ سنی بن معین“ کے نام سے شائع ہوئی ہے۔
- ۳۳۹۔ تاریخ بغداد، ۲/۶۰۵۔
- ۳۴۰۔ ایضاً، ۲/۶۔

- ۳۴۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۲۳۲۔
- ۳۴۲۔ تاریخ بغداد، ۲/۲۸۔
- ۳۴۳۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۳۳۹-۳۴۱۔
- ۳۴۴۔ العبر فی خبر من غمر، ۱/۳۶۸۔
- ۳۴۵۔ ایک ایڈیشن مصطفیٰ عبدالقادر احمد عطا کی تحقیق سے دارالکتب العلمیہ بیروت سے ۲۰۰۱ء میں نو جلدوں میں شائع ہوا ہے آخری جلد فہارس پر مشتمل ہے۔
- ۳۴۶۔ تاریخ بغداد، ۵/۷۔
- ۳۴۷۔ بخاری، مقدمہ التاریخ الاوسط، (داراللمصنوع، الریاض الطبعة الاولى ۱۹۹۸ء) ۱/۵۸۔
- ۳۴۸۔ تاریخ الاوسط، ۱/۶۸۔
- ۳۴۹۔ جس کا ایک ایڈیشن محمود ابراہیم زاید کی تحقیق سے دارالمعرفة بیروت سے ۱۹۸۶ء میں دو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔
- ۳۵۰۔ ابن حجر، الدرر الكامنة، (دارالجمیل بیروت، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء)، ۶/۳۵۷۔
- ۳۵۱۔ یاقوت، معجم البلدان، (دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء)، ۵/۱۲۲۔
- ۳۵۲۔ تہذیب الکمال، مقدمہ فصل اول، ۱/۱۶۔
- ۳۵۳۔ الدرر الكامنة، ۶/۳۵۹۔
- ۳۵۴۔ یہ کتاب بغداد یونیورسٹی کے ڈاکٹر "بشار عواد معروف" کی تحقیق سے ۳۵ جلدوں میں "مؤسسة الرسالة" بیروت نے ۱۹۸۳ء میں شائع کی ہے۔ یہ دوسرا ایڈیشن تھا۔
- ۳۵۵۔ تہذیب الکمال، مقدمہ، ۱/۱۳۹-۱۵۰۔
- ۳۵۶۔ ابن فہد کی، لحظہ الا لحاظ ذیل طبقات الحفاظ مع تذکرۃ الحفاظ، ۵/۹۱؛ سیوطی، ذیل طبقات الحفاظ، (دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۸ء) ۵/۲۴۱۔
- ۳۵۷۔ ایضاً، ۵/۹۱۔
- ۳۵۸۔ ابن حجر، لسان المیزان، (منشورات مؤسسة الاعلمی، بیروت، ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶ء) ۶/۷۲-۷۳۔
- ۳۵۹۔ طبقات الحفاظ، ص ۵۳۸۔
- ۳۶۰۔ عادل بن محمد اور اسامہ بن ابراہیم کی تحقیق سے ۱۲ جلدوں میں الفاروق الحدیثہ قاہرہ سے ۲۰۰۱ء میں چھپ چکی ہے۔
- ۳۶۱۔ مغلطائی، علاء الدین بن قلیج، اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، مقدمہ، (الفاروق الحدیثہ، القاہرہ،

۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء، الطبعة الاولى (۳/۱)۔

- ۳۶۲۔ ایضاً، ۳/۱۔
- ۳۶۳۔ مقدمہ المحقق علی اکمال تہذیب الکمال، ۳۲۱-۳۲۲۔
- ۳۶۴۔ متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ ایک ایڈیشن مصطفیٰ عبدالقادر کی تحقیق سے دارالکتب العلمیہ بیروت سے ۱۹۹۴ء میں بارہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔
- ۳۶۵۔ متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ ایک ایڈیشن دارالفکر بیروت سے ۱۹۹۵ء میں دو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔
- ۳۶۶۔ ابن حجر، مقدمہ تقریب التہذیب (دارالفکر بیروت ۱۹۹۵ء) ۸-۹۔
- ۳۶۷۔ مقدمہ التحقیق، تجلیل المنفعة، ص ۲-۱۲۔ ایمن صالح شعبان کی تحقیق سے ۱۹۹۶ء میں ”دارالکتب العلمیہ“ بیروت سے شائع ہوا ہے۔
- ۳۶۸۔ سیر اعلام النبلاء ۱۱/۱۷۹۔
- ۳۶۹۔ ابو نعیم اصفہانی، حلیۃ الاولیاء (دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۸ء) ۹/۱۶۳۔
- ۳۷۰۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۸۳-۱۸۴۔
- ۳۷۱۔ بخاری، التاريخ الكبير، ۵/۲۔
- ۳۷۲۔ ڈاکٹر طلعت بیکیت اور ڈاکٹر اسماعیل اوغلو کی تحقیق سے ۱۹۸۷ء میں المکتبۃ الاسلامیہ، استنبول سے دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔
- ۳۷۳۔ سیر اعلام النبلاء، ۲/۵۰۵۔
- ۳۷۴۔ تاریخ بغداد، ۴/۳۳۶۔
- ۳۷۵۔ العمر فی خبر من غیر، ۱/۳۷۴۔
- امام عجل کی یہ کتاب ڈاکٹر عبدالمعطل امین قلجی کی تحقیق سے دارالکتب العلمیہ بیروت سے ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی ہے۔ کتاب کے آخر میں آیات، احادیث اور کتاب کے مضامین کی فہارس دی گئی ہیں۔
- ۳۷۶۔ عجل، تاریخ الثقات (دارالکتب العلمیہ بیروت) ص ۴۵ (مقدمہ)۔
- ۳۷۷۔ ایضاً، ص ۲۵۴۔
- ۳۷۸۔ ایضاً۔
- ۳۷۹۔ ایضاً، ص ۶۲۔
- ۳۸۰۔ ایضاً، ص ۲۵۶۔
- ۳۸۱۔ ایضاً، ص ۲۷۲-۲۷۳۔

- ۳۸۲۔ ایضاً، ص ۵۱۔
- ۳۸۳۔ ایضاً، ص ۶۴۔
- ۳۸۴۔ ایضاً، ص ۳۸۶۔
- ۳۸۵۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۶/۹۳-۹۴۔
- ۳۸۶۔ ایضاً، ۱۶/۹۴۔
- ۳۸۷۔ ایضاً، ۱۶/۱۰۲۔
- ۳۸۸۔ کتاب الثقات ”دائرة المعارف العثمانیہ حیدر آباد“ ہند سے ۱۳۹۵ھ-۱۹۷۵م میں ۹ جلدوں میں شائع ہوا ہے۔
- ۳۸۹۔ العبر فی خبر من غیر، ۱۱۹/۳۔
- ۳۹۰۔ ذہبی، میزان الاعتدال، (دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۹۵ء)، ۷/۴۸۱۔
- ۳۹۱۔ میزان الاعتدال، ۷/۴۸۰۔
- ۳۹۲۔ میزان الاعتدال، ۱/۱۱۴۔
- ۳۹۳۔ متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ ایک ایڈیشن الشیخ علی محمد معوض اور الشیخ عادل احمد عبدالموجود کی تحقیق سے ”دار الکتب العلمیۃ“ بیروت سے ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء میں سات جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔
- ۳۹۴۔ لسان المیزان (منشورات مؤسسة الأعلیٰ للمطبوعات بیروت)، ۷/۵۳۵۔
- ۳۹۵۔ ابن الاثیر، النہایۃ فی غریب الحدیث، ۱/۲۵۵۔
- ۳۹۶۔ صحیحی صالح، اصول الحدیث، ص ۲۶۰۔
- ۳۹۷۔ فیومی، المصباح المنیر، ۲/۴۴۔
- ۳۹۸۔ القاموس المحیط، ۲/۱۳۔
- ۳۹۹۔ ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام، ۱/۱۴۵۔
- ۴۰۰۔ صحیحی صالح، اصول الحدیث علومہ ومصطلحہ، ص ۲۶۱؛ کشف الظنون، ۱/۵۸۲؛ المحطہ بذکر الصحاح الستہ، ص ۳۸؛ ابجد العلوم، ۲/۲۱۱۔
- ۴۰۱۔ ابن عبدالبر، التمهید، ۱/۴۶۔
- ۴۰۲۔ صالح الجزائری، توجیہ النظر، ص ۲۲۵۔
- ۴۰۳۔ الذہبی، میزان الاعتدال (دار المعرفۃ بیروت، الطبعة الاولى) ۱/۳۰۴۔
- ۴۰۴۔ الحجرات (۴۹) ۶۔

- ۴۰۵۔ علاء الدین علی بن محمد البغدادی، تفسیر الحازن المسمی، لباب التأویل ومعانی التزیل (دار الفکر بیروت، ۱۹۷۹ء) ۶/۲۲۲۔
- ۴۰۶۔ ابوداؤد، السنن (القاهرة) ۲/۲۰۳-۲۰۴۔
- ۴۰۷۔ النساء (۴) ۸۳۔
- ۴۰۸۔ الترمذی، السنن، حدیث نمبر ۳۸۲۵، کتاب المناقب، مناقب عبداللہ بن عمر۔
- ۴۰۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، (دار السلام الریاض الطبعة الثانیة) ص ۱۰۵۲۔ حدیث نمبر ۶۰۳۲۔
- ۴۱۰۔ علوم الحدیث، ص ۲۱۷؛ مقدمہ مسلم، ۱/۱۰؛ فن اسماء الرجال، ص ۶۵۔
- ۴۱۱۔ آل عمران (۳) ۱۱۰۔
- ۴۱۲۔ الترمذی، السنن، ۲/۲۲۶۔
- ۴۱۳۔ آل عمران (۳) ۱۱۰۔
- ۴۱۴۔ الحجرات (۴۹) ۶۔
- ۴۱۵۔ البقرہ (۱) ۱۲۳۔
- ۴۱۶۔ البخاری الجامع الصحیح، ۷/۱۰۔
- ۴۱۷۔ نواب صدیق حسن خان، المنہاج شرح صحیح مسلم، ۱/۱۲۳۔
- ۴۱۸۔ حاکم، معرفۃ علوم الحدیث، (دار الآفاق الجدیدة الرابعة بیروت ۱۹۸۰/۱۴۰۰ھ) ص ۵۲۔
- ۴۱۹۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۱/۳۔
- ۴۲۰۔ ایضاً۔
- ۴۲۱۔ ایضاً، ص ۱۰؛ محمد بن ابراہیم الوزیری الیمانی، الروض الباسم (دار البشیر عمان ۱۹۸۵ء) ۱/۱۰۲۔
- ۴۲۲۔ الوزیری الیمانی، الروض الباسم، ۱/۵۲۔
- ۴۲۳۔ ابن الصلاح، المقدمہ مع التقیید والایضاح، ص ۴۴۰۔
- ۴۲۴۔ سیوطی، تدریب الراوی (البحر والتحدیل)۔
- ۴۲۵۔ عبدالعزیز، ڈاکٹر، ضوابط الجرح والتحدیل (الجامعة الاسلامیة المدینة المنورة ۱۴۱۲ھ) ص ۳۷۔
- ۴۲۶۔ اثری، ابومعاذ عبدالجلیل، تحفہ اہل النظر۔۔۔ (عبدالجید کھوکھر لاہوری، گوجرانوالہ ۱۹۹۸ء)، ص ۱۷۹۔
- ۴۲۷۔ اثری، تحفہ اہل النظر فی مصطلح اہل الاثر، ص ۱۸۱-۱۸۴۔
- ۴۲۸۔ ڈاکٹر محمود طحان، تیسیر مصطلح الحدیث، (معارف اسلامی، لاہور، ترجمہ بنام اصطلاحات الحدیث، منظور حسین ندوی، ۱۹۹۰ء، طبع اول) ص ۸۴-۸۵۔

- ۲۲۹۔ عبدالموجود، علم الجرح والتعديل، (جامعة القاهرة) ص ۴۹۔
- ۲۳۰۔ السخاوی، فتح المغیث (المدينة المنورة) ص ۳۳۷۔
- ۲۳۱۔ السیوطی، تدریب الراوی (المکتبة العلمية بالمدينة المنورة، الطبعة الاولى ۱۹۵۹م) ص ۳۶۶۔
- ۲۳۲۔ محمود طحان، تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۱۵۰-۱۵۱۔
- ۲۳۳۔ تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۱۴۹-۱۵۰۔
- ۲۳۴۔ امین ابولادی، اصول الجرح والتعديل (دار ابن عفان، المملكة العربية السعودية) ص ۲۰۲-۲۱۰۔ عبد
الروف ظفر، مولانا سراج الاسلام حنیف، التحدیث فی علوم الحدیث (مکتہ قدوسیہ اردو بازار لاہور)
ص ۲۷۹-۲۸۴ (دونوں کتابوں میں تمام کتب ہیں)۔
- ۲۳۵۔ فیروز آبادی، القاموس المحیط (مادہ) ۱/۱۹۱-۱۹۲۔
- ۲۳۶۔ احمد بن فارس، معجم مقاییس اللغة (تحت مادہ، تحقیق عبدالسلام، دار احیاء التراث العربیہ القاہرہ،
۱۳۶۶ھ) ۲/۱۷۵۔
- ۲۳۷۔ ابن منظور، لسان العرب، (دار صادر بیروت) ۲/۲۴۹-۲۵۴۔
- ۲۳۸۔ سورة النازعات (۷۹) ۲۹، البغوی، معالم التنزیل (مصطفی البابی واولاده بمصر الطبعة الثانية ۱۳۷۵ھ/
۱۹۵۵م) ۴/۷۔
- ۲۳۹۔ ابراہیم مصطفیٰ، احمد حسن زیات وغیرہ، المعجم الوسیط، (المکتبة الاسلامیہ استانبول، ترکیا) ۲۲۴۔
- ۲۴۰۔ بلیاوی، ابوالفضل عبدالحفیظ، مصباح اللغات (سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۱۹۷۳ء) ۱۹۵۔
- ۲۴۱۔ محمود الطحان، اصول التخریج ودراسات الاسانید، ص ۱۲-۱۳۔
- ۲۴۲۔ احمد بن محمد الغماری، حصول التفریح باصول التخریج (مکتبة طبریة، الرياض ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴م) ۱۳۔
- ۲۴۳۔ ایضاً، ص ۱۴۔
- ۲۴۴۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۲۲۸۔
- ۲۴۵۔ السخاوی، محمد بن عبدالرحمن، فتح المغیث شرح الفیہ الحدیث (دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۸۰ء) ۲/۳۳۸۔
- ۲۴۶۔ عبدالرؤف المناوی، فیض القدر، ۱/۲۰۔
- ۲۴۷۔ ابو محمد عبدالمہدی بن عبدالقادر بن عبدالمہادی، طرق تخریج حدیث (دارالاعتصام قاہرہ) ۱۱-۱۲۔
- ۲۴۸۔ ان کتب کا ذکر تفصیل سے آ رہا ہے۔ بطور مثال: تخریج احادیث تفسیر بیضاوی، اور نصب الراية تخریج
احادیث ہدایہ۔
- ۲۴۹۔ الحاکم، معرفۃ علوم الحدیث، ص ۱۴۔

۴۵۰۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ (حیدرآباد ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء، الطبعة الثالث) ۶/۱۔

۴۵۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، ص ۱۱۹۰، حدیث نمبر ۶۹۰۵-۶۹۰۶۔

۴۵۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱۰/۱: محمد بن ابراہیم الوزير الیمانی، العواصم والقواصم فی الذب عن سنی ابی القاسم (دار

البشر، عمان ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء، الطبعة الاولى) ص ۱۰۲۔

۴۵۳۔ مسلم، الجامع الصحیح (نور محمد، اصح المطابع کراچی) ۴۳/۱۔

۴۵۴۔ غماری، حصول التفریح باصول التخریج، مکمل تفصیل۔

۴۵۵۔ عبد اللہ اسعدی، علم الحدیث (مجلس نشریات اسلام، کے، ۳، ناظم آباد مینشن کراچی) ص ۴۷۷۔

۴۵۶۔ اس کتاب کو سیرت جیسر، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور نے ۲۰۰۳ء شائع کیا ہے۔

۴۵۷۔ یہ کتاب النور انٹرنیشنل بہاولپور کی طرف سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی۔

۴۵۸۔ ڈاکٹر محمود الطحان، اصول التخریج ودراسات الاسانید، ص ۳۵۔

۴۵۹۔ ابوداؤد طیالسی، المسند (دار المعرفہ بیروت) ص ۲۔

۴۶۰۔ احمد، المسند (دار الفکر القاہرہ) ۱۴/۱، مسند احمد کی پہلی جلد کے ص ۱۹۶ تک عشرہ مبشرہ کی مسانید ہیں بعد

ازاں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مسانید میں۔

۴۶۱۔ الطبرانی، المعجم الصغیر (مؤسسة الکتب الثقافت بیروت ۱۹۸۶ء، الطبعة الاولى) ص ۴۱۔

۴۶۲۔ الحمزی، ابوالحجاج، تحفہ الاشراف (المکتب الاسلامی، بیروت ۱۹۸۳ء، الطبعة الثانية) ۸-۷/۱۔

۴۶۳۔ سیوطی، عبدالرحمن، الدرر المنقذۃ فی الاحادیث المشتملة (المکتب الاسلامی، بیروت ۱۹۸۴ء) ص ۳۹۔

۴۶۴۔ ایضاً ۱۹۱۔

۴۶۵۔ سیوطی، عبدالرحمن، الجامع الصغیر (المکتبہ الاسلامیہ سمندری ۱۳۹۳ھ) ۳-۲/۱۔

۴۶۶۔ ابن ابی حاتم، عبدالرحمن، علل الحدیث (دار المعرفہ بیروت ۱۹۸۵ء) ۹/۱۔

۴۶۷۔ ونسک، المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی (مکتبہ ای۔ جے۔ برل، لیڈن ۱۹۳۶ء) ۲/۱۔

۴۶۸۔ ایضاً، ۳۵۹/۱۔

۴۶۹۔ ایضاً، ۵۴۳/۳۔

۴۷۰۔ بیہقی، دلائل النبوة (مطابع الاحرام التجاریہ القاہرہ، ۱۹۶۹ء) ۱۲/۱، مقدمۃ التحقیق۔

۴۷۱۔ بیہقی، دلائل النبوة، ۳۳/۱۔

۴۷۲۔ ایضاً۔

۴۷۳۔ احمد، المسند، تحقیق احمد محمد شاہ (تحقیق احمد شاہ، دار المعارف بمصر ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء) ۱۴۱۵/۲۔

- ۴۷۴۔ احمد، المسند ۲/۱۶۶۷۔
- ۴۷۵۔ ناصر الدین الالبانی، سلسلة الاحادیث الصحیحة (المکتب الاسلامی بیروت) ۱/۶۷۔
- ۴۷۶۔ ناصر الدین الالبانی، سلسلة الاحادیث الضعیفة (المکتب المعارف الرياض ۱۹۹۲) ۱/۳۵۶۔
- ۴۷۷۔ بغوی، ابو محمد حسین بن مسعود، مصابیح السنن، (دار المعرفہ بیروت ۱۹۸۷م الطبعة الاولى) ۱/۲۵۹۔
- ۴۷۸۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون (دار الفکر بیروت، ۱۹۹۶ء) ۱/۱۹۱۔
- ۴۷۹۔ ذہبی، تذکرة الحفاظ مترجم (اسلامک پبلشنگ ہاؤس، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۹ء) ۳-۲/۸۳۳۔
- ۴۸۰۔ ایضاً، ۳-۲/۸۳۳۔
- ۴۸۱۔ ابن حجر، لسان المیزان، (منشورات مؤسسة الاعلمی، للمطبوعات بیروت، ۱۹۸۶ء) ۵/۲۰۸۔
- ۴۸۲۔ تذکرة الحفاظ مترجم، ۳-۲/۸۳۳۔
- ۴۸۳۔ ایضاً، ۳-۲/۸۳۳۔
- ۴۸۴۔ ایضاً، ۳-۲/۸۳۳۔
- ۴۸۵۔ ایضاً، ۳-۲/۸۳۳۔
- ۴۸۶۔ ابن العماد، شذرات الذهب (المکتب التجاری، بیروت) ۴/۱۸۔
- ۴۸۷۔ تذکرة الحفاظ مترجم، ۳-۲/۸۳۳۔
- ۴۸۸۔ لسان المیزان، ۵/۲۰۹۔
- ۴۸۹۔ تذکرة الحفاظ، ۳-۲/۸۳۳۔
- ۴۹۰۔ ایضاً، ۳-۲/۸۳۵۔
- ۴۹۱۔ ایضاً، ۳-۲/۸۳۵۔
- ۴۹۲۔ ایضاً۔
- ۴۹۳۔ تذکرة الحفاظ، ۳-۲/۸۸۰۔
- ۴۹۴۔ ایضاً، ۳-۲/۸۸۰۔
- ۴۹۵۔ ایضاً، ۳-۲/۸۸۰۔
- ۴۹۶۔ ایضاً، ۳-۲/۸۸۰۔
- ۴۹۷۔ ایضاً، ۳-۲/۸۸۰۔
- ۴۹۸۔ ایضاً، ۳-۲/۸۸۰۔

- ۴۹۹۔ ایضاً، ۳-۲-۹۵۰۔
- ۵۰۰۔ ایضاً، ۳-۲-۹۵۰۔
- ۵۰۱۔ ایضاً، ۳-۲-۹۵۰۔
- ۵۰۲۔ ایضاً، ۳-۲-۹۵۰۔
- ۵۰۳۔ ایضاً، ۳-۲-۹۵۰۔
- ۵۰۴۔ ایضاً، ۳-۲-۸۸۶۔
- ۵۰۵۔ ایضاً، ۳-۲-۸۸۶۔
- ۵۰۶۔ ایضاً، ۳-۲-۸۸۶۔
- ۵۰۷۔ ایضاً، ۳-۲-۸۸۶۔
- ۵۰۸۔ سیوطی، طبقات الحفاظ (دارالکتب العلمیہ بیروت) ص ۲۷۳۔
- ۵۰۹۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۳-۲-۸۸۶۔
- ۵۱۰۔ ایضاً، ۳-۲-۸۸۶۔
- ۵۱۱۔ ایضاً، ۳-۲-۸۸۶۔
- ۵۱۲۔ ایضاً، ۳-۲-۸۸۶۔
- ۵۱۳۔ ایضاً، ۳-۲-۸۸۶۔
- ۵۱۴۔ ایضاً، ۳-۲-۸۸۶۔
- ۵۱۵۔ ایضاً، ۳-۲-۸۸۶-۸۸۷۔
- ۵۱۶۔ ایضاً، ۳-۲-۸۸۷۔
- ۵۱۷۔ ایضاً، ۳-۲-۸۸۷۔
- ۵۱۸۔ ایضاً، ۳-۲-۸۸۷۔
- ۵۱۹۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۳-۲-۵۸۔
- ۵۲۰۔ طبقات الحفاظ، ص ۲۳۴۔
- ۵۲۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳-۲-۷۵۸۔
- ۵۲۲۔ طبقات الحفاظ، ص ۲۳۳۔
- ۵۲۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳-۲-۷۵۸۔
- ۵۲۴۔ ایضاً، ۳-۲-۷۵۸۔

- ۵۲۵۔ ایضاً، ۳-۴/۵۸۔
- ۵۲۶۔ ایضاً، ۳-۴/۵۸۔
- ۵۲۷۔ ابن العماد، شذرات الذهب، ۳/۳۱۲۔
- ۵۲۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳-۴/۵۹۔
- ۵۲۹۔ شذرات الذهب، ۳/۳۱۲۔
- ۵۳۰۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۳-۴/۵۹۔
- ۵۳۱۔ ایضاً، ۳-۴/۶۰-۶۱۔
- ۵۳۲۔ طبقات الحفاظ، ص ۴۳۵۔
- ۵۳۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳-۴/۶۲۔
- ۵۳۴۔ المرجع السابق، ۳-۴/۶۳۔
- ۵۳۵۔ ایضاً، ۳-۴/۶۴۔
- ۵۳۶۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ۱/۱۹۱ (سمعی کی کتاب الانساب دار البیان بیروت سے ۱۹۸۸ء میں عبداللہ عمر البارودی کی تحقیق کے ساتھ پانچ جلدوں میں چھپی ہے)۔
- ۵۳۷۔ السمعانی، الانساب (دار البیان ۱۹۸۸) ۱/۵۶۔
- ۵۳۸۔ ایضاً، ۴/۲۰۷۔
- ۵۳۹۔ مطبوع دار الفکر بیروت، ۱۹۸۹ء۔
- ۵۴۰۔ ابو عبید قاسم بن سلام، کتاب النسب (دار الفکر بیروت) ۱۹۸۹ء۔
- ۵۴۱۔ اللغمی، ابو محمد عبداللہ، اقتباس الانوار (مقدمہ) (دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۹ء)، ص ۳۔
- ۵۴۲۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۳/۱۰۷۔
- ۵۴۳۔ دار الکتب العلمیہ بیروت سے محمد سالم ہاشم کے حاشیہ کے ساتھ ۱۹۹۹ء میں چھپ چکی ہے۔ ساتھ اس کتاب کا اختصار بھی جو کہ محمد عبدالحق بن عبد الرحمن الاشعری ابن الخراط نے ترتیب دی ہے۔
- ۵۴۴۔ اللغمی، اقتباس الانوار، ص ۱۳۔
- ۵۴۵۔ ایضاً، ص ۱۳۔
- ۵۴۶۔ معز الدین محمد المحدثی قزوینی، اسماء القبائل و انسابها (مقدمہ) (دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۰ء) ص ۸-۹۔
- ۵۴۷۔ ایضاً، ص ۳۵۔
- ۵۴۸۔ ایضاً، ص ۲۵۰۔

- ۵۴۹۔ ایضاً، ص ۲۷۶۔
- ۵۵۰۔ قاری روح اللہ محمد عمر المدنی، علم حدیث اور اس کا ارتقاء (نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن پشاور، ۱۹۸۹ء) ص ۱۳۱۔
- ۵۵۱۔ ایضاً، ص ۱۳۱-۱۳۲۔
- ۵۵۲۔ ڈاکٹر محمود طحان، تیسیر مصطلح الحدیث (مکتبہ المعارف الریاض الطبعة الثالثة ۱۹۹۶ء) ص ۲۱۹؛ قاری روح اللہ، علم حدیث اور اس کا ارتقاء، ص ۱۳۳-۱۳۶۔
- ۵۵۳۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء (مؤسسة الرسالة بیروت) ۲۱۳/۱۱۔
- ۵۵۴۔ ذہبی، تذکرة الحفاظ (دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۸ء) ۱۶/۲۔
- ۵۵۵۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۱۹۶۔
- ۵۵۶۔ محمد محمد ابو زہو، تاریخ حدیث و محدثین (قرآن لمینڈ لاہور) ص ۴۷۳-۴۷۵۔
- ۵۵۷۔ احمد بن حنبل، کتاب الاسامی والکنی (دارالاقصی الکویت ۱۹۸۵ء، تحقیق عبداللہ بن سیف) ص ۲۴۔
- ۵۵۸۔ ایضاً۔
- ۵۵۹۔ ایضاً، ص ۲۵۔
- ۵۶۰۔ اللیل (۹۲) ۵-۷۔
- ۵۶۱۔ الاسامی والکنی، ص ۲۶۔
- ۵۶۲۔ ایضاً، ص ۲۷۔
- ۵۶۳۔ ایضاً، ص ۳۲۔
- ۵۶۴۔ ایضاً، ص ۳۲-۳۳۔
- ۵۶۵۔ ایضاً، ص ۲۷۔
- ۵۶۶۔ ایضاً، ص ۲۹۔
- ۵۶۷۔ ایضاً، ص ۳۲۔
- ۵۶۸۔ ایضاً، ص ۵۳۔
- ۵۶۹۔ ایضاً، ص ۱۰۲۔
- ۵۷۰۔ محمد محمد ابو زہو، تاریخ حدیث و محدثین، ص ۴۷۵-۴۷۹۔
- ۵۷۱۔ اس کتاب کو دائرة المعارف عثمانیہ حیدرآباد میں ۱۳۶۰ھ میں کتاب کی صورت میں شائع کیا۔
- ۵۷۲۔ بخاری، الکنی (دائرة المعارف عثمانیہ حیدرآباد، ۱۳۶۰ھ)، ص ۳۔

- ۵۷۳۔ ایضاً، ص ۳۔
- ۵۷۴۔ ایضاً، ص ۴۔
- ۵۷۵۔ ایضاً۔
- ۵۷۶۔ ایضاً۔
- ۵۷۷۔ بخاری، کتاب الکئی جزء من التاريخ الكبير (دائرة المعارف العثمانية، حیدرآباد، دکن ۱۳۶۰ھ) ص ۵۔
- ۵۷۸۔ ذہبی، تذکرة الحفاظ، ۱۲/۲۔
- ۵۷۹۔ ایضاً، ۱۲/۲۔
- ۵۸۰۔ ایضاً، ۱۳/۲۔
- ۵۸۱۔ محمد محمد ابو زہرہ، تاریخ حدیث والمحدثین، ص ۶۲۳۔
- ۵۸۲۔ ذہبی، تذکرة الحفاظ (دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۸ء) ۱۲۳/۳۔
- ۵۸۳۔ ایضاً، ۱۲۳/۳۔
- ۵۸۴۔ ایضاً۔
- ۵۸۵۔ ایضاً۔
- ۵۸۶۔ مولانا تقی الدین ندوی، فن اسماء الرجال (مکتبہ فلاح دارین گجرات، ۱۹۶۹ء) ص ۹۴-۹۶۔
- ۵۸۷۔ ذہبی، تذکرة الحفاظ، ۱۲۵/۲۔
- ۵۸۸۔ ایضاً، ۱۲۶/۲۔
- ۵۸۹۔ ذہبی، تذکرة الحفاظ، ۲۳۰/۲۔
- ۵۹۰۔ دولابی، محمد بن احمد، کتاب الکئی والاسماء (المکتبہ الاثریۃ سانگلہ ہل شیخوپورہ، طبع ثانیہ) ۱۱/۱۔
- ۵۹۱۔ ایضاً، ۶۵/۱۔
- ۵۹۲۔ ایضاً، ۷۶/۲۔
- ۵۹۳۔ یہ دوسرا ایڈیشن ہے۔ پہلا ایڈیشن ۱۳۲۲ھ کو حیدرآباد دکن سے شائع ہوا۔ اسے اردو دونوں اجزاء کو ایک ہی جلد میں المکتبہ الاثریۃ سانگلہ ہل شیخوپورہ نے شائع کیا ہے۔
- ۵۹۴۔ ذہبی، تذکرة الحفاظ، ۹۰/۳۔
- ۵۹۵۔ ایضاً۔
- ۵۹۶۔ ایضاً۔
- ۵۹۷۔ ایضاً۔

- ۵۹۸۔ ایضاً۔
- ۵۹۹۔ ایضاً، ۸۹/۳-۹۰۔
- ۶۰۰۔ محمد ابو زہو، تاریخ حدیث والمحدثین، ص ۶۲۲۔
- ۶۰۱۔ دارالکتب العلمیہ بیروت نے ۱۹۹۰ء میں سات جلدوں میں شائع کی ہے۔
- ۶۰۲۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۳/۳۰۵۔
- ۶۰۳۔ ابن ماکولا، الاکمال (دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۹۰ء) ۱/۱-۲۔
- ۶۰۴۔ ایضاً، ۱/۲۔
- ۶۰۵۔ ایضاً، ۱/۲۔
- ۶۰۶۔ ایضاً، ۷/۳۵۷۔
- ۶۰۷۔ لندن سے ۱۹۰۵ء میں البانی زبان کے مقدمہ کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔
- ۶۰۸۔ مولانا تقی الدین ندوی، فن اسماء الرجال، ص ۹۲-۹۶۔
- ۶۰۹۔ تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۲۲۱۔
- ۶۱۰۔ ایضاً، ص ۲۲۱۔
- ۶۱۱۔ سعد فہمی، السراج المنیر فی القاب المحدثین (دار ابن حزم، بیروت الطبعة الاولى ۱۹۹۶ء) ص ۱۲۔
- ۶۱۲۔ ایضاً، ص ۱۳۔
- ۶۱۳۔ ایضاً۔
- ۶۱۴۔ ایضاً۔
- ۶۱۵۔ ایضاً، ص ۱۵۔
- ۶۱۶۔ ابن ماکولا، الاکمال، ۷/۲۰۱۔
- ۶۱۷۔ تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۲۲۲۔
- ۶۱۸۔ ابن حجر، بلوغ المرام (مقدمہ) ص ۷-۸۔
- ۶۱۹۔ (اس کا قلمی نسخہ دارالکتب المصریہ میں موجود ہے)۔
- ۶۲۰۔ محمد ابو زہو، تاریخ حدیث والمحدثین، ص ۶۲۵۔
- ۶۲۱۔ سعد فہمی، سراج المنیر، ص ۱۴-۱۵۔
- ۶۲۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ المعجم الوسیط ۵۵/۲، تحت مادہ طباق۔
- ۶۲۳۔ الفالوڈہ، ابوالبراء اہم محمد الیاس، مدخل الی علم الطبقات (مکتبہ مدار الطبعة الثانية ۲۰۰۱ء) ص ۱۰۔

- ۶۲۴۔ ایضاً، ص ۱۰-۱۱۔
- ۶۲۵۔ امام بخاری نے تاریخ الاوسط میں ۵۰ھ سے ۲۳۰ھ تک ۱۸۰ سال کے ۱۰ طبقے بنائے ہیں۔ اس طرح امام ذہبی نے تاریخ اسلام میں سنہ ۱ھ سے لیکر ۷۰۰ تک کے ۷۰ طبقے بنائے ہیں۔
- ۶۲۶۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ۶۳-۶۵ (النوع السالغ)۔
- ۶۲۷۔ ابن سعد، الطبقات، ۶/۳-۶۱۹ (ملاحظہ)۔
- ۶۲۸۔ بحوالہ مدخل الی علم الطبقات، ص ۱۲-۱۳۔
- ۶۲۹۔ ابن حجر، تقریب التہذیب، ۱/۷-۹۔
- ۶۳۰۔ ابن حجر کی کتب اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ وہ واقعتاً اس خطاب کے اہل ہیں۔
- ۶۳۱۔ ان دونوں کے حالات اور ان پر جرح و تعدیل کے لیے دیکھئے، المزی، تہذیب الکمال (بیروت ۱۴۰۰ھ)۔
- ۶۳۲۔ الطبرانی، المعجم الصغیر (قاہرہ، ۱۳۸۸ھ) ۱/۲۸۔
- ۶۳۳۔ الرامہرزی، المحدث الفاصل، ص ۲۸۵، العراقی، التقیید والایضاح، شرح مقدمہ ابن الصلاح (قاہرہ ۱۳۸۹ھ) ص ۲۱۶۔
- ۶۳۴۔ السمعی، الانساب (بیروت ۱۴۰۸ھ) ۲/۲۲۲؛ الذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۱۵/۵۴۸؛ ابن حجر، لسان المیزان (بیروت، ۱/۲۲۳)۔
- ۶۳۵۔ نور الدین عتر، منہج النقد فی علوم الحدیث،
- ۶۳۶۔ المزی، تہذیب الکمال، ۱۲/۷۷۔
- ۶۳۷۔ البھندس اسعد سالم قیم، علم الطبقات المحدثین (مکتبۃ الرشید، الریاض ۱۹۹۴) ص ۱۲۷-۱۲۸۔
- ۶۳۸۔ ایضاً، ص ۱۲۹۔
- ۶۳۹۔ د، اکرم ضیاء العمری، موارد الخطیب البغدادی (دمشق ۱۳۹۵ھ) ص ۲۸۶-۲۸۷، ۳۸۷-۵۷۳۔
- ۶۴۰۔ دارقطنی سے الموطأ تلف والمختلف میں اس سے دور روایتیں نقل کی ہیں، الموطأ تلف والمختلف ص ۱۸۶، ۵۵۷، ۵۹۸۔
- ۶۴۱۔ ابن الندیم، الفہرست (طهران ۱۹۷۱) ص ۱۱۱۔
- ۶۴۲۔ علم طبقات المحدثین، ص ۱۵۵-۱۵۶۔
- ۶۴۳۔ ایضاً، ص ۱۵۲-۱۵۳۔
- ۶۴۴۔ ایضاً، ص ۱۵۸۔

- ۶۳۵۔ ایضاً، ص ۱۶۱-۱۶۲۔
- ۶۳۶۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ (حیدر آباد ۱۳۷۸ھ) ۱/۶۱۳۔
- ۶۳۷۔ علم الطبقات المحدثین، ص ۱۷۶-۱۸۰۔
- ۶۳۸۔ تہذیب الکمال، ۱۲/۳۳۔
- ۶۳۹۔ علم الطبقات المحدثین، ص ۱۸۷-۱۸۹۔
- ۶۵۰۔ ابن منظور، لسان العرب، ۳/۳۱۵؛ الزبیدی، تاج العروس (القاہرہ ۱۳۰۶ھ) ص ۵۱۶/۲-۵۱۷۔
- ۶۵۱۔ عصام احمد البشیر، اصول منہج النقد عند اہل الحدیث (مؤسسۃ الریان، بیروت ۱۹۸۹) ص ۷۔
- ۶۵۲۔ تفصیلی معلومات کے لیے ملاحظہ ہو۔ ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، مولانا سراج الاسلام حنیف، التحدیث فی علوم الحدیث (مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۰۳ء)؛ ڈاکٹر خالد علوی، اصول حدیث (الفیصل ناشران کتب لاہور)؛ ابن الصلاح، مقدمہ ابن الصلاح؛ ابن حجر، شرح نخبۃ الفکر؛ جمال الدین قاسمی، قواعد التحدیث وغیرہ۔
- ۶۵۳۔ ڈاکٹر خالد ظفر اللہ، نقد حدیث (تحقیقات اسلامی علیگزہ، اپریل، جون ۲۰۰۰ء) ص ۲۸ تا ۳۷۔
- ۶۵۴۔ ایضاً، ص ۲۷۔
- ۶۵۵۔ محمد تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار (قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۹۸۶ء) ص ۱۹۸۔
- ۶۵۶۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۲۵۷۔
- ۶۵۷۔ یہ تمام تعریفات ”التحدیث فی علوم الحدیث“، مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۰۳ء سے لی گئی ہیں۔
- ۶۵۸۔ حدیث کا درایتی معیار، ص ۱۸۰ بحوالہ ابو حفص عمر بن بدر الموصلی، المغنی عن الحفاظ والکتب (مقدمہ خضر تونسلی) ص ۱۰۔
- ۶۵۹۔ حدیث کا درایتی معیار، ص ۱۹۱ تا ۲۵۹؛ مزید تفصیلات کے لیے امام ابن قیم کی ”المنار المذیہ فی الصحیح والضعیف“ اور موضوع احادیث کے بارے لکھی جانے والی کتب ملاحظہ ہوں۔ مثلاً الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعۃ المعروف بالموضوعات الکبریٰ۔ کتاب الاباطیل والمناکیر، للبخاری، الموضوعات لابن جوزی، تذکرۃ الموضوعات، طاہر بنی۔ الفوائد المجموعۃ للشوکانی۔
- ۶۶۰۔ عمر، منہج نقد فی علوم الحدیث (القاہرہ) ص ۳۸۵۔
- ۶۶۱۔ حدیث کا درایتی معیار، ص ۱۸۶-۱۸۷۔
- ۶۶۲۔ ابن خیر الاشہلی، ابوبکر کا قول ملا علی قاری نقل کرتے ہیں، ”اتفق العلماء علی انہ لا یصح لمسلم ان یقول: قال رسول اللہ ﷺ کذا، حتی یکون عنہ ذلک القول مرویاً“۔ ملا علی قاری، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعۃ (المکتب الاسلامی بیروت، طبع ثانی ۱۹۸۶ء) ص ۷۴-۷۵۔

- ۶۶۳۔ تفصیل کے لیے کتاب ہذا میں دیکھیں مقالہ ”فتنہ انکار حدیث“۔
- ۶۶۴۔ بطور مثال پاکستان میں منکرین حدیث کے سرخیل مسٹر غلام احمد پرویز کا عقیدہ ملاحظہ ہو ”قرآن کریم میں مرکز ملت کو اللہ اور رسول کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے (غلام احمد پرویز، معراج انسانیت، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور، ص ۳۲۲-۳۲۳)۔ جہنم کے متعلق فرماتے ہیں ”جہنم انسان کی قلبی کیفیت کا نام ہے لیکن قرآن کریم کا انداز یہ ہے کہ وہ غیر محسوس، مجرد حقائق کو محسوس مثالوں سے سمجھاتا ہے۔ (پرویز، جہان فردا، طلوع اسلام ٹرسٹ، لاہور، ص ۲۳۵)۔
- ۶۶۵۔ مولانا قطب الدین، مظاہر حق شرح مشکوٰۃ شریف (لاہور ۱۹۶۶ء) ص-ج (دیباچہ کتاب)۔
- ۶۶۶۔ جیراج پوری، محمد اسلم، غلام احمد پرویز، مقام حدیث (طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور، پانچواں ایڈیشن ۱۹۹۲ء) ص ۸۸-۸۹۔
- ۶۶۷۔ محمد ادریس فاروقی، مقام رسالت (لاہور، ۱۹۷۰ء) ص ۱۶۔
- ۶۶۸۔ سلفی، ڈاکٹر محمد لقمان، اہتمام الحمد شین بنقد الحدیث (الریاض، الطبعة الاولى، ۱۹۸۷ء) ص ۴۵۸۔
- ۶۶۹۔ قادری، عبدالغنی، ریاض الحدیث (لاہور، ۱۹۶۹ء) ص ۱۵۹۔
- ۶۷۰۔ ابوالاعلیٰ مودودی، سنت کی آئینی حیثیت (اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۶۳ء) ص ۱۷۔
- ۶۷۱۔ سلفی، اہتمام الحمد شین بنقد الحدیث، ص ۳۲۲-۳۲۵۔
- ۶۷۲۔ مستشرقین کے اہداف اور حدیث کے بارے ان کے نظریات و آراء کے درج ذیل کتب سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔
- الہستشرون والاسلام از ڈاکٹر عرفان عبد المجید، دمشق ۱۹۸۰ء؛ مجلہ البعث الاسلامی، انڈیا (اسلام اور مستشرقین خاص اشاعت)؛ اضواء علی الاستشراق از ڈاکٹر محمد عبدالفتاح علیان، کویت ۱۴۰۰ھ؛ اسالیب الغزو الفکری از ڈاکٹر علی جریشہ و محمد شریف زبیتی، مصر؛ الاستشراق والتبشیر از ابراہیم خلیل؛ الاستشراق والہستشرون از ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی، التبشیر والاستشراق از محمد عزت الطھطاوی قاہرہ ۱۳۹۷ھ۔
- ۶۷۳۔ اس ضمن میں صرف ایک شہادت ہی کافی ہے۔ محدثین کی کوششوں سے حیات نبوی کا ایک ایک گوشہ یوں محفوظ ہو گیا کہ لیلھا کنھارھا، لیکن اس کے برعکس حیات مسیح پر کتنا نا کافی مواد ہے ملاحظہ ہو۔ ”صاف اور درست بات یہ ہے کہ حیات مسیح پر لکھنے کی کوشش ترک کر دینی چاہیے اس کے لیے یقیناً مواد موجود نہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہمارے پاس ان کی زندگی کا ریکارڈ پچاس دنوں سے زیادہ نہیں۔“

Encyclopaedia, Britannica(1958)vol.13, p,16-17.

- ۶۷۴۔ نیاز فتح پوری، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، آواز اشاعت گھر، لاہور، سن ۲۷ء۔
- ۶۷۵۔ ڈاکٹر خالد علوی، حفاظت حدیث (القیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، ۱۹۹۰ء) ص ۱۷-۱۸۔
- ۶۷۶۔ ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، حدیث رسول کا تشریحی مقام (مترجم: پروفیسر غلام احمد حریری، ملک سنز پبلشرز، فیصل آباد ۱۹۹۴ء) ص ۲۹ تا ۳۰۔
- ۶۷۷۔ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی، الدراسات فی الحدیث النبوی (مطابع جامعة الرياض ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء)، ۱/۹۲-۱۴۲۔



کتب حدیث

انواع کتب حدیث

۱۔ الجامع:

احادیث کا وہ مجموعہ جس میں زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق احادیث ہوتی ہیں۔ ماہرین فن کے نزدیک کتب حدیث کی تصنیف کا وہ طریقہ جس میں حسب ذیل آٹھ ابواب شامل ہوں:

i-	عقائد	ii-	احکام
iii-	سیر	iv-	آداب
v-	تفسیر	vi-	مغازی
vii-	فتن	viii-	مناقب

مشہور جامع کتب یہ ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ (م ۲۵۶ھ) کی الجامع الصحیح۔ امام مسلم رحمہ اللہ (م ۲۶۱ھ) کی الجامع الصحیح (۱)۔

۲۔ السنن:

محدثین کی اصطلاح میں سنن، حدیث کی ایسی کتب کو کہتے ہیں جو ابواب فقہ کے مطابق مرتب کی گئی ہوں اور صرف احادیث مرفوعہ پر مشتمل ہوں۔ ان کتب میں موقوف یا مقطوع روایات سے اجتناب کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن بعض کتب سنن میں غیر مرفوع احادیث بھی پائی جاتی ہیں اور یہ صرف استشہاد کے طور پر ہوتا ہے۔

مشہور کتب سنن: سنن اربعہ یعنی سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ اور السنن الکبریٰ امام نسائی، سنن مجتبیٰ امام نسائی، سنن دارمی، السنن الکبریٰ امام بیہقی اور السنن سعید بن منصور وغیرہ (۲)۔

”جس کتاب میں احادیث کو شیوخ یعنی اساتذہ حدیث کو مد نظر رکھ کر ترتیب دیا گیا ہو۔“
مجمع علم حدیث میں تصنیف کا ایک طریقہ ہے۔ مجمع میں مؤلف اپنے اساتذہ کے ناموں کی ترتیب بجائی سے احادیث جمع کرتا ہے۔ مشہور مجمع کتب: امام طبرانی (م ۳۶۰ھ) کی تین معاجم، المعجم الکبیر، المعجم الاوسط اور المعجم الصغیر (۳)۔

۴۔ المستدرک:

مستدرک سے مراد وہ کتاب ہے جس میں مؤلف نے کسی دوسری کتاب کی ترک کردہ ان احادیث کو جمع کیا ہو، جو اس کی رائے میں پہلی کتاب کے مصنف کی شرط کے مطابق تھیں، مگر اس نے ذکر نہیں کیں۔ استدراک کی شرط یہ ہے کہ ان احادیث کے رجال کی اسناد وہی ہوں جن سے اصل کتاب کا مؤلف روایت کرتا ہے۔ اس فن کی مشہور کتاب امام حاکم ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد بن حمدویہ النیسابوری (م ۴۰۵ھ) کی المستدرک علی الصحیحین ہے، جس میں انہوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر استدراک کرتے ہوئے احادیث جمع کی ہیں اور یہ کہتے ہیں: صحیح علی شرطہما ولم یخرجاہ، صحیح علی شرط البخاری ولم یخرجاہ، یا صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاہ (۴)۔

امام حاکم تصحیح حدیث میں بہت تساہل واقع ہوئے ہیں، اس لیے محدثین ان کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سی ضعیف، بلکہ منکر اور موضوع احادیث کو صحیح قرار دے دیا ہے، جیسا کہ حافظ ذہبی نے اپنی تلخیص میں واضح کیا ہے۔

۵۔ المستخرج:

مستخرج سے مراد وہ کتاب ہے جس میں کسی مؤلف نے کسی دوسرے محدث کی احادیث کو اپنی اسانید سے روایت کیا ہو۔ اس میں دوسرے مصنف کی اسانید پہلے سے مختلف ہوتی ہیں، مثلاً کوئی مؤلف صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی احادیث اپنی اسانید سے بیان کرے، لیکن بخاری اور مسلم کی سند کے علاوہ، اس امکان کے ساتھ کہ یہ مؤلف بخاری یا مسلم کے استاذ، یا اس سے اوپر کسی بھی کڑی میں جا ملے، یہ دیکھے بغیر کہ الفاظ حدیث متفق ہیں یا مختلف، لیکن اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ مصنف اصل

محدث کی سند میں بہت دور نہ چلا جائے، الا یہ کہ بہت اہم فائدہ مقصود ہو۔ مستخرج سے روایت کرتے ہوئے اصل کتاب کا حوالہ نہیں دیا جاتا، بلکہ مستخرج کا حوالہ دیا جائے گا۔ جیسے مستخرج اسماعیلی علی البخاری (۵)۔

۶۔ المسند:

اس سے مراد حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں احادیث، صحابہ کے اسمائے گرامی کی ترتیب سے مرتب کی جاتی ہیں اور احادیث کے موضوع کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

- (i) وہ کتاب جس میں ہر صحابی کی روایات علیحدہ علیحدہ جمع کر دی گئی ہوں۔
 - (ii) وہ حدیث جس کی سند مرفوع اور ظاہری طور پر متصل ہو۔ بعض اہل علم کے نزدیک کسی بھی حدیث کا رسول اللہ ﷺ کی طرف ہونا کافی ہے چاہے وہ منقطع ہی کیوں نہ ہو۔
 - (iii) سند کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال مسند امام احمد بن حنبل۔
- مسند میں صحابہ کے درمیان ترتیب افضلیت کی بنیاد پر ہو سکتی ہے جیسے پہلے خلفائے راشدین اور ان کے بعد عشرہ مبشرہ باقی صحابہ یا سبقت اسلام کی بنیاد پر یا حسب نسب کی بنیاد پر یا حروف ہجائی کی ترتیب پر۔ سب سے پہلی مرتبہ مسند، امام ابوداؤد الطیالسی (ت ۲۰۴ھ) کی ہے اور سب سے عظیم اور مشہور مسند امام احمد بن حنبل (ت ۲۴۱ھ) کی ہے (۶)۔

۷۔ المؤطا:

لغت میں مؤطا کے معنی نکالا ہوا، روندنا ہوا، ایسا راستہ جس پر لوگ چلتے رہے ہوں، آسان اور تیار کی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اور محدثین کی اصطلاح میں مؤطا حدیث کی اُس کتاب کو کہتے ہیں جو ابواب فقہ کے مطابق مرتب کی گئی ہو اور وہ احادیث مرفوعہ، موقوفہ اور مقطوعہ پر مشتمل ہوتی ہے یعنی وہ بالکل المصنف کی طرح ہوتی ہے (۷)۔ اس فن کی سب سے ابتدائی اور معروف کتاب مؤطا امام مالک ہے۔ اس کے سبب تالیف کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ ابو جعفر منصور کی فرمائش پر امام مالک بن انس نے یہ کتاب مرتب کی تھی۔ مؤطا کی احادیث میں مرفوع، مرسل اور بلاغات شامل ہیں اور کل احادیث کی تعداد ۱۷۲۰ ہے۔ ان میں سے مسند احادیث ۶۰۰، مرسل احادیث ۲۲۲، موقوف احادیث ۶۱۳ اور اقوال تابعین کی تعداد ۲۸۵ ہے (۸)۔

۸۔ المصنف:

محدثین کی اصطلاح میں ”مصنف“ ایسی کتاب کو کہتے ہیں جو فقہی ابواب پر مرتب کی گئی ہو اور احادیث مرفوعہ و موقوفہ و مقطوعہ پر مشتمل ہو یعنی اس میں حضور اکرم ﷺ کی احادیث اور اقوال صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ اور بعض اوقات تبع تابعین کے فتاویٰ بھی مذکور ہوں۔ جن سے کوئی بھی محدث اور فقیہ بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ چند مشہور مصنفات یہ ہیں:

- ا۔ مصنف عبدالرزاق الصنعانی (م ۲۱۱ھ)۔
- ب۔ مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ)۔
- ج۔ مصنف سلیمان بن داؤد الربیع العتکی (م ۲۳۴ھ) (۹)

۹۔ شروح الحدیث:

شرح کی جمع شروح ہے۔ ایسی کتابیں جن میں کتب احادیث کو بنیاد بنا کر ان کی روایات کی شرح بیان کی گئی ہو۔ چند معروف شروحات درج ذیل ہیں:

- ا۔ صحیح بخاری کی شرح فتح الباری۔ اردو زبان میں مولانا داؤد راز کی شرح بخاری۔
- ب۔ صحیح مسلم کی شرح شروح نووی۔
- ج۔ سنن ابوداؤد کی شرح عون المعبود اور بذل المجہود۔
- د۔ سنن ترمذی کی شرح تحفة الاحوذی۔
- ه۔ سنن نسائی کی شرح التعليقات السلفیہ۔
- و۔ سنن ابن ماجہ کی شرح مفتاح الحاجہ اور انجاء الحاجہ وغیرہ۔
- ز۔ مشکوٰۃ المصابیح کی شرح مرعاة المفاتیح۔

۱۰۔ تلخیص و تجرید:

تلخیص سے مراد کسی کتاب کو مختصر کرنا ہے اور تجرید کا مفہوم کسی مجموعہ احادیث کی اسانید اور مکڑ روایات کو حذف کرنا ہے (۱۰) جیسے زبیدی کی تجرید بخاری، منذری کی اختصار سنن ابی داؤد، ابن عساکر کی مختصر مسند امام احمد۔

۱۱۔ الموضوعات:

موضوع سے مراد ایسی احادیث ہیں جو خود وضع کر کے آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کی گئی ہوں۔ محدثین کرام نے موضوع احادیث پر مستقل تصانیف میں لکھی ہیں۔ ایسی چند اہم تصانیف یہ ہیں:

- ۱۔ ابن الجوزی، کتاب الموضوعات.
- ۲۔ جلال الدین السيوطي، اللآلی المصنوعة في الاحاديث الموضوعية.
- ۳۔ ابن عراق الكنانی، تنزیة الشريعة المرفوعة عن الاحاديث الشنيعة الموضوعية.
- ۴۔ حافظ ابو عبد الله الحسين بن ابراهيم الجوزقاني (م ۵۴۳ھ) کتاب الاباطيل.
- ۵۔ حافظ الذہبی، ترتيب الموضوعات.
- ۶۔ محمد بن طاهر الصديقي ثني (م ۹۸۶ھ) قانون الموضوعات، تذكرة الموضوعات.
- ۷۔ محمد بن علي الشوكاني، الفوائد المجموعة في الاحاديث الموضوعية.
- ۸۔ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) الموضوعات الكبرى (۱۱)۔

۱۲۔ الملتحبات:

منتخب، احادیث کی ایسی کتاب ہوتی ہے جس میں کتب حدیث سے اور احادیث لے کر کتاب مرتب کی جائے۔ جب تدوین حدیث کی ابتدائی صدیوں میں متلاشیان حدیث نے صحاح، سنن، مسانید، معاجم اور ایسی نوعیت کے دیگر مجموعے تیار کر لیے تو پھر انتخاب، تلخیص، تخریج اور تجرید کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ منتخبین نے مختلف مقاصد کے پیش نظر مختلف طریقے استعمال کیے (۱۲)۔ مثلاً مصابیح السنہ، مشکاة المصابیح، ریاض الصالحین وغیرہ۔

۱۳۔ کتب تخریج:

تخریج کا مادہ خرج یخرج ہے۔ یہ اخراج سے لیا گیا ہے جس کے معنی خارج کرنے کے ہوتے ہیں۔ یعنی حدیث کی کتاب سے حدیث کو نکالنا اور اسکے متعلق گفتگو کرنا (۱۳)۔ اس کے متعلق کئی کتب ہیں مثلاً تخریج احادیث بیضاوی، اس کی مزید تفصیل مقالہ ”فن تخریج حدیث“ میں ملاحظہ کریں۔

۱۴۔ کتب احکام وفقہ الحدیث:

کتب احکام ان کتب کو کہا جاتا ہے جو صرف احادیث احکام پر مشتمل ہوں۔ ان احادیث کو دیگر کتب حدیث سے منتخب کر کے ابواب فقہ کے مطابق مرتب کیا گیا ہو۔ ان کتب کی کافی تعداد ہے بعض اُن میں بڑی، بعض متوسط اور بعض چھوٹی ہیں (۱۴)۔ احادیث الاحکام سے مراد وہ احادیث ہیں جن کا تعلق عبادات اور معاملات سے ہے، یعنی وہ احادیث جن کا تعلق مکلف کے عمل سے ہے۔ ان میں سے چند مشہور کتابیں درج ذیل ہیں:

- ۱۔ عبد الغنی المقدسی (م ۶۰۰ھ) عمدة الاحکام فی معالم الحلال والحرام عن خیر الانام۔ اس کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔
- ب۔ ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ) الالمام باحادیث الاحکام۔
- ج۔ عبد السلام بن عبد اللہ ابن تیمیہ، المنتقى الاخبار، جس کی شرح امام شوکانی نے ”نیل الاوطار“ کے نام سے کی ہے۔
- د۔ حافظ ابن حجر العسقلانی کی کتاب ”بلوغ المرام من احادیث الاحکام“ جس کی شرح امام صنعانی نے ”سبل السلام“ کے نام سے لکھی ہے اور مطبوع ہے۔ اس شرح کی دو جلدوں کا ترجمہ مولانا عبدالرحمن کیلانی نے کیا تھا جو شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد نے شائع کروایا ہے۔ باقی نامکمل ہے۔

۱۵۔ ترغیب و ترہیب:

ایسی کتب حدیث جو ان احادیث پر مشتمل ہوتی ہیں جن میں کسی مطلوب چیز کی ترغیب یا کسی ممنوع چیز سے ڈرایا گیا ہو (۱۵) مثلاً والدین کے ساتھ نیکی اور ان کی نافرمانی سے ڈرانا۔ اس میں منذری کی الترغیب والترہیب سب سے زیادہ معروف ہے۔ اسی طرح مولانا عبدالقادر عساروی برائے کی ”نبوی جواہر در ذکر کبائر“ ہے۔ یہ کتاب راقم کی تحقیق کے ساتھ فاروقی کتب خانہ ملتان سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی ہے۔

۱۶۔ الزهد والفضائل والآداب والأخلاق:

ایسی کتابیں جو مذکورہ بالا موضوعات میں سے کسی ایک موضوع پر لکھی گئی ہیں اور ان

میں سے کسی موضوع سے متعلق احادیث و آثار کی خاص تعداد جمع کر دی گئی ہے (۱۶) مثلاً امام احمد کی ”کتاب الزہد“ عبداللہ بن مبارک کی ”کتاب الزہد“ اور ابوالشیخ کی کتاب ”فضائل اخلاق“۔

۱۷۔ خاص موضوع سے متعلق کتب حدیث:

ایسی کتابیں جو صرف کسی خاص موضوع سے متعلق ہیں۔ ان کے مؤلفین نے اس کتاب میں صرف ایک موضوع پر بحث و تحقیق کی ہے اور اس سلسلے کی تمام چیزوں کا احاطہ کیا ہے اور موضوع سے متعلق اکثر و بیشتر احادیث کو اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے (۱۷)۔ مثلاً ابن المبارک کی کتاب ”الجبہاد“، امام احمد کی کتاب ”الورع“۔

۱۸۔ المسلسلات:

مسلسل وہ حدیث ہے جس کی سند میں تمام راوی ایک ہی قسم کے الفاظ مثلاً حدثنا، حدثنی، أخبرنا وغیرہ استعمال کریں۔ یا کسی کی قولی یا فعلی حالت کی روایت میں بھی سب متفق ہوں (۱۸)۔ مسلسلات کی معروف کتب حدیث یہ ہیں:

۱۔ امام سیوطی کی المسلسلات الکبریٰ۔

ب۔ محمد عبدالباقی الایوبی کی المناہل السلسلۃ فی الاحادیث المسلسلۃ۔

۱۹۔ وحدانیات تا عشریات:

سند میں علو و نزول کا مسئلہ محدثین کے ہاں ہمیشہ بہت اہم رہا ہے۔ اس لیے وہ اپنے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کم سے کم واسطوں کو ترجیح دیتے تھے اور اس مقدس قرب کے متمنی رہتے تھے۔ اسی سوچ کے پیش نظر یہ علم وجود میں آیا کہ اس قسم کی احادیث مرتب کی جائیں جن میں کم سے کم واسطے ملتے ہوں، چنانچہ وحدانیات سے لے کر عشریات تک کی کتب تصنیف کی گئیں۔ اسناد کے طول و اختصار کے لحاظ سے احادیث کی دس اقسام ہیں:

(i) وحدانیات:

سند عالی کے حصول کے غرض سے محدثین کرام ایسی اسناد کی تلاش میں رہتے ہیں جن میں کم سے کم راوی ہوں۔ وحدانیات سے مراد ایسی کتب حدیث ہیں جن میں راوی اول اور رسول

اللہ ﷺ کے درمیان ایک واسطہ ہو۔ جیسے امام ابو حنیفہ کی وحدانیات جنہیں ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد المقری الشافعی نے جمع کیا تھا لیکن ان تمام احادیث کی سندیں ضعیف ہیں جو کہ غیر مقبول ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کسی صحابہ سے روایت نہیں کی۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ وحدانیات کے ساتھ ساتھ وحدان ایک الگ صنف علم حدیث ہے۔ جس سے مراد ایک ایسا راوی ہے جس سے روایت کرنے والا بھی ایک شخص ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کئی ایسے صحابہ ہیں جن سے صرف ان کے بیٹوں نے روایت کی ہے جیسے المسیب بن حزن بن وہب الخزومی: مسیب اور ان کے والد صحابی ہیں، ان سے صرف ان کے بیٹے سعید کے واسطے سے روایات ہیں وغیرہ۔

اس موضوع کی مشہور کتب درج ذیل ہیں:

- ۱۔ امام مسلم الحجاج (م ۲۶۱ھ) کی المنفردات والوحدان۔
 - ب۔ امام نسائی (م ۳۰۳ھ) کی تسمیہ من لم یرو عنه غیر رجل واحد۔
 - ج۔ حافظ ابوالفتح الأزدی (م ۳۷۴ھ) کی المنخزون فی علم الحدیث۔
- آخر الذکر کتاب میں مؤلف نے صرف صحابہ میں سے ۲۶۳ ایسے اشخاص جمع کیے ہیں جن سے صرف ایک واسطہ سے روایت کی گئی ہے۔ تینوں کتابیں تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں (۱۹)۔

(ii) ثنائیات:

وہ کتب جن میں ایسی احادیث ہوں جن کے راوی اوّل اور حضور ﷺ کے درمیان صرف دو واسطے ہوں۔ مؤطا امام مالک میں موجود ثنائیات ان کی کتاب میں اعلیٰ ترین شمار کی جاتی ہے (۲۰)۔

(iii) ثلاثیات:

وہ کتب جن میں ایسی احادیث ہوں جس کے راوی اوّل اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان تین واسطے ہوں۔ مثلاً

- ۱۔ الثلاثیات للبخاری: حافظ ابن حجر نے امام بخاری کی ۲۲ ثلاثی روایات جمع کی ہیں۔
- ب۔ الثلاثیات لامام احمد: محمد بن احمد بن سلیمان السفارینی نے اپنی کتاب میں ۳۳۲ روایات جمع کی ہیں۔

امام ترمذی کے ہاں صرف ایک حدیث ثلاثی پائی جاتی ہے، ابن ماجہ کے ہاں پانچ احادیث اور دارمی کے ہاں پندرہ احادیث ہیں۔ امام احمد کی مسند میں ۳۳۷ احادیث ثلاثیات میں سے ہیں (۲۱)۔

بخاری کی ثلاثیات ہیں۔ ان کی تعداد بائیس ہے۔ جن کو حافظ ابن حجر نے جمع کیا ہے۔ کئی لوگوں نے اسکی شرح کی اور یہ امام مسلم کی صحیح مسلم سے خارج ثلاثیات ہیں وہ ان کی جامع کی شرط کے مطابق نہیں۔ اس لیے اس میں داخل نہیں کیا۔

مسند احمد میں تین سو پینتیس ثلاثی احادیث ہیں اور اسکی شرح شیخ محمد بن احمد بن سالم نابلسی نے لکھی ہے۔ اس کی وفات ۱۱۸۸ھ میں ہوئی۔ شرح کا نام ”فی نفثات الصدر المکد بشرح ثلاثیات المسند“ ہے۔

عبد بن حمید کی مسند میں پندرہ احادیث ہیں۔ طبرانی کی معجم الصغیر کے اندر بھی ثلاثیات ہیں۔ امام شافعی کی مسند کے اندر بھی ثلاثیات ہیں۔ دارمی کی سنن میں ثلاثیات کی احادیث ہیں۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الحافظ (م ۲۵۶ھ) (۱-۲۱)
حافظ ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن السمرقندی (م ۲۵۵ھ) (۲-۲۱)
ابراہیم بن محمد بن محمود الناجی (م ۹۰۰ھ)۔
الکنیشی (م ۲۴۹ھ) تسع واربعین ومائتین۔

ثلاثیات بخاری
ثلاثیات دارمی
ثلاثیات الشیخ ابی اسحاق
ثلاثیات عبد بن حمید

(iv) رباعیات:

وہ کتب حدیث جن میں ایسی احادیث ہوں جن کے راوی اوّل اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان چار واسطے ہوں۔ رباعیات کے چند اہم مجموعے یہ ہیں:

امام شافعی، رباعیات۔۔۔ دارقطنی نے تخریج کی ہے۔
امام بخاری، رباعیات۔۔۔ اس کی شرح در الدراری فی شرح رباعیات البخاری کے نام سے ہے۔

امام مسلم، رباعیات۔

امام نسائی، رباعیات۔

امام طبرانی، رباعیات۔

امام ترمذی، رباعیات۔ احادیث کی تعداد ۷۰۱ ہے۔

- ز۔ محمد عبدالغنی بن سعید الأزدی، رباعیات الصحابة۔
 ح۔ ابوالحاج شمس الدین یوسف بن خلیل الدمشقی (م ۶۴۸ھ)، رباعیات الصحابة۔
 ط۔ ابوالموہب الحسن بن العظام الدمشقی (م ۵۸۶ھ)، رباعیات التابعین (۲۲)۔
 ع۔ اہلی شیرازی (م ۹۴۳ھ)، رباعیات کجہ۔

(v) انعماسیات:

ایسی روایات پر مشتمل کتب جن میں راوی اوّل اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان پانچ واسطے ہوں۔ ابوالحسین احمد بن محمد بن احمد ابن النور البغدادی (م ۴۷۰ھ) کی تالیف انعماسیات ہے، اسی طرح دارقطنی کی سنن سے بھی انعماسیات تلاش کی گئی ہیں (۲۳)۔

(vi) السداسیات:

- وہ کتب جن میں ایسی روایات ہوں جو اصل راوی اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان چھ واسطوں پر مشتمل ہوں۔ اس فن میں لکھنے والے مشہور مصنفین یہ ہیں:
- ابن الخطاب ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابراہیم الرازی (م ۵۲۵ھ)۔
 - ابوالقاسم زہر بن طاہر محمد النیسابوری الشحامی (م ۵۳۳ھ)۔
 - ابوموسیٰ محمد بن عمر بن احمد بن عمر المدینی الاصبہانی (م ۵۸۱ھ)۔
 - سداسیات التابعین (۲۴)۔

(vii) السباعیات:

- وہ کتب حدیث جن کی روایات میں اصل راوی اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان سات واسطے ہوں۔ اس موضوع پر لکھنے والے مشہور مصنفین درج ذیل ہیں:
- ابوموسیٰ المدینی (م ۵۸۱ھ)۔
 - ابوجعفر الصیدلانی۔
 - ابوالقاسم ابن عساکر (م ۵۷۱ھ)۔
 - ابوالفرج عبداللطیف بن عبد المنعم بن الصیقل الحرانی (م ۶۷۲ھ) (۲۵)۔

(viii) الثمانیات:

وہ کتب حدیث جن کی روایات میں راوی اول اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان آٹھ واسطے ہوں۔

تصانیف:

- ا۔ عبد اللطیف بن عبد المنعم الصیقل الحمرانی (م ۶۷۲ھ) کی چار اجزاء میں الثمانیات۔
- ب۔ یحییٰ بن علی بن عبد اللہ العطار، تحفة المستفید فی الاحادیث الثمانية الاسانید۔
- ج۔ الضیاء القدسی، الثمانیات (۲۶)۔

(ix) التساعیات:

تساعیات سے مراد وہ کتب ہیں جن میں راوی وہ احادیث نقل کرتا ہے جن میں اس کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان نو واسطے ہوں۔ تساعیات کے مصنفین:

- ا۔ ابراہیم بن محمد الطبری البکی (م ۷۲۲ھ)۔
- ب۔ عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم بن سعد اللہ الکنتانی ابن جماعة (م ۷۶۷ھ)۔
- ج۔ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان اللاندی (م ۷۴۵ھ) (۲۷)۔

(x) العشاریات:

ایسی کتب حدیث جس میں مصنف وہ احادیث جمع کرتا ہے جن میں راوی اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان دس واسطے ہوں۔ اس طریقے پر امام ترمذی اور امام نسائی نے احادیث مرتب کی ہیں اور یہ ان کے ہاں نازل حدیثیں ہیں۔ عشاریات کے مصنفین:

- ا۔ برہان الدین ابوالفتح ابراہیم بن احمد بن عبد الواحد التتوخی (م ۸۰۰ھ)۔
- ب۔ الزین العراقی۔
- ج۔ السخاوی (م ۹۰۲ھ)۔
- د۔ امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) (۲۸)۔

۲۰۔ غریب الحدیث:

غریب سے مراد مشکل اور فہم سے بالاتر کے ہیں یعنی وہ حدیث جس کے بعض الفاظ یا

مفہوم عام آدمی نہ سمجھ سکتا ہو چونکہ حضور ﷺ قریش کی زبان بولتے تھے اس لیے بعض دور افتادہ عربی قبائل ان کی بات کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ غریب الحدیث بھی ایک اہم فن ہے (۲۹)۔ اس پر لکھی گئی چند معروف کتب درج ذیل ہیں:

- ۱۔ خطابی، غریب الحدیث۔ ب۔ زحشری، الفائق۔
- ج۔ ابن قتیبہ، غریب الحدیث۔ د۔ علامہ طاہر پٹنی، مجمع البحار۔
- ۵۔ علامہ وحید الزمان، لغات الحدیث (اردو)۔

۲۱۔ النسخ والمنسوخ:

ایسی کتب جن میں وہ احادیث ہیں جنہوں نے بعض دیگر احادیث کو منسوخ کر دیا ہو (۳۰)۔ نسخ و منسوخ پر چند کتابیں یہ ہیں:

- ۱۔ ابن شاہین (م ۳۸۵ھ) النسخ والمنسوخ فی الحدیث۔
- ب۔ الحازمی (م ۵۸۴ھ) الاعتبار فی النسخ والمنسوخ من الآثار۔
- ج۔ ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) تجرید الاحادیث المنسوخہ۔

۲۲۔ الامالی:

امالی، املا کی جمع ہے اس کے معنی لکھوانا ہے۔ حدیث کا یہ دستور تھا کہ ہفتے میں ایک یا دو دن (جمعہ، ہفتہ) یا ہر روز اپنے طلباء کو احادیث کی املا کراتے تھے۔ اُن احادیث کو امالی کہا جاتا ہے (۳۱)۔ املا لینے والا سب سے پہلے یا سب سے آخر میں یہ لکھتا ہے: یہ مجلس فلاں شیخ نے فلاں مسجد میں فلاں دن اور تاریخ کو املا کرائی، پھر املا کرانے والا اپنی اسانید سے احادیث اور آثار لکھاتا ہے۔ مشکل الفاظ کی شرح اور اسناد سے متعلق فوائد و نکات بیان کرتا ہے۔ مختلف محدثین کرام کے امالی مخطوطہ اور مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔ جیسے ابوالمنظر منصور بن محمد بن عبدالبجاری ترمذی پر لکھی گئی کتاب ”ابو علی القالی کی امالی“ جس میں سوشیوخ سے ایک ہزار احادیث روایت کیں۔

۲۳۔ الاجزاء:

جز کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ کتابچہ ہے جس میں کسی ایک راوی کی احادیث جمع کر دی گئی ہوں، جیسے جزء حدیث ابی بکر، و جزء حدیث مالک، یا کسی خاص حدیث کی اسانید

پر بحث کی گئی ہو، جیسے حافظ ابن رجب کی اختیار الاولی فی حدیث اختصاص الملاء الاعلیٰ، یا کسی خاص موضوع سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہوں، جیسے امام بخاری کی جزء القراءة خلف الامام اور جزء رفع الیدین فی الصلاة، نیز مروزی کا جزء قیام اللیل، یا احادیث سے متعلق نوامد جمع کیے گئے ہوں، جیسے الواحدانیات، الثنائیات، امام مسلم کی کتاب الواحدان اسی قسم میں شامل ہے (۳۲)۔

۲۴۔ الاربعون، الأربعینیات:

الاربعون سے مراد حدیث کی وہ کتاب ہے جس میں کسی ایک باب سے متعلق احادیث، یا مختلف ابواب سے، یا مختلف اسانید سے چالیس احادیث جمع کی جائیں۔ اس طرح کی تصنیفات کا اصل سبب وہ احادیث ہیں جن میں چالیس احادیث جمع کرنے والے کے لیے بہت فضیلت بیان کی گئی ہے اور اسے بشارت دی گئی ہے۔ حالانکہ یہ روایات عام طور پر ضعیف بلکہ منکر اور موضوع ہیں۔ امام نووی اور حافظ ابن حجر نے تحقیق کرنے کے بعد واضح کیا ہے کہ ان تمام احادیث کی جملہ روایات انتہائی ضعیف اور ناقابل قبول ہیں، اور ان کا ضعف بھی ایسا ہے، جسے تقویت نہیں ہو سکتی (۳۳)۔

اس طرز پر تصنیف کرنے والوں میں اولین کتاب حافظ امام عبداللہ بن المبارک (م ۱۸۱ھ) کی ہے۔ اسی طرح حافظ ابو نعیم (م ۴۳۹ھ) اور حافظ ابو بکر آجری (م ۳۶۰ھ) محمد بن محمد طائی (م ۵۵۵ھ) کی الاربعین فی ارشاد السائرین الی منازل المتقین نے بھی اربعین تحریر کرائیں۔ اربعین میں سب سے زیادہ متداول اربعین نووی ہے (۳۴)۔

۲۵۔ اسباب ورود الحدیث:

اسباب الحدیث سے مراد وہ علم ہے جس میں ان اسباب کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے حدیث بیان فرمائی ہے۔ ان اسباب میں کوئی سوال، واقعہ یا حادثہ ہو سکتا ہے جس کی بنا پر آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔ یہ علم، علوم القرآن میں اسباب نزول کے علم کی مانند ہے۔

قسم:

وہ سبب جو حدیث ہی میں مذکور ہو، مثلاً ”حدیث جبریل“ میں رسول اللہ ﷺ کے فرامین کا سبب حضرت جبریل کا آنا اور سوال کرنا تھا۔

ب۔ جو اس حدیث میں تو مذکور نہیں ہوتا، لیکن اس حدیث کی دوسری روایات میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اس قسم کے اسباب خصوصی تحقیق کے بعد ملتے ہیں کیونکہ ان کے ذریعے سے حدیث سے مسائل معلوم کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر حدیث انما الاعمال بالنیات میں آپ کا ارشاد او امرأة ینکحہا کا سبب وہ روایت ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص نے اس لیے مدینہ ہجرت کی تھی کہ وہ ام قیس نامی ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا تھا (۳۵)۔

تصانیف:

اسباب ورود الحدیث کے بارے میں سب سے اہم کتاب ابراہیم بن محمد المعروف ابن حمزة الحسینی (م ۱۱۲۰ھ) کی ”البيان والتعريف فی اسباب ورود الحدیث الشریف“ ہے (۳۶) اس کتاب کے علاوہ درج ذیل مصنفین نے اس فن پر کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ ابو حفص العکبری ابن مسلم الفقیہ (م ۳۹۹ھ)۔

ب۔ ابو حامد بن کوتاہ الجوباری۔

ج۔ سیوطی (ت ۹۱۱ھ) کی اللمع فی اسباب ورود الحدیث (۳۷)۔

۲۶۔ الاستملاء:

الاستملاء سے مراد محدث کی روایات کی املا کو تلامذہ تک پہنچانا ہے۔ اس مقصد کے لیے محدثین بعض افراد کو مقرر کرتے تھے جو محدث کی آواز کو سننے والوں تک پہنچاتے تھے، ایسے افراد کو مستملی کہا جاتا تھا (۳۸)۔

۲۷۔ الاطراف:

اطراف طرف کی جمع ہے اور طرف کے معنی کونا اور کنارہ کے ہیں مگر اصطلاحاً طرف سے مراد حدیث کا ابتدائی ٹکڑا ہے جس کے ذریعے سے بقیہ حدیث معلوم کی جاسکتی ہے۔ وہ کتب جن میں حدیث کے پہلے حصہ کو ذکر کیا جاتا ہے اس سے پوری حدیث کی پہچان ہوتی ہے۔ آخر میں ان کتب کا حوالہ ہوتا ہے جن میں یہ حدیث ہو۔ یہ تصنیف حدیث کا ایک طریقہ ہے جس میں کسی حدیث کا ابتدائی حصہ بیان کرنے کے ساتھ اس کی تمام اسانید مجموعی طور پر یا مخصوص کتب کے حوالے سے بیان کی جاتی ہیں۔

یہ فن اس وقت وجود میں آیا جب چوتھی صدی ہجری کے آخر اور پانچویں صدی ہجری کے شروع میں تمام احادیث کی تدوین مکمل ہو گئی۔ اور اس کے بعد ان کی تلاش کا مسئلہ پیش آیا۔ اطراف کے حوالے سے متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں۔ چند مشہور کتب اطراف یہ ہیں:

۱۔ ابو مسعود ثقفی (م ۴۰۱ھ) اطراف الصحیحین۔

ب۔ ابوالعباس الازدی، اطراف الکتب الخمسة۔

ج۔ ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی (م ۵۰۷ھ) اطراف الکتب الستة

حافظ المزنی (م ۷۴۲ھ) تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف۔ اس میں کتب ستہ کے علاوہ مراسیل ابی داؤد، ترمذی کی شمائل اور ان کی علل صغیر اور نسائی کی عمل الیوم واللیلہ شامل ہیں (۳۹)۔

۵۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)، اتحاف المہرۃ باطراف العشرة۔ اس کتاب میں مؤطا مالک، مسند شافعی، مسند أحمد، سنن دارمی، صحیح ابن خزیمہ، منتقی ابن الجارود، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، مستخرج ابی عوانہ، شرح معانی الآثار طحاوی اور سنن دارقطنی شامل ہیں۔ ابن خزیمہ کی نامکمل کتاب کی وجہ سے حافظ ابن حجر نے سنن دارقطنی کا اضافہ کر دیا اور گیارہ کتابوں کا انڈکس مرتب کر دیا۔ یہ کتاب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ کی طرف سے تحقیق سے شائع ہو چکی ہے (۴۰)۔

۲۸۔ امثال الحدیث:

وہ مؤلفات جن میں احادیث میں مذکور امثال بیان کی گئی ہیں۔ احادیث میں کثرت سے ضرب الامثال کا ذکر ملتا ہے، جن کے ذریعے کسی مخصوص بات کو واضح کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی امثال مندرجہ ذیل کتب میں تلاش کی جاسکتی ہیں:

۱۔ امام ترمذی نے اپنی کتاب (السنن) میں امثال الحدیث کا باب تحریر کیا ہے: ابواب

الامثال عن رسول اللہ ﷺ اور سات ابواب میں چودہ احادیث ذکر کی ہیں۔

ب۔ ابو عبد اللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی (م ۲۵۵ھ)، الامثال من الکتاب والسنة (مطبوع)

ج۔ حسن بن عبد الرحمن بن خلاد الراہر مزی (م ۳۶۰ھ) امثال الحدیث۔ اس موضوع پر یہ

مستقل کتاب ہے۔ تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے اور راقم کے پاس موجود ہے۔

- ۴۔ ابو احمد الحسن بن عبد اللہ بن سعید البغدادی العسکری (م ۳۸۲ھ)، امثال الحدیث۔
 ۵۔ جاحظ (م ۲۵۵ھ)، کتاب البیان والتبيين میں موجود امثال الحدیث۔
 ۶۔ محمد القضاہی (م ۴۵۴ھ)، شہاب الاخبار میں مذکور امثال الحدیث۔
 ۷۔ محمد بن ابراہیم الخازنی، الاخبار (مخطوط)۔
 ۸۔ عبد المجید محمود، امثال الحدیث (مطبوع)۔
 ۹۔ محمد جابر فیاض العلوانی، الامثال فی الحدیث النبوی الشریف (مطبوع) (۴۱)۔

۲۹۔ الانساب:

اس عنوان کے تحت راویوں کے آباء و اجداد کی تفصیلات اور ان کی طرف نسبتوں کی معلومات جمع کی جاتی ہیں، مثلاً غیر آباء کی طرف منسوب راویان حدیث، یا حقیقت کے برعکس منسوب رجال حدیث وغیرہ۔

اس موضوع پر سب سے زیادہ مشہور تصنیف امام سمعانی کی کتاب ”الانساب“ ہے، ابن الاثیر نے ”اللباب فی تہذیب الانساب“ کے نام سے اس کی تلخیص کی ہے۔ امام سیوطی نے ”لب اللباب“ کے نام سے اسے مزید مختصر کر دیا ہے۔ یہ تینوں کتب مطبوع ہیں (۴۲)۔

۳۰۔ الخلعیات:

اجزا حدیث کی ایک قسم ہے جس کے مؤلف ابو الحسن علی بن الحسن بن الحسن الموصلی المصری الشافعی الخلعی (م ۴۹۲ھ) ہیں۔ خلعی اس لیے مشہور ہوئے کہ وہ شہزادوں کے لیے خلعتیں بیچا کرتے تھے۔ ابونصر احمد بن الحسن الشیرازی نے یہ احادیث ان سے روایت کی ہیں اور انہیں جمع کیا ہے۔ یہ روایت علوسند کی وجہ سے مشہور ہیں (۴۳)۔

۳۱۔ الزوائد:

کتب حدیث کی تصنیف کا ایک طریقہ جس میں مخصوص کتب میں زائد احادیث ذکر کی جاتی ہیں، مثلاً صحاح ستہ میں مشترک احادیث چھوڑ کر ان کی زائد احادیث الگ جمع کر لی جائیں تو وہ زوائد کہلائیں گی۔ اس میں اصل دارومدار اختلاف صحابی پر ہوتا ہے۔ صرف الفاظ کے اختلاف سے فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ احادیث مختلف الفاظ سے روایت کی جاتی ہیں اور وہ ایک حدیث ہی شمار کی جاتی ہیں۔ اصل فرق اختلاف صحابی سے واقع ہوتا ہے۔

زوائد کی مشہور کتب:

۱۔ حافظ نور الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر البیہقی (م ۸۰۷ھ)، مجمع الزوائد منبع الفوائد، اس کتاب میں مسند احمد، مسند البزار، مسند ابی یعلیٰ الموصلی اور طبرانی کی معاجم ثلاثہ کے زوائد صحاح ستہ پر جمع کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ حافظ بیہقی نے الگ الگ بھی مختلف کتابوں کے زوائد جمع کیے ہیں:

ب۔ غایۃ المقصد فی زوائد المسند (مسند احمد کے زوائد)۔

۳۲۔ الفہرس:

فارسی زبان کا لفظ اصل میں فہرست ہے جسے عربی میں فہرس کہا گیا اور فہارس اس کی جمع ہے۔ محدثین کے نزدیک اس سے مراد وہ کتاب ہے جس میں کوئی محدث اپنے اساتذہ اور ان کی اسانید، اور ان سے متعلق دیگر معلومات جمع کرتا ہے۔ اسے اثبات بھی کہا جاتا ہے۔ مشہور کتب فہارس یہ ہیں:

۱۔ ابن عطیہ: ابوبکر بن عطیہ الحاربی الاندلسی (م ۵۱۸ھ) کی الفہرس۔

ب۔ قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ) کے شیوخ کی الفہرس۔

ج۔ ابن خیر الاشبیلی (م ۵۷۵ھ) کی الفہرست (۴۴)۔

۳۳۔ البلدانیۃ:

علم حدیث کی تالیف کا وہ طریقہ جس میں محدث شہروں کی نسبت سے احادیث جمع کرتا ہے۔ مثلاً الأربعون البلدانیۃ۔ اس طریقے سے مصنف اپنی وہ روایات ذکر کرتا ہے جو اس نے کسی مخصوص شہر میں اپنے اساتذہ سے سنی تھیں (۴۵)۔

۳۴۔ المشیخات:

مشیحہ سے مراد وہ کتابیں ہیں جس میں کوئی مؤلف اپنے اساتذہ کو بیان کرے جن سے اس نے حدیث لی ہے یا جن سے اس نے روایت حدیث کی اجازت لی ہے اگرچہ ملاقات نہ کی ہو (۴۶)۔ مشہور کتب مشیخات یہ ہیں:

ا: مشیخہ، حافظ ابو یعلیٰ الخلیلی (م ۱۴۴۶ھ)۔

ب: مشیخہ، ابو یوسف یعقوب بن سفیان القسوی (م ۲۷۷ھ)۔

ج: مشیخہ، ابن شاذان (۴۷)۔

نوٹ: اس مقالہ کا اکثر مواد ”معجم اصطلاحات حدیث“ از ڈاکٹر سہیل حسن سے ماخوذ ہے۔



المسانید

تعریف:

حاجی خلیفہ کہتے ہیں: ”مسانید وہ کتابیں ہیں جن میں ہر ایک صحابی کی احادیث علیحدہ لکھی جائیں اور ابواب کا خیال نہ رکھا جائے“ (۴۸)۔

عبدالحی کتانی کہتے ہیں: ”مسانید مسند کی جمع ہے وہ ایسی کتابیں ہوتی ہیں جن کا موضوع ہر صحابی کی احادیث کو الگ کرنا ہے خواہ وہ صحیح ہوں یا حسن یا ضعیف۔ اُن احادیث کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام سے حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا جاتا ہے“ (۴۹)۔

ڈاکٹر محمود طحان کہتے ہیں: ”مسانید حدیث کی ایسی کتب ہوتی ہیں جن کو اُن کے مؤلفین نے صحابہ کے نام پر ترتیب دیا ہوتا ہے۔ یعنی ہر صحابی کی احادیث کو الگ جمع کیا جاتا ہے“ (۵۰)۔

خصائص مسانید:

- ۱۔ ڈاکٹر عبدالمہدی کہتے ہیں کہ مسانید کے درج ذیل خصائص ہیں:
 - ان کو صحابہ کے نام پر ترتیب دیا جاتا ہے۔ بعض اماموں نے حروف تہجی کے لحاظ سے صحابہ کو ترتیب دیا ہے اور بعض نے سبقت اسلام کی بناء پر بعض نے شرافت نسبی کی بناء پر اور بعض نے قبائل کی بناء پر۔
 - ۲۔ ان کو راوی اعلیٰ کے نام پر ترتیب دیا جاتا ہے یا تابعی کے نام پر جبکہ حدیث مرسل ہو۔
 - ۳۔ صحابی کے نام پر احادیث کو جمع کر دیا جاتا ہے اور اس پر کوئی ترتیب نہ لگائی ہو کیونکہ بعض صرف یاد کرنے کے لیے لکھتے تھے (۵۱)۔
 - ۴۔ ان مسانید میں احادیث کی صحت کے لحاظ سے درجہ بندی نہیں کی جاتی بلکہ صحیح، حسن اور ضعیف تمام قسم کی احادیث آ جاتی ہیں۔

۵۔ اس میں تمام راویوں کو نہیں لیا جاتا بلکہ صحابہ کی کافی تعداد کو لیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ایک ہی صفت کے صحابہ کی روایات لی جاتی ہیں جیسے مسند المقلین یا مسند العشرۃ المبشرہ۔ بعض اوقات کسی ایک صحابی کی مسند ہوتی ہے۔ جیسے مسند ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ، مسند عائشہ رضی اللہ عنہا (۵۲)۔

فوائد مسانید

- ۱۔ ڈاکٹر عبدالمہدی کہتے ہیں، مسانید کے بہت سے فوائد ہیں۔ مثلاً:
- ۲۔ یہ بہت سی احادیث کو جمع کر دیتے ہیں جس میں بہت سی روایات اور اسناد ہوتی ہیں۔
- ۳۔ اس طریقے سے احادیث کو حفظ کرنا آسان ہوتا ہے کیونکہ ایک صحابی کی روایات ایک ہی جگہ ہوتی ہیں۔
- ۴۔ حدیث کو تلاش کرنا آسان ہوتا ہے اور ان کی آسانی سے تخریج کر لی جاتی ہے لیکن بعض اوقات تلاش کرنے میں تھوڑی سی دقت پیش آتی ہے۔ اگر ایسے صحابی کی مسند ہو جو مکثرین میں سے ہو (۵۳)۔

احادیث مسند کا مرتبہ:

مسند میں ایک صحابی کی روایات کو ایک مقام پر جمع کیا جاتا ہے۔ ان روایات میں صحیح اور ضعیف تمام قسم کی روایات ہوتی ہیں۔ ابن الصلاح کہتے ہیں: ”مسانید لکھنے والوں کی عادت ہے کہ وہ ہر صحابی کی روایات کو درج کر دیتے ہیں لیکن اس بات کا خیال نہیں رکھتے کہ وہ صرف صحیح احادیث ہوں“ (۵۴)۔ شیخ طاہر الجزاؤری فرماتے ہیں: ”مسانید کی کتب میں احادیث کا درجہ سنن کی کتب سے کم ہوتا ہے“ (۵۵)۔

کتب مسانید:

حدیث رسول ﷺ سے والہانہ محبت ابتدا سے ہی مسلمانوں کو تھی۔ صحابہ کرام نے اس معاملے میں کمال درجہ کا مظاہرہ فرمایا پھر ان کے شاگردوں نے اس شمع کو روشن رکھا۔ بعد ازاں امام مالک کے علاوہ ان کے شاگردوں نے بھی تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا۔ ان کے بعد تیسری صدی میں حدیث پر بہترین کتابیں مرتب کی گئیں۔ بعض علماء نے مخصوص مؤلفات ترتیب دیں۔ ان میں احادیث رسول ﷺ کو اسانید کے ساتھ ہر صحابی کی احادیث کو یکجا کیا گیا اور ان کو مسند کے نام

ان مسانید میں اذلیت کا مرتبہ امام حاکم کے بقول جن دو بزرگوں کو حاصل ہے ان کے بارے میں کتانی لکھتے ہیں: ”اسلام میں تراجم رجال پر جنہوں نے سب سے پہلے مسند لکھی وہ عبداللہ بن موسیٰ العبسی اور ابوداؤد طیالسی ہیں“ (۵۶)۔

جن اہل علم نے ان مسانید کو مرتب کیا انکی فہرست طویل ہے۔ یہاں کچھ مسانید کا ذکر کریں گے ان میں بعض مسانید زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں:

- ۱۔ مسند زید بن علی ابوالحسین (م ۱۲۲ھ)
- ۲۔ مسند جعفر بن محمد الصادق العلوی المدنی (م ۱۲۸ھ)
- ۳۔ مسند موسیٰ بن جعفر کاظم المدنی (م ۱۸۳ھ)
- ۴۔ مسند ابوداؤد طیالسی (م ۲۰۴ھ)
- ۵۔ مسند عبید اللہ بن موسیٰ ابو محمد العبسی (م ۲۱۳ھ)
- ۶۔ مسند حسین بن داؤد ابو علی المصیصی (م ۲۲۶ھ)
- ۷۔ مسند مسدد بن مسرہد ابوالحسن الاسدی البصری (م ۲۲۸ھ)
- ۸۔ مسند یحییٰ بن عبد الحمید الیمانی ابو زکریا الکوفی (م ۲۲۸ھ)
- ۹۔ مسند نعیم بن حماد ابو عبد اللہ الخزاعی المروزی (م ۲۲۸ھ)
- ۱۰۔ مسند علی بن جعد بن عبید ابوالحسین الجوهری البغدادی (م ۲۳۰ھ)
- ۱۱۔ مسند علی بن عبد اللہ بن جعفر المشہور ابن المدینی (م ۲۳۴ھ)
- ۱۲۔ مسند ابی بکر بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ)
- ۱۳۔ مسند عثمان بن محمد بن ابی شیبہ الواسطی الکوفی (م ۲۳۷ھ)
- ۱۴۔ مسند اسحاق بن ابراہیم الحنظلی الخراسانی المعروف ابن راہویہ (م ۲۳۸ھ)
- ۱۵۔ مسند خلیفہ بن خیاط ابو عمر التمیمی (م ۲۴۰ھ)
- ۱۶۔ مسند محمد بن اسلم ابوالحسن الطوسی (م ۲۴۲ھ)
- ۱۷۔ مسند احمد بن حنبل الشیبانی (م ۲۴۱ھ)
- ۱۸۔ مسند احمد بن ابراہیم ابو عبد اللہ الدورقی البغدادی (م ۲۴۶ھ)
- ۱۹۔ مسند عبد بن حمید ابو محمد الکشی (م ۲۴۹ھ)
- ۲۰۔ مسند اسحاق بن منصور ابو یعقوب الکوفی المروزی (م ۲۵۷ھ)

- ۲۱۔ مسند عبد اللہ بن عبد الرحمن ابو محمد الدارمی (م ۲۵۵ھ)
- ۲۲۔ مسند احمد بن سنان ابو جعفر القطان الواسطی (م ۲۵۸ھ)
- ۲۳۔ مسند یعقوب بن شیبہ ابو یوسف السدوسی البصری (م ۲۶۲ھ)
- ۲۴۔ مسند احمد بن منصور ابو بکر الرمذی البغدادی (م ۲۶۵ھ)
- ۲۵۔ مسند محمد بن ابراہیم بن مسلم الطرسوسی البغدادی (م ۲۷۳ھ)
- ۲۶۔ مسند قتی بن مخلد ابو عبد الرحمن القرطبی (م ۲۷۶ھ)
- ۲۷۔ مسند عثمان بن سعید ابو عثمان الدارمی (م ۲۸۲ھ)
- ۲۸۔ مسند ابراہیم بن اسحاق ابو اسحاق الحرابی (م ۲۸۵ھ)
- ۲۹۔ مسند ابن ابی عاصم ابو بکر احمد بن عمرو الشیبانی (م ۲۸۷ھ)
- ۳۰۔ مسند احمد بن عمرو بن عبد الخالق ابو بکر البزار (م ۲۹۲ھ)
- ۳۱۔ مسند ابراہیم بن معقل ابو اسحاق (م ۲۹۵ھ)
- ۳۲۔ مسند اسماعیل بن اسحاق ابو اسحاق القاضی (م ۲۹۹ھ)
- اصحاب مسانید میں سے چار محدثین کے حالات زندگی بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۔ امام ابو داؤد طیالسی (م ۲۰۴ھ):

نام و نسب:

سلیمان نام، ابو داؤد کنیت اور نسب نامہ یہ ہے۔ سلیمان بن داؤد بن جارود (۵۷)۔

پیدائش:

۱۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔

خاندان و وطن:

آبائی وطن فارس ہے۔ بصرہ میں مستقل بود و باش اختیار کر لی تھی۔ اصلاً غلام زاوہ تھے۔ ان کے والدین قبیلہ قریش کے موالی تھے۔ فارسی، بھری، قریشی، اور طیالسی کی نسبتوں سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور نسبت طیالسی ہے۔ جو طیالہ کی جانب ہے۔ طیالہ

طیلسان کی جمع ہے۔ یہ ایک قسم کی چادر ہوتی ہے جس کو اہل عرب عماموں کے اوپر اوڑھتے تھے۔ اس نسبت سے جو لوگ منسوب ہیں ان میں ابوداؤد سب سے زیادہ مشہور اور ممتاز ہیں۔ طیلسان فارسی زبان کا لفظ ہے۔ اصمعی کے نزدیک وہ اصل میں تالشان (تالسان) تھا اور معرب ہو کر طیلسان ہو گیا ہے۔

اساتذہ و شیوخ:

حافظ ابوداؤد الطیالسی کو دوسری صدی ہجری کا مبارک زمانہ ملا جو علم و فضل اور خیر و برکت کے لحاظ سے خیر القرون میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کو مقدس اور برگزیدہ علمائے اسلام کی صحبت میسر آئی اور بڑے بڑے محدث علماء سے استفادہ کیا۔ ان کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار شیوخ سے حدیثیں لکھیں۔ ان میں ابن عون اور ان کے مرتبہ کے متعدد لوگ تھے۔ بعض شیوخ کے نام حسب ذیل ہیں۔

ابان بن یزید عطار، ابراہیم بن سعد، ایمن بن نابل، جریر بن حازم، جریر بن عبد الحمید، حبیب بن یزید، حرب بن شداد، حماد بن درہم، حماد بن سلمہ، زائدہ بن قدامہ، زہیر بن معاویہ، سفیان بن سعید ثوری وغیرہ (۵۸)۔ جس طرح انہوں نے بے شمار مشائخ سے اکتساب فیض کیا تھا۔ اسی طرح ان کے دامن سے بھی بکثرت طلبہ اور محدثین وابستہ ہوئے۔ ان میں سے بعض مشہور لوگوں کے نام یہ ہیں:

احمد بن ابراہیم دورقی، احمد بن حنبل، اسحاق بن منظور کوبج، ابومسعود رازی، ابن فرات، حجاج بن یوسف الشاعر، عباس دوری، عبداللہ بن محمد مسندی، عثمان بن ابی شیبہ، علی بن مدینی، علی بن مسلم طوسی، محمد بن رافع، ہارون جمال، یعقوب بن ابراہیم دورقی اور یونس بن حبیب اصہبانی وغیرہ۔ آپ کے استاد جریر بن عبد الحمید نے بھی آپ سے روایت کیا ہے۔ مؤلفین صحاح ستہ اور امام طیلسی کے زمانہ میں کافی تفاوت ہے۔ اس لئے ان میں سے تین نے آپ سے بالواسطہ روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے امام بخاری اور مولانا عبدالرحمن مبارکپوری نے امام ترمذی کے سلسلہ رواۃ میں ان کا نام گنوا یا ہے (۵۹)۔

رحلت و سفر:

ابوداؤد کے مشائخ کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے حدیث کی طلب و جستجو کیلئے مختلف مقامات کا سفر کیا ہوگا۔ لیکن کتابوں میں صرف بغداد اور اصہبان کے سفر کا ذکر کیا ہے۔

فضل و کمال:

حدیث کے علاوہ ان کے دوسرے علمی کمالات پردہ خفا میں ہیں اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کن کن علوم و فنون میں جامعیت رکھتے تھے۔ صرف فن حدیث میں ان کی مہارت و ژرف نگاہی معلوم ہوتی ہے جس نے ان کو مرتبہ امامت پر فائز کیا۔

حفظ و ضبط:

ان کا حافظہ غیر معمولی تھا۔ علمائے فن اور ان کے معاصرین نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ بعض علما کا بیان ہے کہ ”ان کو تیس اور بعض نے کہا ہے کہ چالیس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں“۔ یونس بن حبیب اصہبانی فرماتے ہیں کہ انہوں نے اصہبان میں ایک لاکھ حدیثیں محض اپنی یادداشت سے املا کرائیں۔ عمرو بن علی فلاس کہتے ہیں۔ ”محدثین کے زمرہ میں مجھ کو کوئی شخص ابوداؤد سے بڑا حافظ نظر نہیں آیا۔ میں نے ان کو خود فرماتے ہوئے سنا کہ میں تیس ہزار حدیثیں زبانی بیان کر سکتا ہوں۔ علی بن مدینی کا بیان ہے کہ میری نظر سے کوئی ان سے زیادہ حدیثوں کا حافظ نہیں گزرا۔ محمد بن بشار کا قول ہے کہ جتنی حدیثیں ابوداؤد سے لکھی گئیں اتنی کسی اور محدث سے نہیں لکھی گئیں اور دکیج کا بیان ہے کہ ”طویل حدیثوں کا ان سے بڑا کوئی حافظ نہیں رہا“۔ شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں: ”ابوداؤد طویل حدیثوں کو اچھی طرح محفوظ کرتے تھے اور اس وصف میں اپنے معاصرین سے ممتاز تھے“ (۶۰)۔

عدالت و ثقاہت:

ثقاہت میں بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ علمائے جرح و تعدیل نے ان کی توثیق کی ہے۔ عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں۔ ”وہ لوگوں میں سب سے زیادہ سچے تھے“۔ ابوالمنذر نعمان کا ارشاد ہے کہ ”وہ ثقہ اور معتبر تھے“۔ ابن معین سے شعبہ کے تلامذہ کے متعلق دریافت کیا گیا کہ ابوداؤد طیالسی اور حرمی میں آپ کے نزدیک کون زیادہ بہتر ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ابوداؤد صدوق ہیں اس لیے وہ مجھ کو زیادہ پسند ہیں۔ ابن عدی عمرو کی رائے کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ میرے اور دوسروں کے نزدیک متیقظ اور ثابت تھے۔ ابو حاتم ان کو صدوق محدث قرار دیتے ہیں۔ امام نسائی کا ارشاد ہے کہ ”ابوداؤد ثقہ اور لوگوں میں سب سے زیادہ سچے تھے“۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں سحیحی بن معین و ابن المدینی و فلاس و دکیج و دیگر علمائے رجال التعدیل و توثیق مفرط نمودہ اند (۶۱)۔

معرفتِ حدیث:

وہ حدیثوں کے صرف ناقل و حافظ ہی نہ تھے بلکہ ان کی پرکھ میں بھی مہارت رکھتے تھے۔
بندار کا بیان ہے کہ وہ حدیث اور معرفتِ حدیث کے لحاظ سے نہایت برتر تھے۔

وکیع جیسے نامور محدث، حدیث میں ان کی غیر معمولی واقفیت اور تمیز کی بنا پر ان کو ”جبل العلم“ کہتے تھے۔ یحییٰ بن معین ان کو عبدالرحمن بن مہدی سے بھی زیادہ صاحبِ علم اور حدیثوں کا واقف کار بتاتے ہیں۔ ان کے استاد شعبہ کو ان کے علم و تمیز پر اتنا اعتماد تھا کہ اپنی عدم موجودگی میں ان کو مسندِ درس پر رونق افروز ہونے کی اجازت دیتے تھے۔ ابو حاتم کا بیان ہے کہ معرفتِ حدیث میں ان کا مقام اتنا بلند تھا کہ وہ شعبہ سے مذاکرہ کر سکتے تھے۔ اس سلسلے میں ابوداؤد کی یہ خصوصیت قابلِ ذکر ہے کہ بعض محدثین اور شیوخ کی روایات سے ان سے زیادہ کوئی واقف کار نہ تھا۔ عثمان بری کے متعلق وہ خود فرماتے ہیں کہ میرے سینہ میں ان کی بارہ ہزار حدیثیں محفوظ ہیں۔ مشہور محدث شعبہ کی روایتوں کے لئے تو وہ سند کی حیثیت رکھتے تھے۔ ابومسعود رازی کا بیان ہے کہ شعبہ کی روایتوں کے معاملہ میں ابوداؤد سے زیادہ کوئی واقف کار مجھ کو نہ ملا (۶۲)۔

اخلاق و عادات:

ابوداؤد طیالسی کے اخلاق و عادات اور اعمال و عبادات وغیرہ کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔ بعض اوقات ضمناً ان کے بعض اوصاف کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً اصہبان میں ایک لاکھ احادیث املا کرانے کے بعد جب ان کو اپنی غلطیوں کا پتہ چلا تو انہوں نے ان کو تسلیم کر لیا اور اپنے شاگردوں کو بھی ہدایت کی کہ وہ بھی ان کی تصحیح کر لیں۔ امام احمد نے بھی ان کی اس خوبی کا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنی غلطی پر اصرار نہیں کرتے تھے۔

وفات:

مشہور روایت کے مطابق ۷۲ سال کی عمر میں سنہ ۲۰۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ بعض لوگوں نے صفر اور بعض نے ربیع الاول سنہ ۲۰۴ھ بتایا ہے۔ حاکم بصرہ یحییٰ بن عبداللہ بن عمر نے نمازِ جنازہ پڑھائی (۶۳)۔

مسند ابی داؤد طیالسی:

مسانید کے جو مجموعے مشہور و متداول ہیں۔ ان میں ایک ابوداؤد طیالسی کی مسند بھی ہے۔

اس کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ وہ دوسرے مسانید کے مقابلہ میں زیادہ قدیم ہے۔ بعض علما نے اس کو سب سے قدیم مسند بتایا ہے۔ حاکم صاحب مستدرک فرماتے ہیں کہ علمائے اسلام میں عبید اللہ بن موسیٰ اور ابو داؤد طیالسی نے سب سے پہلے تراجم رجال پر مسانید مرتب کیں۔ لیکن علمائے محققین کی ایک جماعت کو اس رائے سے اتفاق نہیں ہے کہ وہ کہتے ہیں ”عام مصنفین مسانید کے مقابلہ میں ابو داؤد کا زمانہ قدیم ہے۔ اس لئے لوگوں نے ان کی سند کو بھی سب سے قدیم سمجھ لیا۔ حالانکہ اس کی جمع و ترتیب ان کے بعد بعض متاخرین خراسانی حفاظ نے کی ہے۔ بہر حال اس کی قدامت سے انکار نہیں کیا جاسکتا گو بعض مشہور کتب حدیث کی طرح ان کی مسند کو زیادہ شہرت نصیب نہیں ہوئی لیکن اس کو مسانید میں یک گونہ خصوصیت حاصل ہے (۶۴)۔

ترتیب و تبویب:

یہ مسند گیارہ اجزا پر مشتمل ہے۔ اس کی ترتیب میں بڑی حد تک مسانید کے عام اصول کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے شرف و تقدم اور سبقت فی الاسلام کے لحاظ سے روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ پہلے خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی حدیثیں ہیں۔ چھٹے جز کے آخر سے صحابیات کی مرویات کا سلسلہ شروع ہو کر ساتویں جز میں ختم ہوتا ہے۔ سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایات ہیں۔ ہر صحابی کی حدیثیں الگ الگ عنوان سے ہیں۔ بعض صحابہ کی حدیثیں دو جگہ بھی نقل ہو گئی ہیں۔ بعض مقامات پر ایک صحابی کی روایتوں میں دوسرے صحابی کی روایتیں بھی خلط ملط ہو گئی ہیں۔ مسند کی باقاعدہ جمع و ترتیب کا کام بعض اہل خراسان نے کیا اور زیادہ تر روایتیں یوسف بن حبیب کے واسطے سے مروی ہیں (۶۵)۔

خصوصیات:

- ۱۔ اس کی سب سے اہم خصوصیت اس کی قدامت ہے۔
- ۲۔ مسند کی اکثر روایتیں دوسری مشہور کتب حدیث میں موجود ہیں۔
- ۳۔ کہیں کہیں آثار صحابہ بھی نقل کئے گئے ہیں۔
- ۴۔ حدیث کی کتابوں کی عام خصوصیات مثلاً رواۃ کے ناموں کے متعلق مختلف قسم کی وضاحتیں، کثرت طرق، تعداد اسناد، اختلاف الفاظ و معانی یا خاص اضافہ و کمی کا ذکر، روایتوں کے باہمی فرق، رواۃ کے سہو و نسیان، روایات کے درجہ و حیثیت کی تشریح، روایتوں کے

درمیان باہمی ترجیح، روایات کی تصویب، ان کے یار ادویوں کے متعلق اپنے یا اپنے شیوخ کے شک و تردد کا اظہار، مشکل الفاظ، روایات کے ابہام اور مفہوم کی وضاحت اور ان کے بعض خاص پہلوؤں اور نکتوں کی تشریح وغیرہ اس میں بھی موجود ہیں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ساتویں صدی ہجری سے قبل کا خدا بخش خاں لاہوری پٹنہ میں موجود ہے۔

یہ مسند پہلی مرتبہ مطبع دارۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد سے ۱۳۲۱ھ میں شائع ہوئی ہے۔ صفحات کی تعداد ۳۹۲ ہے۔ ارکانِ دائرہ نے حاشیے میں متعدد کتب حدیث خصوصاً مسند احمد، سنن ترمذی اور سنن ابی داؤد سے اس کی حدیثوں کی مطابقت یا اختلاف کو دکھایا ہے۔ اور کہیں لغات اور بلاد و اماکن وغیرہ کی بھی مختصر تشریح کی ہے۔ خاتمہ میں مسند کے قدیم نسخہ سے اس نسخہ کے اختلاف کا مقابلہ کیا گیا ہے اس کے بعد اداروں نے بھی اس کو شائع کیا ہے۔

بعض اعتراضات اور ان کا جواب:

ابوداؤد طیالسی پر سہو و خطا اور تدلیس کے اعتراضات بھی ملتے ہیں۔

خطا: ابو حاتم، ابراہیم جوہری، ابن سعد اور علامہ ذہبی وغیرہ نے ان کی بھول چوک اور خطا و نسیان کا ذکر کیا ہے مگر ان سے ابوداؤد کے حفظ و ضبط، علم و فضل اور ثقاہت میں فرق نہیں آتا۔ خطا و نسیان تو بشریت کا خاصہ ہے جس سے کوئی بھی محدث بری نہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے اعتراض کیا ہے وہ بھی ان کو ثقہ اور ضابطہ مانتے ہیں۔ فلاس کا بیان ہے کہ ”میں جانتا ہوں کہ علامت منافق والی حدیث میں کسی نے ان کی متابعت نہیں کی ہے تاہم اس کے باوجود وہ ثقہ و ضابطہ ہیں۔“

دوسری چیز یہ ہے کہ محدثین اور علمائے فن کے نزدیک سہو و خطا کرنے والا موقوف الحدیث نہیں سمجھا جاتا۔ آئمہ و صحاح کی کتابوں میں بھی ایسے رواۃ کی روایتیں موجود ہیں۔ اس لیے یہ الزام خواہ صحیح ہو یا غلط اس سے ابوداؤد کی عظمت میں کوئی فرق نہیں۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ابوداؤد طیالسی کے حافظہ میں حدیثوں کا بڑا ذخیرہ محفوظ تھا اور وہ اپنی یادداشت سے حدیثیں بیان کرتے تھے۔ اس لیے ان سے بھول چوک کا ہونا تعجب انگیز نہیں ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے امام احمد سے ان کی غلطیوں کا ذکر کیا تو فرمایا اُن کی غلطی کو غلطی نہیں کہنا چاہیے۔ خطا کا یہ الزام اس وقت درست ہو سکتا ہے۔ جب ان سے ان کی غلطی کا تذکرہ کیا جائے اور وہ متنبہ نہ ہوں۔ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ ان سے جس وقت ان کی غلطی کا تذکرہ کیا جاتا ہے وہ فوراً متنبہ ہو جاتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں۔ دوسرے مؤرخین نے اور آئمہ تعدیل نے بھی اس قسم کی توجیہ بیان کی ہے (۶۶)۔

دوسرا اعتراض تذلیس کا ہے یعنی وہ ایک راوی کی روایت کو دوسرے کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ ”ابوداؤد نے ہم سے ابن عون کے واسطے سے بیس سے کچھ زیادہ حدیثیں بیان کیں مگر ان میں سے ایک کے علاوہ جس کو میں نہیں جانتا تھا باقی حدیثیں یزید بن ذریج کی تھیں۔“

حافظ ابن حجر نے دو اور واقعات نقل کئے ہیں۔ ان میں سے ایک محمد ابن منہال کے واسطے سے اور دوسرا امام دارقطنی کی کتاب الجرح والتعدیل سے ماخوذ ہے۔ ان تینوں واقعات سے خود ظاہر ہے کہ ابوداؤد نے غلطی سے روایت کا انتساب اصل راوی کی بجائے دوسرے کی جانب کر دیا ہے۔ خود حافظ ابن حجر نے جو ان واقعات کے ناقل ہیں انہیں تحریف و تذلیس کے بجائے سہو و نسیان پر محمول کرنے کی کوشش کی ہے اور بجز ایک قلیل جماعت کے جمہور کا فیصلہ یہی ہے کہ تذلیس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ سفیان ثوری جیسے بزرگ جو امیر المؤمنین فی الحدیث کہلاتے ہیں تذلیس کرتے ہیں اور بہت سے اہل کوفہ بھی تذلیس کرتے تھے۔ ابن الصلاح لکھتے ہیں۔

صحیح یہ ہے کہ مدلس جس چیز کو لفظ محتمل سے روایت کرے اور سماع و اتصال کی وضاحت نہ کرے تو اس کا حکم مرسل اور اس کی قسموں جیسا ہے لیکن جس روایت کو ایسے الفاظ سے بیان کیا جائے جن سے اتصال کی صراحت ہوتی ہے جیسے سمعت حدثنا، خبرنا وغیرہ تو وہ مقبول اور قابل حجت ہے۔ صحیحین وغیرہ کتب معتبرہ میں بھی اس قسم کی بے شمار روایتیں ہیں۔ جیسے قتادہ، اعمش، سفیان بن ہشام بن بشر وغیرہ کے واسطے سے اور یہ اس بنا پر کہ تذلیس دراصل کذب نہیں بلکہ ایک طرح کا ابہام ہے جو لفظ محتمل کی بنا پر ہوتا ہے (۶۷)۔

۲۔ امام عبداللہ بن زبیر حمیدی (م ۲۱۹ھ):

عبداللہ نام، ابو بکر کنیت اور نسب نامہ یہ ہے۔ عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ بن عبید اللہ۔ ان کا خاندان عربی النسل اور وطن مکہ معظمہ تھا۔ وہ حمیدی، اسدی، زبیری، قریشی اور مکی کی نسبتوں سے مشہور ہیں۔ سب سے مشہور نسبت قریش کے مشہور قبیلہ اسد کے ایک معزز فرد حمید کی جانب ہے۔ سال ولادت کا پتہ نہیں چلتا (۶۸)۔

اساتذہ :

ان کے بعض مشہور شیوخ کے نام سب ذیل ہیں:

ابراہیم بن سعد، سفیان بن عیینہ، عبدالعزیز بن حازم، فضیل بن عیاض، محمد بن ادریس شافعی، مروان بن معاویہ، کجج اور ولید بن مسلم وغیرہ ان بزرگوں میں سفیان بن عیینہ اور امام شافعی سے ان کو بڑا خاص تعلق تھا۔ ۱۹، ۲۰ سال تک سفیان کی خدمت میں رہنے اور استفادہ کرنے کا موقع ملا ان کی دس ہزار حدیثیں حمیدی کو زبانی یاد تھیں۔ ان کی مرویات کے سب سے زیادہ معتبر اور قابل وثوق راوی سمجھے جاتے تھے۔ امام شافعی کی صحبت میں بھی ایک عرصہ تک رہے۔ ان کے ہمراہ مصر تشریف لے گئے اور فقہ کی تکمیل و تخریج کی۔

تلامذہ:

ان کے اکثر تلامذہ فن حدیث کے ممتاز ماہرین تھے۔ بعض کے نام یہ ہیں:

احمد بن ازہر نیشاپوری، اسماعیل بن عبد اللہ، بشر بن موسیٰ، سلمیٰ بن شیبہ، محمد بن احمد قریشی، ہارون جمال، یعقوب ابن ابی شیبہ، یعقوب بن سفیان اور یوسف بن موسیٰ قطان، امام بخاری ان کے خاص فیض یافتہ لوگوں میں تھے اپنی صحیح میں کچھتر حدیثیں ان کے واسطے سے روایت کی ہیں (۶۹)۔

فضل و کمال:

ان کے علم و فضل اور امامت پر محدثین اور ارباب فن کا اتفاق ہے۔ امام احمد اور امام بخاری نے ان کو امام کہا ہے۔ اسحاق بن راہویہ کا بیان ہے کہ ”ابو عبیدہ، شافعی اور حمیدی ہمارے زمانہ میں امام ہیں۔“ ذہبی فرماتے ہیں کہ: ”حمیدی مشہور اور کبار آئمہ دین میں سے تھے۔“ خود حمیدی کا بیان ہے ”عراق میں احمد، خراسان میں اسحاق اور حجاز میں مجھ سے سبقت لے جانے والا کوئی نہیں۔“

ضبط و ثقاہت:

ان کی قوت حافظہ اور ثقاہت مسلم ہے۔ امام شافعی کو ان کے غیر معمولی حافظہ کا اعتراف تھا۔ مؤرخین نے ان کو کثیر الحدیث لکھا ہے۔ ان کے علم و حافظہ میں احادیث کا دافر ذخیرہ اور وسیع سرمایہ محفوظ تھا۔ امام بخاری کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ ان کی روایت ملنے کے بعد وہ دوسروں کی مرویات کی پرواہ نہیں کرتے تھے (۷۰)۔

فقہ واجتہاد:

فقہ واجتہاد میں بھی ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔ امام شافعی سے اس کی تحصیل کی تھی اور امام بخاری حدیث کی طرح فقہ میں بھی ان کے شاگرد تھے اور ان سے اسی کی تحصیل کی تھی۔ مکہ کے فقیہ و مفتی کی حیثیت سے حمیدی کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ مصر سے واپسی کے بعد وہ یہاں فقہ و افتاء کا کام عمر بھر انجام دیتے رہے۔ صاحب مستدرک لکھتے ہیں: ”وہ مکہ کے مشہور عالم و محدث اور مفتی تھے۔“ حدیث و فقہ میں ان کا وہی درجہ اور مرتبہ تھا جو امام احمد کا عراق میں تھا۔

زہد و ورع:

ورع و تقویٰ اور دیانت و پاکبازی میں بھی ممتاز تھے۔ ابن عدی نے ان کی نیکی اور پاکبازی کا ذکر کیا ہے۔ ابن حبان نے ان کو صاحب سنت بتایا ہے۔ احادیث و آثار سے شدت تمسک کی بناء پر وہ اہل رائے کو ناپسند کرتے تھے۔ اس کا اندازہ ان کے رسالہ اصول السنۃ سے ہوتا ہے (۷۱)۔

عقیدہ و مسلک:

عقیدہ و عمل کے لحاظ سے وہ محدثین اور سلف کے مسلک پر عامل تھے۔ وہ اس عقیدہ کے حامل تھے کہ ایمان قول و عمل دونوں کا نام ہے اس میں کمی و بیشی ہوتی ہے۔ سفیان بن عیینہ کے سامنے ان کے بھائی ابراہیم نے کہا کہ ”ایمان کم نہیں ہوتا“۔ تو وہ غضب ناک ہو گئے اور فرمایا: ”تم بچے ہو، ان مسائل کے بارے میں لب کشائی نہ کرو۔ ایمان کم بھی ہوتا ہے اور سلب بھی ہو جاتا ہے۔ ایمان و عمل کا اعتبار نیت پر موقوف ہے۔“

تقدیر:

تقدیر کے خیر و شر ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ جو کچھ ہوا ہے اس کا ہونا ضروری تھا اور نہ ہونا ناممکن تھا۔ اور جو کچھ نہیں ہوا ہے اس کا نہ ہونا ممکن نہیں تھا۔

قرآن:

قرآن اللہ کا کلام ہے جو لوگ اس کو مخلوق کہتے ہیں وہ مبتدع اور سلف صالحین کے مسلک سے منحرف ہیں۔

روایت:

موت کے بعد مومنین دیدارِ الہی سے مشرف ہوں گے۔

صفات الہی:

قرآن کی وہ آیتیں جن میں اللہ کے ید و یمین اور استواء و تمکن وغیرہ کا ذکر ہے یا اس قسم کی جو حدیثیں ہیں ان کے مجرد بیان پر اکتفا اور توقف کرنا چاہیے نہ ان میں کسی اضافہ کا ہم کو حق ہے اور نہ تشریح و تفسیر کا اس قسم کی آیات و احادیث میں بحث و کلام کرنے والے اہل باطل اور فرقہ جہمیہ و معطلہ میں شامل ہیں۔

مرتکبین کبار:

کبار کے مرتکبین کو کافر سمجھنا خوارج کا عقیدہ ہے۔ گناہ کرنے سے انسان کافر نہیں ہوتا۔

احترام صحابہ رضی اللہ عنہم:

مسلمانوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے دعا و استغفار کرنی چاہئے۔ قرآن مجید میں ہے۔
”رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِأَخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا“ (۷۲) (اے رب بخش دے ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بغض ایمان والوں کا)۔ اگر کوئی شخص ایک صحابی کو بھی برا بھلا کہے تو وہ جاہد سنت سے منحرف ہے (۷۳)۔

وفات:

اپنے وطن مکہ میں ربیع الاول ۲۱۹ھ میں وفات پائی۔ ۲۲۰ھ بھی وفات بتایا جاتا ہے۔

تصنیفات:

رسالہ اصول السنہ کے علاوہ ان کی دوسری کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ کتاب الرد علی النعمان۔ ۲۔ کتاب التفسیر۔

۳۔ مسند حمیدی۔ یہ سب سے زیادہ مشہور کتاب ہے جو ۱۱ اجزاء اور ۱۲۹۳ حدیثوں پر مشتمل

ہے۔ اس کی اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ اس کا شمار قدیم ترین کتب مسانید میں ہوتا ہے۔ اور اغلب یہ ہے کہ مکہ میں سب سے پہلے یہی مسند مرتب کی گئی تھی۔
- ۲۔ اکثر روایات مرفوع ہیں۔ موقوف روایتیں کم ہیں۔
- ۳۔ صحابہ و تابعین کے آثار کا حصہ بھی اس میں شامل ہے۔
- ۴۔ احادیث کے نقل و روایت ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ایک ماہر فن کی طرح ان کے متعلق مختلف النوع معلومات بھی درج ہیں:

مسند کے مخطوطے دارالعلوم دیوبند، حیدر آباد (سندھ) کے قریب نیو سعید آباد مکتبہ الراشدیہ للشیخ شاہ بدیع الدین رحمۃ اللہ الراشدی، و جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (دکن) اور دمشق کے دارالکتب الظاہریہ میں موجود ہیں۔ مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے ان نسخوں کی مدد سے مسند کو پہلی مرتبہ ۱۹۶۳ء میں دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ حواشی میں مشکل الفاظ کی تشریح، اختلاف نسخ اور مختلف کتب حدیث سے اس کی حدیثوں کے باہمی اختلاف و مطابقت وغیرہ کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ حافظ ابن حجر نے مطالب عالیہ میں مسند کے زوائد بیان کیے ہیں (۷۴)۔

۳۔ امام اسحاق بن راہویہ (م ۲۴۸ھ):

اسحاق نام، ابو یعقوب کنیت اور ابن راہویہ لقب تھا۔ اسحاق کے والد ابراہیم بطن مادر ہی میں تھے کہ انکی والدہ نے مکہ معظمہ کا سفر کیا۔ اسی سفر میں کسی مقام پر ان کی ولادت ۱۶۱ھ میں ہوئی۔ اس لیے اہل مروا نہیں راہوی یا راہویہ یعنی راستہ والا کہتے تھے۔ اسحاق کا بیان ہے کہ میرے والد کو جب لوگ راہویہ کہتے تھے تو ان کو ناگوار ہوتا تھا لیکن مجھے ابن راہویہ کہا جاتا ہے تو کوئی ناگواری نہیں ہوتی (۷۵)۔

خاندان و وطن:

ان کا وطن خراسان کا مشہور شہر مرو تھا۔ لیکن انہوں نے نیشاپور میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس لیے مروزی اور نیشاپوری کہلاتے ہیں۔ تہمی اور حنظلی کی نسبتوں سے ان کا عربی النسل ہونا ظاہر ہوتا ہے (۷۶)۔

اساتذہ:

ان کے مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں: ابن اسامہ، ابو بکر بن عیاش، ابو معاویہ، اسباط بن

محمد، اسماعیل بن علیہ، بشر بن مفضل، بقیہ بن ولید، جریر بن عبد الحمید رازی، حاتم بن اسماعیل، عبد الرحمن بن مہدی، عبد الرزاق بن ہمام، عبد اللہ بن مبارک، عبدہ بن سلیمان، عبد الوہاب ثقفی، عمر بن ہارون، عیسیٰ بن یونس، معاذ بن ہشام، وکیع بن جراح، ولید بن مسلم اور یحییٰ بن واضح وغیرہ۔

تلامذہ:

ابن راہویہ کے تلامذہ کے مختلف طبقے ہیں۔ ان کے بعض اساتذہ بقیہ بن ولید، محمد بن یحییٰ ذہلی اور یحییٰ بن آدم وغیرہ اور معاصرین میں احمد بن حنبل، اسحاق بن منصور کونج، محمد بن رافع اور یحییٰ بن معین اور عزیزوں میں فرزند محمد نے بھی استفادہ کیا ہے۔ اور صحاح ستہ کے مصنفین میں امام ابن ماجہ کے علاوہ سب کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ بعض اور ممتاز تلامذہ کے نام حسب ذیل ہیں۔

ابراہیم بن ابی طالب، احمد بن سلمہ، اسحاق بن ابراہیم نیشاپوری، حسن بن سفیان، اور موسیٰ بن ہارون وغیرہ (۷۷)۔

طلبِ حدیث کے لئے سفر:

علامہ ابن عساکر اور حافظ ابن حجر نے ان کو کثرت سے سفر کرنے والے حدیث کی طلب و تحصیل کے لیے مختلف شہروں میں کہہ کر ذکر کیا ہے اور خطیب نے لکھا ہے کہ حجاز، عراق، یمن اور شام وغیرہ مراکز حدیث کا سفر کیا اور بغداد کئی بار تشریف لائے۔ عراق کا سفر ۲۳ سال کی عمر میں ۱۸۴ھ میں کیا تھا (۷۸)۔

علم و فضل کا اعتراف:

اسحاق بن راہویہ بلند پایہ علمائے اسلام میں سے تھے۔ معاصرین علماء اور اساطین فن نے ان کے فضل و کمال اور علمی عظمت و بلند پایگی کا اعتراف کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل جو ان کے بڑے مداح اور قدردان تھے۔ فرماتے ہیں: ”خراسان و عراق میں ان کا کوئی ہمسر نہیں۔ بغداد کے اس پل کو ان سے زیادہ عظیم و برتر کسی آدمی نے عبور نہیں کیا۔ گو بعض مسائل میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہے اور اہل علم میں اختلافات تو ہوا کرتے ہیں۔“

ایک مرتبہ اسحاق کے صاحبزادے محمد امام احمد کی خدمت میں حصولِ علم کے لیے حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا کہ تمہارا اپنے والد سے وابستہ رہنا زیادہ مفید اور بہتر ہے۔ ان سے زیادہ پر عظمت آدمی

تمہاری آنکھوں نے نہ دیکھا ہوگا۔ امام احمد ان کی عظمت کے اس حد تک قائل تھے کہ اگر ان کے سامنے کوئی انہیں ابن راہویہ کہتا تو ناگواری کا اظہار کرتے اور فرماتے کہ اسحاق بن ابراہیم حنظلی کہا کرو! محمد بن اسلم کہتے ہیں کہ اگر امام ثوری زندہ ہوتے تو اسحاق کے علم و فضل سے بے نیاز نہ رہتے۔ احمد بن سعید رباعی کا قول ہے کہ ابن عیینہ اور حماد بھی ان کے محتاج ہوتے۔ محمد بن یحییٰ صفار نے سنا تو کہا کہ اگر حسن بصری زندہ ہوتے تو اکثر چیزوں میں ان کو اسحاق کی طرف رجوع کرنا پڑتا۔ ابن خزیمہ کا بیان ہے کہ اگر وہ تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو وہ لوگ بھی ان کے علم و فضل کے معترف ہوتے۔ یحییٰ بن یحییٰ کا بیان ہے کہ خراسان میں علم کے دو خزانے تھے۔ ایک محمد بن سلام بیکندی کے پاس دوسرا اسحاق بن راہویہ کے پاس ہے۔ حسین بن منصور بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں یحییٰ اور اسحاق کے ہمراہ ایک شخص کی عیادت کرنے گیا۔ جب ہم لوگ ان کے گھر گئے تو اسحاق پیچھے ہو گئے اور یحییٰ سے کہا آپ پہلے داخل ہوں کیونکہ آپ ہم سے عمر میں بڑے ہیں۔ انہوں نے کہا بے شک میں عمر میں بڑا ہوں لیکن علم و فضل میں آپ فائق ہیں اس لیے آپ ہی پہلے چلیں۔ حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں ”وہ جلیل القدر علمائے اسلام اور نامور محدثین حفاظ میں سے تھے“ (۷۹)۔

شرفِ امامت:

اسحاق بن راہویہ کا شمار ان آئمہ میں ہوتا ہے جو صاحب مذہب فقیہ و مجتہد تھے۔ مگر اب ان کا فقہی اور اجتہادی مذہب مٹ چکا ہے۔ لیکن ایک زمانہ میں یہ بھی مسلمانوں کا معمول بہ مسلک رہا ہے۔ امام احمد اور امام نسائی ان کے متعلق فرماتے ہیں مسلمانوں کے ایک امام یہ بھی ہیں۔ ایک دن امام احمد سے ان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا وہ مسلمانوں کے امام ہیں۔ ہمارے نزدیک شافعی، حمیدی اور اسحاق تینوں امام ہیں۔ محمد بن نصر فرماتے ہیں۔ وہ ہمارے اور ہمارے مشائخ کے شیخ و بزرگ تھے۔ فضل شعرانی فرماتے ہیں۔ وہ بلا شک و شبہ خراسان کے امام تھے (۸۰)۔

علم حدیث میں کمال و امتیاز:

علم حدیث سے ان کو خاص تعلق تھا اور وہ اکابر محدثین اور نامور حفاظ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ خلیلی کا بیان ہے کہ وہ شہنشاہ حدیث تھے۔ حدیثوں کی نشر و اشاعت، درس و مذاکرہ، حفظ و ضبط اور حزم و احتیاط کے لیے ان کی ذات بڑی اہمیت اور شہرت رکھتی ہے۔ ذیل میں ان کی خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حفظ و ضبط:

اسحاق بن راہویہ کا حافظہ غیر معمولی تھا اور یادداشت حیرت انگیز تھی۔ ابن حبان، خطیب بغدادی اور ابن عساکر وغیرہ نے حافظہ میں ان کی جامعیت کا اعتراف کیا ہے۔ علامہ ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ اگر اسحاق تابعین کے عہد میں ہوتے تو وہ لوگ بھی ان کے حافظہ کے معترف ہوتے۔ ابویحییٰ شعرائی کہتے ہیں کہ میں نے ان کے ہاتھ میں کبھی کتاب نہیں دیکھی۔ وہ ہمیشہ یادداشت سے حدیثیں بیان کرتے تھے۔ ان کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی کوئی چیز قلم بند نہیں کی جب بھی مجھ سے کوئی حدیث بیان کی گئی میں نے اسے یاد کیا۔ میں نے کسی محدث سے کوئی حدیث کبھی دوبارہ بیان کرنے کے لیے نہیں کہا۔ یہ کہنے کے بعد انہوں نے پوچھا کہ کیا تم لوگوں کو اس پر تعجب ہے؟ لوگوں نے کہا جی ہاں؟ یہ حیرت کی بات کی ہے۔ انہوں نے کہا جس چیز کو میں ایک مرتبہ سن لیتا ہوں وہ مجھے یاد رہتی ہے۔ ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں ہر وقت میری نگاہ کے سامنے رہتی ہیں اور میں ان کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ وہ کتاب میں کس جگہ پر ہیں؟ ابوداؤد خفاف کی روایت کے مطابق انہوں نے ایک لاکھ حدیثوں کے متعلق کہا کہ وہ میری نظر کے سامنے ہیں۔ میں ان کا مذاکرہ کر سکتا ہوں۔ ایک دفعہ انہوں نے گیارہ ہزار حدیثیں زبانی املا کرائیں۔ اور پھر دوبارہ کتاب سے ان کی قراءت کی تو ایک لفظ کی بھی کمی بیشی نہیں تھی (۸۱)۔

صدق و ثقاہت:

اس غیر معمولی حفظ کے ساتھ اسی درجہ کی صدق اور ثقاہت بھی تھی۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ کثیر الحفظ ہونے کے باوجود اسحاق کا ضبط و اتقان اور غلطیوں سے محفوظ رہنا حیرت انگیز ہے۔ خطیب بغدادی وغیرہ لکھتے ہیں کہ وہ حفظ و ثقاہت دونوں کے جامع تھے۔ ذہبی نے ان کو ثقہ و مامون کہا ہے اور ابن حبان نے ان کو اپنی کتاب ثقات میں لکھا ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ و مامون تھے۔ امام دارمی کا بیان ہے کہ اسحاق اپنے صدق کی وجہ سے اہل مغرب و مشرق کے سردار بن گئے تھے امام احمد کو ان کے صدق و ثقاہت پر اتنا اعتماد تھا کہ ایک دفعہ انہوں نے ان سے کوئی حدیث پوچھی، جب اسحاق نے اسے بیان کیا تو ایک شخص نے اعتراض کیا کہ وکیع نے یہی روایت اس سے مختلف طریقہ پر بیان کی ہے۔ امام احمد نے برا فروختہ ہو کر کہا کہ خاموش رہو جب ابو یعقوب جو امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں کوئی روایت بیان کریں تو اسے بلا تامل قبول کر لینا چاہیے (۸۲)۔

حزم و احتیاط:

حفظ حدیث کے ساتھ اتنے محتاط تھے کہ بچپن میں انہوں نے عبداللہ بن مبارک سے حدیثیں سنی تھیں مگر ان کو روایت نہیں کرتے تھے کہ احتیاط کے خلاف ہے (۸۳)۔

نفاذت و اشاعت حدیث:

ان کی ذات سے حدیث نبوی کی بڑی اشاعت اور سنت نبوی کا بڑا احیا ہوا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اسحاق بن راہویہ نے سنتوں کا دفاع اور مخالفین حدیث کا قلع قمع کیا۔ وہب بن جریر کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسحاق، صدقہ بن الفضل اور یحمر کو ان کی اسلامی خدمات کا صلہ عطا فرمائے۔ ان لوگوں نے مشرق کی سرزمین میں حدیثوں کی اشاعت اور سنت نبوی کا احیا کیا (۸۴)۔

فقہ و اجتہاد:

حدیث کی طرح فقہ و اجتہاد کے ماہر بھی تھے۔ ابو اسحاق شیرازی، حاکم صاحب مستدرک اور خطیب نے ان کو فقہ و اجتہاد میں جامع اور اکابر فقہاء میں شمار کیا ہے۔ فقہی حیثیت سے بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا اور وہ مسلمہ امام اور صاحب مذہب فقہاء میں سے ہیں۔ اور متعدد علما نے ان کا محدث کے بجائے فقیہ و مجتہد ہی کی حیثیت سے ذکر کیا ہے (۸۵)۔

ابن راہویہ کے فقہی اصول اور بنیادیں:

فقہ و حدیث میں امام احمد بن حنبل اور اسحاق کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے۔ دونوں بزرگوں کی فقہ و اجتہاد کا دار و مدار حدیث پر ہے۔ شاہ ولی اللہ نے رسالہ ”الانصاف“ میں لکھا ہے کہ ان کے مسائل کی بنیاد احادیث اور اقوال صحابہ پر زیادہ ہے۔ ابو حاتم سے پوچھا گیا کہ آپ کا میلان دونوں کی جانب زیادہ ہے۔ فرمایا مجھے ان سے زیادہ پر عظمت شخص نظر نہیں آتا۔ ان دونوں نے احادیث قلم بند کیں ان کا مذاکرہ کیا اور ان پر تصنیفات لکھیں۔

فقہ و اجتہاد میں ان کے کمال کا بھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے امام شافعی جیسے عظیم المرتبت امام و مجتہد سے دو مرتبہ مناظرہ کیا اور صالح بن احمد روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مناظرہ کے موقع پر میرے والد بھی موجود تھے ان کا بیان ہے کہ اسحاق امام شافعی کے مقابلہ میں غالب نظر آ رہے تھے (۸۶)۔

پہلا مناظرہ:

پہلی مرتبہ جب وہ امام احمد کے اصرار پر امام شافعی سے ملے تو انہوں نے مکہ کے مکانات کو کرایہ پر دیئے جانے کے متعلق ان سے مناظرہ کیا اور اسحاق کرایہ پر یہ دینا جائز نہیں سمجھتے تھے اور امام شافعی جائز سمجھتے تھے۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ** **اُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ (۸۷)** (واسطے ان مفلسوں، وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے)۔

دیار کی نسبت مالکوں کی طرف کی گئی ہے یا غیر مالکوں کی طرف۔ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **”مَنْ اغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ دَخَلَ دَارَ ابْنِ سَفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ“** (جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا اور جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے)۔

یہاں دار و باب کی نسبت جس کی جانب کی گئی ہے کیا وہ اس کا مالک تھا یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قید خانہ کے لئے جو مکان خریدا تھا وہ اس کے مالک یا غیر مالک سے خریدا تھا۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ نے فرمایا: **”وَهَلْ تَرَكْنَا عَقِيلَ مَنْ دَارَ“** (کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی گھر چھوڑا بھی ہے)۔

اسحاق کی دلیل یہ تھی کہ ان کی رائے کی تائید بعض تابعین سے منقول ہے۔ امام شافعی کا جواب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں کسی شخص کی رائے حجت نہیں ہو سکتی۔ اسحاق کی دوسری دلیل یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ **”سَوَاءُ الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادُ“** (مسجد حرام میں مکہ کے باشندوں اور باہر کے لوگوں پر دونوں کا برابر حق ہے)۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حکم مسجد حرام کے ساتھ خاص تھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مکہ کی زمین لوگوں کے لئے مباح ہوتی تو رسول اللہ ﷺ **”لَمْ يَتْرَكْ لَنَا عَقِيلَ“** کہنے کے بجائے یہ فرماتے کہ جو جگہ ہم کو مل جائے یا جس شخص کے گھر میں بھی ہم لوگ اتر پڑیں وہ گھر اور جگہ ہمارے لیے مباح ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ کی زمین لوگوں کی ملکیت بن سکتی ہے۔ اس لیے یہ کرایہ پر دی جاسکتی ہے آخر میں اسحاق کو امام شافعی کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا اور وہ امام شافعی کی عظمت اور علم و فضل کے معترف ہو گئے اور جب کبھی ان کا ذکر کرتے تو تعریف و توصیف کرتے اور اپنی بات پر نادم بھی ہوتے (۸۸)۔

دوسرا مناظرہ:

دوسرے مناظرہ میں امام احمد بن حنبل شریک تھے اور غالباً اسی کے متعلق ان سے روایت

ہے کہ اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کے مقابلہ میں اسحاق کی رائے وزنی معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ وہ اس مسئلہ میں اسحاق کے ہم نوا بھی ہو گئے تھے۔ اس مناظرہ کا موضوع بحث مردار کی کھال تھی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ دباغت کے بعد پاک ہو جاتی ہے۔ اسحاق نے دلیل طلب کی تو انہوں نے حضرت میمونہ کی یہ حدیث بیان کی "ان النبی مربشاة میتة فقال هلا انتفعتم بجلدها" (آپ ﷺ نے ایک مردہ بکری دیکھ کر فرمایا کیوں نہیں تم لوگوں نے اس کی کھال سے فائدہ اٹھایا)۔ اسحاق نے اس کے جواب میں ابن حکیم کی یہ حدیث بیان کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ لکھایا "غیر مدبوغ کسی قسم کے چمڑے سے انتفاع نہ کرو"۔ یہ تحریر آپ کی وفات سے صرف ایک ماہ پہلے کی بات ہے اس لیے میمونہ کی روایت اس سے منسوخ ہو جاتی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں تو سماعی حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ تحریر کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اسحاق نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے قیصر و کسری کے نام جو خطوط لکھے تھے وہ تحریری تھے۔ اللہ کے ہاں ان کے خلاف حجت ہوں گے۔ اس جواب پر امام شافعی رحمہ اللہ خاموش ہو گئے (۸۹)۔

مذہب و مسلک:

اسحاق بن راہویہ خود صاحب مذہب مجتہد تھے۔ اس لیے چاروں مشہور اجتہادی مذاہب میں وہ کسی مذہب سے وابستہ نہ تھے البتہ ان کا رجحان امام احمد رحمہ اللہ کی طرح حدیث و اتباع سنت کی جانب زیادہ تھا (۹۰)۔

عقیدہ:

اسحاق بن راہویہ اتباع سنت اور طریقہ سلف کی پیروی میں نہایت متشدد تھے۔ اس لئے کلام و عقائد کے غیر ضروری مسائل میں بحث و تفتیش اور غور و خوض ناپسند کرتے تھے۔ ان کے زمانہ میں خلق قرآن کا معرکہ آراء مسئلہ پیش آیا۔ گو انہوں نے امام احمد کی طرح اس میں اولوالعزمی اور ثابت قدمی نہیں دکھائی مگر وہ بھی قرآن کو خدا کا کلام اور غیر مخلوق سمجھتے تھے (۹۱)۔

زہد و اتقا:

امام ابن راہویہ کے زہد و اتقا کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ حدیث و فقہ اور حفظ و صدق کی طرح ورع و تقویٰ کے بھی جامع تھے۔ محمد بن اسلم طوسی نے ان کی وفات کے وقت فرمایا۔

”میں نے ان سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں“ (۹۲)۔

وفات:

مشہور روایت کے مطابق انہوں نے ستر سال کی عمر میں ۱۴ یا ۱۵ شعبان سنہ ۲۳۸ھ کو انتقال کیا۔ بعض بزرگوں نے آپ کی بخشش و مغفرت کے خواب بھی دیکھے (۹۳)۔

اولاد:

آپ کی اولاد میں تین صاحبزادوں کا نام ضمناً ملتا ہے۔ ابوالحسن علی، محمد اور یعقوب (۹۴)۔

تصنیفات:

علمائے طبقات و تراجم نے ان کو صاحب تصانیف کثیرہ لکھا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب ضائع ہو گئیں جن تصنیفات کے نام معلوم ہو سکے ہیں وہ یہ ہیں:

- (۱) کتاب السنن فی الفقہ: اس کے نام سے موضوع ظاہر ہے۔
- (۲) کتاب التفسیر: علامہ سیوطی نے عہد تابعین کے بعد کی جن تفسیروں کو اہم اور اقوال صحابہ و تابعین کی جامع قرار دیا ہے۔ ان میں سفیان بن عیینہ اور وکیع بن جراح وغیرہ کی تفسیروں کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس کو وہ خود باقاعدہ مرتب و مکمل کر چکے تھے اور اس کی املاء بھی کرائی تھی (۹۵)۔
- (۳) مسند: یہ ان کی سب سے اہم اور مشہور تصنیف ہے۔ حاکم نیشاپوری نے دوسرے دور کی مسانید میں امام احمد کی مسند کے ساتھ اس کا نام بھی گنوا یا ہے۔ اس کی ترتیب و تکمیل سے بھی وہ اپنی زندگی میں فارغ ہو چکے تھے اور اپنے شاگردوں کو زبانی اور پڑھ کر اس کی املاء بھی کرائی تھی۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں: ”ابوزرعہ رازی کا بیان ہے کہ اسحاق ان ہی روایتوں کی تخریج کرتے تھے جو اس صحابی کی سب سے بہتر اور اچھی روایت ہوتی تھی۔ اس مسند کا ایک قلمی نسخہ علامہ سیوطی کے قلم کا لکھا ہوا جرمنی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ علامہ ذہبی نے اس کے رجال کے نقد میں ایک مستقل کتاب لکھی تھی۔ اس کو بھی سیوطی نے اس نسخہ کے حاشیے میں درج کیا ہے۔ یہ کتاب

ڈاکٹر عبدالغفور عبدالحق حسین البلوشی کی تحقیق کے ساتھ، مکتبہ الایمان مدینہ منورہ سے ۳ جلدوں میں ۱۹۹۱ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی (۹۶)۔

۴۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (م ۲۴۱ھ):

نام و نسب:

نام ہے احمد بن حنبل شیبانی مروزی، کنیت ابو عبد اللہ وہ خالص عربی النسل اور قبیلہ شیبان سے تھے۔ ربیع الاول سنہ ۱۶۲ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ تین سال کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا تھا اور والدہ نے ان کی بہترین تربیت کی (۹۷)۔

ابتدائی حالات:

بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا اور زبان کی تعلیم حاصل کی۔ تقویٰ و طہارت نجابت و صلاحیت کے آثار ابتداء ہی سے نمایاں تھے۔ انہیں آثار کو دیکھ کر ان کے زمانے کے صاحب نظر ہشیم بن جمیل نے کہا تھا کہ اگر یہ نوجوان زندہ رہا تو اہل زمانہ پر حجت ہوگا۔

بغداد جسے امام صاحب کے مولد و مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے خلافت عباسیہ میں علم و فن کا بہت بڑا مرکز تھا۔ جس کو محدث حاکم نیشاپوری مدینہ العلم اور موسم العلماء والا فاضل فرماتے ہیں (۹۸)۔

تحصیل علم:

سب سے پہلے بغداد میں علم حاصل کیا۔ بغداد سے فارغ ہو کر کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام اور جزیرہ کا سفر کیا اور ہر جگہ کے نامور محدثین سے استفادہ کیا۔ سنہ ۱۸۷ھ میں حجاز کے پہلے سفر میں ان کی ملاقات امام شافعی رحمہ اللہ سے ہوئی پھر بغداد میں دوبارہ ہوئی۔ امام احمد اس وقت پختہ کار ہو چکے تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ حدیث کے صحت و سقم کے بارے میں ان پر اکثر اعتماد کرتے تھے اور فرماتے کہ اگر محدثین کے یہاں حدیثیں صحیح ہوں تو مجھے بتلا دیا کرو میں اسی کو اختیار کروں گا۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ”امام احمد کے مجتہد اور فقیہ ہونے میں کوئی شک نہیں مگر ان پر حدیث کا رنگ غالب تھا“۔

انہوں نے جریر بن عبد الحمید محدث سے حدیث سننے کے لیے (ایران) جانے کا بھی قصد کیا لیکن خرچ نہ ہونے کی وجہ سے جانہ سکے۔ اس بلند ہمتی، کثرت اسفار اور غیر معمولی حافظے کا نتیجہ تھا کہ ان کو دس لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔

امام شافعی بھی ان کے بڑے معترف اور قدردان تھے۔ بغداد سے جاتے ہوئے انہوں نے فرمایا ”خرجت من بغداد وما خلفت بهما اتقى ولا افقه من احمد بن حنبل“ (۹۹) (میں بغداد چھوڑ کر جا رہا ہوں اس حالت میں کہ وہاں احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بڑھ کر نہ کوئی متقی ہے اور نہ کوئی فقیہ)۔

مجلس درس:

چالیس سال کی عمر میں غالباً سنہ ۲۰۴ھ میں انہوں نے حدیث کا درس دینا شروع کیا یہ بھی ان کا کمال اتباع سنت تھا کہ انہوں نے عمر کے چالیسویں سال جو سن نبوت ہے علوم نبوت کی اشاعت شروع کی (۱۰۰)۔ ابتداء ہی سے ان کے درس میں سامعین و طالبین کا اثر و ہام ہوتا تھا۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ ان کے درس کے سامعین کی تعداد پانچ پانچ ہزار ہوتی تھی۔ جن میں سے پانچ پانچ سو صرف لکھنے والے ہوتے تھے۔ ان کی مجلس بہت سنجیدہ اور باوقار ہوتی تھی (۱۰۱)۔

تواضع و مسکنت:

مسئلہ خلق قرآن میں ان کی ثابت قدمی کی وجہ سے تمام عالم اسلام ان کی شہرت سے معمور تھا اور ہر طرف ان کی تعریف اور دعا کا غلغلہ تھا۔ ان کو جو ذاتی کمالات اور اوصاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیے گئے تھے اس کی بناء پر کبھی اپنی عظمت کا احساس نہیں ہوا۔ ان کے ساتھی یحییٰ بن معین کہتے ہیں: ”ما رايت مثل احمد بن حنبل صحبتہ خمسین سنة ما افتخر علينا بشيء مما كان فيه من الصلاح والخير“ (۱۰۲) (میں نے امام احمد جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ میں پچاس برس ان کے ساتھ رہا انہوں نے کبھی ہمارے سامنے اپنی صلاح و خیر پر فخر نہیں کیا)۔

شیوخ و تلامذہ:

حافظ ابن جوزی نے ان کے شیوخ کی تعداد سو سے زائد بتائی ہے جیسے ہشیم بن بشیر بن حازم، وکیع، یحییٰ بن سعید قطان، سفیان بن عیینہ اور امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ۔ تلامذہ کے متعلق حافظ

ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابوزرعہ، مطین عبداللہ بن احمد اور ایک بہت بڑی خلقت۔ خلق عظیم کے لفظ سے معلوم ہوا کہ تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے جس میں بڑے بڑے آئمہ فن داخل ہیں (۱۰۳)۔

تصنیفات:

امام صاحب کی تصنیفات درج ذیل ہیں:

- | | | | |
|-----|--------------------------------------|-----|--------------------------------|
| ۱۔ | کتاب الذہد | ۲۔ | کتاب النسخ والمنسوخ |
| ۳۔ | کتاب المنسک الکبیر | ۴۔ | کتاب المنسک الصغیر |
| ۵۔ | کتاب حدیث شعبہ | ۶۔ | کتاب فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم |
| ۷۔ | مناقب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و حسنین | ۸۔ | کتاب الاثریۃ |
| ۹۔ | تاریخ | ۱۰۔ | تفسیر |
| ۱۱۔ | مسند احمد بن حنبل | ۱۲۔ | کتاب الصلاۃ وغیرہ (۱۰۴) |

ابتلا و امتحان:

جب معتزلہ نے عقیدہ خلق قرآن کو کفر و ایمان کا معیار بنا دیا، اتفاقاً مذہب اعتزال کو حکومت وقت کی سرپرستی حاصل ہو گئی تھی۔ آپ نے خلق قرآن کے عقیدہ کی مخالفت کی تو انہیں سخت آزمائش و ابتلاء سے گزرنا پڑا۔ قید کے پایہ زنجیر رقبہ لائے گئے پھر واپس بغداد پابند سلاسل کر دیا گیا وہاں اس موضوع پر آپ سے مناظرہ ہوتا رہا ہر طرح ڈرایا دھمکایا گیا۔ اس کے بعد امام صاحب کو معتصم کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور ان پر ۲۸ کوڑے لگائے گئے۔ ایک تازہ دم جلا د صرف دو کوڑے لگاتا پھر دوسرا جلا د بلایا جاتا۔ امام احمد رحمہ اللہ ہر کوڑے پر فرماتے: "اعطونی شیئاً من کتاب اللہ او من سنة رسولہ حتی اقولہ بہ" (۱۰۵) (میرے سامنے اللہ کی کتاب یا سنت رسول سے کوئی دلیل پیش کرو تا کہ میں اس کو مان لوں)۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ امام احمد رحمہ اللہ کو ایسے کوڑے لگائے گئے کہ اگر ہاتھی کو لگتا تو چیخ مار کر بھاگتا۔ امام احمد کی بے نظیر ثابت قدمی اور استقامت سے یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا اور امت مسلمہ ایک بڑے دینی خطرے سے محفوظ ہو گئی۔ علی بن مدینی جو مشہور محدث اور امام بخاری کے استاد ہیں فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے اس دین کے غلبے کا

کام دو شخصوں سے لیا۔ جن کا تیسرا ہمسر نظر نہیں آتا، ارتداد کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور فتنہ خلق قرآن کے سلسلے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۱۰۶)۔

وفات:

امام صاحب رحمہ اللہ نے ۷۷ سال کی عمر میں ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ کو انتقال فرمایا: اس پر سارا شہر اُمٹ آیا۔ کسی کے جنازے پر خلقت کا ایسا ہجوم دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کا اندازہ یہ ہے کہ تیرہ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار خواتین تھیں (۱۰۷)۔

امام احمد بن حنبل کے پڑوسی الور کانی نے بیان کیا ہے کہ جس دن امام احمد فوت ہوئے تو (ان کے جنازہ کو دیکھ کر) ۲۰ ہزار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے (۱۰۸)۔ یوں ابن کثیر کے مطابق امام صاحب کا یہ قول اللہ تعالیٰ نے برحق ثابت کر دیا کہ ”قولوا لاہل البدع بینا و بینکم یوم الجنائز“ (ان اہل بدع مخالفین سے کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان فرق جنازے کے دن کا ہے) (۱۰۹)۔

مسند کی تالیف:

امام صاحب سولہ سال کی عمر میں علم حدیث کی تحصیل میں مشغول ہو گئے تھے اسی زمانے سے جمع روایات کی ابتدا کر دی تھی۔ گویا ۱۸۰ھ سے تصنیف کا آغاز کیا اور اخیر زندگی تک اس میں مشغول رہے۔ اس کی روایات کو متفرق اوراق میں جمع کیا یہاں تک کہ جب زندگی کا وقت قریب الاختتام ہوا تو اس مسودے کو اسی حالت میں اپنے عزیزوں کو سُنایا۔

آپ کے برادر زادہ حنبل بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ عم محترم نے مجھے اور اپنے دونوں صاحبزادگان صالح و عبداللہ کو جمع کر کے ہمارے سامنے مسند کی قرأت کی۔ ہمارے سوا اور کسی نے آپ سے اس کتاب کو بہ تمام و کمال نہیں سُنا۔ پھر ہم سے فرمایا کہ میں نے اسے ساڑھے سات لاکھ سے زائد احادیث سے جمع و انتخاب کیا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ کی جس حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہو تو اس کتاب کی طرف رجوع کرو اگر وہ حدیث اس میں مل گئی تو فیہا ورنہ حجت نہیں (۱۱۰)۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

امام مذکور رحمہ اللہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی حدیث مسند میں موجود نہ ہو تو وہ

حجت نہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ کی ایک بڑی تعداد اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ”کہا گیا ہے کہ قرینا دو سو صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہیں جن سے صحیحین میں حدیثیں منقول ہیں۔“

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ امام صاحب رحمہ اللہ کا یہ ارشاد غالب حال کے لحاظ سے ہو سکتا

ہے۔

مسند کی ترتیب:

امام احمد رحمہ اللہ اپنی زندگی میں اس کی ترتیب و تبویب نہیں کر سکے۔ حافظ شمس الدین جزری فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے مسند کو متفرق اوراق میں لکھا تھا اور مختلف اجزا میں پھیلا رکھا تھا جیسے کہ مسودہ ہوتا ہے اس کی تنقیح و تہذیب سے پہلے انتقال ہو گیا اور کتاب اسی حال میں رہ گئی (۱۱۱)۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ مسند کی موجودہ ترتیب امام صاحب کے صاحبزادے عبداللہ کی ہے۔ لیکن اس میں بہت سی غلطیاں ہیں۔ مدنیوں کو شامیوں میں اور کبھی اس کے برعکس درج کر دیا ہے (۱۱۲)۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ اگر امام صاحب نے اس کو مرتب کیا ہوتا تو یہ کام بہت اعلیٰ پیمانے پر انجام پاتا۔ بعد کے بہت سے علماء نے اس کی ترتیب و تبویب کرنے کی کوشش کی۔ بعض کا کام مکمل ہوا اور بعض کا ناقص رہ گیا۔ مگر افسوس کے وہ سب کتابیں نایاب ہیں۔ حافظ ابوالحسن ہاشمی نے مسند کی ان روایات کو جو صحاح ستہ سے زائد ہیں منتخب کر کے ابواب پر مرتب کیا ہے (۱۱۳)۔

تعداد روایات:

مسند میں تقریباً سات سو صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات ہیں۔ روایات کی تعداد تیس ہزار بتائی گئی ہے۔ اور عبداللہ کی زوائد کا شمار کر کے چالیس ہزار تعداد بتائی گئی ہے۔ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مکررات کے ساتھ یہ تعداد مراد ہو (۱۱۴)۔

زوائد مسند:

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسند میں امام صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے عبداللہ نے اضافے بھی کیے ہیں۔ اسی طرح عبداللہ سے روایت کرنے والے ابو بکر قطیبی نے بھی اضافہ کیا

ہے (۱۱۵)۔ عبداللہ نے اکثر اضافے امام صاحب رحمہ اللہ سے سنی ہوئی روایات کے کیے ہیں یہی اصل مسند ہے، کچھ دیگر شیوخ کی تعداد کا اضافہ بھی کیا ہے مگر ان کی تعداد کم ہے (۱۱۶)۔

مسند میں تخریج روایت کی شرط:

صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں ”لوگوں نے بیان کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صرف صحیح حدیثوں کی تخریج کو شرط قرار دے رکھا ہے“۔ لیکن امام صاحب نے اپنے صاحبزادے عبداللہ سے فرمایا کہ میں نے مسند میں حدیث مشہور کا قصد کیا ہے اور لوگوں کو اللہ کے پردے کے تحت چھوڑ دیا ہے۔ اگر میں صرف احادیث صحیحہ جو میرے پاس ہیں انہیں کو درج کرتا تو مسند میں روایات کی تعداد بہت کم ہوتی۔ میرے بیٹے تم حدیث میں میرے طریقے سے واقف ہو کہ میں حدیث ضعیف کی مخالفت نہیں کرتا الا یہ کہ اس باب میں اس سے قوی روایت متعارض ہو۔

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ مسند کی شرط ابوداؤد کی شرط سے قوی ہے جو انہوں نے اپنی سنن میں اختیار کی ہے۔ چنانچہ ابوداؤد نے اپنی سنن میں ایسے لوگوں سے روایت کی ہے جن سے مسند میں اعراض کیا گیا ہے (۱۱۷)۔

مسند میں کسی راوی کی روایت درج ہونے کے بعد اگر راوی یا روایت کا غیر معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے تو اس کو امام صاحب رحمہ اللہ چھانٹ دیتے تھے۔ تادم زیست مسودہ میں حذف و ترمیم کرتے رہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے مسند کو طبقہ ثانیہ کی کتب کے قریب قریب بتایا ہے۔

قاضی شوکانی فرماتے ہیں، امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں جن روایات کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے وہ قابل احتجاج ہیں (۱۱۸)۔

مسند احمد کی بعض خصوصیات:

- ۱۔ حدیث کا اتنا بڑا اور کوئی مجموعہ نہیں ہے۔
- ۲۔ اس میں تقریباً تین سو ثلاثی روایات ہیں۔
- ۳۔ حافظ شمس الدین جزری لکھتے ہیں: کوئی حدیث غالباً ایسی نہیں ہے جس کی اصل اس مسند میں نہ ہو (واللہ اعلم)۔
- ۴۔ دیگر مسانید سے صحیح تر ہے (۱۱۹)۔

مسند پر ابن جوزی وغیرہ کے اعتراضات:

علامہ ابن الجوزی وحافظ عراقی نے مجموعی طور پر مسند کی ۳۸ روایات کو موضوع قرار دیا ہے جیسا کہ حافظ سیوطی نے ”التعقیبات علی الموضوعات“ کے آخر میں تحریر فرمایا ہے اور ان سب کا جواب بھی دیا ہے۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ اصل مسند میں بھی چند روایات موضوع درج ہو گئی ہیں البتہ امام صاحب کے صاحبزادے عبداللہ کے زوائد میں ضعیف و موضوع دونوں طرح کی روایات شامل ہیں (۱۲۰)۔ حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں وضاحت کی ہے کہ مسند اور عبداللہ کی زوائد کی کوئی حدیث موضوع نہیں ہے۔ البتہ ابو بکر قطیبی کی زیادات میں بعض حدیثیں موضوع آ گئی ہیں (۱۲۱)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے حافظ عراقی وابن جوزی کے اعتراضات کے جواب میں مستقل ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام رکھا ”القول المسدد فی الذنب عن المسند“۔ کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں: ”اس تصنیف عظیم کا دفاع ضروری معلوم ہوا جس کی اُمت میں مقبولیت و تعظیم ہے۔ اس کتاب میں ان نور روایات کا جواب ہے۔ جن کو حافظ عراقی نے موضوع قرار دیا ہے اور پندرہ وہ ہیں جن کو ابن الجوزی نے کتاب الموضوعات میں داخل کیا ہے مگر چودہ حدیثیں رہ گئی تھیں، اس لیے اس کے جواب میں نے ”الذیل الممہد“ میں لکھ دیا ہے۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مسند میں کوئی حدیث بے اصل نہیں سوائے تین یا چار کے۔ مگر احتمال ہے کہ امام احمد نے کاٹ کر نکالنے کی وصیت کی ہو وہ سہوارہ گئی ہوں یا کاٹ کر نیچے لکھ دیا ہو، بہر حال اصل کتاب سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

مسند احمد پر کیے گئے کام کا ایک جائزہ:

بہت سے علماء نے مسند احمد کی احادیث کی شرح لکھی بعض نے اختصار کیا بعض نے اس کی غریب احادیث پر کام کیا۔ بعض نے اس کے خصائص پر لکھا۔ اس کے بارے میں ابو موسیٰ المدینی (م ۵۸۱ھ) کہتے ہیں۔ یہ بہت بڑی کتاب ہے اور اصحاب الحدیث کے لیے یہ ایک ثقہ مصدر ہے اور اس سے بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں (۱۲۲)۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔ مسند امام احمد کتب احادیث کے دوسرے طبقہ میں ہیں (۱۲۳)۔

مسند پر کام کرنے والے علما کے نام:

- ۱۔ حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ الحب الصامت (م ۷۷۹ھ) معجم الصحابہ کے لحاظ سے اس کو مرتب کیا جیسے اطراف کی کتب ہوتی ہیں (۱۲۲)۔
- ۲۔ حافظ اسماعیل بن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے محبت الصامت کی ترتیب سے مسند کو لکھا اور اس کے ساتھ کتب صحاح ستہ، مسند البزار، مسند ابی یعلیٰ، معجم الطبرانی الکبیر کا اضافہ کیا اور اسے ترتیب دیا اور اس کا نام ”جامع المسانید والسنن“ رکھا (۱۲۵)۔
- ۳۔ محمد بن عبد الرحمن بن محمد المقدسی المعروف ابن زریق (م ۸۰۳ھ) ترتیب المسند (۱۲۶)
- ۴۔ ابوالحسن علی بن حسین المعروف ابن زکون (م ۸۳۷ھ) ترتیب المسند (۱۲۷)۔
- ۵۔ ابوالعباس احمد بن ابی بکر البوصیری (م ۸۴۰ھ)، زوائد المسانید۔ یہ قصیدہ بردہ والے بوصیری نہیں ہیں (۱۲۸)۔
- ۶۔ ابوالقاسم علی بن حسن، المعروف ابن عساکر (م ۵۷۱ھ)، ترتیب اسماء الصحابہ الذین اخرج حدیثہم احمد بن حنبل فی المسند (۱۲۹)۔
- ۷۔ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) اطراف المسند۔ اس کے ساتھ انہوں نے دس کتابیں بھی ملائیں (۱۳۰)
- ۸۔ حافظ شمس الدین محمد بن علی بن حسن بن حمزہ الحسینی (م ۷۶۵ھ)، الاکمال بمن فی مسند احمد من الرجال ممن لیس فی تہذیب الکمال (۱۳۱)۔
- ۹۔ عمر بن علی بن احمد المعروف ابن ملقن (م ۸۰۴ھ)، اکمال فی تہذیب الکمال فی اسماء الرجال (۱۳۲)۔
- ۱۰۔ احمد بن عبد الرحمن الساعاتی، الفتح الربانی بترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی (۱۳۳)۔
- ۱۱۔ احمد بن عبد الرحمن الساعاتی، بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی (۱۳۴)۔
- ۱۲۔ احمد بن محمد شاکر، شرح مسند احمد (مع فہارس وغیرہ) (۱۳۵)۔
- ۱۳۔ ابوالحسن بن عبد البہادی السندی (م ۱۲۳۹ھ) نزیل مدینہ منورہ نے مسند کی شرح لکھی ہے (۱۳۶)۔
- ۱۴۔ زین الدین عمر بن احمد شجاع حلبی نے اس کا اختصار بنام ”المعتقد من مسند الامام

احمد“ لکھا (۱۳۷)۔

۱۵۔ ابن حجر عسقلانی، المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ، (آٹھ مسانید) اس میں انہوں نے نو مسندوں کی مسند احمد اور کتب ستہ اور مسند احمد پر زائد احادیث لکھی ہیں (۱۳۸)۔

۱۶۔ ابن حجر عسقلانی، تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمہ الاربعہ (۱۳۹)۔

اس کی ابتدا میں لکھا ہے۔ ”ان هذا السفر العظيم، تعجیل المنفعہ ا صلہ التذکرۃ فی رجال الکتب العشرۃ، لا بی المحاسن حافظ شمس الدین محمد بن علی بن حسن بن حمزہ الحسینی (۷۱۵-۷۶۵ھ) (۱۴۰)

۱۷۔ نور الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر البیہقی (م ۸۰۷ھ)، غایۃ المقصد فی زوائد المسند (۱۴۱) اس کتاب میں البیہقی نے ان احادیث کو لکھا ہے جو مسند احمد میں ہیں لیکن صحاح ستہ میں نہیں ہیں۔ گویا مسند احمد میں صحاح ستہ سے زائد ہیں (۱۴۲)۔ اس کتاب کو فقہ کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں کل ۴۶ کتب ہیں اور ۵۱۵۳ احادیث ہیں (۱۴۳)۔

۱۸۔ جلال الدین عبدالرحمن السیوطی (م ۹۱۱ھ) عقود الزبرجد علی مسند الامام احمد (۱۴۴)۔

اس میں مسند احمد کی بعض احادیث پر اعراب لگائے گئے ہیں۔ پہلی حدیث، مسند ابی بن کعب سے ہے: ففضت عرقا، فکانما انظر الی اللہ فرقا: منصوبان علی التمییز (۱۴۵)۔

۱۹۔ ابو موسیٰ المدینی (م ۵۸۱ھ) کتاب خصائص المسند (۱۴۶)۔ ان کے علاوہ کئی لوگوں نے مسند احمد پر کام کیا۔



المستدرک

تعریف:

مستدرک کی جمع مستدرکات ہے۔ مستدرک حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں۔ ”جس میں وہ احادیث جمع ہوں جو کسی مصنف کی شرائط کے مطابق ہوں مگر اس کی کتاب میں موجود نہ ہوں“ (۱۴۷)۔ محدثین کے نزدیک استدراک کا مطلب یہ ہے کہ ان احادیث کو یک جا کر دیا جائے جو حدیث کی کسی کتاب کی شرائط کے مطابق ہوں مگر مصنف نے ان کو اپنی کتاب میں شامل نہ کیا ہو۔ جس طرح شیخین نے تمام احادیث صحیحہ کو اپنی کتب میں جمع کرنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس لیے ایسی احادیث موجود ہیں جو بخاری و مسلم یا ان میں سے کسی ایک کی شرائط کے مطابق ہوں۔ مگر ان کو دونوں کتابوں میں شامل نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے بخاری و مسلم پر مستدرکات لکھنے کا اہتمام کیا ہے۔

کتب مستدرکات:

- ۱۔ مستدرک علیٰ ائیسین: ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد بن حمدویہ بن حاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ) حافظ ذہبی (م ۴۸۸ھ) نے مستدرک حاکم کا خلاصہ لکھا ہے۔
- ۲۔ مستدرک علیٰ ائیسین: حافظ ابو ذر عبد بن احمد بن محمد بن عبد اللہ ہروی (م ۴۳۴ھ) (۱۳۸)۔

تعارف مؤلفین مستدرکات:

امام حاکم نیشاپوری:

امام حاکم کی کنیت ابو عبد اللہ اور نام محمد بن عبد اللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم ہے (۱۴۹)۔ ابن البیع اور حاکم نیشاپوری کے نام سے مشہور ہیں (۱۵۰)۔ نیشاپور (۱۵۱) کے رہنے والے بڑے حافظ حدیث اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں (۱۵۲)۔ بروز سوموار ۱۳ ربیع الاول ۳۲۱ھ کو نیشاپور میں

پیدا ہوئے (۱۵۳) لیکن منی اور طہانی کی نسبتوں سے ان کا عربی قبائل سے خاندانی تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ والد اور ماموں کی زیر نگرانی بچپن میں ہی پڑھنا شروع کر دیا (۱۵۴)۔ بیس سال کی عمر میں عراق کا سفر اختیار کیا اور فریضہ حج ادا کیا۔ حج کرنے کے بعد خراسان اور ماوراء النہر کے علاقہ کے مختلف شہروں میں تقریباً دو ہزار سے زیادہ شیوخ سے کسب فیض کیا (۱۵۵)۔ لیکن حافظ خلیل بن عبداللہ کے مطابق امام حاکم نے دو سفر کئے، ایک تحصیل علم کے لیے عراق کی طرف اور دوسرا حج کیلئے مکہ معظمہ کی طرف (۱۵۶)۔ اس کی تائید ابن خلکان نے بھی کی ہے۔ لکھتے ہیں: "ولد الی الحجاز والعراق رحلتان، وكانت الرحلة الثانية سنة ستين وثلاث مائة" (۱۵۷) (امام حاکم نے عراق اور حجاز کی طرف دو سفر کیے۔ دوسرا سفر ۳۶۰ھ میں کیا تھا)۔

آپ کی تصانیف ۵۰۰ اجزاء پر مشتمل ہیں (۱۵۸)۔ ابن خلکان کے مطابق یہ تعداد ۱۵۰۰ اجزاء تک ہے (۱۵۹)۔ ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ المدخل الی المحسنین ۲۔ العلل
- ۳۔ الامالی ۴۔ فوائد الشیوخ
- ۵۔ امالی العشیات ۶۔ تراجم الشیوخ
- ۷۔ تاریخ نیساہر ۸۔ فضائل امام الشافعی
- ۹۔ مستدرک علی المحسنین ۱۰۔ ماتفرد بہ کل من الامامین
- ۱۱۔ معرفة علوم الحدیث (۱۶۰)۔

امام ابو عبداللہ کا قول ہے کہ میں نے زم زم کا پانی پی کر خدا سے حسن تصنیف کی دعا کی تھی (۱۶۱)۔ بعض علما نے امام حاکم پر اعتراض بھی کئے ہیں عام طور پر وہ درست نہیں ہیں۔ ابن طاہر کہتے ہیں کہ میں نے ابو اسماعیل انصاری سے حاکم کے متعلق پوچھا تو کہنے لگا "حدیث میں ثقہ اور قابل اعتماد ہیں لیکن رافضی ہیں"۔ ابن طاہر کہتے ہیں "باطن میں متعصب شیعہ ہیں اور ظاہر میں شیخین کی فضیلت اور ان کی خلافت کے برحق ہونے میں اہل سنت کے ہمنوا ہیں۔ حضرت معاویہ اور ان کے اخلاف سے سخت منحرف ہیں۔ اس کا برملا اظہار کرتے تھے اور اس سلسلہ میں معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے" (۱۶۲)۔

امام ذہبی ان کے موقف کی تردید کرتے ہیں اور لکھتے ہیں "میں کہتا ہوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین سے ان کا انحراف صحیح اور درست ہے۔ شیخین کی ہر حالت میں تعظیم و تکریم کرتے تھے مائل بہ تشیع ضرور ہیں مگر رافضی ہرگز نہیں ہیں" (۱۶۳)۔ امام حاکم صفر ۴۰۵ھ میں وفات پا گئے۔ قاضی ابوبکر حیری نے نماز جنازہ پڑھائی (۱۶۴)۔

المستدرک علی الصحیحین:

امام حاکم نے ”المستدرک علی الصحیحین“ کے شروع میں اس کی جمع و تالیف کا سبب، غرض و غایت اور ان حالات کا ذکر کیا ہے جو اس کی ترتیب و تالیف کے باعث ہوئے تھے۔ آپ لکھتے ہیں: ”ائمہ حدیث میں امام محمد بن اسماعیل البخاری اور امام مسلم بن حجاج القشیری نے صحیح حدیثوں کے دو نہایت عمدہ اور بیش قیمت مجموعے مرتب کئے ہیں۔ ان دونوں کتابوں کی پوری دنیا میں شہرت ہے لیکن دونوں بزرگوں میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان کی جمع کردہ روایات کے علاوہ اور کوئی بھی روایت صحیح نہیں ہے۔ مگر ہمارے عہد کے بعض مبتدعین اور اہل ابواء جو محدثین پر سب و شتم کرنے میں بہت جری واقع ہوئے ہیں یہ کہتے ہیں کہ صحیح روایات کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ مجموعہ اسانید جو ایک ہزار یا اس سے کچھ کم و بیش اجزاء پر مشتمل ہے سب کے سب سقیم اور غیر صحیح ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر اس شہر کے کچھ اعیان و مشاہیر اہل علم نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں ایک ایسی کتاب مدون کروں جو ان حدیثوں پر مشتمل ہو جن کی اسانید اسی طرح کی ہوں جس طرح کی اسانید کو محمد بن اسماعیل (البخاری) اور مسلم بن الحجاج نے صحیح اور قابل استدلال قرار دیا ہو۔ اس لیے کہ جو حدیث علت قاذبہ سے خالی ہو اس کو صحیح سے خارج کرنے کے کوئی معنی نہیں“ (۱۶۵)۔

مستدرک کی اہمیت:

مستدرک کا شمار حدیث کے مشہور اور اہم مصادر میں ہوتا ہے اور بعض حیثیتوں سے اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے کتب حدیث کے تیسرے طبقہ میں اس کو شمار کیا ہے۔ اس طبقہ میں سنن داری، سنن دارقطنی، مسند ابی داؤد طیالسی اور مصنف ابن ابی شیبہ جیسی اہم اور بلند پایہ کتابیں ہیں۔ بعض محدثین نے اس کا رتبہ صحیح ابن حبان کے قریب قریب بتایا ہے اور اس کا نام صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان کے ساتھ لیا ہے۔ حافظ ابن الصلاح اور امام نووی نے صحاح کے بعد حدیث کے جن مصادر کو زیادہ اہم، قابل اعتماد اور مفید قرار دیا ہے۔ ان میں سنن دارقطنی کے بعد مستدرک امام حاکم کا نام لیا ہے۔

مستدرک حاکم کی روایات کی نوعیت:

امام حاکم کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مستدرک میں مندرجہ ذیل نوعیت کی روایات

آئی ہیں:

۱۔ وہ روایات جو شیخین کے معیار و شرائط کے مطابق ہیں لیکن انہوں نے اپنی کتابوں میں انہیں درج نہیں کیا۔

۲۔ وہ روایات جو شیخین میں سے کسی ایک کی شرائط کے مطابق تھیں لیکن درج ہونے سے رہ گئیں۔

۳۔ وہ روایات جو شیخین میں سے کسی ایک کی شرائط کے مطابق نہیں تھیں لیکن امام حاکم کی تحقیق کے مطابق ان میں علت اور سقم نہیں تھا (۱۶۶)۔

۴۔ امام حاکم کے بیان کے مطابق بعض ایسی روایات بھی مستدرک میں آئی ہیں جن پر کلام کیا گیا ہے اور وہ آپ کے معیار اور شرائط کے مطابق بھی نہیں ہیں لیکن آپ نے ان کو شواہد و متابعات کی حیثیت سے نقل کیا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ کی وفات پر خضر علیہ السلام کی تعزیت کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”هذا شاهد لما تقدم وان كان عباد بن عبد الصمد ليس من شروط هذا الكتاب“ (۱۶۷) (یہ حدیث ماقبل حدیث کی شاہد ہے اگرچہ عباد بن عبد الصمد اس کتاب کے شروط پر نہیں ہیں)۔

امام حاکم نے مستدرک میں کہیں کہیں ایک مقدمہ کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں آپ نے ان اصول و مبادی اور خصوصیات و شرائط کا مفصل ذکر کیا تھا جن کو مستدرک کی تالیف و ترتیب میں مد نظر رکھا تھا لیکن یہ مقدمہ مستدرک کے مطبوعہ نسخے میں شامل نہیں ہے۔ یا تو وہ محفوظ نہیں رہا یا حاکم اسے پوری طرح مرتب نہیں کر سکے۔ اگر یہ مقدمہ موجود ہوتا تو اس سے مستدرک کے اصول و شرائط اور اس کی روایات کی نوعیت اور خصوصیات معلوم کرنے میں بڑی آسانی ہوتی تاہم جہاں آپ نے اس کے حوالے دیئے ہیں ان سے بھی مستدرک کی روایات کی نوعیت و خصوصیت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ اس لئے ذیل میں مستدرک کی روایات کی بعض نوعیتیں ان حوالوں کی مدد سے قلمبند کی جاتی ہیں:

۱۔ معروف تابعی کی روایت کو مستدرک میں لیا جائے گا اور اس کو صحیح کا درجہ دیا جائے گا۔ خواہ اس نے ایک ہی صحابی سے روایت کی ہو۔

۲۔ ثقہ رواۃ کے تفرد اور اضافات کی تخریج بھی کی جائے گی بشرطیکہ وہ مؤلف کی تحقیق کے مطابق علت سے خالی ہوں۔

۳۔ حلال و حرام کے متعلق روایات میں زیادہ احتیاط برتی جائے گی۔ فضائل اعمال کے سلسلہ کی حدیثوں میں زیادہ سختی سے کام نہ لیا جائے گا (۱۶۸)۔

مستدرک کی خصوصیات:

۱۔ امام حاکم نے اس کی ترتیب، ابواب کی تبویب اور روایات کے نقل و انتخاب میں حسن و موزونیت کے علاوہ بعض مقامات میں جدت و اختراع سے کام لیا ہے۔ اس سے آپ کی محنت اور جانفشانی کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ اس ضمن میں آپ لکھتے ہیں: ”جہاں تک تلاش و اجتہاد میں میری رسائی ہے میں نے خلفائے اربعہ کے فضائل سے متعلق وہ تمام حدیثیں جمع کر دی ہیں جو صحیح اسناد سے مروی ہیں اور جن کو شیخین نے ترک کر دیا ہے۔ پھر میں نے اس کتاب کے نظم و ترتیب کے لحاظ سے یہ مناسب سمجھا کہ ان بزرگوں کے مناقب کے بعد دیگر صحابہ کرام کے فضائل، وفیات کی ترتیب کے مطابق جمع کروں“ (۱۶۹)۔

۲۔ عام محدثین کے برعکس امام حاکم نے کتاب الفتن و الملاحم کے بعد کتاب الاحوال کا بھی ایک علیحدہ باب امام ابن خزیمہ کے طرز پر قائم کیا ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں: ”قد رويت ما انتهي اليه علمي من فتن آخر الزمان على لسان المصطفى ﷺ بالاسانيد اللائقة بهذا الكتاب: فاما الشيخان فانهما ذكر احوال القيامة والحشر مدرجا في الفتن وجريت انا في ذلك على اختيار الإمام أبي بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة في أفراد ذلك عن الفتن النائية والله الموفق لما اخترته“ (۱۷۰) (میرے علم کے مطابق آخری زمانہ کے فتن کے متعلق آپ ﷺ سے جو کچھ مروی تھا وہ سب میں نے اس کے اندر بہتر اسانید کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ شیخین نے احوال قیامت اور حشر نشر کی روایات کتاب الفتن ہی میں شامل کر دی ہیں۔ میں نے اس سلسلہ میں ابو بکر بن محمد بن اسحاق بن خزیمہ کے انداز میں اس کو باب الفتن سے علیحدہ ذکر کیا ہے)۔

۳۔ امام بخاری اور دیگر محدثین نے کتاب البیوع میں متعدد مباحث ذکر کئے ہیں مثلاً کتاب السلم، شفعہ اور اجارہ وغیرہ لیکن امام حاکم نے کتاب البیوع کے جامع عنوان ہی میں تمام ابواب کو بھی جمع کر دیا ہے۔ اس بارے میں لکھتے ہیں: ”میں نے کتاب البیوع کے ضمن میں ان کتب کو بھی درج کر دیا ہے جن کیلئے امام بخاری نے کتاب البیوع کے آخر میں مستقل عنوانات قائم کئے ہیں۔ یہ وضاحت اس لیے کر دی گئی ہے تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ میں نے کتاب البیوع کو ان ابواب سے خالی رکھا ہے“ (۱۷۱)۔

۴۔ فضائل صحابہ میں صرف صحابہ کے مناقب و فضائل ہی بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ان کے مختصر حالات بھی تحریر کئے ہیں۔

عمار بن یاسر کے بارے میں ابن عون کے حوالے سے لکھتے ہیں اقبل عمار وهو ابن احدى وتسعين سنة وكان اقدم في البلاد من رسول الله ﷺ وكان اقبل اليه ثلاثة نفر عقبة بن عامر الجهني وعمر بن الحارث الخولاني وشريك بن سلمة، فانتهوا اليه جميعا وهو يقول لو ضربتمونا حتى تبلغوا بنا سعفات هجر لعلمنا انا على الحق وانتم على الباطل. فحملوا عليه جميعا فقتلوه وزعم بعض الناس ان عقبة بن عامر الذي قتله ويقال بل قتله عمرو بن الحارث الخولاني قال ابن عمر، والذي اجمع عليه في عمار انه قتل مع علي بن ابي طالب بصفين في صفر سنة سبع وثلاثين وهو ابن ثلاث وتسعين سنة ودفن هناك بصفين (۱۷۲)۔

مستدرک میں فقہی مسائل سے کم تعرض کیا گیا ہے تاہم ان کے ذکر سے یکسر خالی بھی نہیں ہے اور امام حاکم نے بعض فقہی اختلافات میں رائج اور اولیٰ کی نشاندہی بھی کی ہے جس سے آپ کی اجتہادی بصیرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

۵۔ مستدرک کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں بعض روایات کے مراجع و مصادر کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، مؤطا امام مالک اور صحیح ابن خزیمہ کے نام لئے ہیں۔ لیکن بعض کتب مسانید اور وحدان کا نام لئے بغیر بھی ان کی روایات اخذ کی ہیں۔

۶۔ بعض ابواب اور مضامین کی روایات کو جمع کرنے میں بڑا اہتمام کیا ہے اور بعض حدیثوں کے اسناد و طرق کو جمع کرنے میں بڑے استقصا سے کام لیا ہے۔ اس لئے مستدرک میں بکثرت ایسی روایات آئی ہیں جن سے دوسرے مصادر حدیث خالی ہیں۔

۷۔ روایات کی تصحیح و تبویب، ان کے قوی و عزیز، ضعیف و شاذ اور غریب ہونے کی نشان دہی، وقف و ارسال، رفع و اتصال اور علو اسناد کی تصریح، حفظ و ضبط اور اتقان کے لحاظ سے اس کے اولیٰ و احسن ہونے کے شک و وہم، اس کے تفرد، مخالفت، عدم متابعت اور سماع و لقاء کی توضیح اور بعض روایات کے بارے میں یہ بھی بتایا ہے کہ اس کو کس جگہ، کس وقت اور کس ماہ و سال میں انہوں نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح روایات کے شواہد و متابعات، فنی مباحث کے متعلق علمائے جرح و تعدیل کے اقوال، روایات و رواۃ کی صحت و قوت یا

ضعف و جرح کو واضح کر کے اس کے دلائل بھی بیان کئے ہیں اور حدیث کے مفہوم وغیرہ کے سلسلے میں بھی مختلف النوع وضاحتیں کی ہیں۔

۸۔ مستدرک کی خصوصیات میں سے ایک اس کا طرز استدلال بھی ہے لیکن اکثر دلائل خالص فنی نوعیت کے ہیں۔

۹۔ امام حاکم کے اصول و شرائط اور بحث و استدلال سے مستدرک کی تالیف میں آپ کی احتیاط کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے وہی احادیث و روایات درج کرنے کی کوشش کی ہے جو آپ کے اصول و معیار کے مطابق غیر معطل اور ضعف و سقم سے خالی ہیں۔ اس لئے حدیث نقل کرنے کے بعد عموماً آپ نے اس کی صراحت بھی کر دی ہے کہ وہ قدح و علت اور سقم و عیب سے پاک ہے لیکن حاکم کا عام رجحان یہ ہے کہ کوئی صحیح اور غیر معطل حدیث چھوٹنے نہ پائے۔ اس لئے احتیاط کے باوجود بھی مستدرک میں تساہل اور مداہنت کو راہ مل گئی ہے (۱۷۳)۔

روایات کے متعلق وضاحت:

امام حاکم نے احادیث کے بارے میں مختلف النوع وضاحتیں کی ہیں۔ ان سے احادیث کے متعلق مفید معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ یہ وضاحتیں مختلف طرح کی ہیں:

۱۔ کسی حدیث کے مشہور و متداول ہونے یا کسی خاص مقام میں مروّج ہونے کا ذکر۔
۲۔ بعض حدیثوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ کسی خاص مسئلہ میں اساس و بنیاد اور حجت و دلیل ہیں۔

۳۔ بعض روایات کے کسی باب میں نقل کرنے کی غرض و غایت بیان کی گئی ہے۔

۴۔ بعض روایات کی اپنے عہد کے حالات کے لحاظ سے خاص اہمیت و ضرورت واضح کی ہے۔ مثلاً احتکار کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: عسرت اور تنگی کے موقع پر مسلمانوں کا مواسات سے احتراز پر زجر و توبیخ کے بارے میں جو اخبار و آثار وارد ہیں ان کا بیان کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ اس وقت مسلمان انہی حالات سے دوچار ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: ”یہ چھ روایات نہایت تلاش و جستجو کے بعد یہاں نقل کی گئی ہیں گو یہ ہماری اس کتاب کی شرط کے موافق نہیں تاہم چونکہ لوگ اس ضیق (تنگی) میں مبتلا ہیں اس لیے یہاں ہم نے ان کو نقل کر دیا ہے“ (۱۷۴)۔

۵۔ امام حاکم نے کہیں کہیں ابواب کے شروع یا درمیان میں نوٹ لکھے ہیں جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں مثلاً: فضائل کے ابواب کے تحت لکھتے ہیں: ”ہم نے صحابہ کرام کے ذکر میں پہلے ان کے نسب و وفات کا ذکر کیا ہے پھر ان کے مناقب میں وہ روایات درج کی ہیں جو شیخین کی شرائط کے مطابق ہیں لیکن انہوں نے انہیں روایت نہیں کیا۔ ہم کو اعتراف ہے کہ ہم اس باب میں محمد بن عمر الواقدی اور ان جیسے رواۃ کی روایات سے صرف نظر نہیں کر سکے ہیں (۱۷۵)۔

۶۔ اصحاب صفہ کے بیان میں امام حاکم نے ان کے متعلق روایات کی مدد سے ان کے ناموں کی مفصل فہرست دی ہے۔ ان کے طبقات وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور ان کے اشغال، معمولات اور امتیازی خصوصیات کے سلسلہ میں ان سے اصحاب تصوف کے پہلو کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے (۱۷۶)۔

مستدرک کی تلخیصات:

جن علماء نے مستدرک پر کام کیا ہے ان میں حافظ ذہبی (م ۷۴۸ھ) کا نام زیادہ مشہور ہے۔ حافظ ذہبی نے مستدرک کی تلخیص لکھی جو بہت مشہور ہے اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خود ان کی اور بعض دیگر علماء کی رائے میں اس (تلخیص) کو دیکھے بغیر مستدرک کی صحت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں حافظ ذہبی نے طویل احادیث اور اسناد کا اختصار ہی نہیں کیا بلکہ جا بجا حاکم پر نقد و تعقب کر کے احادیث کی تصحیح میں ان کے تساہل، روایات میں ضعف و نکارت اور رواۃ میں جرح و سقم کو بھی واضح کیا ہے۔

حافظ ذہبی نے اپنی تلخیص میں بعض مواقع پر حاکم کی توثیق و تائید اور بعض مواقع پر سکوت اختیار کیا ہے یہ حاکم کی رائے سے اتفاق ہی ہے۔ رہا ان کا نقد و تعقب تو اس کی مختلف نوعیتیں ہیں:

۱۔ حاکم نے کسی حدیث کو شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی شرائط کے مطابق بتایا ہے اور حافظ ذہبی نے اس کی تردید کی۔

۲۔ حاکم نے کسی حدیث کو شیخین کی شرائط کے مطابق قرار دیا لیکن حافظ ذہبی کی تحقیق میں وہ صرف ایک ہی کی شرائط کے مطابق ہے۔

۳۔ حاکم نے احادیث کی صحت اور رجال اسناد کی قوت کا ذکر کیا ہے اور حافظ ذہبی نے ان کا ضعف، جرح و تعدیل اور سقم ثابت کیا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حافظ ذہبی نے بڑی وقت نظر سے مستدرک کی تلخیص کی تھی اور ان کے تعقب کا زیادہ حصہ صحیح ہے لیکن کہیں کہیں اس میں فروگزاشتیں بھی ہیں۔ مثلاً کسوف کے بیان میں ایک حدیث نقل کرنے کے بعد حاکم نے صرف اس قدر لکھا ہے: لم یخرجہا یعنی شیخین نے اس روایت کی تخریج نہیں کی ہے۔ حافظ ذہبی نے اس پر تنقید کی ہے: ”واسنادہ حسن وما ہو علی شرط واحد منہما“ (۱۷۷) (اس کی اسناد حسن ہیں لیکن یہ شیخین میں سے کسی کی شرط کے مطابق نہیں)۔ حالانکہ حاکم نے یہاں سرے سے حدیث کے شیخین کی شرط کے مطابق نہ ہونے کا ذکر ہی نہیں کیا۔ بلکہ صرف یہ لکھا ہے کہ شیخین نے اس روایت کی تخریج نہیں کی ہے (۱۷۸)۔

مستدرک اور امام حاکم پر بعض اعتراضات کا اجمالی جائزہ:

امام حاکم اور ان کی مستدرک پر چند اعتراضات میں سے بعض تو غلط ہیں اور بعض غلط نہیں۔ اس لیے ان کا اجمالی جائزہ لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ امام حاکم اور ان کی مستدرک پر سب سے مشہور الزام تساہل کا ہے۔ اس سلسلہ میں چند اور ضمنی الزامات بھی عائد کئے گئے ہیں لیکن ان کا اصل تعلق بھی تساہل ہی سے ہے۔

مستدرک اور صحیحین:

مستدرک کی تالیف کا مقصد صحیحین کی ان متروک روایات کو جمع کرنا ہے جو امام حاکم کے خیال میں ان شرائط و معیار کے مطابق صحیح ہونے کے باوجود ان میں شامل نہیں کی گئیں۔ اس سلسلہ میں بحث طلب امر یہ ہے کہ امام حاکم نے جن روایات کے شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہ واقعہً صحیح ہیں یا نہیں۔ حافظ ابوسعید مالینی کا بیان ہے ”طالعت کتاب المستدرک علی الشیخین الذی صنفہ الحاکم من اولہ الی آخرہ، فلم أر فیہ حدیثا علی شرطہما“ (۱۷۹) (میں نے مستدرک کا مطالعہ کیا تو مجھ کو اس کی ایک حدیث بھی شیخین کی شرائط کے مطابق نہیں ملی)۔

حافظ ابراہیم بن محمد ارموی کہتے ہیں: ”ابو عبد اللہ حاکم نے مستدرک میں بہت سی ایسی روایات جمع کی ہیں جن کے بارے میں گوان کا خیال ہے کہ وہ شیخین کی طرح صحیح ہیں۔ لیکن علمائے کبار نے اس سلسلہ میں حاکم کو غلط ٹھہرایا ہے اور ان پر سخت نکیر کی ہے (۱۸۰)۔“

حافظ ابوسعید مالینی کی رائے کو عام طور پر حقیقت سے بعید اور زیادتی پر محمول کیا گیا ہے۔ حافظ ذہبی نے اس کی نہایت پر زور تردید کی۔ حافظ ذہبی کی تردید اس لیے زیادہ معتبر اور قابل لحاظ

ہے کہ انہوں نے مستدرک کا دقت نظر سے مطالعہ کیا ہے اور اس کی تلخیص لکھی ہے۔ آپ لکھتے ہیں: ”ہذہ مکابرة وغلو وليست رتبة أبي سعيد أن يحكم بهذا، بل في ”المستدرک“ شيء كثير على شرطهما، وشيء كثير على شرط أحدهما، ولعل مجموع ذلك ثلث الكتاب بل أقل، فإن في كثير من ذلك أحاديث في الظاهر على شرط أحدهما أو كليهما، وفي الباطن لها علل خفية مؤثرة، وقطعة من الكتاب إسنادهما صالح وحسن وجيد، وذلك نحو ربعه، وباقي الكتاب مناكير وعجائب، وفي غضون ذلك أحاديث نحو المئة يشهد القلب بطلانها، كنت قد أفردت منها جزءاً واحديث الطير بالنسبة إليها سماء، وبكل حال فهو كتاب مفيد قد اختصرته (۱۸۱)] (مستدرک کے متعلق حافظ ابوسعید مالینی کی) یہ رائے سراسر زیادتی اور صریحاً نا انصافی پر مبنی ہے اور ابوسعید کا یہ مقام نہیں کہ وہ اس پر حکم لگائے۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ مستدرک کا بہت سا حصہ ایسی روایات پر مشتمل ہے جو شیخین کی شرائط کے مطابق ہے اور بہت سا حصہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی شرائط کے مطابق ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب کا ایک تہائی یا اس سے کم حصہ ہو۔ بلاشبہ ان میں سے بہت سی احادیث ظاہری طور پر ان دونوں میں سے کسی ایک کی شرط کے مطابق ہیں یا دونوں کی شرائط کے مطابق لیکن باطنی طور پر ان میں مؤثر مخفی علل ہیں اور کتاب کے ایک حصہ کی اسناد صالح، حسن اور جید ہیں اور ایک چوتھائی اسی قسم کا ہے۔ باقی کتاب منکر اور موضوع (عجائب) روایات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح سو کے قریب ایسی احادیث ہیں جن کے باطل ہونے کی دل گواہی دیتا ہے۔ میں نے اس میں سے ایک حصہ کو الگ کر دیا۔ ان کی نسبت ”حدیث الطیر“ آسمان ہے۔ بہر حال وہ مفید کتاب ہے اور میں نے اس کا اختصار کیا ہے۔]

امام ذہبی کی اس عبارت پر شعیب الاوناوط اور محمد نعیم عرقوسی نے حاشیہ لکھا ہے: ”اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ذہبی نے مختصر میں پوری طرح اہتمام سے کام نہیں لیا۔ حدیثوں پر باریک بینی سے غور نہ کیا۔ اس لیے امام حاکم کی غیر صحیح احادیث پر انہوں نے کلام نہیں کیا یا بعض اوقات بیان کیا کہ شیخین کی شرائط کے مطابق ہیں یا دونوں میں سے ایک کی شرط کے مطابق ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ امام حاکم کی اسانید پر غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے“ (۱۸۲)۔

ضعیف اور موضوع روایات:

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مستدرک میں ضعیف اور موضوع روایات پائی جاتی

ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ”اس میں شک نہیں کہ مستدرک میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جو شرائط صحت کے خلاف ہیں بلکہ موضوع حدیثیں بھی ہیں جو اس کے شایانِ شان نہیں“ (۱۸۳)۔

مستدرک میں ضعیف و منکر بلکہ موضوع روایات کا بھی یقینی طور پر پایا جانا ثابت ہے۔ حافظ ابن الجوزی نے مستدرک کی ساٹھ حدیثوں کو موضوع قرار دیا ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر کو محدثین نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ رہیں ضعیف روایات تو وہ موضوعات کے ساتھ شامل ہو کر چوتھے حصہ کے برابر ہوں گی۔ ضعیف احادیث سے (بخاری و مسلم کے علاوہ) کوئی کتاب بھی خالی نہیں ہے لیکن مستدرک میں ان کی تعداد اس لئے زائد معلوم ہوتی ہے کہ وہ خود ضخیم کتاب ہے اور اس کی ضخامت کے اعتبار سے یہ تعداد زیادہ نہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مستدرک کا شمار حدیث کے تیسرے طبقہ کی کتب میں کیا ہے۔ اس طبقہ کے متعلق ان کا اور ان کے والد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا بیان ہے: ”اگرچہ ان کتابوں کے مؤلفین علوم حدیث میں ماہر، ثقہ اور ضبط و عدالت کی صفات سے متصف تھے۔ لیکن ان میں صحیح، حسن اور ضعیف ہر قسم کی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ ان کی بعض حدیثیں موضوع بھی ہیں گو ان کے اکثر رواۃ عدالت کی صفت سے متصف ہیں تاہم بعض مستور اور مجہول الحال ہیں (۱۸۴)۔

مستدرک کی احادیث پر اعتراضات:

المستدرک کی بعض احادیث پر اعتراض کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ موضوع اور ضعیف روایات بھی آگئی ہیں جیسا کہ امام ذہبی نے مستدرک کے متعلق ابوسعید مالینی کے موقف کے جواب میں لکھا ہے۔ ان احادیث کی بناء پر امام حاکم کو رافضی قرار دینا یا مستدرک پر تنقید کرنا درست نہیں ہے۔

۱۔ المستدرک کی ”حدیث الطیر“ پر سب سے زیادہ اعتراض کیا گیا ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک بھونا ہوا پرندہ ہدیہ ملا۔ تو آپؐ نے فرمایا ”اے اللہ تیرا سب سے زیادہ محبوب بندہ آئے جو میرے ساتھ اس پرندہ کو کھائے“۔ حضرت انس نے دعا کی ”کوئی انصاری بندہ ہو“۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے دروازہ کھولا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ تو میں نے انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ رسول اللہ مصروف ہیں۔ دوسری مرتبہ رسول اللہ نے اسی طرح دعا کی۔ دروازہ پر دستک ہوئی تو میں نے دروازہ کھولا تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ انہیں پہلے کی طرح کہا کہ رسول اللہ مصروف ہیں۔

اس طرح تیسری اور چوتھی مرتبہ دعا کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی آتے رہے۔ چوتھی مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے دھکا دے کر اندر داخل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے علی ایسا کیوں کیا؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ تیسری یا چوتھی مرتبہ تھا۔ انس مجھے لوٹاتے رہے تو رسول اللہ نے حضرت انس سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اے اللہ کے رسول! آپ کی دعا کے لیے میں نے بھی دعا کی تھی اور امید بھی رکھی کہ اس دعا کے مستحق انصاری شخص ٹھہرے۔ آنی بیٹھے ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معذرت کرنے کا حکم دیا (۱۸۵)۔

اس حدیث کے متعلق امام ذہبی نے لکھا ہے ”ابن عیاض لا أعرفه، ولقد كنت زمانا طويلا اظن ان حديث الطير لم يجسر الحاكم ان يودعه في مستدر كه فلما علفت هذا الكتاب رأيت الهول من الموضوعات التي فيه فاذا حديث الطير بالنسبة إليها سماء قال وقد رواه عن انس جماعة اكثر من ثلاثين نفسا، ثم صحت الرواية عن علي وأبي سعيد وسفيينة“ (۱۸۶) [ابن عیاض (راوی) کو میں نہیں جانتا ہوں۔ میں عرصے سے حدیث الطیر کے بارے سوچ رہا تھا کہ امام حاکم نے مستدرک میں کیوں نقل کیا ہے جب میں نے اس کتاب پر حاشیہ لکھا اور اس کتاب کی تمام موضوع حدیثوں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان احادیث کی بہ نسبت، حدیث الطیر کا درجہ بلند ہے۔ اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تمیں سے زیادہ لوگوں نے روایت کیا ہے پھر یہ روایت حضرت علی، ابوسعید اور سفینہ سے صحیح مروی ہے]۔ ابن جریر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور ان کی حدیث الطیر پر مستقل کتاب ہے (۱۸۷)۔

۲۔ اس حدیث پر اعتراض ہے: انا الشجرة، وفاطمة فرعها، وعلي لقاحها، والحسن والحسين ثمرتها وشيعتنا ورقها، واصل الشجرة في جنة عدن، وسائر ذلك في سائر الجنة (۱۸۸)۔

اس حدیث کی وضاحت امام حاکم نے ”هذا متن شاذ“ کہہ کر کی ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں یہ بات امام حاکم کے سوا کسی نے بیان نہیں کی ہے۔ اس میں میناء تابعی ہے وہ ساقط ہے۔ امام ابو حاتم نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔ ابن معین نے غیر ثقہ قرار دیا ہے۔ لیکن میرا گمان ہے کہ یہ اسحاق دبري پر موضوع ہے کیونکہ حیوة متهم بالكذب ہے اور مؤلف سے مخاطب ہو کر کہتا ہے افما استحيت ايها المؤلف ان تورده هذه الاخلوقات من اقوال الطريقة فيما يستدرک علی الشيخين (۱۸۹)۔ اس حدیث میں امام حاکم نے میناء بن ابی میناء کو صحابی قرار دیا ہے لیکن یہ تابعی ہے اور ساقط ہے محدثین اس سے حدیث نہیں لیتے تھے۔

۳۔ امام حاکم اور مستدرک پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں حدیث ”من كنت مولا فعلى مولا“ کی بنا پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے اور اسے شیعہ قرار دیتے ہیں۔ یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ انہوں نے مستدرک میں حضرت علی کے فضائل سے زیادہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کیے ہیں (۱۹۰)۔

۴۔ ایک یہ اعتراض اس حدیث پر ہے ”انا مدينة العلم وعلى بابها فمن اراد المدينة فليات الباب“۔ اس حدیث میں ابو الصلت راوی ہے جس کو امام حاکم نے ثقہ مامون کہا ہے (۱۹۱)۔ امام ذہبی نے اس کی تردید کی ہے اور اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور ابو الصلت کے بارے میں قسم کھاتے ہیں کہ نہ وہ ثقہ تھے نہ مامون (۱۹۲)۔

مستدرک میں ضعیف اور موضوع روایات درج ہونے کا اسباب:

اس کے دو اسباب ہیں:

۱۔ ضعیف اور موضوع روایات درج ہونے کا ایک سبب امام حاکم کا بڑھاپا۔

امام سخاوی لکھتے ہیں: کہا جاتا ہے ”ان السبب في ادخال الحاكم الموضوعات والضعيفات في المستدرک انه صنفه في اواخر عمره، وقد حصلت له غفلة وتغير، او انه لم يتيسر له تحريره وتنقيحه، ويدل على ذلك ان تساهله في قدر الخمس الاول منه قليل جدا بالنسبة لباقيه“ (۱۹۳) (امام حاکم کی مستدرک میں موضوع اور ضعیف احادیث داخل ہونے کا سبب ان کا بڑھاپا ہے۔ آخری عمر میں وہ کمزور ہوئے، سستی اور حافظہ بھی بدل گیا۔ یا اسے اپنی تحریر اور تنقیح میسر نہیں ہوئی۔ اس بات کی دلالت پہلے پانچ حصوں پر کرتے ہیں اس میں باقی حصے کی نسبت ضعیف و موضوع بہت کم ہے)۔

۲۔ دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام حافظ ابن حجر کے مطابق حاکم نے مستدرک کا مسودہ تیار کیا تھا۔ جب کوئی شخص مسودہ تیار کرتا ہے تو اس میں غلطی رہ جاتی ہے۔ اس کے بعد مسودہ کی دوبارہ کانٹ چھانٹ کی جاتی ہے۔ اس کے بعد ہی کتاب درست ہو سکتی ہے۔ اس کتاب کے مصنف (حاکم) کو مسودہ کی تصحیح کرنے موقع نہیں ملا (۱۹۴)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام حاکم نے مسودہ کے چوتھائی حصہ کی تصحیح کی تھی۔ اس کے بعد موت آئی (۱۹۵)۔

امام حاکم کی دوسرے مؤلفات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ واقعی ایسا ہی ہے۔ مثلاً تاریخ نیشابور میں سہل بن عمار العتقی کے بارے میں ”انه كذاب يضع الحديث“ لکھا ہے۔ اس کے باوجود مستدرک میں اس سے حدیث نقل کی ہے اور اس کو شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے (۱۹۶)۔

المستخرج

تعریف:

المستخرج، خرج یخرج سے نکلا ہے۔ اس کے معنی نکلنا کے ہیں۔ مستخرج اس کتاب کو کہتے ہیں۔ جس میں کوئی مصنف کسی اور کتاب کی احادیث اپنی سند کے ساتھ روایت کرے اور پہلے کتاب کے مصنف کے شیخ یا اس سے بھی اوپر کسی اور راوی کے ساتھ سند مل جائے۔

مستخرج کی جمع مستخرجات ہے۔ حافظ عراقی کے قول کے مطابق ”مستخرج“ کا مطلب مصنف کسی کتاب مثلاً بخاری شریف کی احادیث کو کتاب کے مؤلف کے علاوہ اپنی سند سے روایت کرے اور اس کی سند مؤلف کی کتاب کے شیخ کے ساتھ یا اس سے اوپر جا کر مل جائے خواہ صحابی پر ملے (۱۹۷)۔

استخراج کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی محدث حدیث کی کسی کتاب مثلاً صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث کو اپنی سند سے اس طرح روایت کرے کہ اس کی سند میں صاحب کتاب مثلاً بخاری و مسلم کا نام نہ لائے۔ آگے چل کر اس محدث کی سند صاحب کتاب مثلاً بخاری و مسلم کے استاد پر پہنچ کر یا اس سے اوپر جا کر مل جاتی ہے۔ بعض اوقات صحابی پر پہنچ کر دونوں سندیں متحد ہو جاتی ہیں۔ دونوں کی ترتیب اور متون و اسانید میں کوئی فرق نہیں ہوتا (۱۹۸)۔

استخراج کی شرط یہ ہے کہ سند دور کے شیخ تک نہ جاتی ہو۔ مگر بجز ایسی سند کے موجود نہ ہونے کی صورت میں جو شیخ اقرب تک پہنچا دے۔ البتہ کوئی عذر پایا جاتا ہو مثلاً: سند عالی ہو یا متن حدیث میں بہت اہم اضافہ ہو تو ایسا ممکن ہے۔

استخراج کرنے والا بعض اوقات ایسی احادیث کو ترک کر دیتا ہے جن کی کوئی عمدہ سند نہیں ہوتی۔ بعض اوقات صاحب کتاب کی سند کے ساتھ بھی وہ ان احادیث کو ذکر کرتا ہے (۱۹۹)۔

آغاز و ارتقاء:

حدیث نبویؐ اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ ہے۔ اس پر کام ابتدائی دور سے ہی مختلف صورتوں

میں ہوتا رہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے احادیث کو سنا ان پر عمل کیا۔ بعض نے یاد کر کے آگے پہنچایا اور بعض نے لکھ کر آگے پہنچایا۔ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں احادیث لکھی گئیں۔ بعض آپ کے حکم سے لکھی گئیں اور بعض صحابہ کرام نے اپنی مرضی سے لکھیں۔ بعض صحابہ کرام لکھ کر رسول اللہ ﷺ کو دکھالیا کرتے مثلاً حضرت انس رضی اللہ عنہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال تک خدمت کی۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین نے احادیث کو نقل کیا اور پھر آگے پہنچانے کے لیے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ رسول اللہ ﷺ نے خود احادیث کو آگے پہنچانے کی ترغیب دی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا جو موجود ہے وہ اس کو پہنچا دے جو موجود نہیں ہے (۲۰۰)۔ ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز و شاداب رکھے۔ جس نے میری حدیث کو سنا اس کو یاد کیا اور پھر اس کو آگے پہنچایا (۲۰۱)۔

رسول اللہ ﷺ کے اس قول پر صحابہ کرام نے عمل فرمایا۔ بعد ازاں تابعین نے اس شمع کو روشن رکھا۔ اس طرح یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل چلتا رہا۔ ابتدائی طور پر الگ الگ صحائف تھے۔ کتابت کے بعد تدوین حدیث کا کام شروع ہوا۔ امام زہری رحمہ اللہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حدیث کی تدوین کا کام شروع کیا۔ پھر ان کے شاگردوں جن میں امام مالک رحمہ اللہ کا نام سر فہرست ہے جنہوں نے حدیث پر کام کیا زمانہ کے ساتھ ساتھ اس علم نے بہت ترقی کی اور کتب احادیث کی مختلف اقسام سامنے آئیں۔ ان قسموں میں صحائف، مسانید، مصنفات، مؤطا، الجامع، السنن اور الازاء وغیرہ قسم کی کتابوں پر کام کیا گیا۔ پھر اس قسموں کی مزید تقسیم ہو گئی اور ان کتابوں کی شروحات اور اختصارات وغیرہ کی صورت میں کتب لکھیں۔ انہیں قسموں میں سے ایک قسم ”مستخرج“ کی ہے۔ صحیح بخاری کی مستخرج پر حافظ ابو بکر اسماعیلی جرجانی (م ۳۷۱ھ) نے کتاب لکھی۔ اسی طرح حافظ ابو احمد محمد بن علی حامد احمد بن الحسین بن قاسم بن غطریف (م ۳۷۷ھ) نے بھی صحیح بخاری کی مستخرج لکھی۔

صحیح مسلم پر حافظ ابو بکر محمد بن محمد بن رجاہ نیشاپوری (م ۲۸۶ھ) نے کتاب لکھی۔ اس طرح اور کئی لوگوں نے بھی کام کیا۔ صحیحین پر محمد بن یعقوب شیبانی (م ۳۴۴ھ) نے مستخرج لکھی۔ سنن ابی داؤد پر پہلی مستخرج قاسم بن اصبح (م ۳۰۴ھ) نے لکھی۔ اسی طرح سنن ترمذی پر ابو علی الحسن بن علی خراسانی (م ۳۱۲ھ) نے مستخرج لکھی (۲۰۲)۔

کتب مستخرجہ سے روایت کا حکم:

مستخرجین میں سے کسی نے بھی یہ التزام نہیں کیا کہ ان کی روایت کردہ احادیث کے الفاظ

ان اصلی کتب کے بالکل مطابق ہونگے جن کی تخریج وہ کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ وہ ان الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ جو انہوں نے اپنے اساتذہ سے سنے۔ اس وجہ سے ان کی روایت کردہ احادیث اور اصلی کتب کے الفاظ میں تھوڑا بہت فرق آ جاتا ہے۔ لہذا جو شخص ان کتب مستخرجات سے روایت کرے وہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے یہ روایت صحیحین سے لی ہے۔ یا یہ کہے کہ بخاری اور مسلم میں بھی اسی طرح ہے جیسے میں نے روایت کیا۔

البتہ اگر اس نے کتاب مستخرج کا تقابل بخاری و مسلم سے کر لیا ہو تو پھر یوں کہہ سکتا ہے اور اگر مستخرج کا مصنف اس بات کی صراحت کرے کہ بخاری و مسلم کے یہی الفاظ ہیں تو پھر وہ اس بات کا دعویٰ کر سکتا ہے مثلاً یوں کہے کہ بخاری نے انہی الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

مستخرجات کے فوائد:

- ۱۔ مستخرجات کے فوائد حسب ذیل ہیں:

مستخرجات کی احادیث بعض ایسے زوائد پر مشتمل ہوتی ہیں جو اصل کتب میں نہیں ہوتے۔ ان زوائد کے حاصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اصل کتب کے الفاظ نقل نہیں کرتے بلکہ وہ الفاظ لاتے ہیں جو انہوں نے اپنے اساتذہ سے سنے ہوتے ہیں۔
- ۲۔ مستخرج کی اسناد بعض اوقات عالی ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ اگر مستخرج کا مصنف حدیث کو اصل کتاب کے مصنف کی سند کے ساتھ روایت کرے تو وہ نازل ہوگی اور جب وہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرے گا تو وہ اصل کتاب کی سند سے عالی ہوگی۔
- ۳۔ مستخرج میں کثرت طرق کی بناء پر حدیث قوی تر ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات مستخرج کا مصنف صحابی تک پہنچنے والی مختلف سندیں ذکر کرتا ہے جیسا کہ ابو عوانہ کرتے ہیں۔ اس تعدد طرق کی بناء پر حدیث قوی تر ہو جاتی ہے۔
- ۴۔ اصل کتاب کے مصنف نے ایسے راوی سے روایت کی ہو جس کا حافظہ عمر کے کسی حصہ میں خراب ہو گیا تھا۔ مگر اس نے نہیں بتایا کہ موصوف نے روایت اس سے قبل کی یا بعد۔ اندریں صورت مستخرج کا مصنف اس بات کی تصریح کرتا ہے کہ روایت حافظہ کی خرابی سے پہلے کی ہے یا بعد کی۔
- ۵۔ اصل مصنف کسی حدیث کی روایت مدلس راوی سے عن عن کے ساتھ کرتا ہے اور سماع کی تصریح نہیں کرتا۔ بخلاف ازین مستخرج کا مصنف اپنی روایت میں سماع کی تصریح کرتا ہے۔

۶۔ صاحب الاصل کوئی حدیث مبہم راوی سے ذکر کرتا ہے اور اس کا نام نہیں لیتا بلکہ ”حدیثنا رجل“ کہتا ہے۔ مستخرج لکھنے والا اس شخص کے نام کی تصریح کرے گا۔

۷۔ بعض اوقات اصل کتاب کا مؤلف ایک مہمل شخص سے روایت کرتا ہے مثلاً کہتا ہے ”حدیثنا محمد“ حالانکہ محمد نامی راوی بہت سے ہیں۔ اس صورت میں مستخرج کا مصنف اس راوی کو ممتاز و ممتاز کرتا ہے کہ اس حدیث کا راوی فلاں محمد ہے۔

۸۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اصل کتاب میں ایک حدیث ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے جو نحوی قواعد کے خلاف ہوتے ہیں۔ اور ان کی توجیہ کے لئے تکلف سے کام لینا پڑتا ہے۔ مستخرج کا مصنف جو روایت ذکر کرتا ہے اس کے الفاظ نحوی قواعد کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مستخرج کے الفاظ صحیح ہیں اور اصل کتاب کی روایت راویوں کے وہم پر مبنی ہے۔

۹۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ اگر بخاری و مسلم کی کسی حدیث میں کوئی علت پائی جاتی ہو اور مستخرج نے اس حدیث کی علت کو دور کر کے روایت کیا ہو تو یہ مستخرج کا فائدہ ہے (۲۰۳)۔



کتب مستخرجات

مستخرجات صحیح بخاری:

- ۱- مستخرج حافظ ابو بکر احمد بن ابراہیم بن اسماعیل اسماعیلی جرجانی (م ۳۷۱ھ) (۲۰۴)۔
- ۲- مستخرج ابو احمد محمد بن احمد الفطرینی (م ۳۷۷ھ)۔
- ۳- مستخرج حافظ ابو عبد اللہ محمد بن عباس المعروف بابن ابی زہل الہروی (م ۳۷۸ھ)۔
- ۴- مستخرج حافظ ابو بکر بن مردویہ اصبہانی کبیر (مصنف تاریخ و تفسیر) (م ۴۱۶ھ)۔
- ۵- مستخرج حافظ ابو بکر برقانی (م ۴۲۵ھ) (۲۰۵)۔

مستخرجات صحیح مسلم:

- ۱- مستخرج حافظ ابو بکر محمد بن محمد بن رجاء نیشاپوری (م ۲۸۶ھ)۔
- ۲- مستخرج حافظ احمد بن سلمہ نیشاپوری البزار (م ۲۸۶ھ)۔
- ۳- مستخرج ابی جعفر احمد بن احمد بن حمدان النیشاپوری (م ۳۱۱ھ)۔
- ۴- مستخرج حافظ ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرائینی (م ۳۱۶ھ) (۲۰۶)۔
- ۵- مستخرج ابی حامد الشاذلی الفقیہ الشافعی الہروی (م ۳۵۵ھ)۔
- ۶- مستخرج حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ جوزقی نیشاپوری (م ۳۸۸ھ)۔
- ۷- (المسند) المستخرج علی صحیح مسلم، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی (م ۴۳۰ھ)۔
- ۸- المسند المستخرج علی صحیح مسلم، ابو الولید حسان بن محمد القرشی (۲۰۷)۔

مستخرجات صحیحین:

- ۱- مستخرج حافظ محمد بن یعقوب شیبانی نیشاپوری المعروف ابن الاوزم (م ۴۴۴ھ)۔

- ۲- مستخرج حافظ ابو ذر ہروی (م ۲۳۴ھ)۔
- ۳- مستخرج حافظ ابو علی ماسرجسی نیشاپوری (م ۳۶۵ھ)۔
- ۴- مستخرج حافظ محمد بغدادی المعروف خلال (م ۴۳۹ھ)۔
- ۵- مستخرج حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی (م ۴۳۵ھ)۔
- ۶- مستخرج ابو بکر بن عبدان شیرازی (م ۳۸۸ھ)۔
- ۷- مستخرج ابی بکر بن منجویہ (م ۴۲۸ھ)۔
- ۸- مستخرج علی بن مسعود سلیمان بن ابراہیم (م ۴۲۸ھ)۔
- ۹- مستخرج حافظ ابو بکر البرقانی (م ۴۲۵ھ)۔

مستخرجات سنن ابی داؤد:

- ۱- مستخرج قاسم بن اصبح (م ۳۰۴ھ)۔
- ۲- مستخرج ابو بکر ابن منجویہ (م ۴۲۸ھ)۔
- ۳- مستخرج ابی عبد اللہ محمد بن عبد الملک بن ایمن قرطبی (م ۳۳۰ھ)۔

مستخرج السنن ترمذی:

- ۱- مستخرج ابی بکر بن منجویہ (م ۴۲۸ھ)۔
- ۲- مستخرج ابی علی الحسن بن علی بن بصر الخراسانی الطوسی (م ۳۱۲ھ) (۲۰۸)۔

تعارف مؤلفین مستخرجات:

چند مشہور مؤلفین مستخرجات کے تعارف درج ذیل ہیں:

- ۱- حافظ ابو بکر اسماعیلی جرجانی (م ۳۷۱ھ):

نام احمد، کنیت ابو بکر، نسبت اسماعیلی اور سلسلہ نسب یہ ہے۔

”احمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن عباس بن مرداس“ وہ امام بخاری کی وفات کے اکیس سال بعد ۲۷۷ھ میں جرجان میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان علمی حیثیت سے ممتاز تھا۔ علم و فن سے فطری مناسبت رکھتے تھے۔ چھ (۶) سال کی عمر میں یعنی ۲۸۳ھ میں انہوں نے حدیث کی کتابت

شروع کر دی تھی۔ اور باقاعدہ اس فن میں مشغول ہو گئے۔ وہ پہلی مرتبہ ۲۹۴ھ میں ابوالحسن ابن سفیان کی خدمت میں حصول علم کے لئے گئے۔ ۲۹۶ھ میں بغداد پھر حجاز، عراق، فارس، کوفہ، بصرہ، موصل، جزیرہ اور نیشاپور وغیرہ تشریف لے گئے۔ حفظ و ضبط میں وہ ممتاز اور مشہور حفاظ میں شمار کیے گئے ہیں۔ بہت ساری کتابیں ان کو زبانی یاد تھیں۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ ”میں ان کے کمال حفظ سے مبہوت ہو گیا اور میرا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ متقدمین کے علم و حفظ کا متاخرین مقابلہ نہیں کر سکتے۔“ حاکم نے ان کو شیخ المحدثین اور امام اہل جرجان کہا ہے۔

وفات:

عام مؤرخین کے مطابق ۹۴ سال کی عمر میں رجب ۳۷۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ابن سبکی اور شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ صفر ۳۷۱ھ میں وفات پائی۔ انتقال کے وقت تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔

تصنیفات:

- ۱۔ مسند عمر: یہ دو جلدوں میں تھی اور حافظ ذہبی نے اس کی تعلیق لکھی ہے۔
- ۲۔ مسند کبیر: یہ نہایت ضخیم کتاب ہے اور تقریباً سو جلدوں پر مشتمل ہے۔
- ۳۔ مستخرج: اس کا نام صحیح اسماعیلی بھی ہے۔ یہ صحیح بخاری پر مستخرج ہے۔ یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔
- ۴۔ معجم: اسماعیلی کی یہ ایک اہم تصنیف ہے (۲۰۹)۔
- ۲۔ حافظ ابوبکر برقانی (م ۴۲۵ھ):

نام احمد، کنیت ابوبکر، سلسلہ نسب یہ ہے۔ ”احمد بن محمد بن احمد بن غالب“۔

ولادت و وطن:

امام ابوبکر برقانی سنہ ۳۳۶ھ میں خوارزم کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ اسی لیے برقانی اور خوارزمی کی نسبتوں سے مشہور ہیں۔ برقان دریا کے جھون کے مشرقی ساحل پر ایک زرخیز اور شاداب مقام تھا جو بعد میں ویران ہو گیا۔ امام برقانی نے بعد میں بغداد میں سکونت اختیار کر لی اور اسی جگہ انتقال فرمایا۔

اساتذہ:

ان کے شیوخ کی تعداد بے شمار ہے۔ بعض کے نام یہ ہیں: ابن نحاس مصری، ابو احمد الحافظ، ابو بحر بن کوثر ابر بھاری، ابو بکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی، احمد بن ابراہیم بن حباب، احمد بن جعفر بن سلمہ، ابو عباس احمد بن محمد بن حمدان نیشاپوری، ابو بکر بن ابی الحدید، ابو بکر بن مالک قطیعی، ابو محمد بن ماسی، ابو منصور ازہری، ابو سہیل بشر بن احمد، ابو محمد عبدالغنی بن سعید ازدی مصری، عبداللہ بن احمد بن صدیق، عبداللہ بن عمر بن ملک، ابو الحسن علی بن عمر دارقطنی، ابو علی محمد بن احمد بن حسین بن صواف، محمد بن جعفر بندار، ابو الفضل محمد بن عبداللہ بن عمیرویہ، محمد بن علی حسانی، ابو صخر محمد بن مالک السعدی، ابو حاتم محمد بن یعقوب۔

تلامذہ:

ان کے تلامذہ میں ابو اسحق شیرازی، امام بیہقی اور خطیب بغدادی جیسے مشاہیر شامل ہیں۔ چند اور شاگردوں کے نام یہ ہیں: ابو طاہر احمد بن حسن کربنی، ابو عبداللہ صوری، ابو الفضل بن خیرون، ابو القاسم بن ابو العلاء، ابو المعالی، ثابت بن بندار مقری، ابو مسعود سلیمان بن ابراہیم الحافظ، ابو العلی محمد بن احمد العبدی البصری، ابو الفضل محمد بن عبدالسلام شافعی انصاری۔

رحلت و سماع حدیث:

۳۵۰ھ کے بعد انہوں نے حدیث کا سماع کیا اور اس کے بعد بغداد، جرجان، ہرات، دمشق، مصر، اسفرائین مرو اور نیشاپور وغیرہ تشریف لے گئے اور ان مقامات کے اکابر شیوخ سے کسب فیض کیا۔ علم حدیث کے اس قدر شوقین تھے کہ اس کے لئے ہر قسم کی صعوبت اور مشقت برداشت کرتے تھے۔ اسفرائین میں صرف ایک درہم ان کے پاس تھا۔ اسی پر پورا مہینہ گزار دیا۔ اور تیس اجزاء کے بقدر حدیثیں لکھیں۔

حفظ و ثقاہت:

امام برقانی حدیث کے حافظ اور نہایت عادل و ضابط شخص تھے۔ خطیب کا بیان ہے کہ وہ ثقہ، متورع، متقن مثبت اور ذی فہم تھے۔ ہمارے شیوخ میں ان سے زیادہ ثقہ شخص کوئی اور نہیں تھا۔ میں نے ازہری سے دریافت کیا کہ آپ نے برقانی سے بڑھ کر متقن اور کسی اور شخص کو دیکھا ہے؟

انہوں نے جواب دیا نہیں۔ ابوالولید باجی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ حافظ تھے۔ ذہبی ابن عساکر، ابن سبکی، اسنوی اور ابن عماد وغیرہ نے ان کو الحافظ الکبیر اور الحافظ الامام وغیرہ لکھا ہے۔

فن حدیث میں امتیاز اور اشتیاق:

امام برقانی نے اس فن کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ ان کا خود بیان ہے کہ مجھ کو اس فن سے اس قدر غیر معمولی لگاؤ ہو گیا تھا کہ اور چیزوں کی طرف دھیان دینے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ اسی لئے ان کا کتب خانہ حدیث کی کتابوں کا دفتر بن گیا تھا۔ اور ان کو بے شمار حدیثیں بھی از بر تھیں۔ خطیب کا بیان ہے کہ وہ کثیر الحدیث تھے۔ اس سے اس فن میں ان کی عظمت اور بلند پایگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ تمام مؤرخین نے حدیث میں ان کی فہم و بصیرت، ژرف نگاہی اور علم و نظر کی وسعت کا اعتراف کیا ہے۔ خطیب کا بیان ہے کہ برقانی حدیث کی اچھی فہم و بصیرت رکھتے تھے۔ ابن عساکر اور سمعانی کا بیان ہے کہ وہ حدیث کے فہم و معرفت میں ممتاز تھے۔ ابواسحاق شیرازی فرماتے ہیں: ”کہ جب وہ اس فن کی طرف متوجہ ہوئے تو اس کے امام بن گئے“۔ ذہبی نے ان کو شیخ بغداد اور شیخ المحمد ثنین کا لقب دیا ہے۔ ازہری کا بیان ہے کہ برقانی امام حدیث ہیں۔ ان کی وفات کے بعد اس فن کی عظمت شان باقی نہیں رہے گی۔

تفسیر و قرآن نیاں:

قرآن مجید کے حافظ اور علم قرآنی کے واقف کار تھے۔

فقہ:

فقہ کے ماہر اور ممتاز فقیہ تھے۔ حدیث سے پہلے اس فن کی تحصیل شروع کی تھی، اور اس موضوع پر بعض کتابیں بھی لکھیں۔ خطیب نے عارف بالفقہ ابن کثیر نے عالم بالفقہ اور ذہبی نے شیخ الفقہ لکھا ہے۔ ابوبکر اسماعیلی اپنے پاس آنے والے طلبہ کے سامنے ایک ورق خود پڑھنے کے بعد ان سے پڑھواتے تھے۔ لیکن برقانی کے سامنے دو ورق پڑھتے اور فرماتے کہ لوگوں پر ان کو اس لئے ترجیح دیتا ہوں کہ یہ فقیہ بھی ہیں۔ فقہ واجتہاد میں امام شافعی کے مذہب سے وابستہ تھے۔

نحو و عربیت:

وہ عربی ادب اور علم نحو میں اچھی دسترس رکھتے تھے۔

شعر و سخن:

شعر و سخن کا ذوق تھا اور کبھی کبھار اشعار کہتے تھے۔ خطیب بغدادی نے ان کے آٹھ اشعار نقل کئے ہیں۔

ورع و تقویٰ:

ان گونا گوں علمی کمالات کے ساتھ ہی وہ نہایت متدین اور بڑے عبادت گزار بھی تھے۔ خطیب کا بیان ہے کہ وہ صاحب ورع و تقویٰ تھے۔ میں نے محمد بن یحییٰ کرمانی فقیہ سے سنا ہے کہ محدثین کی جماعت میں برقانی سے زیادہ عبادت کرنے والا نہیں دیکھا۔ ابن سبکی فرماتے ہیں کہ وہ مجموعہ فضائل اور عابد شخص تھے۔

وفات:

یکم رجب ۴۲۵ھ میں بدھ کے دن انتقال ہوا۔ ابوعلی بن ابی موسیٰ ہاشمی نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور بغداد کے مقبرہ جامع میں باب سکہ خرقی کے قریب دفن کئے گئے۔ محمد بن علی صوری کا بیان ہے کہ میں برقانی کی وفات سے چار روز پہلے ان کی عیادت کے لیے گیا تو انہوں نے کہا آج ۲۶ جمادی الاخریٰ ہے۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ رجب کا چاند ہونے کے بعد میرا خاتمہ ہو۔ کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ (ان للہ عتق من النار) ممکن ہے۔ اللہ کی رحمت سے میں بھی اس زمرہ میں شامل ہو جاؤں۔ یہ بات انہوں نے ہفتہ کو کہی تھی اور اللہ کی شان دیکھئے کہ بدھ کو رجب کا چاند طلوع ہونے کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

تصنیفات:

برقانی نے علم حدیث میں کئی مفید کتابیں لکھیں۔ تذکرہ نگاروں نے ان کو کثیر التصانیف بتایا ہے اور لکھا ہے کہ وفات کے وقت تک وہ تصنیف و تالیف اور علمی اشغال میں منہمک رہے۔ ان کی تصنیفات میں مسند مشہور ہے۔ جو مسند خوارزمی کہلاتی ہے، مسند خوارزمی دراصل صحیحین کی حدیثوں پر مشتمل اور مستخرج ہے۔ حمیدی نے اپنی الجمع بین المحسنین کے نقل میں اس کی حدیثوں پر اعتماد کیا ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ لکھا ہوا دارالعلوم اسلامیہ پشاور کے مکتبہ میں اور ایک امام یحییٰ بن ناصر کے ہاتھ کا لکھا ہوا جرمنی کے کتب خانہ میں ہے۔

مسند کے علاوہ انہوں نے امام ثوری، شعبہ، ایوب، سعید، عبداللہ بن عمرو، عبدالملک بن عمیر، بیان بن بشیر اور مطر الوراق کی حدیثوں کے جمع و تالیف کا کام بھی سرانجام دیا (۲۱۰)۔

۳۔ ابن مردویہ الکبیر اصہبانی (م ۴۱۶ھ):

نام و نسب:

احمد نام، کنیت اور نسب نامہ یہ ہے: ”احمد بن موسیٰ بن مردویہ بن فورک اپنے دادا مردویہ کے نام پر ابن مردویہ کے لقب سے معروف ہیں۔ الکبیر بھی ان کے نام کا جزو ہے۔ کیونکہ ان کے پوتے ابو بکر احمد بن محمد بھی ابن مردویہ کے لقب سے مشہور ہیں اور ان کو ابن مردویہ الصغیر کہا جاتا ہے۔ ابن مردویہ صغیر کی اپنے دادا ابن مردویہ کبیر سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ان کا انتقال سنہ ۴۹۸ھ میں ہوا۔

ولادت و وطن:

آپ سنہ ۳۲۳ھ میں اصہبان میں پیدا ہوئے۔

اساتذہ:

بعض اساتذہ اور شیوخ کے نام یہ ہیں:

ابو سہل بن زیاد القطان، احمد بن عبداللہ بن دلیل، احمد بن عیسیٰ خفاف، احمد بن محمد بن عاصم کرمانی، اسحاق بن محمد بن علی کوفی، اسماعیل خطی، محمد بن احمد بن علی اسواری، محمد بن عبداللہ الصفار، محمد بن علی بن وحیم شیبانی اور میمون بن اسحاق خراسانی۔

تلامذہ:

ابن مردویہ کبیر کے ممتاز شاگردوں کے نام حسب ذیل ہیں:

ابو عبداللہ ثقفی، ابوالقاسم عبدالرحمن بن منددہ، عبدالوہاب بن منددہ، ابوالخیر محمد بن احمد، ابو بکر محمد بن حسن، ابومنصور محمد بن سکرویہ، ابو مطیع بن عبدالواحد مصری۔

سفر:

حدیث کی تحصیل اور علوم و فنون کی تکمیل کے لیے ان کے عراق وغیرہ تشریف لے جانے کا ذکر ملتا ہے۔

حدیث میں درجہ:

حدیث میں بلند مرتبت تھے۔ علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ اس فن کے ممتاز ماہر اور رجال کی اچھی پرکھ رکھتے تھے۔ ابن العماد کا بیان ہے کہ وہ حدیث میں امام تھے۔ ان کا حفظ و اتقان اور ضبط و ثقاہت بھی مسلم ہے۔ حافظ ذہبی نے الحافظ الثبت لکھا ہے۔

وفات:

مشہور روایت کے مطابق ۲۲ رمضان ۴۱۶ھ میں انتقال ہوا۔ لیکن ابن اثیر، ابن جوزی اور ابن کثیر نے ۴۱۰ھ سنہ وفات تحریر کیا ہے۔

تصنیفات:

ابن مردویہ کی حسب ذیل تصنیفات کا علم ہوسکا ہے:

۱۔ المستخرج علی جامع الصحیح للبخاری۔

۲۔ تفسیر ابن مردویہ۔

۳۔ تاریخ اصہبان (۲۱۱)۔

۴۔ حافظ ابن ابی زہل الہروی (م ۳۷۸ھ):

نام محمد بن عباس بن احمد بن عصم، کنیت ابو عبد اللہ، ہرات کے رہنے والے عالی قدر اور صاحب اتقان و حافظ حدیث ہیں۔ آپ نے محمد بن معاذ مالینی، یحییٰ بن صاعد، حاتم بن محبوب، ابو عمرو بن محمد، عبد الرحمن بن ابی حاتم اور اس طبقہ کے دوسرے اہل علم سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور آپ سے امام دارقطنی، ابوالحسنین حجاجی، حاکم، اسحاق بن ابی اسحاق اور اہل ہرات روایت کرتے ہیں۔ آپ ہرات کے نامی گرامی اور امیر کبیر رئیس اعظم تھے۔

حاکم فرماتے ہیں: ”میں نے ان سے اچھا وضو کرنے والا اور بہتر نماز پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا اور نہ ہی اپنے مشائخ میں ان سے بڑھ کر خشوع و خضوع اور عجز و انکساری کے ساتھ دعا کرتے کسی کو پایا ہے۔“ ابونصر نامی کہتے ہیں کہ آپ نے صحیح مسلم پر ایک مستخرج صحیح تصنیف کی۔

وفات: حاکم کہتے ہیں کہ آپ ۲۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور صفر ۳۷۸ھ میں جام شہادت نوش فرمایا (۲۱۲)۔

مستخرجات صحیح مسلم کے مؤلفین کا تعارف:

۵۔ حافظ ابو عوانہ اسفرائینی (م ۳۱۶ھ):

آپ کا اسم گرامی یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہے۔ اسفرائن کے رہنے والے بہت بڑے حافظ حدیث ہیں۔ سب محدثین کے نزدیک قابل اعتماد ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد نیشابور کے رہنے والے تھے: آپ ایک ”المسند الصحیح“ کے مصنف ہیں۔ جو دراصل صحیح مسلم پر استخراج ہے۔

اساتذہ:

آپ نے طلب علم کے لئے دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا۔ یونس بن الاعلیٰ، احمد بن ازہر، زعفرانی، علی بن حرب، عمر بن شبہ، محمد بن یحییٰ ذہلی اور بعد کے اہل علم سے علم حاصل کیا۔

تلامذہ:

ان سے حافظ احمد بن علی رازی، حافظ ابو علی نیشابوری، قاضی یحییٰ بن منصور، ابن عدی، طبرانی، اسماعیلی اور دوسرے لوگ فیض یاب ہوئے۔ ان کے بیٹے ابو مصعب محمد اور ان کے آخری شاگرد، ان کے بھانجے کے بیٹے ابو نعیم عبد الملک بن حسن اسفرائینی نے ان سے استفادہ کیا۔
امام حاکم فرماتے ہیں: ”کہ ابو عوانہ فن حدیث کے عالم اور پختہ کار ہیں۔“ ان کا انتقال بقول ان کے بیٹے محمد کے ۳۱۶ھ میں ہوا۔ آپ کی قبر اسفرائن کے شہر کے اندر ہے۔ آپ پہلے شخص ہیں جن سے امام شافعی کا مذہب اسفرائن میں رائج ہوا۔ آپ جلیل القدر اور لائق اعتماد محدث ہیں (۲۱۳)۔

۶۔ حافظ ابو بکر جوزقی، نیشاپوری (م ۳۸۸ھ):

نام محمد بن عبد اللہ بن محمد زکریا، کنیت ابو بکر، لقب محدث نیشابور ہے۔
آپ یکتائے زمانہ حافظ حدیث اور ایک صحیح کے مصنف ہیں۔ جو دراصل صحیح مسلم کی تخریج ہے۔ آپ مشہور محدث ابو اسحاق ابراہیم بن محمد مزکی کے بھانجے ہیں۔ آپ نے ابو العباس سراج، ابو نعیم بن عدی جرجانی، ابو العباس دعولی، مکی بن عبدان، ابو حامد بن شرقی، ابو سعید ابن الاعرابی، اسماعیل صفار اور دوسرے بہت سے لوگوں سے علم حدیث حاصل کیا۔

آپ نے مختلف ممالک کا سفر کیا علم میں کمال اور برتری حاصل کی اور بہت سی یادگار تصنیفات چھوڑیں۔ ان سے ابو حاکم، ابوسعید کجرودی، ابو عثمان سعید بن محمد بکیری، محمد بن علی خشاب، سعید بن ابوسعید عیار، احمد بن منصور اور دوسرے لوگ روایت کرتے ہیں۔

تصنیفات:

- ۱۔ المحقق والمفتقر
- ۲۔ المحقق الکبیر، یہ کتاب تین سوا جزاء پر مشتمل ہے۔

وفات:

امام حاکم فرماتے ہیں: ”کہ آپ نے ۸۲ سال کی عمر پا کر شوال ۳۸۸ھ میں وفات پائی (۲۱۴) مستخرجات صحیحین کے مؤلفین کا تعارف:

۷۔ حافظ ابن الاخرم (م ۳۴۴ھ):

نام محمد بن یعقوب بن یوسف شیبانی، کنیت ابو عبد اللہ، لقب ابن اخرم ہے۔ نیشاپور کے رہنے والے تھے اور بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ ابن اخرم ۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے علی بن حسن ہلالی، ابراہیم بن عبد اللہ سعدی، محمد بن عبد الوہاب اور ان کے علاوہ بہت سے لوگوں سے حدیث کا سماع کیا۔ ان سے ابو بکر اسحاق صنفی، حسان بن محمد فقیہ، ابو عبد اللہ حاکم، یحییٰ بن ابراہیم اور دوسرے بہت سے لوگ فیض یاب ہوئے۔

امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ ابن شرقی کے بعد ہمارے شہر میں اہل حدیث کے صدر اور پیشوا تھے۔ ان کو حدیث حفظ تھی اور اس کو سمجھتے بھی تھے۔ انہوں نے صحیح مسلم پر ایک مستخرج لکھی اور یہ کتاب انہوں نے ابو العباس سراج کے کہنے پر لکھی تھی اس کا نام انہوں نے ”المختصر الصحیح المتفق علیہ“ رکھا۔ وہ نحو کے بھی بہت ماہر تھے۔ علل حدیث اور علم الرجال میں بھی بے حد درک حاصل تھا۔ حافظ ابن اخرم نے ۳۴۴ھ میں وفات پائی (۲۱۵)۔

۸۔ حافظ ابو ذر ہروی (م ۴۳۴ھ):

نام عبد اللہ بن احمد بن محمد بن عبد اللہ بن غفیر انصاری مالکی ہے اور آپ کی کنیت ابو ذر

ہروی اور ابو عیسیٰ ہے۔ آپ ہرات کے رہنے والے اور بہت بڑے عالم اور نامور حافظ حدیث ہیں۔ آپ نے ہرات میں ابو الفضل بن خمیرویہ، بشر بن محمد اور سرخس میں ابو محمد بن حمویہ اور زاہر بن محمد سے، بلخ میں ابو اسحاق مستملی، بصرہ میں ابو بکر ہلال بن محمد، بغداد میں ابو الفضل زہری، اور ان کے علاوہ اور بہت سے علماء سے حدیث کا سماع کیا۔ مکہ معظمہ میں اقامت اختیار کی اور اپنے شیوخ کے حالات میں معجم لکھی اور صحیح کے علاوہ دوسری بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔

آپ سے آپ کے صاحبزادے عیسیٰ، علی بن محمد بن ابی الہول، موسیٰ بن عیسیٰ، عبداللہ بن حسن تنیسی اور دوسرے بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں۔ آپ تقریباً ۳۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور شوال ۴۵۴ھ میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ کتاب کبیر مستخرج علیٰ اخیسین۔ ۲۔ کتاب السنۃ والصفات۔
- ۳۔ کتاب الجامع۔ ۴۔ کتاب الدعاء۔
- ۵۔ کتاب فضائل القرآن۔ ۶۔ کتاب دلائل النبوة۔
- ۷۔ کتاب شہادۃ الزور۔ ۸۔ کتاب فضائل مالک۔
- ۹۔ کتاب العیدین۔

عبدالغافر تاریخ نيسابور میں لکھتے ہیں کہ ابو ذر، عابد وزاہد اور پرہیزگار عالم تھے۔ سخاوت کے دلدادہ تھے۔ حرم کے کبار مشائخ میں شمار ہوتے تھے اور تصوف کے بھی مشارالہ تھے۔ انہوں نے صحیحین کی بڑی اچھی تخریج لکھی اور صحیحین پر ایک جلد میں لطیف مستدرک بھی لکھا ہے اس سے ان کے قوی حافظے کا پتہ چلتا ہے (۲۱۶)۔

۹۔ حافظ ابو محمد بغدادی المعروف خلال (م ۴۳۹ھ):

نام حسن بن محمد بن حسن بن علی، کنیت ابو محمد ہے۔ آپ بغداد کے رہنے والے قابل اعتماد حافظ حدیث ہیں۔ آپ کے والد کی کنیت ابو طالب ہے ۳۵۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابو بکر قطعی، ابو سعید حرانی، ابو الحسن بن مظفر، ابو بکر وراق، ابو عبداللہ بن عسکری، ابو عمر حیویہ، ابو بکر شاذان، ابو الحسن بن لؤ لؤ وراق اور دوسرے آئمہ سے حدیث کا سماع کیا۔ آپ سے خطیب، ابو الحسن بن طیوری، ابو سعد، جعفر بن احمد سراج، معمر بن ابی عمارہ واعظ، جعفر بن محسن سلماسی، علی بن عبدالواحد دینوری اور دوسرے لوگ روایت کرتے ہیں۔

محمد بن علی صوری کہتے ہیں: ”میری آنکھوں نے عبدالغنی بن سعید کے بعد ابو محمد خلال

بغدادی سے بڑا حافظ حدیث کوئی نہیں دیکھا۔ ابو بکر خطیب کہتے ہیں: ”ثقہ ہیں اور معرفت تامہ کے حامل ہیں۔“ آپ نے صحیحین پر ایک مسند لکھی ہے اور احکام و مسائل اور تراجم رجال پر متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ نے جمادی اولیٰ ۳۳۹ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا (۲۱۷)۔

۱۰۔ حافظ ابو علی ماسر جسی نیشاپوری (م ۳۶۵ھ):

نام حسین بن محمد بن احمد، کنیت ابو علی ہے۔ اپنے جد علی ماسر جس کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ماسر جسی کہلاتے ہیں۔ نیشاپور کے رہنے والے باکمال حافظ حدیث اور مسند اکبر کے مصنف ہیں۔ تحصیل علم کے لئے خراسان، مصر، شام اور عراق کا سفر کیا اور اپنے دادا احمد بن محمد، ابو بکر ابن خزیمہ، ابو العباس سراج، ابن الشرقی اور بعد کے لوگوں سے حدیث کا سماع کیا۔ بکثرت احادیث لکھنے کی وجہ سے ”سفینۃ العصر“ کہلاتے تھے۔

۳۲۱ھ میں عراق گئے اور وہاں سے فراغت کے بعد دیر تک مصر میں مقیم رہے۔ پوری چھان بین کے بعد ایک ہزار تین سو اجزاء میں مسند کبیر تصنیف کی۔ جس کی ہر حدیث کے اسباب و علل پر سیر حاصل بحث فرمائی۔ علاوہ ازیں مسائل و احکام، شیوخ، مغازی اور قبائل پر مشتمل کتابیں تصنیف کیں۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی الگ الگ تخریج کی۔ لیکن جب ان کی سند کی شدت حاجت محسوس ہونے لگی تو اس سے پہلے ہی چل بے اور ان کے دفن ہونے کے ساتھ ہی علم کثیر دفن ہو کر رہ گیا۔

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا تھا انہوں نے امام مسلم کو کہتے سنا تھا کہ میں نے اپنی مسند صحیح تین لاکھ مسموع احادیث سے تصنیف کی ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں ابو علی نے زہری کی احادیث میں جو کتاب لکھی ہے اس میں ”ماہر زہریات“ امام محمد بن یحییٰ ذہلی کی کتاب پر اضافہ کیا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ ان کی مسند عام ناخین کے خط کے لحاظ سے تین ہزار اجزاء سے زیادہ ہوگی اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ اسلام میں آج تک اس سے بڑی مسند نہیں لکھی گئی۔ آپ ۲۹۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۹ رجب ۳۶۵ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور ان کی نماز جنازہ ان کے بھتیجے ابو الحسن ماسر جسی نے پڑھائی (۲۱۸)۔

۱۱۔ حافظ ابو نعیم اصفہانی (م ۴۳۰ھ):

نام و نسب:

نام احمد، کنیت ابو نعیم اور نسب نامہ یہ ہے: ”احمد بن عبد اللہ بن احمد بن موسیٰ بن وائل بن مہران۔“

ولادت:

رجب المرجب ۳۳۶ھ میں اصہبان میں پیدا ہوئے۔ ایک روایت ۳۳۴ھ کی بھی ہے۔

خاندان:

گو عجم نژاد تھے۔ تاہم ان کے خاندان کو خانوادہ نبوت سے ولاء کا شرف حاصل ہے۔ ان کے جد اعلیٰ مہران کو اس خاندان میں سب سے پہلے مسلمان ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب کے مولیٰ تھے۔ ابو نعیم کے والد عبداللہ علم و فن کے بڑے دلدادہ تھے۔ انہوں نے اپنے فرزند کو نہایت کم سنی ہی میں تحصیل علم اور سماع حدیث کے مقدس اور بابرکت مشغلہ میں لگا دیا تھا۔ چنانچہ سنہ ۳۲۴ھ میں ابو نعیم نے جب کہ سات یا آٹھ ہی سال کے تھے۔ احادیث کا باقاعدہ سماع شروع کر دیا تھا۔ ان کے نانا محمد بن یوسف بناء مشہور زاہد اور ممتاز صوفی تھے۔

ابو نعیم کے اساتذہ اور تلامذہ دونوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ انہوں نے بے شمار فضلاء سے اور بے شمار فضلاء نے ان سے استفادہ کیا۔ حافظ ذہبی ان کے چند شیوخ کے نام گنوانے کے بعد لکھتے ہیں: انہوں نے خراسان و عراق کے بے شمار لوگوں سے کسب فیض کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو جتنے اکابر شیوخ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اس سے دوسرے محدثین محروم ہیں۔

ابو نعیم کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ چھ سال کی عمر ہی میں بعض مشہور و معتبر محدثین نے تبرکاً ان کو اجازت حدیث مرحمت کر دی تھی۔ حافظ ذہبی اور علامہ ابن سبکی نے لکھا ہے کہ شام کے خیمہ بن سلیمان، بغداد کے جعفر خالیدی اور ابوسہیل بن زیاد، واسط کے عبداللہ بن عمر بن شاذب اور نیشاپور کے ابوالعباس اصم نے ان کو اجازت عطا کی تھی۔

ان حضرات کے علاوہ ابو نعیم نے مندرجہ ذیل شیوخ سے بھی روایت کی ہے۔ ابراہیم بن عبداللہ ابن العریم کوفی، ابواحمد بن عسال، ابو بحر بن کوثر، ابوبکر آجری، ابوبکر جعانی، ابوبکر بن خلاد نصیبی، ابوبکر بن یثیم بندار، ابوالشیخ بن حیان، ابوعلی بن صواف، ابوالقاسم طبرانی، ابو محمد بن فارس، احمد بن بندار، عثمان احمد بن حسن مکی، احمد بن محمد قصار، احمد بن معبد سمسار، حبیب قزاز عبداللہ بن جعفر جابری، عبداللہ بن حسن بن بندار فاروق بن عبدالکبیر خطابی۔

تلامذہ:

معاصرین و اقران کے علاوہ ان کے تلامذہ کی فہرست میں بے شمار ایسے لوگ بھی تھے جو سن و سال میں ان سے بڑے اور مدتوں پہلے فوت ہو چکے تھے۔ ابو عبد الرحمن سلمیٰ نے جو اکابر صوفیہ میں اور ابو نعیم سے معمر تھے۔ طبقات الصوفیہ میں ایک شخص کے واسطے سے ان سے روایت کی ہے۔ چند تلامذہ کے نام ملاحظہ ہوں۔ ابو بکر خطیب، ابو بکر علی دکوانی، ابو سعید مالینی، ابو صالح مؤذن، ابو علی المقری، ابو علی وحشی، ابو الفضل حمد الحداد، ابو علی حسن بن احمد جلاو، سلیمان بن ابراہیم، قای عبد السلام بن کوشیار، ابو سعد مطر، غانم، ابو بکر محمد بن ابراہیم عطار، ابو منصور محمد بن عبد اللہ شروطی، ابو سعید محمد بن محمد بن مطرز ہبۃ اللہ بن محمد شیرازی، یوسف بن حسن تفکری۔

رحلت و سفر:

ان کے شیوخ مختلف اسلامی ملکوں اور شہروں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے عراق، حجاز، خراسان، شام، بغداد، واسط، نیشاپور، مکہ، بصرہ اور کوفہ وغیرہ کا سفر کیا ہوگا۔

حفظ و ضبط اور ثقاہت:

ابو نعیم کے حفظ و ضبط اور ثقاہت و عدالت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤرخین اور ارباب سیر نے ان کو ”الحافظ المشہور“ اور الحافظ الکبیر اور من الحفاظ الثقات وغیرہ لکھا ہے۔ خطیب کا بیان ہے کہ ابو نعیم اور ابو حازم عبدوی ہی کے لیے حفظ کا لفظ مطلقاً بولا جاسکتا ہے۔ ابن مردویہ فرماتے ہیں: ”اس وقت روئے زمین پر ابو نعیم سے بڑا حافظ و مسند کوئی نہیں، وہ حافظ الدنیا ہیں“۔ ابن سبکی تحریر فرماتے ہیں کہ وہ حفظ و ضبط میں مرتبہ کمال پر فائز تھے۔ ابو نعیم صدق و ثقاہت میں بھی بلند پایہ تھے۔

حدیث میں درجہ و مرتبہ:

وہ فن حدیث میں بڑا درجہ رکھتے تھے۔ علمائے سیر نے ان کو محدث العصر اور اعلام المحدثین والرواة کے لقب سے موسوم کیا ہے۔ ابن نجار کا بیان ہے کہ وہ محدثین کے سرتاج اور اعلام دین میں تھے۔ حدیث کی جمع و روایت کی طرح اس کی معرفت و درایت میں بھی شہرت و امتیاز رکھتے تھے۔ ابن سبکی کا بیان ہے کہ ”وہ ان ممتاز لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے روایت میں علو کے ساتھ

درایت میں بھی حد کمال پر فائز کیا تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں ”وہ علو اسناد، حفظ حدیث اور جملہ فنون حدیث میں تبحر کے لحاظ سے پوری دنیا میں ممتاز تھے۔ ابن عساکر فرماتے ہیں کہ ”ابو نعیم جمع و معرفت حدیث میں یکتا اور فضائل و کمالات کا مجموعہ تھے۔“

فقہ و تصوف میں بلند پایگی:

حدیث کے علاوہ فقہ و تصوف میں بھی جامع کمالات تھے۔ تصوف و سلوک سے ان کی دلچسپی خاندانی تھی۔ ان کے نانا محمد بن یوسف مشہور اہل اللہ اور اکابر صوفیاء میں تھے۔ ابو نعیم کو بھی اس میں کمال حاصل تھا۔ اس پر ان کی شہرہ آفاق کتاب حلیۃ الاولیاء شاہد ہے۔

عقیدہ:

عقائد میں اشاعرہ کے ہمنوا تھے۔ حافظ ابن عساکر نے تبیین میں دوسرے طبقہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ وہ اشعری مذہب کی جانب شدید میلان رکھتے تھے۔

وفات:

۹۴ سال کی عمر میں محرم الحرام ۴۳۰ھ میں انتقال کیا۔

ابو نعیم نے بے شمار یادگار کتب چھوڑی ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

- | | |
|----------------------------------|------------------------------------|
| ۱۔ کتاب الاربعین | ۲۔ تثبیت الروایا |
| ۳۔ جزء فضل سورة الاخلاص | ۴۔ کتاب حرمة المساجد |
| ۵۔ رسائل مختصره | ۶۔ ریاضۃ المتعلمین یا ریاض المتعلم |
| ۷۔ کتاب الریاضۃ والادب | ۸۔ کتاب صفۃ الصفوة |
| ۹۔ کتاب الطب یا کتاب الطب النبوی | ۱۰۔ طرق حدیث |
| ۱۱۔ کتاب الفتن | ۱۲۔ کتاب فضائل الصحابہ |
| ۱۳۔ فضل السواک | ۱۴۔ کتاب الفوائد |
| ۱۵۔ کتاب المستخرج علی البخاری | ۱۶۔ حلیۃ الاولیاء (۲۱۹) |



غریب الحدیث

تعریف:

لغوی:

غریب بمعنی منفرد و اکیلا اور اجنبی و نامانوس، ”غریب“ کی جمع ”غرائب“ ہے۔ لغت میں غریب اس مسافر کو کہتے ہیں جو اپنے اقارب سے دور ہو۔ غریب بروزن کریم، غامض اور خفی کے ہم معنی ہے (۲۲۰)۔

اصطلاحی:

اصول حدیث کی اصطلاح میں ”غریب“ اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں کوئی لفظ غامض واقع ہوا ہو اور ندرت استعمال کی وجہ سے اس کے معنی سمجھ سے بعید ہوں (۲۲۱)۔

غریب الحدیث سے حدیث کے وہ دقیق و عمیق کلمات مراد ہیں جن کے معنی ظاہری طور پر مخفی ہوں۔ امام ابوسلیمان خطابی (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں: ”الغریب من الکلام انما هو الغامض، البعید من الفہم“ (۲۲۲) (کلام میں غریب وہ بات ہوتی ہے جو غامض اور بعید عن الفہم ہو)۔

غریب الحدیث کی اہمیت:

یہ بڑا اہم اور مشکل فن ہے۔ محدثین کے ہاں اس سے بے خبری ایک بڑا نقص تصور ہوتی ہے۔ لیکن اس میں غوطہ زنی بہت مشکل کام ہے۔ اس لیے اس میدان میں قدم رکھنے والے کو بہت سوچ بچار سے کام لینا چاہیے اور خدا سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں محض اپنے وہم و گمان کے سہارے نبی ﷺ کے کلام کی تفسیر کا اقدام نہ کر بیٹھے۔ اسی لیے محدثین ایسا قدم اٹھانے سے پہلے بہت زیادہ

سوچ و بچار کیا کرتے تھے۔ بعض محدثین کا ذوق ایسے مضامین اور الفاظ خاص کی تلاش رہا ہے جو اپنی ندرت اور غرابت میں ہر ایک کی رسائی میں نہ ہوں۔ اگر باب میں صرف وہی علمائے فن آگے بڑھ سکے جن کو طلب حدیث میں خصوصی شغف اور خاص انہماک رہا۔

رسول اکرم ﷺ فصیح العرب تھے۔ مختلف قبائل کے وفود جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ﷺ ان سے خطاب فرماتے اور وہ آپ ﷺ کی باتوں کو اچھی طرح سے سمجھتے تھے۔ اصحاب رسول ﷺ بھی آپ ﷺ کے ارشادات کو بخوبی سمجھتے تھے۔ اگر کسی بات کو نہ سمجھ پاتے تو آپ ﷺ سے پوچھ لیتے۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات تک معاملہ یونہی چلتا رہا۔ عصر صحابہ رضی اللہ عنہم میں عربی زبان بالکل خالص اور غیر مخلوط تھی۔ اس میں عجمیت کا شائبہ تک نہ تھا۔ جب اسلامی فتوحات میں وسعت آئی اور عجمی اقوام جو درجہ شرف باسلام ہو کر عربوں میں گھل مل گئیں تو باہم شادیاں ہونے کی وجہ سے ایک نئی قوم معرض وجود میں آئی اس قوم کی زبان میں عجمیت کی ملاوٹ تھی۔ لہذا ان لوگوں کو خطاب کرنے کے لئے ایسی زبان کا سیکھنا ناگزیر ہو گیا جو ان کے مناسب حال ہو۔ بعد ازاں تابعین بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر رواں دواں رہے مگر عربی زبان رفتہ رفتہ عجمیت کی طرف بڑھتی چلی گئی اور عصر تابعین میں ہی یہ عربی سے عجمی میں تبدیل ہو گئی (۲۲۳)۔ اب حالت یہ ہو گئی کہ لوگوں کے لیے حدیث نبوی ﷺ کے بعض الفاظ کا سمجھنا دشوار ہو گیا۔

غریب الحدیث کے کام کا آغاز و ارتقاء:

تابعین نے غریب الحدیث کے موضوع پر کام کیا۔ ابتدائی محدثین میں امام مالک بن انس رحمہ اللہ، سفیان ثوری رحمہ اللہ اور شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ پھر مسلسل اس موضوع پر کام کرنے کا سلسلہ جاری ہو گیا اور علما مشکل الفاظ کے معنی بیان کرتے رہے۔ اس ضمن میں انہوں نے بڑی بڑی کتابیں لکھیں جو بعد میں آنے والوں کے لیے بڑی کارآمد ثابت ہوئیں۔ اگر یہ آئمہ اعلام جانفشانی اور عرق ریزی سے کام نہ لیتے تو آج ہم احادیث نبویہ کے عظیم ذخیرہ سے استفادہ نہ کر سکتے۔ غریب الحدیث کی تلاش اور روایت کسی کمزوری کی بات نہیں بلکہ یہ وہ باب کمال ہے جو اس فن کے متوالوں کو ہی نصیب ہوتا ہے اور اس کا ذوق وہ شان علم ہے جو اس فن کے اونچے علما ہی کو میسر آتا ہے۔

اس فن کی اہمیت کی بنا پر وقتاً فوقتاً علمائے محدثین نے جو خدمات انجام دیں ہیں اس کا مختصر تاریخی جائزہ یہ ہے:

- ۱۔ ابوالحسن النضر بن شمیل المازنی نحوی (م ۲۰۳ھ) (۲۲۲) تقدم زمانہ کی وجہ سے بعض لوگ اسے غریب الحدیث پر لکھنے والا پہلا مصنف شمار کرتے ہیں (۲۲۵)۔
- ۲۔ ابوعلی محمد بن احمد المستنیر القطرب (م ۲۰۶ھ) نے غریب الحدیث پر ایک کتاب ”غریب الآثار“ کے نام سے مرتب کی ہے (۲۲۶)۔
- ۳۔ ابو عبیدہ معمر بن ثنی النبی (م ۲۱۰ھ) نے بھی غریب الحدیث پر ایک مختصر کتاب لکھی بعض اصحاب السیر و سوانح نگار اسے فن غریب الحدیث کا مؤسس تصور کرتے ہیں (۲۲۷)۔
- ۴۔ عبد الملک بن قریب الصمعی (م ۲۱۳ھ) نے اس موضوع پر عمدہ کتاب لکھی (۲۲۸)۔ بقول محمد عبدالعزیز الخولی ان کی کتاب اصلاً ابو عبیدہ معمر بن ثنی کی کتاب پر کچھ اضافہ ہے (۲۲۹)۔
- ۵۔ ابو عبیدہ قاسم بن سلام (م ۲۲۲ھ) نے اس موضوع پر عمدہ کتاب لکھی۔ جس کا نام ہی غریب الحدیث ہے۔
- ۶۔ عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری (م ۲۷۶ھ) نے بھی ابو عبیدہ القاسم بن سلام کی تالیف غریب الحدیث پر حواشی لکھے (۲۳۰)۔
- ۷۔ امام ابراہیم بن اسحاق الحرابی (م ۲۸۵ھ) نے فن غریب الحدیث پر ایک کتاب پانچ جلدوں میں لکھی ہے۔ اس میں متون و اسانید کے ذکر میں بڑی طوالت سے کام لیا ہے (۲۳۱)۔
- ۸۔ ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب الخطابی البستی (م ۳۸۸ھ) نے غریب الحدیث کے نام سے مشہور کتاب تصنیف کی جو کہ کتب غرائب کی امہات میں شمار ہوتی ہے (۲۳۲)۔
- ۹۔ ابو عبیدہ احمد بن محمد اللہروی (م ۴۰۱ھ) نے بھی غریب الحدیث پر ”غریبین“ کے نام سے ایک کتاب لکھی جسے حروف تہجی کے حساب سے مرتب کیا ہے (۲۳۳)۔
- ۱۰۔ الشریف الرضی محمد بن حسین (م ۴۰۶ھ) نے بھی ”المجازات النبویہ“ کے نام سے غریب الحدیث پر کتاب مرتب کی ہے (۲۳۴)۔

۱۱۔ ابوالقاسم جارا اللہ محمود بن عمر الزمخشری (م ۵۳۸ھ) نے ”الفاقی فی غریب الحدیث“ کے نام سے ایک کتاب لکھی (۲۳۵)۔

۱۲۔ ابوموسیٰ محمد بن ابی بکر اشعری مدینی (م ۵۸۱ھ) نے بھی ہروی کے انداز پر ایک کتاب مرتب کر کے اسے (المجموع المغیث فی غریب القرآن والحديث) کا نام دیا ہے جو کہ ہروی کی کتاب کے متمات و مکملات میں سے ہے (۲۳۶)۔ دارالمدنی جدہ والوں نے عمدہ طریقے سے شائع کی ہے۔

۱۳۔ ابوالفرج عبدالرحمن بن الجوزی (م ۵۹۷ھ) صاحب التصانیف الکثیرہ نے بھی غریب الحدیث پر عمدہ کتاب مرتب کی ہے۔ کتاب کی ترتیب میں الہروی کا اسلوب و منہج اختیار کیا ہے۔

۱۴۔ ابوالسعادات مبارک بن محمد بن شیبانی المعروف ابن الاثیر (م ۶۰۶ھ) نے بھی غریب الحدیث پر ”النهاية فی غریب الحدیث“ کے نام سے کتاب مرتب کی ہے (۲۳۷)۔

۱۵۔ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی کتاب ”الدر النیر فی تلخیص نہایۃ ابن الاثیر“ یہ نہایہ ابن الاثیر کا خلاصہ ہے (۲۳۸)۔

۱۶۔ طاہر پٹنی گجراتی (م ۹۸۶ھ) نے بھی غریب القرآن والحدیث پر مشہور کتاب لکھی جس کا نام ”مجمع بحار الانوار فی غرائب التزیل و لطائف الاخبار“ ہے (۲۳۹)۔

۱۷۔ وحید الزمان بن مسیح الزمان (م ۱۳۳۸ھ) نے لغات الحدیث لکھی (۲۴۰)۔

مختصر حالات محدثین و کتب غریب الحدیث:

۱۔ ابوالحسن النضر بن شمیم مازنی نحوی (م ۲۰۳ھ):

ابوالحسن النضر بن شمیم مازنی نحوی تقریباً ۱۲۲ھ کو پیدا ہوئے (۲۴۱)۔ تیسری صدی کے محدثین میں سے ہیں۔ آپ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ ممتاز حافظ حدیث ہیں لغت کے ماہر اور اہل مرو کے عالم ہیں (۲۴۲)۔

احمد بن سعید داری کہتے ہیں میں نے ان سے سنا فرماتے تھے: ”مجھے میرے والد ۵ یا ۶ برس کی عمر میں مرو روز سے بصرہ لے آئے تھے۔ یہ سنہ ۱۲۸ھ کا واقعہ ہے اور اس وقت ابو مسلم خراسانی کا فتنہ عروج پر تھا“ (۲۴۳)۔ آپ ہشام بن عروہ، حمید الطویل، اسماعیل بن ابی خالد، ابن عون، ہشام

بن حسان، کوفہ اور بصرہ کے دوسرے بہت سے محدثین سے روایت کرتے ہیں اور ان سے یحییٰ بن معین، اسحاق بن راہویہ، اسحاق الکونج، محمد بن رافع، احمد بن سعید دارمی اور دوسرے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے (۲۴۴)۔

ابو حاتم کہتے ہیں آپ ثقہ اور متبع سنت ہیں (۲۴۵)۔ عبداللہ بن مبارک سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا یکتائے زمانہ لوگوں میں سے ہے (۲۴۶)۔ عباس بن مصعب کہتے ہیں آپ لغت عرب اور حدیث دانی میں امام تھے۔ مرو اور خراسان میں سب سے پہلے علم حدیث کی بنیاد انہوں نے ڈالی (۲۴۷)۔ امام شعبہ سے، سب سے زیادہ حدیث روایت کرنے والوں میں سے تھے (۲۴۸)۔ انہوں نے اتنی کثیر تعداد میں مفید کتب لکھیں کہ ان سے پہلے کسی نے اتنی تعداد میں مفید کتابیں تصنیف نہیں کیں (۲۴۹)۔ مرو کے منصب قضاء پر فائز رہے (۲۵۰)۔ احمد دارمی کہتے ہیں میں نے نصر سے سنا ہے فرماتے تھے کتاب الحیل میں ایسے مسئلے ہیں جن پر کفر لازم آتا ہے (۲۵۱)۔

داؤد بن مخراق کہتے ہیں میں نے نصر بن شمیل سے سنا ہے فرماتے تھے جب تک آدمی طلب علم میں بھوکا ہو کر اپنی بھوک کو نہ بھولے علم کی لذت حاصل نہیں کر سکتا (۲۵۲)۔ بعض کا خیال ہے کہ نصر بن شمیل فن حدیث کے محدثین میں سے ہیں۔ ان کی کتاب ”غریب الحدیث“ بہت عمدہ طریقے سے لکھی گئی۔ امام نصر بن شمیل خراسان کے شہر مرو میں ۲۰۳ھ میں فوت ہوئے (۲۵۳)۔

۲۔ محمد بن احمد المستنیر المعروف قطرب (م ۲۰۶ھ):

مشہور نحوی اور لغوی ابو علی محمد بن احمد المستنیر قطرب کے نام سے معروف ہیں (۲۵۴)۔ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ علم نحو کا درس مشہور نحوی سیبویہ سے حاصل کیا (۲۵۵)۔ مسلک معتزلہ کے اصول مشہور و معروف معتزلی نظام سے سیکھے۔ آپ کے علمی آثار و خدمات میں سے کتاب ”غریب الآثار“ ہے (۲۵۶) جو کہ حدیث کے مشکل الفاظ و غموضات کو حل کرنے کے لیے بہترین تحفہ سمجھا جاتا ہے۔ قطرب ابودلف القاسم بن عیسیٰ کے بچوں کا اتالیق تھا۔ وہ المامون اور المعتصم دونوں کے زمانے میں پڑھاتا رہا اور یوں اسے مسجد میں خطبہ و وعظ کی اجازت مل گئی۔ جہاں وہ اپنے ملحدانہ عقائد کی تلقین و اشاعت کرتا۔ وہ معتزلی عقیدے کے مطابق قرآن مجید کی اپنی تحریر کردہ تفسیر کو پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ جہاں تک لغت کا تعلق ہے اس کی سند تسلیم کرنے میں اختلاف ہے پھر بھی ابن خلکان نے لکھا ہے کہ قطرب پہلا شخص ہے جس نے لغت میں مثلث کو ایجاد کیا (۲۵۷)۔ ایسے ہم شکل عربی الفاظ جمع کیے ہیں جن کے شروع حرف کی حرکت بدل دینے سے معنی بدل جاتے ہیں۔ یہ کتاب

”مثلثات قطرب“ راقم الحروف کی تحقیق سے پنجاب یونیورسٹی کے مجلہ میں شائع ہوئی ہے۔ ان بیس تصنیفات میں سے جو اس سے منسوب ہیں ہمیں صرف مندرجہ ذیل کا علم ہے:

- ۱۔ کتاب المثلث (مثلثات قطرب) ۲۔ کتاب الاضداد
- ۳۔ کتاب ماخالف فیہ الانسان البھیمہ ۴۔ کتاب الازمنہ
- ۵۔ معانی القرآن ۶۔ کتاب القوائی
- ۷۔ کتاب فعل وافعل ۸۔ کتاب النوادر
- ۹۔ کتاب الھمز (وفیات الاعیان کے ولی الدین کے نسخہ میں ”کتاب الھمزہ“ ہے۔
- ۱۰۔ کتاب الاصوات ۱۱۔ کتاب الفرق
- ۱۲۔ کتاب الاشتقاق ۱۳۔ کتاب الصفات
- ۱۴۔ کتاب العلل ۱۵۔ کتاب خلق الفردوس
- ۱۶۔ کتاب الرد علی الملحدین (۲۵۸)

انہوں نے ۲۰۶ھ میں وفات پائی (۲۵۹)۔

۳۔ ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ تمیمی بصری (م ۲۱۰ھ):

(i) حالات زندگی:

آپ بصرہ کے رہنے والے لغت کے امام ہیں آپ کا حافظہ بڑا قوی تھا، بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں (۲۶۰)۔ آپ ۱۱۰ھ میں جس رات پیدا ہوئے اسی رات حسن بصری کا انتقال ہوا۔ آپ کے اساتذہ میں ہشام بن عروہ، رؤبہ بن حجاج، ابو عمرو بن العلاء شامل تھے (۲۶۱)۔ شاگردوں میں علی بن المدینی، ابو عبیدہ قاسم بن سلام، ابو عثمان مازنی، عمر بن شبہ، علی بن المغیرہ الاثرم اور ابو العینا شامل ہیں (۲۶۲)۔

یہ محدث نہیں ہیں سبقتِ قلم سے ان کا نام محدثین میں درج ہو گیا ہے (۲۶۳)۔ جاحظ کہتے ہیں خوارج اور غیر خوارج میں تمام علوم پر ابو عبیدہ سے زیادہ عبور رکھنے والا کوئی نہیں (۲۶۵)۔ امام ذہبی کہتے ہیں مجھے اپنی سند سے ان کے ذریعے فرزدق کا یہ قول پہنچا ہے: ”میں حج کرنے جا رہا تھا کہ راستہ میں ذات عرق کے مقام پر بہت سے خیمے نظر آئے میں نے پوچھا یہ خیمے کس کے ہیں؟ لوگوں نے بتایا یہ جناب حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے خیمے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو پوچھنے لگے تم

کوفہ سے آرہے ہو بتاؤ وہاں کے حالات کیسے ہیں؟ میں نے عرض کیا: ”لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں اور ان کی تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں“ (۲۶۶)۔

یعقوب بن شیبہ محدث فرماتے ہیں: ”میں نے علی بن مدینی کو ابو عبیدہ کا ذکر اچھائی سے کرتے ہوئے سنا“ (۲۶۷)۔ یحییٰ بن معین ابو عبیدہ کی روایات کو قبول کرتے تھے (۲۶۸)۔ ان کی دو سو سے زائد کتب ہیں جن میں سے درج ذیل مشہور ہیں:

- ۱۔ مجاز القرآن ۲۔ کتاب غریب الحدیث
- ۳۔ کتاب مقتل عثمان ۴۔ کتاب اخبار الحجاج (۲۶۹)۔
- آپ ۲۱۰ھ میں فوت ہوئے (۲۷۰)۔

(ii) کتاب غریب الحدیث:

غریب الحدیث پر ابو عبیدہ معمر بن ثنی تمیمی بصری نے ایک مختصر کتاب لکھی۔ اس کتاب کے مختصر ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ اس سے زیادہ معلومات ان کے پاس موجود نہ تھیں بلکہ اس لیے کہ کسی کام کا آغاز کرنے والا پہلے معمولی پیمانے پر اس کام کو شروع کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اس زمانے کے لوگ اکثر الفاظ کو جانتے تھے۔ اس لئے موصوف نے انہی الفاظ کی وضاحت کی جو لوگوں کو معلوم نہ تھے (۲۷۱)۔

۴۔ عبد الملک بن قریب اصمعی (م ۲۱۶ھ):

(i) حالات زندگی:

ابو سعید عبد الملک بن قریب ادب میں حجت اور عربی زبان کے ماہر تھے (۲۷۲)۔ آپ ۱۲۲ یا ۱۲۳ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی جائے پیدائش ”مرو“ بھی بیان کی گئی ہے (۲۷۳)۔ آپ نے ابن عون سلیمان بن اسیحی، ابو عمرو بن العلاء اور قرۃ بن خالد وغیرہ سے احادیث روایت کی ہیں اور آپ سے ابو عبیدہ، یحییٰ بن معین اور سلمہ بن عاصم، زکریا بن یحییٰ المنقری اور عمر بن شبہ وغیرہ نے احادیث روایت کی ہیں (۲۷۴)۔ اور عباس الدوري یحییٰ ابن معین سے اور یحییٰ ابن معین، اصمعی سے روایت کرتے ہیں آپ نے کہا مجھ سے مالک بن انس نے بھی روایت کیا ہے (۲۷۵) اور علم حدیث کے متعلق احمد بن حنبل نے اس کی تعریف کی ہے (۲۷۶) اصمعی کہتا ہے شعبہ نے مجھ سے کہا اگر میں فارغ ہوتا تو آپ کے پاس آتا (۲۷۷)۔ آپ ۲۱۶ھ میں فوت ہوئے (۲۷۸)۔

عبدالملک بن قریب اصمعی نے غریب الحدیث پر کتاب لکھی۔ یہ ابو عبیدہ کے زمانے میں تھے۔ انہوں نے اس کے بعد کتاب غریب الحدیث پر لکھی وہ بہت عمدہ کتاب ہے۔ وہ بھی ابو عبیدہ معمر بن ثنی کی کتاب پر کچھ اضافہ ہے (۲۷۹)۔

۵۔ ابو عبیدہ القاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ):

(i) حالات زندگی:

آپ سمندر جیسا علم رکھنے والے فقیہ اور مجتہد تھے۔ لغت کے امام اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے (۲۸۰)۔ آپ ۱۵۷ھ میں پیدا ہوئے (۲۸۱)۔ اسماعیل بن جعفر، شریک قاضی، یثیم، ابن عیینہ، عباد بن عوام اور ان کے طبقہ سے حدیث کا سماع کیا۔ ان کے بعد ہشام بن عمار اور ان جیسے دوسرے نچلے طبقے کے لوگوں سے بھی روایت کرتے ہیں (۲۸۲) ان سے دارمی، ابوبکر بن ابی الدنیا، علی بن عبدالعزیز، حارث بن ابی اسامہ، محمد بن یحییٰ مروزی اور دوسرے لوگ مستفید ہوئے (۲۸۳)۔ آپ ہرات میں پیدا ہوئے اور ان کے والد رومی تھے (۲۸۴)۔

امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں ”اللہ تعالیٰ صداقت کو دوست رکھتا ہے۔ ابو عبیدہ مجھ سے زیادہ عالم اور زیادہ فقیہ ہیں۔“ یہ بھی فرمایا: ”ہم ابو عبیدہ کے محتاج ہیں لیکن ابو عبیدہ کو ہماری حاجت نہیں“ (۲۸۵)۔ امام احمد فرماتے ہیں ”ابو عبیدہ استاد ہیں ان کی خیر و برکت میں ہر روز اضافہ ہو رہا ہے“ (۲۸۶)۔ امام یحییٰ سے ان کے متعلق پوچھا گیا تو بولے تعجب ہے ابو عبیدہ جیسے آدمی کے بارے میں لوگوں سے پوچھا جاتا ہے (۲۸۷)۔ ابوداؤد کہتے ہیں آپ ثقہ اور مامون ہیں (۲۸۸)۔

امام ذہبی فرماتے ہیں میں کہتا ہوں جو شخص ابو عبیدہ کی کتابوں کا مطالعہ کرے گا اسے علم اور حفظ میں ان کے مقام کا اچھی طرح سے اندازہ ہو جائے گا۔ وہ حدیث کے حافظ اور اس کے علل کو جاننے والے تھے۔ علم لغت کے ماہر اور علم تجوید کے امام تھے۔ اس فن میں انہوں نے ایک تصنیف بھی چھوڑی ہے۔ دیر تک سرحدی علاقوں میں قاضی رہے۔ آپ ۲۲۴ھ کو مکہ معظمہ میں فوت ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں ”کتاب الاموال“ اور ”کتاب النسخ والمسنوخ“ ملتی ہیں (۲۸۹)۔

(ii) کتاب غریب الحدیث:

ابو عبیدہ نے مذکورہ علما کے بعد اس موضوع پر نہایت مفید کتاب لکھی۔ جس کو بعد میں آنے

والے علمائے مرجع و ماخذ قرار دیا۔ کہا جاتا ہے کہ موصوف نے اس کتاب کی ترتیب میں اپنی ساری عمر کھپا دی۔ چالیس سال اس کی تالیف و ترتیب میں لگے رہے (۲۹۰)۔

مؤلف نے اس کتاب کو مسانید کے اعتبار سے ترتیب دی ہے اور احادیث کو سند کے ساتھ پیش کیا ہے اس کے بعد احادیث کے غوامض کی تشریح قرآن و سنت اور کلام العرب کے استشہاد کے ساتھ پیش کیا ہے (۲۹۱)۔ ابو عبید لوگوں سے زبانی معلومات لیتے تھے پھر بن کو کتاب میں درج کرتے تھے (۲۹۲)۔ اس کتاب کا مقدمہ نہیں ہے۔ مختصر خطبہ ہے شروع میں اس کتاب کی ابتداء میں سلسلہ سند مصنف تک ذکر کیا گیا ہے اور حدیث ”زویت لی الارض فأريت مشارقها ومغاربها وسیبلغ ملک امتی ما زوی لی منها“ کے بعد لفظ ”زوی“ کے معنی اور اس لفظ کے متعلق اقوال، دوسری احادیث سے تشریح کی ہے۔ نیز الاغشی کا ایک شعر بطور شاہد پیش کیا ہے (۲۹۳)۔ بعض جگہوں پر حدیث کے صرف لفظ کی تشریح کرنے پر اکتفا کیا ہے مثلاً فالعج: رفع الصوت بالتلبية، والشج: سیلان دمء الہدی (۲۹۴)۔ بعض مقام پر حدیث کی تشریح کرنے کے بعد آیت بھی پیش کرتے ہیں مثلاً

حدیث: انه کان یصلی ولجوفه أزیز کأزیز المرجل من البكاء“ قوله أزیز. یعنی غلیان جوفه بالبكاء والاصل فی الأزیز الا لتهاب والحركة، وکان قوله ”انا ارسلنا الشیاطین علی الکافرین توڑھم اڑا“ ومن هذا. ای تدفعهم وتسوقهم وهو من التحریک (۲۹۵)۔

۶۔ عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری (م ۲۷۶ھ):

(i) حالات زندگی:

مشہور محدث ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری ۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے تھے (۲۹۶)۔ بعض علما آپ کو مرو کے شہر کی جانب منسوب کر کے مروزی کہتے ہیں۔ آپ کتاب المعارف اور کتاب ادب الکاتب کے مصنف ہیں (۲۹۷)۔ آپ بڑے فاضل اور ثقہ آدمی تھے (۲۹۸)۔ بغداد میں سکونت پذیر رہ کر اسحاق بن راہویہ و ابو اسحاق ابراہیم زیادوی و ابو حاتم بستانی اور اس طبقہ کے دیگر علما سے حدیث کا درس لیا (۲۹۹)۔ ابن قتیبہ سے ان کے بیٹے ابو جعفر احمد فقیہ نے حدیثیں روایت کیں (۳۰۰) جو ۳۲۱ھ میں عازم مصر ہو کر منصب قضاء پر فائز ہوئے تھے۔ مذکورہ دو کتابوں کے علاوہ ابن قتیبہ نے مندرجہ ذیل کتب تصانیف کیں جو نہایت مفید ہیں۔

تصانیف:

- | | | | |
|------|------------------------|------|--------------------------------|
| (۱) | غریب القرآن | (۲) | غریب الحدیث |
| (۳) | عیون الاخبار | (۴) | مشکل القرآن |
| (۵) | مشکل الحدیث | (۶) | طبقات الشعراء |
| (۷) | کتاب الاثریہ | (۸) | کتاب اصلاح الفاظ |
| (۹) | کتاب التقیہ | (۱۰) | کتاب النخیل |
| (۱۱) | کتاب اعراب القرآن | (۱۲) | کتاب الانواء |
| (۱۳) | کتاب المسائل والجوابات | (۱۴) | کتاب المیسر والقدر وغیرہ (۳۰۱) |

ابن قتیبہ تمام زندگی بغداد میں رہ کر اپنی تصانیف پڑھاتے رہے (۳۰۲)۔ بعض علما کے نزدیک ابن قتیبہ کے والد مرو کے رہنے والے تھے مگر ابن قتیبہ بغداد میں اور بعض کے قول کے مطابق کوفہ میں پیدا ہوئے (۳۰۳)۔ چونکہ ابن قتیبہ دینور کے شہر میں عرصہ تک قاضی رہے تھے اس لیے دینوری مشہور ہوئے (۳۰۴)۔

ابن قتیبہ کا میلان احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کے فقہی مسلک کی طرف ہے۔ کتاب التحدیث کے مصنف ابن قتیبہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”وہ عظیم امام محدث اور فقیہ تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ بہترین مصنف و مؤلف بھی تھے۔ ان کی تصانیف تین سو کے لگ بھگ ہیں۔ آپ امام احمد بن حنبل اور اسحاق کے فقہی مسلک کی جانب مائل تھے۔“

اہل مغرب آپ کی بہت تعظیم کرتے اور کہتے ہیں کہ ”جو شخص ابن قتیبہ کی غیبت کو جائز سمجھتا ہے وہ زندیق ہے“ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ”جس گھر میں ابن قتیبہ کی کوئی تصنیف موجود نہیں وہ خیر و برکت سے محروم ہے۔“

خطیب بغدادی فرماتے ہیں: ”ابن قتیبہ نہایت ثقہ دین دار اور فاضل تھے۔“ آپ نے راجح قول کے مطابق ماہ رجب ۲۷۶ھ میں وفات پائی (۳۰۵)۔

(ii) کتاب غریب الحدیث:

ان کی کتاب کو غریب الحدیث میں ماخذ کی حیثیت حاصل رہی۔ ابن قتیبہ اس کتاب میں ابو عبید قاسم بن سلام کی ہموار کردہ راہ پر گامزن رہے (۳۰۶)۔ ابو عبید کی کتاب سے صرف وہی چیز اخذ

کی جس کی شدید ضرورت تھی مثلاً کہیں شرح کا اضافہ کیا یا لفظ کی وضاحت کر دی۔ ابن قتیبہ کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں: ”میرا خیال ہے کہ ان دو کتابوں کے بعد غریب الحدیث کے بارے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہے گی“ (۳۰۷)۔

مصنف نے اس کتاب کو ابو عبید کی غریب الحدیث کے بعد تحریر کیا ہے اور جس الفاظ کو ابو عبید نے ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ جو انہوں نے چھوڑا ہے ان الفاظ کو جمع کیا ہے۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے ”میں عرصے سے ابو عبید کی غریب الحدیث کو اس فن میں کافی سمجھتا تھا۔ لیکن جب میں نے وقت نظر سے دیکھا اور پرکھا تو معلوم ہوا جتنا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ اتنا یا اس سے زیادہ رہ گیا ہے۔ اس پر میں نے الفاظ کے مشتقات، مصادر اور اشعار سے شواہد کے ساتھ عرب کے واقعات اور مثالوں، سلف صالحین کے اقوال اور ان کے الفاظ حدیث پر اعراب وغیرہ شامل کر کے اس کو جمع کیا ہے“ (۳۰۸)۔

اور کتاب کا منہج یہ ہے۔

۱۔ مصنف نے اس کتاب کو پہلے فقہی ابواب الوضوء، الصلوٰۃ، الزکوٰۃ، الاذان، الصیام، العتاق اور الطلاق وغیرہ کی ترتیب سے لکھا ہے اور ان ابواب کے الفاظ کی تشریح کی ہے۔ تشریح میں اقوال، قرآنی آیات حدیث اور اشعار کو استشہاد میں بیان کیا ہے۔ مثلاً وضو کے بارے میں لکھتے ہیں یہ نماز کے لیے کیا جاتا ہے۔ لفظ وضو وضاء سے ہے جس کے معنی صفائی اور خوبصورتی کے ہیں۔ اسی سے کہا جاتا ہے ”فلان وضیء الوجه“ (یعنی فلاں صاف، خوبصورت چہرہ والا ہے)۔ گویا منہ دھونے والا وضاء سے ہے یعنی پانی سے چہرہ صاف کیا اور اس کو خوبصورت بنایا۔ جس نے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء سے کوئی عضو یا پرانگندہ بالوں کو پانی سے ٹھیک کیا تو وہ بھی وضاء ہے (۳۰۹)۔

۲۔ پھر قرآن کی سورتوں اور حزبوں کے بارے میں وارد احادیث کی الفاظ کی تشریح کی ہے۔ فرقان کے بارے میں لکھا ہے۔ یہ قرآن حق و باطل اور مومن و کافر کے درمیان فرق کرنے والی ہے اور اسے قرآن اس لیے بھی کہا گیا ہے کیونکہ اس میں تمام سورتیں جمع ہیں (۳۱۰)۔

۳۔ قرآن میں وارد کافروں، ظالموں، فاسقوں، منافقوں، فاجروں اور ملحدوں کے بارے میں احادیث کے الفاظ کی تشریح کی ہے اور ان اسما کا ماخذ بیان کیا ہے۔ کافر کی لغوی تشریح میں لکھتے ہیں ”کفرت الشیء“ سے کسی چیز کو ڈھانپنا ہے۔ اسی سے کہا جاتا ہے ”تکفر فلان فی السلاح“ جب اسلحہ اٹھائے۔ رات کو بھی کافر کہتے ہیں کیونکہ رات ہر چیز کو چھپا لیتی ہے (۳۱۱)۔

۴۔ پھر باطل ادیان رافضی، مرجیہ، قدریہ اور خوارج کی لغوی تشریح کی ہے۔

مرجہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ”مرجیہ ہمزہ اور بغیر ہمزہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یہ ”رحبیت الشیء“ سے ہے اور ”ارجاءة“ اس وقت بولا جاتا ہے جب آپ تاخیر کریں۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ”ترجی من تشاء منهن“ (۳۱۲)۔ یہ نام اس لیے رکھا کہ ان کا خیال ہے ایمان صرف زبان سے اقرار کرنا ہے عمل کا کوئی دخل نہیں (۳۱۳)۔

۵۔ اس طرح ان احادیث رسول ﷺ کے الفاظ کی تشریح کی ہے جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین یا ان کے بعد آنے والوں کے مطابق تناقص و تعارض ہے (۳۱۴)۔ کتاب کے آخر میں ان احادیث کو ذکر کیا ہے جو کسی کی طرف منسوب نہ تھیں انہیں اہل لغت نے ذکر کیا ہے لیکن اس کا مرجع معلوم نہیں (۳۱۵)۔

۷۔ امام ابراہیم الحربی (م ۲۸۵ھ):

(i) حالاتِ زندگی:

ابو اسحاق ابراہیم بن اسحاق بغداد کے رہنے والے نامور حافظِ حدیث اور چوٹی کے عالم ہیں (۳۱۶)۔ آپ ۱۹۸ھ میں پیدا ہوئے (۳۱۷)۔ انہوں نے ابو نعیم، ہوزہ بن خلیفہ، عفان، عبد اللہ بن صالح عجل، ابو عبید، مسدد اور ان کے طبقہ سے حدیث کا سماع کیا (۳۱۸)۔ امام احمد سے فقہ کا علم حاصل کیا (۳۱۹) بلکہ آپ ان کے کبار تلامذہ میں سے ہیں اور ان سے ابنِ صاعد، ابو بکر نجاد، ابو بکر شافعی، عمر بن جعفر ختلی، عبد الرحمن بن عباس اور دوسرے لوگ مستفید ہوئے (۳۲۰)۔

ابو خطیب کہتے ہیں: ”آپ علم میں امام اور زہد میں سرکردہ تھے فقہ کو جاننے والے اور احکام میں صاحبِ بصیرت تھے۔ حدیث کے بلند پایہ حافظ اور اس کی علل کے ماہر تھے۔ فنونِ ادب کو ضبط کرنے والے اور لغت کے جامع تھے“ (۳۲۱)۔ ثعلب کہتے ہیں: ”میں پچاس سال سے جانتا ہوں کہ ابراہیم حربی لغت اور نحو کی کسی مجلس سے غیر حاضر نہیں رہے“ (۳۲۲)۔ سلمیٰ کہتے ہیں: میں نے ابراہیم حربی کے متعلق امام دارقطنی سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ان کو زہد و علم میں امام احمد کے ہم پلہ سمجھا جاتا تھا (۳۲۳)۔ کہتے ہیں ایک دفعہ خلیفہ معتضد باللہ نے امام حربی کی خدمت میں دس ہزار درہم بھیجے مگر انہوں نے واپس کر دیے۔ پھر ایک دفعہ ایک ہزار دینار بھیجے۔ وہ بھی واپس کر دیے اور لینے سے انکار کر دیا۔ خود ابراہیم کا اپنا بیان ہے کہ میں کبھی کوئی شعر نہیں پڑھتا مگر اس کے بعد تین دفعہ قتل ہو اللہ احد پڑھتا ہوں (۳۲۴)۔ عبد اللہ بن امام احمد کہتے ہیں: مجھ سے میرے والد نے کہا: ”ابراہیم

حربی کی خدمت میں جاؤ تاکہ وہ تمہیں فرائض کی تعلیم دیں“ (۳۲۵)۔ امام حاکم کہتے ہیں: ”میں نے محمد بن صالح قاضی سے سنا ہے فرماتے تھے۔ بغداد نے فقہ، حدیث، ادب اور زہد میں ابراہیم حربی جیسا کوئی آدمی پیدا نہیں کیا یعنی یہ ان تمام فنون میں ماہر تھے“ (۳۲۶)۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: ”یہ ہر علم میں ماہر اور راست گو امام ہیں (۳۲۷)۔ آپ نے ذی الحجہ ۲۸۵ھ میں وفات پائی۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں (۳۲۸)۔

امام ذہبی فرماتے ہیں: غیلانیات میں ان کی روایت کے مطابق اپنی سند سے مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ملی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: حاصل نہ ہونے والی چیز کے ساتھ اپنے آپ کو بہرہ ور ظاہر کرنے والا جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہے (۳۲۹)۔

(ii) کتاب غریب الحدیث:

آپ نے بھی اس فن پر ایک کتاب لکھی جس کا نام غریب الحدیث ہے۔ اس کتاب میں شرح وسط کے ساتھ گفتگو کی ہے اور غریب الحدیث پر مشتمل احادیث کا استیعاب کیا ہے۔ متون و اسانید کے ذکر و بیان میں بڑی طوالت سے کام لیا ہے (۳۳۰)۔

اس کتاب کے اصل نسخے کی پانچویں جلد جامعۃ ام القری کو میسر آئی تو اس کی تحقیق ڈاکٹر سلیمان بن ابراہیم بن محمد العائد نے کی ہے۔ بقول محقق اس کتاب کی صرف پانچویں جلد میسر آئی ہے باقی اجزاء مفقود ہیں۔ اسی جلد سے محقق نے یہ معلوم کر لیا ہے کہ مصنف نے اس کی ترتیب و تنظیم میں کون سی ممج اور خطہ سازی اختیار کی ہے (۳۳۱)۔ یہ کتاب مؤرخین کے ہاں معروف ہے اور وہ اس بات کے بھی معترف ہیں کہ غریب الحدیث کے باب میں بے مثال کتاب ہے (۳۳۲)۔ ابن الاثیر اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں: ”و جمع کتابہ المشہور فی غریب الحدیث، وهو کتاب کبیر ذو مجلدات عدۃ، جمع فیہ وبسط القول وشرح، واستقصی الاحادیث بطرق اسانیدھا، واطالہ بذکر متونها والفاظھا، وان لم یکن فیہا الا کلمۃ واحده غریبۃ (۳۳۳) (ان کی مشہور تصنیف غریب الحدیث ہے۔ جو بہت بڑی کتاب ہے اور کئی جلدوں میں ہے۔ اس میں اقوال کو جمع کیا اور تشریح و توضیح کی اور ان احادیث کی سندوں کے تمام طرق بیان کیے اور اس کتاب میں ایسے متون والفاظ بیان کر کے طویل کیا۔ اگرچہ اس حدیث میں صرف ایک ہی غریب لفظ ہو)۔

ابن الاثیر کی اس بات سے معلوم ہوا کہ اس کتاب کی کئی جلدیں ہیں۔ زیر بحث کتاب

اسی (غریب الحدیث) کی پانچویں جلد ہے۔ محقق ڈاکٹر سلیمان لکھتے ہیں: ”وصل الینا من کتاب الحربی غریب الحدیث المجلدة الخامسة منه، ولم نطلع علی بقية اجزائه ومقدمة التي درج المؤلفون علی بیان خطتهم ومنهجهم وطريقهم في التصنيف فيها، وقد حرمنا بهذا الفقد خيرا كثيرا“ (۳۳۳) (امام الحربی کی کتاب ”غریب الحدیث“ سے ہم تک صرف پانچویں جلد پہنچی ہے باقی اجزاء اور وہ مقدمہ جس میں مؤلفین نے اس کتاب کے خطہ منہج اور طریقہ تصنیف بیان کیا تھا ضائع ہو گیا۔ اس سے ہم بہت بڑی خیر سے محروم ہو گئے)۔ اس کتاب کے طریقہ تصنیف کے بارے میں محقق لکھتے ہیں ”کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے محدثین کے طریقے پر کتاب کو جمع کیا اور لغویوں کے طریقے پر تصنیف کیا یا دونوں طریقوں کو جمع کیا ہے (۳۳۵)۔

محدثین کا طریقہ اپناتے ہوئے حدیث کو سندوں کے ساتھ جمع کیا ہے اور لغویوں کا طریقہ اپناتے ہوئے نظام تقالیب، حروف، ثلاثی و رباعی و خماسی وغیرہ کی ترتیب پر مرتب کیا ہے۔ مثلاً: اس کتاب کا پہلا باب ”سجرا“ ہے۔ اس لفظ کے متعلق حدیث کی پہلے سند پھر متن حدیث اور اقوال ذکر کیے ہیں۔ اس کے بعد اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے ان احادیث اور آیات کو پیش کیا جن میں یہ لفظ موجود ہے (۳۳۶)۔ اسی طرح سے باب مل میں طریقہ اپنایا ہے (۳۳۷)۔

۸۔ امام ابو سلیمان الخطابی، البستی (م ۳۸۸ھ):

(i) حالات زندگی:

آپ کی کنیت ابو سلیمان نام حمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب ہے آپ بست کے رہنے والے تھے اسی وجہ سے آپ کو بستی کہا جاتا ہے (۳۳۸)۔ نامور لغوی اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں (۳۳۹)۔ انہوں نے پہلے طلب علم کے لئے دور دراز ممالک کا سفر کیا اور مکہ مکرمہ میں ابو سعید ابن الاعرابی، بغداد میں اسماعیل بن محمد صغار اور اس طبقہ کے دوسرے علماء سے سماع کیا (۳۴۰)۔ بصرہ میں ابو بکر، ابن داسہ اور نیشاپور میں ابو العباس الاصم اور دیگر محدثین سے حدیث کا سماع کیا (۳۴۱)۔ ان سے امام حاکم، ابو حامد اسفرائینی، ابو نصر محمد بن احمد بلخی، ابو مسعود حسین، محمد کراہیسی، ابو عمرو محمد بن عبد اللہ، ابو عبید ہروی، ابو الحسین عبدالغافر فارسی اور دوسرے بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں (۳۴۲)۔ ثعالبی نے ”یتیمہ الدھر“ میں ان کا نام ”احمد بن محمد“ لکھا ہے جو کہ غلط ہے صحیح نام

”حمد بن محمد“ ہے (۳۴۳)۔

آپ نے نیشاپور میں عرصہ دراز تک قیام کیا اور تصنیف و تالیف میں بھی مصروف رہے آپ کے قلم سے مندرجہ ذیل کتابیں پایہ تکمیل کو پہنچیں۔ غریب الحدیث، کتاب معالم السنن شرح سنن ابی داؤد، کتاب شرح الاسما الحسنی، کتاب العزله اور کتاب الغنیۃ عن الکلام وابلہ وغیرہ (۳۴۴)۔ آپ ثقہ اور محدث تھے علم کا خزانہ تھے۔ بغداد میں علم لغت، ابو عمر زاہد سے اور علم فقہ ابو علی بن ابی ہریرہ اور قتال سے حاصل کیا (۳۴۵)۔ بہت عمدہ شعر کہتے تھے۔ خود فرماتے ہیں جب ہم ابو سعید بن الاعرابی سے سنن ابی داؤد کا سماع کر رہے تھے میں نے ان سے سنا ہے فرماتے تھے اگر کسی کے پاس کتاب اللہ اور سنن ابی داؤد کے علاوہ کوئی کتاب نہ ہو تو اس کو مزید کسی علم کی قطعاً ضرورت نہیں۔ مجھے ان کے واسطے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ملی ہے ”آنحضور ﷺ نے فرمایا: ایمان نے کسی کو بے خبری میں قتل کرنے سے روک دیا ہے لہذا کوئی مومن کسی کو بے خبری میں قتل نہ کرے“ (۳۴۶)۔

امام خطابی نے بست میں ربیع الاخر ۳۸۸ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا (۳۴۷)۔

(ii) کتاب غریب الحدیث:

آپ نے اس کی کتابت میں ابو عبید القاسم بن سلام اور عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری کے مناہج اختیار کیے ہیں۔ کوشش یہ کی ہے کہ ابن قتیبہ اور ابو عبید کے کتابوں میں جو احادیث موجود نہیں ان کو یکجا کیا جائے اس طرح یہ تینوں کتابیں غریب الحدیث کی امہات میں شمار ہوتی ہیں (۳۴۸)۔ اس (کتاب) کے بارے میں صاحب النہایۃ ابن الاثیر رحمہ اللہ یوں کہتے ہیں: ”خطابی نے اس کی تالیف میں عدل و انصاف اور حق گوئی و سچائی کا حق بہتر انداز سے ادا کیا ہے“ (۳۴۹)۔

ابن الاثیر نے اپنی کتاب ”النہایۃ“ میں بہت سا مواد خطابی کی غریب الحدیث سے لیا ہے اور امام بیہقی نے السنن الکبریٰ میں اسے نقل کیا ہے (۳۵۰)۔ زنجیری نے اپنی کتاب ”الفاقی“ میں اور ابن حجر نے ”فتح الباری“ میں بہت سا مواد اسی سے نقل کیا ہے (۳۵۱)۔

امام خطابی کی ”غریب الحدیث“ اپنے فن میں معروف کتاب ہے۔ علماء نے اس کی بہت تعریف کی ہے۔ امام تغلبی (م ۴۲۹ھ) فرماتے ہیں: ”ولابی سلیمان کتب من تالیفہ وأشهرها وایسرھا: کتاب فی غریب الحدیث، وهو فی غایۃ الحسن والبلاغۃ“ (۳۵۲) (ابو سلیمان) (خطابی) کی تالیف کردہ چند کتابیں ہیں ان میں زیادہ مشہور اور

آسان کتاب غریب الحدیث پر ہے اور وہ نہایت ہی عمدہ اور بلیغ ہے۔

ابوالحسن علی بن یوسف القفطی (م ۶۴۶ھ) فرماتے ہیں ”ومن مشہور کتبہ فی اللغة کتاب غریب الحدیث، وهو غایۃ فی بابہ“ (۳۵۳) اس (خطابی) کی مشہور کتابوں میں سے کتاب غریب الحدیث، لغت پر ہے جو اپنے باب میں اعلیٰ درجہ کی ہے۔

مقدمہ کتاب میں غریب حدیث کی ضرورت اور تاریخ بیان کرنے کے بعد اپنی کتاب کے بارے میں لکھا ہے: ”اما کتابنا هذا فقد کان خرج لی بعضہ وأنا إذ ذاک ببخاری فی سنة تسع وخمسين وثلثمائة، فطلب إلیّ اخواننا بها ان امکنهم من انتساخه وأحبوا أن يتعجلوا فائدته من غیر تعریج علی فی اتمامه وتلوم فی النظرة لأن يبلغ اناء، فأخرجت لهم عنه ولما یات النظر بعد علی استیفاء ملاحظته ولم یقع الاحتشاد منی لتهدیه“ (۳۵۳)۔

مؤلف رحمہ اللہ حدیث کا متن سند کے ساتھ لاتے ہیں اور بعض دفعہ دوسری روایت کے ساتھ کوئی اور سند بھی بیان کرتے ہیں اس کے بعد لغوی تفسیر بیان کرتے ہیں اور اس تو ضیح و تفسیر کی تائید میں ایک حدیث یا کئی احادیث بیان کر دیتے ہیں یا اس (غریب) کے معنی اور شواہد کے لیے قرآنی آیات اور عربی اشعار کا بھی سہارا لیا ہے اور شرح غریب کلمات کے بعد کوئی فقہی مسئلہ ہو تو اس کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔

یہ کتاب کسی خاص ترتیب کے ساتھ مرتب نہیں کی گئی ہے۔ جیسا کہ مؤلف نے وضاحت کی ہے۔ مقدمہ کے بعد حدیث اور لغت عرب کے طالب علم کے فضائل و فرائض کا ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی فصاحت و بلاغت کی مثالیں، غریب الحدیث زیادہ ہونے کے سبب بیان کرنے کے بعد الفاظ کی تشریح شروع کی ہے۔

مثلاً حدیث: ”انه كان اذا مشى، مشى مجتمعا، يعرف في مشيه انه غير غرض ولا وكل“۔

سند:

یرویه ابن ابی السری عن یحییٰ بن راشد، عن داؤد بن ابی ہند عن عکرمۃ عن ابن عباس۔

لغوی تشریح:

الغرض، الملول الضیق الصدر، والغرض: الملالة.

تشریح کی تائید میں دوسری حدیث:

ومنه حدیث عدي بن حاتم الطائي، حدثنا احمد بن ابراهيم بن مالك، نا بشر بن موسى، ثنا عبد الصمد بن حسان، انا السري بن يحيى^۱ عن محمد بن سيرين قال: قال عدي بن حاتم: لما سمعت برسول الله كرهته أشد كراهية، فسرت حتى نزلت أقصى جزيرة العرب، فأقمت بها حتى اشتد غرضي.....“ ثم ذكر قصه قدومه على رسول الله واسلامه (۳۵۵)۔ بعض اوقات حدیث کے بعد سند اور پھر فقہی مسئلہ بیان کرنے کے بعد لغوی تشریح کرتے ہیں اور اس کی تائید میں قرآنی آیت، دوسری حدیث اور اقوال و اشعار پیش کرتے ہیں۔ مثلاً حدیث ”انہ اسر ثمامة بن أثال، فأبى ان يسلم قصراً، فاعتقه فاسلم“۔

سند:

حدثنا محمد بن المالكي، أنا الصائغ، نا سعيد بن منصور، نا يحيى بن زكريا بن أبي زائدة، عن عبد الملك بن أبي سلمان، عن عطاء بن أبي رباح. فقہی مسئلہ:

ففيه دليل على أن للإمام أن يمن على الأسير من غير فداء ولا مال.

لغوی تشریح:

وقوله: قصرًا معناه: حبسًا عليه واجبارًا، يقال: قصرت نفسي على الشيء إذا حبستها عليه۔ اس کی تائید میں آیت ومن هذا قوله تعالى^۱ ”حور مقصورات في الخيام“ ای محبوسات علی أزواجهن مخدرات۔ اس کی تائید میں حدیث ومنہ حدیث أسماء بنت عبيد الأشهلية ”أنها أتت رسول الله فقالت: يا رسول الله! إنا معشر النساء محصورات مقصورات، قواعد بيوتكم، وحوامل أولادكم، فهل نشارككم

في الأجر؟ فقال النبي ﷺ عليه: نعم، إذا أحسنن تبعل أزواجكن، وطلبتن مرضاتهن“ يقال امرأة قصورة وقصيرة! أي مخدرة.

تشریح کی تائید میں شعر أنشدنی أبو عمر، انشدنا ثعلب، عن أبي الاعرابی:

وأنت التي حبست كل قصيرة إلى ولم تعلم بذاك القصائر

عنيت قصيرات الحجال ولم أرد قصار الخطاشر النساء البهاتر (۳۵۶)

۹۔ ابو عبید احمد بن محمد الزہری (م ۴۰۱ھ):

(i) حالات زندگی:

آپ کا اسم گرامی احمد بن محمد کنیت ابو عبیدہ زہری کی طرف نسبت سے مشہور ہے (۳۵۷)۔ آپ نے علم اللسان ازہری سے حاصل کیا (۳۵۸) اور آپ سے حدیث حافظ بزار اور ابو عثمان الصابونی بیان کرتے ہیں (۳۵۹) آپ نے ۴۰۱ھ میں وفات پائی۔ علمی ورثہ میں چھوڑی ہوئی تصنیفات میں سے ”غریبین“ قرآن و سنت کی مشکل الفاظ حل کرنے کے لیے مشہور کتاب ہے (۳۶۰)۔

(ii) کتاب الغریبین:

آپ ابوسلیمان الخطابی کے شاگرد تھے انہوں نے غریب القرآن والحدیث کے موضوع پر ”کتاب الغریبین“ لکھی۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت معروف ہوئی۔ موصوف نے اس کتاب کو حروف تہجی پر ترتیب دیا۔ قبل ازیں کسی مصنف نے اپنی کتاب کو اس طرح مرتب نہیں کیا تھا۔ اس میں متون و اسانید اور رواد و رجال کو جگہ نہیں دی تھی۔ سابقہ کتب میں غریب الحدیث سے متعلق جو مواد تھا اس کو یکجا کیا اور پھر اس پر اضافہ کیا۔ اس طرح یہ کتاب نہایت بہترین ترتیب کی حامل اور بہت عمدہ کتاب بن گئی۔ البتہ اس میں یہ نقص باقی رہا کہ اس میں حدیثوں کو متفرق طور پر بترتیب حروف تہجی مرتب کیا گیا ہے اس لیے احادیث میں کوئی ترتیب ان کے اعتبار سے موجود نہیں۔

غریب الحدیث معلوم کرنے کے سلسلے میں یہ کتاب متاخرین کے لیے اہم ترین ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس کی پیروی کی اور جو احادیث ان سے رہ گئیں تھیں ان کا اضافہ کیا (۳۶۱)۔ اسی کتاب کے اصل نسخہ کا کوئی علم نہیں دیگر کتب سے معلومات ملتی ہیں۔

۱۰۔ الشریف الرضی محمد (م ۴۰۶ھ):

(i) حالات زندگی:

آپ کا نام ابوالحسن محمد بن الطاہر ہے اور آپ کا حسب و نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے (۳۶۲)۔ الشریف الرضی کے لقب سے معروف ہیں۔ آپ بغداد میں ۳۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے باپ کی زیر نگرانی تربیت پائی۔ بچپن ہی میں علم حاصل کیا (۳۶۳) بڑی عمر کے بعد قرآن کا علم سیکھنا شروع کیا اور کم مدت میں قرآن حفظ کر لیا۔ آپ نے معانی القرآن پر ایک ایسی کتاب لکھی جس کی مثال لوگ پیش کرنے سے عاجز ہیں (۳۶۴)۔

فقہ و علم الفرائض میں کمال اور علم و ادب میں مہارت و تفوق سے سرفراز ہوئے۔ ابھی عمر بیس برس سے زیادہ نہ ہوئی تھی کہ شاعری کرنے لگے۔ ۳۸۸ھ میں جب وہ انتیس برس کے ہوئے تو طالبین کی نقابت میں اپنے باپ کی جانشینی کی اور بعد ازاں باقی ماندہ امور بھی انہیں تفویض کر دیے گئے جو ان کا والد انجام دیتا تھا۔ یعنی مقدمات کے فیصلے کرنا اور لوگوں کو حج کرانا وہ ایک مدت تک یہ فرائض انجام دیتے رہے (۳۶۵)۔ آپ ایک بہترین شاعر بھی تھے اور آپ کا ایک دیوان بھی ہے جو کہ چار مجلدات میں ہے اور کئی بار چھپ چکا ہے۔ امام ذہبی کا کہنا ہے آپ مذہباً شیعہ تھے۔ محرم اور بعض کے نزدیک صفر ۴۰۶ھ کو وفات پا گئے (۳۶۶)۔

(ii) مجازات الآثار النبویہ:

آپ کے علمی آثار میں سے مجازات الآثار النبویہ ہے جو کہ چھپ چکی ہے اور فن غریب الحدیث کے لیے ایک بہترین اضافہ ہے (۳۶۷)۔

۱۱۔ ابوالقاسم محمود الزمخشری (م ۵۳۸ھ):

(i) حالات زندگی:

محمود بن عمر بن محمد نام، کنیت ابوالقاسم اور زمخشری کی طرف آپ کی نسبت ہے (۳۶۸)۔ آپ زمخشر میں ۴۶۷ھ میں پیدا ہوئے جو خوارزم کی ایک بہت بڑی بستی ہے (۳۶۹)۔ نصر بن البطر اور دیگر نامور اساتذہ سے زانوئے تلمذ کا شرف حاصل ہے (۳۷۰)۔ لغت و ادب اور تفسیر وغیرہ کا

شہسوار سمجھا جاتا ہے۔ ان کو بلاغت، معانی اور بیان وغیرہ پر بھی دسترس حاصل ہے اور تالیف و تصنیف میں نامور شخصیت ہیں۔

تصانیف میں سے چند یہ ہیں: تفسیر الکشاف، المجاہدۃ بالمسائل النحویہ، المفرد والمربک، الفائق فی غریب الحدیث، اساس البلاغۃ، ربیع الابرار وخصوص الاخبار، متشابہ اسامی، النصائح الکبار، النصائح الصغار، ضالیۃ الناشر والرائض فی علم الفرائض وغیرہ (۳۷۱)۔ آپ نے ۴۳۸ھ میں وفات پائی (۳۷۲)۔

(ii) الفائق فی غریب الحدیث:

”الفائق فی غریب الحدیث“ انہیں کی شاہکار تصنیفات میں سے ہے۔ آپ نے اس کتاب کو حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا ہے مگر کسی غریب لفظ کو اس کتاب میں تلاش کرنا بڑا دشوار ہے اگرچہ یہ دشواری سابقہ کتب کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔

آپ نے اس کتاب کی تالیف میں یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ پوری حدیث یا حدیث کا کچھ حصہ نقل کرتے ہیں اور پھر غریب الفاظ کی شرح کرتے ہیں اس طرح ایک حدیث کے تمام غریب الفاظ کی شرح ایک ہی لفظ کے زیر اثر آ جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک کلمہ کی شرح جہاں کرنا چاہیے اس کے بجائے دوسری جگہ اس کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے احمد بن محمد الہزوی کی کتاب سے استفادہ الفائق کی نسبت آسان تر ہے (۳۷۳)۔ الفائق مطبوع ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے احادیث و آثار کے مشکل الفاظ کو حروف معجم پر مرتب کیا ہے۔ مثلاً ہمزہ مع الباء پھر ہمزہ مع التاء پھر ہمزہ مع الثاء آخر تک (۳۷۴) اور ان الفاظ کی تشریح کی ہے۔ ہر حرف کے تحت لفظ کا مادہ بیان کیا ہے پھر اس میں حروف تہجی کا لحاظ نہیں رکھا ہے۔ مثلاً لفظ دال کے تحت ”دبر“ کے بعد ”دباء“ پھر ”دح“ پھر ”دیب“ کی تشریح کی ہے (۳۷۵)۔ بعض مقام پر ایک لفظ کا کسی جگہ ذکر کر کے پھر دوبارہ کسی اور لفظ کی تشریح کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً ”حرف میم مع الذال“ میں ”جزم“ کے بعد ”جذع“، ”جذعم“، ”جذر“، ”جزیرہ“، ”جذر“، ”جذل“، کے بعد پھر دوبارہ ”جزم“ کی تشریح کی ہے (۳۷۶)۔

تفسیر کشاف انہیں کی تالیف ہے۔ علوم عربیہ میں امام فن سمجھے جاتے ہیں۔ فائق کے معنی ہیں فوقیت لے جانے والا۔ سو یہ کتاب واقعی اسم باسمنی ہے۔ اس نے غریب الحدیث کی ہر مشکل آسان کر دی ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری (م ۶۰۶ھ) جنہوں نے خود اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب

لکھی ہے الفائق کے بارے میں لکھتے ہیں: ”ولقد صادف هذا الاسم المسمى و كشف من غريب الحديث كل معنى“ (۳۷۷)۔

۱۲۔ ابو موسیٰ اشعری المذنبی الہروی (م ۵۸۱ھ):

(i) حالات زندگی:

آپ کی کنیت ابو موسیٰ اور نام محمد بن ابی بکر بن عمر بن ابو عیسیٰ ہے (۳۷۸)۔ آپ اصفہان کے رہنے والے جلیل القدر حافظ حدیث اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں (۳۷۹)۔ آپ ذی قعدہ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے (۳۸۰)۔ ان کے والد بچپن میں ہی ان کو اپنے ہمراہ حدیث کی مجالس میں سماع کے لیے جایا کرتے تھے چنانچہ دو سال کی عمر میں آپ کا ابو سعید مطرز کے حلقہ درس میں حاضر ہونا مشہور ہے (۳۸۱)۔ اس سے آپ کے دل میں علم کی لگن پیدا ہو گئی۔ حدیث کا بہت سماع کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے مختلف ممالک کی طرف سفر کیا اور اس فن میں کمال پیدا کیا۔

آپ نے ابو منصور محمد بن عبداللہ بن مندویہ، غانم برجی، ابو علی حداد، ابو الفتح محمد بن عبداللہ بن خور دست، ابو الرجا محمد بن ابوزید، حافظ محمد بن طاہر مقدسی، ابوزکریا بن منددہ، ہبۃ اللہ بن حسن ابرقوی اور اس طبقہ کے دوسرے اہل علم سے حدیث کا سماع کیا (۳۸۲)۔ ابو القاسم تیمی وغیرہ سے سند فراغت حاصل کی (۳۸۳)۔ آپ نے بہت سی مفید اور نافع کتابیں تصنیف کیں (۳۸۴)۔ آپ کو فن غریب الحدیث میں معرفت تامہ اور روایت واسعہ حاصل تھی علو اسناد کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں تفوق اور برتری بھی آپ پر ختم تھی۔ محدثین کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے بذریعہ اجازت روایت کی ہے (۳۸۵)۔

ابن دہبئی فرماتے ہیں: آپ اتنا عرصہ زندہ رہے کہ حفظ و اسناد میں اپنے عہد کے درّ یگانہ اور شیخ زمانہ بن گئے (۳۸۶)۔ سمعانی کہتے ہیں میں نے ان سے سماع کیا ہے اور انہوں نے مجھ سے لکھا ہے (۳۸۷)۔ امام عبد القادر کہتے ہیں کہ آپ نے اصفہان میں حدیث کا اتنا سماع کیا کہ ان کے زمانے میں اتنا کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ آپ نے اس قدر کتابیں لکھیں کہ متقدمین میں سے شاید ہی کسی نے لکھی ہوں۔ آپ نے ان میں قابل اعتماد مواد جمع کیا ہے۔ آپ نے عمرت و تنگدستی میں زندگی بسر کی۔ کسی سے نذرانہ یا ہدیہ قبول نہ کرتے تھے۔ کئی دفعہ لوگوں نے بیش قیمت مال کی وصیت کی مگر آپ نے ہمیشہ اسے مسترد کر دیا۔ تواضع اور فروتنی کا یہ حال تھا کہ بچوں اور بڑوں کو پڑھانے اور مبتدیوں کی رہنمائی کرنے میں اعتیاز نہیں کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ تختیوں پر لکھ کر بچوں کو قرآن مجید یاد

کرایا کرتے تھے۔ تنہا آتے جاتے تھے۔ میں تقریباً ڈیڑھ سال آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اس عرصے میں میں نے آپ سے کوئی ایسا فعل نہیں دیکھا اور نہ کوئی ایسی بات سنی جس کی وجہ سے آپ پر عیب لگ سکے (۳۸۸)۔ آپ کی تصانیف میں سے چند قابل ذکر درج ذیل ہیں:

- ۱۔ کتاب ذیل معرفۃ الصحابہ
- ۲۔ کتاب الطوالات
- ۳۔ کتاب تتمۃ الغریبین
- ۴۔ کتاب اللطائف
- ۵۔ کتاب عوالی التابعین
- ۶۔ کتاب التصحیح العمر
- ۷۔ کتاب القنوت (۳۸۹)۔

ایک خواب: حسین بن یوحنا باوری کہتے ہیں ایک دفعہ شہر خان میں مجھ سے کسی نے خواب کی تعبیر پوچھی۔ سائل نے خواب میں دیکھا ہے کہ رسول ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے میں نے کہا اگر تمہارا یہ خواب درست ہے تو اس کا مطلب ہے کہ کسی ایسے نامی گرامی امام کا انتقال ہو جائے گا جس کی زمانے میں نظیر نہیں کیونکہ اس قسم کے خواب امام شافعی رحمہ اللہ، امام ثوری رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی وفات کے وقت دیکھے گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ ابھی شام بھی نہیں ہوئی تھی کہ ہمیں حافظ ابو موسیٰ کی وفات کی خبر پہنچی (۳۹۰)۔

عبداللہ بن محمد بخندی کا بیان ہے کہ ان دنوں اصفہان میں قحط کی سی حالت اور پانی کی سخت قلت تھی ادھر لوگ حافظ ابو موسیٰ کے دفن سے فارغ ہوئے اور ادھر موسلا دھار بارش برسنے لگی جس سے سخت گرمی میں کافی حد تک کمی ہو گئی (۳۹۱)۔ محمد بن محمود ویدشتی کہتے ہیں حافظ ابو موسیٰ کا انتقال ۹ جمادی الاول سنہ ۵۸۱ھ میں ہوا (۳۹۲)۔

(ii) المجموع المغيث فی غریب القرآن والحدیث:

ابو موسیٰ اشعری نے احمد بن محمد الہروی کے انداز پر ایک کتاب لکھی اور غریب القرآن والحدیث سے متعلق جو مواد اس میں شامل نہ تھا وہ اپنی کتاب میں درج کیا (۳۹۳)۔

مؤلف نے اس کتاب کی ترتیب و تہذیب کو حسن و کمال کے انتہا کو پہنچایا کسی غریب لفظ کی ضرورت پڑ جائے تو ان دونوں میں سے کسی ایک کتاب میں آپ ضرور پالیں گے۔ مشکل لفظ ڈھونڈنے میں کسی قسم کی الجھن محسوس نہیں کریں گے (۳۹۴)۔ اس کتاب کی تعریف میں امام ابن الاثیر (م ۶۰۶ھ) یوں فرماتے ہیں ”ابو موسیٰ المدینی رحمہ اللہ نے کتاب المغيث کو اس انداز میں تصنیف کیا ہے کہ ہر وی سے غریب القرآن والحدیث میں جو قدر و منزلت اور فائدے کی باتیں چھوٹ گئی

تھیں ان سب کو جمع کر دیا ہے اور اس تصنیف کے فوائد و اسلوب بیان اور ترتیب و تنظیم کے لحاظ سے ہر وی کے ہم مسلک اور مماثل نظر آتے ہیں“ (۳۹۵)۔ یہ کتاب قرآن اور احادیث کے مشکل الفاظ کی تشریح میں ہے۔ چونکہ مصنف نے یہ کتاب ابو عبید ہر وی کی کتاب الغریبین کی منہج پر لکھی ہے اس لیے جو الفاظ اس سے رہ گئے تھے وہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے لیکن بعض الفاظ کئی اور وجوہ کی بنا پر شامل کیے ہیں اس میں صرف حدیث نہیں بلکہ قرآن کو بھی لیا گیا ہے (۳۹۶)۔

کتاب کو حروف معجم پر ترتیب دیا ہے ”باب ہمزہ“ سے شروع کیا گیا ہے۔ اس طرح ہر حرف کے لئے الگ باب مقرر کیا ہے اور ہر باب میں بھی حروف تہجی کے لحاظ سے الفاظ کو جمع کیا ہے اور ان کی تشریح میں اختصار سے کام لیا ہے۔ ضرورت سے زیادہ تشریح کرنے سے گریز کیا ہے۔ مثلاً لفظ ”اسد“ کے بارے میں لکھتے ہیں: ”فی حدیث لقمان بن عاد: ”خذ منی اخی ذا الاسد“ کانہ وصفہ بالشجاعة. يقال: اسد واستاسد اذا اجتراً. ومنہ ما فی حدیث أم زرع: ”إذا خرج أسد“ ويقال أسد الرجل إذا خزف وڈھش عند رؤية الاسد (۳۹۷)۔ ابن خلکان لکھتے ہیں ”وہو کتاب نافع“ (۳۹۸)۔

۱۳۔ ابوالفرج ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ):

ابوالفرج، عبدالرحمن بن ابی الحسن علی بن محمد المعروف جمال الدین بغداد کے رہنے والے جلیل القدر حافظ حدیث، عالم عراق اور واعظ آفاق ہیں (۳۹۹)۔ آپ کے جد اعلیٰ نے شہر واسط میں اپنے گھر میں اخروٹ کا درخت لگایا ہوا تھا ان کے علاوہ پورے شہر میں یہ درخت کسی کے گھر میں نہیں تھا اس لیے جوزی (اخروٹ والا) کے نام سے مشہور ہو گئے اور آپ کی اولاد ابن الجوزی کہلائی۔ آپ ۵۱۰ھ میں یا اس سے کچھ پہلے پیدا ہوئے اور ۵۱۶ھ میں حدیث کا سماع شروع کیا (۴۰۰)۔ آپ تین سال کے تھے جب باپ کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا اور آپ کو یتیمی کا رنج سہنا پڑا۔ والد کی رحلت کے بعد آپ کی پھوپھی نے آپ کی تربیت کی۔ آپ کے عزیز واقارب پیتل کی تجارت کرتے تھے اس لیے آپ اکثر اپنی تحریروں میں اپنا نام عبدالرحمن بن علی صفار لکھتے تھے۔ جب آپ نے ہوش سنبھالا اور لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گئے۔ تو آپ کی پھوپھی نے آپ کو حافظ ابن ناصر کے حلقہ درس میں داخل کرا دیا انہوں نے آپ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ مبذول فرمائی اور علم کا وسیع ذخیرہ آپ کے قلب و دماغ میں اتار دیا (۴۰۱)۔

آپ نے ابوالقاسم بن حصین، علی بن عبدالواحد دینوری، ابو عبداللہ حسین بن محمد بارع، ابو

السعادات احمد بن احمد متوکل، اسماعیل بن ابوصالح مؤذن اور دوسرے متعدد علماء سے حدیث کا سماع کیا۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد ۸۶ تک پہنچتی ہے۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اس قدر علم لکھا جو احاطہ شمار سے باہر ہے۔ ۵۲۰ھ سے وعظ کہنا شروع کیا اور یہ سلسلہ تادم واپس جاری رہا (۴۰۲)۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ چند قابل ذکر نام درج ذیل ہیں۔ آپ کے صاحبزادہ محی الدین، آپ کے پوتے مشہور واعظ شمس الدین یوسف بن فزلی اور حافظ عبدالغنی وغیرہ ہیں (۴۰۳)۔

آپ کو پُر تاثیر وعظ کہنے کا وہ ملکہ حاصل تھا جو آپ سے پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ ملوک و سلاطین اور خلفا بھی آپ کے وعظ میں شرکت کو باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ کہتے ہیں آپ کی بعض مجالس میں ایک ایک لاکھ کی حاضری ہوتی تھی مگر اس میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ تقریباً دس ہزار آدمی حاضر ہوتے تھے۔ اپنے قلم سے دو ہزار جلدیں لکھی ہیں (۴۰۴)۔ آپ نے اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ اسلاف اور معاصرین میں سے کسی نے اتنی کتابیں نہیں لکھیں۔ ان میں سے چند قابل ذکر درج ذیل ہیں:

- ۱۔ المغنی فی علوم القرآن، بڑی ضخیم کتاب ہے۔ ۲۔ زاد المسیر، ۴ جلد
- ۳۔ تذکرۃ الارباب فی اللغة ۴۔ الوجوہ والنظار
- ۵۔ فنون الافنان ۶۔ جامع المسانید
- ۷۔ الحدائق ۸۔ نفی النقل
- ۹۔ عیون الحکایات
- ۱۰۔ التحقیق فی مسائل الخلاف وغیرہ (۴۰۵)

آپ کی کل تصانیف ۲۵۰ سے زیادہ ہیں (۴۰۶)۔

ابوالفرج ابن الجوزی نے خاص طور پر غریب الحدیث کے موضوع پر ایک کتاب لکھی جس میں الہروی کا انداز اختیار کیا۔ بلکہ ان کی کتاب الہروی کی کتاب سے مختصر ہے۔ ابن الجوزی صرف ایک آدھ لفظ کا اضافہ کرتے ہیں۔ بخلاف ازیں ابو موسیٰ مدینی الہروی کی کتاب سے صرف وہی مواد لیتے ہیں جس کی شدید ضرورت ہوتی ہے (۴۰۷)۔

۱۴۔ ابن الاثیر (م ۶۰۶ھ):

(i) حالات زندگی:

امام مجد الدین ابو السعادات مبارک بن محمد بن عبدالکریم شیبانی المعروف ابن

الاثیر (۴۰۸) ان کے والد محمد اثیر کہلاتے تھے۔ اس لئے ان کے دو بھائیوں کی ابن اثیر کے نام سے شہرت ہوئی۔ ربیع الاول یا ربیع الثانی ۵۴۲ھ میں جزیرہ ابن عمر میں پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی (۴۰۹)۔

آپ نے ابو القاسم صاحب ابن النخل بغدادی، ابو محمد سعید بن مبارک بن زہان، ابو الفضل عبداللہ بن احمد الخطیب الطوسی عبدالمؤمن بن کلیب، عبد الوہاب بن سکیہ اور یحییٰ بن سعدون قرطبی وغیرہ سے فیض حاصل کیا (۴۱۰)۔

آپ کے تلامذہ میں آپ کے فرزندوں کے علاوہ شہاب قومی اور فخر الدین بن بخاری وغیرہ مشہور ہیں (۴۱۱)۔

ابن الاثیر امراء اور سلاطین سے بھی ملتے رہتے اور ان کو اپنے زمانہ کے موصل کے تمام امراء کے ہاں رسوخ حاصل تھا۔ ابن الاثیر امیر مجاہد الدین قایماز بن عبداللہ کے نائب تھے (۴۱۲)۔ مگر عملاً وہی اصلی سلطان تھے۔ امیر سیف الدین نے اس کی قابلیت، لیاقت، حسن خدمت اور عمدہ کارگزاری کی وجہ سے تمام معاملات ان کے سپرد کر دیے تھے (۴۱۳)۔

علامہ ابن اثیر نے متعدد کتب و رسائل تالیف کیے۔ ان کی تمام تصنیفات اسلوب بیان اور حسن تحریر کے لحاظ سے دلکش ہیں۔ ابن خلکان لکھتے ہیں: آخر میں انہیں ایک مرض لاحق ہو گیا اس کی وجہ سے ہاتھ پاؤں مفلوج ہو گئے اور وہ چلنے پھرنے اور لکھنے پڑھنے سے بالکل معذور ہو گئے۔ پھر باقی وقت اپنے گھر میں ہی گوشہ نشینی کی حالت میں گزارا۔ اس وقت علما و اکابر ان سے استفادہ کے لیے گھر آتے تھے۔ انہوں نے اپنی تمام تصنیفات معذوری اور خانہ نشینی کے زمانہ میں تالیف کیں۔ اس زمانہ میں ان کو پوری یکسوئی حاصل تھی اور ایک جماعت تھی جو کتابوں (کی مراجعت اور حوالوں) کے نقل و اقتباس میں ان سے پورا تعاون کرتی تھی (۴۱۴)۔

علامہ ابن اثیر نے اس معذوری اور خانہ نشینی کے زمانہ میں ذی الحجہ ۶۰۶ھ کو موصل میں انتقال کیا (۴۱۵)۔

(ii) کتاب النہایۃ فی غریب الحدیث والاثار :

غریب الحدیث پر ان کی کتاب معروف ہے۔ انہوں نے الہروی اور ابو موسیٰ مدینی کی کتب میں موجود مواد کو یک جا کیا اور اس کے علاوہ کتب حدیث میں خواہ وہ صحیح ہوں یا سنن یا جوامع و مصنفات و مسانید جو احادیث مل سکیں ان کے مشکل الفاظ کی تشریح کی۔ الہروی کی کتاب کے لئے

انہوں نے ”لا“ کو بطور رمز مقرر کیا۔ اور ابو موسیٰ مدینی اصفہانی کی کتاب کو ”س“ سے ظاہر کرتے ہیں۔ اپنی کتاب کا نام انہوں نے ”النبایہ فی غریب الحدیث والاثار“ رکھا ہے (۴۱۶)۔ یہ کتاب لغت حدیث اور غریب الحدیث میں سند سمجھی جاتی ہے۔

مصنف نے مقدمہ سے کتاب کو شروع کیا ہے اس میں الفاظ کی مختلف تقسیم، غریب الحدیث کی تاریخ اور اس فن کو ایجاد کرنے کی وجوہات بیان کی ہیں۔ جو کہ اختصار کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو وہ علم دیا تھا جو دوسرے نہیں جانتے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی اکثر بات سمجھ لیتے تھے اور جو سمجھ میں نہ آئے آپ ﷺ سے پوچھ لیتے تھے۔

۲۔ صحابہ کے زمانے میں عربی زبان خالص تھی مختلف ممالک کی فتح، غیر عرب سے میل جول تک اس میں کوئی خلل داخل نہیں ہوا تھا۔

۳۔ تابعین کے دور میں عربی اور عجمی زبانیں مل گئی تو علمائے عربی زبان کی حفاظت میں کتابیں تصنیف کیں (۴۱۷)۔

امام ابن الاثیر اپنی کتاب کے متعلق لکھتے ہیں: اس کتاب میں غریب الحدیث اور آثار کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے:

- ۱: کسی کی طرف منسوب ہے۔
 - ۲: کسی کی طرف منسوب نہیں ہے اس میں اکثر اور غالب حدیث رسول ﷺ ہیں۔
- تھوڑے ہی الفاظ ہیں جن کی حقیقت معلوم نہیں کہ یہ حدیث ہے یا نہیں۔ میں اسی جگہ پر تنبیہ کرتا ہوں (۴۱۸)۔

ابن الاثیر نے اپنی کتاب کے الفاظ کو حروف تہجی کے لحاظ سے ابواب میں ترتیب دیا ہے اور اس لفظ کے متعلق حدیث بیان کرنے کے بعد تشریح کی ہے اور دوسرے اقوال، امثال اور اشعار سے وضاحت کی ہے کہ اس لفظ کا اصل مشتق اور صیغہ وغیرہ بیان کیے ہیں۔ جیسے لفظ ”اب“ میں لکھتے ہیں (فی حدیث انس) ان عمر بن الخطاب قرا قول اللہ عز وجل ”وفاکھة و ابا“ وقال ”فما لآب؟ ثم قال: ما کللنا او ما امرنا بهذا ”الآب: المرعی المتہیی للرعی والقطع: اور ”اب“ کے بارے میں یہ قول بھی نقل کیا ہے ”الآب من المرعی للآب والکاف کالفاکھة للإنسان“ اس بارے میں دوسری حدیث، قیس بن ساعدہ کو ذکر کیا ہے۔ ومنہ حدیث

قیس بن ساعدہ: فجعل يرتع ابا، واصيد حبا (۴۱۹)۔ بعض مقام پر لفظ کے متعلق کوئی عبارت اور اس کی تشریح مختصراً کی ہے۔ مثلاً لفظ ”ابرز“ کے بعد لکھتے ہیں ”منہ ما یخرج کالذهب الابریز“ ای الخالص، وهو الابریزی ایضا الهمزة والياء زائدتان“ (۴۲۰)۔

امام سیوطی فرماتے ہیں: ”یہ کتب الغریب میں سب سے زیادہ جامع اور سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ مقبول و متداول ہے۔ جو الفاظ آپ سے رہ گئے تھے اس کتاب کو الصفی الارموی متوفی ۷۲۳ھ نے ایک ذیل میں جمع کیا ہے“ (۴۲۱)۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے ”النہایہ“ کا خلاصہ تیار کیا اور اس کا نام ”الدّرر الثمیر تلخیص نہایہ ابن الاثیر“ ہے (۴۲۲)۔

۱۵۔ حافظ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ (م ۹۱۱ھ):

(i) حالات زندگی:

حافظ جلال الدین سیوطی (۸۴۹ھ) قریہ سیوط میں پیدا ہوئے جو دریائے نیل کے مضافات میں واقع ہے (۴۲۳)۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا (۴۲۴)۔ انہوں نے جن اساتذہ و شیوخ سے جملہ علوم اسلامیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، معانی و ادب وغیرہ میں تعلیم حاصل کی ان کا تذکرہ اپنی کتاب ”حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ“ میں کیا ہے (۴۲۵)۔

ارباب سیر اور تذکرہ نگاروں نے آپ کے علمی تبحر اور فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے: ”شیخ جلال الدین عبدالرحمن اپنے عہد کے نہایت باکمال آئمہ فن میں سے تھے“۔ فطرت کی طرف سے اُن کی ذات میں بہت سی خوبیاں ودیعت کی گئی تھیں۔ درس و تدریس، تصنیف و تالیف، افتاء و قضاء اور رشد و ہدایت میں انہیں کمال حاصل تھا۔ وہ نامور اور بلند پایہ مفسر، محدث، فقیہ، ادیب، شاعر، مؤرخ اور لغوی ہی نہ تھے بلکہ اپنے دور کے مجدد بھی تھے“ (۴۲۶)۔

علوم قرآن میں علامہ سیوطی کی تفسیر ”دّر منشور“ بہت اہم کتاب ہے۔ جس کے بارے میں ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ ”ہمارے استاذ الاساتذہ سیوطی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے تفسیر ماثور کو کتاب دّر منشور میں زندہ کیا ہے“ (۴۲۷) علوم قرآنی پر علامہ سیوطی کی دوسری کتاب ”الاتقان فی علوم القرآن“ ہے (۴۲۸)۔

حدیث میں علامہ سیوطی کی خدمات قابل قدر ہیں۔ اس ضمن میں ان کی پہلی تالیف ”جمع الجوامع“ ہے اس میں آپ نے صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا امام مالک، جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن

ابن ماجہ کو مع اسانید جمع کیا ہے (۴۲۹)۔

صحاح ستہ میں سے آپ نے پانچ کتابوں کی شروح لکھی ہیں:

- ۱۔ التوشیح علی الجامع الصحیح (صحیح بخاری کی شرح ہے)۔
- ۲۔ القول الحسن فی الذب علی السنن (سنن ابن ماجہ کی شرح ہے)۔
- ۳۔ قوت المعتزلی علی جامع الترمذی (جامع ترمذی کی شرح ہے)۔
- ۴۔ زہر الری علی الجنبی (سنن نسائی کی شرح ہے)۔
- ۵۔ کشف الغطاء فی شرح المؤطا (مؤطا امام مالک کی شرح ہے) (۴۳۰)۔

ان کے علاوہ حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے امام نووی رحمہ اللہ (م ۶۷۶ھ) کی کتاب ”التقریب والتیسیر فی مصطلح الحدیث“ جو اصول حدیث میں بہت عمدہ کتاب ہے کی شرح ”تدریب الراوی“ کے نام سے لکھی یہ کتاب طبع ہو چکی ہے اور اسے قبول عام حاصل ہوا ہے (۴۳۱)۔

آپ سات دن بیمار ہونے کے بعد ۱۹ جمادی الاول ۹۱۱ھ کو انتقال کر گئے (۴۳۲)۔

(ii) کتاب الدر النثر فی تلخیص نہایۃ ابن الاثیر:

سیوطی نے نہایۃ کا خلاصہ تیار کیا اور اس پر مفید اضافے کیے ہیں یہ خلاصہ نہایۃ کے حاشیے پر چھپ چکا ہے (۴۳۳)۔

۱۶۔ محمد طاہر پٹنی گجراتی (م ۹۸۶ھ):

(i) حالات زندگی:

محمد طاہر پٹنی گجراتی ہندوستان کے ممتاز محدثین میں سے ہیں ۹۱۳ھ کو بھارت کے صوبہ گجرات میں پیدا ہوئے (۴۳۴)۔ وہ بھڑوں کے متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے نو عمری میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور پندرہ سال کی عمر میں علوم دینیہ سے فارغ ہو گئے۔ ۹۴۴ھ میں تحصیل علم کے شوق میں حجاز روانہ ہو گئے (۴۳۵)۔ وہاں کے علمائے کبار سے کسب فیض کیا اور علم حدیث میں متعدد شیوخ سے سند لی (۴۳۶)۔ ان میں سے چند اساتذہ یہ ہیں:

- ۱۔ شیخ عبداللہ زیدی۔
- ۲۔ سید عبداللہ مدنی
- ۳۔ شیخ جبار اللہ مکی
- ۴۔ شیخ عبداللہ حضرمی

۵۔ شیخ ابوالحسن بکری وغیرہ سے فن حدیث حاصل کیا (۴۳۷)۔

مکہ مکرمہ چار پانچ برس قیام کر کے وطن واپس آئے اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور ۹۸۶ھ میں فتنہ مہدویت نے سر اٹھایا تو اسی فتنے کی پاداش میں آپ کو قتل کر دیا گیا (۴۳۸)۔

(ii) کتاب مجمع البحار:

اس کتاب کا پورا نام ”مجمع بحار الانوار“ ہے (۴۳۹)۔ اس میں قرآن، صحاح ستہ اور مشکوٰۃ المصابیح کے تقریباً تمام غرائب درج کر دیے ہیں اور جو کچھ باقی بچا وہ تکرار میں درج کیا ہے (۴۴۰)۔ اس کتاب میں الفاظ حروف تہجی اور مصادر کے اعتبار سے مرتب کیے گئے ہیں اور جن احادیث میں یہ الفاظ آتے ہیں ان کا متن بھی درج کر دیا ہے (۴۴۱)۔ کتاب کے آخر میں فن حدیث، وضاع، موضوع احادیث اور مشتبہ ناموں کے صحیح تلفظ، رسول اللہ کی زندگی کے اہم واقعات اور چند مشہور رواۃ حدیث کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ یہ کتاب لغت حدیث میں سند سمجھی جاتی ہے غریب الحدیث پر اس میں کافی مواد ملتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی علمی دنیا اس کتاب پر جتنا فخر کرے کم ہے۔ آپ مضمون کی غرابت پر بھی پوری نظر رکھے ہوئے ہیں۔ مثلاً جریر بن حازم تابعی (۱۷۵ھ) نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت نقل کی تھی جو ظاہری سطح پر بہت عجیب مضمون بیان کرتی ہے (۴۴۲)۔ ”قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدی“ (۴۴۳)۔ مجمع البحار میں اس کی غرابت ساتھ ہی حل کر دی گئی ہے ”هذا ناظر الی نزول عیسیٰ“ یعنی یہ بات نزول عیسیٰ کے پیش نظر کہی گئی ہے (۴۴۴)۔ ”تذکرۃ الموضوعات“ انہی کی تالیف ہے۔

۷۔ علامہ وحید الزمان (م ۱۳۳۸ھ):

(i) حالات زندگی:

آپ کا نام محمد وحید الزمان اور وقار نواز جنگ خطاب تھا۔ نسباً فاروقی تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے وحید الزمان بن مسیح الزمان نور محمد بن شیخ احمد ملتانی (۴۴۵)۔

کانپور میں ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء کو پیدا ہوئے (۴۴۶)۔ تعلیم و تربیت کے لیے والد صاحب نے آپ کے بڑے بھائی کے ذمے لگایا جن سے آپ نے قرآن پاک ناظرہ پڑھا اور خود قرآن مجید کا ترجمہ شروع کرایا اور دیگر فنون علوم عقلیہ و نقلیہ کے لیے نامور اساتذہ و شیوخ سے اکتساب فیض

کیا ان میں سے مشہور نام درج ذیل ہیں:

- ۱۔ مفتی عنایت احمد، مصنف تاریخ حبیب الہ:
- ۲۔ محمد سلامت اللہ کانپوری
- ۳۔ محمد عادل کانپوری
- ۴۔ مولانا نیاز محمد بخاری
- ۵۔ عبدالعزیز محدث لکھنوی
- ۶۔ شیخ حسین بن محسن انصاری یمنی۔

آپ نے درج ذیل تحقیقی اور علمی خدمت سرانجام دی ہیں۔ ان میں سے مشہور کتاب ”اسرار اللغۃ الملقب بہ وحید اللغات“ قابل ستائش خدمت ہے۔ اردو میں لغت حدیث پر یہ پہلی کتاب ہے۔ چھ جلدوں میں ہے۔ پہلے اس کتاب کا نام ”انوار اللغۃ“ تھا۔ مؤلف خود لکھتے ہیں: ”انوار اللغۃ“ جو جامع لغات احادیث مع احادیث فریقین یعنی امامیہ و اہلسنت ہے۔ بڑی محنت اور جانفشانی سے تالیف کی (۴۴۷)۔ بعد میں آپ نے اس کا نام اسرار اللغۃ رکھا۔ آپ نے اس کی تالیف میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی: نہایہ ابن اثیر، مجمع البحار، قاموس المحیط، صحاح جوہری، محیط المحیط، منتهی الارب، مجمع البحرین، الدر الثیر الغریبین، الفائق، المغرب، لسان العرب وغیرہ سے استفادہ کیا ہے (۴۴۸)۔

آپ کی قابل ذکر تصنیفات یہ ہیں:

- ۱۔ علامات الموت
- ۲۔ نور الہدایۃ
- ۳۔ احسن الفوائد
- ۴۔ اشراق الابصار
- ۵۔ فتاویٰ بے نظیر
- ۶۔ تشریح الحج والزیارہ
- ۷۔ الحاشیہ الوصیدیہ
- ۸۔ الانتقاء فی الاستواء
- ۹۔ تیسیر الباری
- ۱۰۔ تبویب القرآن
- ۱۱۔ وحید اللغات (لغات الحدیث) وغیرہ (۴۴۹)۔

(ii) وحید اللغات (لغات الحدیث):

اردو زبان میں لغات الحدیث پر کیا جانے والا منفرد، جامع اور مبسوط کام ہے۔ اس لغت میں مؤلف نے اہل لغت کے مروجہ طریقے کے مطابق مادوں کو حروف تہجی پر ترتیب دیا ہے۔ کتاب کے منہج کے بارے میں مؤلف لکھتے ہیں۔ اس کتاب میں ہر لفظ کو شروع سطر سے لکھا گیا ہے اور اس پر اعراب بھی دے دیے گئے ہیں تاکہ کم استعداد والوں کو مزید آسانی ہو اور ابواب کی تنقیح اس لیے نہیں

کی کہ یہ لغت عربی دانوں کے لیے نہیں ہے۔ ترتیب لغات اس طرح رکھی گئی ہے کہ حرف اول کو باب اور حرف ثانی کو فصل مقرر کیا گیا ہے (۴۵۰)۔

پہلی پانچ جلدیں جو بنگلور سے چھپیں وہ ناقص اور اغلاط سے پُر تھیں مصنف کے بقول ”فقیر نے از سر نو ان جلدوں کی بھی باضافہ احادیث و لغات تصحیح و تکمیل شروع کی اور ان کا نام ”اسرار اللغہ“ رکھا حقیقت میں اب کتاب ”انوار اللغہ“ مکمل ہوئی ہے (۴۵۱)۔

اب یہ ”لغات الحدیث“ کے نام سے چار جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ ناشر لکھتے ہیں: اس کتاب کا اصل نام ”اسرار اللغہ مع انوار اللغہ المقلب بہ وحید اللغات“ تھا۔ جواب ”لغات الحدیث“ کے مختصر نام کے ساتھ آپ کے پیش نظر ہے (۴۵۲)۔ لغات الحدیث میں مولانا نے تقریباً تمام کے تمام مباحث لے لیے ہیں اور یہ حدیث کی ایک بڑی خدمت ہے۔ اس پہلو سے یہ کتاب اس لائق ہے کہ اس سے بھرپور استفادہ کیا جائے۔ مولانا کی محنت قابل تحسین ہے۔ آپ ۱۳۳۸ھ میں اس دنیا سے داغ مفارقت دے گئے (۴۵۳)۔

غرائب لغات میں مولانا نے ”نہایہ“ اور ”مجمع بحار الانوار“ کے تقریباً تمام کے تمام مباحث لے لیے ہیں کہ یہ مطولات ”وحید اللغات“ کی شکل میں اردو میں آگئی ہیں۔



المسلسلات

لغوی معنی:

مسلسل ”سلسلہ“ سے اسم مفعول ہے جس کے معنی ایک چیز کو دوسری سے ملانا کے ہیں اس لیے اسے سلسلۃ الحدید (لوہے کی زنجیر) کہتے ہیں۔ مسلسل حدیث دراصل اپنے اجزا میں ہم مثل اور اتصال کے پہلو سے سلسلۃ الحدید کے مشابہ ہے (۴۵۴)۔

اصطلاحی تعریف:

وہ حدیث جس کے باہم رواۃ خود اپنی کسی کیفیت یا روایت کی کسی کیفیت پر متفق ہوں البتہ یہ ضروری نہیں کہ سارے رواۃ متفق ہوں بلکہ ”مسلسل“ کہلانے کے لیے اکثر کا اتفاق ضروری ہے اور جب تسلسل درمیان یا آخر میں ختم ہو جائے تو تصریح کر دی جاتی ہے کہ فلاں تک مسلسل ہے۔
مسلسل وہ حدیث ہے جس کی سند میں تمام راوی ایک ہی قسم کے الفاظ استعمال کریں مثلاً حدَّثَنَا، حدَّثَنِي، اخبرنا وغیرہ یا کسی قولی یا فعلی حالت میں سب متفق ہوں (۴۵۵)۔

معجم مصطلح الحدیث میں مسلسل کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ ”هو ما اتفق رواة في صيغ الاداء او غيرها من الصفات والحالات كمسلسل التشبيك باليد، والمصافحه والقبض على اللحية وغيرها“ (۴۵۶)۔ (جس کے راوی اداء کے صیغوں، صفات اور حالات میں متفق ہوں مثلاً ہاتھوں کی انگلیوں کو ہاتھوں میں ڈالنا، مصافحہ کرنا اور داڑھی کو پکڑنا وغیرہ کے ہیں)۔

ان میں قولی یا فعلی روایت کی صفت مشترک ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اس کی تین قسمیں ہیں:

ا: مسلسل باحوال رواۃ۔ ب: مسلسل بصفات رواۃ۔

ج: مسلسل باحوال روایت (۴۵۷)۔

۱۔ مسلسل باحوال رواۃ:

وہ حدیث جس میں رواۃ کے کسی حال میں تسلسل پایا جائے خواہ حال، قول یا فعل ہو یا دونوں۔ اس لیے اس کی مختلف حالتیں ہیں:

قولی حالت:

قولی حالت یہ ہے کہ اگر ایک راوی ”اشہد“ یا ”باللہ العظیم“ کے الفاظ استعمال کرے تو اس حدیث کے باقی تمام راوی بھی یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں (۴۵۸)۔ اسی طرح کوئی الفاظ بھی ہو سکتے ہیں۔

دوسری مثال: حضرت معاذ بن جبل کی مشہور حدیث کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: ”یا معاذ انا احبک فقلدبر کل صلاۃ اللہم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک“ (اے معاذ! میں تم سے محبت کرتا ہوں لہذا ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرو)۔ اس کا ہر راوی اپنے شاگرد سے یہی کلام کرتا ہے ”وانا احبک فقل“ (اور میں تم سے محبت کرتا ہوں، لہذا کہو)۔ اس حدیث کو حدیث ”مسلسل بالمحبۃ“ کہتے ہیں (۴۵۹)۔

فعلی حالت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ حضور ﷺ نے میرے ہاتھ کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں (تشبیک) ڈال کر فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا کیا“۔ اس حدیث کا ہر راوی بوقت روایت اپنے شاگرد کے ہاتھوں کی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر بیان کرتا رہا (۴۶۰)۔

قولی وفعلی حالت:

قولی وفعلی حالت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بات کرتے وقت اپنی داڑھی مبارک پر ہاتھ پھیرا تھا تو سب راوی اس طرح کریں۔ الفاظ اور فعل دونوں میں متفق ہوں۔

یہ حدیث اس کی مثال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا یجد العبد حلاۃ الا یمن حتی یؤمن بالقدر خیرہ وشرہ وحلوہ ومرہ قال وقبض رسول اللہ علی لحيته، فقال امن بالقدر خیرہ وشرہ وحلوہ ومرہ“ (۴۶۱) (بندہ اُس وقت تک لذت ایمان نہیں پاتا جب تک کہ وہ اس بات پر ایمان نہ لائے کہ خیر وشر اور شیریں و تلخ سب کچھ اللہ کے اختیار میں

ہے۔ اس ارشاد کے وقت حضور ﷺ نے اپنی ریش مبارک کو پکڑ رکھا تھا اور آپ نے فرمایا: میں تقدیر پر اس کے اچھے اور بُرے ہونے پر ایمان لایا۔

اس حدیث کو بیان کرتے وقت تمام راویوں نے اپنی ریش کو ہاتھ میں لیا ہوا تھا اور ہر ایک نے یہ لفظ کہے: میں تقدیر کے اچھے اور بُرے ہونے پر اور اس کے تلخ و شیریں ہونے پر ایمان لایا۔ اس لیے یہ حدیث مسلسلات میں سے ہے اور اس میں قوالی اور فعل دونوں کا ذکر ہے۔

ب۔ مسلسل بصفات رواۃ:

وہ حدیث جس میں رواۃ کی کسی صفت پر اتفاق کر لیا جائے یا قدرتی ہو جائے۔ مثلاً یہ کہ سارے رواۃ کا ایک ہی نام ہو جیسے محمد یا احمد وغیرہ یا ایک ہی لقب و منصب ہو جیسے سب حافظ حدیث ہوں یا ایک ہی نسبت ہو خواہ قبیلہ کے اعتبار سے جیسے یہ کہ سب خاندان قریش سے ہوں خواہ وطن کے اعتبار سے جیسے یہ کہ سب دمشق ہوں یا مصری۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ان صفتوں میں سے دو یا چند ایک ہی حدیث میں جمع ہو جائیں مثلاً ”حفاظ مصر“ کسی حدیث کو سلسلہ وار نقل کریں۔

سیوطی نے تدریب الراوی کے آخر میں تین حدیثیں ذکر کی ہیں۔ اول مسلسل بفقہا شوافع، دوم مسلسل بالحفاظ، سوم مسلسل بمصریین (۴۶۲)۔

ج۔ مسلسل بصفات روایت:

وہ حدیث جس میں روایت کی کسی کیفیت پر راوی متفق ہوں۔ خواہ الفاظ ہوں یا زمان یا مقام روایت ہو:

- ۱۔ مسلسل بالفاظ ادا: وہ حدیث جس کا ہر راوی نقل روایت کے لیے ایک ہی لفظ ذکر کرے مثلاً ”سمعت یا اخبرنا یا حدثنی“ وغیرہ۔
- ۲۔ مسلسل بزمان روایت: وہ حدیث جس کو ہر راوی کسی خاص معین وقت میں روایت کرے مثلاً جمعہ یا عیدین کو یا بعد از عصر یا صبح کے وقت۔
- ۳۔ مسلسل بمقام روایت: وہ حدیث جسے ہر راوی کسی خاص مقام پر روایت کرے جیسے ”مَلْتَمَر“ پر قبولیت دعا کی حدیث جس کو تمام رواۃ نے اسی مقام پر روایت کیا (۴۶۳)

حکم:

مسلسلات میں سے افضل وہی ہے جو انقطاع اور تدلیس سے خالی ہو یہ ضروری نہیں کہ ہر

مسلسل حدیث صحیح ہی ہو یا یہ کہ صحت کے اعلیٰ درجے پر ہو بلکہ مسلسل احادیث میں اکثر کوئی نہ کوئی نقص ہوتا ہے اگرچہ اصل حدیث جو غیر مسلسل مروی ہو صحیح ہو۔ صحیح مسلسلات میں سے مسلسل بحفاظ ہے اور اصل ترین مسلسل بقراءة ”سورہ صف“ ہے یعنی وہ حدیث جس میں سلسلہ وار حضور ﷺ سے لے کر آخری راوی تک ”سورہ الصف“ کے شان نزول اور اس کو بیان کرنے کے بعد اس کی تلاوت کا ذکر ہے۔

صحیح صالح کہتے ہیں: فن حدیث میں ناپختہ کار شخص حدیث مسلسل کے تدلیس و انقطاع سے پاک ہونے سے متاثر ہو کر فوراً اس کی صحت کا فیصلہ صادر کرتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ اس روایت میں جس عبارت یا ہم رنگ و ہم آہنگ فعل کی تکرار پائی جاتی ہے وہ شک و شبہ سے پاک نہیں ہے۔ ابن کثیر فرماتے ہیں: ”حدیث مسلسل میں یہ فائدہ ضرور ہے کہ وہ تدلیس و انقطاع سے پاک ہوتی ہے مگر ایسی حدیثیں شاذ و نادر ہی صحیح ہوتی ہیں۔“

مسلسل احادیث کا اصل متن اگرچہ تدلیس سے پاک ہونے کی بنا پر صحیح ہوتا ہے مگر بعض اقوال و افعال کے کامل اور متماثل تسلسل کی وجہ سے ان میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اخبار و احوال کی روایت میں اس قسم کا تسلسل بہت نادر اور دشوار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر احادیث کا متن اگرچہ صحیح ہوتا ہے مگر جب تسلسل کے طریقہ سے ان کی روایت کی جاتی ہے تو ان کی صحت برقرار نہیں رہتی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ حدیث مسلسل کے بارے میں فرماتے ہیں: ”یہ اسناد کی صفت ہے۔ جب کہ مرفوع ہونا متن کا وصف ہے۔ بخلاف ازیں صحیح متن و سند دونوں کی صفت ہے“ (۴۶۳)۔

مشہور تصانیف:

۱۔ المسلسلات: ابن شاذان، ابوبکر احمد بن ابراہیم بن حسین بن شاذان بغدادی (م ۳۸۳ھ)

۲۔ المسلسلات: ابن العربی، ابوبکر محمد بن عبداللہ بن احمد المعروف بہ ابن العربی المعافری المالکی (م ۵۳۶ھ)۔

۳۔ المسلسلات: الدیباچی، ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن بن یحییٰ العثماني الديباچی الاسکندری (م ۵۷۲ھ)۔

۴۔ المسلسلات: سلفی، ابو طاہر عماد الدین احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم السلفی الاصفہانی (م ۵۷۶ھ)۔

۵۔ المسلسلات: ابن مسدی، ابوبکر جمال الدین محمد بن یوسف بن موسیٰ بن یوسف الازدی

- الغرناطی، نزیل مکہ (م ۶۳۳ھ)۔
- ۶۔ المسلسلات: ابن طلیسان، ابو القاسم القاسم بن محمد بن احمد بن محمد بن سلیمان الاوسی
الانصاری القرطبی (م ۶۴۲ھ)۔
- ۷۔ الجواهر المکملۃ فی الاخبار المسلسلۃ السخاوی، ابو الحسن علم الدین علی بن محمد نزیل دمشق
(م ۶۴۳ھ)۔
- ۸۔ الحدیث المسلسل: السبکی، تقی الدین ابو الحسن علی بن عبد الکاظم السبکی (م ۷۵۶ھ)۔
- ۹۔ الحدیث المسلسل، ابو زرعة ولی الدین احمد بن ابی الفضل زین الدین عبدالرحیم بن الحسین
العراقی، الکردی الشافعی، قاہرہ (م ۸۲۶ھ)۔
- ۱۰۔ مائتہ مسلسل، السخاوی، شمس الدین ابو الخیر محمد بن عبدالرحمن السخاوی (م ۹۰۲ھ)۔
- ۱۱۔ المسلسلات الکبریٰ: مصنف سیوطی (م ۹۱۱ھ) اس میں ۸۵ احادیث ہیں۔
- ۱۲۔ (الفوائد الجلیلہ)، ابن عقیلیہ، ابو عبد اللہ جمال الدین محمد بن احمد العقیلیہ بن سعید
المتکی (م ۱۱۵۰ھ)۔
- ۱۳۔ مسلسلات، ابن الطیب (م ۱۱۷۰ھ)۔
- ۱۴۔ مجموعہ المسلسلات: از شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) اس مجموعہ میں سو کے قریب
احادیث ہیں جن میں مختلف انداز کا تسلسل ہے اور الحمد للہ اس رسالہ کی سماعت و اجازت
کا سلسلہ ہندوستان کے مرکزی اداروں میں جاری ہے۔
- ۱۵۔ المناہل السلسلۃ فی الاحادیث المسلسلۃ: محمد عبد الباقی ایوبی (م ۱۳۶۴ھ) اس میں ۲۱۲
احادیث ہیں (۴۶۵)۔



کتب الاطراف

تعریف:

”کتب الاطراف حدیث کی ایسی کتب ہوتی ہیں جن میں ایک یا زیادہ کتابوں کی احادیث کو جمع کر دیا جاتا ہے۔ ان میں ایک صحابی کی احادیث کو علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔ مؤلف اس میں صرف حدیث کے ایک حصہ کا ذکر کرتا ہے یا اپنے ہاں سے ایسا جملہ لکھتا ہے جو کہ پوری حدیث پر دلالت کرتا ہے“ (۴۶۶) مثلاً یہ حدیث ”کلکم راع“ یا حدیث ”بني الاسلام علی خمس“ اور یہ حدیث ”الايمان بضع وسبعون شعبة“ اور اس طرح کی اور احادیث۔ ان میں ابتدائے حدیث لکھی گئی ہے اور جن کتب میں سے ان کی نشان دہی کی گئی ہے وہ لکھی گئی ہیں۔

ایک اور تعریف ملاحظہ ہو: ”کتب الاطراف کا مطلب ہے محدث حدیث کا صرف ایک ٹکڑا ذکر کرتا ہے جس سے باقی ماندہ حدیث کا پتہ چل جاتا ہے۔ پھر اس کی یا تو تمام اسانید بیان کرتا ہے یا چند خاص خاص کتب میں اسکی جو اسانید ہوتی ہیں وہ ذکر کر دیتا ہے (۴۶۷)۔

مؤلفات حدیث کی ایک قسم کتب الاطراف ہیں جن سے مراد ایسی کتابیں ہیں جو ایک یا کئی کتابوں کی حدیثوں کی جامع ہوں۔ اس انداز میں حدیثیں جمع ہوں کہ ہر صحابی کی احادیث کا الگ الگ ذکر ہو۔ ایسی کتابوں کے مؤلف احادیث کے ایسے متن پر اکتفا کرتے ہیں جس سے اس صحابی کا پتہ چل جائے لہذا مؤلف اس کا ایک ٹکڑا بیان کر دیتا ہے یا اپنی طرف سے ایک فقرہ کہہ دیتا ہے جو اس حدیث کی نشان دہی کرتا ہے۔ جہاں تک اسانید کا معاملہ ہے تو بعض مؤلفین اختصار کے طور پر ان کے بعض حصے کو بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور بعض مکمل بیان کر دیتے ہیں تاکہ ان کے درمیان موازنہ کیا جائے اور ان میں موجود احکام کی وضاحت کی جائے۔

کتنی کہتے ہیں ”کتب الاطراف سے مراد وہ کتابیں ہیں جن میں حدیث کے ایک حصے کو بیان کرنے پر اکتفا کیا جائے جو اس کی اسانید کے جامع ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے باقی حصے پر

دلالت کرتا ہو۔ یا تو مکمل طور پر دلالت کرتا ہو یا مخصوص کتب کی قید کے لحاظ سے دلالت کرتا ہو“ (۴۶۸)

کتب الاطراف کے فوائد:

کتب الاطراف کے کئی فوائد ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل زیادہ مشہور ہیں:

- ۱۔ کتب الاطراف کے ذریعے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث کتنی سندوں سے بیان ہوتی ہے۔ اس سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سند میں انقطاع ہے یا سقط ہے یا کوئی راوی مہمل ہے اور بعض اوقات کسی کی کنیت ذکر ہو تو اسکے نام کا پتہ چل جاتا ہے۔
- ۲۔ احادیث کی کئی سندیں اور متن جمع ہو جاتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ حدیث متواتر ہے، مشہور ہے، عزیز ہے یا غریب ہے (۴۶۹)۔
- ۳۔ اطراف حدیث کے ذریعے ہمیں بیان کردہ حدیث کے مختلف روایتوں کے متون کا پتہ چلتا ہے جس کے تقابل سے اس حدیث کا مکمل متن سامنے آ جاتا ہے۔ اگر کسی روایت کے اندر کوئی کمی ہو تو دیگر روایتوں سے اس کی تصحیح ہو جاتی ہے۔
- ۴۔ اطراف حدیث کی کتب سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث کن کتب حدیث کے اندر آئی ہے اور اس کے کس باب میں متن ہے (۴۷۰)۔
- ۵۔ کتب الاطراف کے ذریعے ہمیں ہر صحابی کی احادیث کا پتہ چلتا ہے۔
- ۶۔ کتب الاطراف سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کس کس کتاب میں یہ حدیث آئی ہے۔ مثلاً آپ مسند احمد کے اندر کوئی حدیث دیکھیں اور یہ جاننا چاہیں کہ یہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، یا ابوداؤد کی سنن میں ہے یا نہیں تو آپ کتب الاطراف میں اس صحابی یا راوی کا ترجمہ دیکھیں اگر اس میں نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کتب ستہ میں یہ حدیث نہیں ہے (۴۷۱)۔
- ۷۔ کتب ستہ کے نسخوں میں اختلاف کا علم ہوتا ہے۔ یہ زیادہ تر بخاری، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ کے نسخوں میں ہوتا ہے۔ بعض میں حدیث تفصیل سے ذکر ہوتی ہے بعض میں کچھ حصہ حذف کر دیا جاتا ہے اور بعض میں اس پر تعلق ہوتی ہے۔ کتب الاطراف سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث فلاں نسخے میں ایسے ہے اور دوسرے میں ایسے ہے۔ خاص طور پر اطراف المزنی میں نسخ ابی داؤد اور نسائی کا ذکر ہے اور جو ان نسخوں میں اختلاف ہے اسکا بھی ذکر ہے۔

۸۔ کتب الاطراف سے سند کے اندر اگر مبہم راوی ہو تو اس کا بھی پتہ چل جاتا ہے (۴۷۲)۔ مشہور کتب الاطراف درج ذیل ہیں:

۱۔ تحفۃ الاشراف بمعرفة الاطراف، ابو الحجاج یوسف بن الزکی عبدالرحمن المزنی (م ۴۲۲ھ)۔

۲۔ ذخائر الحواریت فی الدلالة علی المواضع الحدیث، عبدالغنی نابلسی (م ۱۱۴۳ھ)۔

۳۔ اطراف الحسن، حافظ ابراہیم بن محمد بن عبید دمشق (م ۴۰۱ھ)۔

۴۔ اطراف الحسن، ابو خلف بن محمد واسطی (م ۴۰۱ھ)۔

۵۔ اطراف الحسن، ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی (م ۴۳۰ھ)۔

۶۔ الاشراف لمعرفة الاطراف، ابو القاسم علی بن حسن المعروف ابن عساکر دمشق (م ۵۷۱ھ)۔

۷۔ الاطراف الکتب الستہ، محمد بن طاہر مقدسی (م ۵۰۷ھ)۔

۸۔ اطراف المسانید العشرہ، ابو العباس احمد بن محمد البوصیری (م ۸۴۰ھ)۔

۹۔ اتحاد المہرۃ باطراف العشرہ، الحافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)۔

ان میں سے پہلی دو کتب پر تفصیل سے گفتگو کی جاتی ہے جبکہ باقی کے مؤلفین کا تعارف پیش خدمت ہے۔ ان میں سے زیادہ تر غیر مطبوع ہیں۔

۱۔ تحفۃ الاشراف بمعرفة الاطراف:

ابو الحجاج یوسف بن الزکی بن عبدالرحمن المزنی (م ۴۲۲ھ) ان میں سے پہلی دو کتب پر تفصیل سے گفتگو کی جاتی ہے جبکہ باقی کے مؤلفین کا تعارف پیش خدمت ہے ان میں سے زیادہ غیر مطبوع ہیں۔ مصنف نے اس کتاب کو ۱۰ محرم ۶۹۶ھ کو لکھنا شروع کیا اور ۳ ربیع الآخر ۷۲۲ھ کو ختم کیا۔ یعنی ۲۷ سال کے عرصے میں تحریر کیا (۴۷۳)۔ اس کتاب میں مندرجہ ذیل کتب احادیث کی اطراف لکھی گئیں:

- ۱۔ صحیح بخاری۔
- ۲۔ صحیح مسلم۔
- ۳۔ سنن ابی داؤد۔
- ۴۔ جامع ترمذی۔
- ۵۔ سنن نسائی۔
- ۶۔ سنن ابن ماجہ۔
- ۷۔ مقدمہ صحیح مسلم۔
- ۸۔ کتاب المراسیل لابی داؤد۔
- ۹۔ کتاب العلل للترمذی۔
- ۱۰۔ کتاب الشمائل للترمذی۔
- ۱۱۔ کتاب عمل الیوم واللیلۃ للنسائی (۴۷۴)۔

رموز (اختصارات):

مزی نے اپنی کتاب میں یہ اشارے لکھے ہیں جس سے کتاب کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے:

خ:	بخاری	خت:	بخاری تعلیقات
م:	مسلم	د:	ابوداؤد
مد:	ابوداؤد فی مراسیلہ	ت:	ترمذی
تم:	الترمذی فی الشمائل	س:	نسائی
سی:	نسائی فی عمل الیوم واللیلۃ۔	ق:	ابن ماجہ
ز:	مازادہ المصنف من الکلام علی الاحادیث		
ک:	ما استدرك المصنف علی ابن عساکر		
ع:	مارواه السنۃ (۴۷۵)		

کتاب کی ترتیب:

- ۱۔ مؤلف نے ان صحابہ کے نام لکھے ہیں جنہوں نے کتب ستہ اور اس میں آنے والی دوسری کتب روایت کیں صحابہ کی تعداد اور صحابیات کی تعداد ۹۹۵ ہے (۴۷۶)۔
- ۲۔ اسمائے تابعین اور جوان کے بعد ہیں ان کی تعداد ۴۰۰ ہے (۴۷۷)۔
- ۳۔ صحابہ، تابعین اور بعد میں آنے والے لوگوں کے ناموں کو حروف مجتم کے حساب سے لکھا ہے (۴۷۸)۔
- ۴۔ ہر صحابی یا تابعی یا احکے بعد کے راوی کی کتنی احادیث ہیں ان کا ذکر کیا ہے۔ کل احادیث ۱۹۵۹۵ ہیں (۴۷۹)۔
- ۵۔ کتاب کی ترتیب میں اسمائے صحابہ میں حروف مجتم کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس ترجمے (احوال راوی) سے شروع کرتا ہے جس کے نام سے پہلے ہمزہ ہو۔ پھر اسکے ساتھ دوسرا حرف ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے اس نے ابیض بن حمال الحمیری کو لیا ہے (۴۸۰)۔ اس نے ابیض حمال سے چار احادیث بیان کی ہیں۔ بعد میں آبی اللہم الغفاری ہیں تیسرے نمبر پر ابی بن عمارہ، چوتھے نمبر پر ابی بن کعب اور اسی ترتیب سے حدیث کو بیان کرتے ہیں۔

۶۔ سب سے پہلے مصنف ذکر کرتا ہے کہ اس حدیث کو کن اصحاب کتب نے بیان کیا ہے۔ کتب ستہ کو سب سے پہلے لیتا ہے بعد میں کتب خمسہ، بعد میں کتب اربعہ کو اور اس طرح وہ ترتیب چلاتا ہے۔ ایک حدیث کی روایت میں بخاری کو پہلے لاتا ہے مسلم کو بعد میں اور ابن ماجہ کو سب کے آخر میں ذکر کرتا ہے (۴۸۱)۔

تکرار احادیث اور اس کا سبب:

اس کتاب میں بعض احادیث کئی مقامات پر آئیں ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ وہ احادیث مختلف صحابہ نے بیان کی ہیں اور اس کی مختلف سندیں ہیں۔ اس لیے ان کو ہر اس صحابی کے نام پر بیان کرنا پڑا جنہوں نے اسے بیان کیا۔ اسی تکرار کی بناء پر احادیث کی تعداد ۱۹۵۹۵ تک پہنچ گئی (۴۸۲)۔

تحفۃ الاشراف کی نمایاں خصوصیات:

- ۱۔ یہ کتاب کتب ستہ کی اور اسی قسم کی اور کتب کی بہترین فہرست ہے۔
- ۲۔ ہر صحابی کی احادیث کو اس میں علیحدہ جمع کیا گیا ہے۔
- ۳۔ کتب ستہ اور اس میں مذکور دیگر کتب کی تمام سندوں کو جمع کر دیا گیا۔
- ۴۔ سند کے بہت سے لفظوں کی وضاحت کی گئی ہے۔
- ۵۔ اس کتاب سے مجہول اور مبہم راویوں کی احادیث کا پتہ چلتا ہے کیونکہ اس میں راویوں کے نام لکھے گئے ہیں۔
- ۶۔ اس کتاب سے مراہیل اور مقطوعات کا پتہ چلتا ہے۔

تحفۃ الاشراف کی بعض خامیاں:

- ۱۔ اگر صحابی کے نام کا پتہ نہ ہو تو اس کتاب میں حدیث نہیں مل سکتی۔
- ۲۔ عام طور پر یہ حدیث کا مکمل متن ذکر نہیں کرتے اس وجہ سے آدمی کو اصل کتب دیکھنی پڑتی ہیں اور محض اس کتاب سے کام نہیں چلتا۔
- ۳۔ مؤلف عام طور پر حدیث کو ایک طرف سے تھوڑا سا بیان کرتے ہیں اس لیے اس سے تمام حدیث پر دلالت نہیں ہوتی۔
- ۴۔ ادا کے صیغوں میں اس نے ہر راوی کے درمیان عن لکھا ہے اس لحاظ سے ضروری ہے کہ ہم

اصل کتاب کی طرف مراجعت کریں۔

تحفۃ الاشراف کو سامنے رکھ کر حافظ ابن حجر عسقلانی نے ”النکت الظراف علی الاطراف“ کتاب لکھی۔

النکت الظراف علی الاطراف لابن حجر:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جب بخاری کی شرح ”فتح الباری“ لکھی تو ان کے پاس ”تحفۃ الاشراف“ تھی۔ اس دوران انہوں نے بعض چیزوں کو محسوس کیا تو اس کے حاشیے پر لکھتے گئے اور بعد میں جب وقت ملا تو اس کو انہوں نے کتابی صورت دے دی۔ اس میں سے معروف چیزیں درج ذیل ہیں:

- ۱۔ ایسی روایات جو مزی سے رہ گئی تھیں ان کا اضافہ کیا۔
- ۲۔ ایسے اوہام جو مزی سے واقع ہو گئے تھے ان کی تصحیح کی۔
- ۳۔ حدیث کے الفاظ کے بارے میں اگر حافظ مزی سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو اس کی انہوں نے تصحیح کی ہے۔

تحفۃ الاشراف اور النکت:

یہ دونوں کتابیں پہلے ہندوستان میں بمبئی سے اکٹھی شائع ہوئیں اور ان کی تحقیق عبدالصمد شرف الدین نے کی ہے بعد ازاں یہ کتابیں اور جگہ سے بھی شائع ہوئی ہیں۔

امام مزنی کے حالات زندگی:

آپ کی کنیت ابوالحجاج اور نام یوسف بن زکی عبدالرحمن بن یوسف قضاعی کلبی المزنی ہے۔ آپ دمشق کے رہنے والے نامور حافظ حدیث اور بلند پایہ عالم ہیں اور فن حدیث میں منفرد شخصیت کے حامل ہیں۔ حلب کے نواح میں ۶۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ مزہ میں پرورش پائی۔ قرآن حکیم حفظ کیا اور فقہ میں معمولی سوجھ بوجھ پیدا کرنے کے بعد حدیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب سے پہلے ۶۷۵ھ میں اپنے استاد علامہ ابوالخیر سے ”کتاب الحلیہ“ سبقاً سبقاً پڑھی پھر ان سے مسند امام احمد، صحاح ستہ اور معجم طبرانی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی اور علامہ اربلی سے صحیح مسلم کا سماع کیا۔ ۶۸۵ھ میں مزید طلب علم کے لئے سفر پر نکلے اور عزحرائی ابوبکر ابن انماطی اور اس طبقہ کے دوسرے اساتذہ فن سے استفادہ کیا۔ ان کے

علاوہ حرمین شریفین، حلب، حماة، اور بعلبک وغیرہ شہروں کے علماء سے بھی فیوض حاصل کیے۔

آپ نے اپنے پختہ اور خوبصورت خط سے اپنے لیے اور دوسروں کے لئے بہت سی کتابیں نقل کیں۔ علم لغت کی طرف متوجہ ہوئے تو اس میں مہارت حاصل کی پھر علم صرف اور علم ادب میں کمال پیدا کیا۔ اسماء الرجال میں تو آپ کا جواب نہیں تھا اور نہ اس فن میں آنکھوں نے آپ جیسا کوئی دوسرا آدمی دیکھا۔ آپ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”تہذیب الکمال“ لکھی۔ آپ نے حدیث کی تخریج کی اور املاء حدیث کے لیے مختلف مجلسیں منعقد کیں۔ جن میں علم حدیث اور علم الرجال کے وہ پیچیدہ عقدے حل کیے جو پہلے لاینحل سمجھے جاتے تھے۔ آپ ثقہ اور حجت تھے آپ کی معلومات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ نیز اخلاق کا مجموعہ تھا۔ کثیر السکوت اور قلیل الکلام تھے صدق اور راست گوئی آپ کا شعار تھا۔ نو جوانی کی کوئی لغزش آپ سے نہیں ہوئی۔ ہر وقت مطالعہ میں مصروف رہتے۔ آپ احادیث پڑھاتے وقت کچھ لکھتے بھی جاتے تھے۔ مگر آپ کی توجہ کا یہ عالم تھا کہ پڑھنے والے کی متن یا اسناد کی کوئی غلطی آپ سے مخفی نہ رہتی تھی۔ آپ اتنی عمدگی سے اس کی اصلاح فرماتے کہ حلقہ درس میں حاضر ہونے والے علماء و فضلا دنگ رہ جاتے۔ آپ تواضع پسند بردبار اور صابر تھے۔ خوراک و لباس میں میانہ روی اختیار فرماتے اور اپنے کام کاج دوسروں سے کروانے کی بجائے خود کرتے۔ سماع حدیث اور طلب علم میں آپ امام ابن تیمیہ کے رفیق تھے۔ طریقہ سلف کے مطابق سنت کی تائید کرتے اور مباحث نظری اور قواعد کلامی سے اس کو تقویت پہنچاتے تھے اس سلسلہ میں ان کے درمیان کئی مناظرے اور مجادلے ہوئے۔

آپ کو معقولات میں بھی کافی دسترس حاصل تھی اور اس کی تعلیم و تدریس میں کوشاں بھی رہے لیکن بحمد اللہ اس میں آپ کی نیت اسلام کی تائید اور تقویت ہی کی تھی۔ دوسرے عام لوگوں کی طرح آپ نے ان علوم سے کوئی بُرا اثر قبول نہیں کیا۔ امام ذہبی کہتے ہیں کہ جہاں تک مجھے علم ہے آپ نے ان فنون میں کوئی تصنیف نہیں چھوڑی۔

وفات:

آپ نے ۱۲ صفر ۷۴۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا (۷۸۳)۔

ذخائر الموارث فی الدلالة علی مواضع الحدیث:

مؤلف کا نام: عبد الغنی نابلسی (م ۱۱۴۳ھ)

موضوع:

جمع اطراف الکتب السنۃ وموطا مالک (۴۸۴)۔

تقسیم ابواب

مصنف نے اس کتاب کو سات ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

الباب الاول

صحابہ کی مسانید۔

الباب الثانی

ان لوگوں کی مسانید جو کنیت کے لحاظ سے مشہور ہیں۔ جس کنیت سے مشہور ہیں

اس کنیت کے پہلے حرف سے لکھا گیا ہے۔

الباب الثالث

مبہم رجال کی مسانید

الباب الرابع

صحابیات کی مسانید۔

الباب الخامس

ان صحابیات کی مسانید جو کنیت کے لحاظ سے مشہور ہیں۔

الباب السادس

مبہم صحابیات کی مسانید جنہیں اسماء الرواة کے لحاظ سے مرتب کیا گیا۔

الباب السابع

احادیث میں سے مراہیل کا ذکر جنہیں اسماء الرجال کے لحاظ سے مرتب کیا گیا

ہے (۴۸۵)۔

رموز:

اس کتاب میں درج ذیل رموز لکھے ہیں:

خ: بخاری م: مسلم د: ابوداؤد

ت: ترمذی س: نسائی ہ: ابن ماجہ

ط: موطا (۴۸۶)۔

مؤلف حدیث کی ایک طرف بیان کرتا ہے اس کی وجہ سے پوری حدیث پر دلالت ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر حدیث نمبر ۴۶۹ کے لفظ یہ ہیں (حدیث الاعرابی الذی بال فی المسجد) (۴۸۷) اس کے سوا اور کوئی الفاظ ذکر نہیں کرتا اور حدیث نمبر ۲۵۰ جس کے الفاظ یہ ہیں (حدیث المعراج بطولہ) (۴۸۸)۔ اس کے علاوہ اور کوئی الفاظ نہیں ہیں۔

مسند کی ابتداء میں اس نے حرف ہمزہ سے شروع کیا۔ مثلاً سب سے پہلے ابیض بن جمال الحمری الماری عن النبی، حدیث نمبر ۱، ”انہ وفد الی النبی فاستقطعه الملح الذی بالمآرب“ کا ذکر کیا (۴۸۹)۔ پھر حدیث نمبر ۲ کو ذکر کیا ہے (۴۹۰) جن کتب میں ان کا ذکر ہے ان کے رموز ذکر کیے ہیں۔ اپنی کتاب کے منہج کی اس نے مقدمے میں وضاحت کر دی ہے (۴۹۱)۔ مثال کے طور پر حدیث نمبر ۳۰۷۶ کا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے تحت ذکر کیا ہے۔ بخاری برائے اور پھر اس کو ابوداؤد کی کتاب العلم کے اندر ذکر کرتا ہے (۴۹۲)۔ عام طور پر حدیثوں کے بارے میں اس کا طریقہ یہ ہے۔

نمبر: حدیث کی ایک طرف کو لکھا ہے۔

نمبر ۲: اماموں میں سے جس نے اس حدیث کو نکالا ہے اس کو ذکر کرتا ہے۔

نمبر ۳: اماموں کے استاد کا ذکر کرتا ہے۔

نمبر ۴: جس کتاب سے لی گئی ہے اس کے اشارے ذکر کیے ہیں۔ اس کے بعد ان اشاروں کو ہی لکھتے ہیں (۴۹۳)۔

عبدالغنی بن اسماعیل النابلسی (م ۱۱۴۳ھ) کے حالات زندگی:

عبدالغنی بن اسماعیل النابلسی ایک صوفی، عالم دین، شاعر سیاح اور مختلف مضامین کی بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں (۴۹۴)۔ آپ ۵ ذوالحجہ ۱۰۵۰ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے (۴۹۵)۔ وہ اپنے دور میں شام کی ادبی و مذہبی زندگی میں چوٹی کی شخصیت تھے۔ ان کا گھرانہ شافعی مکتب فکر کا پیرو تھا (اگرچہ ان کے والد فقہ حنفی کے پیرو ہو گئے تھے) یہ لوگ دمشق میں اقامت پذیر تھے۔ انھی ان کے دادا کو ”شیخ مشائخ شام“ کے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ ابتداء میں ان کا میلان تصوف کی طرف تھا۔ چنانچہ وہ قادری اور نقشبندی سلسلوں میں شامل ہو گئے تھے۔ ابھی نوجوان ہی تھے کہ سات برس تک گھر میں گوشہ نشین رہے (۴۹۶)۔

ابن عربی، ابن سینا اور عقیف الدین التلمسانی کی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا (۴۹۷)۔ ظاہری رسوم کی پابندی نہ کرنے کے سبب ان پر عقیدہ ”ملا متیہ“ رکھنے کا الزام لگ گیا۔ ان کی ابتدائی تصنیف ”بدیۃ رسول ﷺ“ نعت نبوی سے متعلق ہے۔ یہ کتاب اتنی بلند پایہ تھی کہ لوگوں کو اس کی تصنیف پر شک ہوا حتیٰ کہ عبدالغنی نے اس کی شرح لکھ کر اپنی قابلیت کا لوہا منوالیا (۴۹۸)۔ ۱۰۷۵ھ میں وہ استنبول گئے اور یہ ان کا پہلا سفر تھا۔ اس کے بعد ۱۱۰۰ھ بقاع اور لبنان، ۱۱۰۱ھ میں القدس، اخلیل، ۱۱۰۵ھ میں مصر، حجاز، ۱۱۱۲ھ میں طرابلس کا سفر کیا اور اپنے پہلے سفر کے سوا باقی سب کی سرگزشت قلم بند کی (۴۹۹)۔ ان کی کل تصانیف (چھوٹے رسائل سمیت) دواڑھائی سو کے قریب ہے۔ ان کے شاگرد بے شمار تھے جن میں سے غالباً سب سے ممتاز المصطفیٰ البکرمی تھے (۵۰۰)۔ ان کی وفات ۲۲ شعبان ۱۱۴۳ھ کو ہوئی (۵۰۱)۔

۳۔ اطراف الصحیحین:

مؤلف کا نام:

حافظ ابراہیم بن محمد بن عبید دمشقی (م ۴۰۱ھ)

حالات زندگی:

آپ کی کنیت ابو مسعود اور نام ابراہیم بن محمد بن عبید دمشقی ہے۔ آپ دمشق کے رہنے والے بلند پایہ حافظ حدیث تھے۔ فن اطراف الحدیث میں چوٹی کے علما میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے واسط میں محمد بن عبد اللہ بن محمد بن سقاء وغیرہ سے کوفہ میں مطین کے تلامذہ سے، اصفہان میں ابوبکر قباب سے اور ان کے طبقہ سے، بصرہ میں ابو خلیفہ حمی کے تلامذہ سے، نیشاپور میں امام ابن خزیمہ کے اصحاب سے اور ابوبکر احمد بن عبدان شیرازی سے حدیث کا سماع کیا (۵۰۲)۔

خطیب بغدادی فرماتے ہیں آپ نے تحصیل علم کے لیے بہت سے سفر کیے۔ بغداد میں ابو سعید حرانی کے تلامذہ کے علاوہ، بصرہ، اہواز، واسط، خراسان اور اصفہان کے آئمہ سے حدیث لکھی۔ آپ کو صحیحین سے خاص لگاؤ تھا۔ انہوں نے حدیث بہت کم بیان کی ہیں اور جو بیان کی ہیں وہ بھی بطور مذاکرہ بیان کی ہیں۔ آپ راست گو، دیانتدار اور پرہیزگار تھے (۵۰۳)۔

امام ذہبی لکھتے ہیں ”آپ سے ابو ذر رھروی، حمزہ سہمی، احمد بن محمد عتقی، ابوالقاسم لاکائی اور دوسرے لوگوں نے حدیث بیان کی۔ آپ کی روایت کردہ احادیث اس وجہ سے کم ہیں کہ آپ کا عالم جوانی میں انتقال ہو گیا۔ آپ رجب ۴۰۰ھ یا ۴۰۱ھ کو فوت ہوئے۔ میں نے احادیث معللہ میں آپ کی تصنیف کردہ ایک جلد دیکھی ہے جو آپ کے بے پناہ حافظہ اور نقد رجال میں آپ کی مہارت کی شہادت دیتی ہے (۵۰۴)۔“

۴۔ اطراف الصحیحین:

مؤلف:

ابو محمد خلف بن محمد واسطی (م ۴۰۱ھ)۔

حالات زندگی:

آپ واسط کے رہنے والے بہت بڑے حافظ حدیث اور کتاب الاطراف کے مصنف ہیں۔ انہوں نے بغداد میں ابوبکر قطعی اور ان کے طبقہ سے، واسط میں عبد اللہ بن محمد بن سقاء، جرجان میں ابوبکر اسماعیلی اور ان کے طبقہ سے، ہرات میں محمد بن عبد اللہ بن خرویہ اور ان کے طبقہ سے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں سے حدیث کا سماع کیا (۵۰۵)۔

خطیب ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ”لوگ ان کی منتخب کردہ احادیث لکھا کرتے تھے۔ آپ اس فن کے عالم فاضل تھے پھر تجارت میں ایسے مشغول ہوئے کہ تازندگی علم سے تعلق منقطع کر لیا“ (۵۰۶)۔ آپ طلب علم میں محدث شہیر ابوالفتح بن ابی الفوارس کے رفیق تھے (۵۰۷)۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”انہوں نے مصر اور شام کا بھی سفر کیا۔ تقدم اور برتری کے باوجود امام ابو عبد اللہ حاکم ان سے روایت کرتے تھے۔ ان کے علاوہ ابو علی اہوازی، ابوالقاسم عبید اللہ بن احمد ازہری اور ایک دوسری جماعت نے بھی آپ سے استفادہ کیا۔ آخر میں رملہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور تجارتی کاروبار کرنے لگے تھے۔ انہوں نے صحیحین کے بڑے عمدہ اطراف لکھے جس میں بہت سے فوائد جمع کیے ہیں۔ اور دوسرے محدثین کے اوہام پر تنبیہ بھی کی ہے۔ اس میں ابو مسعود دمشقی کی اطراف سے اغلاط بہت کم ہیں“ (۵۰۸)۔ امام حاکم نے ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ شعبہ اور دوسرے محدثین کی احادیث کے حافظ تھے (۵۰۹)۔ ابو نعیم کہتے ہیں: ”ہم نیشاپور اور اصفہان میں ان کی صحبت میں رہے ہیں (۵۱۰)۔ آپ کی وفات ۴۰۱ھ میں ہوئی (۵۱۱)۔ خطیب کہتے ہیں میں نے ازہری سے سنا ہے فرماتے ہیں خلف حافظ حدیث تھے اور ابن ابی الفوارس ان کے استاد تھے۔ مجھے ان کے واسطے سے حضرت ابن عباس کی یہ حدیث ملی ہے ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”سخی کی عیب جوئی سے دور رہو جب وہ کوئی غلطی کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے“ (۵۱۲)۔

۵۔ اطراف الصحیحین:

مؤلف:

ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی (م ۴۳۰ھ)۔

حالات زندگی:

آپ کی کنیت ابو نعیم، نام احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق اور خطاب ”محدث العصر“ ہے۔ آپ اصفہان کے رہنے والے بہت بڑے حافظ حدیث ہیں۔ آپ مشہور زاہد محمد بن یوسف بناء کے نواسے ہیں (۵۱۳)۔ ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے (۵۱۴)۔

جب آپ کی عمر صرف چھ سال تھی تو دنیا کے سربراہ اور عظیم مشائخ نے آپ کو اجازت سے نوازا چنانچہ واسطے سے عمر رسیدہ بزرگ عبد اللہ بن عمر بن شاذب نے، نیشاپور سے شیخ نیشاپور ابو

العباس اصم نے، شام سے شیخ شام خیشمہ بن سلمان طرابلسی نے اور بغداد سے جعفر الخلدی، ابوسہیل بن زیاد اور ایک دوسری جماعت نے آپ کو حدیث پڑھانے کی اجازت دے دی (۵۱۵)۔

آپ ان مشاہیر سے اجازت پانے میں اس طرح منفرد ہیں جس طرح ایک جماعت سے سماع کرنے میں منفرد ہیں چنانچہ دنیا کے کونے کونے سے حفاظ حدیث آپ کے حفظ، علمی شہرت اور علو اسناد کی وجہ سے آپ کی طرف کھینچے چلے آتے تھے (۵۱۶)۔

اساتذہ:

آپ نے پہلے پہل باقاعدہ طور پر مسجد اصفہان اور عمر رسیدہ شیخ ابو محمد بن فارس سے ۴۴۶ھ میں پڑھنا شروع کیا۔ اس کے بعد ابواحمد عسال، احمد بن معبد سمار، احمد بن بندار، ابوبکر بن کوثر، ابوبکر بن خلاد نصیبی، حسیب قزاز، ابوبکر بھالی، ابوالقاسم ظہری، ابوبکر آجری، ابوعلی بن صواف، ابراہیم بن عبداللہ بن ابی العزائم کوئی، عبداللہ بن جعفر جابری، احمد بن حسن مکی، فاروق خطابی، ابوالشیخ بن حیان اور خراسان اور عراق کے بہت سے آئمہ سے حدیث کا سماع کیا۔ آپ نے تحصیل علم میں بڑی تندہی اور محنت و مشقت سے کام لیا۔ آپ کو کبار مشائخ سے ملاقات کے وہ مواقع میسر آئے جو دوسرے کسی حافظ حدیث کو میسر نہیں آئے (۵۱۷)۔

شاگرد:

آپ سے کوشیار بن لیایز ورجیلی نے روایت کی ہے۔ ان کے علاوہ ابوبکر بن ابی علی ذکوانی، ابوسعید مالینی، حافظ خطیب، حافظ ابوصالح، مؤذن، ابوعلی وحشی، ابوبکر محمد بن ابراہیم عطاء، سلیمان ابراہیم، ہبہ اللہ بن محمد شیرازی، محمد بن حسن بکر نے آمل میں، ابوبکر آرموی نے تیس میں، ابوبکر سمطاری نے صفیہ میں، ابوعمر و بن قنابط نے اندلس میں، یوسف بن ابوالحسن تفکری، ابوالفضل حمد حداد، اس کے بھائی ابوعلی مقری، عبدالسلام بن احمد قاضی مفسر، محمد بن بیاہ، ابوسعید مطرز، غانم برجی، ابومنصور محمد بن عبداللہ شروطی اور دوسرے بہت سے لوگوں نے آپ سے حدیث کا سماع کیا (۵۱۸)۔

خطیب کہتے ہیں کہ میں نے حافظ ابو نعیم اور ابوحازم کے سوا ایسا آدمی نہیں دیکھا جس پر بجا طور پر حافظ کا اطلاق کیا جائے (۵۱۹)۔ حمزہ بن عباس علوی فرماتے ہیں: ”محدثین کہا کرتے تھے کہ حافظ ابو نعیم کی چودہ سال تک کوئی نظیر نہیں تھا مشرق اور مغرب میں نہ ان سے بڑا کوئی حافظ تھا اور نہ کسی کے پاس ان سے اعلیٰ کوئی سند تھی (۵۲۰)۔“

حافظ ابو نعیم نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں: کتاب معرفۃ الصحابہ، کتاب دلائل النبوة، کتاب المستخرج علی البخاری، کتاب المستخرج علی مسلم، کتاب تاریخ اصفہان، صفۃ الجنہ، کتاب الطب اور کتاب المعتقد (۵۲۱)۔

وفات:

آپ نے ۹۴ سال کی عمر میں ۲۰ محرم ۴۳۰ھ میں وفات پائی (۵۲۲)۔

۶۔ الاشراف معرفۃ الاطراف:

اس کتاب میں انہوں نے سنن اربعہ کو جمع کیا۔

مؤلف کا نام:

ابو القاسم علی بن حسن المعروف ابن عساکر دمشقی (م ۵۷۱ھ)

حالاتِ زندگی

آپ کی کنیت ابو القاسم، نام علی بن حسن ہبۃ اللہ اور لقب محدث شام ہے۔ دمشق کے رہنے والے جلیل القدر اور بلند پایہ حافظ حدیث ہیں۔ شافعی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ تاریخ کبیر اور دیگر پر مغز اور مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۴۹۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد اور اپنے بھائی ضیاء الدین ہبۃ اللہ کی خصوصی توجہ سے اپنی عمر کے ساتویں سال ہی میں حدیث کا سماع شروع کیا (۵۲۳)۔

اساتذہ:

آپ نے اپنے شہر دمشق میں ابو القاسم نسیب، قوام بن زید، سلیم بن قیراط، ابو طاہر حنائی، ابو الحسن بن موازینی اور اس طبقہ کے دوسرے علماء سے اکتساب فیض کیا۔ پھر ۵۰۲ھ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے رحلات علمی کا آغاز کیا اور بغداد میں ابو القاسم بن حصین، ابو الحسن بن دینوری، ابو العز بن کاوش، ابو غالب بن بناء، ابو عبد اللہ بارع، قاضی مرستان اور اس طبقہ کے دیگر مشاہیر سے حدیث کا سماع کیا (۵۲۴)۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد ایک ہزار تین سو ہے۔ ان میں سے اسی سے زیادہ عورتیں ہیں (۵۲۵)۔

آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ مشہور محدث، معمر بن فاخر، ابو العلاء ہمدانی، ابوسعید سمعانی اور دوسرے کبار علماء آپ کے تلامذہ ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے صاحبزادے قاسم، ابو جعفر قرطبی زین الامناء، ابو برکات بن عسا کر اور ان کے بھائی شیخ فخر الدین وغیرہ بے شمار علماء نے آپ سے حدیث کا علم حاصل کیا (۵۲۶)۔

مقام و مرتبہ:

حافظ سمعانی کہتے ہیں۔ ”ابو القاسم ابن عسا کر حافظ حدیث، ثقہ، متقن، دیانتدار، نیک اطوار اور بلند اخلاق تھے۔ متن اور اسناد کو خوب جانتے تھے۔ علم و فضل میں بے نظیر اور بڑے محقق تھے“ (۵۲۷)۔ آپ حدیث کی قراۃ بڑے دلنشین انداز سے کرتے تھے آپ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے مختلف ممالک کی طرف سفر کیا اور حصول مقصد کے لیے راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علم کا جتنا ذخیرہ آپ کے پاس محفوظ تھا کسی کے پاس نہیں تھا (۵۲۸)۔

تدریسی زندگی کا آغاز:

ابو المواہب کہتے ہیں: ”ایک دن مجھ سے فرمانے لگے جب میں نے حدیث پڑھانے کا ارادہ کیا اور خدا شاہد ہے کہ اس میں حب جاہ اور تقدم علی الاقران کا جذبہ ہرگز ہرگز کارفرما نہیں تھا، بلکہ خواہش یہ تھی کہ میں نے حدیث کا جو یہ بے اندازہ ذخیرہ جمع کیا ہے، اسے کب بیان کروں۔ اگر میں اسے کاغذات میں چھوڑ گیا تو اس تمام جانکاہی اور مشقت سے کیا حاصل؟ چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور اپنے چوٹی کے اساتذہ سے اجازت طلب کی اور گھوم پھر کر اعیان شہر سے مشورہ کیا تو سب نے بیک زبان کہا ”اس کام کو سرانجام دینے کے لئے تم سے زیادہ مستحق کون ہے۔ چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ۵۳۳ھ میں تدریسی زندگی کا آغاز کیا“ (۵۲۹)۔ آپ نے ۵۷۱ھ میں وفات پائی (۵۳۰)۔

۷۔ اطراف الکتاب السنۃ:

مؤلف کا نام:

محمد بن طاہر مقدسی (م ۵۰۷ھ)۔

حالات زندگی:

آپ کی کنیت ابو الفضل اور نام محمد بن طاہر ہے۔ بیت المقدس کے رہنے والے مشہور حافظ حدیث ہیں۔ آپ نے طلب علم کے لیے تمام ممالک اسلامیہ کے علمی سرچشمے کھنگال ڈالے اور اپنے قلب و دماغ میں اتنا وسیع ذخیرہ جمع کیا (۵۳۱)۔ آپ نے بے شمار اساتذہ سے علم حاصل کیا جن میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔ بغداد میں ابو محمد صریفی، مصر میں ابو اسحاق حبال، تنیس میں علی بن الحسین بن حداد دمشق میں ابو القاسم بن ابو العلاء، حلب میں حسین بن مکی، جزیرہ میں ابو عمر، اصفہان میں عبد الوہاب بن مندہ (۵۳۲)۔ اس کے علاوہ آپ مختلف شہروں میں گئے اور ان سے استفادہ کیا۔ آپ سے استفادہ کرنے والوں میں شیروہ بن شہردار، ابو جعفر بن ابی علی، ابو نصر غازی، عبد الوہاب الانماطی، ابن ناصر سلفی اور ان کے صاحبزادے ابو زرعد، محمد بن اسماعیل طرطوسی اور دوسرے لوگ شامل ہیں (۵۳۳)۔

ابن طاہر خود کہتے ہیں میری پیدائش شوال ۴۲۸ھ میں ہوئی۔ ۴۶۰ھ میں حدیث کا سماع شروع کیا اور مزید تعلیم کے لیے ۴۶۷ھ میں بغداد داخل ہوئے (۵۳۴)۔ آپ نے ربیع الاول ۵۰۷ھ میں وفات پائی (۵۳۵)۔

۸: اطراف المسانید العشرة:

مؤلف:

بوالعباس احمد بن ابی بکر بن اسماعیل البوصیری (م ۸۴۰ھ)

نام و نسب:

احمد بن ابی بکر بن اسماعیل بن قایماز البوصیری ہے۔ لقب شہاب الدین کنیت ابو العباس ہے (۵۳۶)۔ آپ نے برہان التلوخی، البلقینی، العراقی، البیہقی اور اس طبقہ کے علماء سے کسب فیض کیا اور تدریس حدیث کے علاوہ تخریج کی بہت سی کتابیں تصنیف کیں (۵۳۷)۔

حافظ ابن حجر کے ساتھ بھی کافی عرصہ رہے۔ ان سے ”لسان المیزان“ اور النکت علی الکاشف لکھی اور دوسرے تصانیف بھی سماعت کی (۵۳۸)۔ پھر کتب تصنیف کرنا شروع کیں۔ ان میں ”الفردوس“ مسند الفردوس پر حاشیہ لکھا (۵۳۹)۔

۱. اتحاف الخیرہ بزوائد المسانید العشرہ.
 ۲. تحفة الحبيب للحبيب بالزوائد فی الترغیب والترہیب.
 ۳. زوائد ابن ماجہ علی کتب الحفاظ الخمسہ.
 ۴. زوائد نوادر الاصول للحکیم الترمذی.
 ۵. القوائد المنتقى لزوائد سنن البيهقي
- اٹھارہ محرم ۸۴۰ھ کو فوت ہوئے (۵۴۰)۔

المسانيد العشرہ میں درج ذیل کتب کے اطراف ہیں:

- | | |
|-----------------------------|-------------------------------------|
| ۱۔ مسند ابی داؤد | ۲۔ مسند ابی بکر الحمیدی |
| ۳۔ مسند مسدد بن سرحد | ۴۔ مسند محمد بن یحییٰ العدنی |
| ۵۔ مسند ابی بکر بن ابی شیبہ | ۶۔ مسند احمد بن منیع |
| ۷۔ مسند عبد بن حمید | ۸۔ مسند الحارث بن محمد بن ابی اسامہ |
| ۹۔ مسند ابی یعلیٰ الموصلی | ۱۰۔ مسند اسحاق بن راہویہ (۵۴۱) |

۹۔ اطراف المہرۃ باطراف العشرہ:

مؤلف کا نام:

الحافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)

اطراف العشرہ میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

- | | |
|-----------------------------|--------------------------|
| ۱۔ المؤطا ومسند الشافعی | ۲۔ مسند احمد |
| ۳۔ مسند الداری | ۴۔ صحیح ابن خزیمہ |
| ۵۔ منشی ابن الجارود | ۶۔ صحیح ابن حبان |
| ۷۔ مستدرک الحاکم | ۸۔ مستخرج ابی عوانہ |
| ۹۔ شرح معانی الآثار للطحاوی | ۱۰۔ سنن الدار قطنی (۵۴۲) |

نام و نسب:

نام احمد، ابو الفضل کنیت اور شہاب الدین لقب تھا۔ پورا نسب نامہ یہ ہے: احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن محمود بن احمد بن حجر عسقلانی مصری (۵۴۳)۔

ولادت اور ابتدائی حالات:

۲۳ شعبان ۷۷۳ھ کو مصر میں پیدا ہوئے (۵۲۲)۔ صغریٰ میں آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تھا۔ فرماتے ہیں: ”جب میرے والد فوت ہوئے تو میری عمر کے چار سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے اور آج مجھے وہ بالکل ایک خیال کی طرح یاد ہیں۔ اتنا یاد آیا ہے کہ انہوں نے کہا: میرے لڑکے (ابن حجر) کی کنیت ابوالفضل ہے“ (۵۲۵)۔

حصول تعلیم:

ابتدائی تعلیم کا آغاز مصر سے کیا۔ سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ قرآن مجید کے حفظ میں آپ کے استاد شیخ صدر السقطی شارح مختصر التبریزی ہیں۔ آپ کا حافظہ غیر معمولی تھا اس لیے ۹ سال کی عمر میں آپ نے قرآن پاک حفظ کر لیا۔ آپ نے تحصیل علم کے لیے سفر کا آغاز ۷۸۴ھ میں کیا اور حرمین شریفین کے علاوہ اسکندریہ، نابلس، رملہ، غزہ، یمن، قبرص، شام اور حلب وغیرہ کے رحلات علمی شامل ہیں (۵۲۶)۔ اسی بناء پر آپ کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے، جیسا کہ ابن فہد مکی نے لکھا ہے: ”ان کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے، جن کو نہ بیان کرنا ممکن ہے اور نہ شمار کرنا“ (۵۲۷)۔

اساتذہ و شیوخ: آپ کے مشہور اساتذہ یہ ہیں:

- ۱۔ شیخ ابو محمد عقیف النشاوری (م ۷۹۰ھ)
- ۲۔ حافظ عمر بن علی بن احمد (م ۸۰۴ھ)
- ۳۔ امام ابو حفص عمر بن رسلان بن نصیر عسقلانی بلقینی (م ۸۰۵ھ)
- ۴۔ حافظ عبدالرحیم الشافعی العراقی (م ۸۰۶ھ)
- ۵۔ شیخ الاسلام ابو حامد محمد بن ظہیرہ (م ۸۱۷ھ)
- ۶۔ علامہ ابراہیم بن موسیٰ (م ۸۰۱ھ)
- ۷۔ امام ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) (۵۲۸)

تلامذہ:

حافظ ابن حجر کے تلامذہ اور مستفیدین کا حلقہ بھی بہت وسیع تھا۔ جس طرح آپ کے اساتذہ کی صحیح تعداد کا پتہ نہیں چل سکا اسی طرح آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ تاہم

آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں:

- ۱۔ امام محمد بن عبدالرحمن سخاوی (م ۹۰۲ھ)۔
 - ۲۔ امام برہان الدین ابراہیم بن عمر بقاعی (م ۸۰۹ھ)۔
 - ۳۔ ابن فہدکی (م ۸۷۱ھ)۔
 - ۴۔ زکریا بن محمد الانصاری (م ۸۲۶ھ)۔
- حافظ صاحب کے یہ تلامذہ بھی اپنے وقت کے امام اور صاحب فن تھے (۵۴۹)۔

تبحر علمی اور جامعیت:

یوں تو آپ جامع العلوم تھے ہی لیکن آپ کے خصوصی میدان علم حدیث، رجال اور فقہ تھے۔ ان میں بھی حدیث سے آپ کو زیادہ شغف تھا اور اس میں آپ نے زیادہ ناموری حاصل کی۔ امام شوکانی (م ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں: ”بعض کا قول ہے کہ ابن حجر فطری شاعر، محدث اور فقیہ بے بدل تھے، رجال کی معرفت، ان کا استحضار، ان کے بلند و پست کی پہچان اور علل احادیث وغیرہ کی واقفیت ان پر ختم ہو گئی“ (۵۵۰)۔

سرعت قرأت:

حافظ ابن حجر کی سرعت قرأت کے بعض ایسے محیر العقول واقعات منقول ہیں جن پر اس زمانہ میں یقین کرنا مشکل ہے۔ لیکن یہ واقعات حافظ صاحب کے اکابر تلامذہ سے متواتر منقول ہیں۔ اس لیے ان کی صحت میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔

حافظ ابن فہد لکھتے ہیں: ”آپ نے بخاری شریف ظہر و عصر کے درمیان دس مجلسوں میں ختم کی، مسلم شریف ڈھائی دن میں اور نسائی شریف دس مجلسوں میں ختم کی۔ معجم صغیر طبرانی ظہر و عصر کے درمیان ایک مجلس میں ختم کی“ (۵۵۱)۔

منصب قضاء:

حافظ ابن حجر نے قضا کی آزمائشوں میں مبتلا نہ ہونے کا شروع سے عزم کر لیا تھا، لیکن حکومت کی طرف سے شدت سے دباؤ ڈالا گیا تو آپ منصب قضاء قبول کرنے پر راضی ہوئے۔ آپ کے منصب قضاء قبول نہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس میں بہت سی مشکلات اور آزمائشیں

تھیں، جیسا کہ آپ کے تلمیذ رشید حافظ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”وہ قضاء سے بہت دامن بچاتے تھے، کیونکہ اس میں بڑی مشکلات اور آزمائشیں ہیں“ (۵۵۲)۔

تصانیف:

حافظ ابن حجر نے اپنی طویل زندگی میں مختلف علوم و فنون پر بکثرت کتابیں تصنیف کیں۔ حافظ ابن حجر کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کی تصانیف کی شہرت و مقبولیت ان کی زندگی میں بہت زیادہ ہوئی۔ امام سخاوی نے آپ کی تصانیف کی تعداد ۱۵۰ سے زائد بتائی ہے، جن میں بیشتر کتابیں فن حدیث سے متعلق ہیں۔ حافظ سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے ۱۸۶ کتابوں کے نام شمار کرائے ہیں اور ابن عماد حنبلی نے ۷۲ تصانیف کے نام لکھے ہیں جن کی کل مجلدات کی تعداد ۱۱۲ ہے (۵۵۳)۔

آپ کی چند مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

- | | |
|--|--|
| - فتح الباری شرح صحیح البخاری | - ہدی الساری (مقدمہ فتح الباری) |
| - اتحاف المحررة باطراف الاسانید العشرة | - اطراف المسند المحتکی باطراف المسند الحنبلی |
| - تہذیب التہذیب | - الدرر الكامنة فی اعیان المائة الثامنة |
| - الاصابة فی تمییز الصحابة | - شرح نخبة الفکر فی مصطلح اهل الاثر |
| - لسان المیزان | - بلوغ المرام من اولی الاکام |
| - تقریب التہذیب | - تلخیص الحبیر (۵۵۴) |

وفات:

ذوالحجہ ۸۵۲ھ کو بعد نماز عشاء قاہرہ (مصر) میں علم و عمل کا یہ آفتاب غروب ہوا (۵۵۵)۔



امام مالک رحمہ اللہ اور ان کی مؤطا

نام و نسب:

آپ کا اسم گرامی مالک رحمہ اللہ اور کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ نسب نامہ یہ ہے مالک بن انس بن عامر بن مالک بن ابو عامر بن عمرو بن الحارث، لقب امام دارا الحجرہ تھا (۵۵۶)۔

ولادت باسعادت:

آپ رحمہ اللہ ۹۳ یا ۹۵ ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے (۵۵۷)۔

خاندانی حالات:

امام مالک رحمہ اللہ کا خاندان والد کی طرف سے یمن کے قبیلے ذوالحج سے تعلق رکھتا تھا اس لیے اسے احمی کہلائے۔ اور والدہ ماجدہ العالیۃ بنت بن بکار عرب کے مشہور قبیلے ازد سے تعلق رکھتی تھیں (۵۵۸)۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ کا خاندان قبیلہ تمیم کا موالی تھا اور اس وجہ سے کچھ مؤرخین کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ آپ کا خاندان موالی ہونے کی وجہ سے عجمی تھا آزاد کردہ غلام۔ مگر موالی حلیف کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا خاندان قبیلہ تمیم کا حلیف تھا اور آپ کے جد اعلیٰ ابو عامر کا اس قبیلہ میں نکاح ہوا تھا لہذا سسرال ہونے کی وجہ سے اس قبیلہ کے ساتھ آپ کے خاندان کے تعلقات مزید مستحکم ہو گئے تھے (۵۵۹)۔

آپ کے خاندان میں سب سے پہلے آپ کے جد اعلیٰ ابو عامر مدینہ تشریف لائے اور مسلمان ہوئے۔ اُس وقت آنحضرت ﷺ کا وصال ہو چکا تھا۔ اس لیے انہیں صحابی ہونے کا شرف حاصل نہیں ہو سکا۔ تاہم انہوں نے یہاں آ کر قبیلہ تمیم میں نکاح کر لیا اور مستقل طور پر مدینہ منورہ ہی میں مقیم ہو گئے۔ یہیں انہوں نے علم حدیث کی تعلیم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، طلحہ

بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کی۔ امام مالک رحمہ اللہ کے والد محترم اور چچا ابوسہیل نافع رحمہ اللہ ان سے احادیث کی روایت کرتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ کے عم محترم ابوسہیل نافع بہت بڑے محدث تھے وہ مشہور محدث امام زہری کے استاد بھی تھے۔ خود امام مالک رحمہ اللہ کے بڑے بھائی نصر بھی حدیث کے عالم تھے (۵۶۰)۔

ابتدائی تعلیم:

امام مالک رحمہ اللہ کو بچپن ہی سے علم حدیث کی تعلیم کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ جب آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا تو آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو اچھے کپڑے پہنا کر اور سر پر عمامہ باندھ کر، مدینہ منورہ کے مشہور محدث حضرت ربیعہ کے حلقہ درس میں چھوڑ آئیں۔ (۵۶۱) یہ قدم ابتدا میں صرف برکت حاصل کرنے کے لیے تھا۔ ورنہ چھوٹی عمر میں امام مالک کے پہلے استاد حضرت ابن ہرمرز تھے۔ کیونکہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے سے پہلے ایک نو عمر طالب علم کے لیے ضروری تھا کہ وہ کسی ایک عالم کا دامن مضبوطی کے ساتھ پکڑے تاکہ اس کا علم پختہ ہو سکے۔ امام مالک حضرت ابن ہرمرز رحمہ اللہ کی خدمت میں سات سال تک ابتدائی تعلیم حاصل کرتے رہے اور اس عرصے میں کسی دوسرے استاد کی طرف متوجہ نہیں ہوئے (۵۶۲)۔

اساتذہ:

امام مالک کو مدینہ منورہ سے باہر تحصیل علم کی ضرورت نہ پڑی کیونکہ مدینہ منورہ میں ہی بے شمار محدثین موجود تھے۔ بلکہ حج و عمرہ کے موقع پر دوسرے شہروں کے محدثین کرام بھی مدینہ منورہ زیارت مسجد نبوی کے لیے آتے تھے اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر امام مالک باہر کے جلیل القدر محدثین سے بھی روایات حاصل کر لیتے تھے۔ ایسے غیر مدنی شیوخ کی تعداد نو ہے اور تمام شیوخ کی تعداد جن سے مؤطا میں روایت کی گئی ہے۔ تقریباً ۹۴ ہے (۵۶۳)۔ یہ تعداد دیگر مشہور محدثین کے مقابلے میں نہایت کم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام مالک نے اپنے شیوخ کے انتخاب میں بہت ہی احتیاط سے کام لیا ہے۔ حضرت ابن ہرمرز کے بعد آپ ربیعہ الرازی، نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور امام زہری رحمہ اللہ کی خدمت میں زیادہ عرصے تک رہے اور ان کے علمی اثرات سے مستفید ہوئے۔ اسی طرح زید بن اسلم، عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید الانصاری اور ایوب السخثانی بھی آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے ان کے شیوخ کی تعداد ۷۵ بتائی ہے (۵۶۴)۔ چند مشہور اساتذہ درج ذیل ہیں:

حضرت ابن ہرمز:

اس زمانے میں بعض لوگوں کے عقائد میں فرق آ گیا تھا اور کچھ گمراہ فرقے پیدا ہونے لگے تھے لہذا ایک نو عمر طالب علم کے لیے ضروری تھا کہ وہ گمراہ فرقوں کے بُرے عقائد اور بُرے اثرات سے محفوظ رہے اور امام مالک خوش قسمت تھے کہ انہیں ابتدائی عمر میں حضرت ابن ہرمز جیسا استاد ملا جو اسلامی عقائد میں بہت پختہ تھے اور ان فرق باطلہ ہائے کی پر زور طریقہ سے تردید کرتے تھے۔ حضرت ابن ہرمز رحمہ اللہ نے سنہ ۱۱۷ھ میں وفات پائی تاہم حضرت امام مالک رحمہ اللہ آخر عمر تک ان سے استفادہ کرتے رہے (۵۶۵)۔

حضرت نافع:

حضرت نافع حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے تلمیذ خاص تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے زمانے میں وہ بوڑھے ہو چکے تھے۔ اُن کی بینائی میں بھی فرق آ گیا تھا۔ حضرت نافع رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کو ظہر کا وقت دیا تھا جبکہ وہ نماز ظہر پڑھنے کے لیے جاتے تھے تو اُس وقت دوپہر کی دھوپ کی شدت برداشت کرتے ہوئے امام مالک اُن کے گھر پہنچتے تھے، اُس وقت وہ گھر سے نکلتے ہوئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی احادیث سناتے تھے اور اُن کے فتاویٰ سے بھی آپ رحمہ اللہ کو آگاہ کرتے تھے (۵۶۶)۔

امام زہری رحمہ اللہ:

امام زہری رحمہ اللہ جب مدینہ منورہ آ کر مقیم ہوئے تو امام مالک رحمہ اللہ نے ان کا دامن پکڑ لیا اور فرصت کے وقت ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے احادیث سنتے تھے اور فورا یاد کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ رحمہ اللہ عید کی نماز پڑھ کر امام زہری رحمہ اللہ کے گھر گئے اور ان سے چالیس احادیث سن کر فوراً ان کے سامنے دہرا دیں۔ اس پر امام زہری نے بہت تعجب کا اظہار کیا اور اُن کے شوق اور قوی حافظہ کو دیکھتے ہوئے انہیں حدیث کی اچھی طرح تعلیم دی اور امام مالک بہت جلد اُن کے شاگرد خاص بن گئے (۵۶۷)۔

حضرت ربیعہ:

آپ نے حضرت ربیعہ الرائی سے اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی ہے کیونکہ وہ زبردست

محدث ہونے کے ساتھ ساتھ مدینہ کے زبردست فقیہ بھی تھے۔ اور اسی وجہ سے ان کے نام کے ساتھ رائی کا لفظ بھی شامل ہو گیا ہے۔ لہذا امام مالک رحمہ اللہ کے فقہی کمالات کا وہ سرچشمہ تھے اور ان کے فیض محبت کی بدولت آپ رحمہ اللہ نے مدنی فقہ کے اصول مرتب کیے اور مالکی فقہ کی بنیاد ڈالی۔ آخری زمانے میں آپ کا اپنے استاد ربیعہ الرائی سے اختلاف رائے ہو گیا۔ اور دونوں کے فقہی اصول بھی مختلف ہو گئے تھے۔ تاہم آپ ان کے فقہی کمالات کے معترف رہے (۵۶۸)۔

تدریس حدیث:

آپ علمی حلقوں میں ایک امتیازی شان سے چمکے۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جب تک ستر شیوخ نے اجازت نہ دی مسند تدریس پر جلوہ افروز نہیں ہوئے۔ آغاز شباب میں ہی مدینہ میں تدریس شروع کر دی۔ آپ کو علم حدیث کی تعظیم و اجلال کا بہت خیال تھا۔ مسند درس کو زینت بخشے سے پہلے آپ غسل فرماتے، اُجلا لباس پہنتے اور خوشبو لگاتے تھے جب حدیث شروع کرتے تو مجلس پر وقار کی فضا طاری ہو جاتی تھی اور خوشبو سے دماغ معطر رہتا تھا (۵۶۹)۔ آپ ادب کے ساتھ درس حدیث کے لیے مجلس لگاتے تھے تاکہ سوائے ادب کا شائبہ نہ ہو۔ سامعین خاموشی سے آپ کی بات سنتے۔ آپ اتنے مؤدب تھے کہ ایک دفعہ دورانِ درس حدیث ایک بچھونے آپ کو کئی دفعہ کاٹا۔ درد کی وجہ سے چہرہ متغیر ہو گیا۔ لیکن آپ نے اس وقت تک پہلو نہ بدلا جب تک حدیث رسول مہتمم نہ ہوئی (۵۷۰) اور آپ نے مؤطا لکھ کر اُسے مدارِ درس بنایا۔ آپ رحمہ اللہ کا شہرہ دور دور تک پھیلا۔ افریقہ اور اندلس تک کے پروانے اس شمعِ علم کے گرد اکٹھے ہونے لگے۔

عبدالرزاق اور سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی مندرجہ ذیل پیشین گوئی آپ ہی کے حق میں تھی کہ یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل، یطلبون العلم فلا یجدون احدا اعلم من عالم المدینہ (۵۷۱) (عنقریب وہ زمانہ آئے گا کہ لوگ اونٹوں پر بیٹھ کر منزلیں کاٹیں گے اور عالم مدینہ سے بلند تر عالم کسی کو نہیں پائیں گے)۔ آپ کے حلقہ درس میں فقیر بے نواسے لے کر شہنشاہ وقت تک شامل تھے اگر ایک طرف یحییٰ لیشی اندلسی، اسد بن القرات تونسلی رحمہ اللہ، عبدالسلام التتوخی عرف سخون قیروانی، عبدالرحمان بن قاسم مصری رحمہ اللہ، عبداللہ بن وہب، شعبہ بن عبدالعزیز قیسی رحمہ اللہ اور عبداللہ بن الحکیم ایسے غریب الوطن تھے تو دوسری طرف ہارون الرشید، امین الرشید اور مؤتمن ایسے شاہ وقت تھے۔ جنہوں نے آپ کے قدموں میں بیٹھ کر درس حدیث لیا۔ سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ) نے مجلس درس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے: ”جاہ و جلال

اور شان و شکوہ سے کاشانہ امامت پر بارگاہ شاہی کا دھوکہ ہوتا تھا، طلباء کا ہجوم، مستفتیوں کا ازدحام، امراء کا ورود، علماء کی تشریف آوری، سیاحوں کا گزر، حاضرین کی مؤذّب نشست، درخانہ پر سوار یوں کا انبوہ، دیکھنے والوں پر رعب و وقار طاری کر دیتا تھا“ (۵۷۲)۔

طریقہ تدریس:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر محدثین کا عام طریقہ تدریس یہ تھا کہ وہ زبانی یا لکھی ہوئی احادیث خود بول کر لکھواتے تھے اور تلامذہ یا تو لکھ لیتے تھے یا زبانی یاد کر لیتے تھے۔ اس موقع پر اگر بہت بڑا اجتماع ہوتا تو ان کے بلند آواز تلامذہ تھوڑی تھوڑی دور کھڑے ہو کر شیوخ کی آواز کو دہراتے تھے (۵۷۳)۔

امام مالک کبھی کبھی یہ طریقہ اختیار کرتے۔ لیکن اکثر آپ شیوخ مدینہ کے طریقہ پر عمل کرتے تھے۔ وہ طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنی احادیث و فتاویٰ کو پہلے خود قلم بند کرتے یا کسی ہوشیار شاگرد سے لکھوا لیتے تھے۔ اس کے بعد جب درس شروع ہوتا تو لکھنے والا شاگرد مجلس درس میں اس کو پڑھتا تھا۔ استاد محترم جا بجا احادیث کے مطالب کی تشریح کرتے جاتے تھے۔ اگر کاتب سے اصل لفظ یا متن میں کوئی غلطی ہو جاتی تھی تو اس کی تصحیح کر دی جاتی (۵۷۴)۔

امام مالک کی مجلس درس میں دور دراز سے تمام اسلامی ممالک کے طلبہ آ کر شریک ہوتے تھے۔ یہاں تک کے شمالی افریقہ سے ایک بڑی تعداد آ کر شامل ہوئی۔ افریقہ اور اندلس کے لوگ بھی آپ کے درس میں شامل ہوئے اور ان کی بدولت مالکی مذہب ان علاقوں میں رائج ہو گیا۔ اس کے علاوہ مشرقی ممالک میں بھی آپ کا علمی فیض دور دراز علاقوں تک پہنچا۔

شاگرد:

امام صاحب کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ حافظ ابن کثیر اور امام ذہبی نے لکھا ہے کہ آپ کے شاگردوں کا شمار ناممکن ہے کیونکہ انہوں نے ۶۲ سال تدریس کی ہے (۵۷۵)۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں چند درج ذیل ہیں:

حضرت یحییٰ بن یحییٰ:

اندلس کے شہر قرطبہ میں داخل ہوئے اور وہاں سکونت اختیار کی اور زیاد بن عبدالرحمان

الغنی معروف شیطون قرطبی سے ”موطا“ کی سماعت کی۔ اور یحییٰ بن مضر اندلسی سے بھی سماعت کی۔ پھر ۲۸ سال کی عمر میں مشرق کی طرف سفر کیا اور امام مالک سے ”موطا“ کی (کتاب الاعتکاف کے علاوہ) سماعت کی۔ امام مالک آپ کو عاقل الاندلس کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک دفعہ وہ امام مالک طلباء کی جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے کہ کسی کی آواز آئی ہاتھی آ گیا ہے تو تمام حاضرین مجلس دیکھنے گئے صرف یحییٰ بیٹھے رہے تو امام مالک نے پوچھا تو دیکھنے کیوں نہیں گیا۔ اندلس میں یہ نہیں ہوتے۔

یحییٰ نے جواب دیا میں اپنے ملک سے آپ کو دیکھنے اور آپ کی رہنمائی اور تعلیم حاصل کرنے آیا ہوں ہاتھی دیکھنے نہیں آیا۔ اس پر امام مالک نے ان کا نام عاقل اہل اندلس رکھا۔ انہوں نے ۲۳۲ھ میں وفات پائی (۵۷۶)۔

ابو محمد عبد اللہ بن وہب:

۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے اماموں میں سے تھے۔ امام مالک کی صحبت میں ۲۰ سال رہے اور الموطا الکبیر اور الموطا الصغیر لکھی۔ امام مالک آپ کے متعلق فرماتے تھے عبد اللہ بن وہب امام ہے۔ امام مالک کی طرف ۱۴۸ھ میں سفر کیا اور ان کی صحبت میں وفات تک رہے۔ اور ۱۹۷ھ میں فوت ہوئے (۵۷۷)۔

عبد الرحمن بن القاسم:

۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ امام مالک کی صحبت میں ۲۰ سال رہے۔ اصحاب مالک نے امام مالک کی وفات کے بعد ان سے استفادہ کیا۔ مالکی مذہب کی فقہ ”المدونہ“ تصنیف کی۔ جو کہ مالکی مذہب کی بڑی کتب میں سے ہے۔ ۱۹۱ھ میں وفات پائی (۵۷۸)۔

ابو عبد الرحمن، عبد اللہ بن مسلمہ قعنبنی:

امام مالک سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان کے ثقہ شاگردوں میں سے تھا۔ یہ بھی الموطا کے راویوں میں سے ہے۔ انہیں کثرت عبادت کی وجہ سے ”الراہب“ کے نام سے پکارتے تھے۔ بصرہ میں ۲۲۱ھ میں جمعہ کے روز فوت ہوئے (۵۷۹)۔

فقہ و فتاویٰ:

حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے فتویٰ دینے کا کام اُس وقت شروع کیا جبکہ مدینہ منورہ کے ستر علمائے عظام نے آپ کی قابلیت کا اعتراف کیا اور آپ رحمہ اللہ کو فتویٰ دینے کی اجازت دی (۵۸۰)۔ آپ کے فتاویٰ کی بنیاد احادیث نبوی ﷺ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور مدینہ کے فقہائے سبعہ کے فتاویٰ پر مبنی ہے (۵۸۱)۔ آپ رحمہ اللہ نے جب فتویٰ دینا شروع کیا تو تمام اسلامی ممالک سے آپ رحمہ اللہ کے پاس فتوے آنا شروع ہو گئے اور بہت جلد آپ رحمہ اللہ مدینہ منورہ کے مفتی بن گئے۔ یہاں تک کہ جب آپ مکہ معظمہ حج کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو اُس وقت حکومت کی طرف سے اعلان ہوتا تھا کہ ”امام مالک اور شیخ ابن ابی ذئب کے سوا کوئی فتویٰ نہ دے“ (۵۸۲)۔ اس اعلان کی حج کے موقع پر اس لیے ضرورت ہوتی تھی کہ پوری دنیائے اسلام سے علمائے کرام اور دیگر مسلمان حج کے موقع پر جمع ہو جاتے تھے۔ ایسے موقع پر مختلف علمائے کرام کے فتاویٰ کے اختلاف و انتشار کا اندیشہ ہوتا تھا۔

جبری طلاق کا مسئلہ:

حکومت کی اس قدردانی کے باوجود امام مالک رحمہ اللہ نہایت آزادی اور بے باکی کے ساتھ حکومت کی پالیسی کے خلاف بھی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں عباسی خاندان کی نئی نئی حکومت قائم ہوئی تھی اور بعض موقعوں پر نئی حکومت نے جبراً لوگوں سے ایمن حمایت میں بیعت حاصل کی تھی۔ حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ جبراً اور زبردستی طلاق دینے کے مسئلہ میں اس قسم کا فتویٰ دیا جائے کہ جبری طلاق بھی واقع ہو جائے گی۔ حکومت اس معاملے میں اس لیے مداخلت کر رہی تھی کہ اس زمانے میں حکومت کے خلاف بغاوتیں ہو رہی تھیں۔ اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ جبری بیعت کے خلاف بھی علماء فتویٰ دیں (۵۸۳)۔

جب خلیفہ منصور کا چچا زاد بھائی جعفر بن سلیمان عباسی مدینہ منورہ کا حاکم ہوا تو اس نے امام مالک رحمہ اللہ کو حکم دیا کہ وہ جبری طلاق کے بارے میں فتویٰ نہ دیں۔ مگر امام مالک رحمہ اللہ حق و صداقت کے اصولوں اور اپنے ضمیر کے مطابق جبریہ معاملہ کے عدم حجت کا فتویٰ دیتے رہے۔ مدینہ کا حاکم جعفر اس بات پر بہت ناراض ہوا اور اُس نے حکم دیا کہ امام مالک کو ستر کوڑے مارے جائیں۔ چنانچہ اُس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ جس سے امام مالک کی پیٹھ لہو لہان ہو گئی اور

دونوں ہاتھ موٹھے سے اتر گئے۔ اس کے بعد جعفر نے اونٹ پر بٹھا کر تشہیر کرائی۔ جب امام مالک رحمہ اللہ نے اس بری حالت میں مدینہ کے بازاروں اور گلیوں میں سے گزر رہے تھے تو آپ رحمہ اللہ نے بلند آواز میں فرمایا: ”من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا مالک بن انس أقول: ليس الطلاق المکره بشيء“ (۵۸۴) (جو مجھے جانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو واقف نہیں ہے وہ جان لے میں مالک بن انس ہوں۔ میں فتویٰ دیتا ہوں کہ جبری طلاق صحیح نہیں ہے)۔

نفس زکیہ کی حمایت:

امام مالک رحمہ اللہ نے شرعی معاملات میں ہمیشہ حق و صداقت کی آواز بلند کی اور اس کے مقابلے میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ چنانچہ جب ۱۳۵ھ میں فاطمی سادات کے معزز فرد محمد نفس زکیہ (م ۱۳۵ھ) نے علم بغاوت بلند کیا تو اکثر لوگوں نے ان کا ساتھ دیا۔ جس میں علماء اور محدثین کی کافی تعداد تھی۔ امام مالک رحمہ اللہ نے بھی اس موقع پر فتویٰ دیا کہ ”خلافت نفس زکیہ کا حق ہے“۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ ”ہم منصور کی بیعت پر حلف اٹھا چکے ہیں“۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ”منصور نے جبراً بیعت لی ہے اور جو کام زبردستی کیا جائے شریعت کے نزدیک وہ صحیح نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اگر جبراً کسی سے طلاق دلائی جائے تو واقع نہیں ہوگی (۵۸۵)۔“

کتب فقہ:

امام مالک رحمہ اللہ تقریباً ساٹھ برس تک مستقل فقہ و فتاویٰ میں مشغول رہے۔ اس طرح انہوں نے مالکی فقہ کی بنیاد ڈالی۔ مؤطا مالک کے علاوہ وہ خود اپنے مسلک کی فقہ کو مدون نہ کر سکے۔ تاہم ان کے متعدد تلامذہ نے ان کی طویل صحبت میں رہ کر فقہ کی کتب مرتب کی ہیں۔ سب سے پہلی مالکی فقہ کی کتاب افریقہ کے قاضی اسد بن فرات کی ہے جو اسدیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بعد سب سے ضخیم فقہ کی کتاب ان کے دوسرے شاگرد ابن قاسم (ت ۱۹۱ھ) نے مدون کی جس کا نام ”المدونہ“ ہے جو خود امام مالک رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں مدون ہو رہی تھی (۵۸۶)۔

ابن قاسم نے امام مالک کی صحبت میں رہ کر ان کے فتوؤں کے جوابات مدون کیے تھے اور ان کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ انہیں امام مالک رحمہ اللہ کے چالیس ہزار مسائل زبانی یاد تھے۔ تیسری کتاب آپ رحمہ اللہ کے مصری شاگرد ابن وہب (ت ۱۹۷ھ) نے تحریر کی۔ اس کتاب کا نام ”کتاب

الجلال عن مالک“ ہے (۵۸۷)۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی فقہ کی بنیاد فقہاء صحابہ یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور فقہاء اسلام یعنی کبار تابعین حضرات کے اجتہادات پر ہے۔ درج ذیل فقہاء کی آراء کو آپ زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

- ۱۔ سعید بن المسیب (م ۱۰۱ھ)۔
- ۲۔ سالم بن عبد اللہ (م ۱۰۶ھ)۔
- ۳۔ ابوبکر بن عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام (م ۹۴ھ)۔
- ۴۔ عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود (م ۱۰۲ھ)۔
- ۵۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر (م ۱۰۱ھ)۔
- ۶۔ سلیمان بن یسار (م ۱۰۷ھ)۔
- ۷۔ خارجہ بن زید (م ۹۹ھ)۔

ان کے علاوہ صغار تابعین مثلاً زہری وغیرہ کے اجتہادات بھی امام مالک کے مذہب کی بنیاد ہیں (۵۸۸)۔

تقویٰ:

امام مالک رحمہ اللہ درس و افتاء کے بعد تمام وقت عبادت الہی اور تلاوت قرآن مجید میں صرف فرماتے تھے۔ بالخصوص جمعہ کی ساری رات عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اسی طرح ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو بھی ساری رات عبادت اور تلاوت میں مشغول رہتے تھے (۵۸۹)۔

حب مدینہ:

آپ کو مدینہ سے غایت درجہ محبت تھی، سفر حج کے علاوہ کبھی مدینہ سے باہر نہیں نکلے، منصور نے بغداد میں سکونت کے لئے درخواست کی، پذیرائی نہ ہوئی۔ مہدی نے تین ہزار دینار بھیجے اور کہلا بھیجا کہ بغداد کا عزم کیجئے۔ فرمایا ”اشرافیاں اسی طرح رکھی ہیں، جی چاہے تو لے جاؤ مگر مالک سے مدینہ نہیں چھوٹ سکتا“ (۵۹۰)۔ حرمت مدینہ کا آپ رحمہ اللہ کو اس قدر خیال تھا کہ آپ کے اصطبیل میں کئی گھوڑے ہونے کے باوجود آپ پیدل چلتے تھے۔ کسی کے استفسار پر آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”مجھے حیا آتی ہے کہ جس مبارک شہر میں نبی اکرم ﷺ کا جسد اطہر ہو، میں اس میں سوار ہو کر چلوں“ (۵۹۱)۔

اخلاق حسنہ:

امام مالک رحمہ اللہ فیاض اور سخی بھی تھے اور مہمان نواز بھی۔ تاہم آپ کی فیاضی اور مہمان نوازی طالبان علم پر بہت زیادہ ہوتی تھی۔ بالخصوص اپنے ہونہار طالب علم امام شافعی پر بے حد مہربان تھے۔ تنگدست طلبہ اور اہل علم کی مالی امداد کرنا آپ کا عام معمول تھا (۵۹۲)۔ خود داری اور باوقار زندگی کے ساتھ آپ علم و عفو کی صفات سے بھی متصف تھے اور صبر و استقلال کے ساتھ نیکی کے راستے میں سب تکالیف برداشت کرتے تھے۔ آپ نے حق و صداقت کی راہ میں کوڑوں کی سزا برداشت کی۔ آپ خود دار اس قدر تھے کہ خلفاء و امراء کے آستانوں پر نہیں گئے۔ اور ان کی بار بار فرمائشوں کے باوجود بھی تعلیم و تدریس کے لیے ان کے گھر میں نہیں گئے اور انہوں نے علماء کے وقار اور احترام کو باقی رکھا (۵۹۳)۔

امام مالک خلفاء اور امراء سے زیادہ علماء اور فقہاء کرام کی عزت کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید آئے تو اُس کو مسند سے نیچے بیٹھنا پڑا۔ لیکن ایک بار امام ابوحنیفہ تشریف لائے تو امام مالک رحمہ اللہ نے اُن کے لیے اپنی چادر فرش پر بچھائی۔ اور ان کی بے حد تعظیم و تکریم کی (۵۹۴)۔ آپ رحمہ اللہ اپنے نامور شاگردوں کا بھی استقبال کرتے تھے اور اُن سے بے حد محبت کرتے تھے۔

نفاست پسندی:

اعلیٰ اخلاق کے ساتھ آپ صفائی پسند تھے اور ہر چیز میں صفائی کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ ہمیشہ نفیس اور عمدہ پوشاک زیب تن فرماتے۔ یمن، مصر اور خراسان سے عمدہ عمدہ کپڑے منگواتے تھے۔ آپ رحمہ اللہ خوشبو کا استعمال ہمیشہ کرتے تھے۔ عود کی انگلیٹھیاں ہمیشہ جلتی رہتی تھیں اور کپڑے خوشبوؤں میں بے رہتے تھے۔ جس گلی سے ایک بار گزر جاتے دیر تک اس میں خوشبو پھیلی رہتی (۵۹۵)۔

تصنیفات:

امام مالک کی اپنی اور ان کی طرف منسوب تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں:

- | | |
|------------------|--------------------------|
| ۱۔ مؤطا۔ | ۲۔ رسالۃ مالک الی الرشید |
| ۳۔ احکام القرآن۔ | ۴۔ المدونۃ الکبریٰ۔ |

- ۵۔ رسالۃ مالک الی ابن مطرف۔ ۶۔ رسالۃ مالک الی ابن دھب۔
 ۷۔ کتاب الاقضية۔ ۸۔ کتاب المناسک۔
 ۹۔ تفسیر غریب القرآن۔ ۱۰۔ تفسیر القرآن۔
 ۱۱۔ کتاب المسائل۔ ۱۲۔ کتاب المجالسات عن مالک (۵۹۶)

امام مالک کے متعلق دیگر محدثین کی آراء:

- ۱۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب علما کا ذکر کیا جائے تو امام مالک ستارے ہیں (۵۹۷)۔
 ۲۔ قال ابن عیینہ: ما کان اشد انتقاد مالک للرجال واعلمہ بشانہم (۵۹۸) (ابن عیینہ کہتے ہیں: امام مالک سے لوگوں پر نقد اور واقفیت میں کوئی بڑھ کر نہ تھا)۔
 ۳۔ قال ابن معین: مالک من حجج اللہ علی خلقہ (۵۹۹) (ابن معین کہتے ہیں مالک مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں ہیں)۔
 ۴۔ قال ابن سعد: کان مالک ثقة مأموناً ثباتاً ورعاً فقیہاً عالمًا حجة (۶۰۰) (ابن سعد کہتے ہیں: مالک ثقہ، امین، نیک، فقیہ اور عظیم عالم تھے)۔
 ۵۔ قال ابن ہرمز لجاریتہ یومًا: من بالباب؟ فلم تر الا مالکا فذکرت ذلک لہ، فقال: دعیہ فابانہ عالم الناس (۶۰۱) (ایک دن ابن ہرمز نے لونڈی سے پوچھا کہ دروازے پر کون ہے؟ اس نے کہا امام مالک کے علاوہ کسی کو نہ دیکھا اور ابن ہرمز سے کہہ دیا تو انہوں نے کہا انہیں آنے دیں کہ وہ لوگوں میں سب سے بڑے عالم ہیں)۔
 ۶۔ ابن خیاط کہتے ہیں:

بدع الجواب فلا یراجع ہیبة والسائلون نواکس الاذقان

نور الوقار وعز سلطان التقی فہو المہیب ولیس ذا سلطان (۶۰۲)

(جواب چھوڑ دیتے ہیں ان کی ہیبت کی وجہ سے ان سے مراجعت نہیں کی جاتی۔ سوال کرنے والے سرخم کر کے کھڑے ہوتے ہیں۔ وقار کی روشنی اور تقویٰ کے غلبے کی عزت ہے۔ وہ صاحب ہیبت ہیں اگرچہ حکمران نہیں ہیں)۔

۷۔ عبد الرحمن رحمہ اللہ بن مہدی کا قول ہے: ”اس زمین پر حدیث رسول ﷺ کا حضرت امام

مالک رحمہ اللہ سے زیادہ کوئی امین نہیں اور نہ ہی کوئی صحت حدیث میں ان سے سبقت لے گا“ (۶۰۳)۔

۸۔ ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر مجھ سے کہا جائے کہ امت کے لیے امام منتخب کرو تو میں امام مالک کو منتخب کروں گا (۶۰۴)۔

۹۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ”میرے نزدیک امام مالک رحمہ اللہ، زہری سے نقل کرنے میں سب سے زیادہ ثقہ ہے“ (۶۰۵)۔

۱۰۔ علی بن مدینی حضرت امام مالک رحمہ اللہ کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہتے ہیں (۶۰۶)۔

وفات:

آخری سالوں میں آپ بہت نحیف ہو گئے تھے۔ مگر بدنی نقاہت قلبی اور روحانی قوت کے ضعف کا سبب نہ بن سکی۔ گھلتے ہوئے بدن کو بھی علم حدیث کی خدمت سے فرصت نہ دی۔ آپ رحمہ اللہ نے ربیع الاول ۱۷۹ھ میں انتقال فرمایا (۶۰۷)۔

”یایہا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی، وادخلی جنتی“ (۶۰۸) (اے نفس مطمئن چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو خوش اور پسندیدہ ہے شامل ہو جا میرے نیک بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں)۔

جنازہ میں خلق عظیم نے شرکت کی، امیر مدینہ، عبداللہ بن محمد ہاشمی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور جنت البقیع میں آخری آرام گاہ آباد فرمائی۔ حضور ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم کے پہلو میں دفن ہوئے (۶۰۹)۔

مؤطا امام مالک:

مؤطا:

لفظ مؤطا ”توطیہ“ کا مفعول ہے۔ صاحب قاموس نے اس کے معنی روندنے، تیار کرنے اور نرم و سہل بنانے کے بیان کیے ہیں۔ ”مؤطا“ کے لغوی معانی ”روندا ہوا، تیار کیا ہوا، نرم اور سہل بنایا ہوا“ ہیں۔ یہ تمام معانی بطور استعارہ کے یہاں مراد لیے جاسکتے ہیں (۶۱۰)۔

شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں: مؤطا کے لغوی معنی روندے ہوئے یا چلے ہوئے کے ہیں اور مجازی معنی یہ ہیں کہ جس پر عام ائمہ اور علما اور اکابر چلے ہوں، اور جس کو ان سب کی

آراء نے روند اور پامال کیا ہو۔ یعنی سب نے اس کے متعلق گفتگو کی ہو، اور اس سے اتفاق کیا ہو (۶۱۱)۔
 ”موطا“ اس راستہ کو کہتے ہیں جس پر لوگ بکثرت گزرتے ہیں۔ سنت کے معنی بھی راستہ کے ہیں جس پر آنحضرت ﷺ گزرے، اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کرام گزرے۔ غرض موطا کا لفظ اپنی حقیقت کا خود مفسر ہے کہ یہ ان مسائل پر مشتمل ہے جن پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل رہا ہے، اور جمہور سلفہ جن پر چلے (۶۱۲)۔

تعارف موطا:

یہ کتب خانہ اسلام کی وہ پہلی کتاب بتائی جاتی ہے، جو قرآن مجید کے بعد سب سے پہلے باقاعدہ طور پر فقہی ترتیب سے مؤب و مرتب ہو کر منصہ شہود پر آئی۔ علامہ ابو بکر ابن العربی فرماتے ہیں: ”الموطا هو الاصل الاول واللباب و کتاب البخاری هو الاصل الثانی فی هذا الباب و علیہما بنی الجميع کمسلم و الترمذی“ (موطا ہی نقش اول اور بنیادی کتاب ہے، بخاری کی حیثیت تو اس باب میں نقش ثانی کی ہے، اور انہی دونوں کتابوں پر مسلم و ترمذی جیسے بعد کے مؤلفین نے اپنی کتابوں کی بنیاد رکھی)۔ علامہ ذہبی موطا کا تعارف یوں کراتے ہیں: ”ان للموطا لوقعا فی النفوس و مہابة فی القلوب لا یوازیہا شیء“ (۶۱۳) (اس میں کوئی شک نہیں کہ دلوں میں موطا کی ایسی تاثیر اور قلوب میں ایسی ہیبت ہے، جس کا مقابلہ کوئی اور چیز نہیں کر سکتی)۔
 موطا درحقیقت احادیث مدینہ کا مجموعہ ہے جس کو امام دارالہجرت مالک بن انس رحمہ اللہ نے جمع کیا ہے اسی لیے نواب صدیق حسن خان نے ابو زرہ کا یہ قول نقل کیا ہے: ”وایں وثوق و اعتماد بر کتب دیگر نیست“ (۶۱۴) (اور ایسا وثوق اور اعتماد دوسری کتب پر نہیں کیا جاسکتا)۔ معلوم ہوا کہ یہ مجموعہ وثوق و اعتماد میں تمام کتابوں میں فوقیت رکھتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے عہد میں فقہ و حدیث کی تدوین کا آغاز ہو گیا تھا۔ خود مدینہ منورہ میں بعض علما کو یہ احساس ہوا کہ ان اسلامی مسائل و احکام کو، جن پر اہل مدینہ کا اتفاق ہے ایک کتاب میں جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ کے معاصر اور قدیم ہم درس عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمۃ المہاشون نے ایسی کتاب مرتب کی تھی مگر اس کتاب میں احادیث نہیں لکھی گئی تھیں بلکہ انہوں نے اپنی طرف سے مدنی فقہاء کے متفقہ مسائل و احکام کو قلم بند کر دیا تھا۔ جب امام مالک رحمہ اللہ کو یہ کتاب دکھائی گئی تو آپ رحمہ اللہ نے اسے پسند فرمایا۔ اور دل میں عزم کر لیا: ”اگر میں ایسی کتاب لکھتا تو پہلے احادیث تحریر کرتا۔ اس کے بعد اپنی رائے بیان کرتا“ (۶۱۵)۔ اس قول سے پتہ چلتا ہے کہ امام

مالک کے ذہن میں ایسی کتاب تالیف کرنے کا خاکہ پہلے سے موجود تھا۔ جس میں احادیث کے ساتھ ساتھ فقہی مسائل اور علمائے مدینہ کے احکام و فتاویٰ کو بھی شامل کیا جائے۔ لہذا آپ نے اس کے مطابق مؤطا لکھنا شروع کی۔ ایک قول کے مطابق خلیفہ منصور نے کہا: اے ابو عبد اللہ (امام مالک رحمہ اللہ) اس علم کو ملاؤ اور ایک کتاب مدون کرو (۶۱۶)۔ اس کتاب میں فقہی ابواب کے مطابق پہلے مستند احادیث تحریر کی گئی ہیں۔ اس کے بعد اگر کسی رائے کی ضرورت ہوتی تو امام مالک اپنی رائے بیان فرما دیتے اور اس مسئلہ کے بارے میں فقہائے مدینہ کا عمل بھی بیان فرماتے ہیں۔

گمان غالب ہے کہ مؤطا آپ رحمہ اللہ کی وفات سے تقریباً چالیس سال پہلے ۱۳۹ھ یا ۱۴۰ھ میں تحریر کی گئی تھی۔ اس وقت خلیفہ منصور عباسی کا زمانہ تھا۔ جب ۱۴۲ھ میں منصور نے آخری حج کیا تو اس وقت آپ کی کتاب مؤطا مشہور اور متداول ہو چکی تھی۔ منصور نے اسے تمام اسلامی ممالک میں ایک مکمل اور واحد اسلامی ضابطہ قانون کی حیثیت سے رائج کرنا چاہا مگر امام مالک نے اس کی مخالفت کی اور اسلامی فقہ کے دائرے کو تنگ کرنا پسند نہیں کیا (۶۱۷)۔

آپ رحمہ اللہ کے نزدیک حدیث بیان کرنے والوں کا معیار بہت بلند تھا۔ حدیث کے راویوں کے بارے میں آپ کا قول یہ ہے۔ ”ایسے چار قسم کے اشخاص سے علم حاصل نہ کیا جائے:

- ۱۔ جو بے وقوف اور کم عقل ہو۔
- ۲۔ جو بدعتی اور نفسانی خواہش کے پیچھے چلتا ہو۔
- ۳۔ جو روز مرہ کی نجی گفتگو میں جھوٹ بولتا ہو۔ خواہ اُس پر جھوٹی احادیث بیان کرنے کا الزام بھی نہ ہو۔
- ۴۔ ایسا عابد و زاہد ہو جو اپنی عبادت میں مستغرق ہونے کی وجہ سے حدیث کو سننے اور روایت کرنے کے طریقے نہ جانتا ہو“ (۶۱۸)۔ انہی اصولوں کی بنا پر آپ رحمہ اللہ محمد بن اسحاق صاحب المغازی کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

مؤطا کا کتب حدیث میں مقام:

جمہور علماء نے طبقات کتب حدیث کے اندر طبقہ اولیٰ میں مؤطا مالک کا شمار کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز رحمہما اللہ نے کتب حدیث کے پانچ طبقات قائم کئے ہیں جن میں مؤطا کو طبقہ اولیٰ میں رکھا ہے، بلکہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مؤطا کو تمام کتابوں میں مقدم و افضل سمجھتے ہیں، اپنی مشہور کتاب مصفیٰ شرح مؤطا کے مقدمہ میں اس کی ترجیح کے دلائل و وجوہ کو نہایت

تفصیل سے بیان کیا ہے اور حجۃ اللہ البالغہ میں بھی فرماتے ہیں: **واتفق اهل الحديث على ان جميع ما فيه صحيح على رأى مالک ومن وافقه وأما على رأى غيره ليس فيه مرسل ولا منقطع إلا وقد اتصل السند به من طرق اخرى فلا جرم انها صحيحة من هذا الوجه (۶۱۹)** (محدثین کا اتفاق ہے کہ اس کتاب کی تمام روایات امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے موافقین کی رائے میں صحیح ہیں، اور دوسروں کی رائے بھی اس سلسلے میں یہی ہے کہ مؤطا کی مرسل و منقطع روایات کی سند دوسرے طرق سے متصل ہے، پس اس میں کوئی شبہ نہ رہا کہ اس اعتبار سے وہ سب صحیح ہیں)۔

صاحب مفتاح السعادة نے بیان کیا ہے کہ اس کا درجہ ترمذی کے بعد ہے مگر صحیح یہ ہے کہ مسلم کے بعد تیسرے درجہ پر اس کو رکھنا چاہیے (۶۲۰)۔ مؤطا کی صحت و مرتبہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں: **ما على ظهر الارض كتاب بعد كتاب الله اصح من كتاب مالک (۶۲۱)** (روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد مؤطا مالک رحمہ اللہ سے زیادہ صحیح کتاب کوئی نہیں ہے) اگرچہ کچھ علماء کہتے ہیں: **”انما قال ذلك قبل وجود كتاب البخاري ومسلم“ (۶۲۲)** (امام موصوف کا یہ قول بخاری و مسلم کی کتابوں کے عالم وجود میں آنے سے پہلے کا ہے)۔

مؤطا کی روایات:

امام مالک رحمہ اللہ کی مؤطا حدیث وفقہ کی مشترک کتاب ہے کیونکہ اس کی تدوین میں آپ نے ایک نر الا طریقہ اختیار کیا ہے۔ آپ نے اس کتاب کو فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ رحمہ اللہ مختلف مسائل کو ثابت کرنے کے لیے مرسل اور موقوف احادیث بھی بکثرت بیان کرتے ہیں۔ نیز فقہی مسائل کی تفصیل کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ کا بھی بکثرت حوالہ دیتے ہیں اور بعض احادیث کو سند کے بغیر بھی روایت کرتے ہیں۔ جنہیں بلاغات کہا جاتا ہے۔

مرسل اور موقوف احادیث کو بکثرت بیان کرنے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کے زمانے میں علم حدیث کے اصول مدون نہیں ہوئے تھے نیز امام مالک رحمہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان راویوں کی کڑی وسیع نہ تھی اس لیے وہ مسلم اور جلیل القدر راویوں کی مرسل احادیث کو بھی قبول کر لیتے تھے۔ اکثر علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہیں (۶۲۳)۔ کیونکہ جو احادیث سند کے بغیر ہیں یا مرسل ہیں اور متصل نہیں ہیں ان کی بھی صحیح اسناد اور مکمل سلسلہ روایت کو دوسرے راویوں کے ذریعے معلوم کر لیا گیا ہے۔

تعداد روایات:

پہلے مؤطا میں دس ہزار احادیث تھیں۔ مگر امام صاحب نے اکثر احادیث کو قلم زد کر دیا اب ۱۷۲۰ باقی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

۶۰۰	مسند مرفوع
۲۲۲	مرسل
۶۱۳	موقوف
۲۸۵	تابعین کے اقوال و فتاویٰ
۱۷۲۰ (۶۲۳)	میزان:

خصوصیات:

- ۱۔ مؤطا مالک کی چند نمایاں خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:
- ۱۔ مؤطا حدیث کے ساتھ فقہ کی کتاب بھی ہے۔ یہ فقہی ابواب میں منقسم ہے۔ اس میں صرف فقہی احادیث ہیں۔ یعنی جن کی غرض احکام سے ہے۔ اس میں تفسیر، مناقب اور زہد وغیرہ کے ابواب نہیں ہیں۔
- ۲۔ مؤطا میں کوئی موقوف صحابی یا اثر تابعی نہیں ہے۔ جس کا ماخذ کتاب و سنت نہ ہو۔
- ۳۔ شہرت کا جہاں تک تعلق ہے۔ ایک جم غفیر نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے جن میں خلیفہ ہارون الرشید، امین، مہدی مؤتمن اور مجتہدین میں سے حضرت امام محمد بن حسین رحمہ اللہ بلا واسطہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ابو یوسف رحمہ اللہ بلا واسطہ اور محدثین کا تو حصر ہی نہیں اور صوفیا میں سے ذوالنون مصری وغیرہ اور اہل مصر، شام، عراق، یمن اور اہل خراسان کی ایک کثیر تعداد شامل ہے (۶۲۵)۔

مؤطا کی مقبولیت:

مؤطا کو تصنیف کے وقت سے اب تک قبولیت دوام حاصل ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

ان للمؤطا لوقعا في النفوس ومهابة في القلوب لا يوازيها شيء (۶۲۶) (بلاشبہ مؤطا کی دلوں میں جو وقعت اور قلوب میں جو ہیبت ہے اس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی)۔

حافظ ابن حبان "کتاب الثقات" میں لکھتے ہیں: کان مالک أول من انتقى الرجال من الفقهاء بالمدينة واعرض عمن ليس بثقة في الحديث ولم يكن يروى إلا ما صح ولا يحدث إلا عن ثقة (۶۲۷) (امام مالک فقہاء مدینہ میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے روایت کے بارے میں تحقیق سے کام لیا اور جو شخص حدیث میں ثقہ نہ تھا اس سے اعراض کیا۔ وہ صحیح روایات کے علاوہ نہ تو کچھ روایت کرتے نہ کسی غیر ثقہ سے کچھ بیان کرتے)۔

ابوزر عرازی مؤطا کی صحت کے بارے میں رقم طراز ہیں: لو حلف رجل بالطلاق على احاديث مالک في المؤطا انها صحاح لم يحنث (۶۲۸) (اگر کوئی شخص اس بات پر اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حلف اٹھائے کہ مؤطا میں امام مالک کی جو حدیثیں ہیں وہ صحیح ہیں تو وہ حنث نہیں ہوگا)۔ کیونکہ مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ محدث مبارک بن محمد المعروف ابن الاثیر رحمہ اللہ (ت ۶۰۶ھ) نے اپنی مشہور کتاب "جامع الاصول" میں مؤطا کو صحاح ستہ میں شمار کیا ہے اور یہ رائے محدث رزین کی ہے، اسی لیے اس کتاب میں ابن ماجہ کے حوالہ سے کوئی روایت درج نہیں ہے۔

حافظ ابو جعفر بن زبیر غرناطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اولی ما أُرشد إليه ما اتفق المسلمون على اعتماده وذلك الكتب الخمسة والموطا الذي تقدمها وضعا ولم يتاخر عنها رتبة (۶۲۹) (جو کچھ بتایا گیا ہے ان سب میں اولی وہ کتابیں ہیں جن کے اعتماد پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اور یہ کتب خمسہ ہیں اور مؤطا وہ ہے جو تصنیف میں ان سے مقدم ہے اور رتبہ میں کم نہیں ہے)۔

حضرت شاہ ولی اللہ مؤطا کی "شرح المصنفی" کے دیباچے میں لکھتے ہیں: "مؤطا کو تمام کتب احادیث پر فضیلت حاصل ہے۔ فضیلت مصنف کے اعتبار سے، التزام صحت سے، شہرت و قبولیت احادیث کی وجہ سے ہے۔ حسن ترتیب کے مد نظر یہ کتاب بے نظیر ہے۔ آئمہ مذاہب رحمہم اللہ و تبع تابعین رحمہم اللہ میں سے کسی کی کوئی تصنیف مؤطا کے علاوہ آج موجود نہیں۔ مؤطا کے مقابلے میں کوئی دوسری کتاب نہیں کہ محدثین اس کی قدر و منزلت پر ویسے ہی متفق ہوں" (۶۳۰)۔

مؤطا صحاح ستہ میں کیوں شامل نہیں:

عام طور پر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مؤطا جب صحت کے انتہائی درجہ پر ہے تو پھر یہ صحاح ستہ میں کیوں شامل نہیں؟ اس کی کئی وجوہات ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ مؤطا میں مرسل احادیث کی کثرت ہے۔

۲۔ فقہی اقوال اس کثرت سے ہیں کہ یہ حدیث سے زیادہ فقہ کی کتاب معلوم ہوتی ہے (۶۳۱)

۳۔ مؤطا کو صحاح ستہ میں شاید اس لیے شامل نہیں کیا گیا کہ اس کی تمام مرفوع احادیث صحیح بخاری میں آچکی ہیں۔ بعض لوگوں نے مؤطا کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے۔ جیسے ابو الحسن رزین رحمہ اللہ نے ”التجرید الصحاح والسنن“ میں اور ابن اثیر نے ”جامع الاصول“ میں مؤطا کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے۔

نسخوں میں اختلاف:

مصر، شمالی افریقہ اور اندلس سے بے شمار طلبہ آپ سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے آئے اور پھر انہوں نے واپس جا کر مالکی فقہ کو رائج کیا۔ یہ طلبہ اپنے ساتھ مؤطا کے جو نسخے لے گئے تھے۔ ان میں حدیثوں کی تعداد میں بہت اختلاف ہے۔ کیونکہ کچھ تلامذہ کے پاس ابتدائی زمانے کے نسخے تھے اس وقت مؤطا کی احادیث کی تعداد زیادہ تھی۔ مگر بعد میں امام مالک رحمہ اللہ بعض احادیث کو حذف کرتے رہے۔ جن کی صحت کے بارے میں ان کو پورا یقین اور اعتماد نہ تھا۔ وہ ہر سال کچھ نہ کچھ احادیث کم کرتے رہتے تھے لہذا جو طلبہ پہلے آئے تھے ان کے پاس احادیث کا مجموعہ زیادہ تھا اور جو بعد میں آئے انہیں کم تر احادیث کا مجموعہ ملا (۶۳۲)۔ اور بعض نے یہ بھی لکھا ہے اگر زندہ رہتے تو مزید احادیث نکالتے رہتے۔

تعداد کے اختلاف اور احادیث کی کمی بیشی کی وجہ سے مؤطا کے سولہ (۱۶) جداگانہ نسخے ہیں۔ ان میں ابواب کی ترتیب میں بھی فرق ہے تاہم اکثر احادیث یکساں ہیں۔ مؤطا امام مالک رحمہ اللہ کا جو نسخہ آج کل رائج ہے اور مطبوعہ حالت میں دستیاب ہے وہ امام مالک رحمہ اللہ کے ممتاز شاگرد یحییٰ بن یحییٰ المعمودی اللیشی کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ وہ شمالی افریقہ کی بربر نسل سے تھے اور وہیں کے رہنے والے تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اندلس گئے اور وہاں مؤطا کا درس دیا۔ شیخ یحییٰ بن یحییٰ کی پیدائش ۱۵۲ھ میں اور وفات قرطبہ میں ۲۳۴ھ میں ہوئی (۶۳۳)۔ وہ اندلس کے قاضی القضاۃ تھے۔ اندلس کے حکام ان کے زیر اثر تھے اور اندلس کے تمام قاضی انہی کے مشوروں کے مطابق مقرر ہوتے تھے۔

مؤطا امام مالک رحمہ اللہ کا دوسرا نسخہ ان کے مصری شاگرد عبداللہ بن وہب کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ یہ امام مالک رحمہ اللہ کے قدیم شاگرد تھے اور بیس سال تک آپ کی صحبت میں رہے۔ انہوں نے مصر میں مالکی فقہ کو رائج کیا اور فقہ مالکی کی تدوین میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی وفات ۱۹۷ھ میں ہوئی (۶۳۳)۔ امام مالک کے تیسرے شاگرد ابو مصعب کا نسخہ اس لحاظ سے مشہور ہے کہ اس میں بقول ابن حزم، ایک سو احادیث زائد ہیں (۶۳۵)۔

مؤطا کی شروح و تعلیقات:

مؤطا کی شہرت کی بنا پر محدثین نے اس کی متعدد شروحات اور تعلیقات لکھی ہیں۔ جن میں چند مشہور یہ ہیں:

- ۱۔ تنویر الحواکک، علامہ جلال الدین سیوطی۔
- ۲۔ کشف الغطاء فی شرح المختصر المؤطا، ابن فرحون رحمہ اللہ۔ دو شرحیں حضرت شاہ ولی اللہ نے لکھی ہیں۔
- ۳۔ المصنفی (فارسی زبان میں)۔ ۴۔ المسوی (عربی زبان میں)۔
- ۵۔ التمهید ابن عبد البر۔ ۶۔ الاستذکار ابن عبد البر۔
- ۷۔ القبس للسیوطی۔

اس کے علاوہ بھی مؤطا کی کئی شروحات و تعلیقات لکھی گئی ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ) نے مؤطا پر ہونے والے اہم کام کی ایک فہرست دی ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

شروح مؤطا	۲۹	تخرید و اسناد مؤطا	۱۷
اختلاف مؤطاءت	۲	رجال المؤطا	۴
غریب المؤطا	۴	روایت المؤطاء عن مالک	۳
متفرق مباحث	۷		
میزان	۶۶	(۶۳۶)	



صحیحین اور ان کی شرائط

(ایک مختصر مطالعہ)

محدثین عظام نے گلشن حدیث نبوی کی اپنے خون جگر سے آبیاری کی ہے یہ انہی نفوس قدسیہ کی محنت شاقہ کا ثمر ہے کہ آج بھی یہ گلشن ہمہ قسم کے تخریبی حربوں اور محرفین کی مشق ستم کے باوجود محفوظ ہے۔ محدثین کرام نے فن حدیث پر اس طرح سے کام کیا ہے کہ بحث و تحقیق کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا۔ روایت و درایت اور جرح و تعدیل کے اصول وضع کیے۔ علوم حدیث کو اقسام میں تقسیم کیا، کتب حدیث کی درجہ بندی کی، ان کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا پھر ان کتب کے لیے الگ الگ اصطلاحات وضع کیں، چنانچہ صحیحین یا شیخین، سنن اربعہ، اصول خمسہ اور صحاح ستہ کی اصطلاحات سے حدیث نبوی کا ادنیٰ طالب علم بھی نا آشنا نہیں ہے۔

زیر نظر مقالہ میں صحیحین کی شرائط رد و قبول کو زیر بحث لایا گیا۔ صحیحین سے مراد الامام محمد بن اسماعیل بخاری کی الجامع الصحیح اور الامام مسلم کی الجامع الصحیح ہیں۔ اور شیخین سے مراد امام محمد بن اسماعیل بخاری اور امام مسلم بن الحجاج القشیری ہیں۔ ان دونوں کتب کی صحت پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے (۶۳۷) اور ان دونوں کتابوں کے ناموں سے ہی ان کی صحت ظاہر ہے۔

۱۔ الجامع الصحیح للبخاری ۲۔ الجامع الصحیح لمسلم (۶۳۸)۔

ان دونوں کتب کو صحیح اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان میں مذکورہ تمام احادیث محدثین کی اصطلاح کے مطابق بالکل صحیح ہیں (۶۳۹) اور ناقدین کے معیار پر پوری اترتی ہیں۔ ان دونوں کتب پر تبصرہ کرنے سے قبل ہم ان کے جامعین کے متعلق اہل فن کی آرا کا ذکر مناسب سمجھتے ہیں تمام محدثین امام بخاری اور امام مسلم کی عظمت اور علم حدیث میں ان کی معرفت تامہ کے قائل ہیں۔ شیوخ، معاصرین اور بعد میں آنے والے آئمہ حدیث ان کی ذہانت، حافظہ، دیانت، تقویٰ اور اخذ حدیث میں ان کی قطعی احتیاط کے بارے میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ ان نابغہ روزگار اہل فن کی آراء کی

فضیلت ہے جیسے مردوں کی عورتوں پر ہوتی ہے“ (۶۳۶)۔

۸۔ یعقوب بن ابراہیم الدورقی (م ۲۵۲ھ) نے کہا ”محمد بن اسماعیل فقیہ ہذہ الامہ“ (محمد بن اسماعیل بخاری اس امت کے فقیہ ہیں) (۶۳۷)۔

۹۔ امام مسلم (م ۲۶۱ھ) نے امام بخاری کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ”اے عل کے متعلق حدیث کے طبیب، سید المحدثین استاذ الاساتذہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کی قدم بوسی کر سکوں“ (۶۳۸)۔

۱۰۔ ابو بکر محمد بن اسحاق ابن خزیمہ (م ۳۱۱ھ) امام بخاری کے متعلق فرماتے ہیں ”آسمان کے نیچے ان سے بڑھ کر کوئی انسان علم حدیث کا عالم نہیں ہے“ (۶۳۹)۔

امام مسلم بن الحجاج القشیری:

الامام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری، امام بخاری کے عظیم شاگرد اور اپنے وقت کے سب سے بڑے حافظ الحدیث اور فقیہ تھے۔ آپ نے الجامع الصحیح تالیف فرما کر اس امت پر احسان عظیم فرمایا اور صحیح مسلم ان کی حب رسول ﷺ اور علوم حدیث سے گہرے شغف کا زندہ جاوید کارنامہ ہے آپ کی بڑے بڑے محدثین منقبت بیان فرماتے ہیں:

۱۔ امام بخاری کے استاد اور امام مسلم کے دادا استاد معروف محدث امام اسحاق بن راہویہ (م ۲۳۸ھ) نے امام مسلم کے متعلق فرمایا ”وہ بڑے آدمی ہونگے“ (۶۵۰)۔

۲۔ اسحاق بن منصور کونج (م ۲۵۱ھ) نے امام مسلم سے کہا ”جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسلمانوں کے لئے حیات رکھا ہے ہم کسی بہتری سے محروم نہ ہونگے“ (۶۵۱)۔

۳۔ امام مسلم کے استاد ابواحمد محمد بن عبدالوہاب الفراء (م ۲۷۲ھ) نے کہا ”مسلم لوگوں میں سے عالم ہیں، علم کو یاد رکھنے والے ہیں میں ان کے متعلق بھلائی ہی جانتا ہوں“ (۶۵۲)۔

۴۔ احمد بن سلمہ (م ۲۸۶ھ) فرماتے ہیں ”ابوزرعہ اور ابوحاتم امام مسلم کو اپنے زمانے کے مشائخ پر مقدم سمجھتے تھے۔ اور امام مسلم کی حدیث کے متعلق خدمات کو سراہتے تھے“ (۶۵۳)۔

۵۔ ابو قریش الحافظ، محمد بن جمہ (م ۳۱۷ھ) فرماتے ہیں ”دنیا میں سب سے بڑے چار حفاظ حدیث ہیں: ابوزرعہ، محمد بن اسماعیل بخاری، الدارمی اور امام مسلم“ (۶۵۴)۔

۶۔ ابن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) فرماتے ہیں امام مسلم ثقہ حفاظ میں سے ہیں۔ ان کے ہاں

علم حدیث کی معرفت ہے۔ میرے والد سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ”بہت سچے انسان ہیں“ (۶۵۵)۔

۷۔ مسلمہ بن قاسم (م ۳۵۳ھ) نے کہا ”امام مسلم ثقہ اور جلیل القدر آئمہ میں سے ہیں“ (۶۵۶)۔

۸۔ شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) بستان الحدیث میں رقمطراز ہیں ”امام مسلم نے نہ کسی کی غیبت کی نہ کبھی کسی کو مارا اور نہ ہی کبھی کسی کو گالی دی (۶۵۷)۔“

صحیحین کے بارے میں علماء و محدثین کی رائے:

صحیحین کی صحت اور درجے کے بارے میں علماء و محدثین نے بہت تعریف کی ہے اور ان دونوں کتابوں کی صحت پر اتفاق کا اظہار کیا ہے:

۱۔ ابواسحاق الاسفرائینی (م ۴۱۸ھ) فرماتے ہیں کہ ”اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحیحین میں موجود روایات کی صحت قطعی ہے امت ان روایات کو قبول کرتی ہے (۶۵۸)۔“

۲۔ امام الحرمین الجونی (م ۴۷۸ھ) صحیحین کے بارے میں فرماتے ہیں ان کی صحت پر مسلمانوں کا اجماع ہے (۶۵۹)۔

۳۔ ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ) فرماتے ہیں ”کتاباھما اصح الکتب بعد کتاب اللہ العزیز“ (ان دونوں کی کتابیں اللہ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتب ہیں) (۶۶۰)۔

۴۔ معروف محدث امام نووی (م ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں: صحیح بخاری اور صحیح مسلم قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتابیں ہیں۔ بخاری ان دونوں میں سے زیادہ صحیح اور فوائد میں زیادہ ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ مسلم زیادہ صحیح ہے حالانکہ درست بات پہلی ہے (فالبخاری فائق) (۶۶۱)۔

۵۔ امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں ”ائمۃ اسلام کا خیال ہے کہ قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے بڑھ کر کوئی کتاب صحیح نہیں (۶۶۲)۔“

۶۔ امام حسن طبری (م ۷۴۳ھ) شارح مشکاۃ اپنی کتاب ”الخلاصہ فی اصول الحدیث“ میں لکھتے ہیں ”صحیح حدیث کے درجات اس کی قوت شروط کے مطابق ہیں پہلے صحیح بخاری پھر صحیح مسلم ہیں ان دونوں کی کتابیں اللہ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتابیں ہیں“ (۶۶۳)۔

۷۔ امام ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے فرمایا کہ جس راوی کی صحیحین میں روایت آگئی وہ پل پار کر گیا

- اس لئے دلیل کے بغیر انحراف نہیں کیا جاسکتا (۶۶۴)۔
- ۸۔ ابوالحسن المقدسی کا قول ہے ”فقد جاوز القنطرة“ وہ پل سے گزر گیا مطلب یہ ہے کہ اس کے متعلق جو تنقید کی جائے گی اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا (۶۶۵)۔
- ۹۔ حافظ ابن کثیر (م ۷۷۷ھ) فرماتے ہیں کہ ”صحیحین کی احادیث کی صحت قطعی ہونے کا ابن الصلاح کا جو خیال ہے میں بھی ان کے ساتھ متفق ہوں (۶۶۶)۔
- ۱۰۔ حافظ بدرالدین عینی (م ۸۵۵ھ) عظیم شارح حدیث فرماتے ہیں ”مشرق و مغرب کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ کی کتاب کے بعد صحیح بخاری و مسلم سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں“ (۶۶۷)۔
- ۱۱۔ شیخ الاسلام محمد زکریا انصاری (م ۹۲۶ھ) فرماتے ہیں ”فکتاہما اصح کتب الحدیث“ (۶۶۸) (ان دونوں کی کتابیں حدیث کی صحیح ترین کتابیں ہیں)۔
- ۱۲۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ ”محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ دونوں کتابوں میں جو مرفوع احادیث ہیں وہ قطعی صحیح ہیں۔ دونوں کتب اپنے مؤلفین سے متواتر ہیں جو ان دونوں کی توہین کرے وہ بدعتی ہے اور اس کا راستہ مسلمانوں سے جدا ہے (۶۶۹)۔

اس کی تصریح امام بخاری نے خود کی ہے اور اس پر دوسرے تمام آئمہ حدیث نے اُن سے اتفاق کیا ہے۔ البتہ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ صحیح بخاری کی حدیث سے مراد وہ مسند حدیث ہے جس کی روایت امام بخاری نے اپنی شرطوں کے مطابق متن میں کی ہے، نہ کہ اس میں پائی جانے والی ہر حدیث چاہے اس کا ذکر بطور معلق کیا گیا ہو۔ ان معلق احادیث کا تذکرہ امام بخاری بعض ابواب کے تراجم (عنوانات) کے تحت کرتے ہیں۔ ان میں صحیح احادیث بھی ہیں اور غیر صحیح بھی۔

صحیح بخاری:

صحیح بخاری کی تالیف کے اسباب میں سے ایک سبب یہ تھا کہ امام بخاری کے استاد امام اسحاق بن راہویہ نے ایک دن فرمایا کہ کوئی صحیح احادیث کی کتاب ہونی چاہئے۔ یہ بات شاگرد رشید کے دل میں بیٹھ گئی اور انہوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ یہ کام ضرور کریں گے (۶۷۰)۔

دوسرا سبب یہ ہوا کہ امام بخاری نے ایک خواب دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں پٹکھا تھا اور وہ آنحضرت ﷺ سے نکلیاں اڑا رہے تھے جب معبرین سے تعبیر پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ آپ

آنحضرت ﷺ سے جھوٹ کو دور کریں گے (۶۷۱) ان دو واقعات نے ان کو الجامع الصحیح کے لکھنے میں مہینز کا کام کیا۔ امام بخاری نے اس کتاب کو سولہ سال کے عرصہ میں مکمل کیا چھ لاکھ احادیث میں سے اس کو منتخب کیا اور اپنے اور اللہ کے درمیان اسے حجت ٹھہرایا (۶۷۲)۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا تخریج حدیث کا انداز:

امام بخاری نے احادیث کو بیت اللہ میں بیٹھ کر لکھا جب کہ تراجم (ابواب) کو مسجد نبوی میں بیٹھ کر ترتیب دیا (۶۷۳) ان دونوں مقدس مقامات کا بھی اپنی جگہ پر اثر ہوتا ہے جو کہ ہوا۔ اسی طرح ان سے متعلق یہ روایت بھی ہے کہ آپ احادیث لکھنے سے پہلے غسل کرتے دو رکعت نفل پڑھ کر استخارہ کرتے اور احادیث کی صحت کا یقین کر لینے کے بعد لکھتے (۶۷۴)۔

امام بخاری نے الجامع الصحیح کی تالیف مکمل کر لینے کے بعد اپنے اساتذہ امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کی بہت تعریف کی اور اس کی صحت کی شہادت دی (۶۷۵) امام رحمہ اللہ کی کتاب التاریخ الکبیر جب لکھی گئی تو آپ کے استاذ اسحاق بن راہویہ نے حاکم وقت عبداللہ بن طاہر کے سامنے پیش کر کے فرمایا: کیا میں آپ کو ایک جادو نگار کا جادو نہ دکھاؤں (۶۷۶)۔ صحیح بخاری سے قبل احادیث کے کئی مجموعے اور کتب موجود تھیں لیکن ان میں ہر قسم کی احادیث (صحیح، ضعیف اور مرسل) ملی جلی تھیں۔ اسی طرح مؤطا امام مالک بہت ہی قابل قدر، گراں بہا اور قابل اعتماد ذخیرہ احادیث موجود تھا۔ لیکن اس میں صحیح احادیث کے ساتھ ساتھ آثار بہت زیادہ تھے۔ اس لحاظ سے صحیح بخاری صحیح احادیث کی پہلی کتاب ہے چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں ”صحیح احادیث کی پہلی کتاب صرف صحیح بخاری ہی ہے“ (۶۷۷)۔

علامہ قسطلانی اس کتاب کے متعلق فرماتے ہیں ”امام بخاری نے الجامع الصحیح کو تصنیف فرما کر اپنے علوم و معارف کا جھنڈا بلند کر دیا۔ سبحان اللہ ان کی تصنیف کی خوبی کے کیا کہنے جس کے سامنے بڑی بڑی تصنیفات کی پیشانیاں سجدہ ریز ہیں۔ دراصل فلک مساند و جوامع پر صحیح بخاری قطب تارہ کی مانند ہے۔ اور انوار حدیث کے لئے مطلع نور کی حیثیت سے نمایاں ہے“ (۶۷۸)۔

ابن خلدون امام بخاری کی الجامع الصحیح کے بارے میں فرماتے ہیں: محمد بن اسماعیل بخاری اپنے زمانے کے امام المحدثین نے اپنی صحیح میں حجازی، عراقی اور شامی وغیرہ تمام طرق کو اکٹھا کیا۔ ان طرق پر اعتماد کیا جن پر اجماع ہے اور وہ طرق نہیں لائے جن پر اختلاف ہے (۶۷۹)۔

مندرجہ بالا باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے بچپن میں والد کی تربیت میں

پرورش پائی والدہ ماجدہ بھی صاحب علم تھیں ان کے زیر تربیت رہے۔ ان دونوں کی محنت کا اثر تھا کہ زندگی بھر نہ کسی کی غیبت کی نہ کبھی حرام کا لقمہ کھایا پھر انہیں اساتذہ ایسے میسر آئے جو اس وقت کے ماہر علماء حدیث تھے۔ جنہوں نے خود ان کو صحیح احادیث کے جمع کرنے کی ترغیب دی۔ آپ نے کمال صبر سے تمام علاقوں کے معروف محدثین سے علم حاصل کیا پھر اپنے حفظ و عمل اور عمق علم کے باوجود احادیث جمع کرنے میں زندگی کا ایک عرصہ لگا دیا۔ اور ان کی کانٹ چھانٹ کرتے رہے پھر دنیا کے مقدس ترین مقامات پر بیٹھ کر اس کتاب کی تدوین کی۔ وہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جوابدہ سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے سب سے پہلے حدیث ”انما الاعمال بالنیات“ کو درج کیا جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ امام صاحب نے پورے اخلاص اور لوجہ اللہ اس کام کو کرنے کی نیت کی ہوئی تھی اور آخر میں حدیث ”کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبان الی الرحمن سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم“ کو درج کیا ان کے ذہن میں تھا کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس کے لئے ترازو قائم ہوگا۔

امام مسلم کا تخریج حدیث کا انداز:

امام مسلم نے اپنی الجامع الصحیح میں اپنے استاذ امام بخاری کے طریقے کو اپنایا ان کی صحبت سے فیض یاب بھی ہوئے۔ نیشاپور میں ان کے ساتھ کافی وقت گزارا۔ بلکہ امام دارقطنی علی بن عمر (م ۳۸۵ھ) نے یہاں تک فرمایا ”لو لا البخاری لما ذهب مسلم ولا جاء“ (۶۸۰) اگر بخاری نہ ہوتے تو امام مسلم بھی اس مقام پر نہ پہنچ سکتے۔

ابن الصلاح فرماتے ہیں ”امام بخاری کی الجامع الصحیح کے بعد امام مسلم کی الجامع الصحیح کا مقام ہے (۶۸۱)۔ امام مسلم نے اس کتاب کو تین لاکھ احادیث میں سے جو ان کی سنی ہوئی تھیں بڑی عرق ریزی اور محنت شاقہ سے شرائط کے مطابق منتخب کیا (۶۸۲)۔ محدث نیشاپور مکی بن عبدان (م ۳۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے مسلم بن الحجاج سے سنا ”اگر اہل حدیث دو سو سال تک حدیث لکھتے رہیں تو پھر بھی ان کا انحصار ان کی اس المسند الجامع الصحیح پر ہوگا“ (۶۸۳)۔ احمد بن سلمہ کہتے ہیں: کہ میں امام مسلم کی صحیح ان کے ساتھ لکھتا رہا ہوں انہوں نے اس کی تخریج میں پندرہ سال لگائے (۶۸۴)۔

امام مسلم نے اپنی صحیح لکھ کر ابو زرہ الرازی (م ۳۶۰ھ) کے سامنے پیش کی جس حدیث کے متعلق انہوں نے اشارہ کیا کہ وہ درست نہیں اس کو نکال دیا۔ امام مسلم نے خود فرمایا میں نے جو داخل کیا صحت کے ساتھ داخل کیا اور جو نکالا صحت کے ساتھ نکالا (۶۸۵)۔

صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر ترجیح کی وجوہات:

اگرچہ صحیحین کو کتب احادیث میں سب پر فوقیت حاصل ہے لیکن ان دونوں کتب میں سے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر درج ذیل وجوہ کی بنا پر ترجیح حاصل ہے۔

محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحیح بخاری درجہ میں صحت کے لحاظ سے بڑھ کر ہے اور پھر امام بخاری امام مسلم کے استاذ ہیں اس بات کا اعتراف خود امام مسلم نے بھی کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے محمد بن یحییٰ بن عبداللہ الذہلی (م ۲۵۸ھ) کی مجلس اس وجہ سے چھوڑ دی تھی کہ وہ امام بخاری کے مخالف تھے (۶۸۶)۔

صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر ترجیح کا ایک سبب زیادت صحت، دوسرا حافظہ کی زیادتی، تیسرا زیادت عدالت، چوتھا شدوذ سے پاک ہونا اور پانچواں علل سے پاک ہونا ہے (۶۸۷)۔

امام مسلم نے بعض ایسے لوگوں سے روایت لی ہے جن کو امام بخاری نے کسی شبہ کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا لیکن امام مسلم نے ازالہ شبہ کی بنا پر ان کی روایت لے لی ہے مثلاً حماد بن سلمہ، سہیل بن ابی صالح، داؤد بن ابی ہند ابوالزبیر اور علاء بن عبد الرحمن (۶۸۸)۔ حافظ طاہر مقدسی نے شروط الائمہ السنۃ میں تفصیل سے پانچوں میں سے دو سہیل بن ابی صالح اور حماد بن سلمہ کو لیکر ان کے متعلق امام بخاری کے شبہ کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے چھوڑا اور امام مسلم کے متعلق ذکر کیا کہ انہوں نے ان کے بارے شبہ کو دور ہونے کی وجہ سے ان سے روایت کیا (۶۸۹)۔ صحیح بخاری کی صحیح مسلم پر ترجیح کی وجوہات یہ ہیں:

- ۱۔ صحیح بخاری کے رواۃ پر صحیح مسلم کے رواۃ کی نسبت تنقید کم ہے۔
- ۲۔ صحیح بخاری کے جن رواۃ پر جرح کی گئی ہے ان سے امام بخاری نے بہت کم روایات لی ہیں۔ اس کی نسبت صحیح مسلم میں ان کی روایت کثرت سے ہیں۔
- ۳۔ صحیح بخاری میں مجروحین زیادہ تر لوگ وہ ہیں جن کا شمار امام بخاری کے شیوخ میں ہوتا ہے اور مؤلف کو چونکہ ان کے متعلق مکمل انشراح صدر حاصل تھا بنا بریں وہ ان سے روایت لاتے ہیں لیکن صحیح مسلم میں ایسے رواۃ تبع تابعین وغیرہ سے ہیں جن کو صحیح طور پر جاننا مشکل ہے۔

۴۔ امام بخاری نے اصالتہ طبقہ اولیٰ سے روایت کا التزام کیا اور پھر استیضاحاً طبقہ ثانیہ روایت لاتے ہیں مگر امام مسلم نے دوسرے طبقہ سے بھی اصالتہ روایت کی ہیں۔

۵۔ امام مسلم معنعن روایت کے لئے معاشرت کافی سمجھتے ہیں جبکہ امام بخاری لقاء بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

۶۔ صحیح بخاری میں فقہی استنباط اور احکام سے متعلق بہت سے مفید نکات پائے جاتے ہیں جو صحیح مسلم میں نہیں ہیں۔

۷۔ امام بخاری متکلم فیہ رواۃ کی احادیث متابعات اور شواہد میں لاتے ہیں جو کہ اصل کتاب کے موضوع سے خارج ہیں جبکہ امام مسلم وہ روایات اصول میں لے آتے ہیں اور ان سے احتجاج بھی کرتے ہیں۔

شرائط صحیحین برائے اخذ احادیث

اگرچہ امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی تمام شرائط اپنی کتب میں تفصیل سے بیان نہیں کیں لیکن محدثین نے ان کے مناجح کو دیکھ کر اور ان کے متعلق پڑھ کر قبولیت حدیث کی درج ذیل شرائط اخذ کی ہیں۔ آئمہ اصول حدیث نے صحیح حدیث کی جو شرائط راوی میں ہونا ضروری قرار دی ہیں وہ سب شرائط صحیحین کی لازمی شرائط ہیں۔ امام ابو بکر محمد بن موسیٰ الحازمی (ت ۵۸۴ھ) نے ”شروط الائمہ الخمسہ“ میں قبولیت حدیث کے لئے جو شرائط راوی میں ہونا ضروری قرار دی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ اسلام جو کہ سب سے بڑی اور اصل شرط ہے اہل شرک و کفر کی روایت مردود ہے۔ اس کے دلائل قرآن و سنت میں موجود ہیں۔

۲۔ دوسری شرط عقل ہے۔ مجنوں اور بچے کی روایت قبول نہیں جب اس میں سمجھ نہ ہو۔ اور نہ ہی ان کی شہادت قبول ہوتی ہے۔ سمجھ اور شعور ہو تو بچے کی روایت بھی قبول ہے۔

حدیث شریف میں ہے تین آدمیوں سے قلم اٹھایا گیا ہے:

۱۔ سونے والے سے جب تک وہ بیدار نہ ہو۔

۲۔ بچے سے جب تک وہ بالغ نہ ہو۔

۳۔ مجنوں سے جب تک وہ ہوش میں نہ آئے (۶۹۰)۔

یہ مد نظر رہے کہ تحمل حدیث میں بچے کی روایت قبول ہے لیکن ادا کے وقت اس کا بالغ ہونا ضروری ہے (۶۹۱)۔

۳۔ تیسری شرط صدق (سچائی) ہے۔ یہ اہم شرط ہے حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے۔

محدثین کا خیال ہے کہ جو لوگوں کے سامنے جھوٹ بولتا ہے وہ حدیث رسول اللہ ﷺ

میں بھی اس عادت سے باز نہیں آئے گا۔ اس لیے سچائی کا خیال ضروری امر ہے روایت کا مدار ہی راوی کے سچے اور جھوٹے ہونے پر ہے۔

۴۔

چوتھی شرط (براءۃ الراوی عن التذلیس) راوی کا تذلیس سے پاک ہونا ہے۔ لغت میں مذلس تذلیس سے اسم مفعول ہے۔ تذلیس کے معنی بائع کا مشتری سے فروخت کی جانے والی چیز کا عیب چھپانا ہے۔ تذلیس کا معنی اندھیرے اور روشنی کا اختلاط ہے۔ تذلیس راوی کا ایسے آدمی سے روایت بیان کرنا ہے جس کی حالت وہ چھپائے۔ یعنی وہ اپنے استاد کو حذف کر دیتا ہے اور اوپر والے شخص کو ظاہر کرتا ہے جس سے استاد کا محذوف ہونا معلوم نہیں ہوتا بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مافوق سے ہی سنا ہے (۶۹۲)۔ صحیح حدیث اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

۵۔

پانچویں شرط عدل ہے اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ صرف عادل کی روایت نقل کرتے ہیں۔ عدالت سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل اور اس کی منہیات سے رکنا ہے (برائیوں سے بچنا ہے) (۶۹۳)۔

ان تمام شرائط کے ساتھ ساتھ خاص طور پر صحیحین کی الگ شرائط بھی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ ایسی حدیث لاتے ہیں جس کے رواۃ کے ثقہ ہونے پر اتفاق ہو۔ محدث سے صحابی تک کسی میں اختلاف ثقاہت نہ ہو (۶۹۴) اس کی سند متصل ہو منقطع نہ ہو۔ اگر صحابی سے آگے دو راوی ہوں تو بہتر ہے ورنہ اگر ایک بھی آخر تک ثقہ ہو تو حدیث قبول کرتے ہیں (۶۹۵)۔

امام حازمی رحمہ اللہ نے شرائط صحیحین کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے: متفق علیہ کی قسم اوّل وہ ہے جو امام بخاری اور امام مسلم نے لی ہے یہ صحیح کا پہلا درجہ ہے پھر ایک حدیث کو ایک صحابی آنحضرت ﷺ سے بیان کرے اس کے دو راوی ثقہ ہوں پھر اس سے مشہور تابعی بیان کرے اس کے دو ثقہ راوی ہوں اتبائے تابعین میں ثقہ راوی ہوں حافظ و متقن ہوں اور چوتھے طبقے میں بھی اس کے راوی ثقات ہوں پھر امام بخاری اور امام مسلم کے شیخ حافظ متقن مشہور بالعدالت روایت میں ہوں یہ صحیح کا پہلا درجہ ہوگا (۶۹۶)۔

امام حاکم دوراویوں کا ہونا ضروری قرار دیتے ہیں (۶۹۷) لیکن امام حازمی نے دلائل اور مثالوں سے ان کے اس دعویٰ کی تردید کی ہے (۶۹۸)۔ مولانا عبدالسلام مبارک پوری نے امام حاکم (۳۲۱-۴۰۵ھ) کے حوالے سے امام بخاری کی یہ شرائط ذکر کی ہیں:

۱۔

سب رواۃ حدیث صحابی تک ثقہ ہوں۔ ان کی ثقاہت پر اتفاق ہو یعنی راوی مسلم، صادق،

غیر مدلس، غیر مختلط، متصف بصفات عدالت، ضابط مستحفظ، سلیم الذہن، قلیل الوہم اور سلیم الاعتقاد ہوں اور یہ صفات اعلیٰ درجے کی ہوں۔

۲۔ سلسلہ روایت منقطع نہ ہو۔

۳۔ اگر معنعن روایت ہو تو راوی کی اپنے شیخ سے لقاً ضرور ثابت ہو۔

۴۔ اس حدیث کی صحت اور مقبولیت پر امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے کے محدثین کا اتفاق ہو یا امام بخاری رحمہ اللہ کے معاصرین کا اتفاق ہو۔

۵۔ علت اور شذوذ سے خالی ہو (۶۹۹)۔

حافظ ابن الصلاح نے ”میسانہ صحیح مسلم“ میں امام مسلم کی بھی تقریباً یہی شرائط نقل فرمائی ہیں (۷۰۰) البتہ امام مسلم کے ہاں معنعن روایت میں لقاً ضروری نہیں ہے بلکہ معاصرت (ایک زمانہ میں ہونا) ہی کافی ہے (۷۰۱) امام بخاری کی شرط قوی ہے اس پر تنقید نہیں ہو سکتی یہ شرط عقل اور نقل کے لحاظ سے درست ہے اور حقیقت پر مبنی ہے جب کہ امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر تنقید ہو سکتی ہے اور اس کی بنا حسن ظن پر ہے۔ محدثین نے صحیح حدیث کی یوں درجہ بندی کی ہے:

پہلے نمبر پر اس حدیث کو شمار کیا ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں ہو۔ ایسی حدیث کو متفق علیہ کہتے ہیں۔

دوسرے نمبر پر وہ حدیث ہے جو صرف صحیح بخاری میں ہو۔

تیسرے نمبر پر وہ حدیث ہے جو صرف صحیح مسلم میں ہو۔

چوتھے نمبر پر وہ حدیث ہے جو ان دونوں کی شرائط کے مطابق ہو۔ لیکن ان دونوں کتب میں نہ ہو۔

پانچویں نمبر پر وہ حدیث ہے جو صرف صحیح بخاری کی شرط کے مطابق ہو۔

چھٹے نمبر پر وہ حدیث ہے جو صرف صحیح مسلم کی شرط کے مطابق ہو۔

ساتویں نمبر پر تمام کتب حدیث میں جو صحیح روایات آئی ہیں ان کو شمار کیا جاتا ہے (۷۰۲)۔

طبقات رواۃ:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صحیحین کی احادیث بیان کرنے والے طبقات کا بھی ذکر کر دیا جائے چونکہ امام بخاری طبقات رواۃ کا بھی خیال کرتے ہیں۔ امام حازمی نے امام زہری کے اصحاب کے پانچ طبقات بنائے ہیں۔ طبقات سے مراد یہ ہے کہ راوی کا اپنے شیخ کے پاس کتنا وقت گزرا اس

لحاظ سے اس کے حافظہ اور اتقان کی کیا حالت ہے۔ اس لحاظ سے وہ اس طبقہ میں ہوگا جس کا اپنے شیخ کے پاس زیادہ سے زیادہ وقت گزرا ہو، سفر و حضر میں امام زہری کے ساتھ رہے ہوں۔ امام زہری کی احادیث کو جانچنے کا موقع ملا ہو۔ عدل اور حفظ و اتقان میں اپنے ساتھیوں سے فائق ہو۔ امام بخاری ایسے راوی کو پہلے طبقے میں شمار کرتے ہیں۔ امام زہری کے شاگردوں میں سے پہلے طبقہ کے لوگوں میں سے مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، عبید اللہ بن عمرو وغیرہ ہیں۔

دوسرے طبقہ میں وہ راوی جو ثقات میں بلند درجہ رکھتے ہوں لیکن شیخ کے ساتھ طول صحبت اور وہ حفظ و اتقان میسر نہ ہو جو پہلے طبقہ کو ہے۔ دوسرے طبقہ میں عبدالرحمن بن عمر والا وزاعی اور لیث بن سعد ہیں۔ تیسرے طبقہ میں سفیان بن حسین السلمی اور زمعہ بن صالح المکی وغیرہ ہیں۔ چوتھے طبقہ میں اسحاق بن یحییٰ الکلسی اور ابراہیم بن یزید المکی ہیں۔ جب کہ پانچویں طبقہ میں عبدالقدوس بن حبیب الدمشقی اور محمد بن سعید المصلوب ہیں۔ امام بخاری اپنی صحیح میں پہلے طبقہ سے ہی روایت لیتے ہیں اور شاذ و نادر ہی دوسرے طبقہ سے روایت لیتے ہیں۔ امام مسلم دوسرے اور تیسرے طبقہ سے بھی روایت لے لیتے ہیں جب کہ امام ترمذی اور ابوداؤد تیسرے اور چوتھے طبقہ سے بھی روایت لے لیتے ہیں (۷۰۳)۔ ان طبقات کو دیکھ کر ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ آئمہ حدیث کی کس قسم کی شرائط تھیں اس لئے محدثین نے ان رواۃ سے متعلق جن کو صحیحین سے لیا گیا ہے کوئی جرح قبول نہیں کی اور ان کی روایات کو صحیح اور قابل اعتماد سمجھا۔ اور ان رواۃ کو صحت حدیث کے لئے مقیاس تصور فرمایا۔

محدثین کی ان کاوشوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو لوگ حجیت حدیث کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں وہ یا تو علوم حدیث سے بالکل بے بہرہ ہیں یا انکار حدیث میں وہ اس قدر آگے چلے گئے ہیں کہ اظہر من الشمس حقیقت کا انکار کرتے ہوئے وہ اپنے ضمیر کی آواز سننے سے بھی بہرے ہو گئے ہیں۔



کتب الامالی

تعریف:

امالی سے مراد ”وہ حدیثیں جو شیوخ اپنے شاگردوں کو املا کروائیں“۔ محدثین کا یہ دستور تھا کہ ہفتے میں ایک یا دو دن (جمعہ ہفتہ) اپنے طلباء کو مسجد، گھر یا کسی اور مقام پر میں بلا کر احادیث کی املا کراتے ان احادیث کو امالی کہا جاتا ہے۔ حاجی خلیفہ نے امالی کی تعریف یوں کی ہے: ”هو جمع الاملاء وهو ان يقعد عالم وحوله تلامذته بالمحابر والقراطيس فيتكلم العالم بما فتح الله سبحانه وتعالى عليه من العلم ويكتبه التلامذه فيصير كتباً ويسمونه الاملاء والامالي وكذلك كان السلف من الفقهاء والمحدثين“ (۷۰۴) (امالی املاء کی جمع ہے۔ کوئی عالم بیٹھا ہو اور اسکے ارد گرد طالب علم قلم اور کاغذ لے کر بیٹھیں اور وہ عالم اللہ کی توفیق کے مطابق علمی گفتگو کرے اور شاگرد لکھتے جائیں اور اس طرح سے کتابیں بن جائیں۔ اس کا نام املاء اور امالی ہے۔ سلف فقہاء اور محدثین ایسے ہی کیا کرتے تھے)۔

امالی کے بارے میں مختلف آراء:

ابن صلاح نے لکھا ہے: ”محدث کے لئے ضروری ہے کہ املاء حدیث کے لیے مجلسیں قائم کرے اور یہ روایت حدیث کا اعلیٰ درجہ ہے اور اس میں اچھے انداز سے حدیث بیان کی جاتی ہے اور تحمل حدیث میں یہ بہت عمدہ ہے۔ یہ پرانے محدثین کی عادت ہے“ (۷۰۵)۔

وہ محدثین جو املاء کرواتے تھے ان میں امام مالک، شعبہ، کعب، ابو عاصم اور یزید بن ہارون بہت مشہور ہیں۔ حدیث لکھوانے والے آدمی کو جو محدث کے آگے بولے ”مستملى“ کہتے ہیں (۷۰۶)۔ بعض محدثین کے مستلمین کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی امام ذہبی نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ احمد بن جعفر نے کہا ”جب ابو مسلم ابراہیم بن عبد اللہ بن مسلم کجی بغداد آئے تو آپ کی مجلس میں

سات مستملی تھے جہاں ایک کی آواز ختم ہوتی وہاں سے آگے دوسرا بولتا۔ ایسے لکھنے والوں کی تعداد ۴۰ ہزار سے اوپر تھی (۷۰۷)۔

حافظ فریابی کے متعلق آتا ہے کہ جب وہ بغداد آئے تو ان کا بڑی گرمجوشی سے استقبال ہوا۔ جو لوگ ان سے حدیث سننے کے لیے جمع ہوئے انکی تعداد ۳۰ ہزار کے قریب تھی اور ان سے لکھوانے والے ۳۱۶ تھے (۷۰۸)۔ حافظ ابو الفضل زہری کہتے ہیں ”میں نے ایک مجلس میں فریابی سے حدیث سنی اور جو لوگ ان سے لکھتے تھے ان کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی۔ اب ان میں سے میرے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا“ (۷۰۹)۔ حافظ عاصم بن علی واسطی جب بغداد آئے تو انہوں نے وہاں اطاء کروائی اور بہت زیادہ لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ابو حسین بن مبارک نے کہا ”واسطی کی مجلس کے اندر لاکھ سے زیادہ لوگ ہوتے تھے“ (۷۱۰)۔

شیخ عاصم بن علی چھت پر بیٹھے تھے اور لوگ لکھتے تھے اور بعض اوقات لوگ باتوں کو بار بار پوچھتے۔ ایک دفعہ انہوں نے چودہ دفعہ لوٹایا (دہرایا) اور انکا مستملی ایک کھجور پر بیٹھ کر لوگوں کو لکھوایا کرتا تھا اور اس مجلس کا اندازہ کیا گیا اس میں ایک لاکھ بیس ہزار لوگ تھے (۷۱۱)۔

کتب الامالی کے فوائد:

کتب الامالی کے بے شمار فوائد ہیں جن میں چند ایک درج ذیل ہیں:

- ۱۔ اس سے بہت زیادہ لوگ مستفید ہو سکتے تھے۔
- ۲۔ اگر ایک شاگرد غلطی کرتا اور دوسرا اس کو ٹھیک کرا سکتا تھا۔
- ۳۔ علم حدیث پھیلانے کا ایک اچھا ذریعہ تھا۔
- ۴۔ اس سے مختلف محدثین کی مجالس کا بھی ہمیں پتہ چلتا ہے۔

کتب الامالی:

الامالی کے متعدد مجموعے موجود ہیں۔ حاجی خلیفہ نے درج ذیل کتب الامالی کی فہرست دی

ہے:

- ۱۔ امالی الامام، ابی یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری الحنفی (م ۱۸۳ھ)۔
- ۲۔ امالی ثعلب فی النخو، احمد بن یحییٰ النخوی (م ۲۹۱ھ)۔
- ۳۔ امالی، امام السرخسی الحنفی (م ۲۹۲ھ)۔

- ۴۔ امالی ابی عروبہ (الحرانی)، الحافظ حسین بن محمد السلیمی (م ۳۱۶ھ)۔
- ۵۔ امالی الزجاج فی النحو، ابواسحاق ابراہیم بن محمد النخوی (م ۳۱۶ھ)۔
- ۶۔ امالی ابن درید، محمد بن ابی بکر اللغوی (ت ۳۲۱ھ)۔
- ۷۔ امالی ابی الجعفر، محمد بن القاسم البختری (م ۳۴۳ھ)۔
- ۸۔ امالی القالی فی اللغة، شیخ ابوعلی اسماعیل بن قاسم اللغوی (م ۳۵۶ھ)۔
- ۹۔ الامالی لابن شاہین (م ۳۸۵ھ)۔
- ۱۰۔ امالی بدیع ہمدانی، بدیع الزمان احمد بن الحسین (م ۳۹۸ھ)۔
- ۱۱۔ امالی ابی طاہر، محمد بن محمد بن نجمش الزیادی مفتی نیساپور (م ۴۰۱ھ)۔
- ۱۲۔ امالی العشیات۔ امام حافظ ابی عبداللہ حاکم نیشاپوری (م ۴۰۵ھ)۔
- ۱۳۔ الامالی لقاضی ابوالحسن عبد الجبار بن احمد بن عبد الجبار الحمدانی الشافعی، المعترلی، (م ۴۱۵ھ)۔
- ۱۴۔ امالی قاضی عبد الجبار (م ۴۱۵ھ)۔
- ۱۵۔ امالی ابی القاسم، عبد الملک بن بشران البغدادی (م ۴۳۲ھ)۔
- ۱۶۔ امالی الصفوة من اشعار العرب، ابی القاسم فضل بن محمد البصری (م ۴۴۴ھ)۔
- ۱۷۔ امالی ابی العلاء، احمد بن عبداللہ المعری (م ۴۴۹ھ)۔
- ۱۸۔ امالی الجوهری فی الحدیث، ابو محمد الحسن بن علی الحافظ (م ۴۵۴ھ)۔
- ۱۹۔ امالی القصص فی الحدیث، ابو عبداللہ محمد ابن سلامہ شافعی (م ۴۵۴ھ)۔
- ۲۰۔ امالی ابی علی (وحشی) حسین بن علی النخعی (م ۴۷۱ھ)۔
- ۲۱۔ امالی نظام الملک فی الحدیث، ابوعلی حسین (الحسن) ابن علی بن اسحاق (م ۴۸۵ھ)۔
- ۲۲۔ امالی ابی عبداللہ، سلیمان بن عبداللہ الحلوانی (م ۴۹۴ھ)۔
- ۲۳۔ امالی ابی الفرغ، السرخسی الشافعی، عبدالرحمن بن احمد (م ۴۹۴ھ)۔
- ۲۴۔ الامالی لابن منده (م ۵۱۱ھ)۔
- ۲۵۔ امالی ابن عساکر فی الحدیث، ابو القاسم علی ابن الحسین بن ہبہ اللہ الدمشقی (م ۵۱۱ھ)۔
- ۲۶۔ امام زربخری بکر بن محمد البخاری (ت ۵۱۲ھ)۔
- ۲۷۔ امالی ابی بکر، الخیز اخزی (م ۵۱۸ھ)۔
- ۲۸۔ امالی السرخسی ابو بکر محمد ابن عبداللہ (م ۵۱۸ھ)۔
- ۲۹۔ امالی جار اللہ، ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری (م ۵۳۸ھ)۔

- ۳۰۔ الامالی للسلامی، ابو الفضل محمد بن ناصر بن محمد بن علی بن عمر السلامی (نسبت دار السلام بغداد) الشافعی الحنبلی (م ۵۵۰ھ)۔
- ۳۱۔ امالی ابی الفضل محمد بن ناصر، السلامی (م ۵۵۰ھ)۔
- ۳۲۔ الامالی الخمسانی، امام ابی سعد عبدالکریم ابن محمد السمعی المروزی الشافعی (م ۵۶۲ھ)۔
- ۳۳۔ الامالی لابن عساکر (م ۵۷۱ھ)۔
- ۳۴۔ امالی ابن الشجرى، ابو السعادات هبة الله بن علی (ت ۵۷۲ھ)۔
- ۳۵۔ امالی الامام فخر الدین فاضل خان، حسن بن منصور الاوزجندی (فی الفقہ) (م ۵۹۲ھ)۔
- ۳۶۔ الامالی، ابو القاسم عبدالکریم بن محمد بن عبدالکریم القزوينی (م ۶۲۳ھ)۔
- ۳۷۔ امالی لاشارحة علی مفردات الفاتحة، ابی القاسم عبدالکریم بن محمد الرافعی الشافعی (م ۶۲۳ھ)۔
- ۳۸۔ امالی ابن الحاجب، ابو عمرو عثمان بن عمر النخوی المالکی (م ۵۷۰-۶۴۲ھ) (اس میں بعض آیات کی تفسیر ہے اور مختلف قسم کے نحو کے مسائل ہیں)۔
- ۳۹۔ امالی النقاش فی الحدیث، ابو سعید۔
- ۴۰۔ امالی ابن حجر، احمد بن علی بن حجر عسقلانی (ت ۸۵۲ھ) (اس میں وہ حدیثیں ہیں جو انہوں نے حلب کے شہر میں لکھیں)۔
- ۴۱۔ امالی المطلقة، جلال الدین السیوطی۔
- ۴۲۔ امالی ابن الحصین، هبة الله بن محمد بن عبدالواحد۔
- ۴۳۔ امالی ابن شمعون، ابو الحسن محمد بن احمد۔ انہوں نے احادیث املا کروائیں اور اسکے اجزاء مرتب کیے۔
- ۴۴۔ امالی ابی بکر، یوسف بن القاسم بن یوسف فارسی القاضی۔
- ۴۵۔ امالی ابی بکر، محمد بن القاسم بن بشار الانباری۔
- ۴۶۔ امالی ابی بکر الحلوانی۔
- ۴۷۔ امالی ابی بکر ریغدمونی۔
- ۴۸۔ امالی ابی بکر النسفی۔
- ۴۹۔ امالی ابی طاہر۔
- ۵۰۔ امالی ابی عبداللہ، حسین بن ہارون بن الجعفر الضعی۔
- ۵۱۔ امالی ابی عثمان، اسماعیل بن محمد بن احمد الاصفہانی۔
- ۵۲۔ امالی ابی القاسم الکلابازی۔

- ۵۳۔ امالی ابی القاسم، عبداللہ بن محمد بن اسحاق بن حبابہ البزار قی۔
- ۵۴۔ امالی الاصمہانیۃ، للمحلی۔
- ۵۵۔ امالی الحافظ، حسن بن ابراہیم القنطری۔
- ۵۶۔ امالی حسن بن زیاد۔
- ۵۷۔ امالی الزعفرانی فی الحدیث، امام ابو عبد اللہ حسین بن احمد۔
- ۵۸۔ امالی امام الشافعی فی الفقہ۔
- ۵۹۔ امالی صدر الاسلام (البز دوی فی الفروع)۔
- ۶۰۔ امالی ظہیر الدین، ابولواحی الحنفی (فی الفقہ)۔
- ۶۱۔ امالی العرافیۃ فی شرح الفصول الایلافیہ۔
- ۶۲۔ امالی فریدی۔
- ۶۳۔ امالی قاضی صدر البز دوی۔
- ۶۴۔ امالی قاضی فخر الارسابندی۔
- ۶۵۔ امالی قاضی المارستانی، ابوبکر محمد بن عبد الباقی۔
- ۶۶۔ الامالی المرضیۃ فی شرح العلویہ۔
- ۶۷۔ امالی المنذری فی الحدیث۔
- ۶۸۔ امالی علی القرآن، جلال الدین السیوطی۔
- ۶۹۔ الامالی علی الدرۃ الفاخرہ، جلال الدین السیوطی۔
- ۷۰۔ امالی مطہر السنۃ۔
- ۷۱۔ امالی میمون۔
- ۷۲۔ امالی ولی الدین، ابی زرعة احمد بن عبد الرحیم العراقی الحافظ (م ۸۲۶ھ) (۷۱۲)۔

کتب الامالی اور ان کے مؤلفین:

چند کتب امالی اور ان کے مؤلفین کے حالات زندگی پر روشنی ڈالتے ہیں:

۱۔ الامالی لابن شاہین (م ۳۸۵ھ):

تعارف مصنف:

آپ کی کنیت ابو حفص، نام عمر بن احمد بن عثمان ہے۔ ابن شاہین کے لقب سے مشہور

ہیں۔ بغداد کے رہنے والے بلند پایہ حافظ حدیث اور عراق کے محدث تھے (۷۱۳)۔ آپ ۲۹۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۰۸ھ میں حدیث کا سماع شروع کیا۔ محمد بن محمد باغندی، محمد بن ہارون بن مجدر ابو خلیب عباس بن برقی، شعیب بن محمد زراع، ابوالقاسم بغوی، ابوعلی محمد بن سلیمان مالکی اور ان کے طبقہ سے علم حدیث حاصل کیا (۷۱۴)۔ طلب حدیث کی خاطر دمشق کا سفر کیا اور وہاں ابواسحاق بن ابی ثابت اور دیگر علماء سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور آپ کے شاگرد ابوسعید مالینی، ابوبکر برقانی، ابوالقاسم تنوخی، ابو محمد خلال، ابو محمد جوہری، ابوالحسین بن مہدی باللہ اور ان کے صاحبزادے عبید اللہ اور دوسرے بہت سے لوگ آپ سے روایت کرتے ہیں (۷۱۵)۔

ابن ماکولا کہتے ہیں: ”ثقہ اور مامون ہیں۔ انہوں نے تحصیل علم کے لیے شام، فارس اور بصرہ کا سفر کیا۔ احکام و مسائل جمع کئے۔ تراجم لکھے اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں“ (۷۱۶)۔ آپ نے ذی الحجہ ۳۸۵ھ میں وفات پائی (۷۱۷)۔

۲۔ الامالی لابن مندہ (م ۵۱۱ھ):

تعارف مصنف:

آپ کا نام یحییٰ بن عبد الوہاب بن حافظ ابی عبد اللہ محمد بن اسحاق کنیت ابو زکریا اور لقب ابن مندہ ہے۔ اصفہان کے رہنے والے ممتاز حافظ حدیث ہیں اور اصفہان کے مشہور حافظ حدیث یحییٰ بن مندہ کی اولاد سے ہیں۔ آپ نے اپنے والد، اپنے دونوں چچا حافظ عبدالرحمان اور عبید اللہ تاجر، امام طبرانی کے شاگرد ابوبکر بن ریزہ، ابوشیخ کے شاگرد ابوطاہر بن عبدالرحیم، ابوالعباس احمد بن محمد قصاص، احمد بن محمود ثقفی، محمد بن علی بھصاص اور ان کے علاوہ اور بہت سے علماء سے علم حاصل کیا (۷۱۸)۔ آپ سے عبد الوہاب النماطی، یحییٰ بن عبدالغافر بن صباغ، علی بن ابی تراب، ابن ناصر، سلفی، عبدالحق یوسفی، ابو محمد بن خشاب اور دوسرے لوگوں نے احادیث روایت کیں (۷۱۹)۔

ابوسعید سمعانی نے آپ کا تذکرہ لکھا ہے اور کہا ہے ”آپ ثقہ، جلیل القدر، وسیع الروایت اور کثیر الفضائل حافظ حدیث تھے۔ بے داغ، سیرت کے حامل کثیر التصانیف راست گفتار اور تکلف سے دور رہنے والے تھے اپنے زمانہ میں اپنے خاندان کے ذریعہ تھے۔ آپ نے اپنی اور ہمارے مشائخ سے ایک جماعت کی تاریخ لکھی تھی اور مجھے اپنی جملہ مسموعات کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ میں نے حافظ اسماعیل بن محمد سے ان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے آپ کی تعریف کی اور آپ کو حفظ،

معرفت اور درایت کے اوصاف جلیلہ سے متصف بتایا۔ میں نے حافظ محمد بن ابی نصر فتوانی کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خاندان بنو مندہ کی ایک تکھی سے ابتداء ہوئی اور ایک یحییٰ پر اس کا خاتمہ ہوا میں نے یونارتی کی تاریخ میں پڑھا ہے کہ تکھی بن مندہ کی تاریخ پیدائش ۴۳۲ھ ہے“ (۷۲۰)۔

وفات:

آپ عید قربان کے دن ۵۱۱ھ کو فوت ہوئے اور بعض نے ۵۱۲ھ ذی الحجہ بتائی ہے (۷۲۱)۔

۳۔ الامالی لابن عسا کر (م ۵۷۱ھ):

تعارف مصنف:

آپ کی کنیت ابو القاسم، نام علی بن حسن بن ہبۃ اللہ اور لقب محدث شام ہے۔ دمشق کے رہنے والے جلیل القدر اور بلند پایہ حافظ حدیث ہیں۔ تاریخ کبیر اور دیگر مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۴۹۹ھ میں پیدا ہوئے اپنے والد ماجد اور اپنے بھائی ضیاء الدین ہبۃ اللہ کی خصوصی توجہ سے اپنی عمر کے ساتویں سال ہی میں حدیث کا سماع شروع کیا (۷۲۲)۔ آپ نے اپنے شہر دمشق میں ابو القاسم، نسیب، قوام بن زید، سیج بن قیراط، ابو طاہر حنائی، ابو الحسن بن موازینی اور اس طبقہ کے دوسرے علماء سے اکتساب فیض کیا۔ پھر ۵۲۰ھ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے سفر پر روانہ ہوئے اور بغداد میں ابو القاسم ابن حصین، ابو الحسن دینوری، ابو العز بن کاوش، ابو غالب بن بناء، ابو عبد اللہ بارع، اور اس طبقہ کے دیگر مشاہیر حدیث سے سماع کیا۔ ان کے علاوہ آپ نے مکہ، کوفہ، نیسا بور، اصبھان، مرو اور حرا کے تقریباً ۱۳۸۰ اساتذہ کرام سے علم حدیث کا سماع کیا۔ ان میں سے ۸۰ سے زائد خواتین بھی شامل ہیں (۷۲۳)۔

آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی خاصی طویل ہے اور مشہور محدث معمر بن فاخر، ابو العلاء ہمدانی، ابو سعد سمعانی اور دوسرے کبار علماء آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے صاحبزادے قاسم، ابو جعفر قرطبی، زین الامناء، ابو البرکات بن عسا کر اور ان کے بھائی شیخ فخر الدین وغیرہ نے آپ سے حدیث کا سماع کیا۔ اور دیگر بے شمار علماء نے آپ سے حدیث کا علم حاصل کیا (۷۲۴)۔

حافظ سمعانی کہتے ہیں: ”ابو القاسم ابن عسا کر حافظ حدیث، ثقہ، متقن، دیانتدار، نیک

اطوار اور بلند اخلاق تھے متن اور اسناد کو خوب جانتے تھے۔ علم و فضل میں بے نظیر اور بڑے محقق تھے۔ حدیث کی قرأت بڑے دلنشین انداز سے کرتے تھے آپ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے مختلف ممالک کا سفر کیا اور حصول مقصد کے لیے راتوں کی نیند اور دن کا چلین حرام کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علم کا جتنا ذخیرہ آپ کے پاس محفوظ تھا کسی کے پاس نہیں تھا (۷۲۵)۔

ابوالمواہب کہتے ہیں ”ایک دن مجھ سے کہنے لگا جب میں نے حدیث پڑھانے کا ارادہ کیا۔ اور خدا شاہد ہے کہ اس میں حب جاہ اور تقدم علی الاقران کا جذبہ ہرگز ہرگز کارفرما نہیں تھا۔ بلکہ خواہش یہ تھی کہ میں نے حدیث کا جو یہ بے انداز ذخیرہ جمع کیا ہے اسے کب بیان کروں۔ اگر اسے کاغذات میں چھوڑ گیا۔ تو اس تمام جانکاہی اور مشقت سے کیا حاصل۔ چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ۵۳۳ھ میں تدریسی زندگی کا آغاز کیا (۷۲۶)۔ آپ نے ۱۱ رجب ۵۷۱ھ میں وفات پائی (۷۲۷)۔

۴۔ الامالی ابوعلی القالی:

تعارف مصنف:

نام اسماعیل بن القاسم لقب القالی البغدادی اور کنیت ابوعلی ہے۔ عربی لغت و ادب کے امام تھے۔ انہیں القالی اس لیے کہا گیا کہ وہ منازجر کے ایک گاؤں قالا کے چند افراد کے ساتھ بغداد میں تعلیم حاصل کرتے تھے ان کے ساتھ رہنے کی وجہ سے انہیں بھی اس گاؤں کی طرف منسوب کر کے قالی کہا جاتا تھا اور بغدادی اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ وہاں پر ۲۵ سال رہے۔ بغداد میں آپ نے محدث ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بغوی، ابوسعید الحسن بن علی بن زکریا العدوی، ابوبکر عبد اللہ بن ابوداؤد بن اشعث سجستانی جیسے جلیل القدر محدثین کے علاوہ نحو و ادب کے ماہر ابن سراج، ابن انباری، انھنش اور ابن قتیبہ جیسے جید علماء سے کسب فیض کیا (۷۲۸)۔ ان کا میلان لغت کی طرف زیادہ تھا اس لیے مؤرخین انہیں لغت کے امام قرار دیتے ہیں۔ اس زمانہ میں وہ بہت مشہور ہوئے۔ ان کی شہرت اندلس کے خلیفہ عبدالرحمان ناصرتک پہنچی تو انہیں خلیفہ نے اندلس آنے کی دعوت دی۔ انہوں نے خلیفہ کی دعوت کو قبول کیا اور وہ اندلس پہنچے تو ان کا شاندار استقبال کیا اور خلیفہ نے اپنا ولی العہد بنا لیا۔ اور انہوں نے قرطبہ میں ۳۵۶ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے امالی کے علاوہ کتاب ”الممدود والمقصود“ ”علم تجوید القرآن، کتاب الاہل، تفسیر السبع الطوال، کتاب فعلت و افعلت، کتاب مقاتل الفرسان، کتاب حلی الانسان والخیل و شیائہ اور کتاب البارع“ تصنیف کیں (۷۲۹)۔

تعارف کتاب:

کتاب امالی القالی ان دروس کا مجموعہ ہے جو انہیں قرطبہ اور جامع مسجد زہراء میں ہر جمعرات کو دیا جاتا تھا۔ وہ لکھتے ہیں ”امللت هذا الكتاب من حفظي في الاخمسة بقرطبة وفي المسجد بالزهاء المباركة“ (۷۳۰)۔

یہ کتاب عربی ادب کی امہات الکتب میں شمار کی جاتی ہے۔ عربی زبان و ادب میں ذوق رکھنے والوں کے لیے مفید کتاب ہے۔ اس میں انہوں نے منفرد واقعات، منتخب اشعار، ضرب الامثال، الفاظ کی تشریح اور حکمت کی باتوں کو جمع کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ”او دعته فنونا من الاخبار، وضروبا من الاشعار وانواع من الأمثال وغرائب من اللغات“ (۷۳۱)۔ اس کے علاوہ قرآن و حدیث کے مشکل الفاظ کی تشریح بھی بیان کی ہے وہ لکھتے ہیں: ثم لم أخله من غريب القرآن و حدیث الرسول ﷺ (۷۳۲)۔ انہوں نے قرآن مجید کے مشکل الفاظ کے معانی اور تشریح اہل لغت کے اقوال اور شعراء کے اشعار سے کی ہے مثلاً قرآن مجید کی آیت ”وغدو علی حرد قادرین“ میں لفظ حرد کے متعلق لکھتے ہیں ومعنی قوله عز وجل ”وغدو علی حرد قادرین“ ای علی قصد، قال الجمع اما اذا حردی فمجرية ضبطاء تسكن غيلا غير مقروب ای قصدت قصدی۔

وقال الآخر:

اقبل سيلٌ جاء من امر الله يجرد حرد الجنة المغله

ای يقصدها قصدها

وقال أبو عبيدة معنی قوله ”علی حرد“ ای علی غضب وحق و اجاز ما ذكرناه. قال: ويجوز ان يكون ”علی حرد“ معناه، علی منع، واحتج بقول العباس بن مرداس السلمي وحارب فان مولاك حار ونصره ففي السيف مولى نصره لا يحارد و حارد عندي في هذا البيت بمعنی قل (۷۳۳)۔ اسی طرح احادیث کے بھی مشکل الفاظ کے معنی اور تشریح پوری حدیث سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد دیتے ہیں۔ ایک جگہ ”مطلب تفسیر الغریب من حدیث الصحابة“ (۷۳۴)۔ عنوان کے تحت پوری حدیث نقل کی ہے اور مشکل الفاظ کے معانی اور تشریح کی ہے۔ اس کے علاوہ حکمت کی باتیں، اشعار اور صرف الفاظ کے معانی بیان کیے گئے ہیں۔

(یہ کتاب دارالافتاح الجدیدہ بیروت سے ۱۹۸۰ء کو شائع ہوئی ہے اور اس کی شرح سمط والکالی کے نام سے وزیر ابی عبید البکری نے کی ہے اس شرح کی تحقیق و تخریج علی گڑھ یونیورسٹی انڈیا کے شعبہ عربی کے (استاذ) پروفیسر عبدالعزیز اسمیٰ نے کی ہے۔ اس شرح کو مطبعہ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر نے شائع کی ہے۔ سن اشاعت درج نہیں ہے۔) اس کے علاوہ حکمت کی باتیں، اشعار اور صرف الفاظ کے معانی بیان کیے گئے ہیں۔

۵۔ الامالی ابن الحاجب (۵۹۳-۶۳۰ھ):

تعارف مصنف:

آپ کا نام و نسب یہ ہے ابوالفتح عمر بن محمد بن منصور امینی، لقب عزالدین ہے۔ دمشق کے بلند پایہ حافظ حدیث اور ممتاز عالم تھے (۷۳۵)۔ آپ نے دمشق میں علامہ ابن ملاءب کی وفات کے بعد ہبۃ اللہ بن خضر، موسیٰ بن عبداللہ، موسیٰ بن عبدالقادر اور دیگر اہل علم سے حدیث پڑھی اور بغداد، مصر، اسکندریہ، اربل، موصل، حلب اور حرین شریفین کے محدثین سے بھی استفادہ حاصل کیا (۷۳۶)۔ عالی اور نازل ہر قسم کی احادیث لکھیں اور بہت سی کتابیں اپنے کتب خانہ کی زینت بنائیں۔ الامالی کے علاوہ اپنے ۱۱۸۰ مشائخ کے حالات ایک معجم میں لکھے اور ایک معجم میں ان شہروں کے تفصیلی حالات قلمبند کیے۔ آپ نے طلب علم میں انتہائی جانفشانی سے کام لیا اور ”الاربعین المصنفات“ کتاب تصنیف کی (۷۳۷)۔

تعارف کتب:

الامالی ابن الحاجب جوالدکتور فخر صالح سلیمان جدارہ کی تحقیق سے شائع ہوئی ہے۔ محقق کتاب ہذا نے کتاب کو مقدمہ الکتاب دو ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ جبکہ اصل کتاب میں مقدمہ موجود نہیں ہے۔ مقدمہ الکتاب میں الدکتور فخر صالح سلیمان نے زیر بحث کتاب کی تحقیق میں پہنچنے والی مشکلات کا ذکر کیا ہے اور ان تمام مشکلات کے باوجود کتاب کی طباعت پر خوشی کا اظہار کیا ہے پھر اپنی تحقیق شدہ اس کتاب کی تقسیم کے متعلق وضاحت کی ہے۔

الجزء الاول کو تین فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے: پہلے جز میں فصل اول امام ابن الحاجب کے حالات زندگی، نام و نسب، زمانہ، اخلاق و شخصیت، اساتذہ و تلامذہ اور ابن الحاجب کے نحوی مذہب کا ذکر کیا ہے۔

جز اول کے مندرجات کی مثالیں:

کتاب کے ابتداء میں لکھا ہے: فان عام (۵۷۰ھ) الذی ولد فیہ ابن الحاجب بعد عام اقامة دولة الایوبیین (۷۳۸)۔ ایسے ہی ابن الحاجب کے نحوی مسلک کے متعلق لکھا ہے، ولکنہ یدو متاثرا بمذهب البصریین الی حد کبیر (۷۳۹)۔ جبکہ فصل ثانی کتاب ”امالی“ میں واقع احادیث پر مشتمل ہے اور اس میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ امام ابن الحاجب نے یہ کتاب کب اور کہاں تالیف کی اس کے مصادر و اسلوب وغیرہ کیا ہیں۔ جبکہ فصل ثالث ابن حاجب سے ”امالی“ میں مذکور احادیث کے متعلق خاص کیا گیا ہے۔ جبکہ الجزء الثانی کتاب کی تحقیق دراستہ اور اس کو ایک واضح صورت دینے کی جدوجہد پر مشتمل ہے۔ دونوں جلدوں کے آخر میں مصادر و مراجع اور فہرست بھی دی گئی ہے۔ کتاب کی دونوں جلدیں ۹۷۹ صفحات پر محیط ہیں (۷۴۰)۔



حدیث قدسی

لغوی تعریف:

”قدسی“ لفظ القدس بمعنی پاکیزگی سے ہے۔ ارض مقدس پاک زمین کو کہتے ہیں۔ اسی سے معروف بیت المقدس ہے، تقدس اللہ: تنزه وهو القدوس (۷۴۱) (اللہ کی تقدیس، عیبوں سے پاک ہونا اور وہ قدوس ہے)۔

قدسی نسبت ”القدس“ کی طرف ہے جس کے معنی ”الطہر“ کے ہیں یعنی وہ حدیث جو ذات قدسیہ کی طرف منسوب ہو اور وہ اللہ عزوجل ہے۔

اصطلاحی تعریف:

وہ حدیث جس کی نسبت آپ ﷺ نے اللہ کی طرف کی ہو۔ اللہ کی نسبت کی وجہ سے اسے حدیث قدسی کہا جاتا ہے (۷۴۲)۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں: ”الحديث القدسي ما يرويه صدر الرواة وبوء الثقات عليه الفضل الصلاة واكمل التحيات عن الله تبارك و تعالیٰ تارة بواسطة جبرئیل عليه السلام وتارة بالوحي والالهام والمنام مفوضا اليه التعبير بأى عبارة شاء من انواع الكلام (۷۴۳) (حدیث قدسی وہ ہے جس کو راویوں کے سردار اور ثقہ لوگوں کے چراغ ان پر بہترین صلوٰۃ و سلام ہو اللہ سے بیان فرمائیں۔ کبھی جبرئیل کے واسطے سے بیان کریں یا الہام کے ذریعے یا خواب میں یا وحی کے ذریعے، عبارت کوئی بھی ہو۔ نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے)۔

مثال حدیث قدسی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: قال النبی یقول اللہ تعالیٰ ”انا عند ظن

عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکر تہ فی نفسی وان ذکرنی فی مالا ذکر تہ فی مالا خیر منہم (۷۴) (نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان پر ہوتا ہوں اور اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرے۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے لوگوں میں یاد کرے تو میں ان سے بہتر لوگوں میں اسے یاد کرتا ہوں)۔

حدیث قدسی اور قرآن کریم میں فرق:

- ۱۔ حدیث قدسی اور قرآن کریم کے درمیان حسب ذیل وجوہ سے فرق ہے۔
- ۱۔ ”قرآن کریم“ کے الفاظ و معانی دونوں اللہ کی جانب سے ہوتے ہیں اور ”حدیث قدسی“ کے معنی اللہ کی جانب سے اور الفاظ حضور اکرم ﷺ کے ہوتے ہیں۔
- ۲۔ قرآن کریم کے الفاظ کا پڑھنا پڑھانا عبادت ہے۔ نماز اس کو پڑھے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔ جبکہ ”حدیث قدسی“ کا یہ معاملہ نہیں۔
- ۳۔ ثبوت قرآن کریم کے لئے تواتر شرط ہے۔ ثبوت حدیث قدسی کے لئے تواتر شرط نہیں ہے۔
- ۴۔ قرآن کریم معجزہ ہے۔ حدیث قدسی کا یہ معاملہ نہیں۔ قرآن کریم کے ذریعے لوگوں کو چیلنج کیا گیا۔ جبکہ حدیث قدسی کے ذریعے نہیں کیا گیا۔
- ۵۔ ”قرآن کریم“ کا نزول حضرت جبریل کے واسطے سے ہی ہوا ہے اور حدیث قدسی کے لئے یہ ضروری نہیں۔ کبھی حضور پر اس کا نزول حضرت جبریل کے واسطے سے ہوا ہے اور کبھی الہام و خواب وغیرہ دوسرے ذرائع وحی کے واسطے سے اور آپ کو اختیار ہوتا کہ آپ جن الفاظ سے چاہیں۔ اس کو تعبیر دیں۔
- ۶۔ احادیث قدسیہ کی روایت بالمعنی جائز ہے جبکہ قرآن کی روایت بالمعنی جائز نہیں بلکہ اصل الفاظ پڑھنے ضروری ہیں (۷۵)۔

احادیث قدسیہ کی تعداد:

احادیث قدسیہ کی تعداد تمام احادیث نبویہ کے مقابلے میں بہت کم ہے، بعض حضرات نے ۸۶۳ جمع کی ہیں اور ساتھ ہی یہ تصریح ہے کہ مزید تلاش کی جائے تو اس تعداد میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

اہم مصنفات فن:

- ۱۔ ابو القاسم علی بن بلبان المقدسی (م ۶۸۴ھ)، المقاصد السنۃ فی الاحادیث الالہیہ۔ اس میں سو احادیث جمع کی گئی ہیں اور تحقیق سے شائع ہوئی ہیں (۷۴۶)۔
- ۲۔ عبدالرؤف منادی (م ۱۰۳۱ھ)، الاتحافات السنیۃ بالاحادیث القدسیہ، اس میں دو سو بہتر احادیث جمع کی گئی ہیں (۷۴۷)۔
- ۳۔ محمد بنی الاتحافات السنیۃ فی الاحادیث القدسیہ۔ اس میں آٹھ سو چودہ احادیث جمع کی گئی ہیں (۷۴۸)۔
- ۴۔ ”الاحادیث القدسیہ“ مرتب کردہ و شائع کردہ ”المجلس الاعلیٰ للشؤون الاسلامیہ“ چار سو احادیث پر مشتمل ہے۔ اور ان کی تشریح بھی شامل ہے۔ اس کتاب میں مؤطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں سے احادیث کو جمع کیا گیا ہے (۷۴۹)۔
- ۵۔ ”الاحادیث القدسیہ و منزلتھا فی التشريع“، شعبان محمد اسماعیل (۷۵۰)۔
- ۶۔ شیخ عصام الدین، الضبائطی نے صحیح الاحادیث القدسیہ کے نام سے کتاب لکھی۔ اس میں ۵۴۴ احادیث جمع کیں (۷۵۱)۔
- ۷۔ مقدس باتیں: یہ دراصل پہلے بیان کردہ الاحادیث القدسیہ (چار سو احادیث) کا اردو میں ترجمہ ہے جسے ڈاکٹر حبیب اللہ مختار نے ترتیب دیا ہے۔ مصنف نے ۳۱ مختلف عنوانات کے تحت ترجمہ و تشریح پیش کی۔ اس کے لکھنے کی وجہ وہ خود لکھتے ہیں۔ ایک روز عصر کے بعد محترم جناب حاجی علی صاحب پاکو والے دارالتصنیف تشریف لائے۔ ان کے ہاتھ میں کتاب کا نسخہ تھا۔ فرمانے لگے اس کا ترجمہ کر دیں تو بہت اچھا ہو گا۔ ان کے اصرار کو دیکھتے ہوئے حامی بھر لی (۷۵۲)۔
- مصنف نے مقدمہ میں حدیث قدسی کے معنی، حدیث قدسی اور قرآن کریم میں فرق، حدیث قدسی اور عالم حدیث میں فرق کو واضح کیا ہے۔ اس کے بعد اس کتاب میں اصل مؤلفین نے جو طریقہ اختیار کیا اس کی وضاحت کی ہے۔ تمام کتب کے نام لکھے ہیں جن سے احادیث لی گئیں پھر لکھا ہے کہ ان احادیث کی تشریح قسطلانی شرح بخاری اور علامہ نووی کی شرح مسلم کی روشنی میں کی گئی ہے (۷۵۳)۔ بعض جگہ پر قسطلانی کے پوری کی پوری عبارت لی ہے، بعض جگہ عبارت خلاصہ اور بعض

جگہ مختلف مقامات کا خلاصہ لیا ہے۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انسان مجھے جھٹلاتا ہے۔۔۔ الخ“ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے منکر ہیں (۷۵۴)۔ مثلاً ”اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو جبرئیل اعلان کرتے ہیں۔ الخ۔ اس حدیث کی شرح امام نووی سے یوں بیان کی گئی ہے۔ علماء فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا بندے سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے خیر و بھلائی کا ارادہ فرمائیں۔ اور اس کو ہدایت دیں اور اس پر انعام فرمائیں اور رحم کریں اور بغض کرنے کا مطلب ہے ہزا دینا اور اس کی نحوست و بدبختی کا قصد ہے (۷۵۵)۔

۸۔ احادیث قدسیہ: ڈاکٹر عز الدین ابراہیم، ترجمہ اردو مولانا محمود احمد غففر، اس میں چالیس احادیث ہیں اور یہ کتاب اٹھاسی صفحات پر مشتمل ہے (۷۵۶)۔

ڈاکٹر عز الدین ابراہیم ۱۹۲۸ء میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم وہاں حاصل کی پھر پی ایچ ڈی لندن میں کی۔ ۱۹۶۷ء سے سعودی عرب کے دار الخلافہ ریاض میں استاد رہے۔ بیس نصابی کتب کے مؤلف ہیں۔ اس وقت متحدہ عرب امارات میں کلچرل ایڈوائزر کے عہدے پر فائز ہیں (۷۵۷)۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ چونتیس کی صحت پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے جبکہ باقی چھ بھی دیگر کتب صحاح سے لی گئی ہیں۔

پہلی حدیث یہ ہے: لما قضی اللہ الخلق کتب فی کتابہ علی نفسہ فہو موضوع عنده ان رحمتی تغلب غضبی۔ بخاری، نسائی، ابن ماجہ (۷۵۸)۔ آخری چالیسویں حدیث یہ ہے: جنت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے سوال کرے گا کہ کیا تم راضی ہو تو وہ خوشی کا اظہار کریں گے پھر اللہ فرمائے گا: الا اعطیکم افضل من ذلک فیقولون یا رب وائی شیء افضل من ذلک فیقول احلّ علیکم رضوانی فلا اسخط علیکم بعدہ وابدأ۔ بخاری، مسلم، ترمذی (۷۵۹)۔

۱۰۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر عبدالودود نے کیا جو Forty Hadith Qudsi کے نام سے شائع ہوا (۷۶۰)۔

۱۱۔ احمد سعید دہلوی، الہدایہ السعیہ فی الاحادیث القدسیہ، احادیث قدسیہ اللہ کی باتیں (۷۶۱)۔ اس کتاب میں چار کتابوں کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے جس میں انتالیس عنوانات ہیں۔ جن میں سے چونتیس عنوانات کے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اس کتاب میں کل چار سو بانو سے احادیث قوی ہیں (۷۶۲)۔

الاجزاء

تعریف:

جزء کی جمع اجزاء ہے اور اس سے مراد وہ کتابچہ ہے جس میں کسی ایک راوی کی احادیث جمع کر دی گئی ہوں، یا کسی خاص حدیث کی اسانید پر بحث کی گئی ہو، یا کسی خاص موضوع سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہوں (۷۶۳)۔

چند حضرات جنہوں نے اجزاء تحریر کیے لیکن دستیاب نہیں ہیں۔ ان کے صرف حالات زندگی اور دیگر کے ساتھ تعارف کتب بھی پیش خدمت ہے۔

۱۔ ابو عاصم ضحاک بن مخلد (النبیل) شیبانی بصری (م ۲۱۲ھ):

آپ بصرہ کے رہنے والے نامور حافظ حدیث ہیں۔ زیر کی اور عقل مندی کی وجہ سے ان کا لقب ”نبیل“ پڑ گیا۔ آپ نے جعفر بن محمد، یزید بن ابی عبید، سلیمان تیمی، ابن جریج، بہز بن حکیم اور دوسرے کبار محدثین سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان سے امام احمد، بندار، دارمی، امام بخاری، حارث بن ابی اسامہ، ابو مسلم کجی اور دوسرے لوگوں نے استفادہ کیا ہے۔ موصوف ہمیشہ اپنی زبانی یادداشت سے درس حدیث دیا کرتے تھے۔ عمر بن شیبہ کہتے ہیں، میں نے ان جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ امام بخاری اور دوسرے محدثین فرماتے ہیں ہم نے ان سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے ”جب سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ غیبت ایک ضرر رساں چیز ہے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی“۔ ”ابو عاصم کو صحیح قسم کی تقریباً ایک ہزار احادیث از بر یاد تھیں“۔

ابن سعد فرماتے ہیں: ”آپ ثقہ اور فقیہ تھے“۔ آپ نے بصرہ میں ۱۴ ذی الحجہ ۲۱۲ھ میں انتقال کیا۔ امام ذہبی لکھتے ہیں۔ آپ نے نوے سال سے کچھ ماہ زیادہ عمر پائی (۷۶۳)۔

۲۔ محمد بن عبد اللہ انصاری (م ۲۱۵ھ):

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ یہ خادم رسول اللہ ﷺ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اولاد میں

سے ہیں اور بلند پایہ محدث ہیں۔ بصرہ کے شیخ اور وہاں کے قاضی ہیں۔ انہوں نے سلیمان تیمی، حمید، ابن عون، جریری، ابن جریج، ابن ابی عروبہ اور دوسرے بہت سے لوگوں سے حدیث کا سماع کیا اور ان سے امام بخاری، احمد، بندار، اسماعیل سمویہ، ابو حاتم، اسماعیل قاضی (ان کے آخری شاگرد) ابو مسلم کجی اور دوسرے بہت سے لوگ روایت کرتے ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں: ”میں نے کامل امام تین ہی دیکھے ہیں۔ امام احمد، امام انصاری اور سلیمان بن داؤد ہاشمی۔“

ابن قتیبہ کہتے ہیں: ”ہارون الرشید نے ان کو بغداد کے مشرقی حصہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ ہارون کا بیٹا امین خلیفہ بنا تو اس نے ان کو معزول کر دیا۔“ امام محمد انصاری کا اپنا بیان ہے: ”کہ میرا سال پیدائش ۱۸ھ ہے اور میں کبھی بادشاہ کے دربار میں خوش دلی سے حاضر نہیں ہوا۔“ ابن سعد کہتے ہیں: ”ان کا رجب ۲۱۵ھ میں انتقال ہوا۔“ (۷۶۵)۔

۳۔ احمد بن فرات رازی (م ۲۵۸ھ):

آپ کی کنیت ابو مسعود ہے۔ شہر ”رے“ کے رہنے والے بلند پایہ حافظ حدیث، اصفہان کے محدث اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ انہوں نے عبد اللہ بن نمیر، ابو اسامہ، یزید بن ہارون، ابن ابی فدیہ اور عبد الرزاق سے حدیث کا سماع کیا۔ اور اساتذہ فن سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے دور دراز ممالک کے سفر کیے اور ان سے ابو داؤد، ابن ابی عاصم، فریابی، عبد الرحمن بن یحییٰ بن منہ، عبد اللہ بن جعفر بن فارس اور دوسرے لوگوں نے حدیث بیان کی ہے۔

ابراہیم بن محمد طبان کہتے ہیں ”ابو مسعود کا اپنا بیان ہے کہ میں نے بارہ سال کی عمر میں حدیث لکھنا شروع کی تھی اور ۱۸ سال کی عمر میں میرے حفظ و ضبط کا چرچا دور و نزدیک پھیل چکا تھا۔“ نیز وہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک ہزار سات سو اساتذہ سے ۵ لاکھ احادیث لکھی ہیں۔ ان میں سے پانچ لاکھ میں نے اپنی تصانیف میں درج کی ہیں۔“

امام احمد فرماتے ہیں: ”میرے خیال میں مسند احادیث کو ابن فرات سے زیادہ جاننے والا کوئی آدمی باقی نہیں رہا۔“ ابو عروبہ حرائی کہتے ہیں: ”یہ حفظ میں ابو بکر بن ابوشیبہ اور یحییٰ بن احمد بن سلیمان رهاوی کے برابر ہیں۔“ ابن عدی کہتے ہیں: ”میرے علم میں ان کی ایک روایت بھی منکر نہیں ہے۔ راست گو اور حافظ حدیث ہیں۔“ اثرم کہتے ہیں: ”میں نے احمد بن حنبل سے سنا ہے فرماتے تھے: نیلگوں آسمان کے نیچے آنحضرت کی احادیث کو ابو مسعود رازی سے زیادہ یاد رکھنے والا کوئی نہیں۔ آپ نے شعبان سنہ ۲۵۸ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا (۷۶۶)۔“

۴۔ حماد بن سلمہ دینار بصری (م ۱۶۷ھ):

آپ کی کنیت ابو سلمہ ہے۔ آپ بصرہ کے رہنے والے مشہور حافظ حدیث ہیں۔ حدیث میں کمال کے ساتھ ساتھ علم نحو میں بھی ماہر تھے۔ اپنے ماموں حمید طویل، ابن ابی ملیکہ، ابو حمزہ ضبعی، محمد بن زیاد جمحی، انس بن سیرین، اباعمران جونی، قتادہ، سماک بن حرب، ثابت بنانی اور بہت سے دوسرے لوگوں سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور ان سے عبداللہ بن مبارک، یحییٰ قطان، ابن مہدی، عفان، عبدالاعلیٰ بن حماد، شیبان بن فروخ اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ مستفیض ہوئے۔

ذہیب کہتے ہیں: ”حماد بن سلمہ ہمارے استاد اور ہم سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔“ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”حماد بن سلمہ، ثابت بنانی کی احادیث سب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں اور اپنے ماموں حمید طویل سے روایت کرنے میں بہت پختہ ہیں۔“ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ”حماد، علی بن زید کے متعلق دوسروں سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔“ ابن مدینی فرماتے ہیں: ”تہا یحییٰ بن ضریر کے پاس حماد بن سلمہ کی دس ہزار احادیث تھیں۔“

شہاب بن معمر کہتے ہیں: ”حماد بن سلمہ ابدال میں شمار ہوتے تھے۔“ امام ذہبی لکھتے ہیں: آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ کے ساتھ علم حدیث میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ آپ عربی میں کمال، فقہ میں ماہر، عمل میں متبع سنت اور خطابت میں فصیح البیان تھے۔ ذہبی لکھتے ہیں ”مجھے ان کی بہت سی عالی السند احادیث ملی ہیں۔“ امام عبدالرحمان بن مہدی کہتے ہیں۔ حماد بن سلمہ کے عمل کی یہ حالت تھی کہ اگر ان سے کہا جاتا کہ آپ کل مرجائیں گے تو بھی اپنے عمل میں پہلے سے قطعاً اضافہ نہ کر سکتے تھے۔

عفان کہتے ہیں: ”میں نے حماد بن سلمہ سے زیادہ عبادت کرنے والے لوگ تو دیکھے ہیں لیکن نیکی کے کام، تلاوت قرآن اور اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرنے میں ان سے زیادہ مداومت کرنے والا نہیں دیکھا۔“ یونس مؤدب کہتے ہیں: ”حماد بن سلمہ کا نماز کی حالت میں انتقال ہوا۔“

اسحاق بن طباع کہتے ہیں: ”میں نے حماد بن سلمہ سے سنا ہے فرماتے تھے“ جو شخص علم حدیث غیر اللہ کے لیے پڑھے گا وہ اللہ تعالیٰ کی سزا سے نہیں بچ سکے گا۔“ نیز فرمایا: ”ابھی میری نیت حدیث پڑھانے کی نہیں تھی لیکن امام ابو ایوب نے مجھے خواب میں ہدایت کی کہ حدیث پڑھانا شروع کر دو۔“

عمرو بن عاصم کہتے ہیں ”میں نے حماد بن سلمہ سے دس ہزار سے کچھ زیادہ احادیث

لکھیں۔“ کہتے ہیں حماد بن سلمہ نے بہتر عورتوں سے شادی کی لیکن اولاد پھر بھی نہیں ہوئی۔ ابو داؤد کہتے ہیں: حماد بن سلمہ کے پاس قیس بن سعد کی کتاب کے سوا کوئی کتاب نہیں تھی۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں: جب کسی کو حماد بن سلمہ کی شان میں گستاخی کرتے دیکھو تو سمجھو اس کے اسلام میں شبہ ہے۔ انہوں نے تقریباً ۸۰ سال عمر پا کر ۱۶۷ھ میں بقرعید کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (۷۶۷)۔



تعارف کتاب ومؤلف

کتاب الزهد:

تعارف مصنف:

الامام وکیع بن الجراح (م ۱۹۷ھ)

آپ کی کنیت ابوسفیان اور نام وکیع بن الجراح ہے۔ کوفہ کے رہنے والے ممتاز حافظ حدیث اور چوٹی کے اماموں میں سے ایک امام ہیں۔ پختہ کار عالم اور عراق کے محدث ہیں۔ رواس جس کی طرف منسوب ہیں۔ قیس عیلان کا ایک ذیلی قبیلہ ہے۔ ۱۲۹ھ میں پیدا ہوئے۔

ہشام بن عروہ، جعفر بن بزمان، اسماعیل بن خالد، ابن عون، ابن جریج، سفیان، اوزاعی اور دوسرے بہت سے لوگوں سے حدیث کا سماع کیا۔ پہلے طبقہ سے تعلق رکھنے کے باوجود عبد اللہ بن مبارک بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ امام احمد بن حنبل، ابن مدینی، یحییٰ بن معین، ابو شیبہ کے دونوں بیٹے، عبد اللہ بن ہاشم، ابراہیم بن عبد اللہ قصار اور دوسرے بہت سے لوگوں نے بھی ان سے کسب فیض کیا۔ ان کے والد وزیر مال تھے۔ خلیفہ ہارون رشید نے وکیع کو بھی کوفہ کی قضا پر مقرر کرنا چاہا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔

یحییٰ بن یمان کہتے ہیں ”جب امام سفیان ثوری کا انتقال ہوا تو وکیع ان کی جگہ مسند نشین ہوئے۔“ یعنی کہتے ہیں: ”ہم حماد بن یزید کے پاس بیٹھے تھے۔ وکیع نکلے تو لوگ کہنے لگے یہ سفیان کے راوی اور ان کے جانشین ہیں اس پر حماد بولے اگر چاہو تو کہہ سکتے ہو ان کو سفیان پر ترجیح ہے۔“

یحییٰ بن ایوب مقابری کہتے ہیں: ”وکیع کو اپنی والدہ سے ایک لاکھ درہم ورثہ میں ملے تھے۔“ امام مسلم بن جناہ کہتے ہیں: ”میں امام وکیع کی صحبت میں سات سال رہا ہوں۔ میں نے ان کو مجلس درس میں تھوکتے، کنکروں کو چھوتے یا ادھر ادھر حرکت کرتے کبھی نہیں دیکھا۔ ہمیشہ قبلہ رخ ہو کر بیٹھتے تھے۔ میں نے ان کو اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے ہوئے بھی کبھی نہیں دیکھا۔“

ابن عمار کہتے ہیں: ”وکیع کے زمانے میں کوفہ میں ان سے زیادہ علم حدیث جاننے والا کوئی نہیں تھا۔“ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: ”میری آنکھوں نے وکیع جیسا آدمی کوئی نہیں دیکھا۔ حدیث کے بلند پایہ حافظ تھے۔ بہترین انداز سے فقہ حدیث میں مذاکرہ ان کا مشغلہ تھا۔ پرہیزگاری کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں بڑے سرگرم تھے اور کسی کی غیبت ہرگز نہیں کرتے تھے۔“ ابو ہشام اور دوسرے محدثین وکیع سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں جو شخص قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: ”میں نے ان کے حالات اپنی کتاب تاریخ اسلام میں ذکر کیے ہیں اور وہ تاریخ دمشق میں اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔“ امام وکیع نے حج بیت اللہ سے واپسی پر فید میں بروز عاشوراء ۱۹۷ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا“ (۷۶۸)۔

تعارف کتاب:

اصل کتاب (مخطوطہ) ۴۴۴ اوراق پر مشتمل تھا۔ اس کی تحقیق و تخریج ڈاکٹر عبدالرحمن عبدالجبار فریواری نے کی ہے۔ انہوں نے مؤلف اور کتاب کی تحقیق میں ۲۱۲ صفحات لکھے ہیں۔ مصنف نے زہد کے متعلق احادیث و آثار کو جمع کیا ہے۔ اس کا پہلا باب ”باب موعظة النبی فی الزہد“ ہے۔ اس باب کے تحت سند کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے کہ ”قال رسول اللہ ﷺ“ لرجل اغتنم خمساً قبل خمس حیاتک قبل موتک وصحتک قبل سقمک، وفراغک قبل شغلک، وشبابک قبل هرمک، وغناک قبل فقرک“ (۷۶۹) (رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کی کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانے زندگی کو موت سے، صحت کو بیماری سے فراغت کو مشغول ہونے سے، جوانی کو بڑھاپے سے، آسودگی کو فقری سے)۔ اس طرح انہوں نے ۷۳ ابواب کے تحت ۲۰۰ مرفوع احادیث، ۱۹۳ موقوف احادیث، ۱۳۴ مقطوع احادیث اور ۱۴ اسرائیلیات کو جمع کیا (۷۷۰)۔ فاضل محقق نے احادیث کی تحقیق کی ہے۔ ان کے مطابق ۱۴ اسرائیلیات کے علاوہ ۲۲ صحیح، ۱۰۰ حسن اور ۱۸۸ ضعیف حدیث ہیں۔ کتاب کے آخر میں امام وکیع نے اپنے استاد سے نقل کیا ہے: کنا نستعین علی طلب الحدیث بالصوم (۷۷۱) (ہم طلب حدیث پر روزہ رکھ کر مدد حاصل کرتے)۔

آخری باب میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ ان الکافر یا کل فی سبعة أمعاء والمؤمن یا کل فی معی واحدة (۷۷۲) (کافر سات انتڑیوں میں کھاتا ہے جبکہ مومن ایک انتڑی میں کھاتا ہے)۔

کتاب جامع التحصیل فی احکام المراسل:

تعارف مصنف:

نام خلیل بن کیکل دی العلانی، کنیت ابوسعید اور لقب حافظ صلاح الدین ہے۔ ربیع الاول ۶۹۲ھ کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے حدیث کی تعلیم حافظ ابوالحجاج مزی، حافظ ذہبی جیسے نامور محدثین سے حاصل کی اور دوسرے علوم و فنون بھی مختلف شہروں کے اساتذہ سے حاصل کیے۔ انہوں نے تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ درس و تدریس بھی جاری رکھی۔ چنانچہ المدرسة الصلاحیۃ بالقدس، دار الحدیث الحمصیہ ناصریہ، اسدیہ اور دار الحدیث السیفیہ وغیرہ میں پڑھاتے رہے۔ ان کے بے شمار تلامذہ ہیں۔ ان میں سے چند نامور درج ذیل ہیں:

- ۱۔ حافظ ابن کثیر۔
- ۲۔ عبدالوہاب السبکی
- ۳۔ ابراہیم بن جماعہ
- ۴۔ ابن ملقن

ان کی تصانیف کی تعداد ۵۲ بتائی جاتی ہے جو کہ مختلف علوم پر ہے۔ انہوں نے ۳ محرم ۷۶۱ھ کو وفات پائی اور القدس میں باب الرحمة قبرستان میں دفن کیا گیا (۷۷۳)۔

تعارف کتاب:

یہ کتاب مصطلح الحدیث کے ایک موضوع ”حدیث مرسل“ پر لکھی گئی ہے۔ مصنف لکھتے ہیں: ”کان الارسال فی الحدیث علة یترک بها ویوقوف علی الاحتجاج به بسببها لما فی ابهام المروى عنه من الغرر و الاحتجاج المبني علی الخطر وقد اختلف العلماء قديما وحديثا فيه وكثرت اقوالهم وتباينت آراؤهم وتعارضت افعالهم فاستخرت الله تعالى وعلمت هذا الكتاب لبيان ذلك وايضاح ما هو الى الصواب اقوم المسالك جامعاً فيه بين طريقة اهل الحديث وائمة الاصول (۷۷۳) (مرسل، تابعی کا قال رسول اللہ کہنا، حدیث میں علت سمجھی جاتی تھی۔ اس علت کی وجہ سے اس حدیث کو ترک کیا جاتا تھا۔ اسے دلیل بنانے سے اسی علت اور دھوکہ کی بناء پر توقف کیا جاتا تھا۔ اور اسے دلیل بنا بھی لیں تو بھی خطرہ تھا کہ کہیں یہ حدیث رسول نہ ہو اور اس میں جدید و قدیم ہر دور کے علماء کے درمیان اختلاف رہا ہے۔ اس میں بہت سے اقوال پائے جاتے ہیں اور ان کی آراء مختلف ہو گئیں ان کے

افعال میں بھی تعارض ہو گیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا۔ اور یہ کتاب اسی کی وضاحت میں تصنیف کی ہے اور جو بات درست اور حق ہے اس کی توضیح کرنے کے لیے اہل حدیث اور ائمہ اصول کے طریقے کو جمع کیا ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے:

- ۱۔ حدیث مرسل کی تحقیق اور اس کی تعریف۔
 - ۲۔ حدیث مرسل میں علماء کے اختلاف۔
 - ۳۔ ہر ایک کے موقف کی دلیل اور ان میں سے رائج۔
 - ۴۔ ان اقوال کے ذیلی احکام و فوائد۔
 - ۵۔ درمیان سند میں مراسل خفی کا بیان۔
 - ۶۔ ان راویوں کی فہرست جن کی روایات پر مرسل کا حکم لگا ہو۔
- انہوں نے چھٹے باب میں ۱۳۰۹ راویوں کی فہرست دی ہے جن پر کسی نہ کسی طرح مرسل کا حکم لگا ہو (۷۷۵)۔

کتاب جز رفع الیدین فی الصلوۃ:

تعارف کتاب:

یہ کتاب امام بخاری رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔ حضرت امام بخاری نے اس میں وہ تمام قابل اعتماد روایات جمع کر دی ہیں جن میں رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت رفع الیدین ثابت ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے رفع الیدین کے اعتراضات پر ٹھوس جوابات دیے ہیں اور رفع الیدین کے متعلق سلف کے اقوال اور اعمال جمع کیے ہیں۔ یہ کتاب بہت اہمیت کی حامل تھی۔ عرصہ دراز سے اس پر تخریج کا کام نہیں ہوا تھا۔ شاہ بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ نے اس کی تخریج کی ہے جو کہ جلاء العینین کے نام سے مشہور ہے۔ شاہ صاحب نے ان احادیث و اقوال کی بہترین طریقہ سے تخریج کی ہے اور اقوال و احادیث کی مناسب وضاحت بھی کر دی ہے۔ اور اس موضوع پر جو کتابیں لکھی جا چکی تھیں شاہ صاحب نے ان کا تعارف کروایا ہے۔ اس کتاب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک عظیم دعویٰ کیا ہے کہ کسی صحابی سے ترک رفع الیدین ثابت نہیں ہوا (۷۷۶)۔ اس بات پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے کہ سب صحابہ کے متعلق پوری معلومات حاصل کی جائیں۔ یہ بہت اہم کام ہے۔

محدثین اور نقاد جانتے ہیں کہ یہ بات امام بخاری رحمہ اللہ نے کہی ہے۔ اور محدثین کی

بڑی تعداد کا ذکر کیا کہ ان میں سے کسی کا اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اہل ہوا کی علامات بیان کرتے ہوئے ان کی تردید کی ہے۔ نماز میں رفع الیدین کے ساتھ ساتھ نماز جنازہ کی تکبیرات اور وتر کا بھی بیان کر دیا گیا ہے (۷۷۷)۔

کتاب مکارم الاخلاق:

تعارف و کتابت:

ابن ابی الدنیا کی کتاب ہے جو کہ ایک بہت بڑے محدث گزرے ہیں انہوں نے کتاب بھی مکارم الاخلاق جمع کر دیے ہیں۔ جن کا تعلق انسان کے اخلاق سے ہے۔ اور اس کی شروع شروع والی احادیث میں تقویٰ اور مروءۃ ذکر کی گئی ہے جو کہ اخلاقیات کی کلید ہیں۔

مصنف نے مقدمہ لکھے بغیر حدیث سے کتاب کی ابتداء کی ہے پہلی حدیث یہ ہے ”حدثنا علی بن الجعد الجوهري بن خالد عن العلاء بن عبد الرحمن عن أبيه عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ كرم المرء دينه و مروءته عقله وحسبه خلقه“ (۷۷۸)۔ اسی طرح انہوں نے اخلاق کے متعلق ۱۴۸۷ احادیث کو جمع کیا ہے۔ اس کتاب کی تحقیق محمد عبدالقادر احمد عطانے کی ہے۔ انہوں نے مختلف نسخوں کا تقابل، راویوں کے مختصر حالات اور احادیث کی تخریج کی ہے اور جن کتب حدیث میں یہ حدیث مذکور ہو اس کا صفحہ اور جلد کے ساتھ اختلاف الفاظ کی بھی نشاندہی کی ہے۔ اس کے ۳۰۸ صفحات ہیں۔ مؤلف اور محقق دونوں نے مقدمہ نہیں لکھا ہے۔



المصنف

تعریف:

محدثین کی اصطلاح میں مصنف ایسی کتاب کو کہتے ہیں جو فقہی ابواب پر مرتب کی گئی ہو اور احادیث مرفوعہ و موقوفہ و مقطوعہ پر مشتمل ہو۔ یعنی اس میں حضور اکرم ﷺ کی احادیث اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین کے فتاویٰ اور بعض اوقات تبع تابعین کے فتاویٰ بھی مذکور ہوں جن سے کوئی محدث اور فقیہ بے نیاز نہیں ہو سکتا (۷۷۹)۔

مصنف کے چند مشہور مؤلفین اور کتب پر تبصرہ:

۱۔ مصنف عبدالرزاق صنعانی (م ۲۱۱ھ):

تعارف مؤلف:

آپ کی کنیت ابو بکر ہے۔ قبیلہ حمیر سے نسبت ولاء کی وجہ سے حمیری کہلاتے ہیں۔ صنعاء کے رہنے والے ممتاز حافظ حدیث اور متعدد کئی مفید کتب کے مصنف ہیں۔ کسی قدر عبید اللہ بن عمر اور زیادہ تر ابن جریج، ثور بن یزید، معمر، اوزاعی، سفیان ثوری اور دوسرے بہت سے اساتذہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے امام احمد بن حنبل اسحاق، ابن معین ذہلی، احمد بن صالح، اسحاق بن ابراہیم ویری اور دوسرے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا۔ خود فرماتے ہیں میں نے معمر کے حلقہ درس میں سات سال گزارے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں: عبدالرزاق کو معمر کی حدیثیں یاد تھیں۔ بہت سے آئمہ فن نے ان کی توثیق کی ہے۔ ان کی احادیث صحاح ستہ کی سب احادیث میں مذکور ہیں۔ البتہ کچھ احادیث کے بیان کرنے میں یہ منفرد ہیں۔ ان کی تشیع پسندی کو محدثین نے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا حالانکہ یہ اس میں غلو سے کام نہیں لیتے تھے۔ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت اور ان کے ساتھ لڑنے والوں سے بغض رکھتے تھے۔

امام ذہبی لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے علم کا خزانہ تھے لیکن حفظ حدیث میں کعب اور عبدالرحمن بن مہدی کے مقام تک نہیں پہنچے۔ انہوں نے نصف شوال ۲۱۱ھ میں داعی کو لبیک کہا (۷۸۰)۔

تعارف کتاب:

یہ آپ کی تالیفات میں سب سے زیادہ اہم اور مشہور تالیف ہے آپ نے اس کتاب کو فقہی ابواب کے مطابق مرتب کیا ہے۔ حاجی خلیفہ لکھتے ہیں: ”وہو اصغر من مصنف ابن ابی شیبہ وہو كذلك مرتب علی الكتب والابواب علی ترتیب الفقہ“ (۷۸۱) (یہ مصنف ابن ابی شیبہ سے چھوٹی ہے یہ بھی فقہی کتب و ابواب پر مرتب ہے)۔

اس کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ مصنف کے جو مجموعے موجود ہیں۔ ان میں مصنف ابن ابی شیبہ کے بعد سب سے زیادہ مشہور یہی ہے۔ اور قدامت کے لحاظ سے یہ اس پر بھی فوقیت رکھتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حدیث کے مصادر کے تیسرے طبقہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اکثر روایات ثلاثی ہیں۔ مصنف عبدالرزاق قرونِ اولیٰ کی دینی، سیاسی، سماجی، اخلاقی، علمی اور اجتہادی کوششوں کی عکاس ہے۔ اس کتاب کی بالاستیعاب مطالعہ سے اس دور کے حالات و ظروف کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس دور کے قانونی اور شرعی فیصلے کیسے ہوتے تھے۔ جب علماء کے اقوال مختلف ہوتے تو ان میں تطبیق کس طرح پیدا کی جاتی تھی۔ عبدالرزاق صنعانی کا تعلق اس دور سے ہے۔ جب نصوص سے استنباط اور استخراج کی کدو کاوش علماء، فقہاء کے ہاں عام تھی۔ آپ نے ان حالات کے پیش نظر احادیث، آثار و فتاویٰ کو جمع کیا۔ اور فقہاء محدثین دونوں کے لیے ایک بیش قیمت سرمائے کا انتخاب کیا۔ امام عبدالرزاق کی مصنف میں جہاں آثار جمع ہیں۔ وہاں مشاہیر علماء اور قضاة کے اجتہادات بھی نمایاں ہیں۔

مصنف عبدالرزاق طبع ہو چکی ہے اور عام دستیاب ہے۔ اس کی کئی اشاعتیں ہو چکی ہیں۔ سب سے پہلے کتاب الطہارت ہے۔ جس کا پہلا باب غسل الذراعیں ہے۔ اس میں ایک عطا کا قول ہے۔ ایک انہی سے سوال کا جواب ہے۔ اور تیسری روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے وضو کرنے کا طریقہ ہے (۷۸۲)۔

دوسرا باب المسح بالراس ہے۔ اس باب کی پہلی حدیث سند کے ساتھ اس طرح ہے۔ ان النبی ﷺ کان یمسح راس مرة واحدة بكفيه، یقبل بیدیه ویدبر بهما علی

راسه مرة واحدة (۷۸۳)۔

اس مصنف کا آخری باب بر الوالدین ہے۔ اس کی آخری حدیث کا نمبر ۲۱۰۳ ہے جو اس طرح سے ہے۔ عن انس قال کان شعر النبی ﷺ الی انصاف اذنیہ (۷۸۳)۔

۲۔ ابو بکر بن ابی شیبہ کوفی (م ۲۳۵ھ):

تعارف مؤلف:

آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن محمد ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے۔ ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان العبسی مولاہم الکوفی۔ آپ بنو عبس کی طرف نسبت ولاء کی وجہ سے عبسی کہلاتے ہیں۔ کوفہ کے رہنے والے بے مثال حافظ حدیث اور اس فن میں ماہر بے عدیل ہیں۔ مسند، مصنف اور دیگر بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔

آپ نے شریک قاضی، ابوالاحوص، ابن المبارک، ابن عیینہ، جریر بن عبد الحمید اور ان کے طبقہ سے حدیث کا سماع کیا۔ اور ان سے ابو زرعہ، امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ابن ماجہ، ابو بکر بن عاصم، حمی بن مخلد، بغوی، جعفر فریابی اور دوسرے بہت سے محدثین سے روایت کرتے ہیں۔ عجمی کہتے ہیں: ثقہ اور حافظ ہیں۔ فلاس کہتے ہیں: میں نے ابو بکر سے زیادہ حافظ کوئی شخص نہیں دیکھا۔ ابو زرعہ کہتے ہیں: ابو عبید فرمایا کرتے تھے۔ علم حدیث چار آدمیوں کے پاس ہے۔ ان میں ابو بکر اس کو زیادہ روانی کے ساتھ بیان کرتے ہیں احمد اس میں زیادہ فقیہ ہیں۔ ابن معین اس کو زیادہ جمع کرنے والے اور علی بن مدینی اس کو زیادہ جاننے والے ہیں۔

صالح بن محمد کہتے ہیں: ”جن لوگوں سے مجھے تحصیل علم کا اتفاق ہوا ہے۔ ان میں حدیث اور علل حدیث کو علی بن مدینی سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور ان سب میں مذاکرہ کے وقت ابو بکر بن ابی شیبہ کی یادداشت قابلِ داد تھی۔“

ابو عبید کہتے ہیں: ”کتاب تصنیف کرتے وقت ابو بکر بن ابی شیبہ کی ترتیب سب سے اچھی ہوتی ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں مجھے ان کی متعدد عالی احادیث حاصل ہوتی ہیں۔ ان میں سے حضرت اسامہ کی ایک یہ حدیث ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ عرفہ سے واپسی کے وقت آنحضرت ﷺ کس طرح چلتے تھے۔ فرمایا: آپ تیز چلتے تھے اور جب کھلا میدان آ جاتا تو اونٹنی کو دوڑا دیتے تھے۔ ہشام کہتے ہیں عنق تیز چلنے اور نص دوڑنے کو کہتے ہیں۔ امام مسلم نے یہ حدیث اپنی صحیح میں ابو بکر سے

بطریق موافقت ذکر کی ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”آپ نے محرم ۲۳۵ھ کو جان جان آفرین کے سپرد کر دی“

(۷۸۵)۔

تعارف کتاب:

مصنف میں سب سے بڑی کتاب ہے جو کہ فقہی ترتیب پر قریب ہے۔ حاجی خلیفہ لکھتے ہیں: ”وہو کتاب کبیر جدا جمع فیہ فتاویٰ التابعین واقوال الصحابہ واحادیث الرسول علی طریقۃ المحدثین باسانیدھا مرتباً علی الکتب والابواب علی ترتیب الفقہ (یہ بہت بڑی کتاب اس میں مصنف نے رسول اللہ کے احادیث اقوال صحابہ الآثار اور تابعین کے فتوؤں کو سند کے ساتھ کتاب اور ابواب فقہی ترتیب پر مرتب کیا ہو) (۷۸۶)۔ اس کتاب کی تحقیق استاد سعید اللحام نے کی ہے۔ انہوں نے اس کی درج ذیل خصوصیات لکھی ہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی بعض خصوصیات:

- ۱۔ مؤلف ایک موضوع کے متعلق احادیث واقوال اور آثار ایک جگہ پر جمع کر دیتے ہیں۔
- ۲۔ بعض اوقات حدیث کو ”حدثنا“ کے بغیر بیان کرتے ہیں۔
- ۳۔ مصنف میں مرسل، منقطع، معضل اور معلل روایات بھی ہیں۔ اور ان پر کسی قسم کی جرح و تعدیل نہیں ہے۔
- ۴۔ مؤلف کے زمانے کے اندر کئی فقہی نظریات تھے۔ انہوں نے اپنی مصنف میں مختلف اقوال کو امانت کے ساتھ ادا کر دیا۔
- ۵۔ وہ محدثین کے مذہب کو نص نقل کرنے کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں۔ اور اس میں کسی قسم کی اپنی طرف سے دخلت نہیں کرتے۔ اس میں بعض الفاظ، لہجے اور اصطلاحات اس طرح بیان کی گئی ہیں جس طرح ان شہروں کے راویوں نے بیان کیں۔ اس میں کئی الفاظ فارسی اور سندھی سے عربی بنا کر لیے گئے ہیں۔ بعض اوقات ان کے معنی بھی لکھ دیتے ہیں۔
- ۶۔ بعض اوقات وہ تبع تابعین سے بھی بیان کرتے ہیں۔
- ۷۔ بعض مقامات پر نص میں ثقیل الفاظ آ گئے ہیں۔

- ۸۔ مصنف نے بعض ابواب میں ان مسائل کا ذکر کیا ہے جن کے حل کی ضرورت تھی۔
- ۹۔ حدیث میں جو اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔ مصنف نے ان پر اعتماد کیا ہے جیسے حدیثاً، خبرنا وغیرہ (۷۸۷)۔

محقق نے اس کتاب کے عنوان اور ابواب بنائے۔ ہر باب کی حدیثوں کے نمبر بھی لگائے ہیں۔ یہ کتاب آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ پہلی جلد کا پہلا باب ”کتاب الطہارات“ ہے اور آخری جلد کا آخری باب ”کتاب الجمل“ ہے (۷۸۸)۔

کتاب الطہارة کا پہلا باب ما یقول رجل اذا دخل الخلاء ہے اور اس کی پہلی حدیث سند کے بعد عن انس ابن مالک قال کان النبی ﷺ اذا دخل الخلاء قال اعوذ باللہ من الخبث والخبائث (۷۸۹)۔ اس کتاب کے آخری باب میں مرفوع حدیث یہ ہے: عن النبی ﷺ قال یتہ قوم من قبل المشرق محلقة رؤسہم (۷۹۰)۔



المختصرات (تلخیص و تجرید)

اختصار کی تعریف:

الایجاز فی القول ایجازا شدیداً وحذف الزیادات منه (۷۹۱) (بات کو بہت مختصر کرنا اور جو زائد بات ہو اس کو حذف کرنا)۔

تلخیص سے مراد کسی کتاب کو مختصر کرنا ہے۔ تجرید کا مفہوم کسی مجموعہ احادیث کی اسانید اور مکرر روایات کو حذف کرنا ہے۔ اس موضوع پر کئی لوگوں نے کتب تصنیف کی ہیں۔ یہاں صرف صحیح بخاری کی دو تلخیصات پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔

مختصر صحیح البخاری (جمع النہایۃ فی بدء الخیر وغایۃ):

امام بخاری کی کتاب الجامع الصحیح جو کہ صحیح بخاری کے نام سے معروف ہے۔ کئی علماء نے اس کتاب کی مکرر احادیث کو حذف کر کے یا کسی اور پہلو کی بناء پر اختصار کیا ہے۔ انہی میں سے ایک ابن ابی جمرہ الازدی ہے۔ جنہوں نے صحیح بخاری کا اختصار بنام "جمع النہایۃ فی بدء الخیر وغایۃ" کیا ہے۔ ان کا پورا نام ابو محمد عبداللہ بن سعد بن سعید بن ابی جمرہ الازدی الاندلسی ہے۔ ان کی ولادت و حالات زندگی کے بارے میں بہت ہی کم لکھا گیا ہے لہذا ان کی ولادت اور مفصل حالات زندگی معلوم نہیں ہو سکے۔ البتہ ان کی تاریخ وفات ۶۹۵ھ یا ۶۹۹ھ ہے (۷۹۲)۔

انہوں نے بخاری کے ۲۹۶ جامع احادیث کو اپنی مختصر میں درج کیا ہے جن میں روز مزہ پیش آنے والے مسائل اور دیگر معاملات ہیں۔ انہوں نے اس مختصر صحیح بخاری کو زبانی یاد کرنے کے لیے تیار کیا تھا۔ اس لیے راوی حدیث کے علاوہ باقی سلسلہ سند کو حذف کر دیا ہے مؤلف مقدمہ میں

لکھتے ہیں: ”أختصر أسانیدها ما عدا راوی الحدیث فلا بد منه فیسهل حفظها“ (۷۹۳) اس کتاب میں انہوں نے صحیح بخاری کی حدیث ”اول ما بدء به رسول الله من الوحي“ سے کتاب کی ابتداء کی ہے۔ یہ لمبی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے (۷۹۴)۔

حدیث نمبر ۸ یہ لکھی ہے: عن ابی مسعود عن النبی ﷺ قال اذا انفق الرجل علی اہله یحتسبها فہی لہ صدقة (۷۹۵)۔ حدیث نمبر ۲۸۷ یہ ہے: عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ اذا انزل اللہ بقوم عذابا أصاب العذاب من کان فیہ ثم بعثوا علی حسب اعمالہم (۷۹۶)۔ اور آخری حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ہے ”إن اللہ سبحانہ وتعالیٰ یقول لأهل الجنة: یا أهل الجنة، فیقولون: لبيک ربنا وسعدیک والخیر کلہ فی یدیک، فیقول: هل رضیتم؟ فیقولون: وما لنا لا نرضی یا ربنا وقد أعطیتنا ما لم تعط احداً من خلقک، فیقول: ألا أعطیکم افضل من ذلک؟ فیقول أحل علیکم رضوانی فلا أسخط علیکم بعدہ أبدا (۷۹۷)۔ اس کتاب کی شرح علامہ الشرنوبی (م ۱۳۲۸ھ) نے لکھی ہے جو کہ اس کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

مختصر صحیح البخاری:

تعارف مصنف:

آپ کا نام محمد ناصر الدین اور کنیت ابو عبد الرحمن ہے۔ ۱۹۱۲ء کو البانیہ کے علاقہ اشقودرہ میں پیدا ہوئے (۷۹۸)۔ آپ اپنے آبائی وطن البانیا سے ملک شام تشریف لائے تھے اس لیے ”البانی“ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ علامہ البانی نے ابتدائی تعلیم ”مدرسة الاسعاف الخيرية“ دمشق سے حاصل کی (۷۹۹)۔ آپ نے تقریباً بیس سال کی عمر میں سید رشید رضا کے مجلہ ”المنار“ کے مباحث سے متاثر ہو کر علم حدیث کی طرف توجہ دی، آپ کا پہلا کام جو حدیث پر ہوا وہ علامہ عراقی (م ۸۰۶ھ) کی ”المغنی عن حمل الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الأخبار“ ہے۔ یہ احیاء علوم الدین امام غزالی کی کتاب پر کام ہے۔ (۸۰۰) جس کی تحقیق و تعلیق دو ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل چار اجزاء میں مکمل ہوئی۔

آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے شیخ الحدیث بھی رہے۔ اس وقت جامعہ کے چانسلر سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ محمد ابراہیم آل شیخ نے یونیورسٹی کی تاسیس ہی سے آپ کو شیخ الحدیث

بنایا اور آپ وہاں بطور شیخ الحدیث ۱۳۸۱ھ سے ۱۳۸۳ھ تک درس حدیث دیتے رہے (۸۰۱)۔
 آپ کو ”شاہ فیصل عالمی انعام کمیٹی“ نے جنوری ۱۹۹۹ء کو حدیث نبوی کی بے مثال خدمت پر شاہ فیصل ایوارڈ کے گرانقدر انعام سے نوازا۔ انہوں نے حدیث پر بہت کام کیا۔ ان کی تالیفات ۲۰۰ کے قریب ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

- ۱۔ ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل۔
- ۲۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ۔ ۳۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ۔
- ۴۔ تحقیق کتاب مشکاة المصابیح للترمذی۔
- ۵۔ صحیح الجامع الصغیر زیادۃ۔ ۶۔ ضعیف الجامع الصغیر زیادۃ۔
- ۷۔ مختصر صحیح بخاری۔ ۸۔ مختصر صحیح مسلم۔
- ۹۔ صحیح سنن ترمذی۔ ۱۰۔ صحیح سنن ابی داؤد۔
- ۱۱۔ صحیح سنن نسائی۔ ۱۲۔ صحیح سنن ابن ماجہ۔
- ۱۳۔ ضعیف سنن ترمذی۔ ۱۴۔ ضعیف سنن ابی داؤد۔
- ۱۵۔ ضعیف سنن نسائی۔ ۱۶۔ ضعیف سنن ابن ماجہ۔

علامہ البانی کو جہاں اللہ تعالیٰ نے گونا گوں علمی صلاحیتوں سے مالا مال کیا تھا وہیں بے مثال حاضر جوابی کی دولت نصیب فرمائی (۸۰۲)۔

کتاب مختصر صحیح الامام البخاری:

شیخ نے اختصار میں جو طریقہ اختیار فرمایا اس کی تفصیل یہ ہے:

- ۱۔ اس کتاب میں سندیں حذف کر دی گئی ہیں سوائے صحابہ کے۔ جہاں ضروری تھا وہاں کسی اور راوی کو بھی رکھا ہے۔
- ۲۔ اس میں تکرار کو ختم کیا گیا ہے۔ ان میں جو احادیث زیادہ جامع تھیں۔ اس کو لے لیتے ہیں اور حدیث کے درمیان اس کی وضاحت کرتے جاتے ہیں جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ مسائل کے استنباط کے لیے احادیث کو کئی مقامات پر ذکر کرتے ہیں۔
- ۳۔ تعلیقات بخاری پر حاشیہ بھی بیان فرماتے ہیں پھر ان تمام احادیث پر نمبر لگائے ہیں یعنی مرفوع، موقوف وغیرہ۔
- ۴۔ تمام کتب کی احادیث پر نمبر لگائے ہیں۔ اسی طرح ابواب اور احادیث کا خیال رکھا ہے۔

۵۔ حاشیہ میں غریب الفاظ کی شرح بھی کی ہے (۸۰۳)۔

پہلی کتاب بدء الوحی ہے اس کے باب نمبر اکو امام بخاری کی طرح ہی لکھ دیا ہے (۸۰۳)۔
صحیح بخاری میں پہلی حدیث کی پوری سند لکھنے کے بعد لکھا ہے: علقمة بن وقاص
اللیثی يقول سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه على المنبر قال سمعت رسول
الله ﷺ يقول انما الاعمال بالنيات وانما لكل امرئ ما نوى فمن كانت هجرته الى
الدنيا يصيبها او الى امراءة ينكحها فهجرته الى ما حاجر اليه (۸۰۵)۔ اس حدیث کے
دیگر مقامات پر صحیح بخاری میں نمبر یہ ہیں: ۵۴، ۲۵۲۹، ۳۸۹۸، ۵۰۷۰، ۶۶۸۹، ۶۹۵۳۔ مختصر
الجامع الصحیح میں ان تمام روایات کی زوائد کو پہلی حدیث میں اس طرح سے جمع کیا ہے۔

علقمة بن وقاص الليثی يقول سمعت عمر بن الخطاب رضي الله
عنه (يخطب ۵۹/۸) على المنبر قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول (يا ايها الناس) انما
الاعمال بالنيات (وفي رواية: العمل بالنية ۱۱۸/۶) وانما لكل امرئ ما نوى، فمن
كانت هجرته (الى الله ورسوله، فهجرته الى الله ورسوله، ومن كانت هجرته ۲۰/۱)
الى دنيا يصيبها، أو الى امرأة ينكحها، (وفي رواية: يتزوجها ۱۱۹/۳) فهجرته الى
ما حاجر اليه (۸۰۶)۔

مندرجہ بالا حدیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس مختصر میں شیخ البانی نے کتنی دقت سے
کام کیا ہے اور علمی طریقہ سے حدیث کی زیادتی کو اس کے مقام پر رکھا ہے۔ اس کتاب بدء الوحی میں
صحیح بخاری میں سات احادیث ہیں جبکہ مختصر الجامع الصحیح میں چار احادیث ہیں۔

دوسری کتاب: کتاب الایمان ہے اس کا پہلا باب: باب قول النبی ﷺ بنی
الاسلام علی خمس (۸۰۷) ہے۔ اس پر مختصر الجامع الصحیح میں یہ حاشیہ لکھا ہے: هذا طرف من
حدیث لابن عمر واصله المصنف فی الباب (۸۰۸)۔ یہ اس باب کی آخری حدیث ہے مختصر
صحیح بخاری میں بھی مکمل ہے (۸۰۹)۔

مختصر الجامع الصحیح جلد اول میں ۹۹۶ احادیث ہیں۔ اور آخری حدیث یہ ہے: عن أبي
هريرة رضي الله عنه قال قال كان النبي ﷺ يعتكف في كل رمضان عشرة أيام فلما كان
العام الذي قبض فيه اعتكف عشرين يوما (۸۱۰)۔ ہمیں اس کی پہلی جلد ملی ہے۔

مختصرات البخاری:

درج ذیل علماء نے صحیح بخاری کے مختصرات لکھے:

- ۱- ابن القراء: ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد البغوی (م ۵۱۶ھ)
- ۲- جمال الدین ابو العباس احمد بن عمر الانصاری القرطبی (م ۶۵۶ھ)۔
- ۳- شیخ بدر الدین حسن بن عمر بن حبیب اخلی (م ۷۷۹ھ)۔
- ۴- زین الدین ابو العباس احمد بن عبداللطیف الشرجی الزبیدی (م ۸۹۳ھ)۔
- درج ذیل بھی بعض کتب حدیث کے اختصار ہیں:
- مختصر صحیح مسلم کو حافظ زکی الدین عبدالعظیم المنذری دمشقی نے تیار کیا۔
- تجرید الصحاح الستہ: امام رزین بن معاویہ العبدری المالکی (م ۵۲۵ھ)۔
- مختصر مسند الامام احمد، المعروف ابن عساكر، ابو القاسم علی بن ابی محمد الحسن بن ہبۃ اللہ دمشقی (م ۵۷۱ھ)۔

تلخیص سنن ابی داؤد:

- ۱- حافظ منذری، زکی الدین ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی (م ۶۵۶ھ)۔
- ۲- ابن قیم: ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد دمشقی (م ۷۵۱ھ)۔

مختصر جامع الترمذی:

- ۱- الطوفی، علم الدین بن سلیمان بن عبدالقوی الطوفی الحنبلی (م ۷۱۰ھ)۔
- ۲- البانی: نجم الدین محمد بن عقیل البانی الشافعی (م ۷۲۹ھ)۔

مختصر السنن الکبریٰ:

البیہقی (م ۴۵۸ھ) اس کا اختصار ان حضرات نے تیار کیا:

- ۱- ابراہیم بن علی دمشقی (م ۷۴۴ھ)۔
- ۲- علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ)۔
- ۳- عبدالوہاب الشعرانی (م ۹۷۴ھ)۔
- ۴- تلخیص المستدرک للحاکم: علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے لکھی۔



المختبرات

یہ حدیث کی ایسی کتب ہوتی ہیں جن میں ابتدائی کتب احادیث سے انتخاب کر کے احادیث جمع کی جاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے فرمودات سے لگاؤ مسلمانوں کے لیے فطری امر ہے۔ احادیث نبوی ﷺ کے سب سے بڑے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے سوال کیا کہ دوسرے لوگوں کی طرح آپ مال غنیمت کا سوال کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے کہا، وہ تو صرف وہی لیں گے جو اللہ نے انہیں (رسول اللہ ﷺ کو) عنایت فرمایا ہے، یعنی علم (۸۱۱)۔ دوسری نبوی ﷺ میں ہی احادیث سننے کے ساتھ لکھنے کا آغاز بھی ہوا۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ نے احادیث لکھیں ان کے بعد تابعین نے اور یہ سلسلہ نسل در نسل سلسلہ چلتا رہا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد کا مرتب کردہ صحیفہ ہمام بن منبہ انہی ابتدائی دنوں میں جمع کی گئی احادیث کا ذخیرہ ہے جو بہت اہمیت کا حامل ہے۔ امام زہری رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی احادیث کی کتب معروف ہیں۔ بعد ازاں صحاح ستہ کی شکل میں احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ محفوظ ہو گیا۔ یہ کتب بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے بنیادی ذریعہ اور اصول کی شکل اختیار کر گئیں۔ کتب صحاح کی تفصیل اس طرح ہے:

- ۱۔ محمد بن اسماعیل بخاری (۱۹۴ھ-۲۵۶ھ) الجامع الصحیح۔
 - ۲۔ مسلم بن حجاج القشیری (۲۰۴ھ-۲۶۱ھ) الجامع الصحیح۔
 - ۳۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲ھ-۲۷۵ھ) السنن۔
 - ۴۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (۲۰۹ھ-۲۷۹ھ) السنن۔
 - ۵۔ ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵ھ-۳۰۳ھ) السنن۔
 - ۶۔ ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزویٰ المعروف ابن ماجہ (۲۰۹ھ-۲۷۳ھ) السنن۔
- بے شمار مصنفین نے ان چھ کتب کے خلاصے لکھے۔ خاص طور پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے

احادیث کا انتخاب کیا گیا۔ پہلے شخص جنہوں نے الجمع بین الصحیحین لکھی وہ ابو عبد اللہ محمد بن ابونصر فتوح بن حمید الحمیدی (م ۲۸۸ھ) ہیں (۸۱۲)۔

دوسرے لوگ جنہوں نے ایسے ہی کام کیے وہ یہ ہیں:

- ۱۔ ابو محمد، عبد الحق الاشبیلی (م ۵۸۲ھ) نے الجمع بین الصحیحین لکھی (۸۱۳)۔
- ۲۔ ابو عبد اللہ محمد بن حسین بن احمد بن محمد الانصاری (م ۵۸۲ھ) نے الجمع بین الصحیحین لکھی (۸۱۴)۔

- ۳۔ رضی الدین حسن بن محمد الصاغانی (م ۶۵۰ھ) نے مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ لکھی۔ اس میں انہوں نے صرف صحیحین سے احادیث لیں (۸۱۵)۔

- ۴۔ ابوالحسن رزین بن معاویہ العبدری (م ۵۳۲ھ) نے تجرید الصحاح والسنن لکھی۔ جو انہوں نے صحاح ستہ سے جمع اور منتخب کی (۸۱۶)۔

- ۵۔ ابوالسعادات مجد الدین المبارک بن ابی الکرم محمد بن محمد المعروف ابن الاثیر (م ۶۰۶ھ) نے الجامع الاصول من احادیث الرسول لکھی جو کہ رزین بن معاویہ کی کتاب کا تکملہ تھی (۸۱۷)۔

- ۶۔ ابوضیاء وجیہ الدین، عبد الرحمن بن علی بن محمد بن عمر المعروف ابن دبیج (م ۹۴۴ھ یا ۹۵۰ھ) نے تیسیر الوصول الی جامع الاصول لکھی جو کہ ابن الاثیر کے کام کا خلاصہ ہے (۸۱۸)۔

- ۷۔ شرف الدین ابوالقاسم ہدیۃ اللہ بن عبد الرحیم بن ابراہیم (م ۷۳۸ھ) نے تجرید جامع الاصول من احادیث الرسول لکھی جو کہ ابن الاثیر کے کام کا خلاصہ ہے (۸۱۹)۔

- ۸۔ محمد طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ) نے ابن الاثیر کے کام کی تلخیص کی (۸۲۰)۔

- ۹۔ ابوطاہر مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ)، نے کتاب تحصیل طریق الوصول الی احادیث الزائدہ علی جامع الاصول لکھی (۸۲۱)۔

- ۱۰۔ ابو عبد اللہ محمد بن عتیق بن علی الغرناطی (م ۶۴۶ھ) نے کتاب انوار المصابیح فی الجمع بین الكتب الستہ الصحاح لکھی (۸۲۲)۔

- ۱۱۔ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر المعروف ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے کتاب جامع المسانید لکھی انہوں نے صحاح ستہ کے ساتھ مسند احمد، مسند البزار، مسند ابویعلیٰ اور المعجم الکبیر

للطبرانی وغیرہ کتب سے احادیث لیں (۸۲۳)۔

۱۲۔ نور الدین علی بن ابی بکر اصفہانی (م ۸۰۷ھ) نے کتاب مجمع الزوائد و منبع الفوائد میں ان حدیثوں کو جمع کیا جو مسند احمد، مسند ابویعلیٰ، مسند البزار، المعجم الکبیر للطبرانی، المعجم الاوسط للطبرانی، المعجم الصغیر للطبرانی میں ہیں لیکن صحاح ستہ میں نہیں تھیں (۸۲۴)۔

۱۳۔ محمد بن محمد بن سلیمان (م ۱۰۹۴ھ) نے جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد میں مجمع الزوائد، جامع الاصول اور سنن دارمی کی احادیث کو جمع کیا۔ اس طرح سے یہ کتاب ۱۴ کتابوں کا مجموعہ بن گئی (۸۲۵)۔

۱۴۔ منصور بن علی ناصف نے التاج الجامع الاصول لکھی۔ اس میں انہوں نے ابن ماجہ کو چھوڑ کر باقی پانچ کتابوں کی احادیث کو اسناد کے بغیر جمع کیا (۸۲۶)۔

کتب احکام:

کچھ لوگوں نے صرف احکام پر اپنی کتب میں دیگر کتب سے احادیث کو جمع کیا۔ ان میں چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ابو محمد عبد الحق الاشبیلی (م ۵۸۲ھ)، کتاب الاحکام الشریعہ الکبریٰ (۸۲۷)۔

۲۔ کتاب الاحکام الوسطی (۸۲۸)۔

۳۔ کتاب الاحکام الصغریٰ (۸۲۹)۔

۴۔ تقی الدین ابو محمد عبد الغنی بن عبد الواحد المقدسی (م ۶۰۰ھ)، کتاب عمدة الاحکام (۸۳۰)۔

۵۔ تقی الدین محمد بن علی المعروف ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ) احکام الاحکام شرح عمدة الاحکام لکھی جو کہ ابن دقیق کی کتاب کی شرح ہے (۸۳۱)۔

۶۔ الامام فی احادیث الاحکام (۸۳۲)۔

۷۔ الامام باحادیث الاحکام۔ یہ مندرجہ بالا کتاب الامام کا خلاصہ ہے (۸۳۳)۔

۸۔ مجد الدین عبد السلام بن عبد اللہ بن ابی القاسم بن تیمیہ (م ۶۵۳ھ) نے المشقی من اخبار المصطفیٰ لکھی (۸۳۴)۔

۹۔ احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے بلوغ المرام من ائمة الاحکام لکھی (۸۳۵)۔

۱۰۔ محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی (م ۱۱۸۲ھ) نے سبل السلام شرح بلوغ المرام لکھی (۸۳۶)۔

۱۱۔ محمد بن علی الشوکانی (م ۱۲۵۵ھ) نے نیل الاوطار شرح مشقی الاخبار لکھی (۸۳۷)۔

کتاب ترغیب وترہیب اور آداب:

بعض لوگوں نے تقویٰ، پرہیزگاری پر کتب جمع کیں۔ بعض نے زندگی کے آداب کے بارے میں کتب جمع کیں۔ نمونہ کے طور پر دو کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری (م ۶۵۶ھ) نے الترغیب والترہیب لکھی (۸۳۸)۔ اس کتاب میں انہوں نے دیگر کتب سے احادیث جمع کیں اور جن کتب سے انتخاب کیا ان کے نام لکھے۔

۲۔ ابو زکریا یحییٰ بن شرف الدین نووی (م ۶۷۶ھ) نے ریاض الصالحین لکھی (۸۳۹) اس کتاب میں آداب سے متعلق احادیث جمع کیں۔

کتاب الاربعین:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی میری امت میں سے چالیس احادیث یاد کرے گا وہ قیامت کو علماء کے گروہ میں سے اٹھایا جائے گا (۸۴۰)۔ اگرچہ اس حدیث پر بعض محدثین کے تحفظات ہیں لیکن اس حدیث کو مد نظر رکھتے ہوئے بہت سے علماء نے چالیس احادیث پر کتب لکھیں۔ ان میں مختلف طریقوں سے احادیث جمع کیں۔ بعض نے جہاد پر کتاب لکھی جس میں چالیس احادیث جمع کیں۔ بعض نے کسی ایک خاص موضوع پر کتاب لکھی۔ بعض نے ایسی کتب لکھیں جو ان کے چالیس اساتذہ سے احادیث تھیں۔ بعض چالیس صحابہ کرام کی احادیث کو جمع کیا۔ مثال کے طور پر دو کتب لکھی جاتی ہیں:

۱۔ ابو الفتوح محمد بن محمد الطائی (م ۵۵۵ھ) نے الاربعون فی ارشاد السائرین الی منازل المتقین لکھی (۸۴۱)۔ اس کتاب میں چالیس اساتذہ سے امام طائی نے احادیث لکھی ہیں اور اس میں انہوں نے چالیس ہی صحابہ کرام سے بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں زہد و آخرت اور ذکر وغیرہ کے متعلق صحیح احادیث جمع کی ہیں۔ جن کتب سے منتخب کی ہیں ان کے نام لکھے ہیں۔ عام طور پر صحاح ستہ سے انتخاب کیا ہے۔ الطائی حدیث کو اپنی سند سے مکمل بیان کرتے ہیں۔

میں نے مخطوط ”اسماء رجال المصالح“ محمود بن احمد بن محمد القاسی پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا۔ اس مخطوط میں اس کتاب کے بعض حوالے تھے۔ بندہ نے اس کتاب کے چھ مخطوط برلن، فرانس، دمشق، قاہرہ، سعودی عرب اور شاہ بدیع الدین پیر آف جھنڈا کی لائبریری (نیو سعید آباد سندھ) سے

حاصل کیے۔ اللہ کی توفیق سے انشاء اللہ اس کتاب کی تحقیق کی جائے گی۔

۲۔ ابو زکریا سبکی بن شرف نووی (م ۶۷۴ھ) نے کتاب الاربعین لکھی (۸۴۲)۔ کئی علماء نے اس کتاب کی شرح لکھیں۔ استاد محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی نے اس کتاب کی اللاری کی شرح پر لکھے ہوئے مخطوط کو ایڈٹ کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔



حوالہ جات

- ۱۔ ڈاکٹر سہیل حسن، معجم اصطلاحات حدیث (ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۲۰۰۳) ص ۱۵۵۔
- ۲۔ ایضاً، ص ۱۹۵۔
- ۳۔ ایضاً، ص ۳۵۲۔
- ۴۔ ایضاً، ص ۳۳۷-۳۳۸۔
- ۵۔ ایضاً، ص ۳۳۶۔
- ۶۔ ایضاً، ص ۳۳۴۔
- ۷۔ اصول تحقیق، ص ۵۱۔
- ۸۔ معجم اصطلاحات ---، ص ۳۷۹۔
- ۹۔ ایضاً، ص ۳۳۸-۳۳۹۔
- ۱۰۔ برق، غلام جیلانی، تاریخ حدیث (غلام علی اینڈ سنز لاہور) ص ۵۸۔
- ۱۱۔ معجم اصطلاحات ---، ص ۳۷۸-۳۷۹۔
- ۱۲۔ برق، تاریخ حدیث، ص ۵۴۔
- ۱۳۔ ایضاً، ص ۶۳۔
- ۱۴۔ تقی عثمانی، درس ترمذی، ص ۶۱۔
- ۱۵۔ ایضاً، ص ۶۶۔
- ۱۶۔ ایضاً، ص ۶۴۔
- ۱۷۔ برق، تاریخ حدیث، ص ۶۹۔
- ۱۸۔ ایضاً، ص ۷۰۔
- ۱۹۔ معجم اصطلاحات، ص ۳۹۴۔
- ۲۰۔ الکتانی، الرسالة، ص ۷۲۔

- ۲۱۔ ایضاً، ص ۷۲۔
- ۲۱-۱۔ کشف الظنون، ۱/۳۱۸۔
- ۲۱-۲۔ ایضاً، ۱/۳۱۹۔
- ۲۲۔ ایضاً، ص ۷۳۔
- ۲۳۔ ایضاً، ص ۷۴۔
- ۲۴۔ معجم اصطلاحات، ص ۱۹۳۔
- ۲۵۔ ایضاً، ص ۱۹۲۔
- ۲۶۔ الکتانی، الرسالة، ص ۷۲۔
- ۲۷۔ معجم اصطلاحات، ص ۱۳۸۔
- ۲۸۔ ایضاً، ص ۲۳۸۔
- ۲۹۔ برق، تاریخ حدیث، ص ۷۲۔
- ۳۰۔ ایضاً، ص ۶۹۔
- ۳۱۔ ایضاً، ص ۷۳۔
- ۳۲۔ معجم اصطلاحات، ص ۶۰۔
- ۳۳۔ السخاوی، المقاصد الحسنہ، ۳۱۱۔
- ۳۴۔ معجم اصطلاحات، ص ۶۷-۶۸۔
- ۳۵۔ البلقینی، محاسن الاصطلاح، ص ۶۹۸؛ معجم اصطلاحات، ص ۱۷۹۔
- ۳۶۔ یہ تین جلد میں طبع ہوئی اور راقم کے ذاتی مکتبہ میں موجود ہے۔
- ۳۷۔ مطبوعہ تحقیقی مکتبی اسماعیل احمد، بیروت ۱۴۰۲ھ۔ مزید تفصیل ڈاکٹر عبدالرحمن النجعی، معجم علوم الحدیث
- الدبوی (دار ابن حزم، بیروت الطبعة الاولى ۲۰۰۰ء) ۱/۱۹-۲۰۔
- ۳۸۔ معجم اصطلاحات، ص ۷۰۔
- ۳۹۔ ایضاً، ص ۷۳-۷۴۔
- ۴۰۔ ایضاً، ص ۸۷-۸۸۔
- ۴۱۔ ایضاً، ص ۹۹-۱۰۰ بحوالہ مقدمہ الامثال فی الحدیث الدبوی الشریف، ۳۳۔
- ۴۲۔ ایضاً، ص ۱۰۲۔
- ۴۳۔ الکتانی، الرسالة، ص ۶۸؛ معجم اصطلاحات، ص ۱۴۹۔

- ۴۴۔ معجم اصطلاحات۔۔۔۔۔ ص ۲۷۰۔
- ۴۵۔ ایضاً، ص ۱۱۴۔
- ۴۶۔ د، عبد الرحمن، معجم علوم الحدیث النبوی (دار ابن حزم، ۲۰۰۰ء) ص ۲۱۸۔
- ۴۷۔ معجم اصطلاحات۔۔۔۔۔ ص ۴۱۸؛ الکتانی، الرسالة، ص ۱۰۵۔
- ۴۸۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون (مکتبہ المثنیٰ، بغداد) ۱۶۶۵/۲۔
- ۴۹۔ کتابی، الرسالة المستطرفة، ص ۶-۶۱۔
- ۵۰۔ محمود طحان، اصول تخریج ودراسة الاسانید، ص ۴۔
- ۵۱۔ ڈاکٹر عبد الحمید، طرق تخریج حدیث رسول ﷺ (دار الاعتصام، القاہرہ) ص ۱۳۸-۱۳۹۔
- ۵۲۔ ایضاً، ص ۱۳۷-۱۳۸۔
- ۵۳۔ ایضاً، ص ۱۳۸-۱۳۹۔
- ۵۴۔ ابن الصلاح، ابو عمر عثمان، علوم الحدیث المعروف، المقدمة (دار الفکر دمشق، ۱۹۸۴ء) ص ۱۱۲۔
- ۵۵۔ طاہر، توجیہ النظر الی اصول الاثر، ص ۳۔
- ۵۶۔ الرسالة المستطرفة، ص ۵۲۔
- ۵۷۔ اصلاحي، ضیاء الدین، تذکرۃ الحمد شین (نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد طبع اول ۱۹۸۹ء) ۴۲/۱۔ بحوالہ تہذیب الکمال، تذکرۃ الحفاظ، ۴۲/۱؛ کتاب الانساب، ۹۱/۴۔
- ۵۸۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۳/۱ بحوالہ تاریخ بغداد، ج ۹؛ تہذیب التہذیب، ج ۶؛ کتاب الانساب، ۹۱/۴۔
- ۵۹۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۳/۱ بحوالہ تاریخ بغداد، ج ۹؛ تہذیب التہذیب، ج ۶؛ مقدمہ فتح الباری مقدمہ تحفۃ الاحوذی۔
- ۶۰۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۴/۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۳۸۷/۷۔ مزید دیکھیں تاریخ بغداد، ج ۹، وتہذیب التہذیب، ۴۴/۶۔
- ۶۱۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۵/۱ بحوالہ شاہ عبدالعزیز، بستان الحمد شین، تاریخ بغداد، جلد ۹، تہذیب التہذیب، ج ۶، کتاب الانساب و میزان الاعتدال، ج ۱، طبقات ابن سعد، قسم دوم، ج ۷۔
- ۶۲۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۶/۱؛ الذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۳۸۰/۷۔
- ۶۳۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۶/۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۳۸۰/۷؛ تاریخ بغداد، ج ۹۔
- ۶۴۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۶/۱-۴۷؛ کتاب الانساب، ۹۱/۴؛ کشف الظنون، ج ۱۔
- ۶۵۔ تذکرۃ الحمد شین، ۴۷/۱؛ کشف الظنون، ۵۵۵/۲؛ تذکرۃ، ص ۴۷۔

- ۶۶- تذکرة المحمد شين، ۱/۲۸-۳۹؛ كشف الظنون، ۲/۵۵۵؛ تهذيب التهذيب، ج ۴، ص ۴۸۔
- ۶۷- تذکرة المحمد شين، ۱/۳۹؛ تاريخ بغداد، ج ۹، وتهذيب التهذيب، ج ۴، اور مقدمه ابن الصلاح۔
- ۶۸- تذکرة المحمد شين، ۱/۶۲؛ کتاب الانساب، ص ۶۲۔
- ۶۹- تذکرة المحمد شين، ۱/۴۳؛ مقدمه ابن الصلاح؛ فتح الباری، ۱/۶۳۔
- ۷۰- تذکرة المحمد شين، ۱/۶۳؛ لسان العرب، ۳/۲۸۶؛ طبقات الشافعية، ۱۔
- ۷۱- تذکرة المحمد شين، ۱/۶۴؛ سير اعلام النبلاء، ۱۰/۶۱۶؛ تهذيب التهذيب، ج ۵، حسن المحاضرة، ج ۱۔
- ۷۲- تذکرة المحمد شين، ۱/۴۳؛ تذکرة الحفاظ، ۲/۳۱۲؛ قرآن مجيد، المحشر (۵۹) ۱۰۔
- ۷۳- تذکرة المحمد شين، ۱/۶۵؛ تذکرة الحفاظ، ۲/۳۱۲؛ اصول السنه بر خاتمه مسند حمیدی، ج ۲۔
- ۷۴- تذکرة المحمد شين، ۱/۹۴؛ سورة المحشر، رقم الآية ۱۰؛ مقدمه مسند حمیدی، ج ۱، بحواله المخرج والتعديل ج اول۔
- ۷۵- تذکرة المحمد شين، ۱/۹۰؛ تاريخ بغداد، ج ۴، تاريخ ابن عساكر، ج ۲، طبقات الشافعية، ج ۱، تاريخ ابن خلکان، ج ۱، تهذيب ج ۱۔
- ۷۶- تذکرة المحمد شين، ۱/۹۰، مقدمه مسند حمیدی؛ ابن عبد البر، الانتقاء۔
- ۷۷- تذکرة المحمد شين، ۱/۹۱؛ سير اعلام النبلاء، ۱۱/۳۵۸؛ وفيات الاعيان، ۱/۲۰۰؛ تاريخ بغداد ج ۶، وطبقات الشافعية ج ۱، وتهذيب ج ۱، تاريخ ابن عساكر ج ۲۔
- ۷۸- تذکرة المحمد شين، ۱/۹۰؛ وفيات الاعيان، ۱/۲۰۰۔
- ۷۹- تذکرة المحمد شين، ۱/۹۱۔
- ۸۰- تذکرة المحمد شين، ۱/۹۳؛ تاريخ ابن خلکان، ج ۱؛ والبدایه والنهایه، ج ۱؛ میزان الاعتدال، ج ۱؛ العمر، ج ۱؛ مراة الجنان، ج ۲؛ وشذرات الذهب، ج ۲۔
- ۸۱- تذکرة المحمد شين، ۱/۹۴؛ وفيات الاعيان، ۱/۲۰۰؛ تذکرة الحفاظ، ۲/۳۲۵؛ تاريخ بغداد، جلد ۶، تاريخ ابن عساكر ج ۲، طبقات الشافعية ج ۱، تهذيب ج ۱، میزان الاعتدال ج ۱۔
- ۸۲- تذکرة المحمد شين، ۱/۹۵؛ وفيات الاعيان، ۱/۲۰۰؛ تاريخ بغداد ج ۶، تاريخ ابن عساكر ج ۲، طبقات الشافعية ج ۱، تهذيب ج ۱۔
- ۸۳- تذکرة المحمد شين، ۱/۹۵؛ تذکرة الحفاظ، ۲/۳۲۶؛ تاريخ بغداد ج ۶، تاريخ ابن عساكر، ج ۲۔
- ۸۴- سير اعلام النبلاء، ۱۱/۳۶۳۔
- ۸۵- تذکرة المحمد شين، ۱/۹۶؛ تذکرة الحفاظ، ۲/۳۲۵؛ تاريخ بغداد، ج ۶؛ تاريخ ابن عساكر، ج ۲؛ البدایه والنهایه، ج ۱۔

- ۸۶۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۶؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۳۲۵؛ تاریخ ابن عساکر ج ۲، و تہذیب التہذیب ج ۱، تاریخ بغداد ج ۶)۔
- ۸۷۔ قرآن مجید، الحشر ۱۴؛ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۷۔
- ۸۸۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۷؛ طبقات الشافعیہ ج ۱۔
- ۸۹۔ تذکرۃ الحمد شین ۹۷-۹۸۔
- ۹۰۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۸؛ ابن عبد البر، الانتقاء، ابن خلکان، وفيات الاعیان، ج ۱۔
- ۹۱۔ تذکرۃ الحمد شین ۹۸-۹۹؛ وفيات الاعیان، ۱/۱۹۹۔
- ۹۲۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۹؛ تاریخ بغداد ج ۲، و تاریخ ابن عساکر، ج ۲۔
- ۹۳۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۸-۹۹؛ تاریخ بغداد ج ۵، و تاریخ ابن عساکر، ج ۲۔
- ۹۴۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۹؛ تاریخ بغداد ج ۶؛ و تاریخ ابن عساکر ج ۲؛ و طبقات الشافعیہ، ج ۱۔
- ۹۵۔ الاقان، ج ۲؛ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۹۹؛ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۳۲۵۔
- ۹۶۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۱۰۰؛ مقدمہ تحفۃ الاحوذی (دارالکتب العربی، بیروت) ص ۱۶۵۔
- ۹۷۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱/۱۰۰؛ تاریخ بغداد، ۴/۴۵۱؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۱۷۷-۱۷۹۔
- ۹۸۔ حاکم، معرفۃ علوم الحدیث (دارالافتاح الجدیدۃ بیروت، الطبعة الرابعة ۱۹۸۰ء) ص ۱۹۳۔
- ۹۹۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ (دارالکتب العلمیہ بیروت للطبعة الاولى، ۱۳۱۹ھ/۱۹۹۸ء) ۲/۱۶۔
- ۱۰۰۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۲۴ بحوالہ ابو زہرہ، احمد ابن حنبل ص ۳۴۔
- ۱۰۱۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۲۴، بحوالہ ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء، جلد ۹، ص ۱۲۵۔
- ۱۰۲۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۲۵ بحوالہ حلیۃ الاولیاء، ۹/۱۸۱۔
- ۱۰۳۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۲۶ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ، ۵/۸۔
- ۱۰۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱۶۱ (بعض مطبوع ہیں) کشف الظنون۔
- ۱۰۵۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۲۷ بحوالہ البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، ص ۳۳۶۔
- ۱۰۶۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۲۸ بحوالہ تاریخ بغداد، المخطیب، ۴/۴۱۸۔
- ۱۰۷۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۲۶ بحوالہ ابن خلکان، وفيات الاعیان، ۱/۴۸۔
- ۱۰۸۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۳۴۳۔
- ۱۰۹۔ ایضاً، ص ۳۴۰۔
- ۱۱۰۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۳۱ بحوالہ طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ۱/۲۰۲۔

- ۱۱۱۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۳۱ بحوالہ مقدمہ المسند بہ تحقیق احمد شاکر۔
- ۱۱۲۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۳۲ بحوالہ بستان المحدثین۔
- ۱۱۳۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۳۲۔
- ۱۱۴۔ ایضاً۔
- ۱۱۵۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۳۳ بحوالہ طبقات الشافعیہ، ۱/۲۰۳۔
- ۱۱۶۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۳۳ بحوالہ بستان المحدثین، ص ۲۹۔
- ۱۱۷۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۳۳؛ توجیہ النظر، ص ۱۵۴۔
- ۱۱۸۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۳۴؛ نیل الاوطار، ۱/۱۳۔
- ۱۱۹۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ص ۱۳۴۔
- ۱۲۰۔ تدریب، ص ۹۹-۱۰۰۔
- ۱۲۱۔ توجیہ النظر، ص ۱۵۴۔
- ۱۲۲۔ ابن الجزری، المصعد الاحمد (مقدمہ مسند الامام احمد) تحقیق احمد شاکر، ۱/۳۱-۳۲ بحوالہ تذکرۃ المحدثین، ص ۱۴۳۱۔
- ۱۲۳۔ شاہ ولی اللہ، حجتہ اللہ الباقیہ، (المکتبہ السلفیہ لاہور، الطبعة الاولى)، ۱/۱۳۴۔
- ۱۲۴۔ الزہرائی، محمد بن مطر، تدوین السنۃ النبویہ (مکتبہ الصدیق الطائف، ۱۴۱۲ھ، الطبعة الاولى)، ص ۱۰۸۔
- ۱۲۵۔ الزہرائی، تدوین السنۃ، ص ۱۰۸۔ یہ کتاب ۳۸ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اور اسلامیہ یونیورسٹی بھاول پور کی مرکزی لائبریری میں موجود ہے۔
- ۱۲۶۔ الزہرائی، تدوین السنۃ، ص ۱۰۸۔
- ۱۲۷۔ اطراف المسند، ۱/۸۲۔
- ۱۲۸۔ ایضاً، ص ۸۳۔
- ۱۲۹۔ ایضاً، ص ۸۴۔
- ۱۳۰۔ الزہرائی، تدوین السنۃ، ص ۱۰۹۔ یہ کتاب اطراف المسند دار ابن کثیر بیروت سے ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی۔
- ۱۳۱۔ الزہرائی، تدوین السنۃ، ص ۱۰۹-۱۱۰۔
- ۱۳۲۔ اطراف المسند، ۱/۸۵۔
- ۱۳۳۔ الزہرائی، تدوین السنۃ، ص ۱۱۰۔
- ۱۳۴۔ ایضاً۔

۱۳۵۔ مطبوع دار المعارف القاہرہ، ۱۹۴۹ء۔

۱۳۶۔ اس کی طباعت کا علم نہیں۔

۱۳۷۔ الخولی، مفتاح السنہ، ص ۳۷۔

۱۳۸۔ یہ کتاب دار الباز مکہ المکرمہ نے شائع کی ہے۔

۱۳۹۔ مطبوع دار الکتب العلمیہ بیروت الطبعة الاولى، ۱۴۰۶ھ/۱۹۹۶م۔

۱۴۰۔ تعجیل المنفعہ، ص ۵۔

۱۴۱۔ مطبوع دار الکتب العلمیہ بیروت الطبعة الاولى ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۱م۔ یہ کتاب سیرت جیسر اسلامیہ یونیورسٹی

بہاول پور کی لائبریری میں موجود ہے۔

۱۴۲۔ غایۃ المقصد فی زوائد المسند، ۱/۲۹۔

۱۴۳۔ ملاحظہ ہو غایۃ المقصد فی زوائد المسند، ۴/۴۷۳۔

۱۴۴۔ مطبوع دار الکتب العلمیہ بیروت الطبعة الاولى، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷م۔

۱۴۵۔ حدیث: مسند احمد ۵/۱۲۳، ۱۲۷، ۱۲۹؛ عقود الزبرجد/۱۶۔

۱۴۶۔ یہ کتاب ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر ڈائریکٹر سیرت جیسر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور اور محترمہ نگہت ہاشمی شعبہ

ایجوکیشنل ٹریننگ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کی تحقیق سے ”النور انٹرنیشنل بہاولپور“ نے ۲۰۰۰ء میں شائع کی۔

۱۴۷۔ ڈاکٹر صفی صالح، علوم الحدیث (دار العلم للملایین، بیروت، طبع ثالث ۱۹۶۵ء) ص ۱۲۴۔

۱۴۸۔ محمد محمد ابو زہو، تاریخ حدیث و محدثین: ترجمہ غلام احمد حریری، ص ۵۷۲-۵۵۰۔

۱۴۹۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم) (اسلامک پبلشنگ ہاؤس، ۱۷ اردو بازار لاہور) ۳/۷۰۰۔

۱۵۰۔ وفيات الاعیان، ۴/۲۸۰؛ حاجی خلیفہ، کشف الظنون (دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء) ۲/۵۵۰۔

۱۵۱۔ نیشاپور خراسان کا سب سے خوبصورت شہر ہے۔ السمعی، الانساب (دار البیان بیروت ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸ء،

طبع اول) ۵/۵۵۰۔

۱۵۲۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم) ۲/۷۰۰ و سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۱۶۳۔

۱۵۳۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۱۶۳۔

۱۵۴۔ ایضاً۔

۱۵۵۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم) ۲/۷۰۰۔

۱۵۶۔ ایضاً۔

- ۱۵۷۔ وفيات الاعيان، ۲/۲۸۱۔
- ۱۵۸۔ تذكرة الحفاظ (مترجم)، ۲/۷۰۱۔
- ۱۵۹۔ وفيات الاعيان، ۲/۲۸۰۔
- ۱۶۰۔ ایضاً۔
- ۱۶۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷۱/۱۷۱۔
- ۱۶۲۔ ایضاً، ۱۷۲/۱۷۵۔
- ۱۶۳۔ تذكرة الحفاظ (مترجم)، ۲/۷۰۳۔
- ۱۶۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷۷/۱۷۷۔
- ۱۶۵۔ حاکم، المستدرک، ۲/۳۔
- ۱۶۶۔ ایضاً (خطبة الکتاب) ۳/۱۔
- ۱۶۷۔ ایضاً (کتاب المغازی) ۳/۵۸۔
- ۱۶۸۔ مطالعة نصوص، یونٹ نمبر ۹ کوڈ نمبر ۷۵۵۷ (شعبہ حدیث و سیرت، کلیہ عربی و علوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، اشاعت اول ۲۰۰۰ء) ص ۲۹۵۔
- ۱۶۹۔ حاکم، المستدرک، ۳/۶۱۔
- ۱۷۰۔ ایضاً، ۴/۵۵۸۔
- ۱۷۱۔ ایضاً، ۲/۶۵-۶۶۔
- ۱۷۲۔ ایضاً، (کتاب معرفة الصحابة) ۳/۳۸۶۔
- ۱۷۳۔ مطالعة نصوص، ص ۲۹۵-۲۹۷۔
- ۱۷۴۔ ایضاً، (کتاب البیوع) ۲/۱۳۔
- ۱۷۵۔ ایضاً، (کتاب معرفة الصحابة) ۳/۶۱۔
- ۱۷۶۔ ایضاً، (کتاب الحجرة)، ۳/۱۷-۱۸۔
- ۱۷۷۔ ذہبی، تلخیص المستدرک مع المستدرک (الکتاب العربی، دار الفکر بیروت) ۱/۳۳۵۔
- ۱۷۸۔ مستدرک کی یہ تلخیص مستدرک کے متن کے ساتھ چار ضخیم جلدوں میں دار الفکر بیروت سے چھپ چکی ہے۔ اور مستدرک کے قلمی نسخے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں۔ دائرۃ المعارف حیدر آباد نے کئی مخطوطات کی مدد سے اسے چار ضخیم جلدوں میں شائع کیا ہے۔
- ۱۷۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷۵/۱۷۵۔

- ۱۸۰۔ طبقات الشافعیہ، ۳/۲۹۔
- ۱۸۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۱۷۵-۱۷۶۔
- ۱۸۲۔ ایضاً، ۱۷/۱۷۶۔
- ۱۸۳۔ تذکرۃ الحفاظ (دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۸ء) ۲/۱۶۴۔
- ۱۸۴۔ ندوی، محمد حنیف، مطالعہ حدیث، ص ۲۹۲-۳۰۳ بحوالہ شاہ عبدالعزیز دہلوی، بحوالہ نافعہ مع فوائد جامعہ۔
- ۱۸۵۔ المستدرک، ۳/۱۳۰۔
- ۱۸۶۔ ذہبی، تلخیص المستدرک مع المستدرک (کتاب معرفۃ الصحابہ) ۳/۱۳۱۔
- ۱۸۷۔ ڈاکٹر سعد بن عبداللہ، مناجیح المحدثین (دارالعلوم السنۃ الریاض، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء)، ص ۱۸۶۔
- ۱۸۸۔ المستدرک، ۳/۱۸۰۔
- ۱۸۹۔ تلخیص المستدرک مع المستدرک (کتاب معرفۃ الصحابہ) ۳/۱۶۰۔
- ۱۹۰۔ مناجیح المحدثین، ص ۱۸۸۔
- ۱۹۱۔ المستدرک، ۳/۱۲۶۔
- ۱۹۲۔ تلخیص المستدرک، مع المستدرک (کتاب المعرفۃ) ۳/۱۲۶۔
- ۱۹۳۔ مناجیح المحدثین، ص ۱۸۹-۱۹۰۔
- ۱۹۴۔ ایضاً، ص ۱۹۰۔
- ۱۹۵۔ ایضاً۔
- ۱۹۶۔ ایضاً، ص ۱۹۲-۱۹۳۔
- ۱۹۷۔ اصفہانی، ابونعیم، المسند المستخرج علی صحیح مسلم (دارالکتب العلمیۃ بیروت، الطبعة الاولى ۱۹۹۶ء) مقدمۃ المحقق، ۱/۳۔ السخاوی، فتح المغیث (دارالکتب العلمیۃ، بیروت) ۱/۳۸۔
- ۱۹۸۔ ابونعیم، ایضاً۔
- ۱۹۹۔ اصول تخریج ودراسۃ الاسانید، ص ۱۱۴۔
- ۲۰۰۔ احمد المسند (دارالفکر بیروت) ۵/۳۷۔
- ۲۰۱۔ ایضاً، ۴/۸۰۔
- ۲۰۲۔ المسند المستخرج علی صحیح مسلم، ۱/۳۔
- ۲۰۳۔ ایضاً، ۱/۴؛ ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری، بحوث فی تاریخ السنۃ المشرقة (جامعۃ بغداد، ۱۹۷۵ء) ص ۲۴۷۔
- ۲۰۴۔ اکرم ضیاء عمری، بحوث فی تاریخ السنۃ المشرقة، ص ۲۴۷۔

- ۲۰۵- المسند المستخرج على صحيح مسلم، ۴/۱۔
- ۲۰۶- تاريخ السنة المشرفة، ۲۲۷۔
- ۲۰۷- المسند المستخرج على صحيح مسلم، ۵/۱۔
- ۲۰۸- ایضاً، ۱/۵-۶۔
- ۲۰۹- سیر اعلام النبلاء، ۱۶/۲۹۳۔
- ۲۱۰- ایضاً، ۱۷/۳۶۵۔
- ۲۱۱- ایضاً، ۱۹/۲۰۷۔
- ۲۱۲- تذکرۃ الحفاظ (دار احیاء التراث العربی، بیروت) ۳/۱۰۰۶۔
- ۲۱۳- ایضاً، ۳/۷۷۹-۷۸۰۔
- ۲۱۴- ایضاً (طبعة ۱۳)، ۳/۱۰۱۳-۱۰۱۴۔
- ۲۱۵- سیر اعلام النبلاء، ۱۵/۳۶۶-۳۶۹۔
- ۲۱۶- تذکرۃ الحفاظ، ۳/۵۹۶۔
- ۲۱۷- ایضاً، ۳/۱۱۰۹-۱۱۱۰۔
- ۲۱۸- ایضاً، ۳/۹۵۵، ۹۵۶۔
- ۲۱۹- سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۳۵۳-۳۶۳۔
- تذکرۃ الحفاظ، ۳/۱۰۹۳-۱۰۹۷۔
- ۲۲۰- فیروز آبادی، مجد الدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط (مطبعة مصطفى البابي الحلبي والاوده بمصر - القاهرة، الطبعة الثانية، ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء) ۲/۲۶۰۔ دیکھئے شہاب الدین، القاموس الوافی (دار الفکر بیروت، لبنان، طبع اولیٰ، ۲۰۰۳ء)، ص ۸۱۵۔
- ۲۲۱- اثری، عبد الجلیل، تحفہ اہل النظر، ص ۲۲۶-۲۲۷۔
- ۲۲۲- خطاب، غریب الحدیث (جامعۃ أم القرى مکہ المکرمہ، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء) ۱/۷۰۔
- ۲۲۳- دیکھئے ابن الاثیر، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثار (انصار السنۃ الحمدنیہ، لاہور) ۱/۵-۶۔
- ۲۲۴- ابن الاثیر، النہایۃ، ۳/۱۔
- ۲۲۵- کشف الظنون، ۲/۲۰۰ (حاشیہ)۔
- ۲۲۶- النہایۃ، ۳/۱۔
- ۲۲۷- کشف الظنون، ۲/۱۹۹۔

- ۲۲۸۔ ایضاً، ۲/۲۰۰۔
- ۲۲۹۔ عبدالعزیز الخولی، تاریخ فنون الحدیث (دار القلم، بیروت، الطبعة الاولى، ۱۹۸۶ء) ص ۱۹۲۔
- ۲۳۰۔ کشف الظنون، ۲/۲۰۰۔
- ۲۳۱۔ ایضاً، ۲/۲۰۰-۲۰۱۔
- ۲۳۲۔ ایضاً، ۲/۲۰۱۔
- ۲۳۳۔ ایضاً۔
- ۲۳۴۔ محمد ابوزہو، تاریخ حدیث و محدثین (مترجم مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، لاہور) ص ۶۰۳۔
- ۲۳۵۔ کشف الظنون، ۲/۲۰۱۔
- ۲۳۶۔ ایضاً، ۲/۲۰۲۔
- ۲۳۷۔ نواب صدیق حسن، ابجد العلوم (دار ابن حزم بیروت، الطبعة الاولى، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء) ص ۴۵۲۔
- ۲۳۸۔ تاریخ حدیث و محدثین، ص ۶۰۳۔
- ۲۳۹۔ ابجد العلوم (حواشی) ص ۴۵۳۔
- ۲۴۰۔ مطبوع، میر محمد کتب خانہ کراچی۔
- ۲۴۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۹/۳۲۸۔
- ۲۴۲۔ دیکھئے، ابن خلکان، وفیات الاعیان، ۵/۳۹۸۔
- ۲۴۳۔ سیر اعلام النبلاء، ۹/۳۳۰-۳۳۱۔
- ۲۴۴۔ ایضاً، ۹/۳۲۹۔
- ۲۴۵۔ ایضاً۔
- ۲۴۶۔ ایضاً، ۹/۳۳۰۔
- ۲۴۷۔ ایضاً۔
- ۲۴۸۔ ایضاً۔
- ۲۴۹۔ ایضاً۔
- ۲۵۰۔ ایضاً۔
- ۲۵۱۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم اردو) ۱-۲/۲۴۴۔
- ۲۵۲۔ ایضاً، ۱-۲/۲۴۴۔
- ۲۵۳۔ ابوسلیمان محمد بن عبداللہ الربیع، تاریخ مولد العلماء و فیائہم، (دار العاصمة الرياض ۱۴۱۰ھ) ۲/۲۵۲۔

بخاری، التاريخ الكبير (دار الفكر، بيروت) ۹۰/۸؛ ابن خلكان، وفيات الاعيان، ۴۰۴/۵۔

۲۵۴۔ ابن خلكان، وفيات الاعيان، ۳۱۲/۴۔

۲۵۵۔ ايضاً، ۳۱۲/۴۔

۲۵۶۔ كشف الظنون، ۲۰۰/۲۔

۲۵۷۔ ابن خلكان، وفيات الاعيان، ۱۳۲/۴۔

۲۵۸۔ ايضاً، ۳۱۲/۴؛ الزركلي، الاعلام (العلم للملأين، بيروت ۱۹۸۹ء) ۹۵/۷۔

۲۵۹۔ ايضاً، ۳۱۲/۴۔

۲۶۰۔ سير اعلام النبلاء، ۴۴۵/۹۔

۲۶۱۔ ايضاً، ۴۴۵/۹۔

۲۶۲۔ تذكرة الحفاظ، ۱-۲۸۳/۲۔

۲۶۳۔ سير اعلام النبلاء، ۴۴۵/۹-۴۴۶۔

۲۶۴۔ تذكرة الحفاظ مترجم، ۱-۲۸۳/۲۔

۲۶۵۔ سير اعلام النبلاء، ۴۴۶/۹۔

۲۶۶۔ تذكرة الحفاظ مترجم، ۱-۲۸۳/۲۔

۲۶۷۔ سير اعلام النبلاء، ۴۴۶/۹۔

۲۶۸۔ ايضاً، ۴۴۶/۹۔

۲۶۹۔ ايضاً، ۴۴۶/۹-۴۴۷۔

۲۷۰۔ ابن العماد، شذرات الذهب (المكتب التجاري، بيروت)، ۲۴/۲۔

۲۷۱۔ تاريخ حديث ومحدثون، ص ۶۰۰، از ترجمه غلام احمد حريزي؛ تاريخ فنون الحديث، ص ۱۹۲۔

۲۷۲۔ سير اعلام النبلاء، ۱۰۶/۱۰۔

۲۷۳۔ وفيات الاعيان، ۱۷۵/۳۔

۲۷۴۔ سير اعلام النبلاء، ۱۰۶/۱۰۔

۲۷۵۔ ايضاً، ۱۰۶/۱۰۔

۲۷۶۔ ايضاً۔

۲۷۷۔ ايضاً۔

۲۷۸۔ التاريخ الكبير، ۴۲۸/۵۔

- ۲۷۹۔ تاریخ فنون الحدیث، ص ۱۹۲۔
- ۲۸۰۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۱-۲/۳۱۳۔
- ۲۸۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۰/۴۹۱۔
- ۲۸۲۔ ایضاً۔
- ۲۸۳۔ تذکرۃ الحفاظ (عربی) (بیروت، ۱۹۹۸ء) ۶/۲۔
- ۲۸۴۔ ایضاً، ۶/۲۔
- ۲۸۵۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم) ۱-۲/۳۱۳۔
- ۲۸۶۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۰/۴۰۵۔
- ۲۸۷۔ ایضاً۔
- ۲۸۸۔ ایضاً۔
- ۲۸۹۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم) ۱-۲/۳۱۳۔
- ۲۹۰۔ تاریخ حدیث و محدثین، ص ۶۰۱۔
- کتاب کا نام (غریب الحدیث) ہے۔ ڈاکٹر محمد عبد المعید خان، ڈائریکٹر دائرۃ المعارف العثمانیہ کے زیر نگرانی میں مطبعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد وکن بھارت سے ۱۹۶۳ء کو پہلی دفعہ چار جلدوں میں شائع ہوئی پھر بعد میں دارالکتب العربی بیروت نے اس کی فوٹو کاپی ۱۹۷۶ء میں شائع کی۔
- ۲۹۱۔ تدوین السنۃ، ص ۲۲۰۔
- ۱۹۲۔ ابو عبید، غریب الحدیث، مقدمہ تحقیق، ۱/۱ (مقدمہ)۔
- ۲۹۳۔ الکھروی، ابو عبید، غریب الحدیث ۱-۳/۴۔
- ۲۹۴۔ ایضاً، ۱/۲۷۹۔
- ۲۹۵۔ ایضاً، ۱/۲۲۱-۲۲۲۔
- ۲۹۶۔ وفیات الاعیان، ۳/۴۳۔
- ۲۹۷۔ شذرات الذهب، ۲/۱۶۹۔
- ۲۹۸۔ وفیات الاعیان، ۳/۴۲۔
- ۲۹۹۔ ایضاً۔
- ۳۰۰۔ ایضاً۔
- ۳۰۱۔ ایضاً، ۳/۴۲-۴۳۔

- ۳۰۲۔ ایضاً، ۴۳/۳۔
- ۳۰۳۔ ایضاً۔
- ۳۰۴۔ ایضاً۔
- ۳۰۵۔ ایضاً۔
- ۳۰۶۔ تدوین السنۃ، ص ۱۱۸۔
- ۳۰۷۔ تاریخ حدیث و محدثین مترجم، ص ۶۰۱۔
- ۳۰۸۔ ابن قتیبہ، غریب الحدیث (فاتحہ الکتاب) (الدار التونسیہ للنشر، تونس ۱۹۷۹ء) ۱/۱۰۷۔
- ۳۰۹۔ غریب الحدیث، ۱/۱۱۳-۱۱۴۔
- ۳۱۰۔ ایضاً، ۱/۲۰۷۔
- ۳۱۱۔ ایضاً، ۱/۲۱۳۔
- ۳۱۲۔ الاحزاب (۳۳) ۵۱۔
- ۳۱۳۔ غریب الحدیث، ۱/۲۲۰۔
- ۳۱۴۔ ایضاً، ۱/۱۰۹۔
- ۳۱۵۔ ایضاً، ۱۰۹ (ہمیں ان کی کتاب کی ایک ہی جلد ملی ہے)۔
- ۳۱۶۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۳/۳۵۶۔
- ۳۱۷۔ ایضاً، ۱۳/۳۵۶۔
- ۳۱۸۔ ایضاً۔
- ۳۱۹۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۱-۲/۲۱۸۔
- ۳۲۰۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۳/۳۵۷۔
- ۳۲۱۔ ایضاً۔
- ۳۲۲۔ ایضاً، ۱۳/۳۶۰۔
- ۳۲۳۔ ایضاً۔
- ۳۲۴۔ ایضاً۔
- ۳۲۵۔ شذرات الذهب، ۲/۱۹۰۔
- ۳۲۶۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۳/۳۶۸۔
- ۳۲۷۔ ایضاً، ۱۳/۳۶۹۔

- ۳۲۸۔ شذرات الذهب، ۲/۱۹۰۔
- ۳۲۹۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۱-۲/۳۱۸۔
- ۳۳۰۔ تاریخ حدیث و محدثین مترجم، ص ۶۰۱۔
- ۳۳۱۔ الحربی، غریب الحدیث تحقیق ڈاکٹر سلیمان بن ابراہیم العائد (جامعۃ ام القری، مکہ المکرمہ، طبع اولیٰ ۱۹۸۵ء) ۱/۹۲۔
- ۳۳۲۔ غریب الحدیث (مدخل التحقیق، فصل ثانی) ۱/۵۲۔
- ۳۳۳۔ ابن الاثیر، النہایۃ، ۱/۶۔
- ۳۳۴۔ غریب الحدیث (مدخل التحقیق فصل ثانی) ۱/۹۲۔
- ۳۳۵۔ ایضاً، ۱/۹۲۔
- ۳۳۶۔ غریب الحدیث ۱/۳-۶ (متن)۔
- ۳۳۷۔ ایضاً، ۱/۳۲۹-۳۳۴۔
- ۳۳۸۔ زرکلی، الاعلام، ۲/۲۷۳۔
- ۳۳۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۲۳۔
- ۳۴۰۔ ایضاً، ۱۷/۲۳-۲۵۔
- ۳۴۱۔ ایضاً، ۱۷/۲۳-۲۴۔
- ۳۴۲۔ ایضاً، ۱۷/۲۴۔
- ۳۴۳۔ ایضاً، ۱۷/۲۵-۲۶۔
- ۳۴۴۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم) ۳-۲/۶۸۸۔
- ۳۴۵۔ ایضاً۔
- ۳۴۶۔ ایضاً۔
- ۳۴۷۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۲۵۔
- ۳۴۸۔ تاریخ حدیث و محدثون (مترجم) ص ۶۰۱-۶۰۲۔
- ۳۴۹۔ مقدمۃ النہایۃ فی غریب الحدیث، ص ۸۔
- ۳۵۰۔ خطاب (مقدمۃ تحقیق از عبدالکریم) غریب الحدیث، (جامعۃ ام القری، مکہ المکرمہ) ۱/۳۸۔
- ۳۵۱۔ ایضاً، ۱/۳۸-۳۹۔
- ۳۵۲۔ ایضاً۔

- ۳۵۳۔ ایضاً، ۱/۳۹۔
- ۳۵۴۔ ایضاً، ۱/۵۱۔
- ۳۵۵۔ ایضاً، ۱/۲۰۱۔
- ۳۵۶۔ ایضاً، ۱/۳۸۱-۳۸۲۔
- ۳۵۷۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۱۳۶۔
- ۳۵۸۔ ایضاً، ۱۷/۱۳۷۔
- ۳۵۹۔ ایضاً۔
- ۳۶۰۔ ایضاً۔
- ۳۶۱۔ تاریخ حدیث و محدثون (مترجم) ص ۶۰۲۔
- ۳۶۲۔ وفیات الاعیان، ۴/۴۱۴۔
- ۳۶۳۔ احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی، مترجم (شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور) ص ۳۹۲۔
- ۳۶۴۔ وفیات الاعیان، ۴/۴۱۶۔
- ۳۶۵۔ تاریخ ادب عربی، مترجم، ص ۳۹۲۔
- ۳۶۶۔ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد (المکتبہ السلفیہ) ۲/۳۳۶؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۲۸۶۔
- ۳۶۷۔ تاریخ حدیث و محدثون (مترجم غلام احمد حریری)، ص ۶۰۳۔
- ۳۶۸۔ وفیات الاعیان، ۵/۱۶۸۔
- ۳۶۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۲۰/۱۵۴۔
- ۳۷۰۔ وفیات الاعیان، ۴/۱۶۵۔
- ۳۷۱۔ ایضاً، ۵/۱۶۸۔
- ۳۷۲۔ ایضاً، ۵/۱۷۳۔
- ۳۷۳۔ کشف الظنون، ص -
- ۳۷۴۔ زحشری، الفائق (دار الکتب، العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ-۱۹۹۶ء، طبع اولیٰ) ۱/۱۲۱۳-۱۹۵۱۔
- ۳۷۵۔ ایضاً، ۱/۳۵۲-۳۵۳۔
- ۳۷۶۔ ایضاً، ۱/۱۷۳-۱۷۵۔
- ۳۷۷۔ النہایہ (مقدمہ) ۱/۹۔
- ۳۷۸۔ وفیات الاعیان، ۴/۲۸۶۔

- ۳۷۹۔ ایضاً، ۲/۲۸۶۔
- ۳۸۰۔ ایضاً، ۳/۲۸۶۔
- ۳۸۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۲۱/۱۵۲۔
- ۳۸۲۔ ایضاً، ۲۱/۱۵۳۔
- ۳۸۳۔ ایضاً، ۲۱/۱۵۴۔
- ۳۸۴۔ ایضاً۔
- ۳۸۵۔ ایضاً۔
- ۳۸۶۔ ایضاً، ۲۱/۱۵۵۔
- ۳۸۷۔ ایضاً۔
- ۳۸۸۔ ایضاً، ۲۱/۱۵۵-۱۵۶۔
- ۳۸۹۔ ایضاً، ۲۱/۱۵۶۔
- ۳۹۰۔ ایضاً۔
- ۳۹۱۔ ایضاً۔
- ۳۹۲۔ ایضاً۔
- ۳۹۳۔ تاریخ حدیث و محدثین، ص ۶۰۲۔
- ۳۹۴۔ تدوین السنہ، ص ۲۲۲۔
- ۳۹۵۔ النہایہ، ۱/۹ (متن) المجموع المغیث فی غریب القرآن والحدیث (جامعۃ ام القری، مکہ المکرمہ، طبع اولی، ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶ء) ۳۳/۱۔ عبدالکریم الغرباوی، مقدمہ المحقق۔
- ۳۹۶۔ المدینی، ابوموسیٰ، المجموع المغیث، ۱/۴۔
- ۳۹۷۔ ایضاً، ۱/۶۸۔
- ۳۹۸۔ وفیات الاعیان، ۲/۲۸۶۔
- ۳۹۹۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۳-۴/۹۰۵۔
- ۴۰۰۔ ایضاً، ۳-۴/۹۰۵۔
- ۴۰۱۔ ایضاً، ۳-۴/۹۰۶۔
- ۴۰۲۔ ایضاً، ۳-۴/۹۰۵۔
- ۴۰۳۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۳-۴/۹۰۵۔

- ۲۰۴۔ ایضاً، ۳-۲/۹۰۶-۹۰۷۔
- ۲۰۵۔ ایضاً۔
- ۲۰۶۔ ایضاً، ۳-۲/۹۰۷۔
- ۲۰۷۔ تاریخ الحدیث والمحدثون، ص ۶۰۳۔
- ۲۰۸۔ اصلاحی، تذکرۃ المحدثین، ۲/۳۵۰۔
- ۲۰۹۔ وفيات الاعیان، ۲/۱۴۱۔
- ۲۱۰۔ اصلاحی، تذکرۃ المحدثین، ۲/۳۵۰۔
- ۲۱۱۔ ایضاً، ۲/۳۵۱۔
- ۲۱۲۔ وفيات الاعیان، ۲/۱۴۱-۱۴۲۔
- ۲۱۳۔ تذکرۃ المحدثین (حاشیہ نمبر ۲) ۲/۳۵۳۔
- ۲۱۴۔ وفيات الاعیان، ۲/۱۴۲۔
- ۲۱۵۔ ایضاً، ۲/۱۴۳۔
- ۲۱۶۔ تاریخ حدیث ومحدثین، ص ۶۰۳۔
- ۲۱۷۔ النہایۃ (مقدمہ) ۱/۴-۵۔
- ۲۱۸۔ ایضاً، ۱/۱۱-۱۲۔
- ۲۱۹۔ النہایۃ، (انصار السنۃ الحمدیہ لاہور)، ۱/۱۳۔
- ۲۲۰۔ ایضاً، ۱/۱۴۔
- ۲۲۱۔ ایضاً، ۱/۸ (مقدمہ تحقیق)۔
- ۲۲۲۔ ایضاً۔
- ۲۲۳۔ عبدالرشید عراقی، کاروان حدیث، (نور اسلام اکیڈمی لاہور) ص ۳۳۹۔
- ۲۲۴۔ شذرات الذهب، ۸/۵۲۔
- ۲۲۵۔ عراقی، کاروان حدیث (بحوالہ حسن الحاضرۃ، ۱/۸۸-۱۹۰)، ص ۳۳۹۔
- ۲۲۶۔ عراقی، کاروان حدیث (بحوالہ الضوء اللامع)، ۱/۸۸-۱۹۰۔
- ۲۲۷۔ ایضاً، ص ۳۳۹-۳۵۰ (بحوالہ مرقاۃ شرح مشکاۃ)، ۱/۲۲۸ (در منشور مطبوع ہے)۔
- ۲۲۸۔ ایضاً، ص ۳۵۰ (الاتقان مطبوع ہے)۔
- ۲۲۹۔ ایضاً، ص ۳۵۰۔

- ۲۳۰۔ ایضاً، ص ۳۵۰۔
- ۲۳۱۔ ایضاً۔
- ۲۳۲۔ شذرات الذهب، ۵۵/۸۔
- ۲۳۳۔ تاریخ حدیث و محدثین، ص ۶۰۳۔
- ۲۳۴۔ صدیقی، محمد سعید، علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت (قائد اعظم لائبریری لاہور)، ص ۲۳۷۔
- ۲۳۵۔ رحمان علی، تذکرۃ علماء ہند، ص ۱۴۰۔
- ۲۳۶۔ محمد اسحاق، ڈاکٹر، علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۷۶ء)، ص ۱۵۴۔
- ۲۳۷۔ تذکرۃ علماء ہند، ص ۱۴۰۔
- ۲۳۸۔ سیالکوٹی، محمد ابراہیم میر، تاریخ اہل حدیث (اسلامی پبلشنگ کمپنی لاہور، ۱۹۵۳ء)، ص ۳۹۵۔
- ۲۳۹۔ محمد طفیل، نقوش رسول نمبر (ادارہ فردغ اردو لاہور، شمارہ نمبر ۱۳۰، دسمبر ۱۹۸۳ء)، ۱۷/۶ (مجمع البحار مطبوع ہے)۔
- ۲۴۰۔ عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر، ۲۹۸-۲۹۹۔
- ۲۴۱۔ زبید احمد، ڈاکٹر، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور)، ص ۷۴۔
- ۲۴۲۔ خالد محمود، آثار الحدیث، ۱/۳۶۰۔
- ۲۴۳۔ مصنف لا بن ابی شیبہ، ۲/۲۱۰۔
- ۲۴۴۔ مکملہ مجمع البحار، ص ۸۵۔
- ۲۴۵۔ وحید الزمان، لغات الحدیث، مقدمہ، (میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی)، ۱/۳۔
- ۲۴۶۔ ایضاً۔
- ۲۴۷۔ ایضاً، ص ۱۷۔
- ۲۴۸۔ چشتی، عبدالحلیم، حیات وحید الزمان، (نور محمد، کارخانہ تجارت، آرام باغ کراچی)، ص ۱۵۔
- ۲۴۹۔ حیات وحید الزمان، ص ۱۱۴۔
- ۲۵۰۔ لغات الحدیث، مقدمہ، ۱/۵۔
- ۲۵۱۔ ایضاً، ۱/۳۔
- ۲۵۲۔ وحید الزمان، لغات الحدیث، ۱/۳-۵۔
- ۲۵۳۔ چشتی، حیات وحید الزمان، ص ۱۵-۱۶۔
- ۲۶۶۔ اصول التخریج ودراسة الاسانید، ص ۴۷۔

- ۴۶۷۔ مزی، تحفۃ الاشراف، ۲/۱۔
- ۴۶۸۔ کتابی، الرسالة المستطرفة، ص ۱۲۵۔
- ۴۶۹۔ اصول التخریج ودراسة الاسانید، ص ۴۹-۴۷۰۔
- ۴۷۰۔ ایضاً۔
- ۴۷۱۔ تحفۃ الاشراف (مقدمہ المحقق) ۲۱/۱-۲۲۔
- ۴۷۲۔ ایضاً، ۲۱/۱۔
- ۴۷۳۔ تحفۃ الاشراف، ۶/۱ (مقدمہ المؤلف)۔
- ۴۷۴۔ ایضاً، ۳-۴/۱۔
- ۴۷۵۔ ایضاً، ۶/۱ (مقدمہ المؤلف)۔
- ۴۷۶۔ ایضاً، مقدمہ المصحح، ۱۳/۱۔
- ۴۷۷۔ ایضاً۔
- ۴۷۸۔ ایضاً۔
- ۴۷۹۔ ایضاً۔
- ۴۸۰۔ اصول التخریج ودراسة الاسانید، ص ۵۲۔
- ۴۸۱۔ ایضاً، ص ۵۳-۵۴۔
- ۴۸۲۔ ایضاً، ص ۵۳۔
- ۴۸۳۔ تحفۃ الاشراف (مقدمہ المحقق)۔
- ۴۸۴۔ اصول التخریج ودراسة الاسانید، ص ۷۵۔
- ۴۸۵۔ نابلسی، عبدالغنی، ذخائر المواریت (دار الکتب العلمیہ، بیروت الطبعة الاولى ۱۹۹۸ء) ۱/۹-۱۰۔
- ۴۸۶۔ ایضاً، ۹/۱۔
- ۴۸۷۔ ایضاً، ۶۶/۱۔
- ۴۸۸۔ ایضاً، ۳۹/۱۔
- ۴۸۹۔ ایضاً، ۱۱/۱۔
- ۴۹۰۔ ایضاً۔
- ۴۹۱۔ ایضاً، ۹/۱۔
- ۴۹۲۔ ایضاً۔

- ۴۹۳۔ ایضاً، ۹/۱ (مقدمہ)۔
- ۴۹۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی لاہور) ۹۱۲/۱۲۔
- ۴۹۵۔ تالمسی، ذخائر المواریت (ترجمہ المصنف) ۳/۱۔
- ۴۹۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۹۱۲/۱۲۔
- ۴۹۷۔ ذخائر المواریت (ترجمہ المؤلف) ۳/۱۔
- ۴۹۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۹۱۲/۱۲۔
- ۴۹۹۔ ذخائر المواریت (ترجمہ المؤلف) ۳/۱۔
- ۵۰۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۹۱۲/۱۲۔
- ۵۰۱۔ المرادی، محمد خلیل، سلك الدرر فی اعیان الثانی عشر (دار البیشار الاسلامیہ بیروت ۱۴۰۸-۱۹۸۸ء) ۳۰/۱۔
- ۵۰۲۔ تذکرۃ الحفاظ (بیروت ۱۹۹۸ء) ۱۸۰/۳۔
- ۵۰۳۔ ایضاً، ۱۸۰/۳۔
- ۵۰۴۔ ایضاً، ۱۸۰/۳۔
- ۵۰۵۔ ایضاً، ۱۷۹/۳۔
- ۵۰۶۔ ایضاً، ۱۷۹/۳۔
- ۵۰۷۔ طبقات الحفاظ (دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۹۸۳ء) ص ۴۱۷۔
- ۵۰۸۔ تذکرۃ الحفاظ (عربی) ۱۸۰/۳۔
- ۵۰۹۔ طبقات الحفاظ، ص ۴۱۷۔
- ۵۱۰۔ تذکرۃ الحفاظ (عربی) ۱۸۰/۳۔
- ۵۱۱۔ ایضاً، ۱۸۰/۳۔
- ۵۱۲۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم ۲-۳/۱۷۱۔
- ۵۱۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳-۴/۳۲۲۔
- ۵۱۴۔ ایضاً، ۳-۴/۳۲۲۔
- ۵۱۵۔ ایضاً۔
- ۵۱۶۔ طبقات الحفاظ، ص ۴۲۳۔
- ۵۱۷۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۳-۴/۳۲۲۔

- ۵۱۸۔ ایضاً، ص ۷۳۲۔
- ۵۱۹۔ طبقات الحفاظ، ص ۲۲۳۔
- ۵۲۰۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۲-۳/۷۳۳۔
- ۵۲۱۔ ایضاً، ۳-۴/۷۳۵۔
- ۵۲۲۔ ایضاً۔
- ۵۲۳۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۳-۴/۸۹۴۔
- ۵۲۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳-۴/۸۹۴۔
- ۵۲۵۔ شذرات الذهب، ۴/۲۳۹۔
- ۵۲۶۔ ایضاً، ۳-۴/۸۹۴-۸۹۵۔
- ۵۲۷۔ شذرات الذهب، ۴/۲۳۹۔
- ۵۲۸۔ تذکرۃ الحفاظ مترجم، ۳-۴/۸۹۶۔
- ۵۲۹۔ ایضاً، ۳-۴/۸۹۸۔
- ۵۳۰۔ شذرات الذهب، ۴/۲۳۹۔
- ۵۳۱۔ تذکرۃ الحفاظ (مترجم) ۳-۴/۸۳۳۔
- ۵۳۲۔ ایضاً۔
- ۵۳۳۔ ایضاً، ۳-۴/۸۳۳۔
- ۵۳۴۔ ایضاً، ۳-۴/۸۳۵۔
- ۵۳۵۔ ابن حجر، لسان المیزان، ۵/۲۱۰۔
- ۵۳۶۔ عمر رضا کمالہ، معجم المؤلفین (دار احیاء التراث العربی بیروت) ۱/۱۷۰۔
- ۵۳۷۔ طبقات الحفاظ ص ۵۵۱۔
- ۵۳۸۔ ابن حجر، انباء الغمر (دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۶ء، الطبعة الثانیہ) ۸/۴۳۱۔
- ۵۳۹۔ ایضاً، ۸/۴۳۱؛ ابن العماد الحنبلی، شذرات الذهب (المکتب التجاری، بیروت) ۴/۲۳۳۔
- ۵۴۰۔ کشف الظنون (دار الفکر بیروت ۱۴۱۴) ۵/۱۰۴۔
- ۵۴۱۔ ایضاً۔
- ۵۴۲۔ ایضاً۔
- ۵۴۳۔ بستان المحررین، ص ۲۰۱۔

- ۵۴۴۔ ایضاً۔
- ۵۴۵۔ الدرر الکامنه، ۳/۱۱۷۔
- ۵۴۶۔ بستان الحمد ثین، ص ۲۰۲۔
- ۵۴۷۔ ابن فہد مکی، ذیل طبقات الحفاظ، ص ۳۳۸۔
- ۵۴۸۔ السخاوی، الضوء اللامع، ۲/۳۷۔
- ۵۴۹۔ عراقی، کاروان حدیث، ص ۳۳۴-۳۳۵۔
- ۵۵۰۔ شوکانی، البدر الطالع، ص ۱۹۴۔
- ۵۵۱۔ معارف اعظم گڑھ، ۱۰۱/۲۰۲۔
- ۵۵۲۔ السخاوی، الضوء اللامع، ۲/۳۸۔
- ۵۵۳۔ معارف اعظم گڑھ، ۱۰۱/۲۶۲۔
- ۵۵۴۔ بستان الحمد ثین، ص ۲۰۴۔
- ۵۵۵۔ ابجد العلوم، ص ۷۸۵۔
- ۵۵۶۔ قاضی عیاض، ترتیب المدارک و تقریب المسالک (دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع اولی ۱۹۹۸ء، ۱۰/۴۴)۔
- ۵۵۷۔ تذکرۃ الحفاظ (دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع اولی ۱۹۹۸ء، ۱/۱۵۷)۔
- ۵۵۸۔ ترتیب المدارک، ۱/۴۷۔
- ۵۵۹۔ ایضاً، ۱/۴۶۔
- ۵۶۰۔ اصلاحی، تذکرۃ الحمد ثین، ۱/۲-۳۔
- ۵۶۱۔ ترتیب المدارک، ۱/۴۵۔
- ۵۶۲۔ ایضاً۔
- ۵۶۳۔ تذکرۃ الحمد ثین، ۱/۵۔
- ۵۶۴۔ شاہ ولی اللہ، مسوی (مقدمہ) شرح مؤطا امام مالک (مطبع دہلی)۔
- ۵۶۵۔ ترتیب المدارک، ۱/۵۵۔
- ۵۶۶۔ ایضاً۔
- ۵۶۷۔ ایضاً۔
- ۵۶۸۔ ایضاً۔
- ۵۶۹۔ ایضاً۔

- ۵۷۰۔ ملک عبدالرشید عراقی، سیرۃ النعمان اربعہ (شعبہ تصنیف و تالیف، جامعہ ابراہیمیہ سیالکوٹ) ص ۱۶۔
- ۵۷۱۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۶۸۰، ص ۶۰۸۔
- ۵۷۲۔ سید سلیمان ندوی، حیات امام مالک، ص ۳۱۔
- ۵۷۳۔ تذکرۃ الحمد شین، ۱۳/۱۔
- ۵۷۴۔ ایضاً۔
- ۵۷۵۔ کاروان حدیث، ص ۳۰۔
- ۵۷۶۔ مالک بن انس، المؤطا (مقدمہ محقق) (دار احیاء العلوم بیروت) ص ۹۔
- ۵۷۷۔ ایضاً، ص ۱۰۔
- ۵۷۸۔ ایضاً۔
- ۵۷۹۔ ایضاً، ص ۱۵۔
- ۵۸۰۔ ترتیب المدارک، ۵۹/۱، ذہبی، تذکرۃ الحفاظ (مترجم) ۱۷۶/۱۔
- ۵۸۱۔ شاہ ولی اللہ، مصنفی شرح مؤطا امام مالک رحمہ اللہ (مقدمہ) (مطبع دہلی)، ص ۱۱۔
- ۵۸۲۔ سیوطی، ترمین الممالک، ص ۸؛ تذکرۃ الحفاظ، (مترجم) ۱۷۸/۱۔
- ۵۸۳۔ تذکرۃ الحمد شین، ص ۲۳۔
- ۵۸۴۔ سیر اعلام، ۹۶/۸؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ترجمہ مالک رحمہ اللہ۔
- ۵۸۵۔ کتاب الامامۃ، ۲۸۲/۲؛ ابن خلدون، التاریخ، ۱۹۰/۳۔
- ۵۸۶۔ یہ ضخیم کتاب مصر سے چھپ چکی ہے۔
- ۵۸۷۔ تذکرۃ الحمد شین، ۳۴/۱۔
- ۵۸۸۔ عراقی، کاروان حدیث، ص ۳۰۔
- ۵۸۹۔ ترتیب المدارک، ۹۲/۱۔
- ۵۹۰۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱۵۵/۱۔
- ۵۹۱۔ ترتیب المدارک، ۱۱۴/۱۔
- ۵۹۲۔ تذکرۃ الحمد شین، ۳۰/۱۔
- ۵۹۳۔ ایضاً۔
- ۵۹۴۔ ایضاً، ۳۱-۳۲۔
- ۵۹۵۔ ترتیب المدارک، ۴۹/۱۔

- ۵۹۶۔ حیات امام مالک، ص ۷۹؛ اصلاحی، تذکرۃ المحدثین، ۱/۳۳-۳۵۔
- ۵۹۷۔ ترتیب المدارک، ۱/۶۲۔
- ۵۹۸۔ مؤطا (مقدمہ تحقیق) ص ۶۔
- ۵۹۹۔ ایضاً۔
- ۶۰۰۔ ایضاً۔
- ۶۰۱۔ ترتیب المدارک، ۱/۶۱۔
- ۶۰۲۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، تفسیر قرآن کا مفہوم، آداب اور تقاضے (مجلس تحقیق الاثری، جہلم ۱۹۹۱ء) ص ۶۴؛ خطیب بغدادی، جامع اخلاق الراوی، ۱/۱۸۴۔
- ۶۰۳۔ ترتیب المدارک، ۱/۶۳۔
- ۶۰۴۔ ایضاً۔
- ۶۰۵۔ ایضاً، ۱/۶۵۔
- ۶۰۶۔ ایضاً، ۱/۶۴۔
- ۶۰۷۔ ترتیب المدارک، ۱/۴۹۔
- ۶۰۸۔ الفجر (۸۹) ۳۰۶۲۷۔
- ۶۰۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۸/۱۳۰۔
- ۶۱۰۔ قاموس المحيط، ۱/۲۲۔
- ۶۱۱۔ حیات امام مالک برائے، ص ۸۷۔
- ۶۱۲۔ ایضاً، ص ۸۷۔
- ۶۱۳۔ لکھنوی، عبدالحی، مقدمہ التعلیق المجد علی المؤطا امام محمد۔
- ۶۱۴۔ نواب صدیق حسن خان، اتحاد النبلاء، ص ۱۶۵۔
- ۶۱۵۔ محمد عبدہ، امام مالک اور ان کی مؤطا (مکتبہ ناصریہ، حاجی آباد فیصل آباد، ۱۹۹۸ء) ص ۲۰-۲۱۔
- ۶۱۶۔ ترتیب المدارک، ۱/۱۰۲۔
- ۶۱۷۔ ایضاً، ۱/۱۰۲۔
- ۶۱۸۔ اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، ۱۸/۳۷۹۔
- ۶۱۹۔ حجة الله البالغة، ۱/۱۳۳۔
- ۶۲۰۔ محمد زکریا کاندھلوی، مقدمہ اوجز المسالك، ص ۲۱۔

- ۶۲۱۔ تزئین الممالک، ص ۴۳۔
- ۶۲۲۔ مقدمہ ابن صلاح۔
- ۶۲۳۔ ترتیب المدارک، ۱/۱۰۳۔
- ۶۲۴۔ محمد زکریا کاندھلوی، اوجز الممالک الی مؤطا امام مالک (مقدمہ) ص ۲۸۔
- ۶۲۵۔ ترتیب المدارک، ۱/۱۴۱-۱۴۴۔
- ۶۲۶۔ مقدمہ التعلیق المجد علی مؤطا امام بخوالہ سیر اعلام النبلاء۔
- ۶۲۷۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب، ترجمہ امام مالک رحمہ اللہ۔
- ۶۲۸۔ تزئین الممالک بمناقب الامام مالک، طبع خیریہ مصر، ص ۴۴۔
- ۶۲۹۔ تدریب الراوی، ص ۵۶؛ قوت المعتمدی علی جامع الترمذی، ص ۵۔
- ۶۳۰۔ شاہ ولی اللہ، المصنفی شرح مؤطا (دیباچہ)۔
- ۶۳۱۔ علوم الحدیث، ص ۱۲۲۔
- ۶۳۲۔ ترتیب المدارک، ۱/۱۰۲۔
- ۶۳۳۔ مالک بن انس، مؤطا (مقدمہ) ص ۹۔
- ۶۳۴۔ ایضاً، ص ۱۰۔
- ۶۳۵۔ ایضاً، ص ۱۲۔
- ۶۳۶۔ ندوی، سید سلیمان، حیات امام مالک، ص ۸۸۔
- ۶۳۷۔ ابن ابی العز، الاتباع، ص ۴۶۔
- ۶۳۸۔ عینی، عمدۃ القاری (ادارۃ الطباعة لاہور ۱۳۴۸ھ) ۱/۵؛ ابن خلکان، وفیات الاعیان (منشورات الرضی قم) امام بخاری کے لئے ۴/۱۸۸؛ امام مسلم کے لئے ۵/۱۹۴۔
- ۶۳۹۔ تیسیر مصطلح الحدیث، ص ۳۷-۴۲: ما اتصل بسندہ بنقل العدل الضابط عن مثله الی منتہا من غیر شذوذ ولا علة۔
- ۶۴۰۔ الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد (دار الکتاب العربی بیروت) ۲/۲۳-۲۵۔
- ۶۴۱۔ تہذیب التہذیب، ۹/۴۳۔
- ۶۴۲۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۴۲۱۔
- ۶۴۳۔ ہدی الساری، ص ۴۸۲۔
- ۶۴۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۴۲۸، وموتہ ذہاب العلم۔

- ۶۴۵- تہذیب التہذیب، ۹/۳۳۔
- ۶۴۶- ہدی الساری، ص ۲۸۳ فضل محمد بن اسماعیل علی العلماء کفضل الرجال علی النساء۔
- ۶۴۷- سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۴۲۳۔
- ۶۴۸- ایضاً، ص ۴۳۲؛ الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد، ۱۳/۱۰۲۔
- ۶۴۹- تذکرۃ الحفاظ، ۲/۵۵۶۔
- ۶۵۰- شبیر احمد عثمانی، مقدمہ فتح الملہم، ۱/۱۰۰۔
- ۶۵۱- تذکرۃ، ۲/۵۸۸-۵۸۹۔
- ۶۵۲- تہذیب التہذیب، ۱۰/۱۱۵۔
- ۶۵۳- تاریخ بغداد، ۱۳/۱۰۱۔
- ۶۵۴- تذکرۃ، ۲/۵۸۹۔
- ۶۵۵- ابن ابی حاتم، کتاب الجرح والتعدیل، ج ۸، جز ۴، ۱، ص ۱۸۲۔
- ۶۵۶- تہذیب التہذیب، ۱۰/۱۱۵۔
- ۶۵۷- بستان الحدیث، ص ۲۸۰؛ شبیر احمد عثمانی، مقدمہ فتح الملہم شرح مسلم، ۱/۱۰۰۔
- ۶۵۸- السخاوی، فتح المغیث، ۱/۱۵۱۔ اسی طرح حضرت مولانا صفدر لکھتے ہیں: ”امت کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ بخاری و مسلم دونوں کی تمام روایتیں صحیح ہیں“ (احسن الکلام/ ج ۱، ص ۱۸۷) (بحوالہ مولانا ارشاد الحق اثری، ”مولانا سرفراز اپنی تصانیف کے آئینہ میں“۔)
- ۶۵۹- تدریب الراوی، ۱/۱۳۱-۱۳۲۔
- ۶۶۰- مقدمہ ابن الصلاح، ص ۲۵۔
- ۶۶۱- النووی، التقریب والتیسیر، ص ۲۶۔
- ۶۶۲- ابن تیمیہ، الفتاوی، ۲۰/۳۲۱۔
- ۶۶۳- طبی، الخلاصہ فی اصول الحدیث، ص ۳۰۔
- ۶۶۴- الذہبی، الموقظہ، ص ۸۰۔
- ۶۶۵- الموقظہ، ص ۸۰ (الحواشی)۔
- ۶۶۶- ابن کثیر، اختصار علوم الحدیث، ص ۳۳۔
- ۶۶۷- العینی، عمدۃ القاری، ۱/۵۔
- ۶۶۸- ذکر یا الانصاری، فتح الباقی، ۱/۴۰۔

- ۶۶۹- حجة الله البالغة، ۱/۱۳۵۔
- ۶۷۰- تاریخ بغداد، ۲/۸۔
- ۶۷۱- تدریب الراوی، ۱/۸۸؛ ابوالولید الباجی، التعذیل والتجریح، ۱/۳۰۹؛ هدی الساری، ص ۷۔
- ۶۷۲- عمدة القاری، ۱/۵۱؛ ابن خلکان، الوفيات، ۳/۳۷۰؛ تاریخ بغداد، ۲/۱۳۔
- ۶۷۳- هدی الساری، ص ۳۸۹؛ التعذیل والتجریح، ۱/۳۱۰۔
- ۶۷۴- هدی الساری، ص ۳۸۹؛ التعذیل والتجریح، ۱/۳۱۰۔
- ۶۷۵- هدی الساری، ص ۳۸۹۔
- ۶۷۶- هدی الساری، ص ۲۸۳؛ الا اریک سحرا۔
- ۶۷۷- النووی، تقریب مع تدریب، ۱/۸۸۔
- ۶۷۸- القسطلانی، ارشاد الساری، ۱/۳۱؛ فله دره من تالیف رفع علمه بمعارف معرفته۔
- ۶۷۹- البخاری، رباعیات الامام البخاری، ص ۷۵۔
- ۶۸۰- تاریخ بغداد، ۱۳/۱۰۲؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۵۷۰۔
- ۶۸۱- ابن الصلاح، صیانة صحیح مسلم، ص ۶۷، هذا الكتاب ثانی کتاب صنف فی صحیح الحدیث سبق البخاری الی ذلك۔
- ۶۸۲- تاریخ بغداد، ۱۳/۱۰۱؛ سیر اعلام النبلاء، ابن صلاح، ۱۲/۵۶۵؛ صیانة صحیح مسلم، ص ۶۷۔
- ۶۸۳- صیانة صحیح مسلم، ص ۶۸۔
- ۶۸۴- تذكرة الحفاظ، ۲/۵۸۹۔
- ۶۸۵- صیانة صحیح مسلم، ص ۶۸۔
- ۶۸۶- هدی الساری، ص ۳۹۱۔
- ۶۸۷- کتاب الشهاوی فی مصطلح الحدیث، ص ۱۶-۱۷۔
- ۶۸۸- المقدی، ابوالفضل محمد بن طاهر، شروط الائمة الستة، ۱۳-۱۴۔
- ۶۸۹- ایضاً، ص ۱۳-۱۴۔
- ۶۹۰- البخاری، الجامع الصحیح، ۲/۷۹۴؛ عن علی قال قال رسول الله ﷺ: رفع القلم عن ثلاث: عن المجنون حتی یفیک وعن الصبی حتی یدرک وعن النائم حتی یتیقظ (احمد، المسند، ۱۰۰/۱-۱۰۱ عن عائشة بالفاظ مختلفة)۔
- ۶۹۱- السخاوی، فتح المغیث، (المکتبة السلفية المدیة المنورة/ ۱۳۸۸ھ) ۲/۳۔

۶۹۲۔ محدثین کی اصطلاح میں تدلیس اس کو کہتے ہیں کہ راوی کسی ایسے شخص سے روایت بیان کرے جو اس کا ہم عصر تو ہو مگر اس نے حدیث اس سے نہ سنی ہو۔ اور راوی صیغہ روایت ایسا استعمال کرے جس سے حدیث کے مسلسل و متصل ہونے کا مغالطہ ہو (ملاحظہ ہو کتب حدیث، کتب اصطلاح حدیث، مثلاً مقدمہ ابن الصلاح، ص ۹۵ اور التلک علی مقدمہ ابن الصلاح، ۶۱۲/۲۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو التحدیث فی علوم الحدیث، مؤلفہ مقالہ نگار، ص ۱۸۵ تا ۱۹۱)۔

۶۹۳۔ ابو بکر محمد بن موسیٰ الحازمی، شروط الائمہ الخمسہ ص ۴۵-۴۷ (مکمل پانچوں شرائط)

۶۹۴۔ دونوں حضرات نے یقیناً ایسے راویوں سے بھی روایت کی ہے جن کی ثقاہت پر اتفاق ہے۔ عام طور پر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ جن لوگوں سے صحیحین میں روایتیں لی گئی ہیں ان کے بارے میں راجح رائے توثیق کی ہی ہے۔ اگرچہ بعض غیر محدثین اور متعصب لوگوں نے بعض پر تنقید کی ہے لیکن تمام رواۃ کا محدثین نے دفاع کیا ہے۔

۶۹۵۔ شروط الائمہ الستہ، ص ۱۳-۱۴۔

۶۹۶۔ الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ۔

۶۹۷۔ شروط الائمہ الخمسہ، ص ۳۲-۳۳۔

۷۹۸۔ المدخل الی کتاب الاکلیل، ص ۳۳۔

۶۹۹۔ شروط الائمہ الخمسہ، ص ۳۷-۴۲۔

۷۰۰۔ ابن الصلاح، صیغہ صحیح مسلم، ص ۷۲: شرط مسلم فی صحیحہ ان یکون الحدیث متصل الاسناد، بنقل الثقة عن الثقة من اولہ الی منتہاہ سالما من الشذوذ ومن العلہ هذا هو الحدیث الصحیح۔

۷۰۱۔ الصنعانی، توضیح الافکار، ۱/۱۰۹-۱۱۰، نووی شرح صحیح مسلم ۱/۲۱: وهذا الذی صار الیہ مسلم قد انکرہ المحققون وقالوا: هذا الذی صار الیہ ضعیف والہین ردہ هو المختار الصحیح الذی علیہ آئمہ هذا الفن علی بن المدینی والبخاری وغیرہ محمد عبدہ، صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین، ص ۴۷۔

۷۰۲۔ القاسمی، قواعد التحدیث، ص ۸۲۔

۷۰۳۔ شروط الائمہ الخمسہ، ص ۳۸-۳۹ (تمام طبقات)۔

۷۰۴۔ کشف الظنون، ۱/۱۸۱۔

۷۰۵۔ مقدمہ ابن الصلاح، ص ۱۲۲۔

- ۷۰۶۔ ایضاً، ص ۱۲۲۔
- ۷۰۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۳۶۔
- ۷۰۸۔ ایضاً، ۲/۱۹۱۔
- ۷۰۹۔ ایضاً۔
- ۷۱۰۔ ایضاً، ۱/۲۹۱۔
- ۷۱۱۔ ایضاً۔
- ۷۱۲۔ کشف الظنون، ۱/۱۸۰-۱۸۳۔
- ۷۱۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ۳/۱۲۹۔
- ۷۱۴۔ ایضاً، ۳/۱۳۰۔
- ۷۱۵۔ ایضاً، ۳/۱۳۰۔
- ۷۱۶۔ ایضاً۔
- ۷۱۷۔ ایضاً۔
- ۷۱۸۔ ایضاً، ۳/۳۳۔
- ۷۱۹۔ ایضاً۔
- ۷۲۰۔ ایضاً۔
- ۷۲۱۔ ایضاً۔
- ۷۲۲۔ ایضاً، ۲/۸۲-۸۳۔
- ۷۲۳۔ ایضاً، ۲/۸۳۔
- ۷۲۴۔ ایضاً، ۲/۸۳۔
- ۷۲۵۔ ایضاً، ۲/۸۳۔
- ۷۲۶۔ ایضاً، ۲/۸۵۔
- ۷۲۷۔ ایضاً۔
- ۷۲۸۔ ابو علی القالی، الامالی (منشورات دارالافتاح الجدیدة، بیروت ۱۹۸۰ء) ترجمۃ المؤلف۔
- ۷۲۹۔ ایضاً، ترجمۃ المؤلف۔
- ۷۳۰۔ ایضاً، ۱/۳۔
- ۷۳۱۔ ایضاً۔

- ۷۳۲۔ ایضاً۔
- ۷۳۳۔ ایضاً، ۱/۷-۸۔
- ۷۳۴۔ ایضاً، ۱/۸۔
- ۷۳۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۹۳۔
- ۷۳۶۔ ایضاً، ۲/۱۶۳۔
- ۷۳۷۔ ایضاً۔
- ۷۳۸۔ ابن الحاجب، الامالی (دار الجلیل بیروت ۱۴۰۹ھ) ۱/۱۳۔
- ۷۳۹۔ ایضاً، ۱/۲۰۔
- ۷۴۰۔ یہ کتاب ”دار الجلیل بیروت نے ۱۴۰۹ھ میں شائع کی ہے۔
- ۷۴۱۔ الفیومی، احمد بن محمد، المصباح المنیر (دار الحجر، قم، ایران، الطبعة اناذولی ۱۴۰۵ھ) ۲/۳۹۲۔
- ۷۴۲۔ معجم اصطلاحات، ص ۱۶۲۔
- ۷۴۳۔ ایضاً (مقدمہ)، ص ۷۔
- ۷۴۴۔ الاحادیث القدسیہ، حدیث نمبر ۴۵، ص ۴۹۔
- ۷۴۵۔ ایضاً، ص ۹-۱۰؛ معجم اصطلاحات الحدیث، ص ۱۶۳-۱۶۵۔
- ۷۴۶۔ معجم اصطلاحات الحدیث، ص ۱۶۵۔
- ۷۴۷۔ ایضاً۔
- ۷۴۸۔ دائرة المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن نے دوسرا ایڈیشن ۱۳۵۸ھ میں شائع کیا۔
- ۷۴۹۔ یہ کتاب دارالکتب العربی بیروت سے ۱۹۹۹ء میں پہلی دفعہ شائع ہوئی۔
- ۷۵۰۔ الاسعدی، مولانا محمد عبداللہ، علوم الحدیث، ص ۳۹ تا ۴۱۔
- ۷۵۱۔ معجم اصطلاحات الحدیث، ص ۱۶۵۔
- ۷۵۲۔ ذاکر حبیب اللہ مختار، مقدس باتیں (پیش لفظ) (دارالتصنیف جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی، سن طباعت ۱۹۹۰ء)، ص ۲۱۔
- ۷۵۳۔ ایضاً، ص ۱۲۔
- ۷۵۴۔ مقدس باتیں، ص ۶۲۔
- ۷۵۵۔ ایضاً، ص ۱۲۲۔
- ۷۵۶۔ مکتبہ قدوسیہ لاہور نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا، طبع دوم۔

- ۷۵۷۔ عزالدین ابراہیم، احادیث قدسیہ (مکتبہ قدوسیہ لاہور ۱۹۸۸ء، طبع دوم) مقدمہ، ص ۵۔
- ۷۵۸۔ ایضاً، ص ۷۔
- ۷۵۹۔ ایضاً، ص ۸۶-۸۷۔
- 760- Dr. Abdul Wadood, Forth Hadith Qudsi, Darul Quran Alkareem, Seirut, Damascus, 1st edition 1980.
- ۷۶۱۔ احمد سعید دہلوی، الہدایۃ السنیۃ فی الاحادیث القدسیہ (احادیث قدسیہ، اللہ کی باتیں) شعبہ تحقیق و تصنیف، دارالمطالعہ حاصل پور، ۱۳۶۰ء۔
- ۷۶۲۔ ایضاً، ص ۵-۶، ۱۳-۲۲۳۔
- ۷۶۳۔ معجم، ص ۶۰۔
- ۷۶۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۲۶۹۔
- ۷۶۵۔ ایضاً، ۱/۲۶۹-۲۷۲۔
- ۷۶۶۔ ایضاً، ۲/۹۶-۹۷۔
- ۷۶۷۔ ایضاً، ۲/۱۵۱۔
- ۷۶۸۔ ایضاً، ۲/۲۲۳-۲۲۵۔
- ۷۶۹۔ وکیع بن جراح، کتاب الزہد (مکتبہ الدار المدینۃ المنورہ، الطبعة الاولى ۱۹۸۳ء) ۱/۲۲۳-۲۲۴۔
- ۷۷۰۔ ایضاً، مقدمہ التحقیق۔
- ۷۷۱۔ ایضاً، ۳/۸۶۲۔
- ۷۷۲۔ ایضاً، ۳/۸۵۵۔
- ۷۷۳۔ کیکل دی العلانی، جامع التحصیل فی احکام المراسیل (عالم الکتب بیروت، ۱۹۹۷ء) مقدمہ التحقیق۔
- ۷۷۴۔ ایضاً، ص ۲۲۔
- ۷۷۵۔ ایضاً، ص ۳۱۹۔
- ۷۷۶۔ بخاری، کتاب رفع الیدین فی الصلاۃ (دار ابن حزم بیروت، طبع اول ۱۹۹۶ء) ص ۱۷۹۔
- ۷۷۷۔ ملاحظہ ہو فہرست کتاب۔
- ۷۷۸۔ ابن ابی الدنیا، مکارم الاخلاق (دار الکتب العلمیہ بیروت، ۲۰۰۰ء) ص ۳-۴۔
- ۷۷۹۔ معجم اصطلاحات، ص ۳۳۸-۳۳۹۔
- ۷۸۰۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۲۶۶-۲۶۷۔

- ۷۸۱۔ کشف الظنون، ۲/۵۸۰۔
- ۷۸۲۔ عبدالرزاق، المصنف (دار احیاء التراث العربی بیروت، الطبعة الاولى، ۲۰۰۲ء) ۱/۵۔
- ۷۸۳۔ ایضاً، ۱/۵۔
- ۷۸۴۔ ایضاً، ۱۱/۲۱۳۔
- ۷۸۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۶۔
- ۷۸۶۔ کشف الظنون، ۲/۵۸۰۔
- ۷۸۷۔ ابن بکر، ابن ابی شیبہ، عبداللہ بن محمد، المصنف (مقدمہ المحقق) (دار الفکر بیروت، الطبعة الاولى ۱۹۸۹ء) ۱/۸-۱۰۔
- ۷۸۸۔ ایضاً، ۱/۱۱، ۸/۸۰۳۔
- ۷۸۹۔ ایضاً، ۱/۱۱۔
- ۷۹۰۔ ایضاً، ۸/۴۳۔
- ۷۹۱۔ ڈاکٹر رفیق حسن، فن کتابۃ التلخیص والمختصرات (مرکز المخطوطات التراث الوثائق الکویت، ۲۰۰۲ء) ص ۱۴۔
- ۷۹۲۔ معجم المؤلفین (دار احیاء التراث العربی بیروت) ۶/۴۰۔ الترکلی، الاعلام (دار العلم للملایین بیروت طبعہ ثامنه ۱۹۸۹ء) ۴/۸۹۔
- ۷۹۳۔ ابن ابی جرہ الازدی، مختصر صحیح البخاری (مؤسسۃ المکتب الثقافیه، بیروت ۱۹۸۶ء) ص ۱۳۔
- ۷۹۴۔ مختصر صحیح بخاری، ص ۱۹۔
- ۷۹۵۔ ایضاً، ص ۲۹-۳۰۔
- ۷۹۶۔ ایضاً، ص ۲۱۰۔
- ۷۹۷۔ ایضاً، ص ۲۱۵۔
- ۷۹۸۔ محمد بن ابراہیم شیبانی، مختصر کتاب "الالبانی جہودہ وحیاتہ العلمیہ وثناء العلماء علیہ" (منشورات مرکز المخطوطات والتراث والوثائق الکویت، ۱۹۹۴ء) ص ۷۔
- ۷۹۹۔ ایضاً، ص ۷۔
- ۸۰۰۔ ایضاً، ص ۱۰۔
- ۸۰۱۔ ایضاً، ص ۲۶۔
- ۸۰۲۔ ایضاً، ص ۶۶۵۰۔

- ۸۰۳۔ الالبانی، محمد ناصر الدین، مختصر الجامع الصحیح (کلمۃ بین یدیه، المختصر) المکتب الاسلامی بیروت/ دمشق، الطبعة الاولیٰ ۱۳۹۹ھ) ص ز- ۵۔
- ۸۰۴۔ ایضاً، ص ۳۔
- ۸۰۵۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱، ص ۱۔
- ۸۰۶۔ مختصر صحیح بخاری، ص ۳۔
- ۸۰۷۔ صحیح بخاری، ص ۶۔
- ۸۰۸۔ ایضاً، ص ۶۔
- ۸۰۹۔ البخاری، الجامع الصحیح، ص ۵، حدیث نمبر ۸؛ مختصر الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۵۔
- ۸۱۰۔ مختصر الجامع الصحیح، ص ۲۷۷۔
- ۸۱۱۔ الطائی، ابوالفتوح محمد بن محمد، الاربعین فی ارشاد السائرین الی منازل المتقین (مخطوط مکتبہ چٹربٹی، ڈبلن، برطانیہ نمبر ۳۳۵۹) ص ۲۲ (الف)۔
- ۸۱۲۔ الرسالة المستطرفة، ص ۱۷۳۔ الاشیللی، محمد بن خیر، فہرستہ (مکتبہ المثنیٰ بغداد، الطبعة الثالثة، ۱۹۶۷ء) ص ۱۲۲۔
- ۸۱۳۔ الرسالة المستطرفة، ص ۱۷۳۔
- ۸۱۴۔ ایضاً۔
- ۸۱۵۔ ایضاً۔
- ۸۱۶۔ ایضاً، ص ۱۷۳-۱۷۴۔
- ۸۱۷۔ ایضاً، ص ۱۷۴۔
- ۸۱۸۔ ایضاً، ص ۱۷۴؛ کمالہ، عمر رضا، معجم المؤلفین (مطبعة الترقی، دمشق ۱۹۶۱ء) ۵/ ۱۵۹۔
- ۸۱۹۔ مصطفیٰ بن عبد اللہ، کشف الظنون، ۱/ ۵۳۶۔
- ۸۲۰۔ الرسالة المستطرفة، ص ۱۷۵۔
- ۸۲۱۔ ایضاً۔
- ۸۲۲۔ ایضاً۔
- ۸۲۳۔ ایضاً۔
- ۸۲۴۔ عجائب الخطیب، لمحات فی المکتبہ والبحث والمصادر (دمشق، بیروت، الطبعة الرابعة ۱۹۷۵ء) ص ۱۷۳۔
- ۸۲۵۔ ایضاً۔

- ۸۲۶۔ ایضاً۔
- ۸۲۷۔ الرسالة المستطرفة، ص ۱۷۸۔
- ۸۲۸۔ ایضاً، ص ۱۷۹۔
- ۸۲۹۔ ایضاً۔
- ۸۳۰۔ ایضاً، ص ۱۸۰؛ لمحات فی المکتبہ والبعث والمصادر، ص ۱۷۵۔
- ۸۳۱۔ کشف الظنون، ص ۱۵۸/۱۔
- ۸۳۲۔ الزرکلی، الاعلام، ۶/۲۸۳۔
- ۸۳۳۔ ایضاً۔
- ۸۳۴۔ لمحات فی المکتبہ والبعث والمصادر، ص ۱۷۶۔
- ۸۳۵۔ ایضاً۔
- ۸۳۶۔ ایضاً۔
- ۸۳۷۔ ایضاً۔
- ۸۳۸۔ الرسالة المستطرفة، ص ۱۸۱۔
- ۸۳۹۔ لمحات فی المکتبہ والبعث والمصادر، ص ۱۷۱۔
- ۸۴۰۔ ابن دقیق العید، شرح الاربعین النوویہ (مؤسسہ الطباعة والصحافة والنشر، جدہ، ۱۹۸۲ء) ص ۴۔
- ۸۴۱۔ الرسالة المستطرفة، ص ۱۰۳؛ کشف الظنون، ۱/۵۶۔
- ۸۴۲۔ الفاسی، ابوطیب اتقی محمد بن احمد، العقد الشمین فی تاریخ البلد الامین (مطبعة السہ الحدیث القاہرہ، ۱۹۵۸ء) ۱/۳۳۱۔



تاریخ حدیث مراکز حدیث

رسول اللہ ﷺ بحیثیت معلم مبعوث ہوئے۔ مکہ مکرمہ کے حالات ناسازگار ہونے کے باوجود یہاں پر آپ ﷺ اپنے فرائض معلمی سرانجام دیتے رہے۔ اس دور میں کوئی باقاعدہ درس گاہ تو نہیں تھی۔ مسجد ابی بکر، دار ارقم، بیت فاطمہ بنت خطاب اور شعب ابی طالب وغیرہ کو کسی حد تک درس گاہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس کے باوجود مکی دور میں متعدد قراء و معلمین پیدا ہوئے جنہوں نے دوسروں کو قرآن و حدیث کی تعلیم دی۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ بن ارت مکہ میں فاطمہ بنت خطاب کے گھر میں قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔

مدینہ منورہ میں حضرت سالم رضی اللہ عنہ مولیٰ ابو حذیفہ ہجرت سے پہلے قباء میں، حضرت صعب رضی اللہ عنہ بن عمیر اور ابن ام مکتوم، نقیج الخضعات میں اور حضرت رافع رضی اللہ عنہ بن مالک زرقی مسجد بنی زریق میں تعلیمی خدمات انجام دیتے تھے۔

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں مرکزی درس گاہ (صفہ) قائم ہوئی جس میں سید المعلمین رسول اللہ ﷺ تعلیم دیتے تھے نیز حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت وغیرہ اس درس گاہ کے معلم و مقرری تھے یہاں کے طلبہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) اپنے گھروں میں بچوں اور عورتوں کو تعلیم دیتے تھے۔ مختلف علاقوں سے قبائل اور وفود مدینہ منورہ آکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ درس گاہ نبوی سے تعلیم حاصل کر کے قبائل کے رئیس و ترجمان اپنے اپنے قبیلے میں تعلیم دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو معلم بنا کر مختلف قبائل میں روانہ کرتے تھے۔ اس دور میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور یمن کے مختلف علاقوں میں تعلیم و تعلم کی سرگرمیاں زیادہ تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مساعی جہیلہ کی بدولت اسلامی

حکومت کے دائرہ میں بڑی وسعت آئی اور وہاں کے رہنے والے حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور اسلامی تعلیمات کو سیکھنے کا تقاضا کرنے لگے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی مرضی سے ان شہروں میں جا کر لوگوں کو قرآن و حدیث کی روشنی میں اسلامی احکام سے آگاہ کرنے لگے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان شہروں کو پسند کر کے اپنا وطن بنا لیا اور پھر زندگی بھر وہ وہیں مقیم رہے وہاں قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس کے مدارس و مراکز کھولے۔ ان مدارس و مراکز میں مختلف علاقوں کے طلبہ ان کے چشمہ علم سے اپنی پیاس بجھاتے اور ان سے وہ فیوض حاصل کرتے جو انہوں نے سرور کائنات ﷺ سے ورثہ میں پائے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مفتوحہ علاقوں کے ہر گوشہ سے تابعین کا ایک گروہ فارغ التحصیل ہو کر نکلا جو آگے چل کر احادیث کا حامی و محافظ اور راوی و ناقل ثابت ہوا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس وقت دورِ حاضر کی طرح مدارس و کالج کھلے جہاں خصوصی انتظامات تھے اور لیکچر روم ہوتے تھے بلکہ لوگ فطری سادگی کو اپنائے ہوئے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سینے دینی علوم کا مخزن تھے۔

مسجدیں اس دور میں مراکز حدیث، دارالحدیث اور درس گاہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ معلم مسجد میں بیٹھ جاتے ان کے تلامذہ ان کے گرد حلقہ باندھ کر ان کی باتیں سنتے اور ان کو اپنے سینوں میں جاگزیں کرتے۔ تلامذہ سوال کرتے اور معلم ان کو قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیتے یا اپنے اجتہاد سے جو قرآن و حدیث سے ہی ماخوذ ہوتا تھا جن ملکوں اور شہروں میں حدیث کے مراکز (دارالحدیث) قائم ہوئے ان کی فہرست بہت طویل ہے ان میں سے چند مشہور مراکز حدیث یہ ہیں:

مکہ مکرمہ کے مراکز حدیث:

مکہ مکرمہ وہ حرم پاک ہے جہاں سے وحی نبوت کا آغاز ہوا اور حضور ﷺ نے بعثت کے تیرہ سال گزارے ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے کوئی مرکزی درس گاہ نہیں تھی، جہاں رہ کر سکون و اطمینان سے باقاعدہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھتے۔ اس زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی ذات ہی متحرک درس گاہ تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چند حضرات چھپ چھپا کر قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس دور کے ایسے مقامات اور حلقات کو درس گاہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جہاں حالات کی نزاکت اور ضرورت کے مطابق کسی نہ کسی انداز میں قرآن پڑھا پڑھایا جاتا تھا۔ ان میں سے زیادہ نمایاں ابن ابی ارقم کا مکان (دار ارقم) ہے۔

۱۔ دار ارقم:

حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ سابقون الاولون اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ مکہ مکرمہ

میں ان کا مکان کوہ صفا کے اوپر واقع تھا، اس جگہ کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کو دارالسلام کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

نبوت کے پانچویں سال بعض صحابہ رضی اللہ عنہم حبشہ کی طرف ہجرت کی اور مکہ میں رہ جانے والے حضرات سخت حالات کا مقابلہ کر رہے تھے یہاں تک کہ ۶ سن نبوی میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دار ارقم میں پناہ لی اور یہیں سے دعوت اسلام کا فریضہ ادا کرتے رہے اس میں قرآن و حدیث کی تعلیم و تعلم کا شغل بھی جاری رہا۔

مستدرک حاکم میں ہے: کان النبی ﷺ یسکن فیہا فی اول الاسلام و فیہا یدعو الناس الی الاسلام فاسلم فیہا قوم کثیر (۱) (رسول اللہ ابتداءً اسلام میں اسی مکان میں رہتے تھے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور بہت سے لوگ مسلمان ہوئے)۔ اور ابوالولید ازرقی لکھتے ہیں: یجتمع هو واصحابه عند الارقم بن ابی الارقم ویقرء ہم القرآن ویعلمہم فیہ (۲) (رسول اللہ اور صحابہ کرام دار ارقم میں جمع ہوتے تھے اور آپ ﷺ لوگوں کو قرآن پڑھاتے اور دین (حدیث) کی تعلیم دیتے تھے)۔ یہاں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام تقریباً ایک ماہ رہ کر خفیہ تعلیم و تعلم اور دعوت اسلام میں لگے رہے۔ اس مدت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو مسلمانوں نے علی الاعلان کعبہ میں نماز پڑھنا شروع کی اور ان میں ایمانی جرات پیدا ہوئی۔ دار ارقم کے علاوہ مسجد ابو بکر اور بیت فاطمہ بنت خطاب کو بھی درس گاہ شمار کیا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں درس حدیث:

جب آنحضور ﷺ نے مکہ کو فتح کیا تو قرآن کریم کی تعلیم و تدریس اور حلال و حرام کے مسائل سکھانے کے لیے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل کو وہاں قیام کرنے کا حکم دیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ علم و حلم اور جود و سخاوت کے اعتبار سے انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم میں ممتاز تھے۔ آپ تمام غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم شمار ہوتے تھے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بصرہ سے لوٹ کر مکہ آ گئے تو وہاں کے دارالحدیث کے رئیس و زعیم قرار پائے۔ مکہ کو جو علمی شہرت حاصل ہوئی وہ انہیں کی مساعی جمیلہ کی ثمرہ تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما مخزن علم اور جلیل القدر حافظ حدیث تھے۔ اس دور میں مکہ میں اور بھی بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جن کا تذکرہ محدث حاکم نے اپنی کتاب ”معرفۃ علوم حدیث“ میں کیا ہے۔

- ۱۔ عیاض رضی اللہ عنہ بن ربیعہ مخزومی ۲۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن ربیعہ مخزومی
- ۳۔ حارث رضی اللہ عنہ بن ہشام ۴۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل
- ۵۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن سائب مخزومی ۶۔ عتاب رضی اللہ عنہ اسید
- ۷۔ خالد رضی اللہ عنہ بن اسید ۸۔ حکم رضی اللہ عنہ بن ابی العاص
- ۹۔ عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ ۱۰۔ عقبہ رضی اللہ عنہ بن الحارث
- ۱۱۔ شیبہ رضی اللہ عنہ بن عثمان انجلی ۱۲۔ صفوان رضی اللہ عنہ بن امیہ
- ۱۳۔ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ ۱۴۔ مطیع رضی اللہ عنہ بن الاسود
- ۱۵۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن مطیع ۱۶۔ مہاجر رضی اللہ عنہ بن قنفذ
- ۱۷۔ سہیل رضی اللہ عنہ بن عمرو ۱۸۔ عمیر رضی اللہ عنہ بن قتادہ لیثی
- ۱۹۔ کرز رضی اللہ عنہ بن علقمہ ۲۰۔ تمیم رضی اللہ عنہ بن اسد
- ۲۱۔ اسود رضی اللہ عنہ بن خلف ۲۲۔ ابو شریح کعسی رضی اللہ عنہ
- ۲۳۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن حبیش ۲۴۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن صفوان
- ۲۵۔ لقیط رضی اللہ عنہ بن حیرہ ۲۶۔ ایاس رضی اللہ عنہ بن عبد المزی (۳)

امام ذہبی لکھتے ہیں: ”مکہ مکرمہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اخیر دور میں اس (علم حدیث) کی کثرت ہوئی اور اسی طرح عہد تابعین میں مجاہد رحمہ اللہ، عطاء رحمہ اللہ، سعید رحمہ اللہ بن جبیر اور ابن ابی رحمہ اللہ ملکہ اور پھر ان کے شاگردوں کے دور میں عبد اللہ رحمہ اللہ بن ابی نعیم، قاری رحمہ اللہ ابن کثیر، حنظلہ رحمہ اللہ بن ابی سفیان اور ابن رحمہ اللہ جریج اور ہارون رشید کے وقت میں مسلم رحمہ اللہ زنجی، فضیل رحمہ اللہ، ابن عیینہ رحمہ اللہ، ابو عبد الرحمن رحمہ اللہ مقرئ، ازرقی رحمہ اللہ، حمیدی رحمہ اللہ اور سعید بن منصور جیسے علماء پیدا ہوئے ہیں۔“

امام بخاری کو حرمین کے علم پر کتنا اعتماد تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی صحیح میں ایک مستقل باب باندھا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری میں اگرچہ مدینہ طیبہ کی طرح مکہ معظمہ کی بھی وہ پہلی سی علمی رونق باقی نہ رہی تھی۔ تاہم مندرجہ ذیل حضرات کی بدولت ابھی بزرگوں کی یاد تازہ تھی۔

- ۱۔ حافظ حلوانی۔ ۲۔ حافظ زبیر بن بکار۔
- ۳۔ حافظ سلمہ بن شیبہ۔ ۴۔ حافظ عدنی۔

۵۔ حافظ یعقوب بن حمید۔

ان کے علاوہ ابراہیم بن محمد بن العباس ابواسحاق الشافعی المکی (م ۲۳۷ھ) (یہ امام شافعی کے چچا زاد بھائی بھی تھے) حسین بن حرب السلمی المروزی نزیل مکہ (م ۲۲۶ھ) محمد بن عبد اللہ بن یزید العدوی ابویحیی الممقری المکی (م ۲۵۶ھ) قابل ذکر ہیں۔

۳۔ درس گاہ حضرت عبد اللہ بن عبد الرحمن نوفلی مکی:

حضرت عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابو حسین بن حارث نوفلی مکی قبیلہ قریش کی شاخ بنو نوفل سے ہیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے: کان ثقة قليل الحديث (وہ ثقہ قلیل الحدیث عالم تھے) (۴)۔ ان کا حلقہ درس مکہ مکرمہ میں منعقد ہوتا تھا۔ ان کی درس گاہ کے فیض یافتہ حضرات میں امام مالک رحمہ اللہ، ابن جریج رحمہ اللہ، لیث رحمہ اللہ بن سعد، محمد رحمہ اللہ بن مسلم طائفی، سفیان رحمہ اللہ بن عیینہ، سفیان رحمہ اللہ الثوری، شعیب رحمہ اللہ بن ابی حمزہ، شعبہ رحمہ اللہ، عبد اللہ رحمہ اللہ بن اخنس، ابراہیم رحمہ اللہ بن نشیط اور مسلم رحمہ اللہ بن خالد مشاہیر ائمہ ہیں (۵)۔

۴۔ دار الحدیث مکہ مکرمہ:

مکہ مکرمہ کا یہ دار الحدیث ۱۳۵۲ھ میں قائم ہوا۔ جس میں ایک صدر المدرسین اور متعدد اساتذہ تھے۔ جہاں مؤطا، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، تفسیر ابن کثیر اور تفسیر بغوی پڑھائی جاتی تھی۔ نیز علم کلام، اصول حدیث، فقہ و اصول فقہ، فرائض اور عربی لغت (ادب عربی) کی تعلیم دی جاتی تھی (۶)۔

۵۔ جامعہ أم القرى:

یہ یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں ہے۔ اسے ۱۹۷۹ء میں یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا ہے۔ اس کے موجودہ وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر ناصر بن عبد اللہ الصالح ہیں۔ اس جامعہ میں علوم اسلامی کے تمام شعبے ہیں۔ عالم اسلام کے بڑے محدث اس یونیورسٹی میں پڑھاتے رہے ہیں۔ اب بھی یہ یونیورسٹی اہل علم کو علم حدیث سے سیراب کر رہی ہے۔



مدینہ منورہ کے مراکز حدیث

مدینہ منورہ، مدینۃ العلم تھا۔ یہیں سے پورے عالم اسلام میں دین اور علم دین کی اشاعت ہوئی اور یہیں سے قراء و محدثین اور ان کے تلامذہ و اصحاب نے اپنے اپنے حلقوں اور علاقوں میں علم حدیث پھیلایا۔ مدینہ کی مشہور درسگاہیں اور مراکز حدیث یہ ہیں:

مدینہ منورہ میں درس حدیث:

مدینہ طیبہ آنحضرت ﷺ کا دارالہجرۃ اور نبوت کی آخری قیام گاہ تھا اور اس لیے علم نبوت کا اصل مخزن اور منبع و معدن ہونے کا فخر اسی مبارک شہر کو حاصل ہے۔ یہاں آپ ﷺ کی زیادہ احادیث بیان فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ شرعی احکام زیادہ تر مدینہ منورہ میں ہی نازل ہوئے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ کی بود و باش کو پسند کرتے تھے اور مکہ یا کسی دوسری جگہ نقل مکانی کرنا انہیں گوارہ نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ ملت اسلامیہ اور خلافت راشدہ کا مرکز و محور اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور علماء کی اقامت گاہ تھا۔ اس اعتبار سے مدینہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اولین مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے جس کو وہ دوسرے مقامات پر ترجیح دیتے اور آنحضور ﷺ کی زندگی میں ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے تھے۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ کو کسی خاص سیاسی، معاشی یا تعلیمی مجبوری کی بناء پر ہی ترک کرتے تھے۔ چنانچہ عہد نبوی ﷺ سے لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ تک ساری دنیائے اسلام کا مرکز یہی تھا (۷) مدینہ میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے تھے جنہوں نے حدیث و فقہ میں بڑی شہرت حاصل کی۔ جن میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ (کوفہ سکونت اختیار کرنے سے قبل)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو

سعید خدری رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ یہ حضرات کتاب و سنت سے اخذ کرنے اور اجتہاد صحیح میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔

دارالہجرۃ مدینہ میں عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں قرآن و سنت کا علم بہت زیادہ تھا اور زمانہ تابعین میں فقہاء سبعہ جیسے حضرات موجود تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آغوش علم و فضل میں جن تابعین نے تربیت پائی ان میں سے مندرجہ ذیل کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

سعید بن المسیب رحمہ اللہ، عروہ رحمہ اللہ بن زبیر، ابن شہاب رحمہ اللہ زہری، عبید اللہ بن عبد اللہ رحمہ اللہ بن عقبہ بن مسعود، سالم رحمہ اللہ بن عبد اللہ بن عمر، قاسم رحمہ اللہ بن محمد بن ابی بکر، نافع مولیٰ رحمہ اللہ ابن عمر۔ یہ حضرات فقہاء سبعہ بھی ہیں (۸) اور صغار تابعین کے دور میں عبید اللہ رحمہ اللہ بن عمر، ابن ابی رحمہ اللہ ذئب، ابن عجلان رحمہ اللہ اور جعفر صادق رحمہ اللہ تھے۔ پھر امام مالک رحمہ اللہ، قاری مدینہ نافع رحمہ اللہ، ابراہیم بن سعد رحمہ اللہ، سلیمان رحمہ اللہ بن بلال اور اسمعیل رحمہ اللہ بن جعفر تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ مصفی شرح مؤطا میں فرماتے ہیں: ”مدینہ شریف امام مالک کے زمانہ میں بلاشبہ فضلاء کا مرجع اور اہل علم کی فرود گاہ تھا“ (۹) مدینہ طیبہ کی دارالعلم کی حیثیت باقی تھی۔ امام مالک کو اپنے یہاں کے علماء پر اتنا وثوق تھا کہ ان کے نزدیک تعامل اہل مدینہ مستقل حجت ہے۔

۱۔ مسجد نبوی (صفہ):

ہجرت عامہ سے دو سال پہلے مدینہ منورہ میں مسجد بنی زریق، مسجد قبا، و نقیع الخضعات اور دیگر مساجد و مقامات میں قرآن و حدیث اور شرائع اسلام کی تعلیم ہو رہی تھی اور ان میں تعلیمی خدمات انجام دینے والے حضرات کے لیے معلم اور مقری کا لقب مشہور ہو گیا تھا۔ اور ان کے فضلاء و فارغین کی اچھی خاصی تعداد ہو گئی تھی۔

جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، تو آپ ﷺ کا معمول تھا کہ نماز فجر کے بعد مسجد نبوی کے ستون ابولبابہ کے پاس تشریف لاتے، جہاں پہلے سے اصحاب صفہ، ضعفاء و مساکین، مؤلفۃ القلوب اور باہر سے آنے والے افراد حلقہ بنا کر بیٹھتے تھے۔ آپ ان کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے اور ان کی دلجوئی اور دل داری فرماتے، پھر کچھ دیر کے بعد اعیان و اشراف اور خوش حال لوگ آتے اور حلقہ میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے کھڑے رہتے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه (۱۰)
(آپ ان لوگوں کے ساتھ رہیے جو صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اور اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں)۔

اس درس گاہ میں مقامی طلبہ کے علاوہ بیرونی طلبہ بھی کثیر تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ ان کی حاضری ہنگامی اور وقتی ہوتی تھی، اور مقامی طلبہ مستقل طور سے حاضر رہتے تھے طلبہ کی تعداد کم و بیش ہوتی رہتی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اصحاب صفہ کی تعداد ۷۰ ہے (۱-۱۰)۔ جو اس درس گاہ کے ہمہ وقت طلباء تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ہم ساٹھ ساٹھ آدمی رسول اللہ کی مجلس میں رہا کرتے تھے، بعض اوقات ان کی تعداد بہت بڑھ جاتی تھی خاص طور سے بیرونی وفود کی آمد پر بہت اضافہ ہو جاتا تھا، وفد بحیلہ میں ۱۵۰، وفد نخع میں ۲۰۰ اور وفد مزینہ میں ۴۰۰ افراد تھے۔ اسی طرح دیگر وفود میں مختلف تعداد کے افراد ہوتے تھے اور ان کی آمد دین سیکھنے کے لیے تھی۔

حضرت عبادہ بن صامت کی رسول اللہ ﷺ نے صفہ میں ڈیوٹی لگائی کہ وہ لوگوں کو کتابت اور قرآن کی تعلیم دیں (۱۰-۲)۔ اصحاب صفہ میں ہر طبقہ کے افراد شریک ہوتے تھے، انصار، مہاجرین، مقامی، بیرونی، عجمی، بوڑھے، جوان، بچے سب ایک ساتھ بیٹھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سب کے احوال و ظروف، ذہن و مزاج اور زبان و لب و لہجہ کی رعایت رکھتے ہوئے تعلیم دیتے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ کی بات سب کے دل میں اتر جاتی تھی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا طریقہ تعلیم ان الفاظ میں بیان کیا ہے: **إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتَّى يَفْهَمَ عَنْهُ وَإِذَا أَتَى عَلَى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا (۱۱)** (جب آپ کوئی بات کہتے تھے تو تین بار دہراتے تھے تاکہ سمجھا جاسکے اور جب کسی جماعت کے پاس جاتے تو ان کو تین بار سلام کرتے تھے)۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے: **إِنَّ النَّبِيَّ كَانَ إِذَا حَدَّثَ حَدِيثًا أَعَادَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ (۱۲)** (رسول اللہ ﷺ جب کوئی حدیث بیان کرتے تو اس کو تین مرتبہ دہراتے تھے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے طریقہ تدریس یوں بیان کرتی ہیں: **إِنَّ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ لِيُحَدِّثَ الْحَدِيثَ لَوْ شَاءَ الْعَادَانِ يَحْصِيهِ أَحْصَاهُ (۱۳)** (رسول اللہ ﷺ اس طرح حدیث بیان کرتے تھے اگر شمار کرنے والا چاہتا تو شمار کر لیتا)۔ آپ ہر جملہ تین بار دہراتے اور پھر

ٹھہر کر حدیث بیان کرتے۔ اس سے سامعین کے دل میں بات بیٹھ جاتی تھی اور یاد کرنے والے یاد کر لیتے اور لکھنے والے لکھ لیتے تھے۔

۲۔ درس گاہ حضرت سعید بن مسیب (م ۹۲ھ):

سید التابعین حضرت سعید بن مسیب کی علمی جلالت کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر جیسے جلیل القدر صحابی ان سے اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اقوال و آراء معلوم کرتے تھے۔ انہوں نے اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔ ان کی مجلس درس مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی۔ ایک دفعہ عبدالملک بن مروان مدینہ آیا اور قاصد کو حکم دیا کہ مسجد نبوی سے کسی عالم کو بلا لاؤ۔ اس نے آ کر سعید بن مسیب سے کہا کہ امیر المؤمنین یاد کر رہے ہیں۔ اس وقت وہ اپنے حلقہ میں درس دے رہے تھے۔ جانے سے صاف انکار کر دیا۔ خلیفہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے کہا کہ یہ سعید بن مسیب ہے ان سے تعرض نہ کرو (۱۴)۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کے حق میں لوگوں سے بیعت لی، مگر سعید بن مسیب نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر امیر مدینہ ہشام بن اسماعیل مخزومی نے ان کو ساٹھ درے رسید کرائے اور بازار میں گشت کرایا (۱۵)۔ اس زمانہ میں سعید بن مسیب اپنی مجلس میں تنہا بیٹھتے تھے کیونکہ لوگوں کو ان کی مجلس میں جانے سے منع کر دیا گیا تھا۔ حادثہ ۶۳ھ کے بعد بھی انہوں نے مسجد نبوی کو نہیں چھوڑا (۱۶)۔

۳۔ درس گاہ حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر (م ۱۰۷ھ):

قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق مدنی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے ہیں۔ انہوں نے اجلہ صحابہ و تابعین سے علم حاصل کیا۔ اپنی پھوپھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔ فقہائے سبعہ میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ان کی مجلس درس مسجد نبوی میں روضہ شریفہ اور منبر کے درمیان خونہ عمر کے پاس منعقد ہوتی تھی (۱۷)۔ اس مجلس میں حضرت قاسم بن محمد اپنے تلامذہ کے ساتھ عشاء کے بعد حدیث کا درس دیتے تھے۔ عن القاسم بن محمد انه كان يتحدث بعد العشاء الآخرة هو وأصحابه (۱۸) (قاسم بن محمد اور ان کے تلامذہ عشاء کے بعد حدیث پڑھتے پڑھاتے تھے)۔

عبدالرحمن نے اپنے والد (قاسم بن محمد بن ابی بکر) سعید بن مسیب، سالم بن عبداللہ بن عمر، نافع مولیٰ ابن عمر، عبداللہ بن عبداللہ بن عمر وغیرہ سے روایت کی ہے۔ اہل علم میں ان کی بڑی قدر و قیمت تھی۔ سفیان بن عیینہ نے ان کو اپنے زمانہ میں علم و فضل میں سب سے اعلیٰ بتایا ہے۔

۴۔ درس گاہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (م ۹۴ھ):

حضرت عروہ بن زبیر بن عوام کا خاندان ابتدائے اسلام ہی سے علم و فضل اور مجد و شرف میں مشہور تھا۔ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عروہ جب کوئی حدیث بیان کرتے ہیں، اور بعد میں عمرہ بنت عبدالرحمن جب اسی حدیث کو بیان کرتی ہیں تو ان کی حدیث کی تصدیق عروہ کی حدیث کرتی ہے۔ عروہ کو میں نے بحر بے کنار پایا۔ عروہ، عمرہ اور قاسم تینوں حضرات عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔ روزانہ رات کو نفل نماز میں چوتھائی قرآن پڑھتے تھے۔ اس میں فرق نہیں ہوتا تھا، البتہ جس دن ان کا پاؤں پھوڑے کی وجہ سے کاٹا گیا اس رات کا ناغہ ہو گیا تھا (۱۹)۔

۵۔ درس گاہ حضرت ربیعہ الرائی (م ۱۳۶ھ):

ربیعہ بن ابو عبدالرحمن فروخ تیمی، مولیٰ آل منکر ربیعہ الرائی کے لقب سے مشہور ہیں۔ امام ربیعہ الرائی کا حلقہ درس مسجد نبوی میں قائم تھا۔ جس میں اعیان و اشراف کثیر تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: وہو صاحب الفتوی بالمدينة کان یجلس الیہ وجوہ الناس وبہ تفقہ مالک (۲۰) (وہ مدینہ کے محدث تھے ان کی مجلس میں اعیان و اشراف بیٹھے تھے اور امام مالک نے ان ہی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی ہے)۔

۶۔ درس گاہ حضرت اسلم عدوی رحمہ اللہ:

حضرت اسلم عدوی کی وفات ۱۶۰ھ اور ۱۷۰ھ کے درمیان ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا ہے۔ انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے حدیث کی روایت کی ہے۔ اسلم عدوی نے درس میں ایک حدیث بیان کی، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ ابو اسامہ یہ حدیث کس راوی کی ہے انہوں نے جواب دیا: یا انخی اما کنا نجالس السفهاء (بھائی! ہم بیوقوفوں

کے پاس نہیں بیٹھتے ہیں)۔

اسلم عدوی رحمہ اللہ کے حلقہ درس میں نامی گرامی اہل علم و فضل شریک ہوتے تھے۔ ان ہی میں امام زین العابدین رحمہ اللہ علی بن حسین بھی تھے، جو بظاہر ان کے علم و فضل اور حسب و نسب کے خلاف معلوم ہوتا تھا، اس پر ایک قریشی نے ان سے کہا کہ آپ اہل قریش کی مجلس چھوڑ کر بنی عدی (کے غلام) کی مجلس میں بیٹھتے ہیں؟ امام زین العابدین نے جواب دیا کہ انسان کو جہاں سے نفع پہنچتا ہے وہیں بیٹھتا ہے (۲۱)۔ حضرت اسلم عدوی کے بعد ان کی مسند پر ان کے صاحبزادے زید بن اسلم عدوی بیٹھے وہ تفسیر اور حدیث کے مشہور عالم تھے۔ والد کی طرح ان کی مجلس درس بھی مسجد نبوی میں بڑی پروقار ہوتی تھی۔ امام ذہبی لکھتے ہیں: وکان لہ حلقة العلم بمسجد النبی ﷺ (۲۲)۔

زید بن اسلم کے زہد و تقویٰ اور علم و فضل کا رعب مجلس پر چھایا رہتا تھا۔ ابن عجلان کا بیان ہے: ما ہبْتُ احداً قط ہیبتی زید بن اسلم (۲۳) (میں جتنا زید بن اسلم سے ڈرتا تھا کسی عالم سے نہیں ڈرتا تھا)۔

۷۔ درس گاہ حضرت عمرہ رحمہ اللہ بنت عبدالرحمن انصاریہ (م ۹۸ھ):

حضرت عمرہ رحمہ اللہ بنت عبدالرحمن بن اسعد بن زرارہ نجاریہ انصاریہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آغوش حدیث کی پروردہ اور ان کے علم کی جامع ترجمان ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ان سے حدیث کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے اور کہتے تھے: ما بقی احد اعلم بحديث عائشة منها یعنی عمرہ وکان عمر یسألها (۲۴) (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث کے بارے میں عمرہ سے بڑا کوئی عالم باقی نہیں رہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ سے پوچھتے تھے)۔

علی بن عبداللہ کہتے ہیں: ”عمرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث کے ثقات علماء میں سے ہیں“۔ اجتہاد صحیح میں بڑی شہرت رکھتی تھیں۔

۸۔ جامعہ اسلامیہ مدنیہ منورہ:

جامعہ اسلامیہ دور حاضر میں علم حدیث کا بہت بڑا مرکز ہے۔ یہ ۱۹۶۱ء میں قائم ہوئی اس

کے موجودہ وائس چانسلر ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن عبدالرحمن العبود ہیں۔ اس جامعہ میں شیخ عبدالعزیز بن باز، شیخ ناصر الدین البانی، شیخ ربیع بن ہادی اور شیخ حماد الانصاری اور مولانا عبدالغفار حسن جیسے شیوخ الحدیث پڑھاتے رہے ہیں۔ اس یونیورسٹی کے فارغ التحصیل دنیا کے بہت سے ممالک میں تبلیغ اور تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔



مدینہ کے محدثین

مدینہ منورہ کے علمی انحطاط کا زمانہ امام ابن ماجہ کا زمانہ تھا۔ تاہم ابھی تک وہ محدثین سے خالی نہیں ہوا تھا۔ امام مالک اور ان کے معاصر علماء کے تلامذہ علم کی آخری بہار دکھا رہے تھے۔ اس وقت کے مشہور محدثین میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہیں:

- ۱- حافظ ابو مصعب زہری (م ۲۹۲ھ)۔
 - ۲- حافظ ابراہیم بن المنذر۔
 - ۳- حافظ اسحاق بن موسیٰ الانصاری۔
 - ۴- بکر بن عبد الوہاب المدنی خواہر زادہ واقدی (م ۲۵۰ھ)۔
 - ۵- حسن بن داود ابو محمد المدنی المنکدری (م ۲۳۷ھ)۔
 - ۶- محمد بن عبید بن میمون المدنی الثبانی۔
- اب ہم ان میں سے چند مشہور محدثین کے مختصر تعارف قلم بند کرتے ہیں:
- ۱- حافظ ابو مصعب زہری (م ۲۹۲ھ):

حافظ ابو مصعب زہری احمد بن ابی بکر العوفی المدنی۔ حافظ ذہبی ”تذکرۃ الحفاظ“ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں: احد الاثبات وشیخ اهل المدينة وقاضیہم ومحدثہم (۲۵)۔

امام مالک کے شاگرد ہیں۔ اور مؤطا کے آخری راویوں میں سے ہیں۔ ابن حزم نے تصریح کی ہے کہ ان کے نسخہ مؤطا میں دیگر نسخوں کی بہ نسبت سو حدیثیں زیادہ ہیں۔ بجز نسائی کے سب مصنفین صحاح ستہ کو آپ سے براہ راست تلمذ حاصل ہے۔ ۱۵۰ء میں پیدا ہوئے اور بانوے سال کی عمر میں جب آپ مدینہ منورہ میں عہدہ قضا پر فائز تھے ۲۹۲ھ میں وفات پائی (۲۶)۔

- ۲- حافظ ابراہیم بن المنذر (م ۲۳۶ھ):

ابو اسحاق ابراہیم بن المنذر الحزامی الاسدی المدنی مدینہ منورہ کے کبار محدثین میں سے

ہیں امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں مدینہ منورہ کے تمام شیوخ میں سے سب سے زیادہ حدیثیں ان سے روایت کی ہیں۔ حافظ ذہبی نے ان کو الامام المحدث الثقة لکھا ہے۔ امام بخاری بھی ان کے شاگرد تھے۔ محرم ۲۳۶ھ میں وفات پائی (۲۷)۔

۳۔ حافظ ابو موسیٰ اسحاق بن موسیٰ الانصاری المدینی (م ۲۳۳ھ):

حافظ ذہبی نے ”تذکرۃ الحفاظ“ میں ان کا ترجمہ ”الفقیہ الحافظ الثبت“ (۲۸)۔

جیسے شاندار اوصاف کے ساتھ شروع کیا ہے۔ حدیث میں یہ سفیان بن عیینہ، عبدالسلام بن حرب اور معن بن عیسیٰ کے شاگرد ہیں اور ان سے امام مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ کو تلمذ حاصل ہے۔ واضح رہے کہ امام ترمذی جہاں اپنی جامع میں ”حدثنا انصاری“ کہتے ہیں یہی مراد ہوتے ہیں۔ ابو حاتم رازی، امام نسائی اور خطیب بغدادی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: کان من ائمة الحديث صاحب سنة (۲۹) (وہ حدیث کے اماموں میں سے تھے اور صاحب سنت تھے)۔ ۲۳۳ھ میں دمشق سے لوٹے ہوئے بمقام جوسیہ جو حمص کا ایک حصہ ہے وفات پائی (۳۰)۔

الریاض:

سعودی عرب کا دار الحکومت ہے۔ یہاں دو جامعات مشہور ہیں۔ جامعہ امام محمد بن سعود اور جامعہ ملک سعود۔ جامعہ امام محمد بن سعود اسلامی علوم کے حوالے سے مشہور ہے ۱۹۷۲ء میں اسے یونیورسٹی کا درجہ حاصل ہوا اس کے موجودہ وائس چانسلر ڈاکٹر محمد بن سعد السالم ہیں۔ ڈاکٹر عبداللہ عبدالحسن ترکی کافی عرصہ تک اس کے وائس چانسلر رہے، انہوں نے ہزاروں کے لحاظ سے دینی کتب طبع کرائیں۔ اب بھی اس جامعہ میں بہت سی کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ معروف پروفیسر ڈاکٹر فضل الہی صاحب اس یونیورسٹی میں کافی عرصہ رہے ہیں جن کی بہت سی کتابیں ہیں۔ آج کل انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں حدیث کے پروفیسر ہیں۔ اسی یونیورسٹی میں ڈاکٹر محمود میرہ، ڈاکٹر عبدالفتاح ابو غدہ، ڈاکٹر محمود طحان اور ڈاکٹر صلاح الدین ادلی جیسے معروف محدث تدریس حدیث کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔

دوسری یونیورسٹی جامعہ ملک سعود ہے یہ ۱۹۵۷ء میں قائم ہوئی۔ اس کے موجودہ وائس چانسلر ڈاکٹر عبداللہ بن محمد الفیصل ہیں۔ اس یونیورسٹی میں جدید علوم کی تعلیم زیادہ ہے لیکن اس جامعہ

میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی پڑھاتے رہے ہیں۔ انہوں نے کیمبرج یونیورسٹی میں (STUDIES IN EARLY HADITH LITERATURE) کے عنوان پر پی ایچ ڈی کی۔ جو شائع ہو چکی ہے۔ ان کی اس کتاب کا عربی میں ترجمہ ”الدراسات فی الحدیث النبوی“ کے نام سے کیا گیا ہے۔ جسے اسی جامعہ نے ۱۹۷۸ء میں شائع کیا ہے۔ دونوں کتب بندہ کے پاس موجود ہیں۔



کوفہ کے مراکز حدیث

۱۔ کوفہ میں درس حدیث:

وہ عظیم الشان اسلامی شہر جو صدیوں تک علوم اسلامیہ کا دارالعلوم بنا رہا۔ جو عہد مرتضوی سے لے کر بغداد کی تعمیر ہونے تک وسعت علم اور کثرت حدیث میں تمام بلاد اسلامیہ میں ممتاز تھا۔ جس کو علامہ نووی دارالفضل والفضلاء بتاتے ہیں (۳۱)۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شہر کو اپنا دار الخلافہ قرار دیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: کان اغلب قضایاہ بالكوفة (۳۲) (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیشتر فیصلے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے مطابق ہوتے تھے کوفہ میں صادر ہوئے)۔ اور حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ”بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا علم اور آپ کی فقہ کوفہ میں اسی قدر ظاہر ہوئی جتنا کہ آپ نے اپنی مدت خلافت کوفہ میں ان کے یہاں قیام فرمایا (۳۳)۔“

امام ابن تیمیہ کی تصریحات اس بارے میں حسب ذیل ہیں: وانما کان غالب علمہ فی الکوفة ومع هذا فاهل الکوفة کانوا یعلمون القرآن والسنة قبل ان يتولى عثمان فضلاً عن علی (۳۴) (اور بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیشتر علم کوفہ ہی میں رہا۔ تاہم اہل کوفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وقت تو کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے سے بھی بیشتر قرآن و سنت کا علم رکھتے تھے)۔

چوبیس بدری صحابہ اور ایک ہزار پچاس دیگر صحابہ کرام کوفہ میں آ کر فردش ہوئے تھے (۳۵)۔ صحابہ کی اس کثرت کے باوجود علماء کوفہ کے شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ برابر مدینہ طیبہ کا سفر کیا کرتے اور وہاں کے اکابر صحابہ کے فیض علمی سے متمتع ہوتے رہتے تھے۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ”ابو عبد الرحمن سلمیٰ اور دیگر علماء کوفہ جیسے کہ علقمہ رضی اللہ عنہ، اسود بن حارث لیشی رضی اللہ عنہ، زر بن حبیش، کہ جس کے پاس عاصم بن ابی النخود نے قرآن پاک کی قرأت کی ہے۔ ان سب لوگوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن پاک سیکھا نیز یہ لوگ مدینہ طیبہ جا کر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے علم کی حاصل کیا کرتے تھے بلکہ ان حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جتنا علم اخذ کیا اتنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہیں کیا۔ اور کوفہ کے قاضی شریح نے فقہ کی تعلیم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل سے یمن میں حاصل کی تھی“ (۳۶)۔

تمام بلاد اسلامیہ میں یہ خصوصیت صرف کوفین کو ہے کہ طبقات کی پوری ایک ضخیم جلد صرف انہیں کے تراجم پر مشتمل ہے۔ اس سے کوفہ کی علمی منزلت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

قراء سبعہ (عبداللہ بن کثیر، نافع، ابن عامر، ابو عمرو، عاصم، کسائی، حمزہ) میں سے عاصم، حمزہ اور کسائی تینوں کوئی ہیں۔ سعید بن جبیر جن کو قنادہ تمام تابعین میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم مانتے تھے وہ اسی کوفہ کے رہنے والے تھے۔ تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو علامہ ابن تیمیہ نے ”اعلم الناس بالتفسیر“ لکھا ہے۔ وہ بھی کوئی تھے۔

حدیث کی نشر و اشاعت کا وہاں یہ عالم تھا کہ حافظ ابو محمد عبدالرحمن بن حسن بن خلاد الراہر مزی ”المحدث الفاصل بین الراوی والواعی“ میں محدث بغداد حافظ عفان بن مسلم سے سنداً نقل کرتے ہیں اور حافظ عراقی نے بھی ”شرح الفیہ“ میں عفان کا یہ بیان نقل کیا ہے: حدثنا عبداللہ بن أحمد بن معدان حدثنا مذکور بن سلیمان الواسطی قال سمعت عفان يقول، وسمع قوما يقولون نسخنا كتب فلان ونسخنا كتب فلان، فسمعته يقول نرى هذا الغرب من الناس لا يفلحون. كناناتي هذا فنسمع منه ما ليس عنه هذا ونسمع من هذا ما ليس عند هذا. فقدمنا الكوفة فاقمنا أربعة أشهر، ولو أردنا أن نكتب مائة ألف حديث لكتبناها، فما كتبنا إلا قدر خمسين ألف حديث، وما رضينا من أحد إلا بالإملاء إلا شريكاً، فانه أبى علينا، وما رأينا بالكوفة لحانا فجوراً (۳۷) (انہوں نے کچھ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ فلاں فلاں کی کتابیں نقل کر چکے ہیں۔ اس پر فرمانے لگے کہ ہماری رائے میں اس قسم کے لوگ کامیاب نہیں ہوا کرتے ہمارا تو یہ دستور تھا کہ جب اس استاد کے پاس آتے تو اس سے وہ روایتیں سنتے جو دوسرے استاد کے پاس نہ ہوتیں اور اس استاد سے وہ سنتے جو دوسرے استاد کے پاس نہ ہوتیں۔ چنانچہ جب ہم کوفہ آئے تو چار ماہ تک قیام کیا اور اگر ہم چاہتے کہ ایک لاکھ حدیثیں لکھ لیں تو لکھ سکتے تھے۔ لیکن ہم نے صرف پچاس ہزار حدیثیں ہی لکھیں۔ پھر کسی سے املاء کے علاوہ راضی نہ ہوئے۔ سوائے شریک کے کہ انہوں نے ہم سے انکار کر دیا۔ اور ہم نے کوفہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا کہ وہ عربیت میں غلطی کرے اور اس کو روار کھے)۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس شہر کی کثرت حدیث کا کہ جہاں عفان جیسا حافظ

حدیث چار ماہ میں پچاس ہزار احادیث لکھ لے (کہ جو مسند احمد جیسی ضخیم کتاب کی روایات سے بھی تعداد میں کہیں زیادہ ہو) اور حافظ ابی بکر بن ابی داؤد ایک ہی شیخ سے لکھ لیں۔ وہاں حدیث و سنت کی اشاعت کا کیا عالم ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل سے جب ان کے صاحبزادے عبداللہ نے دریافت کیا کہ آپ کی رائے میں طالب علم کو کیا کرنا چاہیے۔ آیا ایک ہی صاحب علم کی خدمت میں برابر حاضر رہ کر اسی سے حدیثیں لکھتا رہے یا ان مقامات کا رخ کرے کہ جہاں علم کا چرچا ہے اور وہاں جا کر علماء سے حدیثیں لکھنی چاہیے۔ اور ان علماء میں سب سے پہلے امام موصوف نے کوفیین ہی کا ذکر کیا۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں: یرحل ویکتب عن الکوفیین والبصریین واهل المدینة ومكة.

امام بخاری نے طلب حدیث میں بخارا سے لیکر مصر تک تمام اسلامی شہروں کا سفر کیا تھا۔ دو دفعہ جزیرہ گئے۔ چار دفعہ بصرہ جانا ہوا چھ سال تک حجاز میں مقیم رہے۔ مگر اس کے باوجود کوفہ اور بغداد کی وہ اہمیت تھی کہ فرماتے ہیں: لا احصى کم دخلت الی الکوفة وبغداد مع المحدثین (۳۸) (میں شمار بھی نہیں کر سکتا کہ کوفہ اور بغداد میں مجھے محدثین کے ساتھ کتنی بار جانا پڑا)۔

عربیت اور نحو کی تدوین بھی کوفہ اور بصرہ ان ہی دو شہروں میں ہوئی ہے۔ چنانچہ لغت اور نحو کی کتابوں میں بجز ان دو مقامات کے عام طور پر اور کسی جگہ کے علماء کا اختلاف ذکر نہیں کیا جاتا۔ امام ذہبی کا بیان ہے: وما زال العلم بها متوافرا الی زمان ابن عقده (اور ابن عقده کے زمانے تک برابر وہاں کی وسعت ہی چلی آئی)۔

حافظ مصر ابن عقده کی وفات ۳۳۲ھ میں ہوئی ہے۔ اس حساب سے کوفہ تقریباً متواتر تین سو سال تک حدیث کا مرجع علم رہا ہے۔ امام ابن ماجہ نے جس زمانہ میں کوفہ کا سفر کیا ہے اس کی علمی رونق بدستور قائم تھی اور یہ محدثین و حفاظ حدیث سے بھرا ہوا تھا۔

۲۔ درس گاہ حضرت عاتقہ بن قیس کوفی (م ۶۲ھ):

حضرت عاتقہ بن قیس نخعی کوفی رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے ماموں اور حضرت اسود نخعی رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں۔ تابعین کے طبقہ کبار میں بلند ترین مقام رکھتے ہیں اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کے شاگرد خاص ان کے علم کے ناشر اور ان کی زندگی کا پرتو ہیں۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کی۔

قاموس بن ابوظبیاں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر علقمہ رحمہ اللہ کی مجلس میں کیوں جاتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے کہ وہ علقمہ سے استفادہ اور سوالات کرتے ہیں (۳۹)۔

۳۔ درس گاہ حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ (م ۱۰۲ھ):

حضرت عامر بن شراحیل رحمہ اللہ شعبی کو فی یمن کے شاہی خاندان حمیر سے ہیں۔ ان کا شمار قبیلہ ہمدان میں ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیدا ہوئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے پانچ سو صحابہ کو پایا ہے۔ بہت سے اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیث کی روایت کی ہے۔ اور مختار ثقفی کے خوف سے آٹھ یا دس ماہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں مقیم رہا ہوں۔

عاصم احوال کہتے ہیں: ”کہ اہل کوفہ، اہل بصرہ اور اہل حجاز کی حدیث کا شعبی سے بڑا عالم میں نے نہیں دیکھا (۴۰)۔“ خود شعبی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ بیس سال سے جب میں کسی کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنتا ہوں تو میں اس حدیث کے بارے میں اس شخص سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔ امام شعبی رحمہ اللہ حدیث کے الفاظ و عبارات سے زیادہ اس کے معنی کو بیان کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ تم لوگ مجھ سے جو کچھ سنو لکھ لو چاہے دیوار پر ہی کیوں نہ ہو۔

مکحول شامی کہتے ہیں: کہ شعبی سمت ماضیہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ عجل کا بیان ہے کہ: شعبی نے اڑتالیس صحابہ سے حدیث سنی ہے۔ شعبی کہتے ہیں کہ سلف صالحین کثرت سے حدیثیں بیان کرنے کو ناپسند کیا کرتے تھے۔ اگر میری زندگی کے دن لوٹ آئیں تو میں وہی حدیث بیان کرتا جس پر محدثین متفق ہیں۔ شعبی ظریف الطبع انسان تھے۔ ۱۰۲ھ میں فوت ہوئے (۴۱)۔



کوفہ کے محدثین

کوفہ کے چند مشہور محدثین درج ذیل ہیں:

۱۔ حافظ ابو بکر ابن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ):

عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان العباسی الکوفی حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ ابو بکر بن ابی شیبہ، الحافظ عدیم النظر، الثبت التحریر بہت بڑے نامور محدث تھے (۲۲)۔ مصنفین صحاح ستہ میں سے امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ ان کے خاص شاگرد تھے (۲۳)۔ چنانچہ صحیح بخاری میں تیس اور صحیح مسلم میں ایک ہزار پانچ سو حدیثیں ان کی سند سے مروی ہیں (۲۴)۔

عمرو بن علی فلاس کا بیان ہے: ”ان سے بڑا حافظ حدیث ہماری نظر سے نہیں گزرا“ (۲۵) محرم ۲۳۵ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن میں ”المسند“ اور ”المصنف“ زیادہ مشہور ہیں۔

۲۔ شیخ الاسلام انج (م ۲۵۷ھ):

ان کا نام عبداللہ اور کنیت ابوسعید ہے۔ یہ وہی ہیں جن سے ابو بکر بن ابی داؤد نے ایک ماہ میں تیس ہزار حدیثیں لکھی تھیں۔ امام ابن ماجہ نے بھی ان سے بکثرت روایتیں کی ہیں۔ تمام ارباب صحاح ستہ فن حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔

محمد بن احمد بن بلال کا بیان ہے کہ ”میں نے ان سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا“۔ ربیع الاول ۲۵۷ھ میں جب آپ کی عمر نوے سال سے متجاوز ہو چکی تھی انتقال فرمایا (۲۶)۔

۳۔ حافظ ابو کریم محمد بن العلاء (م ۲۴۸ھ):

ابو کریم محمد بن العلاء بن کریم کوفہ کے مشہور حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ تمام ارباب

صحاح ستہ ان کے شاگرد تھے۔

ابن عقدہ ان کو تمام مشائخ پر حفظ و کثرت حدیث میں مقدم رکھتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ ”میں نے ابو کریب سے تین لاکھ حدیثیں سنی ہیں (۴۷)۔ عراق میں ان سے زیادہ کثیر الحدیث کوئی نہیں۔ اور ہمارے شہر کی حدیثوں کا جاننے والا بھی ان سے زیادہ کوئی نہیں۔“

جمادی الاولیٰ (م ۲۲۸ھ) میں ستاسی سال کی عمر میں انتقال کیا (۴۸)۔

۲۔ شیخ الکوفہ ہناد (م ۲۲۳ھ):

ہناد بن سری حافظ حدیث کوفہ کے شیخ الحدیث اور زہد و تقویٰ میں نمونہ تھے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ذکر ان الفاظ سے کیا: ہناد بن سری بن مصعب الحفاظ القدوة الزاہد شیخ الکوفہ أبو السری التمیمی الدارمی المحدث (۴۹)۔

امام احمد سے سوال ہوا کہ کوفہ میں کس سے حدیثیں لکھی جائیں کہنے لگے ”علیکم بہناد“ (۵۰) (تم ہناد سے لکھو)۔ اکانوے سال کی عمر میں ربیع الآخر ۲۲۳ھ میں انتقال کیا (۵۱)۔



بصرہ کے مراکز حدیث

بصرہ میں درس حدیث:

وہ مشہور اسلامی شہر جو تیسری صدی ہجری تک علوم اسلامیہ کا گہوارہ خیال کیا جاتا تھا۔ اور جس کو وسعت علم و کثرت حدیث اور دیگر فضائل و کمالات کے لحاظ سے نہایت ممتاز مقام حاصل تھا۔ چنانچہ حافظ ابن حزم لکھتے ہیں: وهذا بغداد حاضرة الدنيا ومعدن كل فضيلة والمحلة التي سبق اهلها الى حمل الوية المعارف والتدقيق في تعريف العلوم ورقة الاخلاق والنباهة والذكاء ووحدة الافكار ونفاذ الخواطر، وهذه البصرة وهي عين المعمور في كل ما ذكرنا (۵۲) اور یہ بغداد جو دنیا کی بستی اور ہر فضیلت کی کان ہے۔ اور وہ مقام ہے کہ جہاں کے رہنے والے معارف کے پرچم بلند کرنے میں اور علوم میں دقت نظر، لطافت اخلاق، فطانت و ذکاوت، وحدت فکر اور ذہن کی رسائی میں سبقت لے گئے ہیں۔ اور یہ بصرہ جو ان تمام امور سے پوری طرح معمور تھا) (۵۳)۔

بصرہ مرکز علم تھا۔ ذہبی لکھتے ہیں: وما زال هذا الشأن وافرا الى رأس المائة الثالثة وتناقص جداً (یہ فن یعنی علم حدیث وہاں تیسری صدی کے شروع تک خوب رہا اور پھر بہت ہی گھٹ گیا)۔ بصرہ میں ایک دور ایسا گزرا ہے کہ محدثین کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ حافظ مسلم بن ابراہیم بصری کہتے ہیں: "کتبت عن ثمان مائة شيخ وما جزت الجسر" (۵۴) (میں نے آٹھ سو شیوخ سے حدیثیں لکھیں اور پل اتر کر نہیں گیا) (دجلہ کا پل مراد ہے جو بصرہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے)۔

بصرہ کے چند مشہور درس گاہ درج ذیل ہیں:

۱۔ درس گاہ حسن بصری (م ۱۱۰ھ):

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ (م ۱۱۰ھ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ میں پیدا

ہوئے۔ ان کی والدہ خیرہ رحمۃ اللہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قرآن حفظ کیا۔ وادی القریٰ میں نشوونما ہوئی (۵۵)۔

بصرہ میں آباد ہوئے۔ وہ علومِ دینیہ کے جامع عالم، فقیہ، محدث، عابد، زاہد، فصیح و بلیغ، خوبصورت، غازی و مجاہد اور اپنے زمانہ کے مشہور بہادر تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ کی امارت میں کابل، اندغان اور زابلستان کے جہاد میں شریک ہوئے (۵۶)۔ ان کے حلقہ نشینوں اور طالب علموں کی کثرت اور بھیڑ کا یہ حال تھا۔ اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو ان پر گرے جاتے تھے۔ اور وہ کہتے تھے کہ ان لوگوں کو ہٹاؤ دور کرو۔

حسن بصری جس دن کوئی جنازہ دیکھ لیتے تو حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔ احادیث کے بیان میں الفاظ سے زیادہ معانی پر نظر رکھتے تھے۔ جریر بن حازم کہتے ہیں: ”حسن ہم سے حدیث بیان کرتے تو ان کے الفاظ میں کمی، زیادتی ہوتی تھی مگر معنی ایک ہوتا تھا“ (۵۷)۔

علی بن زید کہتے ہیں: ”کہ میں نے حسن بصری سے ایک حدیث بیان کی جس کو انہوں نے بیان کیا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ حدیث آپ سے کس نے بیان کی ہے۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی تو میں نے کہا کہ یہ حدیث میں نے بیان کی تھی“۔ حسن بصری ایک دفعہ مکہ مکرمہ گئے۔ تو وہاں کے اہل علم نے ان کو تخت پر بٹھایا۔ اور علماء و محدثین کے سامنے انہوں نے حدیث بیان کی۔ اس مجلس میں مجاہد بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، طاؤس بن کیسان اور عمرو بن شعیب موجود تھے۔ اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ایسی مجلس ہم نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ان کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی (۵۸)۔

۲۔ درس گاہ حضرت محمد بن سیرین (م ۱۱۰ھ):

حضرت محمد بن سیرین بصری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے (۵۹)۔ سوار بن عبداللہ کا قول ہے کہ محمد بن سیرین اور حسن بن ابوالحسن دونوں بصرہ کے عربوں اور موالی کے سردار ہیں۔

ابن عون سے روایت ہے ”کہ وہ حدیث کو روایت باللفظ میں بیان کرتے تھے“ (۶۰)۔ ان کی مجلس درس کا حال اشعث بیان کرتے ہیں: ”جب ہم لوگ ان کے پاس بیٹھتے تھے۔ تو ہم سے حدیث بیان کرتے تھے۔ ہنستے تھے اور اخبار و احوال بیان کرتے تھے۔ اور جب حلال و حرام کے بارے میں ان سے سوال کیا جاتا تو ان کا رنگ بدل جاتا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابن سیرین نہیں رہ گئے“ (۶۱)۔

۳۔ درس گاہ حضرت ایوب سختیانی بصری (م ۱۳۱ھ):

حضرت ایوب بن ابوتیمہ کیسان سختیانی بصری عزہ یا جہنیہ کے غلام ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ ایوب سختیانی علمائے عالمین و خاشعین میں سب سے آگے ہیں۔ ان کے دل میں رسول ﷺ کی عظمت دیکھ کر میں نے ان سے حدیث لکھی ہے۔ حضرت ایوب سختیانی کا مستقل حلقہ درس بصرہ میں قائم ہوتا تھا۔ حماد بن زید کہتے ہیں: کان ایوب عندی أفضل من جالسته وأشد اتباعاً للسنة (۶۲) (میں جس اہل علم کی مجلس میں بیٹھا ہوں میرے نزدیک ان میں ایوب سب سے افضل اور اتباع سنت میں سب سے آگے تھے)۔

امام مالک کا بیان ہے کہ لوگ ایوب سختیانی کی مجلس میں حاضر باش رہتے۔ جب ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی جاتی تھی تو اس قدر روتے تھے کہ ہم لوگوں کو ان پر ترس آتا تھا (۶۳)۔

حماد بن زید کہتے ہیں: ”ہم لوگ ایوب سختیانی کی مجلس میں رہتے تھے اور اہل مجلس میں سے کوئی شخص ان کی موجودگی میں حدیث بیان کرتا تھا۔ اور ہم اس سے سن لیتے تھے مگر اس کے بارے میں ایوب سے دریافت نہیں کرتے تھے“۔ آپ کا شمار عظیم محدثین بصرہ میں ہوتا تھا (۶۴)۔

۴۔ درس گاہ حضرت عبداللہ بن عون بصری رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ):

حضرت عبداللہ بن عون ارطبان مزنی بصری نے مدینہ، مکہ، بصرہ، کوفہ اور شام کا سفر کر کے وہاں کے اہل علم سے استفادہ کیا تھا۔ ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ لوگ راستہ میں ان سے حدیث کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے۔ ابن عون کہتے تھے کہ لوگ مجھ سے اس قدر زیادہ حدیث کے متعلق سوال کیا کرتے تھے کہ میرا راستہ تنگ کر دیتے ہیں۔ اپنی ذاتی ضروریات کے لیے بھی مجھے نکلنا مشکل تھا (۶۵)۔ ان کے حلقہ نشینوں کے خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ ذرا حرکت کی تو پرندے اڑ جائیں گے (۶۶)۔

۵۔ درس گاہ حضرت قتادہ بن دعامہ بصری رحمہ اللہ (م ۱۱۸ھ):

حضرت قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری رحمہ اللہ مادر زاد نابینا تھے۔ جلیل القدر تابعی تھے۔ غضب کا حافظہ تھا۔ ایک دفعہ جابر بن عبداللہ کا صحیفہ احادیث سنا تو پورا یاد کر لیا تھا (۶۷)۔ قتادہ کی مجلس

درس و تحدیث بصرہ میں قائم ہوتی تھی۔ سلام بن مسکین کہتے ہیں کہ جب میں قتادہ سے سند کے بارے میں سوال کرتا تھا تو وہ ناراض ہو جاتے تھے۔ ایک دن میں نے ایک حدیث بیان کی تو انہوں نے کہا کہ یہ حدیث تم سے کس نے بیان کی ہے؟ میں نے سند بیان کر دی اس کے بعد وہ سند بیان کرنے لگے (۶۸)۔

بصرہ کے محدثین:

- ۱۔ احمد بن عبدہ بن موسیٰ۔
- ۲۔ احمد بن ثابت البصری (ت ۲۵۵ھ)۔
- ۳۔ اسمعیل بن بشر بن منصور السلیمی ابوبشر البصری (ت ۲۵۵ھ)۔
- ۴۔ اسحاق بن ابراہیم بن داؤد السواق البصری۔
- ۵۔ ایوب بن محمد بن ایوب الهاشمی البصری۔
- ۶۔ عبید اللہ بن یوسف الجبیری ابو حفص البصری۔
- ۷۔ عبد الوارث بن عبد الصمد العنبری البصری (ت ۲۵۲ھ)۔
- ۸۔ محمد بن ثعلبہ السدوسی البصری۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ بھی بصرہ میں سکونت گزریں تھے:

- ۱۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔
- ۲۔ عتبہ بن غزوہ رضی اللہ عنہ۔
- ۳۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ۔
- ۴۔ ابو ہریرہ سلمی رضی اللہ عنہ۔
- ۵۔ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ۔
- ۶۔ ابو بکرہ رضی اللہ عنہ۔
- ۷۔ عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ۔
- ۸۔ عبد اللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ۔
- ۹۔ جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہ (۶۹)۔



شام کے مراکز حدیث

شام، دمشق کا صدر مقام اور خلفاء بنی امیہ کا پایا تخت رہا ہے۔ شام کی سرزمین وہ مبارک سرزمین ہے۔ جہاں ایک زمانہ میں دس ہزار ایسے نفوس قدسی موجود تھے کہ جن کی آنکھیں حضور سرورِ عالم ﷺ کے دیدار فیض آثار سے منور ہو چکی تھیں۔

حافظ ابن عساکر (م ۵۷۱ھ) تاریخ دمشق میں ولید بن مسلم سے، جو امام اوزاعی کے نہایت نامور شاگرد تھے سنداً نقل کرتے ہیں: دخلت الشام عشرة الاف عين رأت رسول الله ﷺ (۷۰)۔ ملک شام میں دس ہزار اصحاب ایسے داخل ہوئے کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مسلمانانِ شام کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل اور عبادہ رضی اللہ عنہ بن الصامت جیسے اکابر کو بھیجا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ اپنی مشہور و معروف کتاب ”منہاج السنۃ النبویہ“ میں لکھتے ہیں: ”کان عمرو قد ارسل الى كل مصر من يعلمهم القرآن والسنة وارسل الى اهل الشام معاذ بن جبل وعبادة بن الصامت وغيرهما وارسل الى العراق ابن مسعود وحذيفة وغيرهما“ (۷۱) (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر شہر میں علماء کو بھیجا تا کہ وہاں کے لوگوں کو قرآن و سنت کی تعلیم دیں۔ چنانچہ اہل شام کی طرف حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبادہ بن صامت وغیرہ کو اور عراق کی طرف عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا)۔

فتن و ملاحم کی احادیث میں اہل شام کی خصوصیت سے شہرت ہے۔ چنانچہ حافظ ابوالقاسم بن عساکر فرماتے ہیں: الغالب علی اهل الشام احادیث الفتن والملاحم (۷۲) (اہل شام کی حدیثوں میں فتن و ملاحم کی احادیث غالب تھیں)۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ”دمشق بلاد شام میں سے ہے جو ایک وسیع مملکت ہے اور متعدد شہر قصبات اور دیہات پر مشتمل ہے۔ یہاں متعدد صحابہ آ کر فروکش ہوتے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور

ان کے بعد خلیفہ عبدالملک اور اس کی اولاد کے زمانہ میں یہاں علم کی کثرت رہی اور تابعین اور تبع تابعین کے عہد میں فقہاء محدثین اور قراء برابر ہوتے رہے۔ اور ایسا ہی ان کے شاگردوں کا سلسلہ چلتا رہا۔

امام ذہبی لکھتے ہیں: وہی دار قرآن و حدیث وفقہ و تناقص بہا العلم فی المائة الرابعة والخامسة (یہ قرآن، حدیث اور فقہ کا گھر ہے اور چوتھی اور پانچویں صدی میں یہاں علم کم ہو گیا)۔

۱۔ دار الحدیث الاشرفیہ:

یہ دمشق کے بڑے مراکز میں سے شمار ہوتا ہے جس کی تاسیس ۶۲۶ ہجری کو ہوئی۔ یہ امیر صارم الدین قایماز کا گھر تھا۔ اسے بادشاہ اشرف نے خرید کر دار الحدیث بنادیا۔ اسی کی نسبت سے دار الحدیث اشرفیہ مشہور ہوا۔ ملک اشرف نے دار الحدیث کے ملازمین، طلباء اور شیوخ الحدیث کے وظائف (تنخواہ) مقرر کیے۔ دار الحدیث کے مشہور محدثین میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ الشیخ عبداللہ بن مروان بن عبداللہ الفاروقی (م ۷۰۳ھ)۔

۲۔ الشیخ محمد بن ابی العز بن مشرف بن بیان الانصاری (م ۷۰۷ھ)۔

۳۔ امام محمد بن عمر بن مکی بن عبدالصمد (م ۷۱۶ھ)۔

۴۔ ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر (م ۷۷۴ھ)۔

۵۔ ولی الدین ابوذر عبداللہ السبکی (م ۷۸۵ھ)۔

یہ تاتاریوں کے حملے تک حدیث الرسول کی تعلیم و تعلم کا مرکز رہا جب تاتاریوں نے دمشق پر حملہ کیا تو شہر کے ساتھ دار الحدیث کی بھی انہوں نے توڑ پھوڑ کی اور جو سامان اس میں تھا وہ ساتھ لے گئے۔ باقی چیزوں کو جلا دیا اور اس کے آس پاس کے دار الحدیث نوریہ، عادلیہ صغری سمیت دوسرے مدارس کو بھی جلا دیا۔ اسے شیخ یوسف بیانی نے دوبارہ تعمیر کیا اور محدث کبیر شیخ بدر الدین الحسنی نے درس حدیث شروع کیا گیا ۱۳۳۰ھ میں اسے ایک بار پھر جلا دیا گیا (۷۳)۔

۲۔ دار الحدیث الناصریہ:

یہ یہودیوں کا ایک کنیہ تھا ”جو کنیہ مشقال“ کے نام سے معروف تھا۔ قاضی القضاہ کمال الدین کے ایماء پر ان سے لے کر مسلمانوں کے مال فنی میں شامل کیا گیا۔ پھر اس میں دینی تعلیم شروع

ہوئی اور ناصریہ کے حکمران سے درخواست کی گئی کہ اس کی عمارت تعمیر کرائے تو انہوں نے اس کی اجازت دے دی۔ اس دارالحدیث میں جملہ کتب احادیث، تفسیر القرآن، اصول حدیث اور دیگر علوم بھی پڑھائے جاتے تھے۔ اور محمد راغب الطباخ کے مطابق ”جامع الحیات“ کے نام سے اب بھی مشہور ہے (۷۴)۔

۳۔ درس گاہ حضرت یزید بن ابو مالک ہمدانی (م ۱۳۰ھ):

حضرت یزید بن عبدالرحمن بن ابو مالک ہمدانی دمشقی نے اپنے والد عبدالرحمان بن ابو مالک سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔ دمشق کے قاضی اور نہایت ثقہ محدث تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے: ولہ احادیث (۷۵)۔ آپ کوفہ میں درس حدیث دیتے تھے۔ آپ ۷۲ سال زندہ رہے۔

محدثین شام:

شام کے محدثین میں ہشام اور دحیم دونوں مور محدث ہیں۔ امام ابن ماجہ جب دمشق آئے اس وقت ان کے درس کا شہرہ تھا۔ امام موصوف نے ان سے بکثرت احادیث روایت کیں۔

حافظ عبدالرحمن بن ابراہیم دحیم (م ۲۲۵ھ):

عبدالرحمن بن ابراہیم بن عمرو بن میمون الاموی مولی آل عثمان ابوسعید الدمشقی القاضی المعروف بدحیم الحافظ ابن الیتیم۔ فقہ میں امام اوزاعی کے مذہب پر تھے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے: الحافظ الفقیہ الکبیر ابو سعید الاموی مولاہم الدمشقی الاوزاعی المذہب محدث الشام (۷۶)۔ بجز امام ترمذی کے تمام آئمہ صحاح ستہ ان کے شاگرد ہیں۔ طلب حدیث میں مصر، شام، حجاز، کوفہ اور بصرہ کا سفر کیا تھا۔

امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ دمشق میں اپنے زمانے میں ان کی نظیر نہ تھی۔ مصر میں قاضی القضاۃ کے منصب پر ان کی طلبی ہوئی تھی کہ پیام اجل آ گیا اور رمضان المبارک ۲۲۵ھ کو بمقام فلسطین انتقال فرمایا (۷۷)۔

ابوالولید السلمی ہشام بن عمار (م ۲۲۵ھ):

ہشام دمشقی کی جامع مسجد کے خطیب تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے بیس سال سے کسی

خطبہ کو دوبارہ نہیں پڑھا (۷۸)۔ یہ حدیث کے درس پر اجرت لیا کرتے تھے (۷۹)۔ آپ ۲۳۵ھ میں وفات پائی (۸۰)۔

صحیح بخاری میں ان سے چار احادیث مروی ہیں۔ دمشق میں ان کے علاوہ چند مشہور محدثین درج ذیل تھے:

- ۱۔ عمر بن ضحاک
- ۲۔ ہشام بن خالد (ت ۲۳۹ھ)
- ۳۔ احمد بن عبد اللہ بن میمون (ت ۲۴۶ھ)
- ۴۔ غیاث بن جعفر الشامی۔
- ۵۔ عثمان بن اسمعیل الدمشقی (۸۱)۔



مصر کے مراکز حدیث

مصر میں درس حدیث:

مصر کو حضرت عمرو بن العاص نے فتح کیا اس میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (م ۶۷ھ) تشریف لائے جو ابتداء سے ہی کاتب وحی رہے۔ یہاں تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک قدم آئے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مصر ایک عظیم شہر اور وسیع اقلیم ہے جو اضلاع شرقی و غربی اور صعید اعلیٰ اور صعید ادنیٰ پر مشتمل ہے اس کو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح کیا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک خلقت یہاں آ کر سکونت گزری ہوئی اور تابعین کے زمانہ میں یہاں علم کی کثرت رہی۔ پھر عمرو بن الحارث، یحییٰ بن ایوب، حیوۃ بن شریح، لیث بن سعد، ابن لہیعہ کے دور میں اور زیادتی ہوئی جو ابن وہب، شافعی، ابن القاسم اور ان کے تلامذہ تک باقی رہی۔“

ائمہ مجتہدین میں سے امام لیث بن سعد یہیں کے رہنے والے تھے جن کے متعلق امام شافعی فرماتے ہیں: اللیث افقہ من مالک ضیعہ اصحابہ (۸۲) (لیث، امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے لیکن ان کے تلامذہ نے انہیں ضائع کر دیا)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ ضائع کر دینے سے امام شافعی کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح امام مالک وغیرہ کی فقہ کی ان کے شاگردوں نے تدوین کی۔ امام لیث کے شاگردوں نے نہ کی۔ مصر کی چند مشہور درسگاہیں درج ذیل ہیں:

۱۔ درس گاہ حضرت یزید بن ابو حبیب مصری (م ۱۲۸ھ):

حضرت یزید بن ابو حبیب سوید ازدی مصری، مصر کے مفتی و محدث ہیں۔ ان کا حلقہ درس و افتاء مصر میں منعقد ہوتا تھا۔ جہاں سے علم دین کی اشاعت ہوئی۔ ابن سعد نے انہیں ثقہ اور کثیر الحدیث لکھا ہے (۸۳)۔

۲۔ درس گاہ حضرت لیث بن سعد مصری رحمہ اللہ (م ۱۷۵ھ):

حضرت لیث بن سعد بن عبدالرحمن فہمی مصری کا خاندان اصفہان کا تھا۔ اور مصر میں آباد ہوا۔ حضرت لیث بن سعد، حدیث وفقہ کے ساتھ عربیت، نحو، شعر کے بھی عالم تھے۔ ان کی مجلس درس میں ان علوم کا بھی چرچا رہتا تھا (۸۴)۔ یہ سعید مقبری رحمہ اللہ کی احادیث زیادہ صحیح طور پر بیان کرتے تھے۔ مقبری نے جو احادیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنی تھیں اور جو اپنے والد کی روایت سے سنی تھیں۔ لیث بن سعد ان سب میں فرق کیا کرتے تھے۔ اپنے تلامذہ سے کہتے تھے کہ میں نے عبید اللہ بن ابو جعفر سے براہ راست احادیث کا سماع نہیں کیا ہے۔ بلکہ یہ حدیثیں مناولہ کے طور پر ہیں۔ ایک دفعہ ان کے تلامذہ نے کہا کہ ہم آپ سے ایسی حدیثیں سنتے تھے جو آپ کی کتابوں میں نہیں تو کہا: ”کیا جو کچھ میرے سینے میں ہے میری کتابوں میں بھی ہے۔ اگر میں ان حدیثوں کو لکھوں تو ان کا بار اٹھانا مشکل ہو جائے۔“ ان کے غیر مصری طلبہ نے ان سے ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جو ان کے مصری طلبہ کے یہاں نہیں ہیں (۸۵)۔

۳۔ جامعۃ الازھر:

یہ یونیورسٹی اسلامی علوم کی قدیم درس گاہ ہے اور اسلامی دنیا کی میں ایک معروف مقام رکھتی ہے۔ شیخ الازھر کا بہت بڑا مقام ہے۔



محدثین مصر

چند مشہور محدثین مصر درج ذیل ہیں:

۱۔ حافظ ابن السرح رحمہ اللہ (م ۲۵۰ھ):

یہ حافظ حدیث ہونے کے ساتھ فقیہ بھی تھے۔ انہوں نے مؤطا کی شرح بھی تصنیف کی تھی۔ امام مسلم، امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں۔ امام ابن ماجہ نے ان سے بکثرت حدیثیں روایت کی ہیں۔ ذہبی لکھتے ہیں: کان من کبار العلماء۔ ابن یونس کہتے ہیں: کان فقیہا من الصالحین الاثبات۔ ذیقعدہ ۲۵۰ھ میں وفات پائی (۸۶)۔

۲۔ ربیع مرادی رحمہ اللہ (م ۲۷۰ھ):

۱۷۴ میں پیدا ہوئے۔ فسطاط کی ”جامع مسجد“ کے مؤذن تھے۔ امام شافعی کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں (۸۷)۔ اور علماء شافعیہ کے یہاں اس درجہ معتمد ہیں کہ اگر امام شافعی سے کسی فقہی مسئلہ کی نقل میں ان کے اور مزنی کے درمیان اختلاف ہو جائے تو باوجود مزنی کی جلالت شان کے ربیع کی روایت کو ترجیح ہوگی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کو ان سے حد درجہ محبت تھی کہ ایک بار ان سے فرمانے لگے ”ربیع رحمہ اللہ اگر علم کھلایا جاتا تو میں تمہیں کھلا دیتا“۔ آپ نے ۲۷۰ھ کو انتقال کیا (۸۸)۔

۳۔ محمد بن ریح رحمہ اللہ (م ۲۴۲ھ):

حدیث میں امام مسلم اور ابن ماجہ ان کے شاگرد ہیں۔ امام نسائی کا بیان ہے کہ: ”ان سے ایک حدیث میں بھی غلطی نہیں ہوئی“۔ ابن یونس نے ان کے بارے میں یہ الفاظ لکھے ہیں: ”ثقة ثبت فی الحدیث“ صحیح مسلم میں ان کی روایت سے ایک سوا کسٹھ حدیثیں منقول ہیں۔ اور سنن ابن ماجہ میں بھی ان سے بکثرت احادیث درج ہیں۔ ۲۴۲ھ میں وفات پائی (۸۹)۔

۴۔ یونس بن عبدالاعلیٰ حرثی (م ۲۶۴ھ):

فقہ کی تعلیم امام شافعی سے حاصل کی۔ حدیث میں امام مسلم، نسائی اور ابن ماجہ کو آپ سے تلمذ حاصل ہے۔ امام شافعی کا بیان ہے ”کہ مصر میں ان سے زیادہ عاقل میری نظروں سے نہیں گزرا“۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں تصریح کی ہے کہ سنن ابن ماجہ میں ان سے جو حدیث بروایت امام شافعی سے منقول ہے اور جس کے آخر میں لامہدی الاعیسیٰ بن مریم کے الفاظ مذکور ہیں وہ منکر ہے (۹۰)۔ ۲ ربیع الآخر ۲۶۴ھ کو وفات پائی۔

اس کے علاوہ چند محدثین مصریہ ہیں۔ عبداللہ بن محمد بن رحم بن المہاجر التیمی ابو سعید المصری (م ۲۰۰ھ)۔ عمرو بن سواد بن الاسود العامری السرمی ابو محمد المصری (ت ۲۲۵ھ)۔ محمد بن الحارث بن راشد بن طارق الاموی عمر بن عبدالعزیز ابو عبداللہ مؤذن جامع مسجد (م ۲۳۱ھ)۔ محمد بن سلمہ بن عبداللہ بن ابی فاطمہ المرادی الجملی مولاہم ابو الحارث المصری (م ۲۳۸ھ)۔



یمن کے مراکز حدیث

مراکز حدیث میں ایک نام یمن بھی ہے۔ اس علمی مرکز کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں تعلیم و تبلیغ کے لیے رسول اللہ نے خود حضرت علی، معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو بھیجا۔ انہوں نے وہاں کے لوگوں کو حدیث نبوی کی تعلیم سے متمتع فرمایا (۹۰-۱)۔

حضرت معاذ بن جبل خلافت ابو بکر صدیق تک وہاں رہے پھر شام تشریف لے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے یمن سے تعلق رکھنے والے صحابی حضرت ابو شاہ کو فتح مکہ کے دن اپنا خطبہ تحریر کروا کے عنایت فرمایا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے شاگرد حضرت ہمام بن منبہ کا تعلق بھی یمن سے تھا جن کا تیار کردہ صحیفہ آج ہمارے پاس ذخیرہ احادیث کے ابتدائی تحریری ماخذوں میں شمار ہوتا ہے۔ طاؤس بن کیسان، وہب بن منبہ اور یحییٰ بن ابوکثیر مرکز یمن کے نمایاں شیوخ میں سے ہیں۔ دیگر مراکز کی نسبت یمن کا حدیث کی نشر و اشاعت میں کم دخل ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ فتوحات میں شمولیت کے لیے اہل علم یہاں سے تشریف لے گئے جن میں سے اکثر نے بلاد شام کا رخ کیا (۹۰-۲)۔

قاسم بن خیمر کہتے ہیں کہ میں ابن عمر کی مجلس میں حاضر ہوا انہوں نے نہایت گرمجوشی سے میرا استقبال کیا اور اپنے پہلو میں بٹھا کر یہ آیت پڑھی ”من یرتد منکم عن دینہ فسوف یأتی اللہ بقوم“ (المائدہ (۵) ۵۴) جو آپ میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا۔ اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا واللہ! تم ہی اہل یمن سے ہوگی جو مرتدوں کا قلع قمع کرے گی۔ یہ بات بار بار کہتے رہے (۹۰-۳)۔



اندلس میں علم حدیث کا ارتقاء

(پہلی صدی ہجری سے چھٹی صدی ہجری تک)

موسیٰ بن نصیر کے اندلس پر حملہ اور غلبہ کے بعد جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہاں آمد و رفت شروع ہوئی تو اسی وقت علوم دینیہ کی درس و تدریس کا بھی آغاز ہو گیا۔ صحابہ میں منذر یا مدیر (بہ اختلاف روایت) اور تابعین میں موسیٰ بن نصیر فاتح، علی بن رباح، حنش بن عبداللہ الصنعانی یمنی ہیں۔ مؤخر الذکر پر تو اہل اندلس کو ناز تھا (۹۱)۔

قرآن پاک کی طرح علم حدیث بھی انہی فاتح علماء کے ساتھ اندلس میں داخل ہوا۔ چند ہی دنوں میں اس نے باقی علوم میں بہت اہم مقام حاصل کر لیا اور مسلم علماء کی توجہ نے اسے اوج ثریا تک پہنچا دیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ علم حدیث اسلامی شریعت کے لیے ایک بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے (۹۲)۔

بلاد مغرب اور اندلس امام مالک رحمہ اللہ بن انس کی فقہ کے مرکز سمجھے جاتے تھے۔ علم حدیث میں اہل اندلس کا اصلی مرجع ”موطا امام مالک“ تھا جسے درس و تدریس اور افتاء کی غرض سے وہ برابر مطالعہ میں رکھتے تھے۔ ان کا تعلق ان فقہاء سے تھا جو علم حدیث کو فقہ اسلامی کے لیے بنیادی مصدر مانتے تھے۔ چنانچہ اس عظیم کتاب اور اس کی طرف علماء کے کثرت میلان کے باعث اندلس میں امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک کو کافی فروغ ملا (۹۳)۔ البتہ اصطلاحی معنوں میں علم حدیث، مثلاً جرح و تعدیل، جمع روایات، اسباب و علل کی معرفت، اسماء الرجال، واجب العمل احادیث کی معرفت، نسخ و منسوخ کی حقیقت جمع احادیث اور دیگر مباحث سے تعرض، اہل اندلس کے یہاں غیر معروف تھا (۹۴)۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اندلس اس وقت محدثین سے خالی تھا۔ بلکہ اس زمانہ میں وہاں معاویہ بن صالح الحضرمی، داؤد بن جعفر الصغیر، حبیب بن الولید، صعصعہ بن السلام شامی اور غازی بن قیس القرطبی جیسے بلند پایہ محدثین موجود تھے۔ معاویہ بن صالح الحضرمی (م ۱۵۸ھ/ ۷۷۷ء) جو اندلس کے قاضی بھی تھے، ۱۲۳ھ/ ۷۴۰ء میں اندلس آئے۔ داؤد بن جعفر الصغیر جن کے بارے میں کہا جاتا ہے

انہوں نے اپنے ایک شاگرد کو تین ہزار احادیث املا کرائی تھیں، ابن الفرضی فرماتے ہیں کہ ان کا تعلق قرطبہ سے تھا، مالک بن انس اور سفیان بن عیینہ سے حدیث کی سماعت کی“ (۹۵)۔ حبیب بن الولید، صعصعہ بن سلام الشامی (م ۱۹۴ھ) جن کے متعلق ابن یونس کی رائے ہے کہ یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اندلس میں علم حدیث کی بنیاد رکھی (۹۶)۔ غازی ابن قیس القرطبی (م ۱۹۹ھ) (۹۷) جنہوں نے اہل اندلس کو عبدالرحمن بن معاویہ کے زمانہ (۱۳۸ھ/۱۷۴ھ) میں امام مالک کی موطا سے متعارف کرایا اور امام مدینہ مالک رحمہ اللہ بن انس سے بھی اخذ کیا تھا۔

یہ محدثین بہت کم تعداد میں تھے۔ ان کی کوئی منظم مجلس نہیں ہوا کرتی تھی اور نہ انہوں نے بعد والوں کے استفادہ کے لیے کوئی سرمایہ چھوڑا کیونکہ اہل مغرب اس وقت فقہی فروعات ہی میں زیادہ مشغول تھے۔ البتہ حدیث نبوی ﷺ کی طرف انہوں نے اس وقت توجہ مبذول کی جبکہ محمد رحمہ اللہ بن وضاح (م ۲۷۷ھ) اور قتی بن مخلد اپنے علمی سفر سے واپس آ گئے۔ چنانچہ ان دونوں محدثین سے قبل علم حدیث کسی مستقل فن کی حیثیت سے معروف نہیں تھا کہ جس کے اصول و ضوابط متعین ہوں۔ لوگ موطا امام مالک کے علاوہ کسی اور ماخذ سے واقف نہیں تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس علم کی طرف اس طرح توجہ نہیں دی جس طرح فقہ مالکی کی طرف دی۔ یہاں تک کہ قرعوس بن العباس جنہوں نے براہ راست امام مالک رحمہ اللہ سے سماعت حدیث کی وہ بھی فقہ مالکی ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ انہیں علم حدیث سے کوئی خاص شغف نہیں تھا (۹۸)۔

محمد رحمہ اللہ بن وضاح (م ۲۷۷ھ) وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم حدیث کو اس کے معروف معنی میں اندلس کی علمی زندگی میں داخل کیا۔ اسی لیے صحیح معنی میں پہلے محدث یہی سمجھے جاتے ہیں۔ حدیث سننے کی غرض سے لوگ ان کے پاس اکٹھا ہوتے تھے اور وہ اسناد کے ساتھ انہیں احادیث بیان کرتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے دو مرتبہ مشرق کا بھی سفر کیا (۹۹)۔ ان کے متعلق امام ذہبی کا خیال ہے کہ ۱۹۹ھ یا ۲۰۰ھ میں قرطبہ میں ولادت ہوئی۔ یحییٰ بن یحییٰ اللیشی، اسماعیل بن ابی اویس، زہیر بن عباد، اصبح بن الفرغ، حرمہ، اسحاق بن ابی اسرائیل اور یعقوب بن کاسب وغیرہم سے حدیث کی سماعت کی۔ اس سے قبل سفر کر کے آدم بن ابی ایاس سے ملاقات کر چکے تھے پھر حجاز، شام، عراق اور مصر کی طرف بھی کوچ کیا۔ بہر کیف اندلس میں علم حدیث پہنچانے کا سہرا انہیں کے اور ان کے بعد قتی بن مخلد کے سر بندھتا ہے (۱۰۰)۔

ابن الفرضی نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ ”وہ حدیث کے ایک جید عالم، طرق حدیث میں ماہر، علل حدیث پر محکم گفتگو کرنے والے، متقی، زاہد، علم کی نشر و اشاعت میں مستقل مزاجی کے

ساتھ منہمک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اہل اندلس کو کافی فائدہ پہنچایا (۱۰۱)۔ ابن وضاح نے سعید بن منصور، آدم بن ایاس، ابن حنبل، ابن معین، ابن المدینی، عبد اللہ بن ذکوان، ابو حنیفہ، ابن المصطفیٰ اور کاتب اللیث وغیرہ سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ لوگوں کو حدیث رسول کا علم، اطمینان اور مستقل مزاجی کے ساتھ حصول اجر کی نیت سے سکھاتے تھے۔ ابن وضاح سے احمد رحمہ اللہ بن خالد، محمد رحمہ اللہ بن لبابہ، محمد رحمہ اللہ بن غالب ابو صالح، ابن الخزار رحمہ اللہ عبد الملک بن ایمن، قاسم رحمہ اللہ بن اصبح اور وہب رحمہ اللہ بن مسرۃ وغیرہ نے علم حدیث حاصل کیا (۱۰۲)۔ ابن وضاح رحمہ اللہ نے اپنی پوری زندگی حدیث اور علوم حدیث کی تدریس میں صرف کردی مگر اس کے ذریعے کسی عہدہ یا مال کی تمنانہ کی۔ بلاشبہ وہ اندلس میں مدرسہ علم حدیث کے بانی اور ساتھ ہی اہل اندلس کو زہد و تقویٰ کی طرف رہنمائی کرنے والے انسان تھے (۱۰۳)۔

ابن وضاح کے بعد ابو عبد الرحمن رحمہ اللہ قتی بن مخلد القرطبی (۲۰۱-۲۷۶ھ/۸۱۶-۸۸۹ء) کا نام آتا ہے۔ جو ابن وضاح کے معاصر تھے۔ انہوں نے پہلے اندلس میں یہ علم حاصل کیا تھا پھر مشرق کی جانب دوبار سفر کیا۔ پہلا سفر بیس سال اور دوسرا چودہ سال پر مشتمل تھا۔ اسی طرح آپ نے حصول علم میں اپنی جوانی صرف کر دی۔ انہوں نے ابن وضاح رحمہ اللہ کے تمام شیوخ کے علاوہ مزید ۲۸۳ شیوخ سے بھی استفادہ کیا (۱۰۴)۔ انہوں نے پہلی مرتبہ اہل اندلس کو علم حدیث میں ابن ابی شیبہ کی مسند سے متعارف کرایا (۱۰۵)۔

انہوں نے امام احمد رحمہ اللہ بن حنبل سے اس وقت جبکہ امام موصوف نے اپنے اوپر حدیث بیان کرنے پر پابندی عائد کر لی تھی، فقیر کے بھیس میں علم حدیث سیکھا (۱۰۶)۔ قتی رحمہ اللہ بن مخلد کا یہ امتیاز ہے کہ انہوں نے فقہ مالکی کو علمی حیثیت عطا کی۔ اس طرح بلاد اندلس میں ایک نئی بیداری پیدا کر دی۔ وہ جملہ فقہی مذاہب کی تقلید سے بالاتر ہو کر براہ راست کتاب و سنت کی پیروی کی دعوت دیتے رہے۔ ان کی ایک بلند پایہ تفسیر اور المسند الکبیر بھی ہے۔ ان کی تفسیر کے متعلق ابن حزم کا خیال ہے کہ ”اس جیسی کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی“ (۱۰۷)۔ یحییٰ بن یحییٰ اللیثی القرطبی رحمہ اللہ، ابو مصعب رحمہ اللہ الزہری، یحییٰ رحمہ اللہ بن بکیر، ابراہیم رحمہ اللہ بن المنذر الحزامی، زہیر بن عباد، صفوان بن صالح، یحییٰ بن عبد الحمید الحمائی، ابن نمیر اور ابن ابی شیبہ سے انہوں نے حدیث کی سماعت کی ہے (۱۰۸)۔ قتی رحمہ اللہ بن مخلد سے ان کے صاحبزادے احمد، احمد بن عبد اللہ الاموی اور ابن یونس القیری اور دیگر علماء نے روایت کی ہے (۱۰۹)۔ ان کے متعلق ابو الولید الفرضی کا خیال ہے کہ قتی نے اندلس کو علم حدیث سے مالا مال کر دیا (۱۱۰)۔ مذہب اہل الاثر کے مطابق عمل کرنے کی وجہ سے لوگوں نے قتی کے خلاف کافی تعصب کا

مظاہرہ کیا مگر اس وقت کے امیر محمد بن عبد الرحمن المروانی نے ان کی حمایت کی اور ان کی کتابوں کی نقلیں تیار کروا کر اشاعت کی، مزید فرمایا کہ ”آپ اپنے علم کو جہاں تک ممکن ہو سکے خوب پھیلائیے (۱۱۱)۔“ قتی کا کہنا ہے کہ میں نے اندلس میں مسلمانوں کے لیے ایسا پودا لگا دیا ہے جسے دجال کے ظہور ہی پر اکھاڑا جاسکتا ہے (۱۱۲)۔ ان کے متعلق ابن حزم کا خیال ہے کہ قتی امام احمد بن حنبل کے خاص لوگوں میں سے تھے اور بخاری رحمہ اللہ، مسلم رحمہ اللہ اور نسائی رحمہ اللہ کی راہ کے رہ رہتے تھے (۱۱۳)۔ یہ درس دینے کے ساتھ کتابوں کی تالیف بھی کرتے رہے۔ ان کا شمار اندلس کے بلند پایہ مؤلفین میں ہوتا ہے۔ قتی نے ایک مسند بھی تصنیف کی جس میں احادیث کو رجال سند اور موضوع کے اعتبار سے ترتیب دیا۔

کتانی نے اس مسند کے متعلق ابن حزم کا قول نقل کیا ہے کہ اس مسند میں انہوں نے ایک ہزار تین سو سے کچھ زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے اور اس کی ترتیب ابواب فقہ کے لحاظ سے کی ہے۔ اس کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک ایسی تالیف ہے جس کی مثال ابھی منصہ شہود پر نہیں آسکی ہے (۱۱۴)۔

ان دونوں کے معاصر شیخ الفقہاء والمحدثین ابو محمد رحمہ اللہ قاسم بن محمد البیانی الاندلسی القرطبی (م ۲۷۶ھ) ہیں۔ جو مجتہد کی حیثیت سے معروف ہیں۔ ایک کتاب ”الایضاح فی الرد علی المقلدین“ کے مصنف بھی ہیں (۱۱۵)۔ البتہ علم حدیث کی نشر و اشاعت میں ان کا وہ مقام نہیں ہے جو ابن وضاح اور قتی کا رہا ہے۔ ان علماء کے علاوہ اندلس میں دیگر علماء حدیث بھی نظر آتے ہیں جن میں ابو عمر احمد بن خالد بن یزید القرطبی (م ۳۱۲ھ) سرفہرست ہیں، جنہیں ابن الجباب کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ انہوں نے یمن میں قتی بن مخلد، محمد بن وضاح، قاسم بن محمد اور اسحاق الوبری سے اور مکہ میں علی بن عبدالعزیز سے سماعت کی (۱۱۶)۔ ان کے متعلق قاضی عیاض کا خیال ہے کہ فقہ مالکی میں امام جانے جاتے تھے اور علم حدیث میں بے مثال درک رکھنے والے تھے۔ ان سے خلق کثیر نے سماعت کی ہے (۱۱۷)۔ جن میں محدث اندلس حافظ ابو عبد اللہ محمد رحمہ اللہ بن فطیس بن واصل الخافقی الاندلسی البیری (م ۳۱۹ھ) ہیں جو ابن فطیس کے نام سے بھی معروف ہیں۔ انہوں نے طلب حدیث کی خاطر مصر، حجاز، افریقہ، کا سفر کیا اور کہا کرتے تھے کہ میں نے اپنے اس سفر میں دو سو شیوخ سے ملاقات کی (۱۱۸)۔ ان کے بعد ابو عبد اللہ رحمہ اللہ محمد بن محمد بن قاسم بن قاسم القرطبی (۲۰۳-۳۲۸ھ) نے اپنے والد ماجد اور قتی بن مخلد وغیرہ سے سماعت حدیث کی اور اس کی خاطر سفر کیا۔ مکہ، بصرہ، کوفہ، بغداد، دیلم، اسکندریہ اور قیروان کی طرف رحلات علمیہ میں ۱۶۰ شیوخ سے استفادہ کیا (۱۱۹)۔ ابو محمد

الباجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے قرطبہ میں ان سے بڑا محدث کسی کو نہیں پایا (۱۲۰)۔ ان کے بعد معروف محدث حافظ قاسم بن اصبح البلیانی القرطبی (۲۴۲-۳۴۰ھ/۸۵۸-۹۵۲ء) آئے۔ انہوں نے قرطبہ میں جقی بن مخلد، مخلد بن وضاح، مطرف بن قیس، اصبح بن حنبل اور ابن مرة سے سماعت کی (۱۲۱)۔ ۲۷۲ھ میں مشرق کا سفر کیا (۱۲۲)۔ مکہ، بغداد اور کوفہ میں قیام کے دوران شہروں کے علماء و شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا (۱۲۳)۔ مکہ میں محمد بن اسماعیل الصائغ اور علی بن عبدالعزیز سے کوفہ میں ابراہیم بن ابی العباس وغیرہ اور عبداللہ بن الامام احمد رحمہ اللہ بن حنبل سے حدیث کی سماعت کی۔ ابن ابی خیشمہ رحمہ اللہ کی تاریخ خود انہیں کے واسطے سے لکھی۔ ابن قتیبہ رحمہ اللہ سے ان کی اکثر کتابوں کی سماعت کی اور اسی طرح دیگر اصحاب علم سے بھی۔ مصر میں محمد رحمہ اللہ بن عبداللہ العمری سے استفادہ کیا (۱۲۴)۔ جب اندلس آئے تو علم کا ایک خزانہ ان کے پاس تھا۔ چنانچہ لوگ احمد بن زبیر رحمہ اللہ کی تاریخ، ابن قتیبہ رحمہ اللہ کی کتابوں اور علوم حدیث کی طلب میں ٹوٹ پڑے (۱۲۵)۔ ان کے متعلق ابن الفرغی مقرر اور ذہبی کا کہنا ہے کہ انہیں حدیث اور رجال حدیث میں بڑی دسترس حاصل تھی (۱۲۶)۔ ان سے ان کے پوتے قاسم رحمہ اللہ بن محمد بن قاسم، عبداللہ رحمہ اللہ بن محمد الباجی، عبدالوارث رحمہ اللہ اور خالد رحمہ اللہ بن سعد القرطبی نے حدیث کی سماعت کی (۱۲۷)۔ سنن ابی داؤد کے انداز پر ایک سنن ترتیب دی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب یہ ۲۷۶ھ میں محمد بن الیمین کے ساتھ عراق آئے تو ان کی آمد سے ذرا پہلے ابو داؤد وفات پا چکے تھے۔ وہیں ہر ایک نے یہ طے کر لیا کہ ابو داؤد کی کتاب جس شکل میں موجود ہے اسی طرح کی ایک اور کتاب ترتیب دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور اپنے شیوخ کی روایت سے احادیث کی تخریج کی۔ اس طرح دو اور اہم تصنیفات کا اضافہ ہوا۔ پھر قاسم بن اصبح نے اپنی تصنیف کا اختصار پیش کیا اور اس کا نام ”المجتبیٰ“ رکھا انہوں نے ۲۹۰ھ احادیث کو کل ۷ حصوں میں منقسم کیا (۱۲۸)۔ اندلس میں علم حدیث کی نشر و اشاعت میں ان کا بہت اہم رول رہا ہے (۱۲۹)۔

ان کے معاصرین میں حافظ امام ابو علی الحسن رحمہ اللہ بن سعد بن ادریس القرطبی رحمہ اللہ (م ۳۳۱ھ) رہے ہیں جنہوں نے جقی بن مخلد سے سماعت کی مکہ میں علی بن عبدالعزیز البغوی رحمہ اللہ، یمن میں اسحاق الوبری رحمہ اللہ، مصر میں یوسف بن یزید القرطبی رحمہ اللہ اور بصرہ میں ابو مسلم الحنفی رحمہ اللہ سے بھی سنا، یہ علامۃ العصر، غیر مقلد مجتہد اور امام شافعی رحمہ اللہ کے اقوال سے زیادہ موافقت رکھتے تھے (۱۳۰)۔ ان کے دوسرے معاصر ابو الحزم رحمہ اللہ وہب بن مسکرة الحمیری رحمہ اللہ الاندلسی (م ۳۴۶ھ) بھی ہیں۔ انہوں نے محمد بن وضاح رحمہ اللہ اور عبید اللہ بن یحییٰ رحمہ اللہ اور اس طبقہ کے افراد سے حدیث کی سماعت کی۔ قاضی عیاض کا ان کے متعلق خیال ہے کہ یہ فقہ کے حافظ، اس میں دسترس

رکھنے والے اور حدیث و رجال اور علل حدیث میں ماہر تھے۔ ساتھ ہی زہد و تقویٰ میں بے مثال تھے (۱۳۱)۔

اندلس میں علم حدیث اسی رفتار کے ساتھ نشوونما پاتا رہا۔ یہاں تک کہ قاسم بن اصبح رحمہ اللہ کے شاگرد رشید امام خالد بن سعد القرطبی رحمہ اللہ (م ۳۵۲ھ) نے اندلس کے علماء حدیث پر ایک جامع کتاب تصنیف کی۔ یہ قرطبہ میں اپنے ہم عصر حفاظ حدیث میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ایک عظیم امام کی حیثیت سے بھی معروف تھے۔ ان کے بارے معروف ہے کہ انہوں نے ایک نشست میں ۲۰ احادیث حفظ کر ڈالیں (۱۳۲)۔ اندلس کے امیر مستنصر کہا کرتے تھے کہ ”جب اہل مشرق ہمارے سامنے تکی بن معین رحمہ اللہ پر فخر کا اظہار کریں گے تو ہم خالد بن سعد رحمہ اللہ کو پیش کریں گے اور ان پر فخر کریں گے (۱۳۳)۔ اس وقت کے مشہور محدثین میں قرطبہ کے ابو عمر احمد بن سعید بن حزم بن یونس الصدنی رحمہ اللہ (۲۸۴-۳۵۰ھ / ۸۹۷-۹۶۱ء) ہیں۔ انہوں نے ۳۱۱ھ میں طلب حدیث کے لیے رخت سفر باندھا اور زبردست ذخیرہ علم کے ساتھ اندلس واپس آئے (۱۳۴)۔ ان کی آثار پر مکمل توجہ تھی (۱۳۵)۔ ایک بڑی جماعت نے ان سے علم حدیث کا درس لیا۔ اندلس میں تاحیات احادیث بیان کرتے رہے اور سنت نبوی ﷺ کی خدمت میں لگے رہے (۱۳۶)۔

ان کے بعد ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن یحییٰ بن مفرج الاموی الاندلسی القرطبی رحمہ اللہ (م ۳۸۰ھ) کا نام آتا ہے جو ابن الحرج کے نام سے مشہور ہیں اور جن کے والد قنوری کے نام سے معروف ہیں۔ قرطبہ میں قاسم بن اصبح رحمہ اللہ اور طرابلس میں خثعمہ بن سلیمان رحمہ اللہ سے حدیث کی سماعت کی۔ ان سے حافظ ابو سعید رحمہ اللہ بن یونس جو خود ان کے شیخ ہیں ابو الولید بن الفرضی رحمہ اللہ، ابو عمر احمد بن محمد الطلمنکی رحمہ اللہ اور ایک خلق کثیر نے روایت کی ہے۔ ان کے شیوخ کی تعداد ۲۳۰ تک پہنچتی ہے (۱۳۷)۔ ابن الفرضی کی رائے ہے کہ ”وہ حافظ حدیث تھے، رجال حدیث اور ان کے احوال سے بخوبی آگاہ تھے“ (۱۳۸)۔ ابو عمر احمد بن محمد بن عقیف رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ ”ابو عبد اللہ بن مفرج رحمہ اللہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو علم سے کافی لگاؤ تھا۔ حدیث کے بلند پایہ حافظ اور فن رجال پر کافی عبور رکھتے تھے۔ میں نے ان کی طرح اس فن میں کسی کو نہیں دیکھا۔ اندلس میں موجود تمام محدثین کے مقابلہ میں زیادہ ثقہ اور اپنی کتابوں کو خوب اچھی طرح یاد رکھنے والے تھے (۱۳۹)۔ مسند قاسم بن اصبح کو سات جلدوں میں جمع کیا (۱۴۰)۔

اندلس کے معروف محدثین میں ابو القاسم خلف بن القاسم بن ہل رحمہ اللہ (۳۲۵-۳۹۳ھ) ہیں۔ مشرق کا سفر کیا اور مصر، مکہ اور دمشق کے اکثر محدثین سے حدیث کی سماعت کی۔ حدیث مالک

اور حدیث شعبہ کی تصنیف کی نیز زہد کے موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی (۱۴۱)۔ اندلس کی ایک جماعت نے ان کے واسطے سے حدیث بیان کی جن میں ابو عمر الدانی رحمہ اللہ، ابو عمر یوسف رحمہ اللہ بن عبد البر ہیں۔ ابن عبد البر کا حال تو یہ تھا کہ اپنے جملہ شیوخ میں کسی کو بھی ان سے زیادہ قابل نہیں سمجھتے تھے (۱۴۲)۔ اس زمانے کے ایک اور محدث ابو عمر احمد بن عبد اللہ بن محمد علی اللخمی الاشبیلی رحمہ اللہ (۳۳۲-۳۹۶ھ) جو ابن الباجی کی کنیت سے مشہور ہیں۔ انہوں نے مشرق کا سفر کیا (۱۴۳)۔ ابو عبد اللہ الخولانی کا کہنا ہے کہ ابو عمر حدیث اور وجوہ حدیث سے واقف مشہور امام تھے۔ میں نے کوئی محدث متانت و سنجیدگی میں ان کے برابر نہیں دیکھا (۱۴۴)۔ عبد الغنی الازدی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ ابو عمر نے میرے واسطے سے لکھا ہے اور میں نے ان کے واسطے سے لکھا ہے (۱۴۵)۔ امام ذہبی کا خیال ہے کہ ان سے ابو عمر ابن عبد البر نے حدیث بیان کی (۱۴۶)۔ ان کے بعد ابو جعفر احمد بن محمد بن عبیدہ الاموی الطلیطلی المعروف ابن میمون (م ۴۰۰ھ) کا نام آتا ہے۔ انہوں نے اندلس کے اکثر محدثین سے سماعت کی اور مشرق کا سفر کیا۔ چنانچہ جب واپس آئے تو لوگ زانوئے تلمذتہ کرنے کی خاطر لپک پڑے (۱۴۷)۔ ابن مظاہر کہتے ہیں کہ ”ان کا شمار اہل دانش و بینش میں ہوتا تھا۔ حافظہ تھے اور حدیث کے عظیم راوی سمجھے جاتے تھے۔ تمام علوم میں درک رکھتے تھے۔ اخلاق و ادب اور زہد و ورع میں ممتاز تھے۔ طریقہ آخرت پر پوری طرح گامزن تھے۔ انہوں نے شادی نہیں کی تھی (۱۴۸)۔ ان کے ساتھی ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن حسین بن شظیر الاموی رحمہ اللہ (م ۴۰۲ھ) تھے۔ یہ دونوں شیوخ ”الصاحبان الحافظان“ کے لقب سے مشہور تھے (۱۴۹)۔

ابن بشکوال رحمہ اللہ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ ”یہ دونوں علم حدیث، روایت کی تحقیق و ضبط میں پوری توجہ دینے میں مقابلہ کے شہ سوار سمجھے جاتے تھے (۱۵۰)۔ ابو اسحاق ایک شب زندہ دار کثرت سے روزے رکھنے والے، زاہد اور متقی شخص تھے۔ ان پر علم حدیث اور اس کے طرق کی معرفت کا غلبہ رہتا تھا (۱۵۱)۔ ان کے بعد حافظ مقری ابو عمر احمد بن محمد بن عبد اللہ المعافری القرطبی الطلمنکی رحمہ اللہ (۳۴۰-۴۳۹ھ) کا شمار ہوتا ہے۔ انہوں نے اندلس میں اکثر محدثین سے سماعت کی۔ مشرق کا رخت سفر باندھا اور وہاں کے محدثین سے ملاقات کی اس طرح وہ اندلس علم حدیث کا عظیم ذخیرہ لے کر واپس آئے (۱۵۲)۔ ان کے واسطے سے ابو عمر بن عبد البر اور ابو محمد بن حزم رحمہ اللہ وغیرہ نے روایت کی (۱۵۳)۔ علوم قرآن و حدیث کے امام اور سنن کے حافظ تھے۔ بلاشبہ وہ اپنے زمانہ کے بلا شرکت غیرے ایک بے مثال عالم تھے (۱۵۴)۔ امام ذہبی رحمہ اللہ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ ”حدیث اور رجال حدیث کی مکمل معرفت انہیں حاصل تھی۔ سنن کے حافظ، دینی اصولوں سے واقف کار بلند

پایہ اسناد کے حامل اور عزم و استقامت کے پہاڑ تھے (۱۵۵)۔ ظلمنکی ہی کی طرح علم حدیث میں قاضی القضاۃ ابو عبید اللہ یونس بن عبد اللہ بن محمد بن مغیث القرطبی رحمہ اللہ (۳۸۸-۴۲۳ھ) بھی ہیں۔ انہوں نے بہت سے محدثین سے سماعت حدیث کی ہے اور اس کی طرف سنجیدگی سے توجہ مبذول کی۔ مصر سے حسن بن رشیق اور عراق سے ابوالحسن دارقطنی نے انہیں سند اجازت عطا کی۔ سنن نسائی وغیرہ کو ابو بکر محمد بن معاویۃ المروانی اور مؤطا کے راوی ابو عیسیٰ اللشی کے واسطہ سے بیان کیا (۱۵۶)۔ ان کے ساتھی ابو عمر بن مہدی کا خیال ہے کہ ”یہ حدیث کے جید علماء میں سے تھے، بہت زیادہ روایتیں بیان کرنے والے، خوش قسمت، زہد و تقویٰ پر مشتمل عمدہ اشعار لکھنے والے بلیغ اور خشوع و خضوع سے پر خطابت کے حامل تھے۔ جو بھی سنتا وہ خود پر قابو نہیں رکھ پاتا۔ مزید برآں وہ ایک متقی، زاہد و عابد شخص تھے (۱۵۷)۔ حسین مونس نے نقل کیا ہے کہ ”وہ حدیث و فقہ میں کافی دسترس رکھتے تھے (۱۵۸)۔ اور یہ دونوں عالم الظلمنکی اور ابو عبد اللہ یونس ایک پوری نسل کے استاذ ہیں جو ابن حزم الظاہری، ابو عبد اللہ محمد بن غیاث، علی الجبائی، ابوالولید الباجی جیسے افراد پر مشتمل ہے۔ جنہوں نے محمد بن وضاح اور قتی بن مخلد کے منصوبوں اور مقرر کردہ مناہج پر پوری طرح عمل کر کے دکھایا۔

پانچویں صدی ہجری میں قرآن و حدیث سے احکام مستنبط کرنے میں وسعت کا عمل مکمل ہو گیا۔ اس طبقہ کے محدثین میں حافظ ابو عمر عثمان رحمہ اللہ بن سعید بن عثمان القرطبی ہیں، جنہیں الدانی سے جانا جاتا ہے (۳۷۱-۴۴۴ھ)۔ انہوں نے بھی بلاد مشرق کا سفر کیا اور اکثر محدثین سے سماعت کی (۱۵۹)۔ الدانی کہا کرتے تھے کہ ”مجھے جو چیز بھی ملتی اسے نوٹ کر لیتا اور جسے تحریر کر لیتا وہ یاد ہو جاتی اور جو چیز یاد ہو گئی وہ کبھی نہیں بھولی“ (۱۶۰)۔ ابن بشکوال فرماتے ہیں کہ ”ابو عمر علم قراءت، روایات، تفسیر، معانی حدیث، طرق اور اعراب حدیث کے ایک جید امام تھے۔ ان تمام فنون میں عمدہ تالیفات جمع کی ہیں۔ انہیں حدیث، طرق حدیث، اور اسماء الرجال میں کافی دسترس حاصل تھی وہ خوشخط بھی تھے اور بلا کے ذہین سمجھے جاتے تھے (۱۶۱)۔ انہیں میں حافظ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم القرطبی الظاہری بھی ہیں جنہیں ابن حزم (۳۸۴-۴۵۶ھ) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان کے آباؤ اجداد میں سے کوئی پہلی بار اندلس میں سکونت پذیر ہوا (۱۶۲)۔ ان کے معاصر ابو مروان بن حیان الاندلسی فرماتے ہیں کہ ”ابن حزم متعدد علوم و فنون میں ماہر تھے۔ جن میں حدیث، فقہ، جدل، نسب اور متعلقات ادب شامل ہیں جبکہ قدیم تعلیم میں مختلف النوع میدانوں کے شہ سوار بھی تھے (۱۶۳)۔

ابو حامد الغزالی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء پر ایک ایسی کتاب میرے دیکھنے میں آئی جس کی تالیف ابو محمد ابن حزم نے کی ہے جسے دیکھ کر صاحب تالیف کی حد درجہ ذکاوت اور سرعت فہم کا

واضح طور پر پتہ چلتا ہے (۱۶۴)۔

ابن حزم کے شاگرد قاضی صاعد بن احمد الاندلسی فرماتے ہیں کہ ”ابن حزم اہل اندلس میں اسلام کے جملہ علوم کے جامع اور علم و معرفت کے اعتبار سے فائق تھے۔ جبکہ علم اللسان، بلاغت، شعر، سنن، آثار و اخبار میں ید طولی رکھتے تھے۔ مجھے ان کے صاحبزادہ الفضل نے بتایا کہ ان کے پاس ان کے والد کی ۴۰۰ تالیفات ان کی اپنی تحریر میں موجود ہیں۔ جو تقریباً اسی ہزار اوراق پر مشتمل ہیں (۱۶۵)۔ حافظ ابو عبد اللہ محمد بن فتوح الحمیدی فرماتے ہیں کہ ”ابن حزم حافظ حدیث، کتاب و سنت سے احکام مستنبط کرنے والے، بیک وقت کئی کئی علوم کے ماہر اور علم کے ساتھ عمل کے پابند تھے۔ میں نے ان کی طرح کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ اتنا ذہین، سریع الفہم، متدین اور شریف ہو۔ حدیث میں بہت زیادہ شہرت رکھتے تھے (۱۶۶)۔“

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ”علامہ حافظ ابن حزم الظاہری رحمہ اللہ نے علوم شرعیہ میں دلچسپی لی۔ ان میں نمایاں مقام حاصل کیا اور اپنے ہم عصر علماء پر فوقیت لے گئے۔ مشہور کتابوں کی تالیف کی وہ ایک ادیب و طبیب اور فصیح شاعر تھے (۱۶۷)۔ عزالدین بن عبد السلام کہتے ہیں کہ ”میں نے اسلامی کتابوں میں ابن حزم کی ”المحلی“ اور شیخ موفق کی ”المغنی“ جیسی کوئی کتاب نہیں دیکھی (۱۶۸)۔ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ مالکی فقہاء نے بر بنائے تعصب ان کے خلاف علاقہ کے امراء کو ابھارا چنانچہ وہ ان سے ناراض ہو گئے انہیں ایذا پہنچائی، جلا وطن کر دیا اور ان کی کتابوں کو علانیہ طور پر جلا ڈالا۔ ایسے موقع پر ابن حزم نے ایک شعر کہا جو حروف زریں سے لکھنے کے قابل ہے۔“

فان يحرقوا القرطاس لا يحرقوا الذي

تضمنه القرطاس بل هو في صدري

(پس اگر وہ کاغذ جلا دیتے ہیں تو کوئی حرج نہیں، قرطاس کے اندر جو کچھ ہے اسے نہیں جلا سکتے بلکہ وہ میرے سینے میں محفوظ ہے)۔

علماء اسلام میں سوائے ابن جریر طبری کے اور کوئی بھی اس مقام و مرتبہ کا حامل نہیں بنا (۱۶۹)۔

ان علماء میں ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی (۳۶۸-۴۶۳ھ/ ۹۷۸-۱۰۷۱ء) بھی ہیں، جنہوں نے اکثر علماء اور محدثین سے سماعت کی۔ ابوالقاسم عبد الوارث بن سفیان کے سامنے مؤطا ابن وہب ”عن قاسم بن اصبح عن ابن وضاح عن سحنون وغیرہ“ کی سند سے پڑھی اور ابو عمر الطلمنکی سے بھی چند روایتیں پڑھیں اور حافظ ابوالولید بن الفرضی کے سامنے مسند مالک

پڑھی (۱۷۰)۔ بہت سے علماء اور محدثین نے ان کے واسطے سے حدیثیں بیان کی ہیں۔ جن میں ابو محمد ابن حزم، حافظ ابو علی الغسانی الجبائی اور حافظ ابو عبد اللہ الحمیدی وغیرہ ہیں (۱۷۱)۔ الحمیدی فرماتے ہیں کہ ”ابو عمر ایک فقیہ، حافظ، قرأت کے عالم، علوم حدیث اور رجال حدیث میں ماہر ہیں اور قدیم السماع تھے (۱۷۲)۔“

ابو الولید الباجی فرماتے ہیں کہ ”علم حدیث میں ابو عمر بن عبد البر جیسا فرد اندلس میں کوئی نہیں تھا“۔ مزید فرماتے ہیں ”ابو عمر اہل مغرب میں عظیم ترین حافظ مانے جاتے ہیں“ (۱۷۳)، ابو علی الغسانی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عبد البر کو کہتے ہوئے سنا کہ ”علم حدیث میں قاسم بن محمد اور احمد بن خالد الحجاب جیسا اندلس میں کوئی نہیں ہے“۔ ابو علی نے مزید فرمایا کہ ”ابن عبد البر ان دونوں سے کسی طرح نہ تو کم اور نہ ہی پیچھے تھے“ (۱۷۴)۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ”یہ ثقہ امام، علامہ، قبحر اور قابل اتباع شخص تھے“ (۱۷۵)۔ انہوں نے بہت سی تصنیفات چھوڑی ہیں۔ مگر ہم یہاں ان ہی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں جو علم حدیث سے متعلق ہیں۔ ابو علی الغسانی فرماتے ہیں کہ ”ابو عمر نے مؤطا کے متعلق مفید کتابیں تصنیف کی جن میں ”کتاب التمهید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید“ معروف ہے۔ اس کی ترتیب امام مالک کے شیوخ کے ناموں پر حروف تہجی کے اعتبار سے کی ہے۔ ۷۰۔ اجزا پر مشتمل ایسی تصنیف کسی اور کی منظر عام پر نہیں آئی (۱۷۶)۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ ”فقہ حدیث پر ایسی تالیف ہی جب میرے علم میں نہیں ہے تو اس سے بہتر کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے“ (۱۷۷)۔ ابن عبد البر اس کتاب کی خوبی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سیمبر فوادی من ثلاثین حجة وصاقل ذہنی والمفرج عن ہمی

بسطت لہم فیہ کلام نبیہم لما فی معانیہ معنی الفقہ والعلم

وفیہ من الآداب ما یہتدی بہ إلی البر والتقوی ونہی عن الظلم (۱۷۸)

(یہ تیس برسوں سے میرے قلب و جگر کی ہم راز ہے۔ میرے ذہن کو صیقل کرنے والی اور میرے غم کو دور کرنے والی ہے۔ میں نے انسانوں کی خاطر نبی ﷺ کے کلام کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ اس میں علم و معرفت کے معانی موجود ہیں۔ اس کتاب میں ایسے آداب ہیں جن سے بر و تقویٰ کی پرورش اور ظلم سے روکنے کی رہنمائی ملتی ہے)۔ ان کی ایک اور کتاب ”الاستدکار“ کے نام سے ہے۔ حاجی خلیفہ کی یہ رائے صحیح نہیں ہے کہ یہ کتاب ان کی ایک دوسری کتاب التمهید کا اختصار ہے (۱۷۹)۔

الذہبی لکھتے ہیں: انہوں نے ”الاستدکار لمذہب علماء الامصار“ کے نام سے

کتاب تصنیف کی جس میں ”التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید“ کے مباحث بھی شامل ہیں (۱۸۰)۔ ایک اور کتاب ”الاستیعاب فی معرفة الاصحاب“ کے نام سے لکھی جو صحابہ کے حالات پر بہت ہی مستند کتاب سمجھی جاتی ہے (۱۸۱)۔

ان کی ایک تصنیف ”جامع بیان العلم وفضله“ ہے (۱۸۲)۔ ایک تصنیف ”کتاب الدرر فی اختصار المغازی والسير“ ہے (۱۸۳)۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”ابو عمر کی وفات ربیع الآخر ۴۶۳ھ جمعہ کی رات میں ہوئی۔ اس طرح انہوں نے ۹۵ برس، پانچ دن مکمل فرمائے (اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے)۔ میرا خیال ہے کہ ”وہ مغرب کے اپنے زمانہ میں بلند پایہ حافظ تھے۔ اسی تاریخ میں حافظ مشرق ابو بکر الخطیب رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (۱۸۴)۔

علم حدیث میں جلیل القدر مرتبہ کے حامل ابو الولید سلیمان بن خلف الباجی رحمہ اللہ (۴۰۳-۴۷۴ھ/۱۰۱۲-۱۱۰۸ء) بھی ہیں۔ اندلس میں اکثر علماء اور محدثین سے سماعت کی پھر ۴۲۶ھ میں مشرق کی طرف کوچ کیا۔ اور دمشق و موصل میں سماعت کی اور مکہ میں ابو ذر الدوری سے سماعت کیا پھر بغداد کا سفر کیا اور وہاں تین سال تک قیام پذیر رہے۔ وہاں فقہ و حدیث کا درس دیتے تھے۔ چند علماء سے ملاقات بھی کی۔ مثلاً ابو الطیب الطبری الفقیہ رحمہ اللہ اور شیخ ابواسحاق الشیرازی رحمہ اللہ۔ خطیب سے انہوں نے روایت کی اور خطیب نے ان سے روایت کی (۱۸۵)۔ خطیب فرماتے ہیں کہ ابو الولید الباجی رحمہ اللہ نے اپنے متعلق مجھے یہ شعر پڑھ کر سنایا:

إذا كنت اعلم علما يقينا بان جميع حياتي كساعة

فلم لا اكون ضنينا بها واجعلها في صلاح وطاعة (۱۸۶)

(مجھے جب یہ اچھی طرح پتہ ہے کہ میری پوری زندگی ایک لمحہ کے برابر ہے۔ تو پھر کیوں نہ میں اس کی قدر کروں اور اسے خیر و طاعت میں لگا دوں)۔

انہوں نے ابو عبد اللہ الصوری رحمہ اللہ سے حدیث کی سماعت کی اور ان سے والہانہ محبت کرتے تھے یہاں تک کہا کرتے تھے ”الصوری میری معلومات کی حد تک سب سے بلند پایہ حافظ ہیں“ (۱۸۷)۔ تیرہ سال بعد علم کا ایک ذخیرہ لیے ہوئے اندلس واپس آئے۔ جسے انہوں نے نہایت فقر و تنگدستی کی حالت میں حاصل کیا تھا (۱۸۸)۔

ان سے حافظ ابو بکر الخطیب رحمہ اللہ اور حافظ ابو عمرو ابن عبد البر رحمہ اللہ نے بھی روایت کی ہے جبکہ یہ دونوں ان سے عمر میں بڑے ہیں اور ابو عبد اللہ الحمیدی رحمہ اللہ اور حافظ ابو علی الصدفی رحمہ اللہ نے بھی روایت کی ہے (۱۸۹)۔ ان سے ابو علی الغسانی رحمہ اللہ اور ابو بکر الطرشوشی رحمہ اللہ نے سماعت کی

ہے (۱۹۰)۔ اندلس کے متعدد مقامات پر قضاء کے عہدہ پر فائز رہے (۱۹۱)۔ علماء ان کی غایت درجہ تعظیم کرتے تھے۔ ان کے متعلق قاضی عیاض رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ یہ سنجیدہ، خوب رو اور با رعب تھے (۱۹۲)۔ ابن ماکولا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جلیل القدر اور عالی ہمت تھے (۱۹۳)۔ ابو علی ابن سکرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو الولید الباجی رحمہ اللہ جیسا کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی کو ان کی طرح خوب رو اور باوقار پایا (۱۹۴)۔ چنانچہ قاضی ابو بکر محمد رحمہ اللہ بن مظفر الشاشی الباجی کا اسی طرح احترام کرتے تھے جس طرح کوئی بیٹا اپنے باپ کی تکریم کرتا ہے۔ ابو علی ابن سکرہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے شاشی سے کہا کہ ”اللہ تعالیٰ آپ کا رتبہ بلند کرے یہ شیخ اندلس کے صاحبزادہ ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ شاید وہ ابن الباجی ہیں؟ میں نے جواب دیا، ہاں! تو وہ ان کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گئے (۱۹۵)۔

حدیث وفقہ کے موضوع پر انہوں نے کئی تصنیفات چھوڑی ہیں۔ حدیث سے متعلق بعض اہم تصنیفات یہ ہیں:

۱۔ کتاب التحدیل والتجرح لمن خرج له البخاری فی الجامع الصحیح (۱۹۶)۔

۲۔ المنتقى فی شرح المؤطا (۱۹۷)۔

۳۔ المعانی فی شرح المؤطا۔ بیس اجزاء پر مشتمل ایک بے مثال تالیف ہے (۱۹۸)۔

ان محدثین میں حافظ ابو عبد اللہ محمد بن ابی نصر فتوح بن عبد اللہ الازدی الحمیدی الاندلسی الظاہری رحمہ اللہ (۲۲۰-۲۸۸ھ) ہیں۔ انہوں نے اندلس، مصر، شام، عراق، مکہ المکرمہ اور افریقہ میں حدیث کی سماعت کی (۱۹۹)۔ ابو الولید الباجی رحمہ اللہ سے سنا (۲۰۰)۔ ابن حزم رحمہ اللہ اور ابو عبد اللہ القضاہی رحمہ اللہ ابو عمر بن عبد اللہ اور ابو بکر الخطیب رحمہ اللہ جیسے علماء سے بھی سماعت حدیث کی (۲۰۱)۔ مکہ مکرمہ میں الحمد شہ کریمہ المروزیہ سے اور مصر میں عبدالعزیز الضراب سے سماعت حدیث کی (۲۰۲)۔ محمد بن طرخان کہتے ہیں کہ میں نے حمیدی سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ ”مجھے ۴۲۵ھ میں سماعت کی غرض سے کندھے پر اٹھا کر لے جایا جاتا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے فقیہ ابو القاسم اصبح بن راشد رحمہ اللہ سے سنا، جو کچھ ان کے سامنے پڑھا جاتا میں اسے سمجھتا تھا (۲۰۳)۔ ان کے واسطہ سے ابو عامر العبدری طرخان الترمذی رحمہ اللہ اور ان کے شیخ ابو بکر الخطیب رحمہ اللہ وغیرہ نے احادیث بیان کیں (۲۰۴)۔ اور ان کے دوست امیر ابو نصر ابن ماکولا نے بھی ان کے واسطہ سے حدیث بیان کی ہے (۲۰۵)۔

الامیر ابن ماکولا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دوست حمیدی رحمہ اللہ جیسا باعفت اور علم سے شغف رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ انہوں نے تاریخ اندلس لکھی (۲۰۶)۔ یحییٰ ابن ابراہیم

اسلمانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے فرمایا کہ ”میری نگاہوں نے الحمیدی رحمہ اللہ کی طرح فضل و شرافت، وسعت علم اور علم کی نشر و اشاعت کا شائق نہیں دیکھا۔ مزید فرمایا کہ وہ با اعتماد، متقی، امام حدیث تھے اور علل حدیث کا علم رکھتے تھے۔ میں نے انہیں محقق مذہب اور اہل الحدیث کے مطابق اور اصول میں کتاب و سنت کی موافقت میں صاحب بصیرت پایا، وہ فصیح اور عربی زبان و ادب اور فن ترتیل میں باکمال تھے (۲۰۷)۔

حسین بن محمد ابن خسرو فرماتے ہیں ابو بکر بن میمون ان کے ہاں حاضر ہوئے، دروازہ کھٹکھٹایا اور یہ سمجھا کہ الحمیدی نے انہیں اجازت دے دی ہے اور وہ داخل ہو گئے اچانک قابل ستر مقام پر ان کی نگاہ پڑ گئی۔ الحمیدی رحمہ اللہ رونے لگے اور فرمایا کہ بخدا تمہاری نگاہ ایسی جگہ پڑی ہے جہاں کسی کی نگاہ میرے ہوش سنبھالنے کے بعد سے نہیں پڑی تھی (۲۰۸)۔

شیخ الحمیدی رحمہ اللہ عمدہ شعر کہتے تھے۔ ابن طرخان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ الحمیدی رحمہ اللہ نے ہمیں اپنے شعر سنائے:

لقاء الناس ليس يفيد شيئا سوى الهديان من قبل وقال

فاقلل من لقاء الناس الا لاخذ العلم او اصلاح حال (۲۰۹)

(لوگوں سے ملاقات کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتی سوائے بے فائدہ باتوں اور گپ شپ کے۔ پس لوگوں سے ملنا کم کر دو البتہ علم حاصل کرنے یا اصلاح حال کے لیے ملنے میں کوئی حرج نہیں)۔ انہیں کے یہ اشعار بھی ہیں:

كلام الله عز وجل قولي وما صحت به الآثار ديني

وما اتفق الجميع عليه بدا وعودا فهو عن حق مبين

فدع ما صد عن هذا وخذها تكن منها على عين اليقين (۲۱۰)

(اللہ عز وجل کا کلام میری گفتگو ہے اور آثار صحیحہ میرا طریقہ عبادت (دین) ہے۔ جس پر تمام لوگوں کا بر بنائے دلیل اتفاق ہو وہی حق مبین ہے۔ چنانچہ جو اس کے خلاف ہو اسے چھوڑ دو اور جو حق ہو اس کو پکڑ لو۔ اس طرح تمہیں عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے گا)۔

ان کی مشہور کتابوں میں ”کتاب الجمع بين الصحيحين“ اور ”جذوة المقتبس في اخبار الاندلس“ ہیں (۲۱۱)۔ ابن طرخان کہتے ہیں کہ میں نے حمیدی سے سنا کہ ”علم حدیث کی تین اصناف ایسی ہیں جن کو درخور اعتنا سمجھنا ضروری ہے۔ پہلی صنف کتاب العلل ہے۔ اور اس موضوع پر سب سے عمدہ کتاب دارقطنی کی ہے۔ دوسری صنف ”المؤتلف والمختلف“ ہے۔ ابن

موضوع پر سب سے بہتر کتاب امیر ابن ماکولا کی ”الاکمال“ ہے۔ تیسری صنف ”وفیات المشائخ“ ہے، اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں ہے۔ الحمیدی کہتے ہیں کہ میں خود اس موضوع پر کوئی کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتا تھا“ (۲۱۲)۔ یہ اس وقت کی بات ہے بعد میں اس موضوع پر ”وفیات الاعیان“ (ابن خلکان) اور الوانی بالوفیات وغیرہ۔۔۔۔ اور کئی کتب لکھی گئیں۔

محدثین کا یہ طبقہ ایسا تھا جو حدیث اور علوم حدیث میں اپنے انہماک اور مہارت کے ساتھ ساتھ اپنی بہترین یادداشت کی بنا پر مشہور و معروف تھا۔ ان میں سرفہرست حافظ ابوعلی الحسین بن محمد الغسانی الجبائی (۴۲۷-۴۹۸ھ) ہیں۔ انہوں نے حکم بن محمد الجذامی رحمہ اللہ کے واسطہ سے حدیث بیان کی جو ان کے عظیم المرتبت شیخ تھے۔ مزید برآں انہوں نے حاتم بن محمد الطرابلسی رحمہ اللہ، ابو عمر بن عبد البر رحمہ اللہ، ابو عبید اللہ محمد بن عتاب رحمہ اللہ، محدث ابو عمر رحمہ اللہ بن الحذاء، ابو شاکر رحمہ اللہ عبد الواحد القبری، سراج رحمہ اللہ بن عبد اللہ القاضی، ابو الولید سلیمان بن خلف الباجی رحمہ اللہ، ابو العباس احمد رحمہ اللہ بن عمر بن دلہات اور ان کے علاوہ بھی متعدد افراد سے حدیثیں بیان کیں (۲۱۳)۔ وہ آخری وقت تک اندلس ہی میں مقیم رہے (۲۱۴)۔ ان سے محمد بن محمد بن حکم الباہلی رحمہ اللہ، محمد ابن احمد بن ابراہیم الجبائی رحمہ اللہ البغدادی قاضی ابوعلی بن سکرة رحمہ اللہ، ابو العلاء زہیر رحمہ اللہ بن عبد الملک الایادی، عبد اللہ بن احمد رحمہ اللہ بن سماک الغرناطی، حافظ عبد الرحمن رحمہ اللہ بن احمد بن ابی لیلی، یوسف بن قتی السخوی رحمہ اللہ اور محمد رحمہ اللہ بن عبد اللہ بن خلیل القیسی مسند مراکش (مغرب) نے روایت کی چنانچہ مؤخر الذکر نے ان کے واسطہ سے ۵۷۰ھ میں صحیح مسلم میں سے احادیث بیان کیں (۲۱۵) اور ان سے قاضی ابوعلی الصدفی (۲۱۶) اور قاضی عیاض وغیرہ نے سنا (۲۱۷)۔

ابن بشکوال کہتے ہیں کہ ”حسین الغسانی قرطبہ میں رئیس الحدیثین مانے جاتے تھے۔ ان کا شمار نمایاں محدثین اور بلند پایہ مستند علماء میں ہوتا تھا۔ انہوں نے حدیث، کتب حدیث اور ضبط روایت کی طرف پوری توجہ دی۔ خوش نویس اور جید حافظ تھے (۲۱۸)۔ امام ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں ”ان کا شمار عظیم حفاظ میں ہوتا تھا۔ عربی زبان و ادب، شعر و انساب پر کامل عبور رکھتے تھے۔ اور ان تمام علوم میں کتابیں بھی تصنیف کیں۔ لوگ ان کے پاس طلب علم کے لیے آتے اور نقل و روایت پر اعتماد رکھتے تھے“ (۲۱۹)۔ السہیلی نے ”الروض الانف“ میں فرمایا ہے کہ مجھ سے ابو بکر بن طاہر رحمہ اللہ نے ابوعلی الغسانی رحمہ اللہ کے واسطہ سے بیان کیا کہ ابو عمر ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ان سے کہا کہ ”تم پر اللہ تعالیٰ کی یہ امانت ہے کہ اگر تم کسی ایسے صحابی سے واقف ہو جن کا تذکرہ میری کتاب الاستیعاب میں نہیں ہے۔ تو تم ان کا نام اس میں درج کر دینا“ (۲۲۰)۔

ابن عطیہ نے ان کے متعلق فہرس میں فرمایا ہے کہ ”وہ اندلس کے ایسے شخص ہیں جن پر علم حدیث، رجال حدیث اور علل کی معرفت کا معیار قائم ہوا وہ علم نحو، ادب، شعر اور غریب الفاظ پر بھی کافی عبور رکھتے تھے (۲۲۱)۔ حسن بن مغیث فرماتے ہیں کہ ”ابو علی ان کامل ترین لوگوں میں سے ہیں جن کو میں نے علم حدیث، طرق حدیث کی معرفت اور فن رجال پر دسترس رکھنے میں ممتاز پایا ہے۔ انہوں نے لغت کی کتابوں سے بحث کی ہے، اشعار کی بکثرت روایت کی ہے اور میری واقفیت کی حد تک کسی نے بھی ان سے زیادہ روایات جمع نہیں کیں (۲۲۲)۔ کتابوں کی تصحیح کے معاملہ میں بھی کوئی ان کا ہمسر نہیں ہے (۲۲۳)۔ علم حدیث پر انہوں نے بیش بہا تصنیفات چھوڑی ہیں۔ کتنا ہی کہتے ہیں کہ ان کی کتاب ”تقیید المہمل وتمییز المشکل“ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں وہ تمام الفاظ جمع کر دیئے گئے ہیں جن کے بارے میں بخاری و مسلم کے راویوں میں التباس ہوا ہے (۲۲۴)۔ ان کی ایک تصنیف ابن عبدالبر کی ”الاستیعاب“ کے لیے مکملہ و تتمہ کی حیثیت رکھتی ہے (۲۲۵)۔ ان کی دیگر تصانیف میں ”تسمیۃ شیوخ ابی داؤد السجستانی فی مصنفہ“ (۲۲۶) اور ”فہرست ابی علی حسین بن محمد الغسانی“ (۲۲۷) بھی شامل ہیں۔

ان کے بعد ابو علی الحسین بن محمد بن فیرہ بن حیون الصدقی السرقطی الاندلسی (م ۵۱۴ھ) کا نام آتا ہے جو ایک عظیم محدث تھے اور ابن سکرۃ کے نام سے معروف تھے۔ قاضی ابوالولید رحمہ اللہ، محمد بن سعدون، ابوبکر رحمہ اللہ الشاشی اور نصر رحمہ اللہ المقدمی سے سماعت حدیث کی (۲۲۸)۔ اور ابو علی الجبائی سے بھی حدیث کی سماعت کی (۲۲۹)۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ”علم وافر لے کر آئے اور فن حدیث کے متن و اسناد میں مہارت تامہ پیدا کی۔ ساتھ ہی ساتھ خوش نویس، ضبط اور حسن تالیف، فقہ و ادب، دینداری، تواضع و انکساری میں ممتاز تھے (۲۳۰)۔

صاحب ”فتح الطیب“ ان کے متعلق فرماتے ہیں ”یہ حدیث، طرق حدیث کے عالم، علل سے آگاہ اسماء الرجال اور ناقلین حدیث سے واقف، خوش نویس، عمدہ یادداشت کے مالک تھے۔ خود اپنی تحریر سے بہت علوم نقل کئے۔ حدیث کی کئی تصنیفات کے حافظ، متون و اسانید اور رواۃ کو مستحضر رکھنے والے تھے۔ محض حافظے کی بنیاد پر صحیح بخاری کو ایک سفر میں اور صحیح مسلم کو دوسرے سفر میں تحریر کیا۔ ان دونوں کتابوں سے کافی لگاؤ رکھتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ سنن ترمذی سے بھی والہانہ تعلق تھا“ (۲۳۱)۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ”مجھ سے ابواسحاق ابراہیم بن جعفر فقیہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ”ابو علی الحسین رحمہ اللہ نے ان سے فرمایا کہ صحیح حدیث مجھ سے حاصل کرو اور میرے سامنے جو متن بھی پڑھو گے میں اس کی سند بتا دوں گا اور جس سند کا ذکر کرو گے میں اس کا متن بتا سکوں گا“ (۲۳۲)۔

صحیح بخاری کا صحیح ترین نسخہ مغرب میں ان کے پاس موجود تھا۔ جسے انہوں نے خود اپنے قلم سے تحریر کیا تھا۔ کتابی فہرست الفہارس میں لکھتے ہیں ”بعد میں لوگ طرابلس میں ۱۲۱۱ء میں صحیح بخاری کے ایک اصل نسخہ سے واقف ہوئے جسے حافظ الصدفی نے خود تحریر فرمایا تھا۔ جس کی خوب تعریف کی (۲۳۳)۔ اور مزید فرمایا کہ ”اس کے آخر میں قاضی عیاض کے سماع کا تذکرہ خود ان کی تحریر میں موجود ہے اور آغاز میں ابن جماعہ رحمہ اللہ، حافظ الدمیاطی رحمہ اللہ، ابن العطار رحمہ اللہ اور سخاوی رحمہ اللہ کی یہ تحریر ہے کہ اس نسخہ کو حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے اپنی شرح فتح الباری کی بنیاد بنایا ہے اور اسی پر اعتماد کیا ہے کیونکہ یہی نسخہ مشرق و مغرب، حرمین، مصر، شام، عراق اور مراکش میں متداول رہا۔ لہذا اسی کو معتبر سمجھنا زیادہ مناسب بھی تھا۔ جیسے ان کے شاگرد ابن سعادہ کی روایت قابل اعتبار سمجھی جاتی ہے“ (۲۳۴)۔ کتابی فرماتے ہیں کہ برہان الدین ابن جماعہ نے اس نسخہ کو ۸۰۲ھ میں دیکھا تو انہیں بہت پسند آیا اور فرمایا کہ اگر میں کوئی واضح نسخہ خوبصورت تحریر سے لکھتا اور اس سے موازنہ کرتا تو یہ نسخہ زیادہ عمدہ لگتا کیونکہ اس کے تحریر کرنے والے ایک جلیل القدر عالم ہیں (۲۳۵)۔

ابن بشکوال فرماتے ہیں کہ ”یہ ان بزرگ ترین لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے میرے پاس اجازت کے لیے لکھا“ (۲۳۶)۔ امام صدفی رحمہ اللہ سے بہت سے علماء اور محدثین نے سماعت کی۔ ان کے مشہور شاگردوں میں ابو محمد عبدالحق بن عطیہ (م ۵۳۲ھ) (۲۳۷) اور قاضی عیاض ہیں (م ۵۵۴ھ) (۲۳۸)۔ ابن عطیہ کی مشہور تالیفات میں ”برنانج فی اسماء شیوخہ“ (۲۳۹) اور ”التعلیقہ الکبریٰ فی الخلاف“ (۲۴۰) ہیں ۵۱۲ھ / ۱۱۱۸ء میں اسبانیوں کے ہاتھوں حافظ صدفی کا شہر اور ان کی جائے پیدائش سرقسطہ کا سقوط ہوا تو انہوں نے عوام کی غیرت و حمیت کو لکارا اور انہیں جہاد پر آمادہ کرنے کے لیے تقریریں کیں۔ چنانچہ ایک عظیم اسلامی لشکر حافظ صدفی رحمہ اللہ اور امیر ابراہیم بن یوسف المرابطی رحمہ اللہ کی قیادت میں اکٹھا ہو گیا۔ اگرچہ ان کی عمر ۶۰ سال سے زائد ہو چکی تھی۔ لیکن انہوں نے بڑی ثابت قدمی اور سرگرمی سے اس جہاد کی تیاریاں کیں اور جب فریق مخالف سے مقابلہ ہوا تو علماء صالحین کے ایک گروہ نے ساتھ خدا کی رضا کے لیے انہوں نے ۵۱۴ھ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا (۲۴۱)۔

چوتھی اور پانچویں صدی ہجری اندلس میں حدیث اور علوم حدیث کا سنہری دور مانا جاتا ہے۔ چھٹی صدی ہجری میں حافظ جیبانی رحمہ اللہ اور الصدفی رحمہ اللہ کے اکثر شاگرد علماء نے حدیث اور علوم حدیث سے اشتغال رکھا۔ ان کا شمار علوم حدیث اور دیگر علوم کے قائدین میں ہوتا ہے۔ ان میں حافظ ابو بکر محمد بن حیدر بن مفوز المعافری (م ۵۱۵ھ) جو ابن مفوز کے نام سے معروف ہیں۔ سب سے

زیادہ شہرت یافتہ ہیں۔ انہوں نے اپنے چچا طاہر الحافظ رحمہ اللہ اور ابو علی الغسانی رحمہ اللہ کے واسطے سے حدیث بیان کی اور ابو عمر بن الحذاء رحمہ اللہ اور قاضی ابوالولید الباجی رحمہ اللہ کی طرف سے اجازت یافتہ بھی تھے (۲۴۲)۔ ان کے متعلق امام ذہبی فرماتے ہیں کہ ”یہ حافظ جید عالم، ادب اور فنون ادب کے ماہر تھے۔ قرطبہ میں حدیث بیان کی اور اپنے شیخ ابو علی الحافظ رحمہ اللہ کے صحیح جانشین قرار پائے“ (۲۴۳)۔

انہیں میں علامہ ابو محمد عبدالحق بن غالب کے والد ماجد ابو بکر غالب رحمہ اللہ بن عبد الرحمن الغرناطی الاندلسی رحمہ اللہ (۴۱۱-۵۱۸ھ) ہیں (۲۴۴)۔ انہوں نے بہت سے محدثین سے سماعت کی ہے اور اپنے والد حافظ علی الغسانی سے بھی روایت کرتے ہیں (۲۴۵) ابن بشکوال فرماتے ہیں: ”یہ حافظ حدیث اور طرق و علل میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ فن رجال کے ماہر، متون و معانی کو محفوظ رکھنے والے تھے۔ ہم نے اپنے بعض اصحاب کی تحریر پڑھی ہے کہ انہوں نے ان سے ذکر کرتے ہوئے سنا کہ صحیح بخاری کو سات سو مرتبہ دہرایا“ (۲۴۶)۔ انہیں میں حافظ ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن سلیمان الاندلسی الاشبیلی محدث قرطبہ ہیں (۵۲۲ھ)۔ انہوں نے ابو علی الغسانی کی صحبت اختیار کی اور ابو علی ان کی تعظیم کرتے تھے اور ان کو ذہین اور وسیع العلم گردانتے تھے۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ ”حدیث و علل کے حافظ، فن رجال اور جرح و تعدیل میں مہارت تامہ رکھتے تھے، ثقہ اور ضابط تھے۔ ان کی کئی ایک تصنیفات ہیں جن میں ”الاقلیل فی بیان الاسانید“ اور کتاب ”معرفة اسانید المؤطا“ وغیرہ ہیں (۲۴۷)۔

اس صدی کے حافظ ابو جعفر احمد بن عبد الرحمن بن محمد الاندلسی (۵۴۲ھ) ہیں جو البطروجی کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے ابو علی الغسانی وغیرہ محدثین سے اخذ و استفادہ کیا۔ ان کے واسطے سے ابن بشکوال، محمد بن عبد العزیز الشقوری اور دیگر محدثین نے روایت کی (۲۴۸)۔ ان کے متعلق ابن بشکوال کا کہنا ہے کہ یہ ”حدیث و فقہ، رجال و تاریخ کے بلند پایہ حافظ اور اپنے ہم عصروں پر فائق تھے۔ ابن بشکوال کے علاوہ دیگر افراد کا خیال ہے کہ ”ان کی کئی ایک مشہور تالیفات ہیں اور یہ رجال و تراجم رجال پر عبور رکھتے تھے (۲۴۹)۔

جیانی اور صدفی کے شاگردوں میں قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ المعروف ابن العربی المعافری الاندلسی (۴۶۸-۵۴۳ھ/۱۰۷۶-۱۱۷۸ء) ہیں۔ انہوں نے ۴۸۵ھ میں مشرق کا سفر کیا اور اہل شام و حجاز سے سماعت کی۔ حج کیا اور دو مرتبہ بغداد گئے۔ ابو بکر الشاشی اور ابو حامد الغزالی کی صحبت میں رہے۔ اسکندریہ تشریف لے گئے۔ وہاں محدثین کے ایک گروہ سے ملاقات کی۔ ان سے حدیثیں لکھیں، استفادہ کیا اور فائدہ بھی پہونچایا (۲۵۰)۔ علم کے خزانہ سے مالا مال ہو کر اندلس واپس آئے (۲۵۱)۔ ان کے متعلق ان کے شاگرد ابن بشکوال کا خیال ہے کہ ”حافظ متبحر، اندلس

کے آخری عالم اور امام تھے (۲۵۲)۔ اور ان کے متعلق حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی نے شرح بدیعہ البیان میں لکھا ہے کہ ”یہ ایک مشہور حافظ اور معتبر امام تھے“ (۲۵۳)۔

ان کا ذکر استاذ ابو جعفر احمد بن ابراہیم الزبیر نے اپنی کتاب ”صلہ“ میں کیا ہے اور فرمایا ہے ”انہوں نے اپنے والد ابو محمد کے ساتھ حکومت عبادیہ کے سقوط کے بعد ۴۸۵ھ میں حج کا سفر کیا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۷۱ سال تھی۔ چنانچہ مصر کے شیوخ سے ملاقات کی اور کئی ایک افراد کا نام بتایا پھر فرمایا کہ ”انہوں نے احادیث نوٹ کیں، روایتوں کو اکٹھا کیا اور بکثرت روایت کی“ (۲۵۴)۔ ان کے متعلق امام ذہبی کا خیال ہے کہ قاضی ابوبکر کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو اجتہاد کے درجہ پر فائز ہیں (۲۵۵)۔ جلیل القدر علماء نے ان سے استفادہ کیا جن میں قاضی عیاض، ابن بشکوال، صاحب فہرست ابن خیر اور ابو عبد اللہ بن سعاده ہیں۔ علم حدیث میں ان کی درج ذیل تصانیف ہیں:

۱۔ عارضۃ الاحوذی فی شرح جامع الترمذی۔

۲۔ کوکب الحدیث والمسلسلات (۲۵۶)۔

۳۔ العواصم من القواصم (۲۵۷)۔

قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ الیھمی البستی (م ۵۴۴ھ) کا شمار بھی عظیم محدثین میں ہوتا ہے۔ قاضی حافظ ابوعلی الغسانی نے انہیں اپنی سند اجازت عطا فرمائی، انہوں نے ابوعلی بن سکرۃ وغیرہ سے استفادہ کیا (۲۵۸)۔ ان کے شاگردوں میں خلف بن بشکوال ہیں (۲۵۹)۔ ان کے متعلق ابن خلکان فرماتے ہیں کہ یہ ”حدیث، علوم حدیث، نحو، لغت، کلام عرب، ایام و انساب میں امام وقت مانے جاتے تھے (۲۶۰)۔

ان کے شاگرد خلف بن بشکوال فرماتے ہیں کہ ”وہ صاحب فہم و ذکا، اور اہل علم و فن میں سے تھے۔ انہوں نے ایک لمبی مدت سبتیہ میں قضا کی ذمہ داری ادا کی اس کے بعد کچھ دنوں غرناطہ میں بھی خدمت انجام دی پھر وہ قرطبہ واپس آ گئے۔ تو ہم نے ان سے استفادہ کیا“ (۲۶۱)۔ ان کے متعلق امام ذہبی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ مختلف علوم میں تبحر پیدا کیا اور عمدہ تالیفات پیش کیں۔ ان کی تصنیفات اقصائے عالم میں پھیل گئیں۔ جس سے انہیں کافی شہرت ملی (۲۶۲)۔ ابن سعد نے ان کے ترجمہ میں ”من النجم الثاقب“ میں ان کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ مجھے جو حدیث یا روایت ملی اس کی اسناد سے میں واقف تھا (۲۶۳)۔ حافظ السخاوی ان کے بارے میں فرماتے ہیں ”وہ علوم حدیث، نحو، لغت، کلام عرب اور انساب میں اپنے تمام ہم عصروں سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے“ (۲۶۴)۔ ان کے متعلق ابوالحسن بن عبد اللہ النہای المالکی نے فرمایا ”انہوں نے بہت سی حدیثیں جمع کی تھیں اور اس کی

طرف پوری توجہ دیتے تھے اور وہ علم، ذہانت، ہوشمندی اور سوجھ بوجھ میں یقین رکھنے والوں میں سے تھے“ (۲۶۵)۔

علم حدیث اور سیرت پر ان کی کئی تصنیفات ہیں۔ جن میں ”الشفاء فی شرف المصطفیٰ“ یا ”الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ“ ہے (۲۶۶)۔ دوسری تصنیف کتاب الاکمال ہے جو مسلم کی شرح کے طور پر لکھی گئی ہے یہ انہوں نے المازری کی کتاب ”المعلم فی شرح مسلم“ کی تکمیل کے طور پر لکھی۔ ایک اور تصنیف مشارق الانوار ہے جو انتہائی مفید کتاب ہے جسے صحاح ثلاثہ (موطا، بخاری، مسلم) میں وارد غریب احادیث کی تفسیر کے طور پر تحریر کیا ہے (۲۶۷)۔

بعض شیوخ کہتے تھے ”سورج مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہوتا تھا۔ اب ایک اور سورج قاضی عیاض کی کتاب الشفاء کی صورت میں ہم مشرق والوں پر طلوع ہوا ہے (۲۶۸)۔ ابن فرحون نے کتاب المشارق کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ ”یہ ایسی کتاب ہے کہ اگر آب زر سے لکھی جاتی یا جواہرات سے تولی جاتی پھر بھی اس کا حق ادا نہ ہوتا“ (۲۶۹)۔ علم حدیث میں ان کی ایک دوسری تصنیف ”الالماع الی معرفة اصول الروایة وتقید السماع“ ہے (۲۷۰)۔ دیگر تصانیف ”شرح حدیث ام زرع“ اور ”کتاب التنبیہات“ ہیں (۲۷۱)۔

قاضی عیاض کے بعد حافظ ابو بکر محمد بن خیر بن عمر بن خلیفہ الاشبیلی (۵۰۲-۵۷۵ھ) جو ابن خیر کے نام سے مشہور ہیں کا ذکر آتا ہے۔ انہوں نے کئی شیوخ، قاضی ابو بکر ابن العربی، ابوالقاسم بن قتی، اور ابن مغیث وغیرہ سے استفادہ کیا (۲۷۲)۔ ابن الآبار نے ان کے متعلق فرمایا ہے ”یہ حد درجہ روایت کرنے والے تھے اور ایک سو سے زائد شیوخ سے سماعت کی اور ان کے ہم عصروں میں کوئی ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا“ (۲۷۳)۔ ان کی ایک مشہور کتاب ”فہرست“ ہے جس میں اپنے شیوخ کے واسطے سے تمام علوم کی روایت کی ہے (۲۷۴)۔

ابو محمد عبدالحق بن عبد الرحمن الازدی الاشبیلی (۵۱۰-۵۸۱ھ) ابن خیر کے معاصر ہیں۔ جنہیں ابن الخراط کے نام سے بھی جانا جاتا ہے (۲۷۵)۔ ان کے فضل و کمال کے لیے یہی کافی ہے کہ حافظ ابو بکر ابن عسا کر نے انہیں سند اجازت خود لکھ کر دی (۲۷۶)۔ ان کے متعلق ابو عبد اللہ البیہقی الآبار فرماتے ہیں ”وہ فقیہ، حافظ، حدیث، علل اور فن رجال کے جید عالم تھے۔ خیر و صلاح، زہد و تقویٰ، سنت کی پابندی اور دنیا سے بے رغبتی میں معروف تھے“ (۲۷۷)۔ ان کی ایک تصنیف ”الجمع بین الصحیحین“ ہے۔ ”الاحکام“ کے دو نسخے ”کبریٰ وصغریٰ“ کی شکل میں موجود ہیں (۲۷۸)۔ دونوں طبع ہو چکی ہیں۔

چھٹی صدی کے ایک محدث ابوالقاسم خلف بن عبد الملک بن مسعود بن موسیٰ بن بشکوال

الاندلسی، القرطبی (۳۹۲-۵۷۸ھ) ہیں۔ انہیں حافظ، ناقد اور محدث اندلس جیسے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ انہوں نے بہت سے محدثین سے استفادہ کیا۔ جن میں القاضی ابوبکر ابن العربی ہیں۔ ابوعلی بن سکرۃ الصدفی نے انہیں سند اجازت عطا فرمائی (۲۷۹)۔ ان کے متعلق ابو عبد اللہ الآبار نے فرمایا ”وہ بکثرت روایت کرنے والے اور حد درجہ اس سے شغف رکھنے والے تھے۔ وجوہ و علل سے آگاہ، حجت، اپنے زمانہ کے فائق، حافظ، اخباری اور اندلس کے واقعات کو محفوظ رکھنے والے تھے۔ اپنے شیوخ کے واسطہ سے سند چار سو سے زائد کتابوں کی روایت کی ہے۔ جن میں چھوٹی بڑی سبھی شامل ہیں۔ لوگوں نے حصول علم کی خاطر ان کی طرف سفر کیا اور ان سے استفادہ کیا۔ ان کے واسطہ سے ہم سے ایک جماعت نے حدیث بیان کی اور انہیں اصلاح باطن سے متصف اور طلبہ کے حق میں صبر و تواضع کا پیکر قرار دیا۔ مختلف علوم میں پچاس تالیفات چھوڑی ہیں۔ اشبیلیہ کے بعض مقامات میں ابن العربی کی نیابت میں قضاء اور شروط کے انعقاد کی ذمہ داری سونپی گئی۔ پھر علم کے سنانے ہی پر اپنے آپ کو محدود رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے روایت کرنے والے بے شمار ہیں۔ جن میں ابوبکر بن خیر، ابوالقاسم القنطری، ابوبکر بن سجون اور ابوالحسن بن الضحاک بھی ہیں۔ یہ تمام کے تمام ان سے قبل ہی وفات پا گئے“ (۲۸۰)۔ ان کی کئی تصنیفات ہیں ان میں سے مشہور یہ ہیں:

- ۱۔ صلتہ تاریخ ابن الفرزی۔ ۲۔ غوامض الاسماء المہمۃ۔
- ۳۔ کتاب معرفۃ العلماء الافاضل۔ ۴۔ المسلسلات۔
- ۵۔ حدیث ”من کذب علیّ (اسانید کے ساتھ) (۲۸۱)۔

اسی صدی کے مشہور محدث ابو القاسم عبدالرحمن بن عبد اللہ المعروف بالہبلی (۵۰۸-۵۸۱ھ) ہیں۔ ان کی کتابوں میں ایک ”الروض الانف“ یہ سیرت نبوی ابن ہشام کی شرح کے طور پر تصنیف کی گئی ہے (۲۸۲)۔ یہ بہترین کتاب ہے۔

اسی صدی کے مشہور عالم حافظ ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم بن خلف الاندلسی (۵۱۱-۵۹۰ھ) ہیں۔ جنہیں ابن الفخار کے نام سے جانا جاتا ہے (۲۸۳)۔ ابن الآبار نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ: تمام حفاظ کے امام اور فائق عصر، متون و اسانید کو بیان کرتے تھے، ساتھ ہی ساتھ رجال سے واقف اور غریب احادیث کے حافظ تھے (۲۸۴)۔

میں نے طوالت کے خوف سے علم حدیث کے میدان میں مشہور علماء کے ذکر ہی پر اکتفا کیا ہے۔ ورنہ اندلس کو علوم شرعیہ بالخصوص علم حدیث کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ اور وہاں کی درس گاہیں مثلاً جامع اشبیلیہ، جامع قرطبہ، جامع غرناطہ، جامع طلیطلہ اور جامع بیرۃ، علم حدیث اور آداب وغیرہ کے

لیے معروف تھیں (۲۸۵)۔ ۶۳۴ھ میں قرطبہ کا سقوط ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے دوسرے شہروں پر زوال آنا شروع ہو گیا۔ ۸۹۸ھ میں وہاں کا آخری شہر غرناطہ بھی صلیبیوں کے قبضہ میں آ گیا اس طرح دیار اندلس کفر و شرک کی تاریکیوں میں ڈوب گیا۔ جبکہ وہاں کا اسلامی عہد علم و ادب کے اعتبار سے تاریخ علم کا زریں دور شمار ہوتا ہے۔ یورپ اور دیگر تمام ممالک علم کے معاملہ میں ان کے دست نگر تھے۔ اب موسیٰ بن نصیر اور طارق ابن زیاد کہاں سے آئیں گے جو مسلمانوں کی گم شدہ عظمت کو بحال کر سکیں۔



برصغیر میں علم حدیث

عرب و ہند تعلقات:

عرب و ہند کے تعلقات بہت پرانے ہیں ان تعلقات کی قدامت کا اندازہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے البتہ اتنا یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تعلقات کڑہ ارض پر انسانی وجود کے ساتھ ہی قائم چلے آ رہے ہیں۔ قصص الانبیاء کی اہم کتب کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام جنت سے دنیا کی طرف بھیجے گئے تو وہ ارض ہند کے جنوبی علاقہ سری لنکا میں اتارے گئے (۲۸۶) جب کہ ان کی بیوی حضرت حوا سعودی عرب کے موجودہ جدہ میں اتاری گئیں۔ حضرت آدم ہند سے چل کر حضرت حوا کو عرب کے عرفات میں جا ملے جو مکہ کے قریب ایک میدان ہے (۲۸۷)۔ یہ عرب اور ہند سے تعلق رکھنے والی ہستیوں کی پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد زمانہ قدیم سے اب تک اہل ہندوستان سے عربوں کے تعلقات چلے آ رہے ہیں۔ عرب لوگ تاجر پیشہ تھے وہ آس پاس کے ملکوں کی منڈیوں سے تجارتی مال لاتے اور لے جاتے تھے۔ عرب و ہند میں سندھ مکران اور جنوبی عرب کے ساحل اس قدر قریب ہیں کہ ان کے درمیان تجارتی تعلقات اور دوسرے روابط قائم ہو جانا ایک ناگزیر اور فطری عمل تھا۔ عربوں اور ہندوستانیوں میں قدر مشترک بت پرستی اور غیر اللہ کی پوجا تھی۔ عرب تاجر عموماً جنوبی ہند کی بندرگاہوں میں مال لاتے اور لے جاتے تھے۔ بعض عرب تاجروں نے جنوبی ہند کے ساحلی شہروں میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ اس طرح قبل از اسلام ہی سے دونوں ممالک کے عوام ایک دوسرے سے متعارف تھے (۲۸۸)۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ ہندوستان اور اس کی مختلف چیزوں سے واقف تھے ان چیزوں میں مشک، کافور، زنجبیل (اورک)، قرفل (لونگ)، فلفل (مرچ)، عود ہندی، قسط ہندی، ساج (ساگوان کی لکڑی)، ہندی تلواریں اور یہاں کے بعض کپڑے بھی عرب میں استعمال کیے جاتے تھے۔ اکثر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان ہندوستانی اشیاء کو حضور ﷺ اور صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم بھی استعمال فرماتے تھے۔ احادیث رسول ﷺ میں بھی ہندوستان کا تذکرہ موجود ہے۔ روایات میں غزوہ ہند کا بھی تذکرہ ملتا ہے (۲۸۹)۔

ہند میں اسلام:

اہل ہندوستان کو ظہور اسلام کی خبر اسی وقت ہی پہنچ گئی تھی جب اس عالمگیر دین کا دروازہ اہل مکہ پر کھلا (۲۹۰)۔ اوراق تاریخ اس بات کے شاہد ہیں کہ وہ قافلے جو عرب و ہند کے درمیان بغرض تجارت رواں دواں تھے پہلے پہل اسلام نے انہی کے ہاتھوں ہندوستان کی سرحد پار کی (۲۹۱)۔ اہل عرب کے تجارتی قافلے مالا بار، لنکا، مالدیپ، انڈونیشیا اور چین کے علاقوں میں آتے جاتے تھے۔ اس وقت ایک مشہور واقعہ معجزہ شق القمر سے متاثر ہو کر مالا بار کے راجہ زموڑا کا اسلام قبول کر لینا ہے۔ پھر عہد فاروقی میں لنکا کے راجہ نے بھی اسلام قبول کر لیا (۲۹۲)۔

ہند میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آمد:

برصغیر میں خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہی اسلام آ گیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مغربی ہندوستان میں ممبئی اور تھانہ میں مسلمانوں کی آبادیاں وجود میں آ چکی تھیں۔ عام طور پر یہ تابعین تھے جو ہندوستان میں آئے اور جن کی آبادیاں برصغیر میں قائم ہوئیں۔ انہی تابعین کے ہاتھوں میں برصغیر میں اسلام باقاعدہ طور پر داخل ہوا (۲۹۳)۔

سرزمینِ عجم پر فتوحات کا سلسلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شروع ہوا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلامی سلطنت جنوب کی جانب ہرات اور بلخ تک پہنچ گئی۔ اگر خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان مہم جو عربوں کو چند مصلحتات کو ملحوظ رکھ کر اس ملک کو فتح کرنے سے منع نہ کیا ہوتا جنہوں نے ان کے عہد خلافت میں ہند فتح کرنے کے ارادے سے ۲۳ھ/۶۴۳ء میں بڑی اور بحری حملے کیے تو شاید ہند میں علم حدیث کا آغاز خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں ہو گیا ہوتا۔ اس اہم واقعہ کے بعد اگرچہ ہندوستان کی سرحدوں پر عربوں کے اکاؤ کا حملے ہوتے رہے تاہم اس علاقہ کو فتح کرنے کی منظم کوشش اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان (۸۶ تا ۹۶ھ/۷۰۵ تا ۷۱۴ء) کے عہد سے پہلے نہیں کی گئی۔ پھر اسی خلیفہ کے عہد میں سندھ فتح ہوا۔ یہی سبب ہے کہ ہندوستان کا شمار ان مسلم ممالک میں نہیں کیا جاسکتا جہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زبان سے احادیث بیان کیں (۲۹۴)۔

ان کے خلاف مہموں میں جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے حصہ لیا ان میں سے یہ نام ہم تک پہنچے ہیں:

- ۱۔ عبداللہ بن عبداللہ عقیق۔
- ۲۔ عاصم بن عمر تمیمی۔
- ۳۔ صحرار بن العبدی۔
- ۴۔ سہیل بن عدی۔
- ۵۔ الحکم بن ابی علی ثقفی (۲۹۵)۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کئی ایک صحابہ ہند آئے وہ اس ملک میں علم حدیث کی اشاعت کے چلتے پھرتے مدرسے تھے۔ تاہم یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں حالات ایسے تھے جن میں اشاعت حدیث کا کام پوری توجہ سے انجام نہیں دیا جاسکتا تھا (۲۹۶)۔

سندھ میں اسلام کی آمد:

پہلی صدی ہجری کی آخری دہائی میں سندھ میں مسلمانوں کی خود مختار اور مستقل بالذات سلطنت کا دار الحکومت قائم ہوا۔ ۹۳ھ/۷۱۲ء میں محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا۔ سندھ میں اسلامی علوم کے آغاز اور ان کی اشاعت کے بارے میں سب سے پہلا اور باقاعدہ تحریری ثبوت محمد بن قاسم کی فتح سندھ سے ملتا ہے۔ واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ عرب فوج میں قرآن مجید کے بہت سے قاری تھے جن کو حجاج نے یہ تاکید کی تھی کہ وہ قرآن کی قرات پابندی سے کیا کریں۔ (۲۹۷)۔

شمالی ہند میں اشاعت اسلام:

سندھ کے علاوہ شمالی مغربی سرحدی صوبہ کی جانب سے سلطان محمود غزنوی نے ۳۹۲ھ/۱۰۰۲ء میں داخل ہو کر اسلام کے فروغ و اشاعت کی راہ ہموار کی۔ غزنوی عہد حکومت میں اسلام کی جڑیں لاہور اور گردونواح میں مستحکم ہو گئیں (۲۹۸)۔

برصغیر میں حدیث کی طرف رجحان:

ابتدائی چار صدیوں میں ہندوستان میں لوگوں کا رجحان صرف حدیث نبوی کی طرف تھا کیونکہ جب اسلام ہندوستان میں داخل ہوا تو قرآن و حدیث کے علاوہ اور کسی چیز کا وجود نہیں تھا۔ لوگ علما اور محدثین کا بہت احترام کرتے تھے۔ چنانچہ ابوالقاسم مقدسی جس نے سلطان محمود غزنوی کے حملہ سے پہلے ۳۷۵ھ/۹۸۵ء میں سندھ کو دیکھا۔ وہ اس خطہ کے متعلق لکھتا ہے: ”ان میں سے اکثر لوگ حدیث کی طرف رجحان رکھنے والے ہیں“ (۲۹۹)۔

عرب سے آنے والے محدثین:

اوائل صدیوں میں عرب سے آنے والے مشہور محدثین کے نام درج ذیل ہیں:

- ۱۔ موسیٰ بن یعقوب الشافعی (۳۰۰)۔
- ۲۔ یزید بن ابی کبشہ دمشقی (۳۰۱)۔
- ۳۔ ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ بصری (۳۰۲)۔
- ۴۔ ابو حفص ربیع بن صبیح (۳۰۳)۔

ابتدائی صدیوں میں سندھ اور ملتان کے مراکز حدیث و محدثین:

اس زمانے میں سندھ اور ملتان کے کئی محدثین مشہور ہوئے جن کو ان مراکز کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ سندھ ہندوستان (موجودہ پاکستان کا) بہت بڑا علاقہ ہے اس میں کرمان، بھٹان، دیبل (کراچی) منصورہ اور قصدار جیسے علاقے شامل تھے۔ بعض لوگوں نے ملتان کو بھی سندھ میں داخل کیا ہے۔ (۳۰۴)۔ اس علاقے کے مشہور محدثین مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ ابو معشر شیح بن عبدالرحمن سندھی (م ۱۷۰ھ / ۷۸۶ء) (۳۰۵)۔
- ۲۔ ابو عبداللہ محمد بن رجاء سندھی (م ۲۴۶ھ / ۸۶۰ء تقریباً) (۳۰۶)۔
- ۳۔ حافظ ابو بکر محمد بن محمد بن رجاء السندھی (م ۲۸۶ھ / ۸۹۹ء) (۳۰۷)۔
- ۴۔ ابوالعباس احمد بن محمد بن صالح منصورہ، یہ چوتھی صدی ہجری کا آدمی ہے۔ منصورہ دوسری صدی کا مشہور شہر تھا۔ جس کو اہل ہند بھکر کہتے تھے اور اس میں علم حدیث کی کافی نشرو اشاعت ہوئی (۳۰۸)۔
- ۵۔ ابو محمد عبداللہ بن جعفر مرہ منصورہ (م ۳۹۰ھ / ۱۰۰۰ء) (۳۰۹)۔
- ۶۔ ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیبلی (م ۲۳۲ھ / ۸۴۶ء)۔ دیبل کراچی کا نام تھا۔ جسے محمد بن قاسم نے فتح کیا۔ اس کی فتوحات کے واقعات مشہور ہیں (۳۱۰)۔
- ۷۔ ابوالعباس احمد بن عبداللہ دیبلی (م ۳۴۳ھ / ۹۵۴ء) (۳۱۱)۔
- ۸۔ ابوالعباس محمد بن محمد بن عبداللہ الوراق الدیبلی (م ۳۵۴ھ / ۹۶۵ء) (۳۱۲)۔
- ۹۔ ابو جعفر بن خطاب قصداری (۳۱۳)۔ قصدار (قزدار) سندھ کا بڑا مشہور شہر تھا جسے مسلمانوں نے سنان بن سلمہ کی قیادت میں فتح کیا جو کہ علم حدیث کا بہت بڑا مرکز تھا (۳۱۴)۔

۱۰۔ ابو داؤد سیبویہ بن اسماعیل بن ابی داؤد الواحدی کزداری (م ۴۶۰ھ/۱۰۶۸ء یا اس کے بعد) (۳۱۵)۔

چوتھی صدی ہجری کے دوسرے نصف حصہ میں سندھ پر اسماعیلیوں کی حکومت کے قیام سے لے کر آٹھویں صدی ہجری کے وسط تک زیریں سندھ میں اسماعیلیوں کا اثر کسی نہ کسی شکل میں مسلسل باقی رہا۔ سندھ پر عربوں کی حکومت ختم ہو جانے کے بعد جو حالات رونما ہوئے۔ ان میں عرب ممالک اور بالخصوص حجاز میں واقع علم حدیث کے مراکز سے سندھ کا رابطہ منقطع ہو گیا۔ اس طرح جنوبی ہند میں علم حدیث کا احیاء کرانے میں بھی تاخیر ہو گئی۔

سندھ میں عرب حکومت کمزور پڑ جانے کے بعد شمال مغربی سرحد کی جانب سے جب غزنویوں اور غوریوں کی حکومت یہاں قائم ہوئی تو براہ راست محدثین کی آمد و رفت کم ہو گئی ان کی بجائے خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ کے علما یہاں فروکش ہوئے۔ اس دور میں مذاہب اربعہ کا رواج بھی کسی قدر پڑ چکا تھا اور یہ فاتحین بھی حنفی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے ساتھی فقہائے کرام کا تعلق علم حدیث سے بہت کم تھا جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے صراحت کی ہے۔ واشتغالہم بعلم الحدیث قلیل قدیما و حدیثا (ان کی قدیم اور جدید زمانہ میں علم حدیث کے ساتھ مشغولیت کم تھی) (۳۱۶)۔

سید عبدالحی حسنی لکھتے ہیں ”۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء میں سقوط بغداد کے بعد برصغیر میں حدیث کی طرف رجحان کم رہا زیادہ تر ادب، شعر، فقہ، اصول فقہ، ریاضی اور یونانی علوم کی طرف رجحان کرتے تھے۔ حدیث کی طرف ان کا اتنا ہی رجحان تھا جس قدر احادیث فقہ کی کتب میں آ جاتی تھیں۔ ان کی نظر صرف صفائی کی کتاب مشارق الانوار کی طرف ہوتی تھی اور اگر کوئی مصابیح السنہ یا مشکوٰۃ پڑھ لیتا تو اسے محدث سمجھا جاتا تھا۔ ایسا ان کے علم حدیث سے ناواقفیت کی بناء پر تھا۔ وہ حدیث کی کتب کو نہ پڑھتے تھے نہ جانتے تھے اور نہ ہی محدثین کے بارے میں معلومات رکھتے تھے۔ مشکوٰۃ کو بھی علم اور فہم کے لیے نہیں بلکہ برکت کے لیے پڑھا جاتا تھا۔ وہ تقلید کے قائل تھے اور تحقیق کی طرف ان کا میلان نہیں تھا اس لیے یہاں زیادہ تر ایسے فتاویٰ دیے جاتے تھے جن میں فقہ کو حدیثوں احادیث پر فوقیت دی جاتی۔ جب دسویں صدی ہجری میں یہاں علمائے محدثین تشریف لائے تو حدیث کی طرف رجحان شروع ہوا“ (۳۱۷) اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ شیخ ٹمس الدین ترک جب آٹھویں صدی ہجری میں سلطان علاؤ الدین خلجی کے دور میں وارد ہند ہوئے تو یہاں کے حالات کے متعلق سلطان وقت سے مخاطب ہو کر لکھتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارے شہر میں احادیث مصطفیٰ ﷺ کو نظر

انداز کیا جاتا ہے اور فقہیوں کی روایت پر عمل کی دیواریں استوار کی جاتی ہیں، تعجب ہے کہ جس شہر میں لوگ حدیث کی موجودگی میں فقہ کی روایت پر عمل کریں تو وہ شہر تباہ کیوں نہیں ہو جاتا اور اس پر آسمانی مصائب کیوں نہیں پھوٹنے لگتے (۳۱۸)۔

سید سلیمان ندوی نے عہد تغلق میں علم حدیث کے متعلق لکھا ہے: ”اس عہد میں علم حدیث کے ساتھ لوگوں کو جو بے اعتنائی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدین کے زمانہ میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لیے ایک مجلس منعقد ہوئی۔ مناظرہ کے ایک فریق شیخ نظام الدین سلطان الاولیاء تھے اور دوسری طرف تمام علما۔ شیخ کا بیان ہے کہ جب میں کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو علما بڑی جرأت اور بے باکی سے کہتے کہ اس ملک میں حدیث پر فقہی روایت مقدم سمجھی جاتی ہے اور کبھی یہ کہتے کہ چونکہ اس حدیث سے شافعی رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے اور وہ ہمارا مخالف ہے اس لیے ہم اس حدیث کو نہیں مانتے (۳۱۹)۔ اس عمومی حالت کے باوجود یہاں خال خال شخصیات ایسی بھی نظر آتی ہیں جنہوں نے اس بے اعتدالی اور جمود کو قبول نہیں کیا۔ ان میں شیخ حسن بن محمد صغانی، علی الممتقی، شیخ محمد طاہر پٹنی، شیخ ابوالحسن سندھی اور شیخ محمد حیات سندھی نامور ہیں۔ آخری دور میں شیخ احمد سرہندی یعنی مجدد الف ثانی نے بھی اپنی تعلیمات کی بنیاد کشف والہام اور مشرب مرشد کی بجائے کتاب و سنت پر رکھی۔ سید سلیمان ندوی رقم طراز ہیں: ”حضرت مجدد نے اپنی تعلیم کی بنیاد اتباع سنت پر رکھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم حدیث اور شمائل کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول ہونے لگی“ (۳۲۰)۔

برصغیر پاک و ہند میں نامور محدثین گزرے ہیں جن میں سے درج ذیل بہت معروف ہیں:

۱۔ شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۲ء):

ولادت: شیخ احمد بن عبدالاحد فاروقی سرہندی جو مجدد الف ثانی کے نام سے مشہور ہیں شوال ۹۷۱ھ / مئی ۱۵۶۴ء میں سرہند میں پیدا ہوئے (۳۲۱)۔

تعلیم: شیخ احمد نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر وہ سیالکوٹ اس کے بعد وہاں سے کشمیر گئے اور ملا کمال الدین کشمیری (م ۱۰۱۷ھ / ۱۶۰۸ء) سے معقولات اور شیخ یعقوب صرنی سے منقولات کا درس لیا۔ اس کے علاوہ شیخ احمد نے قاضی بہلول بدخشی سے صحاح ستہ کیلئے اجازہ بھی حاصل کر لیا تھا۔ بدخشی مکہ کے مشہور محدث عبدالرحمن بن فہد کے شاگرد تھے (۳۲۲)۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی کامیابی کا حقیقی راز یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں میں قرآن اور حدیث کے مطالعہ کو فروغ دینے پر بہت زور دیا (۳۲۳) اور قرآن و حدیث

پر مبنی اصلاح و ترقی کا جو مبارک کام انہوں نے شروع کیا تھا ان کے اخلاف نے پشت ہا پشت جاری رکھا۔ انہوں نے جہانگیر کو سجدہ نہ کیا۔

تصنیف: شیخ احمد سرہندی حدیث کے مہجر عالم تھے جس کا ثبوت ان کے مکتوبات کے مطالعہ سے بھی ملتا ہے۔ لیکن تصنیف و تالیف کی حد تک اس موضوع پر انہوں نے صرف ایک رسالہ اربعین لکھا ہے (۳۲۳)۔ محدث اور مصلح کی حیثیت سے حضرت مجددؑ نے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ صرف حدیث پر کتابیں لکھنا اور اس کا درس دینا ہی نہیں تھا (اگرچہ وہ یہ بھی کیا کرتے تھے) بلکہ ان کا اصل کام اس زمانے کی حکومت و سیاست میں جو زبردست افراط فری پھیلی ہوئی تھی اس کی اصلاح تھی۔ اس کے باوجود اشاعت و فروغ حدیث میں انہوں نے نمایاں خدمات سر انجام دیں۔ ۲۰ صفر ۱۰۳۴ھ / نومبر ۱۶۲۳ء کو شیخ احمد نے سرہند میں تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی (۳۲۵)۔

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء):

شیخ عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ محرم ۹۵۸ھ بمطابق جنوری ۱۵۵۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے (۳۲۶)۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم و تربیت میں ان کے والد ماجد کا خاص حصہ تھا۔ ایام طفلی میں ہی انہوں نے اپنے بیٹے کی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی۔ شیخ محدث کا بیان ہے ”شب و روز در کنار مرحمت و جوار عنایت ایشاں تربیت و یافتہ“ (۳۲۷)۔ ابتدائی تعلیم میں سب سے پہلے قرآن پاک شروع کرایا دو تین ماہ میں قرآن پاک ختم کر لیا (۳۲۸)۔ ایک ماہ کی قلیل مدت میں لکھنا سیکھ لیا (۳۲۹)۔ بارہ، تیرہ برس کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھ لی۔ پندرہ سولہ برس کی عمر ہو گئی کہ مختصر و مطول سے فارغ ہو گئے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں علوم عقلی و نقلی کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس کی سیر نہ کر چکے ہوں (۳۳۰)۔ اڑتیس سال کی عمر میں مکہ مکرمہ پہنچے اور اس سال ماہ رمضان تک محدثین مکہ سے صحیح بخاری و مسلم کی تعلیم کا شرف حاصل کر لیا (۳۳۱)۔

درس و تدریس: تعلیم سے فراغت کے بعد آپ ۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۲ء میں ہندوستان میں پھر وارد ہوئے اور شریعت محمدی کی ترویج و تدریس پر کمر باندھ لی اور ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی جس میں تعلیم دین اسلام کا سلسلہ شروع کر دیا اور اپنی ساری زندگی اس مشن میں دارالعلوم میں درس و تدریس میں گزار دی (۳۳۲)۔

تصانیف: شیخ عبدالحق محدث دہلوی بہت زیادہ کتب لکھنے والے مصنف تھے۔ انہوں نے حدیث،

تصوف، تاریخ اور سوانح پر ایک سو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں (۳۳۳)۔ علم حدیث پر ان کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ الطريق القويم فی شرح الصراط المستقیم (مطبوعہ): یہ کتاب فیروز آبادی کی سفر السعادة یا الصراط المستقیم کی فارسی شرح ہے۔ یہ ایسی مستند احادیث کا مجموعہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی زندگی کردار، عادات اور اخلاقی تعلیمات سے متعلق ہیں۔ یہ شرح دہلی میں لکھی گئی تھی اور ۲ جمادی الاول ۱۰۱۶ھ / ۱۶۰۳ء کو مکمل ہوئی اور ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء میں لکھنؤ میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی (۳۳۴)۔

۲۔ اشعة اللمعات فی شرح مشکوٰۃ: یہ مشکوٰۃ المصابیح کی مختصر شرح ہے جو فارسی زبان میں ہے۔ نول کشور پریس لکھنؤ نے ۱۳۲۱ھ / ۱۹۱۳ء میں یہ کتاب ۵ جلدوں میں شائع کی تھی (۳۳۵) شیخ عبدالحق نے ۱۰۱۹ھ / ۱۶۱۵ء کے وسط میں یہ کتاب لکھنا شروع کی تھی (۳۳۶) اور ۱۰۲۹ھ / ۱۶۲۵ء میں اسے دہلی ہی میں مکمل کیا (۳۳۷)۔

۳۔ لمعات التفتیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح: مشکوٰۃ کی عربی شرح ہے اس میں دینی اور فقہی مسائل پر جو بحث کی گئی ہے وہ اشعة اللمعات کے مباحث سے زیادہ واضح اور مفصل ہے۔ حالانکہ لمعات ضخامت میں اشعہ سے کم ہے۔ اول الذکر میں اسی ہزار سطریں اور مؤخر الذکر میں ایک لاکھ تیس ہزار سطریں ہیں (۳۳۸)۔

۴۔ الاکمال فی اسماء الرجال: یہ کتاب ان راویوں کے حالات پر مبنی ہے جن کا حوالہ مشکوٰۃ المصابیح میں ہے۔ یہ شرح لمعات مکمل ہونے کے بعد لکھی گئی (۳۳۹)۔

۵۔ جامع البرکات منتخب شرح مشکوٰۃ: اس کتاب میں مصنف نے مشکوٰۃ کے ہر ایک باب سے ایک دو حدیثیں منتخب کی ہیں (۳۴۰)۔

۶۔ ما ثبت بالسنة فی ایام السنة: یہ تمام اقسام حدیث یعنی صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع کا مجموعہ ہے اسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی فارسی تصانیف کا ضمیمہ کہا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء میں کلکتہ میں اور ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء میں لاہور سے شائع ہوئی (۳۴۱)۔

۷۔ ترجمہ الاحادیث الاربعین: اس رسالہ میں ایسی چالیس احادیث کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا ہے جن میں بادشاہوں اور شہنشاہوں کو تنبیہ کی گئی ہے (۳۴۲)۔

۸۔ الاحادیث فی ابواب علوم الدین: اس رسالہ میں ایسی چالیس احادیث شامل کی گئی ہیں جو دینی علوم سے متعلق ہیں (۳۴۳)۔

۹۔ دستور فیض النور: یہ رسالہ ان احادیث پر مبنی ہے جو آنحضرت ﷺ کے لباس کے بارے میں ہیں۔ یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے (۳۳۳)۔

۱۰۔ ذکر اجازۃ الحدیث فی القدییم والحدیث (۳۳۵)۔

وفات: آپ ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء کو فوت ہوئے اور حوض شمش کے کنارے دفن ہیں (۳۳۶)۔

۳۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء):

آپ کا نام ولی اللہ ہے بن عبدالرحیم العمری المحدث الدہلوی ہے (۳۳۷)۔
ولادت: حضرت شاہ عبدالعزیز اپنے والد شاہ ولی اللہ کی تاریخ ولادت ۴ شوال ۱۱۱۴ھ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ والد ماجد کی طرح میں نے کسی کا حافظہ نہیں دیکھا (۳۳۸)۔
تعلیم: شاہ صاحب اپنے زمانہ طالب علمی کا ذکر فرماتے ہوئے اپنی کتاب الجزع اللطیف میں لکھتے ہیں: ”جب میں پانچ سال کا تھا تو فقیر مکتب میں داخل ہوا، ساتویں برس والد بزرگوار نے نماز پڑھائی اور روزہ رکھنے کی تلقین فرمائی۔ اس سال ختنہ کی رسم بھی ادا ہوئی مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس سال کے آخر میں، میں نے قرآن عظیم ختم کیا۔ دس برس کی عمر میں شرح ملا جامی پڑھی اور عام مطالعہ کی راہ میرے لیے کھل گئیں۔ چودھویں برس میری شادی کر دی گئی، اس معاملے میں والد بزرگوار نے بڑی عجلت سے کام لیا۔ پندرہ سال کا تھا کہ تفسیر بیضاوی کا ایک حصہ پڑھا اس سال والد بزرگوار نے کھانے کا وسیع پیمانے پر انتظام کیا اور خواص و عام کو دعوت دی اس موقع پر مجھے درس دینے کی اجازت دی گئی۔ الغرض اپنی عمر کے پندرہویں سال اپنے ملک کے دستور کے مطابق جو ضروری علوم و فنون تھے میں ان سے فارغ ہو گیا۔ سترہ سال کا تھا کہ والد ماجد رحمت حق سے جا ملے۔ ان کی وفات کے بعد فقیر بارہ سال تک دینی اور علوم عقلیہ کی کتابیں پڑھتا رہا اور ہر علم میں غور و فکر جاری رکھا (۳۳۹)۔
درس و تدریس: والد گرامی کی رحلت کے بعد شاہ صاحب نے مسند علم و ارشاد کو زینت بخشی اور ان کی جگہ درس و تدریس اور وعظ و ارشاد میں مشغول ہو گئے۔ کم و بیش بارہ برس کتب دینیہ کا درس دیتے رہے۔ اسی اثناء میں شاہ صاحب نے اہم علوم میں مہارت حاصل کی اور ہر فن میں درجہ کمال کو پہنچے۔ ان پر توحید الہی کے راز کھلے، جذب کی راہیں کشادہ ہوئیں، معرفت و سلوک کی بہت بڑی دولت میسر آئی اور علوم و جدانیہ کی نعمت سے مالا مال ہوئے (۳۵۰)۔ خود فرماتے ہیں ”والد کی وفات کے بعد تقریباً ۱۲ سال دینیات اور معقولات کی کتابوں کے درس کا مشغل رہا“ (۳۵۱)۔

مولوی رحیم بخش لکھتے ہیں ”شاہ صاحب پورے بارہ سال تک اس (تدریس) میں اس استغراق اور محویت کے ساتھ مصروف رہے جس کی نظیر نہیں ملتی“ (۳۵۲)۔ ۱۲ سال اس طرح درس و تدریس دینے کے بعد شاہ صاحب ۱۱۴۳ھ/۱۷۳۱ء میں حج کے لیے تشریف لے گئے اور دو سال تین ماہ بعد واپس آئے اور مہندیوں کے مدرسہ میں قال اللہ وقال الرسول کی محفل پھر گرم ہو گئی۔ اس سفر میں حج و زیارت کے ساتھ آپ نے محمد شین عہد سے بھرپور استفادہ کیا۔

تصانیف: علم حدیث کے موضوع پر شاہ ولی اللہ نے متعدد کتب لکھیں جن میں سے چند اہم کتب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ المسوی شرح الموطا: مؤطا امام مالک حدیث کی سب سے زیادہ قدیم کتاب ہے اس کی ترتیب اور اسلوب سے شاہ صاحب نہایت متاثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی دو شرحیں لکھیں۔ اس وقت عربی اور فارسی زبان اظہار خیال کا ذریعہ تھیں۔ شاہ صاحب نے ان دونوں زبانوں میں مؤطا کی شرحیں قلمبند کیں۔ عربی شرح کو المسوی کے نام سے موسوم کیا اور فارسی شرح کا نام المصفی رکھا۔ المسوی من الموطا (عربی) میں شاہ صاب نے مؤطا امام مالک کی احادیث کو فقہی ابواب کے مطابق نئی ترتیب دی۔

۲۔ المصفی (فارسی): یہ بھی مؤطا امام مالک کی فارسی شرح ہے۔

۳۔ شرح ترجمہ ابواب صحیح البخاری: صحیح بخاری کے تراجم ابواب پر مشتمل ہے۔

۴۔ حجتہ اللہ البالغہ: یہ اسرار شریعت اور فلسفہ احکام سے متعلق ایک ضخیم اور مشہور کتاب ہے اس کے مضامین اور محتویات کا زیادہ حصہ احادیث پر مبنی ہے۔

۵۔ الانصاف فی سبب الاختلاف: اس کتاب میں کتب احادیث کی تالیف و ترتیب اور مختلف فقہی مذاہب کے نشو و ارتقا کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ نیز مسائل دینی میں فقہی نہج کے جو اختلافات پیدا ہوئے ان کے اسباب اور پس منظر کی وضاحت کی گئی ہے۔

۶۔ مجموعہ رسالہ اربعہ: یہ بہت چھوٹے چھوٹے چار رسائل کا مجموعہ ہے۔ ہر رسالہ فن حدیث سے متعلق ہے۔

۷۔ الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین: اس میں ان مبشرات کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ سے خود شاہ صاحب کو یا ان کے بعض نسبی یا روحانی بزرگوں کو حاصل ہوئے۔

۸۔ تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء: اس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کے قصص اور واقعات اس انداز میں بیان

کیے گئے ہیں جس میں مختلف زمانوں میں جو شریعتیں رائج تھیں ان سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

۹۔ سلسلات: عربی زبان میں ہے اور فن حدیث سے متعلق ہے (۳۵۳)۔

وفات: ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ بمطابق ۲۱ اگست ۱۷۶۲ء کو ظہر کے وقت وفات پائی (۳۵۴)۔

۴۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء):

ولادت: شاہ عبدالعزیز ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۷ء کو ایک دینی اور علمی خاندان میں پیدا ہوئے (۳۵۵)۔
تعلیم و تربیت: چونکہ انہیں ابتداء ہی سے علمی اور دینی ماحول ملا تھا اس لیے پانچ سال کی عمر میں قرآن کریم ناظرہ پڑھ لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ فارسی کے رسالے اور صرف و نحو کی ابتدائی کتب بھی پڑھتے رہے۔ گیارہ سال کی عمر میں باقاعدہ تعلیم کا آغاز کیا۔ آپ کے والد شاہ ولی اللہ نے انہیں اپنے مرشد کے سپرد کیا جنہوں نے دو سال میں معقولات، تاریخ اور جغرافیہ پڑھا دیا۔ پھر شاہ صاحب نے بنفس نفیس ان کی تعلیمی و تدریسی ذمہ داریاں ادا کیں۔ پندرہ سال کی عمر میں شاہ عبدالعزیز نے جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ اور رسمہ سے فراغت حاصل کر لی۔ عمر کے سترہویں سال میں شاہ ولی اللہ وفات پا گئے چونکہ علم اور عمر میں باقی بھائیوں سے بڑے تھے اس لیے مسند تدریس و خلافت آپ کو تفویض کر دی گئی (۳۵۶)۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں بلا کا حافظہ دیا تھا جو عبارتیں طلباء کو لکھاتے موازنہ کرنے پر زیر برکی غلطی نہ ہوتی۔ آپ کے شاگرد مرزا حسن علی صغیر محدث لکھنوی نے لکھا کہ آپ کا حافظہ نسخہ لوح تقدیر کا تھا۔ آپ کے وعظ میں بلا کی تاثیر تھی آپ جہاں خطاب فرماتے وہاں لوگوں کو پاؤں رکھنے کی جگہ تک نہ ملتی جو اعتراض کرتا وہ منہ کی کھاتا۔ جب راجہ رنجیت سنگھ نے پنجابی مسلمانوں پر ظلم ڈھانا شروع کیے ان کی مساجد چھیننے اور انہیں نماز پڑھنے سے روکنے کی خبریں تسلسل کے ساتھ دہلی میں موصول ہونے لگیں تو شاہ عبدالعزیز نے اپنے میر و مرشد امیر المؤمنین سید احمد شہید، اسماعیل اور مولانا شاہ عبدالحی بڈھانوی کو تحریک جہاد کے لیے تیار کیا (۳۵۷)۔

تصانیف:

۱۔ شیعہ عقائد و نظریات کے متعلق آپ کی شہرہ آفاق کتاب ”تحفۃ اثنا عشریہ“ اردو

اور فارسی کتاب شیعہ راز ہائے دروں طشت از بام کر دیے۔

۲۔ بستان الحمد ثین کے نام سے محدثین کے حالات پر فارسی میں ایک مختصر فاضلانہ کتاب ہے۔

۳۔ ”عجالتہ نافعہ“ فارسی میں علم اصول حدیث پر ان کا بہترین علمی شاہکار ہے۔

۴۔ فتح القدیر یا تفسیر عزیزی معارف قرآن پر بہترین تفسیر ہے (۳۵۸)۔

تلامذہ: شاہ عبدالعزیز کے تلامذہ میں شاہ رفیع الدین محدث دہلوی ان کے نواسے شاہ محمد اسحاق، شاہ محمد یعقوب، مفتی صدر الدین خاں دہلوی، شاہ رفیع الدین، میر محبوب علی دہلوی، شاہ اسماعیل شہید، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا خرم علی بلہوری، مولوی سید رمضان علی امرہوی، شاہ غلام علی دہلوی، مولانا حسن علی ہاشمی لکھنوی اور مولانا حسین احمد علی آبادی کے علاوہ اور بہت سے لوگ ہیں (۳۵۹)۔

اولاد: شاہ صاحب کی تین بیٹیاں تھیں۔ ایک کا نکاح مولانا محمد عیسیٰ بن شاہ رفیع الدین محدث سے ہوا۔ دوسری بیٹی شیخ محمد افضل لاہوری سے بیاہی گئی جبکہ تیسری مولانا شاہ عبداللہ بڈھانوی کے حرم میں داخل ہوئی۔ شاہ صاحب نے وفات سے پہلے تمام اعزا و اقربا کو بلا کر بڑا پر تا شیر و عظم کیا جسے سن کر کوئی آنکھ ضبط نہ کر سکی پھر خدا کے دربار میں بڑی آہ و زاری سے دعا مانگی۔

وفات: شاہ عبدالعزیز ۷ شوال بروز اتوار ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء کو اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔
انا لله وانا اليه راجعون (۳۶۰)۔

۵۔ شاہ محمد اسحاق مکی (م ۱۲۶۲ھ / ۱۸۲۹ء):

ولادت: شاہ محمد اسحاق ۱۱۹۲ھ / ۱۷۷۸ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمد افضل فاروقی تھا۔ شاہ اسحاق، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے تھے۔ شاہ عبدالعزیز کی وفات کے بعد شاہ اسحاق مسند علم و خلافت پر جانشین ہوئے۔ آپ شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین سے فیضیاب ہوئے۔ آپ نے معقولات اور منقولات ان سے سبقا پڑھیں۔ شاہ اسحاق نے شیخ عمر بن عبدالعزیز مکی (م ۱۲۳۷ھ / ۱۸۳۱ء) سے سند و اجازہ حدیث حاصل کیا۔ شیخ ممدوح سے مذاکرات ہوئے تو آپ نے شاہ صاحب کے متعلق فرمایا کہ ان کے اندر ان کے بزرگ نانا شیخ عبدالعزیز کی برکت حلول کر گئی ہے جب کہ آپ کے متعلق شاہ عبدالعزیز مرحوم فرمایا کرتے تھے میری تقریر شاہ اسماعیل تحریر رشید الدین اور تقویٰ اسحاق نے لے لیا۔ یہاں تک کہ ممدوح نے اپنی زندگی میں اپنا پیش امام آپ کو مقرر کر دیا تھا (۳۶۱)۔ شاہ عبدالعزیز شاہ اسماعیل اور اسحاق کو دیکھ کر پڑھا کرتے الحمد للہ الذی وہب لی علی الکبر اسماعیل واسحق (۳۶۲)۔ شاہ اسحاق اپنے نانا کی زندگی ہی میں مسند تدریس پر جلوہ افروز ہو گئے تھے۔ تدریس کی وجہ سے صدر الحمید کے لقب سے مشہور ہوئے جیسا کہ مسوی کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ جب شاہ صاحب کا ہجرت حرمین شریفین کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام ہوا تب بھی

وہاں مکہ میں مشغلہ تدریس جاری رکھا اور ہزاروں علم کے پیاسے اس چشمہ صافی سے سیراب ہوئے۔ سرسید احمد خاں مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ میں شاہ اسحاق کے وعظ میں حاضر ہوتا باہر مردوں کا ہجوم ہوتا زنان خانہ میں عورتیں جمع ہوتیں۔ ڈولیوں کا شمار نہ پالکیوں کی گنتی، محلات شاہی کی بیگمات حاضر ہوتیں۔ امراء کے ہاں پر تکلف کھانوں کی دیکیں کمہاروں کے کندھوں پر لدی چلی آ رہی ہیں۔ بیٹی کہتی حضرت جی! کھانا آ گیا، فرماتے تقسیم کرو اور اس میں سب سے پہلے طلبا کو دیتے جو ان سے بچ جاتا وہ خود گھر کے لیے رکھتے اور گرد و نواح کی محتاج عورتیں آ جاتیں جن کو کبھی بھی خالی ہاتھ نہ لوٹاتے (۳۶۳)۔ ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء کو شاہ محمد یعقوب کو ساتھ لے کر بیت الحرام کے قصد سے ہجرت کی راستے میں جہاں بھی قیام فرماتے وہاں مستقل قیام کا کہا جاتا۔ یہیں راستے میں مفتی صدر الدین اور حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب کو سند حدیث مرحمت فرمائی۔

تصانیف: شاہ صاحب کی تصانیف میں سے ”مسائل الاربعین، مائے مسائل اور تذکرۃ الصیام“ مشہور ہیں۔

تلامذہ: آپ کے شاگردوں میں سے چیدہ چیدہ درج ذیل ہیں۔ شاہ محمد یعقوب، شاہ محمد عمر بن شاہ اسماعیل مولوی کرامت اسرائیلی شیخ محمد انصاری سہارنپوری، سید عبدالخالق، شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین دہلوی، شاہ عبدالغنی مجدد، سرسید احمد خان مرحوم، شاہ اسحاق کی مسند درس و تدریس پر بھی سید نذیر حسین محدث دہلوی ہی مسند نشین ہوئے۔

وفات: شاہ اسحاق صاحب مکہ مکرمہ میں ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۹ء میں فوت ہوئے ان کی نماز جنازہ شیخ عبداللہ سراج مکی نے پڑھائی (۳۶۴)۔

۶۔ علامہ عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء)

ولادت: آپ کا نام عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی ہے۔ ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۱ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت: اکثر علوم اپنے والد سے حاصل کیے۔ حج بھی کیا اور مکہ مکرمہ سے شیخ عبدالغنی مجددی سے سند حاصل کی (۳۶۵)۔

درس و تدریس: تعلیم مکمل کرنے کے بعد حیدرآباد میں تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے اور آخر عمر میں لکھنؤ آئے اور درس حدیث دیتے رہے (۳۶۶)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف بہت زیادہ ہیں ان میں سے حدیث پر درج ذیل کتب ہیں:

۱۔ التعلیق المجد علی موطا محمد۔

۲۔ الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة۔

- ۳۔ الاجوبۃ الفاضلۃ لأسئله العشرۃ الکاملۃ۔
- ۴۔ الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل۔
- ۵۔ النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر۔
- ۶۔ ظفر الامانی فی شرح المختصر المنسوب للبحر جانی فی المصطلح۔
- ۷۔ امام الکلام فیما یتعلق بالقراءة خلف الامام (۳۶۷)۔
- آپ ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء میں انتقال کر گئے (۳۶۸)۔

۷۔ نواب سید صدیق حسن خاں (م ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء):

اگرچہ نواب سید صدیق حسن خاں کا تعلق قنوج سے تھا مگر آپ کی پیدائش بانس بریلی میں ننھیال کے ہاں ہوئی۔ تاریخ ولادت ۱۹ جمادی الآخر ۱۲۳۸ھ/۱۸۳۲ء ہے۔ آپ نسباً حسینی سادات میں سے تھے (۳۶۹)۔

تعلیم و تربیت: نواب سید صدیق حسن خاں ۵ سال کے تھے کہ ان کے والد مولانا سید اولاد حسن خاں کا انتقال ہو گیا۔ تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے ہوا ان کے پہلے استاد ان کے بڑے بھائی مولانا سید احمد حسن عرشی تھے۔ اس کے بعد عربی و فارسی کی ابتدائی کتابیں مولوی سید احمد علی فرخ آبادی، مولوی محمد حسین شاہ جہان پوری، محمد مراد بخاری اور مولوی محبت اللہ پانی پتی سے پڑھیں اس کے بعد ۱۲۳۹ھ/۱۸۴۱ء میں نواب صاحب دہلی تشریف لے آئے اور مفتی صدر الدین دہلوی کی خدمت میں ایک سال ۸ ماہ رہ کر علوم اسلامیہ میں استفادہ کیا۔ (۳۷۰)

علمی خدمات: نواب سید صدیق حسن خاں نے اشاعت دین، توحید و سنت کی ترقی و ترویج اور شرک و بدعت کی تردید میں جو گرانقدر علمی خدمات سرانجام دیں ہیں وہ تاریخ الہدایت کا ایک زریں باب ہے۔ قرآن و حدیث کی اشاعت میں آپ کی خدمات نمایاں ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: ”علمائے الہدایت کی تدریسی و تصنیفی خدمات بھی قدر کے قابل ہیں۔ پچھلے عہد میں نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے قلم اور مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی کی تدریس سے بڑا فیض پہنچا، بھوپال ایک زمانہ تک علمائے اہل حدیث کا مرکز رہا۔ قنوج، سہوان اور اعظم گڑھ کے بہت سے نامور اہل علم اس ادارہ میں کام کرتے رہے۔ شیخ حسین عرب یمنی ان سب کے سرخیل تھے۔ حضرت نواب صاحب مرحوم و مغفور نے زیر کثیر صرف کر کے فتح الباری شرح صحیح بخاری، تفسیر ابن کثیر مع فتح البیان فی مقصود القرآن، اور نیل الاوطار چھپوا کر علمائے اسلام میں مفت تقسیم کیں۔“ (۳۷۱)

نواب صاحب خودنوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں ”میرا اکثر مال ترویج علوم اور کتاب و سنت کی اشاعت میں صرف ہوا ہے۔ میں نے ہر کتاب کو ایک ہزار کی تعداد میں طبع کر کے قریب و بعید کے تمام ممالک میں تقسیم کیا ہے اگرچہ ان پر ہزاروں روپے صرف ہوئے ہیں تاہم کبھی کسی سے کسی کتاب کی قیمت وصول نہیں کی (۳۷۲)۔ ذوق مطالعہ کا اندازہ ان کی اس تحریر سے لگایا جاسکتا ہے لکھتے ہیں: ”ایسی کوئی کتاب نہیں جو تالیف ہوئی اور طبع ہوئی یا عرب و عجم کے شہروں میں دستیاب ہوئی اور میرے مطالعہ میں نہ آئی ہو اگرچہ میں اسے اپنے پاس نہ رکھ سکا ہوں گا۔ چونکہ کسی چیز کا علم اس سے لاعلمی سے بہتر ہے۔ اگرچہ علم کا پسندیدہ حصہ صحائف دین کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔ اس لیے ابھی تک علم تفسیر و حدیث اور ان سے متعلقہ کتابوں کی آمد آمد ہے اور ائمہ سلف کی تالیفات کی جستجو باقی ہے (۳۷۳)“

تصانیف: مولانا سید نواب صدیق حسن خاں نے عربی، فارسی اور اردو میں ۲۲۲ کتابیں لکھیں۔ جن میں سے علم حدیث پر چند کتابیں درج کی جاتی ہیں:

۱۔ عون الباری شرح تجرید شرح بخاری

۲۔ مسک الختام شرح بلوغ المرام (فارسی)

۳۔ منہج الوصول (فارسی)۔

۴۔ ہدایۃ السائل۔

۵۔ الروضة النندیۃ شرح درر البیہ۔

۶۔ فتح المغیث۔

۷۔ مواکد العوائد۔ (۳۷۴)

وفات: نواب صاحب نے ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ بمطابق ۱۷ فروری ۱۸۹۰ء بھوپال میں انتقال کیا (۳۷۵)۔

۸۔ مولانا ابراہیم بن عبدالعلی آروی (م ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء):

آپ ۱۲۳۴ھ/۱۸۱۸ء کو آگرہ شہر میں پیدا ہوئے (۳۷۶)

تعلیم: بچپن میں علم میں مشغول ہو گئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور چھوٹی کتابیں اپنے شہر ہی میں پڑھیں۔ پھر دیوبند اور علیگڑھ چلے گئے اور شیخ یعقوب نانوتوی، مفتی لطف اللہ سے علم حاصل کیا۔ پھر وطن واپس آئے اور کچھ کتابیں مولانا سعادت حسین بہاری سے پڑھیں۔ پھر سہارنپور روانہ ہوئے۔

صحاح ستہ محدث احمد علی بن لطف اللہ سے پڑھیں (۳۷۷)۔

حجاز کے لیے گئے حدیث کی سند حرم مکی میں شیخ احمد بن زینی مدرس حرم شریف المکی سے حاصل کی۔ مولانا ابراہیم بن عبدالعلی آروی عمل کرنے والے علماء اور اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے (۳۷۸)۔ عابد و زاہد تہجد گزار تھے۔ نصوص ظاہری پر عمل میں کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے..... ضعیف روایات بیان نہیں کرتے تھے (۳۷۹)۔ ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء میں انہوں نے اپنے شہر میں دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ جس کا نام ”المدرسہ احمدیہ“ رکھا۔ اس دور میں صوبہ بہار کی سب سے بڑی اسلامی درسگاہ، دانشگاہ تھی۔ یہی وہ مرکزی درسگاہ ہے۔ جس میں ۱۹۰۶ء کو اہل حدیث کانفرنس کی بنیاد رکھی (۳۸۰)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف میں سے چند درج ذیل ہیں:

- ۱۔ طریق النجاة (یہ مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ ہے)۔
- ۲۔ سلیقہ (یہ امام بخاری کی ادب المفرد کا ترجمہ ہے اور قرآن کے آخری جزو کی تفسیر ہے)۔
- ۳۔ فقہ محمدی (جو کہ شوکانی کی الدرر البھیہ کی شرح ہے)۔
- ۴۔ ارکان اسلام۔
- ۵۔ تلخیص الصرف۔
- ۶۔ قول المزیذ فی احکام التقليد (۳۸۱)۔

وفات: حافظ محمد آروی جب تیسری بار ۱۳۱۸ھ بمطابق ۱۹۰۰ء کوچ کیلئے تشریف لے گئے تو ایک ماہ مسجد نبوی میں گزار کر بیت اللہ کا قصد کیا۔ تو راستہ میں بیمار پڑ گئے اور ۱۳۱۹ھ بمطابق ۱۹۰۱ء بحالت احرام سفر آخرت پر روانہ ہوئے اور وہیں دفن ہوئے (۳۸۲)۔

۹۔ سید نذیر حسین دہلوی (م ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء):

سید نذیر حسین دہلوی بہار کے ضلع مونٹکھیر میں پیدا ہوئے (۳۸۳)۔ بچپن میں تعلیم کی طرف توجہ کم تھی۔ تیرا کی اور کھیل کی طرف رجحان زیادہ تھا حالانکہ والد خود عالم تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۷ء میں دہلی آ گئے اور شاہ اسحاق کے مدرسہ میں داخل ہوئے۔ جہاں انہوں نے علم حدیث میں اعلیٰ ترین امتحان کامیاب کر کے ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء میں سند حاصل کی۔ اس کے بعد دہلی کی مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا (۳۸۴)۔ پٹنہ میں آپ نے ترجمہ قرآن و ترجمہ مشکوٰۃ پڑھ لیا تھا۔ اس لیے علم دین کا خیال زیادہ تھا۔ عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے

لیے مولانا عبدالحق سے کافیہ کا سبق شروع کیا اور کئی کتابیں پڑھیں (۳۸۵)۔ حدیث کی اجازت شاہ محمد اسحاق مکی سے حاصل کی (۳۸۶)۔

درس و تدریس: شاہ محمد اسحاق صاحب نے جب مکہ مکرمہ جانے کا قصد کیا تو انہوں نے سید نذیر حسین کو اپنا جانشین مقرر کیا اور فتویٰ دینے کی اجازت دی۔ آپ نے ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء تک تفسیر اور فنون کی کتابیں پڑھائیں۔ اس کے بعد صرف علوم اصول حدیث، علوم دین، حدیث، تفسیر اور فقہ کو اختیار کیا اور پچاس سال اسی طرح گزارے (۳۸۷)۔ ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک ہے جو دنیا کے مختلف ممالک سے تشریف لائے اور آپ سے علمی پیاس بجھائی۔

تصانیف: سید نذیر حسین صاحب کو درس و تدریس میں انہماک کی وجہ سے تصنیف و تالیف میں بہت کم وقت ملا۔ لیکن اسکے باوجود ان کی ۵۷ کتب کی فہرست ملتی ہے (۳۸۸)۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

- ۱۔ معیار الحق تقلید کے متعلق بڑی اچھی کتاب ہے۔ مولانا آزاد فرماتے ہیں کہ اسی زمانے میں ”معیار الحق“ دیکھی اور اس کے جواب میں مولانا ارشاد حسین کی ”انتصار الحق“ دیکھی اور مجھ پر معیار الحق کی سنجیدہ وزنی بحث کا بہت اثر ہوا۔ اور ارشاد حسین رامپوری کا علمی ضعف صاف صاف نظر آ گیا (۳۸۹)۔ کتب یہ ہیں:
- ۲۔ ثبوت الحق الحقیق رسالہ فی محلی النساء بالذہب۔
- ۳۔ واقعات الفتویٰ ودافعتہ البلوی۔
- ۴۔ فلاح الولی فی اتباع النبی ﷺ۔
- ۵۔ فتاویٰ نذیریہ (۳۹۰)۔

وفات: میاں نذیر حسین دہلوی نے سو برس کی عمر میں ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۹۰۲ء کو وفات پائی۔ انہیں دہلی میں شیدی پور کے قبرستان میں دفن کیا گیا (۳۹۱)۔

۱۰۔ رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء):

پیدائش: مولانا رشید احمد گنگوہی قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے (۳۹۲)۔ ابتدائی تعلیم: والد کے انتقال کے بعد دادا نے پرورش کی۔ ابتداء میں کرنال شہر میں مولوی محمد تقی سے (جو ماموں بھی تھے) فارسی پڑھی۔ صرف و نحو کی تعلیم محمد بخش رامپوری سے حاصل کی۔ بعد ازاں دہلی جا کر مولوی قاضی احمد الدین جہلمی کے شاگرد ہوئے۔ اس کے بعد مولانا مملوک علی نانوتوی

کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حدیث شاہ عبدالغنی مجددی سے پڑھی (۳۹۳)۔ چار سال میں تعلیم مکمل کر کے وطن واپس لوٹے۔ اور درس و افادہ میں مصروف ہو گئے (۳۹۴)۔

درس حدیث: پچاس برس انہوں نے گنگوہ میں حدیث، تفسیر، فقہ کا درس دیا (۳۹۵)۔ مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ مولانا گنگوہی نہ صرف مذہب حنفی کے ماہر تھے بلکہ چاروں مذاہب کے فقیہ تھے۔ ان کے سوا کسی کو چاروں مذاہب کا ماہر نہ دیکھا۔ ۱۸۹۵ء کے بعد آپ کی بسمارت چلی گئی۔ ان کے درس حدیث سے ۳۰۰ سے زائد جدید علماء فیض یاب ہوئے (۳۹۶)۔

تصانیف: ”تذکرۃ الرشید“ میں آپ کی کم و بیش پندرہ تصانیف کا ذکر آتا ہے۔ جن میں مکاتیب و فتاویٰ کے مجموعے بھی شامل ہیں:

- ۱- الکوکب الدرّی (ترندی پر آپ کی تقاریر کا مجموعہ الکوکب الدرّی دو جلدوں میں چھپ چکا ہے)۔
- ۲- زبدۃ المناسک (حج کے متعلق تمام مسائل ضروریہ) (۳۹۷)۔
- ۳- امداد السلوک (تصوف کے رسالہ مکہ کا ترجمہ) (۳۹۸)۔
- ۴- فتاویٰ رشیدیہ (۳۹۹)۔
- ۵- سبیل الرشاد (۴۰۰)۔
- ۶- قطوف دانیہ (۴۰۱)۔
- ۷- تصفیۃ القلوب (حاجی صاحب کی تصنیف ضیاء القلوب کا ترجمہ) (۴۰۲)۔
- ۸- احتیاط الظہر (اس کا ثبوت کہ جہاں جمعہ ہوتا ہے وہاں احتیاط ظہر کی ضرورت نہیں) (۴۰۳)۔ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کو آپ نے دنیا کو الوداع کیا۔ عمر ۷۸ سال سات ماہ تین دن تھی (۴۰۴)۔

۱۱- مولانا ابوالحسن سیالکوٹی (م ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء):

آپ کا نام مولانا ابوالحسن سیالکوٹی تھا۔ آپ کے اساتذہ میں سب سے مشہور سید نذیر حسین محدث دہلوی ہیں (۴۰۵)۔

مشہور کتابیں: اتباع سنت اور ابطال تقلید کے سلسلہ میں ان کی مشہور کتابیں یہ ہیں۔

- ۱- الکلام المبین فی ردّ تلخیصات المقلدین
- ۲- النظر المبین فی الرد علی مخالطات المقلدین (۴۰۶)۔

اس کے علاوہ خدمتِ حدیث میں ان کی مساعی کا اندازہ درج ذیل کتابوں سے لگایا جاسکتا ہے۔

۳- ترجمہ تیسیر الوصول۔

۴- فیض الباری فی شرح و ترجمہ صحیح البخاری (یہ ترجمہ مع شرح تیس پاروں پر مشتمل ہے۔ جس

میں فتح الباری، ارشاد الساری، الکرمانی، سندھی شروح و حواشی کا خلاصہ بھی آگیا ہے۔ جسے مولانا فقیر محمد نے مطبع محمدی لاہور سے شائع کیا۔

۵- فیض التار ترجمہ کتاب الآثار (امام محمد کی کتاب الآثار کا اردو ترجمہ ہے)۔

۶- ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح۔

۷- تلخیص الصحاح۔

وفات: آپ کی وفات ۱۳۲۵ھ بمطابق ۱۹۰۷ء کو ہوئی (۴۰۷)۔

۱۲- مولانا شمس الحق ڈیانوی (م ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء):

پیدائش: مولانا شمس الحق ڈیانوی ۱۲۷۳ھ بمطابق ۱۸۵۶ء کو اعظم آباد کے ایک قصبے ڈیانہ میں پیدا ہوئے (۴۰۸)۔

ابتدائی تعلیم و تربیت: آپ نے ابتدائی کتب مولوی لطف العلی بہاری، مولوی فضل اللہ لکھنوی، مولانا قاضی بشیر الدین صاحب قنوجی سے پڑھیں اس کے بعد آپ دہلی چلے گئے اور سید نذیر حسین دہلوی سے سندِ حدیث حاصل کی (۴۰۹)۔ یہاں سے فراغت کے بعد آپ اپنے شہر لوٹ گئے۔ پھر دہلی کا سفر کیا اور سید نذیر حسین سے تفسیر قرآن، سنن دارقطنی اور صحاح ستہ پڑھیں (۴۱۰)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف بہت زیادہ ہیں۔ ہم یہاں اختصار سے حدیث کے سلسلہ میں ان کی تصانیف کا ذکر کرتے ہیں:

۱- غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داؤد۔

۲- القول الحق۔

۳- عون المعبود شرح سنن ابی داؤد (یہ شرح دراصل غایۃ المقصود کا اختصار ہے۔ اور چار

جلدوں پر مشتمل ہے) (۴۱۱)۔

۴- التعلیق المغنی علی کتاب سنن الدارقطنی۔ کتب احادیث میں سنن دارقطنی کی اہمیت بہت

زیادہ ہے۔ اس سے کوئی طالب علم ناواقف نہیں۔ یہ بلند پایہ کتاب بھی مولانا شمس الحق

ڈیانوی کی محنت سے منصہ شہود پر آئی۔

۵- اعلام اہل العصر فی احکام رکعتی الفجر۔ صبح کی دو سنتوں کے متعلق جملہ مباحث پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ مولانا نے کتاب کو دس فصلوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر فصل پر محدثانہ و فقیہانہ نقطہ نظر سے بحث کی ہے (۲۱۲)۔

۶- المکتوب اللطیف الی المحدث الشریف: (یہ ایک خط ہے۔ ان میں اصول حدیث کے ایک ”الاجازۃ العامۃ“ پر تفصیلی بحث ہے (۲۱۳)۔

۷- غنیۃ اللمعی (یہ رسالہ تین سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ جن میں پہلا سوال یہ ہے کہ محدثین کی اصطلاح لا یصح هذا الحدیث اور لا یثبت هذا الحدیث میں کیا فرق ہے۔ اسی اصولی سوال کا یہ جواب ہے۔ اسی بناء پر ہم اسے بھی اس فہرست میں شامل کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی تصانیف ہیں۔ جن کا تعلق بعض مسائل اور رجال سے ہے۔

۸- جوابات الزامات الدار قطنی علی المحسن: امام دار قطنی نے الجامع الصحیح الامام البخاری پر کچھ اعتراضات کیے تھے۔ یہ انہی اعتراضات کے جواب پر مشتمل رسالہ ہے۔ آپ نے ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ بمطابق ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء کو وفات پائی (۲۱۴)۔

۱۳- عبدالرحیم مبارکپوری (م ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء):

پیدائش: حافظ عبدالرحیم قصبہ مبارکپور میں پیدا ہوئے۔ قاضی امام الدین جوہرپوری سے حفظ و تجوید دونوں حاصل کیں۔ جن میں اس حد تک کمال حاصل ہوا کہ مبارکپور اور اس کے نواح کا جو شخص حفظ کے بعد قرآن آپ کو سنانہ لیتا حافظ نہ سمجھا جاتا تھا (۲۱۵)۔

صرف ونحو اور دیگر علوم مولوی فیض اللہ اور ملا حسام الدین سے پڑھے۔ حدیث قاضی محمد مچھلی شہری سے جن کی وجہ سے سند ”مسلسل بالاولیۃ“ و سند مناولہ برائے بلوغ المرام اور سند اتحاف الاکابر جو کہ قاضی صاحب کے امتیازات تھے آپ کو بھی حاصل ہوئیں۔ قاضی صاحب کی شاگردی شوق اتباع سنت کا سبب بھی ہوئی۔ اس راہ میں گونا گوں مصائب کا سامنا بھی ہوا۔ مگر آخر مبارکپور میں عمل بالسنة کی رسم (حسنہ) آپ کی وجہ سے جاری ہوئی (۲۱۶)۔

درس و تدریس: ان کی زیادہ تدریس ”حفظ قرآن“ تھی۔ اس اعتبار سے مبارکپور اور اس کے گرد و نواح میں تمام حافظ ان کے شاگرد تھے (۲۱۷)۔ آپ نے رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ بمطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۱۲ء میں وفات پائی (۲۱۸)۔

۱۴۔ مولانا عبدالجبار غزنوی (م ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۲ء):

ولادت: مولانا عبدالجبار غزنوی ۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۸۵۱ء میں غزنی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام عبداللہ غزنوی تھا (۳۱۹)۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم اپنے بھائی مولانا محمد احمد سے حاصل کی۔ پھر آپ دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں سید نذیر حسین دہلوی سے کتب احادیث کی سند حاصل کی۔ اُن کی عمر بیس برس بھی نہیں تھی کہ وہ علوم متداولہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ بہت ذہین تھے (۳۲۰)۔

درس و تدریس: فراغت تعلیم کے بعد امرتسر میں قرآن و حدیث کی تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ مولانا عبداللہ غزنوی نے اپنی درس گاہ کا نام مدرسہ غزنویہ رکھا تھا۔ آپ نے یہ نام بدل کر تقویۃ الاسلام رکھ دیا۔ مولانا سید عبدالجبار غزنوی کی ساری زندگی درس و تدریس، دعوت و ارشاد اور وعظ و تبلیغ میں بسر ہوئی۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ مشہور تلامذہ یہ ہیں: مولانا محمد داؤد غزنوی، فیض اللہ بھوجیانی، سید احمد علی غزنوی، عبدالقادر لکھوی، حافظ محمد گوندلوی، حافظ محمد عبداللہ روپڑی۔

مولانا سید عبدالجبار غزنوی علم و فضل کے اعتبار سے جامع الکملات تھے۔ مولانا عبدالحی الحسینی فرماتے ہیں: ”میں نے بارہا امرتسر میں آپ کی زیارت کی۔ آپ کو سلف صالحین کے طریقے پر پایا۔ آپ جب فتویٰ دیتے تو کسی خاص مذہب کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ دلیل کی بنیاد پر فتویٰ دیتے تھے۔ ائمہ مجتہدین کے سلسلہ میں بدگمانی نہیں کرتے تھے۔ جب بھی ان کا ذکر کرتے اچھے انداز میں کرتے تھے (۳۲۱)۔ آپ نے ۱۳۳۱ھ بمطابق ۱۹۱۲ء کو وفات پائی (۳۲۲)۔

۱۵۔ حافظ عبدالمنان (وزیر آبادی) (م ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۴ء)

حافظ عبدالمنان بن شرف الدین بن نور خان اعوان خاندان میں ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء کو کر دی، سیداں ضلع جہلم میں پیدا ہوئے (۳۲۳)۔

ابتدائی تعلیم: مولوی قادر بخش سے حاصل کی جو احمد آباد ضلع جہلم کے رہنے والے تھے۔ اس کے بعد سید فاضل شاہ اور مولوی برہان الدین سے مختصرات پڑھیں اور بنوں کشمیر میں مولوی گل احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر منطق و عقائد کی تکمیل کی۔ سندھ میں پیر محفوظ اللہ قندھاری کے ہاں پہنچ گئے۔ متعدد علماء سے ملاقاتیں کیں۔

درس و تدریس: دہلی سے فارغ ہو کر لاہور مسجد چبیاں والی تشریف لے آئے۔ یہاں پر ایک سال قیام کیا۔ بالآخر وزیر آباد میں دارالحدیث کی بنیاد رکھی۔ تقریباً بیالیس سال تفسیر و حدیث کا درس

دیتے رہے اور ۳۵ مرتبہ پوری صحاح ستہ پڑھائی۔ آپ کا شمار ان علمائے اہل حدیث میں ہوتا ہے جنہوں نے علم حدیث کی اشاعت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ آپ استاد پنجاب کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ حافظ صاحب کو لغت اور نحو پر کامل دسترس حاصل تھی۔ رجال کی جرح و تعدیل ان کے طبقات اور تمام فنون حدیث پر عبور حاصل تھا۔ آپ کو حدیث میں عالی و نازل اور صحیح و ضعیف کے علاوہ قرآن و حدیث کی متن بھی از بر تھی (۲۲۴)۔

تصانیف: ارشاد القاری الی نقد فیض الباری (۲۲۵)۔

وفات: آپ نے ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں وفات پائی (۲۲۶)۔

۱۶۔ عبد الجبار عمر پوری (م ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۶ء)

مولانا عبد الجبار بن منشی بدرالدین عمر پور ضلع مظفر نگر دہلی میں ۱۲۷۷ھ بمطابق ۱۸۶۰ء کو پیدا ہوئے (۲۲۷)۔

علمی خدمات: مدرسہ دارالہدی دہلی میں درس و تدریس کا سلسلہ قائم کیا۔ عوام و خواص کو روزانہ صبح کی نماز کے بعد پابندی سے درس قرآن مجید سے مستفید کرتے رہے۔ ماہنامہ ”ضیاء السنہ“ جاری کیا جو اس دور میں بلند پایہ مجلات میں شمار ہوتا تھا۔ اس رسالہ میں عبداللہ چکڑالوی کے باطل نظریہ کا رد کیا۔ عبداللہ چکڑالوی کا خیال تھا کہ دین کے اصول و فروع اور کلیات و جزئیات سب قرآن میں واضح طور پر موجود ہیں۔ مولانا عبد الجبار نے دلائل کے ساتھ اس نظریہ کی تردید کی کہ سنت کی ضرورت نہیں۔ اس رسالہ میں انہوں نے یہ ثابت کیا کہ سنت نبوی کے بغیر قرآن مجید سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔ دینی حلقوں میں یہ مضامین بے حد پسند کئے گئے۔ یہ رسالہ تقریباً تین سال تک جاری رہا۔ اس رسالہ کی طباعت و اشاعت اور ترتیب و تہذیب کی نگرانی ضیاء الرحمن کرتے رہے اور نہایت آب و تاب کے ساتھ کلکتہ سے شائع ہوتا رہا (۲۲۸)۔

تصانیف:

۱۔ ارشاد السالکین فی مسائل الکلاثن۔

۲۔ مصمام التوحید فی رد التقلید۔

۳۔ تذکیر الاخوان فی خطبۃ الجمعۃ بکل لسان۔

۴۔ تبصرہ الانعام برہ مغالطات صیانت الانام۔

۵۔ ارشاد الانام۔

۶۔ نصیحة الاخوان فی حجاب النساء۔

۷۔ البراهین القاطعة فی رد الانوار الساطعة (۴۲۹)۔

وفات: ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء کو علم و تقویٰ کا یہ آفتاب غروب ہو گیا (۴۳۰)۔

۱۷۔ عبدالستار عمر پوری (م ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء):

پیدائش: مولانا حافظ عبدالستار عمر پوری ۱۳۰۱ھ بمطابق ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام حافظ عبدالجبار تھا (۴۳۱)۔

تعلیم و تربیت: آپ نے علوم اسلامیہ کی تعلیم مولانا معین الدین عبدالرحمن عمر پوری، مولانا حکیم عبدالرحمن عمر پوری، مولانا محمد بشیر سہوانی اور اپنے والد ماجد مولانا عبدالجبار عمر پوری سے حاصل کی (۴۳۲)۔ درس نظامی کی تعلیم کی تکمیل مدرسہ احمدیہ آرہ میں کی اور کلام پاک تین ماہ میں حفظ کر لیا (۴۳۳)۔

تصنیفات: آپ کی تصانیف میں رسالہ ”اثبات الخیر فی رد منکر الاثر“ ہے اس کے علاوہ انہوں نے ایک رسالہ مرزا قادیانی کی تردید میں تحریر فرمایا (۴۳۴)۔ آپ نے ۱۳۳۵ھ بمطابق ۱۹۱۶ء کو وفات پائی (۴۳۵)۔

۱۸۔ عبدالعزیز رحیم آبادی (م ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء):

پیدائش: عبدالعزیز بن احمد اللہ سلفی رحیم آبادی مظفر پوری مشہور و معروف علماء اہل حدیث میں سے ہیں۔ ۱۲۷۰ھ بمطابق ۱۸۵۳ء کو رحیم آباد ضلع مظفر پور میں پیدا ہوئے (۴۳۶)۔
تعلیم و تربیت: مولوی محمود عالم رامپوری، حکیم عبدالسلام دہلوی اور مولانا محمد سبکی بن منور حسین عظیم آبادی سے کسب فیض کیا۔ پھر دہلی کا رخ کیا اور میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے حدیث کا علم حاصل کیا اور وطن لوٹے اور تحقیق و تعلیم میں مشغول رہے (۴۳۷)۔

تصانیف:

۱۔ حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان۔

۲۔ سواء الطريق (اس میں مشکوٰۃ شریف سے صحیحین کی احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب چار

جلدوں میں ہے۔ یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۳۳۴ھ میں مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوئی (۴۳۸)۔

۳۔ رسالہ ہدایۃ المعتقدی فی القراءۃ للمعتقدی۔ یہ رسالہ قرأت فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر لکھا گیا۔ ۱۳۱۰ھ میں مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوا (۴۳۹)۔

وفات: آپ ایک مدت سے ذیابیطس کے مریض چلے آ رہے تھے۔ علاج معالجہ ہوتا رہا۔ بالآخر مرض میں تیزی آ گئی۔ آخری حملہ بڑا شدید تھا۔ جسم نہایت کمزور اور نحیف ہو چکا تھا۔ آپ قرآن و حدیث کے معارف و مطالب برابر بیان فرما رہے تھے۔ آخر ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۹ء میں وفات پا گئے (۴۴۰)۔

۱۹۔ عبداللہ غازی پوری (م ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء):

پیدائش: عبداللہ غازی پوری ۱۲۶۱ھ بمطابق ۱۸۴۵ء کو ضلع اعظم گڑھ میں مو کے مقام پر پیدا ہوئے (۴۴۱)۔

تعلیم و تربیت: بارہ سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا۔ فارسی و عربی کی بعض درسی کتابیں مولوی محمد قاسم موی سے پڑھیں۔ یہ وہی زمانہ ہے جب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی برپا ہوئی تھی۔ آپ کے والدین نے اسی زمانے میں مو چھوڑ کر غازی پور میں سکونت اختیار کی۔ غازی پور کے ”مدرسہ چشم رحمت“ میں تعلیم حاصل کرنے لگے۔ مولانا رحمت اللہ اور مولانا محمد فاروق چریا کوٹی سے درسی کتابوں کی تکمیل کی۔ پھر جونپور تشریف لائے اور مدرسہ ”امامیہ“ کے مولانا یوسف سے استفادہ کیا (۴۴۲)۔ اس کے بعد جون پور سے آپ دہلی چلے گئے وہاں حضرت مولانا سید نذیر حسین دہلوی سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تحصیل کی اور سند حاصل کی (۴۴۳)۔

حدیث کی کتابیں بھی مولانا سید نذیر حسین دہلوی سے پڑھیں اور انہی کی تعلیم کا اثر ان پر غالب ہوا۔ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں حج کیا، وہیں علامہ شوکانی کے شاگرد عباس یمنی سے حدیث کی سند حاصل کی۔ اور ۲۰ سال تک درس و تدریس میں مصروف رہے (۴۴۴)۔

تصانیف: آپ کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

- ۱۔ البحر الموانج فی شرح مقدمہ صحیح المسلم الحجاج۔
- ۲۔ ابراء الیحدیث والقرآن لما فی جامع الشواہد من التھمة والسمتان۔
- ۳۔ تسہیل الفرائض (یہ علم میراث پر ہے)۔
- ۴۔ فصول احمدی (یہ رسالہ علم صرف پر ہے)۔

۵۔ الحجۃ الساطعة فی بیان الخیرہ والسائبہ۔

۶۔ قانون مسجد (۲۴۵)۔

وفات: آپ ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء کو لکھنؤ میں فوت ہوئے۔ عیش باغ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔
مولانا ثناء اللہ امرتسری نے آپ کی وفات پر لکھا کہ عبداللہ جیسا کامل، عالم و عابد دیکھا کوئی نہیں،
نے بہت سے ہیں (۲۴۶)۔

۲۰۔ مولانا وحید الزمان (م ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء):

نام و نسب: محمد وحید الزمان نام، وقار نواز جنگ خطاب تھا۔ نسباً فاروقی تھے۔ سلسلہ نسب یہ
ہے۔ وحید الزمان بن مسیح الزمان بن نور محمد بن شیخ احمد ملتانی (۲۴۷)۔

ولادت: آپ کے بزرگوں کا وطن اگرچہ ملتان تھا۔ مگر آپ کانپور میں پیدا ہوئے۔ سال ولادت
۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۰ء ہے (۲۴۸)۔

تعلیم و تربیت: آپ نے قرآن شریف اپنے تایا مولوی بدیع الزمان سے پڑھا۔ اس کے بعد مفتی
عنایت احمد سے صرف و نحو کی تعلیم حال کی چند روز کے بعد مفتی صاحب کی وفات ہو گئی تو ان کے
شاگرد رشید مولوی سید حسین شاہ بخاری مصنف خلتہ النہود سے درس لیتے رہے چنانچہ ایک سال کے
عرصہ میں علوم صرف و نحو سے فارغ ہو گئے (۲۴۹)۔

شیوخ حدیث: جن نامور محدثین سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی ۲۔ مولانا فضل الرحمان، گنج مراد آبادی

۳۔ حافظ عبدالغفور محدث لکھنوی ۴۔ محمد بشیر الدین قنوجی (۲۵۰)

سند حدیث: سید نذیر حسین محدث دہلوی نے ان کو مرویات حدیث کی اجازت ان الفاظ میں دی۔
”لقد اجزت لجميع مرویاتی من کتب الحدیث اعنی الصحاح الستہ وغیرھا
للمولوی الالمعی الذی لہ رای صائب و ذہن ثاقب وحید الزمان ابن مسیح
الزمان.... الخ (۲۵۱)۔“

مطالعہ کتب: آپ مطالعہ ہمیشہ دن کو کرتے تھے آپ فرماتے ہیں کہ میرے استاد مولانا بشیر
الدین صاحب قنوجی نے مجھے نصیحت کی تھی کہ رات کو کتاب کا مطالعہ نہ کرنا بلکہ دن کو جس قدر مطالعہ
... سکے کافی ہے اور رات کو محض تفریح اور دوست احباب سے باتیں کرنے کے لیے رکھو (۲۵۲)۔ مولانا
کے مطالعہ کے چند اصول ہیں۔ فرماتے ہیں مطالعہ ہمیشہ علمی کتابوں کا کرنا چاہیے، مطالعہ اس وقت کرنا

چاہئے جب طبیعت میں نشاط ہو۔ مطالعہ سرسری اور جلدی کرنا چاہیے (۲۵۳)۔
تصانیف: مولانا وحید الزمان نے دو درجن سے زائد کتابیں لکھیں۔ ان میں سے حدیث کے موضوع پر درج ذیل کتابیں مشہور ہیں:

- ۱۔ کشف المخطا عن المؤطا (ترجمہ مؤطا امام مالک)۔
 - ۲۔ الہدیٰ المحمود لترجمہ سنن ابی داؤد ۳۔ المعلم لترجمہ صحیح مسلم
 - ۳۔ تسہیل القاری شرح اردو صحیح بخاری ۵۔ رفع العجاۃ عن ترجمہ سنن ابن ماجہ
 - ۶۔ وحید اللغات (لغات الحدیث) ۷۔ اشراق الابصار
 - ۸۔ روض الری من ترجمہ الجتبی (سنن نسائی کا ترجمہ) (۲۵۴)
- وفات: ۱۳۳۸ھ بمطابق ۱۵ مئی ۱۹۲۰ء کو حیدرآباد میں انتقال ہوا (۲۵۵)۔

۲۱۔ مولانا محمود الحسن (م ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء):

پیدائش: مولانا محمود الحسن بن ذوالفقار علی دیوبندی ۱۲۶۸ھ بمطابق ۱۸۵۱ء بمقام بریلی پیدا ہوئے (۲۵۶)۔

تعلیم و تربیت: چھ سال کی عمر میں پڑھنا شروع کیا۔ فارسی و عربی کی ابتدائی کتب اپنے چچا مولوی مہتاب علی صاحب سے پڑھیں (۲۵۷)۔ محمود الحسن دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم تھے۔ ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء میں کنز الدقائق اور مختصر معانی کا امتحان دیا۔ کتب صحاح ستہ اور دوسری کتب مولانا قاسم نانوتوی سے پڑھیں۔ ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء میں فارغ ہوئے (۲۵۸)۔

تصانیف: آپ کی چند تصانیف درج ذیل ہیں:

- ۱۔ افادات (یہ رسالہ شیخ الہند کے دو مضمونوں کا مجموعہ ہے)۔
- ۲۔ الابواب والتراجم (بخاری شریف کے چند تراجم ابواب کی مختصر شرح ہے) (۲۵۹)۔
- ۳۔ حاشیہ ابی داؤد (یہ بھی حدیث نبوی کی خدمت ہے)۔
- ۴۔ ترجمہ قرآن مجید (۲۶۰)۔
- ۵۔ کلیات شیخ الہند (محمود الحسن کے منظوم کلام کا مجموعہ ہے)۔

وفات: ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ بمطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو آپ کی وفات ہوئی (۲۶۱)۔

۲۲۔ عبدالسلام مبارکپوری (م ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء):

پیدائش: عبدالسلام مبارکپوری قصبہ مبارک پور میں ۱۲۸۲ھ بمطابق ۱۸۶۵ء کو پیدا ہوئے۔ آپ

کے والد کا نام میاں خان محمد تھا جو کہ عامل بالحدیث تھے (۴۶۲)۔
تعلیم و اساتذہ: ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اس کے بعد آپ نے مولوی عبدالرحمن
مبارک پوری، قاضی محمد مچھلی شہری، شیخ حسین عرب یمنی، اور سید نذیر حسین دہلوی سے تعلیم حاصل
کی۔ علم طب مختلف اساتذہ سے پڑھا (۴۶۳)۔

درس و تدریس: فراغت تعلیم کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور مختلف
دینی مدارس میں آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ جن دینی مدارس میں آپ نے تدریس
فرمائی۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

- ۱۔ مدرسہ دارالحدیث صادق پور پٹنہ، ۱۵ سال۔
- ۲۔ مدرسہ فیض عام مسو، ضلع اعظم گڑھ، ۳ سال۔
- ۳۔ مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث بوٹھیاں، ۴ سال۔
- ۴۔ دارالحدیث رحمانیہ دہلی، ۱۸ سال (۴۶۴)۔

تصانیف:

- ۱۔ سیرۃ البخاری ۲۔ تاریخ منوال واہلہ۔
- ۳۔ اسلامی تمدن۔ ۴۔ تصوف۔
- ۵۔ الاجازۃ بتکرار صلوۃ الجنازۃ (۴۶۵)۔

آپ نے ۱۰ رجب ۱۳۴۲ھ / ۱۹۲۴ء کو دہلی میں انتقال فرمایا (۴۶۶)۔

۲۳۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری (م ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء):

پیدائش: مولانا خلیل احمد سہارنپوری ۱۲۶۹ھ بمطابق ۱۸۵۲ء میں پیدا ہوئے۔ مولانا یعقوب،
اول صدر مدرس دارالعلوم دیوبند آپ کے حقیقی ماموں تھے (۴۶۷)۔

تعلیم و تربیت: آپ نے کتب درسیہ کی تعلیم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی اور علم
حدیث کی تحصیل مولانا محمد مظہر صدر مدرس مظاہر العلوم سے کی۔ آپ نے اکثر کتابیں خصوصاً کتب
حدیث و فقہ و اصول و تفسیر بھی محمد مظہر سے پڑھیں۔ حدیث کی سند و اجازت شاہ عبدالغنی مجددی سے
اور شیخ احمد مفتی شافعیہ سے بھی حاصل کی۔ بیس سال کی عمر میں ۱۲۸۸ھ بمطابق ۱۸۷۱ء میں آپ
فارغ التحصیل ہو گئے (۴۶۸)۔

خدمت علم حدیث: آپ کو تمام فنون میں مہارت حاصل تھی۔ لیکن علم حدیث میں زیادہ ہی شغف

تھا (۲۶۹)۔ آپ نے سات حج کیے (۲۷۰)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں۔

- ۱۔ مجموعہ فتاویٰ، ۲۔ المہند علی المفند، ۳۔ تنشیط الاذان، ۴۔ بذل الحجود فی ابی داؤد وفات: آخری حج کے بعد مدینہ المنورہ میں اقامت فرمائی اور وہیں وفات پا کر ۱۳۴۶ھ بمطابق ۱۹۲۷ء کو جنت البقیع میں دفن ہوئے (۲۷۱)۔

۲۲۔ انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۲ء):

انور شاہ کشمیری ۲۷ شوال ۱۲۹۲ھ بمطابق ۱۸۷۵ء کو اپنے ننھیال بمقام موضع دودھوان و علاقہ لولاب کشمیر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد معظم شاہ تھا (۲۷۲)۔

تعلیم: ساڑھے چار سال کی عمر میں اپنے والد سے قرآن پڑھنا شروع کیا۔ اور چھ برس کی عمر میں قرآن کے علاوہ فارسی کے متعدد رسائل بھی ختم کر لیے۔ پھر مولانا غلام محمد سے فارسی و عربی کی تعلیم حاصل کی (۲۷۳)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

العرف الشذی (یہ جامع ترمذی کی شرح ہے۔ جو املا کی گئی ہے اور اس کو مولانا چراغ حسین نے املا کیا تھا)۔

خاتم النبیین

عقیدہ الاسلام فی حیاة عیسیٰ علیہ السلام

فصل الخطاب فی مسئلہ ام الکتاب

بسط البیدین لنیل الفرقدین

مرقاۃ الطارم لحدوث العالم (۲۷۴)

وفات: آپ نے ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۲ء کو تقریباً ۶۰ سال کی عمر میں دیوبند میں وفات پائی (۲۷۵)۔

۲۳۔ عبدالرحمن محدث مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء):

پیدائش: آپ ۱۳۶۳ھ بمطابق ۱۸۶۶ء کو مبارکپوری میں پیدا ہوئے (۲۷۶)۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کرنے کے بعد مولانا عبداللہ غازی پوری سے تعلیم حاصل کی۔ پھر آپ سید نذیر حسین کے پاس دہلی آئے اور ان سے حدیث کا علم حاصل کیا۔

کیا (۴۷۷)۔ دہلی سے علم حاصل کرنے کے بعد بھوپال چلے گئے اور علامہ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، سنن داری، مسند امام شافعی، مسند احمد بن حنبل، ادب المفرد بخاری اور معجم صغیر طبرانی کے اطراف پڑھ کر، ان کتابوں کی روایت کی اجازت حاصل کی اور ۱۳۱۳ھ ۱۸۹۵ء میں قاضی محمد بن عبدالعزیز مچھلی شہری سے حدیث ”مسلسل بالاولیۃ“ کی سند لی (۴۷۸)۔

درس و تدریس: فراغت تعلیم کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کی ساری زندگی تدریس میں صرف ہوئی۔ تدریس کا آغاز اپنے آبائی گاؤں مبارکپور سے کیا۔ اس کے بعد قصبہ بلرام پور (گوٹھ) میں تدریس فرمائی۔ اس کے بعد اللہ نگر (گوٹھ) میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد سراج العلوم گوٹھ، مدرسہ احمدیہ آریہ، مدرسہ دارالقرآن والسنہ کلکتہ اور مدرسہ میاں صاحب (سید نذیر حسین) دہلی میں تدریسی خدمات سرانجام دیں (۴۷۹)۔

تصانیف: آپ کی چند تصانیف درج ذیل ہیں:

- ۱۔ تحفۃ الاحوذی (تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی چار جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے)۔ یہ کتاب دنیا عرب میں بھی مقام رکھتی ہے اور اس پایہ کی عربی زبان میں اور کوئی شرح نہیں ہے۔ اس میں اصول حدیث، تاریخ حدیث اور سنن ترمذی کے متعلق بہت اہم مباحث ہیں اور اپنے موضوع پر لا جواب کتاب ہے۔
- ۲۔ مقدمہ تحفۃ الاحوذی (یہ دو ابواب پر مشتمل ہے)۔
- ۳۔ تحقیق الکلام فی وجوب القراءة خلف الامام۔ یہ کتاب طبع شدہ ہے۔
- ۴۔ القول السدید فیما یتعلق بتکبیرات العید۔
- ۵۔ کتاب الجنائز۔
- ۶۔ نور الابصار (۴۸۰)۔

وفات: ۱۳۵۳ھ بمطابق ۱۹۳۵ء میں آنکھوں پر عمل جراحی کیلئے دہلی تشریف لائے تھے۔ آپریشن کے دوران میں صاحب فراش ہو کر مراجعت وطن ہوئے اور انتقال فرما گئے (۴۸۱)۔

۲۶۔ حضرت محمد جونا گڑھی (۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)

ولادت: محمد بن ابراہیم جونا گڑھی کی ولادت ۸۰۱۳ھ/۱۸۹۰ء میں جونا گڑھ میں پیدا ہوئے (۴۸۲)

تعلیم و تربیت: آپ اپنے وطن میں ہی ایک اہل حدیث بزرگ مولانا عبداللہ جونا گڑھی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر آپ نے علم حاصل کرنے کے لیے دہلی کا قصد کیا۔ اس وقت دہلی اسلامی

تہذیب و تمدن کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ چنانچہ آپ عازم دہلی ہوئے۔ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں آپ بائیس برس کی عمر میں دہلی تشریف لائے۔ اور مدرسہ امینیہ میں داخل ہوئے۔

مدرسہ دارالکتاب والسنہ میں آپ نے درس نظامی کی تکمیل کی۔ مولانا عبدالوہاب صدیقی ملتانی سے مستفید ہوئے۔ اسی زمانہ میں پھانک حسن خان دہلی میں واقع مولانا عبدالرحیم صاحب غزنوی اور مولانا عبدالرشید کا مدرسہ بھی قرآن و حدیث کا سرچشمہ تھا۔ مولانا جونا گڑھی نے ان دو جلیل القدر علماء سے استفادہ کیا (۲۸۳)۔

درس و تدریس: علامہ کی ذات بڑی ہمہ گیر تھی۔ تکمیل تعلیم کے بعد اجیری گیٹ دہلی میں مدرسہ محمدیہ کی بنیاد رکھی۔ جب تدریس کا سلسلہ شروع کیا تو طالب علموں میں ہر دلعزیز ہو گئے اور ”گلدستہ محمدی“ کے نام سے ماہوار رسالہ جاری کیا۔ جس نے بہت کم عرصے میں انتہائی زبردست مقبولیت و شہرت حاصل کی۔ اور ”اخبار محمدی“ کی شکل اختیار کر گیا (۲۸۴)۔

صحافت کے میدان میں بھی علامہ محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ کی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ آپ نے دنیائے صحافت میں داخل ہو کر توحید و سنت کا بول بالا کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔

خطابت: ملکہ خطابت بھی علامہ محمد صاحب جونا گڑھی کی ہمہ جہت شخصیت کا ایک اہم خاصہ ہے۔ یہ وصف بھی آپ کی تقریر کا لازمی جزو تھا۔ آپ نہ صرف خود روتے بلکہ سامعین کو بھی رلایا کرتے تھے۔ آپ کے مواعظ سے لاتعداد حضرات قبیح سنت بن گئے (۲۸۵)۔

تصانیف: تصنیف و تالیف کے ضمن میں علامہ صاحب کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ نے اپنی تصانیف کے ذریعے اشاعت اسلام میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ کی معروف اور مقبول کتابوں میں سے چند درج ذیل ہیں:

- | | |
|---------------------------------------|------------------------------------|
| ۱۔ تفسیر محمدی، ترجمہ تفسیر ابن کثیر۔ | ۲۔ دین محمدی ترجمہ اعلام الموقعین۔ |
| ۳۔ خطبات محمدی۔ | ۴۔ سیرت محمدی۔ |
| ۵۔ نکاح محمدی۔ | ۶۔ ارشاد محمدی۔ |
| ۷۔ ظل محمدی۔ | ۸۔ درہ محمدی۔ |
| ۹۔ طریق محمدی۔ | ۱۰۔ مشکوٰۃ محمدی۔ |
| ۱۱۔ شمع محمدی۔ | ۱۲۔ ایمان محمدی۔ |
| ۱۲۔ اربعین محمدی۔ | ۱۳۔ برات محمدی۔ |
| ۱۳۔ حیات محمدی۔ | ۱۶۔ حقوق محمدی۔ |

۱۷۔ درود محمدی۔ ۱۸۔ دلائل محمدی۔

۱۹۔ دین محمدی۔ ۲۰۔ ذمہ محمدی (۲۸۶)۔

وفات: یکم صفر ۱۳۶۰ھ بمطابق ۱۹۴۱ء بروز جمعہ المبارک بوقت گیارہ بجے شب آپ نے وطن مالوف جونا گڑھ میں وفات پائی (۲۸۷)۔

۲۷۔ مولانا احمد اللہ شیخ الحدیث (م ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۳ء):

پیدائش: احمد اللہ بن امیر اللہ بن فقیر اللہ موضع مبارکپور ضلع پرتاب گڑھ میں پیدا ہوئے (۲۸۸)۔
تعلیم و تربیت: میاں پیر محمد سے فارسی گلستان پڑھی۔ سید محمد امین نصیر آبادی سے صرف و نحو اور شرح جامی پڑھی اور قرآن پاک حفظ کیا۔ مولانا لطف الرحمن بردوانی سے علوم و فنون یعنی مطول میرزاہد اور ملا حسین سے صحیحین، ترمذی اور نسائی پڑھی۔

بھوپال کے اس زمانہ کے جملہ مشاہیر و اعلام سے استفادہ کرنے کے بعد بقصد دہلی روانہ ہوئے۔ مگر اس سفر میں الہ آباد میں بھی قیام کیا۔ سید نذیر احمد سے کتب ادب یعنی سبہ معلقہ، مستحکم اور مقامات حریری پڑھے۔ مولانا لطف حسین سے کتب فرائض پڑھیں۔ شیخ الحدیث سید نذیر حسین صاحب کے درس میں صحیحین و بعض دیگر کتب صحاح پڑھ سند و اجازہ حاصل کیا (۲۸۹)۔
درس و تدریس: اس دور کے نامور اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد تمام زندگی درس و تدریس کے لیے وقف کر دی کہ پورے بیس سال مدرسہ علی جان دہلی میں پڑھایا جہاں جملہ معقول اور منقول حدیث و تفسیر پڑھاتے رہے۔ اسی دوران دارالحدیث رحمانیہ دہلی کی تاسیس ہوئی تو ابتداء ہی میں یہاں تشریف لے آئے اور عرصہ تک کتب حدیث و تفسیر و اصول فقہ و اصول حدیث وغیرہ پڑھاتے رہے (۲۹۰)۔

تصانیف: مولانا احمد اللہ نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ کئی کتابیں تالیف کیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

۱۔ تخریج عسقلانی (احادیث ہدایہ کی تخریج)۔

۲۔ القول التین فی بیان التائین۔

۳۔ برہان المہداة عن مسئلۃ الزکوٰۃ۔

۴۔ القول المختصر فی الزکوٰۃ العشر۔

۵۔ التامل فی الرد علی رسالۃ التوسل بسید الرسل۔

۶۔ تحفۃ تبیت من اہل سنت (۴۹۱)۔

وفات: آپ نے ۱۹۴۳ء میں وفات پائی (۴۹۲)۔

۲۸۔ مولانا عبدالنواب ملتانی (م ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء):

پیدائش: مولانا ابوتراب محمد عبدالنواب بن مولانا قمر الدین بن بدر الدین ۱۲۸۸ھ بمطابق ۱۸۷۱ء کو ملتان میں پیدا ہوئے (۴۹۳)۔

تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ آپ کے والد مولانا قمر الدین عالم، بالحدیث تھے۔ انہوں نے آپ کو سیّد نذیر حسین محدث دہلوی کے پاس اکتساب فیض کیلئے دہلی بھیجا یہاں پر آپ نے علم حدیث کی تعلیم حاصل کی (۴۹۴)۔

درس و تدریس: تکمیل تعلیم کے بعد ملتان میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور اس کے ساتھ ذریعہ معاش کے لیے طباعت کتب کا مشغلہ اختیار کیا۔ کتابیں خود بھی چھپواتے اور اسلامی ممالک سے بھی منگواتے۔ کتب حدیث اور خاص کر امام ابن تیمیہ، حافظ ابن حجر عسقلانی کی تالیفات سے آپ کو بہت زیادہ شغف تھا (۴۹۵)۔

تصانیف: آپ ایک جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ آپ کی بیشتر تصانیف عربی میں ہیں۔ تفسیر، حدیث اور فقہ پر مکمل عبور تھا۔ آپ کی تصانیف میں سے چند درج ذیل ہیں:

- ۱۔ تعلیق حاشیہ صحیح مسلم ابی الحسن سندھی (عربی)۔
- ۲۔ حاشیہ تحفۃ جالودود باحکام المولود (عربی)۔
- ۳۔ تعلیق المصنف ابن ابی شیبہ (عربی)۔
- ۴۔ تعلیق عون المعبود شرح ابی داؤد (عربی)۔
- ۵۔ مسند عمر بن عبدالعزیز الاموی (عربی)۔
- ۶۔ شرح حدیث مازبان جالغان (لابن رجب) عربی۔
- ۷۔ حواشی تفسیر عزیزی سورۃ مومنون (۴۹۶)۔

اردو تراجم اور حواشی:

۸۔ ترجمہ و مختصر شرح مشکوٰۃ المصابیح

۹۔ حواشی علی الاشارات الی بیان المسمیات

۱۰۔ حواشی علی قیام اللیل المروزی

۱۱۔ المختصر النافع فی اصول الحدیث

۱۲۔ ترجمہ صحیح البخاری (اس کے صرف آٹھ پارے مکمل کیے)

۱۳۔ ترجمہ بلوغ المرام۔ یہ ترجمہ ان کے اپنے مطبعہ سلفیہ ملتان سے ۱۳۴۲ھ بمطابق ۱۹۲۵ء

کو دو جلدوں میں شائع ہوا۔ پہلی جلد ۳۱۴ اور دوسری ۲۳۲ صفحات پر مشتمل ہے (۴۹۷)۔

وفات: آپ اشاعتی اور علمی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ آپ نے ۱۳۶۷ھ بمطابق ۱۹۴۷ء

کو وفات پائی اور ملتان ہی میں دفن ہوئے (۴۹۸)۔

۲۹۔ محمد ابوالقاسم سیف البناری (م ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۴۹ء):

پیدائش: محمد ابوالقاسم ۱۳۰۷ھ بمطابق ۱۸۸۹ء میں بنارس میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام ”محمد فضل

قادر“ تھا۔

تعلیم: سات سال کی عمر میں ناظرہ قرآن مجید ختم کرنے کے بعد حفظ کیا۔ اسی سال قاضی محمد مچھلی

شہری سے ”سلسل بالاولیہ“ حاصل ہوئی۔

درس و تدریس: سولہ سال کی عمر میں فارغ ہو کر خود تدریس و تصنیف میں مشغول ہو گئے۔ یہ

دونوں سلسلے آخری عمر تک جاری رہے اور ماہوار رسالہ ”السعد“ جاری کیا۔ مگر ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۱ء میں بند

ہو گیا۔ ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء میں مدرسہ ”سعیدیہ“ بنارس میں اوّل مدرس مقرر ہوئے۔ جہاں تمام علوم و

فنون کی کتابیں آپ کے ذمہ تھیں۔ اس مدرسہ میں ۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۴ء تک ۲۵ مرتبہ صحیح بخاری و صحیح مسلم

پڑھائی (۴۹۹)۔

تصانیف: آپ نے فتنہ انکار حدیث کے رد میں زیادہ کتب لکھیں۔ چند تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ حل مشکلات البخاری ۲۔ الامر بالمعروف لا یطال الکلام الحکم

۳۔ حکم الحاکم فی کتبیہ ابی قاسم ۴۔ اربعین محمدی (اردو ترجمہ)

۵۔ اجتناب المنفعہ

۶۔ السیر الحسب فی براۃ اہل الحدیث (۵۰۰)۔

وفات: ۱۳۶۹ھ بمطابق ۲۵ نومبر ۱۹۴۹ء بروز جمعہ انتقال ہوا (۵۰۱)۔

۳۰۔ مولانا شبیر احمد عثمانی (م ۱۳۶۹ھ / ۱۹۴۹ء):

پیدائش: مولانا شبیر احمد عثمانی ۱۳۰۵ھ بمطابق ۱۸۸۵ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام فضل الرحمن تھا اور وہ ضلع بجنور میں ڈپٹی انسپکٹر تھے۔ اس محکمے سے پینشن لینے کے بعد وہ دیوبند میں مقیم ہو گئے اور ۱۸۶۶ء سے ۱۹۰۷ء تک انہوں نے بیالیس سال تک مدرسے کی خدمات انجام دیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت عثمان سے جا ملتا ہے (۵۰۲)۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم اپنے ماموں محمد تقی سے حاصل کی پھر دہلی چلے گئے اور قاضی احمد لدین مولانا مملوک العلی نانوتوی اور مولانا شاہ عبدالغنی مجددی سے علم حدیث حاصل کی۔ درسیات سے فارغ ہو کر قرآن مجید حفظ کیا۔ ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء میں عربی کا آغاز کیا اور ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء میں فراغت حاصل کی (۵۰۳)۔

درس و تدریس: تعلیم مکمل کرنے کے بعد سے ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۵ء تک ۳۷ سال کا عرصہ آپ نے درس و تدریس میں گزارا۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء سے ۱۳۲۷ھ / ۱۹۲۸ء تک تعلیم دی اور اسے پہلے دو سال مدرسہ عربیہ فتح پوری دہلی اور ۱۳۲۷ھ / ۱۹۲۸ء سے ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء تک دو تین سال کے سوا ڈابھیل (گجرات کا ٹھیاوار) کے جامعہ عربیہ میں درس دیا (۵۰۴)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف مختلف علوم میں ہیں: العقل والنقل، الشہاب، الاسلام اعجاز القرآن اور تفسیر عثمانی شامل ہیں۔

علم حدیث میں تصانیف: فتح الملہم شرح صحیح مسلم، فضل الباری شرح اردو صحیح البخاری۔

۱۳۶۹ھ / ۸ دسمبر ۱۹۴۹ء کو امیر آف بہاولپور سر صادق محمد خاں پنجم کی درخواست پر جامعہ اسلامیہ کا افتتاح کرنے کے لیے تشریف لائے۔ ۱۲ دسمبر کو بخار ہوا۔ ۱۳ دسمبر کو وفات پا گئے۔ اس وقت عمر ۶۴ سال تھی۔ تدفین کراچی میں ہوئی (۵۰۵)۔

۳۱۔ مولانا داؤد غزنوی رحمہ اللہ (م ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء):

پیدائش: مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۵ء میں بمقام امرتسر پیدا ہوئے (۵۰۶)۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم انہوں نے اپنے والد مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ اور مولانا عبدالاول غزنوی رحمہ اللہ سے حاصل کی۔ مولانا گل محمد سے اردو اور حساب کی تعلیم حاصل کی۔ علوم عقلی میں مدرسہ فتح پور کے مشہور مدرس مولانا سیف الرحمن کابلی رحمہ اللہ سے استفادہ کیا۔ علم حدیث سید نذیر

حسین محدث دہلوی کے شاگرد مولانا حافظ عبداللہ غازی پور سے حاصل کیا (۵۰۷)۔

تصانیف: ۱۔ براہین، ۲۔ نخبۃ الاحادیث، ۳۔ حجتہ اللہ البالغہ کی کتاب التوحید کا ترجمہ۔

درس و تدریس: حصول علم سے فراغت کے بعد امرتسر واپس آ گئے اور بڑی مستعدی اور ذوق و شوق کے ساتھ اپنی آبائی درسگاہ یعنی مدرسہ غزنویہ میں تفسیر اور حدیث کی تدریس کا کام سرانجام دینے لگے اور ایک عرصہ تک کتاب و سنت کے چشمہ صافی سے تشنہ کامی علم دین کی پیاس بجھاتے رہے۔ اس زمانے میں تدریس کے ساتھ ساتھ تبلیغ و اشاعت اسلام، تحریک آزادی وطن سے اپنی دلچسپی اور کمال خطابت کی وجہ سے ”امرتسر“ میں اپنا ایک مقام پیدا کر لیا تھا۔ لاہور میں مدرسہ تقویۃ الاسلام کی آپ نے بنیاد رکھی اور اس میں مؤطا امام مالک خود پڑھاتے تھے۔

سیاسی زندگی: ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء کو جب ترک انگریز کے خلاف صف آرا ہوئے اور مسلمانان ہند کی ہمدردیاں ترکوں کے ساتھ تھیں تو اسی زمانے میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا۔ آپ اس تحریک کے سرگرم رکن تھے۔ اس دور میں انہوں نے انگریز کے خلاف بھرپور آواز اٹھائی۔ وہ بیباکی اور حق گوئی کی وجہ سے کئی مرتبہ جیل بھی گئے۔ جب مولانا داؤد غزنوی جلالپور نے دیکھا کہ کانگریس کی ذہنیت تو مہا سہائیوں کی سی ہے اور ہندو مسلم اتحاد محض ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ تو انہوں نے کانگریس سے استعفیٰ دے دیا اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

میدان صحافت میں: ۱۳۴۶ھ/یکم اپریل ۱۹۲۷ء کو امرتسر سے ہفتہ وار ”توحید“ کا پہلا شمارہ مولانا کی ادارت میں شائع ہوا۔ ”توحید“ کی مکمل فائل کے پہلے شمارے کے سرورق پر جلی حروف میں یہ دعا اور اس کا ترجمہ لکھا: ”رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیراً“ (اے میرے پروردگار! جس راستہ پر میں نے قدم رکھا ہے اور جو سفر میں نے اختیار کیا ہے۔ اس میں مجھے بہتر مقام تک پہنچاؤ اور تمام مشکلات اور مخالف طاقتوں کے ہجوم سے بہتر طریق سے نکالو۔ میں عاجز و کمزور و ناتواں ہوں مگر تُو اپنی نصرت و اعانت سے اس کا راز حق و باطل میں فتح و غلبہ دیجیو) آمین۔

اس محلے میں بڑے بڑے علماء لکھا کرتے تھے (۵۰۸)۔ قیام پاکستان کے بعد اسلامی تعلیمی بورڈ کے ۳۱ ممبران میں آپ سرفہرست تھے۔ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں مدینہ منورہ میں اسلامی یونیورسٹی قائم ہوئی تو اس کی مشاورتی کونسل کے ممبر تھے (۵۰۹)۔

وفات: حضرت مولانا داؤد غزنوی آخری دو برس مسلسل بیمار رہے۔ دل کے عارضے میں مبتلا تھے۔ دل کی شریانوں میں خون گاڑھا ہونے کی وجہ سے دوران خون میں رکاوٹ پیدا ہوئی۔ اس

رکاوٹ سے دل میں شدید درد ہوتا۔ کئی راتیں انہیں دردِ دل کے ہاتھوں بستر پر بیٹھے بیٹھے کاٹنی پڑیں۔ آخری دنوں میں بات کم کرتے تھے۔ رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین اکثر پڑھتے تھے۔ کبھی کبھی بقضائے بشریت خیال آتا کہ میرے بعد فلاں بات کا کیا ہوگا۔ تو ساتھ ہی کہہ اٹھتے اللہ ربی لا اشوک بہ شیئا۔ آخری دنوں میں بیماری کی شدت، نقاہت اور بے خوابی کی وجہ سے صبح کی نماز میں بعض اوقات تاخیر ہوتی تو انہیں سخت صدمہ ہوتا۔

وفات: ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء میں آپ کا انتقال ہوا (۵۱۰)۔

۳۲۔ حافظ عبداللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء):

ولادت و تعلیم: حافظ عبداللہ بن میاں روشن امرتسر میں ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے (۵۱۱)۔ آپ نے ابتدائی تعلیم موضع ڈوبہ ضلع لاہور سے حاصل کی۔ مولانا عبداللہ سے آٹھ پارے حفظ کرنے کے بعد مدرسہ غزنویہ امرتسر میں مولانا سید عبدالجبار غزنوی اور عبدالاول غزنوی سے علم تفسیر و حدیث حاصل کیا۔ ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں دہلی تشریف لے جا کر مولانا محمد اسحاق منطقی سے منطق و اقلیدس اور درس نظامی کی آخری کتب پڑھیں۔ علم حدیث و تفسیر مولانا نے عبداللہ غازی پوری سے پڑھیں۔ بعد میں مدرسہ عالیہ رامپور سے سند فضیلت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اسی دوران مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا (۵۱۲)۔

تصانیف: آپ کی تصانیف و تالیف پچاس کے قریب ہیں۔ جن میں تفسیر و حدیث کے موضوع پر درج ذیل کتب ہیں:

- ۱۔ اردو ترجمہ و حواشی مشکوٰۃ المصابیح ابتداء سے کتاب القدر (غیر مطبوعہ)
- ۲۔ اہل حدیث کے امتیازی مسائل۔
- ۳۔ تعلیم الصلوٰۃ۔
- ۴۔ درایت تفسیری۔
- ۵۔ الکتاب المستطاب فی جواب فصل الخطاب (۵۱۳)۔

وفات: ۱۳۸۴ھ بمطابق ۲۰ اگست ۱۹۶۴ء کو لاہور میں وفات پائی اور گارڈن ٹاؤن میں مدفون ہوئے (۵۱۴)۔

۳۳۔ مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء):

مولانا حافظ محمد گوندلوی کا تعلق جموں و کشمیر کے راجپوت گھرانے سے تھا۔ آپ کے اجداد

میں دو بزرگ میاں بدھی چند اور میاں اودھے چند حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور قبول اسلام کے بعد میاں عبدالکریم اور میاں فضل کریم کے ناموں سے معروف ہوئے۔ ان دو بھائیوں کے قبول اسلام پر خاندان ان کا مخالف ہو گیا اور بالآخر ظلم و ستم کی تاب نہ لاتے ہوئے یہ دونوں بھائی صوبہ پنجاب کی طرف ہجرت کر آئے اور گوجرانوالہ شہر کے نواح میں ایک گاؤں مرالی والہ میں رہائش پذیر ہوئے۔ یہی میاں عبدالکریم ہیں جن کے پوتے فضل دین کو اللہ تعالیٰ نے حافظ محمد گوندلوی کے والد ماجد ہونے کا شرف بخشا ہے (۵۱۵)۔

پیدائش: میاں فضل دین کی اہلیہ زینب بی بی نہایت سعیدہ و صالحہ خاتون تھیں۔ حافظ محمد گوندلوی انہیں کے بطن سے رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ بمطابق ۱۸۹۷ء بروز جمعرات بوقت سحر تولد ہوئے (۵۱۶)۔ والد محترم نے آپ کا نام اعظم رکھا جبکہ والدہ محترمہ نے آپ کو ”محمد“ کے نام سے موسوم کیا۔ حضرت حافظ محمد گوندلوی اپنے بڑے بیٹے عبداللہ کے نام کی مناسبت سے ابو عبداللہ کنیت اختیار فرماتے تھے (۵۱۷)۔ حضرت حافظ محمد صاحب گوندلوی نے ابتداء حفظ قرآن مجید کی طرف توجہ کی اور تھوڑے عرصے میں قرآن مجید مکمل یاد کر لیا۔

والد محترم کی وفات کے بعد آپ کو والدہ محترمہ نے جامع مسجد اہل حدیث ”چوک بنائیں“ گوجرانوالہ میں مولانا علاؤ الدین کے سپرد کر دیا۔ جن سے آپ نے ابتدائی درسی کتب پڑھیں۔ بعد ازاں آپ امرتسر کے مدرسہ غزنویہ میں حصول تعلیم کے لیے تشریف لے گئے اور امام عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے خوب استفادہ کیا (۵۱۸)۔ اور آپ نے مولانا عبدالاول غزنوی سے بلوغ المرام، مشکوٰۃ، کتاب الجہاد تک اور ترمذی سے بعض اجزاء پڑھے، ترمذی کے بقیہ حصہ کو مولانا عبدالغفور غزنوی سے مکمل کیا (۵۱۹)۔

مدرسہ غزنویہ میں آپ نے صحاح ستہ، اصول تفسیر و حدیث، فقہ و اصول فقہ، منطق، ہندسہ اور صرف و نحو کی آخری اور انتہائی کتب پڑھ کر جملہ عربی علوم و فنون کی تکمیل کی (۵۲۰)۔ ان دنوں استاد پنجاب حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کے درس حدیث کا بہت شہرہ تھا۔ چنانچہ آپ امرتسر سے تکمیل علوم کے بعد وزیر آباد تشریف لائے اور حضرت محدث وزیر آبادی سے بھی سند و اجازت حدیث حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ کرام میں چند معروف نام یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا علاؤ الدین۔

۲۔ فخر محمد ثین امام عبدالجبار غزنوی۔

۳۔ حضرت مولانا عبدالاول غزنوی۔

۴۔ حضرت مولانا عبدالغفور غزنوی۔

۵۔ جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد حسین ہزاروی۔

۶۔ استاد الفنون حضرت مولانا عبدالرزاق۔

۷۔ استاد پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادی (۵۲۱)۔

درس و تدریس: آپ کی تدریسی خدمات کا دائرہ تقریباً ساٹھ سال پر محیط ہے۔ آپ نے آغاز تدریس گوندلانوالہ سے ۱۳۳۲ھ/۱۹۴۴ء میں کیا۔ چند سال تک یہاں کتب صحاح ستہ کا درس دیتے رہے۔ ۱۳۳۶ھ/۱۹۴۷ء میں مدرسہ رحمانیہ کی انتظامیہ کے پر زور اصرار پر دہلی تشریف لائے اور دو سال تک وہاں ارباب ذوق کی تسکین کا باعث بنے رہے۔ ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں جامعہ عربیہ دار السلام عمر آباد تشریف لائے لیکن آب و ہوا کی نا موافقت کی وجہ سے ایک سال بعد اپنے گاؤں واپس تشریف لے گئے اور تقریباً ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء تک اپنے گاؤں میں ہی سلسلہ درس جاری رکھا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ گوجرانوالہ کی مرکزی جامع مسجد الحدیث (چوک نیائیں) میں پڑھاتے رہے۔ بہت سے طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا۔ ان میں مولانا محمد اسماعیل السلفی بھی شامل تھے (۵۲۲)۔

جامعہ تعلیم الاسلام اوڈال والہ ماموں کائنجن جو برصغیر کے عظیم دینی مدارس میں سے ایک ہے۔ حافظ محمد گوندلوی صاحب وہاں دو سال تک منتہی طلبہ کو درس بخاری دیتے رہے۔ اوڈالوالہ سے مراجعت کے بعد آپ نے گوجرانوالہ میں ”ناہلی والی مسجد“ میں حلقہ درس قائم کیا جہاں فارغ التحصیل طلبہ کو صحیح بخاری، مؤطا امام مالک، حجتہ اللہ البالغہ اور الاتقان وغیرہ کا درس دیتے رہے۔ یہ سلسلہ ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء تک جاری رہا۔ اس کے بعد آپ نے جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں درس کا آغاز فرمایا اور ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۶ء تک اسی جامعہ میں مسند تعلیم و ارشاد پر جلوہ افروز رہے۔ ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء آپ جامعہ سلفیہ فیصل آباد تشریف لے آئے اور حضرت سید داؤد غزنوی کی سرپرستی میں جامعہ سلفیہ میں علم و عرفان کے موتی بکھیرتے رہے (۵۲۳)۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں بحیثیت شیخ الحدیث:

حکومت سعودیہ نے ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں مدینہ منورہ میں الجامعہ الاسلامیہ کا آغاز کیا۔ جس میں دنیا بھر سے متلاشیان علم جمع ہوئے۔ شیخ الجامعہ کے منصب پر محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی متمکن تھے جب علامہ ناصر الدین البانی اس منصب سے الگ ہوئے تو الجامعہ الاسلامیہ کے ذمہ داروں کی نگاہ انتخاب حضرت حافظ محمد گوندلوی پر پڑی۔ چنانچہ مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر فضیلہ

الشیخ عبدالعزیز بن باز نے جامعہ کے جلیل القدر استاد الشیخ عبدالقادر رشیدیہ الحمد کو پاکستان بھیجا جنہوں نے مولانا اسماعیل سلفی کی وساطت سے مدینہ یونیورسٹی تشریف لے جانے کی درخواست کی۔ چنانچہ حضرت حافظ محمد گوندلوی دو سال تک متواتر دیارِ رسول ﷺ میں الجامعۃ الاسلامیہ میں قال اللہ وقال الرسول کی صدائے دل گداز بلند کرتے رہے۔

فنِ تدریس میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ مدینہ یونیورسٹی کی تاریخ ہی آپ کی تدریس علمی و تحقیقی محاضرات بے مثال اہمیت کے حامل سمجھے جاتے ہیں (۵۲۳)۔

تصانیف:

- ۱۔ تقاریر صحیح بخاری (عربی) ۲۔ بغیۃ الفحول (عربی)
- ۳۔ تحفۃ الاخوان (عربی) ۴۔ مسئلہ ایمان (عربی)
- ۵۔ شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی) ۶۔ الاصلاح (دو حصے)
- ۷۔ خیر الکلام فی وجوب الفاتحہ خلف الامام ۸۔ دوامِ حدیث۔
- ۹۔ ختم نبوت۔ ۱۰۔ معیار نبوت۔
- ۱۱۔ درس صحیح بخاری۔

ان کے علاوہ آپ کے مختلف موضوعات پر بیس سے زائد کتب ہیں (۵۲۵)۔

وفات: ۲/۱۴۰۵ھ فروری ۱۹۸۵ء کو نماز تہجد کے لیے وضو کرتے وقت گر پڑے جس سے ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ابتدائی علاج کے لیے میوہسپتال اور بعد ازاں گوجرانوالہ الشیخ ہسپتال داخل رہے۔ چار ماہ علیل رہنے کے بعد ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء سہ پہر تین بجے وفات پائی (۵۲۶)۔

۳۴۔ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۷ء):

پیدائش: آپ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۹ء کو امرتسر کے قصبہ بھوجیان، امرتسر میں پیدا ہوئے (۵۲۷)۔
تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ قرآن مجید کا ترجمہ بھی انہی سے پڑھا۔
بلوغ المرام مولانا فیض اللہ خان مشہد سے اور صرف و نحو اور مشکوٰۃ ان کے فرزند عبدالرحمن سے، صحاح ستہ و جلالین، مولانا عبد الجبار کھنڈیلوی سے، شرح جامی و موطا امام مالک، مولانا ابوسعید شرف الدین سے، بخاری، بیضاوی، ملا حسن، حمد اللہ، شرح عقائد، اصول فقہ کی تعلیم محدث العصر حافظ محمد گوندلوی سے حاصل کی (۵۲۸)۔

درس و تدریس: فراغتِ تعلیم کے بعد کوٹ کپورہ، فیروز پور، اوڈانوالہ اور تقویۃ الاسلام لاہور میں

تدریسی خدمات انجام دیں۔ قیام پاکستان کے بعد کچھ عرصہ گوندلانوالہ میں مقیم رہے بعد ازاں لاہور میں (شیش محل روڈ) مستقل سکونت اختیار کی۔ گوندلانوالہ کے قیام کے دوران گوجرانوالہ سے ہفت روزہ ”الاعتصام“ جاری کیا۔ جو بعد میں جمعیتہ اہلحدیث پاکستان کا آرگن بھی رہا۔ مگر بعد میں جمعیتہ اہلحدیث سے اختلاف کی وجہ سے الاعتصام کا انتظام سنبھال کر اپنی نگرانی میں اس کی اشاعت جاری رکھی۔ آج کل ان کے صاحبزادہ حافظ احمد شاہ اس کے مدیر اعلیٰ ہیں (۵۲۹)۔

حال ہی میں ”الاعتصام“ کا مولانا عطاء اللہ حنیف نمبر شائع ہوا ہے۔

کتب خانہ: مولانا عطاء اللہ حنیف کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ قیام پاکستان سے قبل فیروز پور میں ایک کتب خانہ بنایا۔ مگر یہ کتب خانہ فسادات کی نذر ہو گیا۔ پاکستان میں آ کر مولانا نے دوبارہ کتابیں جمع کرنی شروع کیں اور ایک مثالی کتب خانہ بنایا۔ محی السنہ مولانا سید نواب صدیق حسن خاں نے مختلف موضوعات پر عربی، فارسی اور اردو میں ۲۲۲ کتابیں تصنیف کیں۔ آپ نے یہ سب کتابیں اپنے کتب خانہ میں جمع کیں۔ اگر کوئی کتاب قیمتا دستیاب نہ ہو سکی تو اس کا فوٹو سٹیٹ حاصل کر کے اس کی جلد بنوائی (۵۳۰)۔

اردو رسائل میں ”معارف اعظم گڑھ“ اور ”یہاں دہلی“ کے فائل بھی مولانا مرحوم نے جمع کیے۔ آپ کے کتب خانہ میں سب سے زیادہ ذخیرہ شرح حدیث اور اسماء الزجال کے متعلق ہے۔ تفاسیر قرآن مجید پر بھی کافی کتابیں ان کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔ ہندوستان کے علماء کی کتب بکثرت آپ کے کتب خانہ میں ہیں۔

تصانیف: مولانا عطاء اللہ حنیف ایک بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ آپ کی مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ التعليقات السلفية (شرح سنن نسائی) (عربی)۔

۲۔ فیض الودود تعلیق علی سنن ابی داؤد (عربی)۔

۳۔ قربانی کی شرعی حیثیت اور چند غلط فہمیوں کا ازالہ (اردو)۔

۴۔ پیارے رسول کی پیاری دعائیں۔

۵۔ تعلیق الاتباع (عربی)۔

۶۔ ترجمۃ الايقان فی اسباب الاختلاف (اردو)۔

۷۔ اتحاف النبیہ فیما یحتاج الیہ المحدث والفقہ (عربی)۔ یہ شاہ ولی اللہ کی کتاب ہے۔ اس پر آپ نے حواشی لکھے (۵۳۱)۔

مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم رویت ہلال کمیٹی، مجلس شورای اور اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن بھی رہے۔ جمعیتہ اہلحدیث لاہور کے امیر اور مرکزی جمعیتہ اہلحدیث کے ناظم اعلیٰ بھی رہے (۵۳۲)۔

وفات: آپ نے ۳ اکتوبر ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۷ء کو انتقال کیا۔ مولانا حافظ محمد یحییٰ میر محمدی نے نماز جنازہ پڑھائی اور میانی صاحب کے قبرستان لاہور میں دفن ہوئے (۵۳۳)۔

۳۵۔ مولانا حبیب الرحمن الاعظمی (م ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۱ء):

ولادت: آپ کا تاریخی نام ”اختر حسن“ تھا۔ آپ ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم: آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اس کے بعد قصبہ بہادر گنج کے مدرسہ میں مولانا ابو الحسن عراقی سے علم حاصل کرنے کے بعد مظہر العلوم بنارس سے بھی تعلیم حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند سے علم حاصل کرنے کی خواہش پر سفر کیا مگر طبیعت کے ناساز ہونے کی بناء پر واپس لوٹا پڑا اور دارالعلوم متو میں مولانا کریم بخش سنبھلی سے دورہ حدیث کیا۔

تصانیف: آپ کا خاص فن حدیث و اسماء الرجال تھا اور اس پر کافی گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ کو مخطوطات کا بھی شوق تھا۔ آپ نے بہت سی ایسی کتابوں کی اشاعت کی جو نادر ہونے کے باوجود محض مخطوطہ ہونے کی وجہ سے اہل علم تک نہ پہنچ سکتیں تھیں۔

وفات: آپ ۱۱ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۱ء کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے (۵۳۴)۔

۳۶۔ مولانا سید محبت اللہ شاہ راشدی (م ۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۵ء):

ولادت: سید محبت اللہ شاہ بن سید احسان اللہ راشدی محرم الحرام ۱۳۴۰ھ / ۲ اکتوبر ۱۹۲۱ء بروز اتوار کو پیر جھنڈو (حیدر آباد) سندھ میں پیدا ہوئے (۵۳۵)۔

تعلیم و تربیت: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی اس کے بعد مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی سے واضح البیان اور شہادۃ القرآن پڑھی۔ آپ نے حدیث کی اجازت مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا عبدالحق بہاولپوری سے حاصل کی (۵۳۶)۔

درس و تدریس: دستار بندی کے بعد اپنے گاؤں پیر جھنڈو میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ کچھ عرصہ بعد نیو سعید آباد کے قریب گاؤں درگاہ شریف میں مدرسہ دارالرشاد قائم کیا جہاں قیمتی

کتب سے مزین کتب خانہ المکتبۃ العالمیۃ العلمیۃ بنایا اور خود ہی اس مدرسہ میں تدریسی فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ آپ کے کتب خانہ میں دستیاب کتب کی تعداد پندرہ ہزار سے بھی زائد ہے جن میں نادر و نایاب قلمی مخطوطات بھی ہیں۔ آپ کا بیٹا قاسم شاہ صاحب ان کا جانشین ہے۔ آپ نے کافی کتب لکھیں جو اکثر عربی میں ہیں۔ ان میں حواشی صحیح بخاری بہت معروف ہے۔

وفات: آپ ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء میں اس دار فانی کو چھوڑ گئے (۵۳۷)۔

۳۷۔ حضرت مولانا سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء)

پیدائش: ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کو موضع بیٹ احمد، صادق آباد نزد اُچ شریف میں پیدا ہوئے۔ بلوچ قبیلہ قیسرانی سے ان کا تعلق تھا (۵۳۸)۔

تعلیم: مولانا نے آٹھ سال کی عمر میں حصول تعلیم کا آغاز کیا جس کے لیے بستی گمانی کے مولانا عبد المجید اور مولانا حبیب اللہ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ یہاں انہوں نے صرف و نحو، فقہ و اصول اور فلسفہ و منطق کی کتابوں کے علاوہ بیان و معانی اور پھر عربی ادبیات کی بعض کتابیں بھی پڑھیں (۵۳۹)۔ مندرجہ ذیل محدثین اساتذہ کی خدمت میں حصول علم کے لیے حاضر ہوئے:

۱۔ مولانا ابو محمد عبد الحق بن عبد الواحد ہاشمی۔

۲۔ مولانا عبد الحق ملتانی۔

۳۔ مولانا عبد التواب ملتانی۔

اس طرح مولانا سلطان محمود کو اس دور کے جلیل القدر علماء سے مستفید ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ خاص فضل کیا تھا۔ جس کے وہ دربار الہی سے مستحق قرار پائے۔ مولانا ان حضرات سے استفادہ کے دوران اور پھر تمام عمر حدیث کی نشر و اشاعت میں گزار دی (۵۴۰)۔

درس و تدریس: مولانا سلطان محمود ضلع ملتان کے شہر جلال پور پیر والہ کی درس گاہ دار الحدیث محمدیہ میں شیخ الحدیث کے منصب عالی پر متمکن تھے اور اسلاف کا صحیح نمونہ تھے۔ علم میں اللہ تعالیٰ نے ان کو فراوانی سے نوازا تھا اور تقویٰ و صالحیت کی دولت بھی عطا کی تھی۔ جلال پور پیر والہ میں مولانا نے پہلی مرتبہ ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء میں بسلسلہ تبلیغ آئے۔ اس کے بعد ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں دار الحدیث محمدیہ میں آگئے اور تدریس شروع کی۔

جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے ارباب اہتمام کے اصرار پر صرف ایک سال جامعہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ اس کے بعد پھر دار الحدیث جلال پور پیر والہ میں آگئے (۵۴۱)۔

تلامذہ:

- ۱۔ مولانا محمد رفیق اثری (موجودہ شیخ الحدیث جلال پور پیر والہ)۔
 - ۲۔ مولانا اللہ یار خاں
 - ۳۔ مولانا عبداللہ مظفر گڑھی۔
 - ۴۔ سید عبدالشکور اثری
 - ۵۔ عزیز زبیدی۔
 - ۶۔ حافظ عبدالعظیم۔
 - ۷۔ عبدالغفار اعوان۔
 - ۸۔ راقم السطور کو بھی مولانا سے شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ ۱۹۷۳ء-۱۹۷۴ء میں ملتان سے قرآن مجید کی بعض سورتوں کی تفسیر اور اصول حدیث پر کچھ پڑھا۔ اس کے علاوہ بھی ان کے بہت سے شاگرد ہیں۔
- وفات: ۱۴۱۶ھ ۲ نومبر ۱۹۹۵ء کو انتقال فرمایا (۵۴۲)۔

۳۸۔ علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی (م ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء):

ولادت: آپ کی ولادت ۱۳۴۵ھ/۱۶ مئی ۱۹۲۶ء میں ہوئی (۵۴۳)۔
تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے آبائی درسگاہ مدرسہ دارالرشاد سے حاصل کی۔ اس کے بعد جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ان میں حافظ محمد امین متوہ، مولانا ولی محمد کیریو، مولانا قطب الدین ہالجوی، مولانا بہاؤ الدین، جلال آبادی، محمد مدنی، عبداللہ روہڑی، محمد خلیل اور سید محبت اللہ شاہ ان کے بڑے بھائی شامل ہیں۔

علم حدیث کی اجازت اور سند فراغت: جن سے سند اور اجازت حدیث لی ان میں سید محبت اللہ راشدی، مولانا عبدالحق بہاولپوری مکی، مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری، مولانا حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا اسحاق، نیک محمد امرتسری، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی اور مولانا عبید اللہ سندھی شامل ہیں (۵۴۴)۔

درس و تدریس: مدرسہ دارالرشاد میں شروع کیا۔ پھر نیو سعید آباد میں شہر سے متصل آزاد چیر جھنڈ و نامی آباد کیا۔ وہاں مدرسہ محمدیہ اور مکتبہ راشدیہ کی بنیاد رکھی۔ طلبہ کو صحیح بخاری اور تفسیر ابن کثیر پڑھاتے رہے (۵۴۵)۔

حج بیت اللہ کے متعدد مواقع پر بیت اللہ شریف مسجد نبوی ﷺ اور مدینہ یونیورسٹی میں عربی و اردو میں دروس کا سلسلہ جاری رکھا۔ تین سال مکہ مکرمہ اور المعتمد الحرم المکی میں تدریس کی خدمات سرانجام دیں۔ برصغیر عرب و افریقی ممالک کے ہزاروں علماء و زعماء ان کے دروس و محاضرات

سے مستفید ہوئے (۵۳۶)۔

دعوت و تبلیغ: سندھ میں آپ نے دن رات محنت کی، شرک و بدعت کے ایوانوں میں توحید و سنت کی دعوت پہنچانے کا حق بحسن و خوبی ادا کیا۔ قرآن و حدیث کی تعلیم کو عام کیا۔ اس سلسلہ میں مصائب و تکالیف صبر کے ساتھ برداشت کیں اور یورپ، امریکہ، مشرق وسطیٰ، ہندوستان و بنگلہ دیش کے تبلیغی دورے کیے اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں خطاب کیا۔

کتب خانہ: آپ نے بڑی محنت سے تقریباً دس ہزار کتب جمع کیں۔ آپ نے تفسیر، حدیث، اسماء الرجال، تاریخ، فقہ، منطق، فلسفہ و لغت کے علاوہ متعدد علوم و فنون کی کتب جمع کیں۔

شاہ بدیع الدین جب برطانیہ تشریف لے گئے تو بندہ نے ان سے بھرپور استفادہ کیا۔ ان کے حکم پر برٹش میوزیم سے بعض قلمی کتب کی فوٹو کاپی لی اور حافظ ابن حجر کی ایک کتاب (مخطوط) لندن یونیورسٹی سے نقل کی۔ جو ان کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

تصانیف: آپ نے بہت کتب تحریر کیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ السمط الابریز حاشیہ مسند عمر بن عبدالعزیز، مکتبہ فاروقیہ ملتان سے شائع ہو چکی ہے۔

۲۔ المرأة لطرق حدیث من كان له امام فقرة الامام له فقرة: ۲۲۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۔ تہذیب الاقوال فیمن له ترجمة فی اظهار فی البراءة من الرجال۔

۴۔ جلاء العینین بتخریج روایات البخاری فی جزء رفع الیدین: ۲۱۳ صفحات پر مشتمل ہے اسے علوم اثریہ فیصل آباد نے ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔ بعد ازاں عرب ممالک سے کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔

۵۔ توفیق الباری لترتیب جزء رفع الیدین للبخاری: جامعہ السلفیہ بنارس ہند ۱۴۰۶ھ/مارچ ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔

۶۔ غایۃ المرام فی تخریج جزا القراءة خلف الامام۔

۷۔ جزء منظوم فی اسماء المدلسین۔

۸۔ القندیل المشغول فی تحقیق حدیث اقتلوا الفاعل والمفعول۔

۹۔ منجد المستجیز لروایۃ السنة والکتاب العزیز۔

۱۰۔ القول اللطیف فی الاحتجاج بالحدیث الضعیف۔

- ۱۱۔ رفع الارتياب عن حكم الاصحاب.
 - ۱۲۔ ازهار الحقائق في تذكّار من جمع احاديث خير الخلائق.
 - ۱۳۔ صريح المہمد في تخريج بلاغات مؤطا محمد.
 - ۱۴۔ الاجابة مع الاصابه في ترتيب احاديث البيهقي على مسانيد الصحابه.
 - ۱۵۔ الالمام بتبويب لاحاديث الخطيب على الاحكام وغيره (۵۲۷).
- وفات: آپ کا ۱۴۷۱ھ/۸ جنوری ۱۹۹۶ء کو کراچی میں انتقال ہوا اور اپنے گاؤں نیو سعید آباد میں دفن ہوئے (۵۲۸)۔

۳۹۔ عبدالرشید نعمانی (م ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء):

تعلیم و تربیت: عبدالرشید نعمانی کا تعلق ہندوستان کے علاقے جے پور سے تھا۔ آپ نے یتیمی کی حالت میں پرورش پائی۔ آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ ندوۃ العلماء کے حیدر حسن خان ٹونگی کے خصوصی شاگرد ہیں۔ آپ نے باقاعدہ کسی مدرسہ سے سند حاصل نہ کی لیکن اس دور کی مشہور ڈگریاں مولوی فاضل اور منشی فاضل حاصل کیں۔

درس و تدریس: تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے ذریعہ معاش کے لیے ندوۃ المصنفین میں بطور رفیق کام کا آغاز کیا۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی میں محمد یوسف بنوری کے مدرسہ نیو ٹاؤن میں استاذ مقرر ہوئے اور وہاں کے مشہور ماہنامہ ”بینات“ کے ایڈیٹر بھی مقرر ہوئے۔ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے قیام کے بعد نائب شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ جہاں تقریباً دس گیارہ برس تک شعبہ حدیث و تفسیر میں تدریسی فرائض احسن طریقے سے سرانجام دیتے رہے اور خصوصی طور پر ایم اے کے مقالات کی نگرانی کیا کرتے۔

تصانیف: آپ کی تصانیف کافی زیادہ ہیں۔ جن میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

- ۱۔ ابن ماجہ اور علم حدیث۔
- ۲۔ تلمس الیہ الحاجہ لمن یطالع سنن ابن ماجہ تعلیقات علی الدرر اسات،
- ۳۔ مقدمہ مؤطا امام محمد۔
- ۴۔ مقدمہ کتاب الآثار (۵۳۹)۔

وفات: آپ نے اگست ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء کو وفات پائی۔

۴۰۔ مولانا عبدالعزیز النورستانی:

ولادت: عبدالعزیز بن محمد ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء کو افغانستان میں پیدا ہوئے (۵۵۰)۔
تعلیم: مولانا عبدالعزیز کا مولد اور آبائی وطن افغانستان ہے۔ افغانستان پر روسی تسلط کے بعد آپ کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ تلاش معاش کے سلسلے میں کراچی چلے آئے۔ مدرسہ دارالسلام کراچی اور دارالحدیث رحمانیہ کراچی میں دینی تعلیم کے حصول میں منہمک رہے اور درس نظامی کے علاوہ السنہ الشرقیہ کے امتحانات کراچی بورڈ سے پاس کیے (۵۵۱)۔

تدریسی خدمات: مولانا عبدالعزیز تقریباً ۴۰ سال سے تدریسی و خطابتی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ تقریر و تحریر اور افتاء پر مکمل عبور ہونے کے ساتھ مخالفین مسلک کے رد میں تحریری مناظرات کے ماہر ہیں۔ کتاب و سنت کے خلاف کسی بات کو برداشت نہیں کر سکتے۔ آپ نے اب تک جتنی بھی کتب تالیف کی ہیں۔ ان میں یہی چیز پائی جاتی ہے۔
تصانیف: آپ کی تقریباً چالیس تصنیفات ہیں (۵۵۲)۔

۴۱۔ مولانا عبدالغفار حسن:

ولادت: مولانا عبدالغفار بن عبدالستار ۱۴ رجب ۱۳۳۱ھ، ۲۰ جون ۱۹۱۳ء بروز جمعہ المبارک موضع عمرپور (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔
تعلیم: دینی تعلیم دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے حاصل کی اور یہاں سے سند فراغ حاصل کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل، لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کے امتحانات پاس کئے (۵۵۳)۔

درس و تدریس: حصول علم سے فراغت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا جس کا آغاز مدرسہ احمدیہ سے کیا۔ کچھ مدت بعد جامعہ رحمانیہ بنارس تشریف لے گئے اور وہاں تدریسی خدمات انجام دیں۔ بعد ازاں آپ نے مالیر کوٹلہ (مشرقی پنجاب) کے ایک مدرسہ میں بھی ۶ سال تک تدریسی خدمات سرانجام دیں (۵۵۴)۔

قیام پاکستان کے بعد پاکستان تشریف لے آئے۔ آپ نے دو سال تک دارالحدیث رحمانیہ کراچی، ایک سال جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور دو سال تک مدرسہ دارالقرآن فیصل آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد آپ نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں بھی ۷ سال تک

حدیث کی تدریس فرمائی۔ اس کے بعد آپ دارالافتاء سعودیہ عربیہ سے وابستہ ہو گئے۔ اور اس سلسلہ میں مختلف ممالک کے سفر کیے۔ کینیا میں آپ کا قیام کچھ مدت رہا۔ وہاں آپ نے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی اور اس میں تدریسی خدمات انجام دیں (۵۵۵)۔

مولانا کے دو بیٹے حدیث میں ڈاکٹریٹ کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر صہیب حسن اور ڈاکٹر سہیل حسن۔ مولانا اب اسلام آباد میں ہیں۔

تصانیف: ۱۔ انتخاب حدیث، ۲۔ حقیقت دعا، ۳۔ دین میں غلو، ۴۔ عظمت حدیث، ۵۔ معیاری خاتون، ۶۔ قصص القرآن۔ ۷۔ اسلام میں سنت کا مقام۔ اس کے علاوہ قادیانیوں کے خلاف بہت سے پمفلٹ شائع کیے۔

۴۲۔ مولانا محمد علی جانباز:

ولادت: محمد علی بن نظام الدین ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء موضع چک بدھو کے تحصیل مکتسر ضلع فیروز پور (بھارت) میں پیدا ہوئے (۵۵۶)۔

تعلیم و تربیت: آپ نے ناظرہ قرآن مجید مولانا محمد سے اپنے گاؤں میں پڑھا۔ بعد ازاں مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے سند فراغت حاصل کی۔ ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء میں بخاری شریف پڑھنے کے لئے جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں داخل ہو گئے کیونکہ یہاں حضرت استاذ الاساتذہ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ مسند تدریس پر جلوہ افروز تھے (۵۵۷)۔

درس و تدریس: ۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء میں حضرت مولانا محمد اسحاق چیمہ مہتمم جامعہ سلفیہ کے کہنے پر حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی نے آپ کو جامعہ سلفیہ میں تدریسی ذمہ داریاں سونپ دیں۔ آپ یہاں بہت اچھے مدرس اور معتمد علیہ منتظم ثابت ہوئے اور لاہوری۔ تنخواہ اساتذہ و دیگر عملہ اور جملہ انتظامی امور آپ کے سپرد تھے۔ اور ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء سے ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء تک آپ ان جملہ ذمہ داریوں سے باحسن طریق عہدہ و برآ ہوئے۔ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء کے اوائل میں آپ شہر اقبال سیالکوٹ تشریف لے گئے اور اپنی جملہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس سرزمین کو دینی علوم کی درس و تدریس اور نشر و اشاعت کے لئے بطور مرکز و محور منتخب کیا (۵۵۸)۔ اب وہاں ہی اہل علم کو سیراب کر رہے ہیں۔

تصانیف: آپ کی تصنیفی و تالیفی خدمات یہ ہے:

۱۔ اہمیت نماز۔ ۲۔ احکام دعا اور توسل

- ۳۔ نجات العطر فی تحقیق مسائل عید الفطر
- ۴۔ تحفۃ الوری فی تحقیق مسائل عید الاضحیٰ
- ۵۔ احکام سفر
- ۶۔ شرح سنن ابن ماجہ (عربی) مکمل ہو چکی ہے۔ ۷۔ صلوٰۃ المصطفیٰ ﷺ
- ۸۔ احکام طلاق (۵۵۹)۔



مدارس علوم الحدیث

برصغیر پاک و ہند میں دینی مدارس کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان مدارس نے دینی علوم و فنون کی اشاعت میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ دینی مدارس نے ایسی باکمال شخصیتوں کو تیار کیا۔ جنہوں نے برصغیر میں ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا۔

مولانا قاضی محمد اسلم سیف مرحوم لکھتے ہیں: دینی مدارس سے ایسی نابغہ عصر شخصیتیں اٹھیں جنہوں نے حالات کے رخ کا دہارا بدل کر رکھ دیا۔ علم و آگہی، تحقیق و دانش، ذہانت و امانت، تقویٰ و طہارت، بحث و مناظرہ، دعوت و ایثار، اخلاص و ایثار، استعداد قابلیت، ذہانت و خطابت، قلم و قرطاس، تعلیم و تدریس، تالیف و تصنیف، سیف و سنان، شجاعت و راست بازی اور جرات و بے باکی ان پر ناز کرتی ہے (۵۶۰)۔

ادارۃ العلوم الاثریہ، فیصل آباد:

یہ مدرسہ مولانا محمد اسحاق چیمہ اور مولانا عبداللہ فیصل آبادی نے قائم کیا۔ مولانا محمد عبدہ یہاں پڑھاتے رہے۔ مولانا ارشاد الحق اثری اس مدرسہ میں استاد ہیں۔ اس مدرسہ میں تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی ہوتا ہے۔ مولانا ارشاد الحق اثری کی کئی علمی و تحقیقی کتابیں اس مدرسہ سے شائع ہوئی ہیں۔ اہلحدیث مدراس میں اس مدرسہ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اور اس مدرسہ کے فارغ التحصیل علماء ملک میں ممتاز مقام کے حامل ہیں۔

انوار العلوم ملتان:

مولانا احمد سعید کاظمی امر و ہوی اس کے شیخ الحدیث رہے ہیں۔ ان کے بیٹے مولانا مظہر سعید کاظمی اس مدرسہ کے مہتمم ہیں۔

تقویۃ الاسلام لاہور:

قیام پاکستان کے بعد مولانا سید محمد داؤد غزنوی لاہور میں قیام پذیر ہوئے اور شیش محل روڈ

لاہور میں تقویۃ الاسلام کا اجراء کیا۔ اس مدرسہ میں مولانا غزنوی کے علاوہ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا محمد اسحاق حسینی، مولانا محمد عبدہ الفلاح نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ مولانا داؤد غزنوی کے بعد مولانا سید ابوبکر غزنوی اس کے نگران رہے اور ان کی وفات کے بعد سید عمر فاروق غزنوی نگران رہے۔ آج کل سید ابوبکر غزنوی کے صاحبزادے جنید غزنوی اس کے نگران ہیں۔

جامعہ ابی ہریرہ رینالہ خورو:

یہ مدرسہ حافظ عزیز الرحمان لکھوی بن مولانا عطاء اللہ لکھوی نے مدرسہ محمدیہ کے نام سے قائم کیا۔ بعد میں اس کا نام ”جامعہ ابی ہریرہ“ ہو گیا ہے۔ حافظ شفیق الرحمان لکھوی مدرسہ کے نگران و مہتمم ہیں۔ اس مدرسہ میں درس نظامی کی تعلیم دی جاتی ہے اور خاص طور پر صرف و نحو کی خصوصی مہارت پیدا کی جاتی ہے۔

جامعہ ابراہیمیہ سیالکوٹ:

یہ مدرسہ شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز نے قائم کیا۔ مولانا حافظ محمد گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ) نے اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ مولانا جانباز اس مدرسہ کے شیخ الحدیث میں آپ کے علاوہ مولانا عطاء الرحمن اشرف صاحب، مولانا محمد یونس صاحب اور حافظ عبدالرحمان صاحب اس مدرسہ میں مدرس ہیں۔ طلباء کی تعداد تقریباً ایک صد کے قریب ہوتی ہے۔ اس مدرسہ کا ایک شعبہ تصنیف و تالیف کا بھی ہے۔ جس نے ۱۵ کے قریب مولانا جانباز کی کتابیں شائع کی ہیں۔ اور راقم آثم کے پانچ رسائل بھی شائع کیے ہیں۔

جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ:

جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ حاجی محمد ابراہیم انصاری مرحوم نے قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ میں مولانا حافظ محمد گوندلوی مولانا ابوالبرکات احمد مدرسی، شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے ہیں۔ آج کل مولانا فاروق الراشدی صاحب شیخ الحدیث ہیں۔ مولانا محمد اعظم صاحب اس مدرسہ میں عرصہ ۲۵ سال سے تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس مدرسہ سے بے شمار حضرات مستفیض ہوئے ہیں۔

جامعہ اسلامیہ سلفیہ گوجرانوالہ:

یہ مدرسہ حکیم محمود سلفی بن مولانا محمد اسماعیل سلفی (م ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۴ء) نے قائم کیا تھا۔ مولانا

محمد الیاس اثری اس مدرسہ کے شیخ الحدیث رہ چکے ہیں۔ حافظ محمد امین بھی اس مدرسہ میں مدرس رہے ہیں۔ آج کل تقریباً دس کے قریب اساتذہ اس مدرسہ میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ حکیم محمود صاحب مرحوم کے صاحبزادہ مولوی اسعد مہلانی اس کے نگران و مہتمم ہیں۔ طلباء کی تعداد ایک سو کے قریب ہے۔

جامعہ اشرفیہ لاہور:

مولانا مفتی محمد حسن صاحب نے اس جامعہ کی بنیاد رکھی۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی مولانا سید فیض اللہ اور مولانا عبدالرحمن یہاں درس حدیث دیتے رہے۔

جامعہ العلوم الاثریہ جہلم:

یہ مدرسہ مولانا حافظ عبدالغفور جہلمی (م ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۶ء) نے قائم کیا تھا۔ اس کا سنگ بنیاد فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل امام کعبہ نے رکھا تھا۔ سنگ بنیاد کی تقریب ۱۳۹۹ھ/ستمبر ۱۹۷۹ء میں ہوئی۔ ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۶ء تک حافظ عبدالغفور اس مدرسہ کے نگران رہے۔ ان کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادہ علامہ مدنی اس کے رئیس رہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے دوسرے بھائی حافظ عبدالحمید روپڑی مدیر رہا۔ علامہ پیر محمد یعقوب قریشی شیخ الحدیث ہیں۔ اس مدرسہ میں تین صد کے قریب طلباء اور ۲۰ اساتذہ تعلیم و تعلم میں مصروف ہیں۔

جامعہ الہمدیث چوک والگراں لاہور:

یہ مدرسہ مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی (ت ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء) نے قائم کیا تھا۔ حضرت حافظ صاحب روپڑی، اپنے دور کے بلند پایہ محدث اور مجتہد تھے۔ قیام پاکستان کے بعد آپ سے کئی تلامذہ نے استفادہ کیا۔ بعد ازاں مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی اور آج کل مولانا حافظ عبدالغفار صاحب روپڑی اس کے نگران ہیں۔

جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن:

یہ مدرسہ صوفی محمد عبداللہ وزیر آبادی (م ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۵ء) نے ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء میں چک ۴۹۳/گ ب اوڈانوالا ضلع فیصل آباد میں قائم کیا تھا۔ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں یہ مدرسہ ماموں کانجن منتقل ہو گیا۔ یہ مدرسہ ایک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتا ہے اور پاکستان کے الہمدیث مدارس میں

اس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ برصغیر کے طول و عرض میں اس جامعہ کے فیض یافتگان خدمتِ اسلام میں مصروف ہیں۔ حافظ محمد اسحاق حسینی، حافظ محمد گوندلوی، پیر محمد یعقوب قریشی اور حافظ محمد بنیامین طور جیسے یگانہ روزگار اس جامعہ میں مسند تدریس پر جلوہ افروز رہے ہیں۔ آج کل مولانا عبدالرشید حجازی کی نگرانی میں یہ جامعہ دورِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق روز افزوں ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔

جامعہ توحید یہ وزیر آباد:

یہ مدرسہ پروفیسر حافظ عبدالستار حامد نے قائم کیا ہے۔ حافظ صاحب اس مدرسہ کے نگران اور مہتمم ہیں۔ آپ کے علاوہ دو اور استاد اس مدرسہ میں تعلیم دیتے ہیں۔ حفظ قرآن کا شعبہ بھی قائم ہے۔ اندرونی اور بیرونی طلباء کی تعداد (۵۰) کے قریب ہے۔

جامعہ خیر المدارس، ملتان:

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نے ۱۳۶۶ھ/ ۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ملتان میں سنگ بنیاد رکھا اور ملک کی مشہور تنظیم وفاق المدارس العربیہ کی بنیاد ڈالی گئی اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب تاحیات اس کے صدر رہے اب تک وفاق المدارس کا دفتر بھی یہیں چلا آتا ہے۔

جامعہ دارالعلوم بلتستان:

یہ جامعہ بلتستان کا سب سے بڑا مدرسہ ہے۔ قیام پاکستان سے کئی سال پہلے مولانا مفتی محمد موسیٰ نے دارالحدیث کے نام سے اس کی بنیاد رکھی جو کہ شیخ سید نذیر حسین دھلوی کے شاگرد تھے۔ مفتی عبدالقادر، مفتی کریم بخش، مولانا حاجی خلیل الرحمان، مولانا عبدالرحمن خلیق اور مولانا عبدالرشید ندوی درس حدیث دیتے رہے ہیں۔ اب شیخ الحدیث مولانا ثناء اللہ سالک ہیں، نائب شیخ الحدیث الشیخ محمد حسین آزاد، ناظم اعلیٰ الشیخ عبدالواحد عبداللہ اور الشیخ عبدالرشید صدیقی سہ ماہی مجلہ ”التراث“ کے ایڈیٹر، ریکس مجلس العمل ہیں۔ تقریباً ساٹھ اساتذہ اور ڈیڑھ ہزار طلباء، منجر کے پُر فضا مقام پر تعلیم و تعلم میں مصروف ہیں۔

جامعہ رشیدیہ ساہیوال:

منٹگمری میں ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء میں حضرت شاہ عبدالرحیم راپوری نے اس کا سنگ بنیاد رکھا

اور اس مدرسہ میں حافظ محمد صالح، مولانا حبیب اللہ اور مولانا عبداللہ رائے پوری شیخ الحدیث رہے۔

جامعہ رضویہ مظہر الاسلام، فیصل آباد:

مولانا سردار احمد گرداسپوری کا قائم کردہ ہے۔

جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر (نیپال)

یہ مدرسہ مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری (م ۱۳۲۰ھ/۱۹۹۹ء) نے قائم کیا تھا۔ جو بہت بڑے عالم اور واعظ تھے۔ علوم اسلامیہ پر بہت زیادہ عبور تھا۔ رابطہ عالم اسلامی کے رکن بھی تھے۔ اور اس کے ساتھ بہت بڑے مصنف بھی تھے۔ ان کی کتابوں کی تعداد ۳۵ سے زیادہ ہے۔ آپ کی کتابیں ہندوپاک میں بہت زیادہ مقبول ہیں۔ آج کل مولانا عبداللہ مدنی اس مدرسہ کے نگران ہیں۔

جامعہ سلفیہ بنارس:

بنارس وسطی بھارت میں ہندوؤں کا ایک متبرک شہر ہے۔ اور اس شہر میں مندروں کی بہت زیادہ بہتات ہے اور ہندو یونیورسٹی بھی اس شہر میں ہے۔ مگر اس کے ساتھ مسلمان بھی اس شہر میں آباد ہیں اور اہلحدیث مسلک کا قدیم مرکز ہے۔ مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند نے ندوۃ العلماء لکھنؤ کی طرز پر دینی علوم کے ساتھ عربی ادب کی تعلیم کے لیے ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۳ء میں ”جامعہ سلفیہ“ کے نام سے ریواڑی تالاب میں مدرسہ قائم ہوا۔ اس مدرسہ نے قلیل عرصہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دارالعلوم دیوبند کی برابری کا مقام حاصل کر لیا۔ اس مدرسہ کے زیر اہتمام دو ماہنامے ”الصوت الامہ“ (عربی) اور محدث (اردو) شائع ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری جو دور حاضر کے جلیل القدر عالم و ادیب، مؤرخ اور محدث ہیں۔ اس مدرسہ کے نگران ہیں۔ عربی رسالے ”الصوت الامہ“ کے مدیر ہیں اور ماہنامہ ”محدث“ کے نگران بھی ہیں۔ بھارت میں اس وقت جماعت اہلحدیث کا سب سے بڑا مہمدرسہ ہے۔

جامعہ سلفیہ فیصل آباد:

جامعہ سلفیہ کا سنگ بنیاد اپریل ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء میں رکھا گیا۔ جون ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء میں لاہور میں اس کا آغاز کر دیا گیا۔ چنانچہ ۲۱ جون جمعرات کے روز اس کا افتتاح ہوا۔ جامعہ سلفیہ

میں محدث العصر حافظ محمد گوندلوی، حافظ عبداللہ صاحب بڈھیانوی اور مولانا سلطان محمود محدث جلالپوری جیسے یگانہ روزگار مسند تدریس پر جلوہ افروز رہے۔ آج کل حافظ عبدالعزیز علوی شیخ الحدیث کے مسند پر فروکش ہیں۔

جامعہ عربیہ دارالسلام عمر آباد (مدراس):

یہ مدرسہ مدراس کی ایک دینی شخصیت حاجی محمد عمر نے قائم کیا تھا۔ حاجی محمد عمر اپنے علم و فضل اور نیکی و تقویٰ کے سبب سے حاکم و محکوم دونوں طبقوں میں ہر دلعزیز اور مقبول تھے۔ مولوی ابوبکری امام خاں نوشہروی اس مدرسہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جامعہ عربیہ دارالسلام یعنی جسے اہلحدیث مدراس کی یونیورسٹی کہنا چاہیے۔ نصاب درس نظامی و انگلش تا میٹرک، مدت تعلیم ۹ سال تعداد اساتذہ ۱۴، تعداد تلامذہ ۱۵۰، مصارف ماہانہ ۲ ہزار تقریباً اساتذہ کی تنخواہوں اور طلباء کے تمام مصارف کے کفیل صاحب مہتمم کا محمد اسماعیل بن حاجی محمد عمر مرحوم ہیں (۵۶۱)۔

جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی:

مولانا محمد یوسف بنوری نے اسے قائم کیا۔ آپ اس کے پہلے شیخ الحدیث ہیں۔ آپ کے بعد حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب اس کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔

جامعہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر:

مولانا فضل محمد نے ۱۳۲۰ھ/۱۵ اگست ۱۹۳۷ء میں اس کی بنیاد رکھی۔ یہ مدرسہ ۲۸ کنال رقبہ پر مشتمل ہے۔ مولانا محمد قاسم اس کے پہلے مہتمم اور مولانا بشیر احمد نعمانی پہلے شیخ الحدیث تھے۔ مدرسہ میں ایک اکیڈمی بھی قائم ہے۔ مندرجہ ذیل علماء نے اس درس گاہ کو تدریس کا شرف بخشا ہے:

۱- مولانا عبدالکریم گتھلوی

۲- مولانا فاروق احمد برادرزادہ مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری۔

۳- مولانا عبدالقدیر محدث کیمپوری تلمیذ مولانا سید انور شاہ صاحب کاشمیری۔

۴- مولانا مفتی فقیر اللہ رائے پوری حضرت شیخ الہند و ہم سبق مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ۔

۵- مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحب کمالین علی الجلالین۔

۶- شیخ الحدیث مولانا عبداللہ رائے پوری۔

جامعہ کمالیہ، راجوال:

یہ مدرسہ راجوال ضلع اوکاڑہ میں مولانا محمد یوسف صاحب نے قائم کیا۔ یہ مدرسہ نصف صدی سے دین اسلام کی نشر و اشاعت اور کتاب و سنت کی ترقی و ترویج میں مصروف ہے۔ دینی مدارس میں اس مدرسہ کو خاص مقام حاصل ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحب شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہیں۔ اس مدرسہ سے فارغ التحصیل علماء کا شمار نہیں۔ مولانا محمد یوسف کے صاحبزادے ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن جنہوں نے یونیورسٹی کی ملازمت کو خیر باد کہہ کر مدرسہ کو شروع کیا۔

جامعہ محمدیہ، اوکاڑہ:

جامعہ محمدیہ لکھو کے ضلع فیروز پور (مشرقی پنجاب) قیام پاکستان کے بعد اوکاڑہ منتقل ہوا۔ مولانا معین الدین لکھوی اس مدرسہ کے نگران اور مہتمم ہیں۔

جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہولا ہور:

مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی یاد میں بنا ہے۔ اس کے مفتی محمد حسین نعیمی شیخ الحدیث رہے ہیں۔ ان دنوں اس کے رئیس ڈاکٹر سرفراز ولد مفتی محمد حسین نعیمی ہیں۔

دار الحدیث رحمانیہ، دہلی:

دار الحدیث رحمانیہ دہلی ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں شیخ عبدالرحمان اور شیخ عطاء الرحمان (برادران) نے قائم کیا۔ اس مدرسہ کو ایک کالج کی حیثیت حاصل تھی۔ اس مدرسہ میں برصغیر کے نامور علمائے الحدیث نے تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ مولانا عبدالسلام مبارکپوری (م ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء) صاحب سیرۃ البخاری۔ مولانا احمد اللہ محدث پر تاب گڑھی (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۲ء) مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری صاحب مرعاة المفاتیح (م ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء) مولانا نذیر احمد عراقی ملوی (م ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء) اور کئی دوسرے جلیل القدر علمائے کرام نے تدریس فرمائی۔

دار الحدیث محمدیہ، جلالپور پیر والہ:

یہ مدرسہ مولانا سلطان محمود محدث (م ۱۳۱۶ھ/۱۹۹۵ء) نے قائم کیا تھا۔ آپ بلند پایہ عالم دین تھے۔ حدیث سے آپ کو خاص شغف تھا۔ بڑے بڑے علماء کرام آپ کے شاگرد ہیں۔ آج کل

مولانا محمد رفیق اثری شیخ الحدیث ہیں جو حدیث کے بہت بڑے عالم ہیں اور تصنیف و تالیف میں انہیں خاص ملکہ حاصل ہے۔

دارالحدیث، وزیر آباد:

یہ مدرسہ استاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی (م ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۱ء) نے قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ سے بے شمار حضرات مستفیض ہوئے۔

دارالعلوم امجدیہ، کراچی:

مولانا امجد علی خلیفہ خاص مولانا احمد رضا خاں کے نام پر بنا ہے۔

دارالعلوم تقویۃ الاسلام، امرتسر:

۱۲۹۸ھ/۱۸۴۲ء میں سید عبداللہ غزنوی نے وفات پائی۔ تو آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا عبداللہ بن عبداللہ غزنوی ان کے جانشین ہوئے۔ جو ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا سید عبدالجبار غزنوی ان کے جانشین ہوئے۔ اور آپ نے مدرسہ غزنویہ کا نام ”تقویۃ الاسلام“ رکھا۔ اس مدرسہ میں جلیل القدر علماء نے تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک:

یہ صوبہ سرحد کا دینی مدرسہ ہے۔ اس کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق سابق استاد حدیث ہیں۔

دارالعلوم کراچی:

مولانا مفتی محمد شفیع مؤلف تفسیر معارف القرآن اس کے بانی ہیں۔ مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی سالہا سال یہاں شیخ الحدیث رہے۔ مفتی محمد شفیع کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادگان مفتی محمد رفیع عثمانی اور جسٹس تقی عثمانی جیسی علمی شخصیات کی مساعی جمیلہ سے دارالعلوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

مدرسہ احمدیہ، آرہ:

یہ مدرسہ ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں مولانا حافظ ابراہیم آروی نے قائم کیا تھا۔ یہ مدرسہ اس دور

میں ایک مثالی مدرسہ تھا۔ مولانا آرومی نے اس مدرسہ کے لیے جلسہ مذاکرہ علمیہ کے نام سے ایک مجلس بنائی۔ جس کا ہر سال جلسہ ہوتا تھا۔ سید سلیمان ندوی مرحوم لکھتے ہیں: ”مولانا حافظ ابراہیم آرومی نے سب سے پہلے عربی مدارس میں اصلاح کا خیال قائم کیا۔“

مولوی ابوبکری نوشہروی لکھتے ہیں: ”مدرسہ احمدیہ آ رہ اپنے عہد میں اہلحدیث بہار کی یونیورسٹی تھی۔“ اس مدرسہ میں خود مولانا ابراہیم آرومی، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا سعید بناری، مولانا محمد اسحاق فخر غازی پوری اور مولانا سید نذیر الدین احمد بناری وغیرہم نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ حضرت حافظ عبداللہ غازی پوری نے اس مدرسہ میں ۲۰ سال (۱۳۱۴ھ تا ۱۳۲۲ھ/۱۸۹۶ء تا ۱۹۰۶ء) تک تدریس فرمائی۔ اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل علماء میں مولانا عبدالرحمان محدث مبارک پوری صاحب تحفۃ الاحوذی، مولانا عبدالسلام مبارکپوری صاحب سیرت البخاری، مولانا شاہ عین الحق پھلواردی اور مولانا ابوبکر شیت جون پوری شامل ہیں۔

مدرسہ احمدیہ سلفیہ، دربھنگہ:

مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی (م ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء) نے دربھنگہ (بہار) میں مدرسہ سلفیہ کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی۔ جب مدرسہ احمدیہ آ رہ پر زوال آیا۔ تو اس کو دربھنگہ منتقل کر دیا گیا۔ اور اس کو مدرسہ سلفیہ میں ضم کر کے ”مدرسہ احمدیہ سلفیہ“ کا نام دے دیا گیا۔ جب تک مولانا رحیم آبادی حیات رہے اس مدرسہ کے نگران رہے۔ ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء میں ان کے انتقال کے بعد ڈاکٹر سید محمد فرید مرحوم اس مدرسہ کے نگران مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر فرید مرحوم اپنے علاقہ کی معزز شخصیت تھے۔ بہار اسمبلی کے ممبر بھی رہے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادہ ڈاکٹر سید عبدالحفیظ مرحوم اس مدرسہ کے نگران مقرر ہوئے۔ یہ مدرسہ اب بھی کتاب و سنت کی اشاعت میں مصروف عمل ہے۔

مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث، ستیانہ بنگلہ فیصل آباد:

یہ مدرسہ مولوی عتیق اللہ سلفی نے قائم کیا ہے۔ مولانا عبداللہ امجد چھتوی شیخ الحدیث ہیں اور مولانا عبدالشکور اثری (سازگلہ ہل) نائب شیخ الحدیث ہیں۔ طلباء کی تعداد ۲۷۰ کے قریب ہے۔

مدرسہ حمیدیہ، سوہدرہ:

یہ مدرسہ مولانا عبدالحمید سوہدروی (م ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء) نے قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ میں

آپ کے علاوہ آپ کے والد بزرگوار مولانا غلام نبی الربانی (م ۱۲۲۸ھ/۱۸۳۲ء) بھی تدریس فرماتے رہے۔ اس مدرسہ سے کئی حضرات فارغ التحصیل ہوئے۔

مدرسہ چشمہ رحمت، غازی پور:

مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور مولانا رحمت اللہ لکھنوی (م ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء) نے قائم کیا تھا اور مولانا حافظ عبداللہ غازی پور (م ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء) نے ابتدائی تعلیم اسی مدرسہ سے حاصل کی تھی۔ (۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) میں حافظ عبداللہ غازی پوری حجاز مقدس گئے۔ اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے واپس آنے کے بعد مدرسہ چشمہ رحمت غازی پوری میں مدرس مقرر ہوئے۔ اور چھ سال تک (۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء) اس میں تدریس فرمائی۔

مدرسہ رحیمہ، دہلی:

(۱۰۷۰ھ) میں شاہ ولی اللہ دہلوی کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی (م ۱۱۳۱ھ) نے دہلی میں ”مہندویوں“ کے محلہ میں قائم کیا۔ اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اس مدرسہ کے سب سے ممتاز طالب علم جنہوں نے برصغیر میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) تھے۔ (۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء) میں شاہ عبدالرحیم نے وفات پائی تو ان کے بعد امام شاہ ولی اللہ دہلوی ان کی مسند تدریس پر متمکن ہوئے۔ اور ۱۲ سال تک اس مدرسہ میں علوم دینی و عقلی کی تعلیم دی۔ (۱۱۳۳ھ/۱۷۳۰ء) میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اور ایک سال حرمین شریفین میں قیام کے بعد واپس تشریف لائے۔ اور دوبارہ مدرسہ رحیمہ میں درس و تدریس کا آغاز کیا۔ اور ۳۳ سال تک درس و تدریس، تجدید احیائے دین اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ (۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) میں آپ کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی آپ کے جانشین ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۱ سال تھی۔ آپ نے مدرسہ میں ۶۰ سال تک درس دیا۔ اور علم حدیث جسے حضرت شاہ ولی اللہ نے از سر نو برصغیر میں رائج کیا تھا۔ اس کا فیض ملک میں عام کیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے علاوہ آپ کے برادران حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء) حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی (م ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء) اور حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی (ت ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء) نے بھی اس مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

مدرسہ سعیدیہ، بنارس:

یہ مدرسہ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں مولانا محمد سعید محدث بناری (ت ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) نے قائم کیا تھا۔ اس کے دورِ اوّل میں تنہا مولانا محمد سعید مرحوم اس مدرسہ میں تدریس فرماتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادہ مولانا ابوالقاسم سیف بناری (ت ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء) مدرسِ اوّل مقرر ہوئے۔ اور آپ نے اپنے انتقال تک اس مدرسہ میں تدریس فرمائی۔ ان کے علاوہ اس مدرسہ میں مولانا سید نذیر الدین احمد بناری (م ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء) مولانا حکیم عبدالمجید بناری وغیرہ نے بھی تدریس فرمائی اس مدرسہ میں سے ساکنین اضلاع یوپی، بہار و بنگال کے بے شمار حضرات مستفیض ہوئے۔ مشہور علماء میں مولانا ابوسعود قمر بناری، مولانا عبدالرحمان بناری، قاری احمد سید بناری اور مولانا عبدالآ خر بناری شامل ہیں۔

مدرسہ علی جان، دہلی:

یہ مدرسہ دہلی کے ایک رئیس حاجی علی جان نے ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء میں مولانا محمد بشیر سہوانی (م ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) کی تحریک پر قائم کیا۔ اس مدرسہ میں خود مولانا محمد بشیر سہوانی، مولانا عبدالرحمن شاہ پوری، مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی اور مولانا عبدالسلام بستوی نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس مدرسہ میں سب سے زیادہ تدریسی خدمات مولانا عبدالرحمان شاہ پوری نے انجام دیں۔ آپ کی مدت تدریس ۴۰ سال ہے۔

مدرسہ محمدیہ، گوجرانوالہ:

یہ مدرسہ ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء میں شیخ الحدیث مولانا محمد اسمعیل سلفی (م ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۸ء) نے قائم کیا۔ اس مدرسہ میں مولانا سلفی مرحوم کے علاوہ مولانا حافظ محمد گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء) اور مولانا محمد عبداللہ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ آج کل مولانا عبدالمنان نور پوری شیخ الحدیث ہیں۔ مدرسہ محمدیہ، لکھنؤ کے:

یہ مدرسہ مولانا حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی (م ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء) نے (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء) میں قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ میں حافظ محمد لکھوی کے علاوہ آپ کے صاحبزادہ مولانا محی الدین

عبدالرحمان لکھوی (م ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء) اور بھتیجے مولانا عبدالقادر لکھوی (م ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء) اور ان کے صاحبزادے مولانا عطاء اللہ لکھوی (م ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء) نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس مدرسہ سے بے شمار حضرات مستفیض ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد میں یہ مدرسہ اوکاڑہ منتقل ہو گیا۔ مدرسہ شاہ محمد اسحاق، دہلوی

مدرسہ رحیمہ دہلی کے دورِ اوّل میں حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی مدرسہ کے اوّل مدرس تھے۔ دورِ ثانی میں حضرت شاہ ولی اللہ مدرسہ کے مہتمم اور اوّل مدرس تھے۔ دورِ ثالث میں حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شاہ عبدالقادر، اور حضرت شاہ عبدالغنی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی مدرسہ رحیمہ کی مسند تدریس پر فائز رہے۔ حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ عبدالغنی رحمہم اللہ اجمعین دورِ رابع تک مسند نشین رہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نے (۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) میں وفات پائی۔ تو ان کے بعد ان کے نواسہ حضرت شاہ محمد اسحاق بن شیخ محمد افضل فاروقی (ت ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۲ء) مدرسہ رحیمہ کے مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ ان کا دور مدرسہ رحیمہ کا دورِ خامس کہلاتا ہے۔

مدرسہ مظہر العلوم شالدرہ، کوٹہ:

۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں قائم ہوا۔ مولانا عبدالغفور صاحب شاگرد حضرت حسین احمد مدنی اس کے بانی مہتمم اور پہلے شیخ الحدیث ہیں۔ اب مولانا عبداللہ اجمیری شیخ الحدیث کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

مدرسہ میاں صاحب، دہلی:

۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء میں حضرت شاہ محمد اسحاق نے مکہ معظمہ ہجرت کی۔ تو ان کی مسند تدریس کے وارث شیخ اکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی (ت ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) ہوئے۔ مگر آپ نے مدرسہ رحیمہ کی بجائے مسجد پھانک حبشن خاں دہلی میں اپنی تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور ۶۲ سال تک آپ اس مسجد میں تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیتے رہے۔ اس ۶۲ سال میں بے شمار حضرات آپ سے مستفیض ہوئے۔ ان کا شمار ممکن نہیں۔



برصغیر میں اسالیب تدریس حدیث

حدیث کی اہمیت و مقاصد:

درس و تدریس انسانی زندگی کی اہم ضرورت ہے۔ کسی بھی قوم کی بقا کا انحصار درس و تدریس پر ہے۔ اس لیے اسلام سے قبل بھی مراکز درس و تدریس کا وجود ملتا ہے اور اسلام نے بھی اس شعبہ زندگی کو ایک نمایاں حیثیت دی ہے۔ اسلامی معاشرے میں علم کا حاصل کرنا اور اس کا پھیلاتا تحسین کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ اسلام کے بنیادی علوم علم القرآن و علم الحدیث کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ اس لیے اس اساس دین (علم الحدیث) کو مسلم معاشرے میں درس و تدریس کے نقطہ نظر سے خاص اہمیت حاصل ہے۔

درج ذیل مقاصد کے پیش نظر تدریس حدیث کا سلسلہ جاری ہے تاکہ ایمان بالرسول کے تقاضے پورے ہوں اور حدیث کے ذریعے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی سے عقیدت و محبت پروان چڑھے:

- ۱- ظلمت خانہء دل کو نور علم و عرفاں سے منور کرنا۔
- ۲- الحاد و دہریت، کفر و شرک کی بادِ سموم سے شمع ایمانی کو محفوظ رکھنا۔
- ۳- ضلالت اور جہالت کے پردے چاک کرنا۔
- ۴- سستی انسانیت کو اس کا حق دینا۔
- ۵- بدعات و خرافات سے بچانا۔
- ۶- کورانہ تقلید کی جکڑ بند یوں سے نجات دلانا۔
- ۷- بھٹکے ہوئے انسانوں کی جہین نیاز کو درحق پر سجدہ ریز ہونے کا شعور اجاگر کرنا (۵۶۲)۔

درس و تدریس حدیث کا ارتقائی جائزہ:

مسلم تہذیب کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ تدریس حدیث نے بھی ارتقائی مراحل طے کیے۔

اگرچہ اس کی ابتداء دارِ ارقم سے ہوئی۔ جہاں مطالعہ قرآن کے ساتھ اس کے مطالب و احکام کی تشریح و توضیح اور تفسیر نبی اکرم ﷺ خود کراتے تھے۔ یوں یہ ابتدائی درس گاہ مطالعہ کتاب و سنت کا اولین مرکز تھی۔ مکہ کی فضا مکدر ہونے کی وجہ سے اس سلسلہ تدریس میں اگرچہ زیادہ پیش رفت نہ ہوئی تاہم مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ساتھ مسجد نبوی کے گوشہ میں صفہ سے آپ ﷺ نے حدیث کے درس و تدریس کے سلسلے کا آغاز فرمایا اور جلد ہی صفہ قرآن و حدیث کی ایک اقامتی یونیورسٹی کی صورت اختیار کر گیا۔

صفہ اسلام کا پہلا مستقل ادارہ ہے جس کے معلم اعظم خود جناب رسول اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات ہے اور تمام صحابہ جن کے ذریعے سے آپ ﷺ کے ارشادات ہم تک پہنچے ہیں۔ وہ اس ادارہ کے فارغ التحصیل طلباء تھے۔ صفہ کو ایک ایسے سرچشمہ کی حیثیت حاصل تھی جس سے بے شمار چشمے نکلے اور اطراف و جوانب کی زمین کو سیراب کر کے اقوال نبی ﷺ سے سرسبز و شاداب بنا دیا۔ خلافت راشدہ میں تدریس حدیث کا عمل نہ صرف جاری رہا بلکہ ترویج و ترقی کی منازل بھی طے کرتا رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حکومت نے بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مدارس قائم کیے اور تنخواہ دار مدرسین کا تعین کیا۔

دورِ اموی میں اس تدریجی و ارتقائی عمل میں خوب ترقی ہوئی۔ نامور علماء، مفسرین، محدثین اور ماہرین فن پیدا ہوئے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے ساتھ کوفہ، بصرہ، دمشق، اسکندریہ اور دوسرے بڑے بڑے شہر علمی مراکز قرار پائے اور لوگ دور دراز سے حصول علم کے لیے یہاں آتے تھے۔

عباسی دور چونکہ علم و عرفان کے عروج و ارتقاء کا سنہری دور ہے اس لئے قرآن و حدیث کے علوم نے بھی خوب ترقی کی۔ بیشتر عباسی خلفا خود بھی عالم تھے اور علما کی خوب قدردانی کرتے تھے۔ ہارون الرشید اور مامون الرشید اس اعتبار سے قابل ذکر ہیں۔ عباسی خلفائے مدارس کی سرپرستی میں بڑی فیاضی دکھائی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دور میں علوم و فنون کی تحقیق اور تدریس کے لیے بڑے بڑے ادارے قائم ہوئے۔

برصغیر پاک و ہند کے باشندے ابتدائی صدی ہجری میں اسلام سے آشنا ہو گئے تھے اور اسی زمانے میں یہاں اسلامی تعلیم کا آغاز بھی ہو گیا تھا۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ محمد بن قاسم، موسیٰ بن یعقوب ثقفی کو پنجاب کے گرد و نواح میں درس حدیث کے لئے متعین کر چکے تھے (۵۶۳)۔

اس کے بعد مختلف ادوار میں حالات کے مطابق اس میں تبدیلی ہوتی رہی۔ اس خطہ ارض میں بے شمار علما نے مدرسے قائم کیے اور درس و تدریس کی مسندیں بچھائیں یہاں سے متعدد ملوک و

سلاطین نے بھی اس میں پوری دلچسپی لی۔ سرکاری حیثیت سے اہل علم کو تدریسی خدمات انجام دینے پر مامور کیا گیا۔ اس طرح طلباء کی علمی و فکری تربیت کے لیے وہ تمام وسائل اختیار کیے گئے جن کا اختیار کرنا وقت کے تقاضوں کے مطابق ضروری تھا۔

اجمالی طور پر چند ایک نام پیش خدمت ہیں: نامور تابعی اسید بن اخنس الشافعی (۵۶۳)، ابو موسیٰ اسرائیل بن موسیٰ البصری (م ۱۵۵ھ) (۵۶۵)، ابو عبد الملک محمد بن ابی معشر السندی (م ۲۴۷ھ) (۵۶۶)، ابو العباس محمد بن احمد بن عبد اللہ دیلمی (م ۳۴۵ھ) (۵۶۷)، ابو داؤد سیبویہ بن اسماعیل بن داؤد خضداری (م ۴۶۳ھ) (۵۶۸)، شیخ محمد اسماعیل بخاری لاہوری (م ۴۴۸ھ) (۵۶۹)، ابو الحسن علی بن عمرو بن حکم لاہوری (م ۵۲۹ھ) (۵۷۰)، ابو الفضل رضی الدین الحسن بن محمد الصغانی (م ۶۵۰ھ) (۵۷۱)، نظام الدین بدایونی (م ۷۲۵ھ) (۵۷۲)، ابن فہد یحییٰ بن عبد الرحمان بن ابی الخیر الهاشمی (م ۸۴۳ھ) (۵۷۳)، شیخ علی الممتنی الہندی (م ۹۸۶ھ) (۵۷۴)، شیخ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) (۵۷۵)۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) اور ان کے خاندان کے مسند حدیث بچھانا اور اس سے برصغیر میں ہر طرف فیض جاری ہونا ہر کس و ناکس پر عیاں ہے طوالت کے خوف سے ان ارتقائی مراحل کو دہرانا زیادہ سودمند دکھائی نہیں دیتا۔ نامور شخصیات کی تدریس حدیث پر الگ سے گفتگو میں یہ خلا قدرے پُر ہو جائے گا۔

برصغیر میں رائج نصاب تعلیم:

تعلیم و تدریس میں سب سے اہم اور قابل توجہ نصاب ہوتا ہے کیونکہ ”نصاب تعلیم کا صحیح ہونا کسی قوم کو تعلیمی ترقی کی اعلیٰ منازل تک لے جاسکتا ہے لیکن ایک غلط نصاب تعلیم اس کے اعلیٰ دماغوں کو منتشر اور پریشان کر دیتا ہے“ (۵۷۶)۔ نصاب تعلیم کی اہمیت و کردار کے پیش نظر اسلامی مدارس کے نصاب تعلیم میں جمود و تعطل کبھی نہیں رہا۔ وقت اور ماحول کے لحاظ سے اس میں تبدیلیاں تدریجاً ہوتی رہی ہیں۔ کتابوں میں بھی تغیر ہوا اور فنون میں بھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ و اصول، بلاغت، ادب، صرف اور نحو وغیرہ اس کے خاص فنون تھے۔

امام غزالی (م ۵۰۵ھ) سے قبل تک علوم عقلیہ باقاعدہ نصاب تعلیم میں داخل نہیں تھے۔ بلکہ علوم شرعیہ کے معارض و مخالف تصور کیے جاتے تھے۔ امام غزالی نے اس ذہن و فکر کی نہایت سختی کے ساتھ تردید کی اور بتایا کہ علوم عقلیہ شرعی علوم کے بہت زیادہ مدد و معاون بن سکتے ہیں۔ نصاب تعلیم میں یہ پہلی سب سے بڑی تبدیلی تھی جو پانچویں صدی ہجری میں عمل میں آئی۔ ہندوستان میں

قائم مدارس اسلامیہ کا نصاب تعلیم بھی تقریباً اسی طرز پر تھا اور یہی فنون تفسیر، حدیث، فقہ و اصول، بلاغت، ادب، صرف و نحو، منطق و فلسفہ، کلام و تصوف زیر درس تھے۔ اس نصاب میں بارہویں صدی ہجری میں جا کر تبدیلی ہوئی جب ملا نظام الدین فرنگی محلی (م ۱۱۶۱ھ) نے ضرورت اور حالات کے تقاضوں کے پیش نظر ایک نیا نصاب مرتب کیا جو درس نظامی کے نام سے جانا جاتا ہے (۵۷۷)۔

برصغیر کے نصاب کو مولانا سید عبدالحی نے چار اور ابوالحسنات ندوی نے پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ جن کے مطابق دورِ اوّل جو کہ بارہویں صدی عیسوی اور پندرہویں صدی عیسوی کے درمیان تقریباً دو سو سال تک رائج رہا۔ اس میں علاوہ دیگر مضامین کے حدیث میں صرف مشارق الانوار اور مصابیح السنہ شامل نصاب تھیں۔

دورِ دوم کا آغاز ۱۲۸۹ء میں سکندر لودھی کی تخت نشینی سے ہوتا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) پر مبنی ہوتا ہے۔ اس دور میں بھی ”مشارق الانوار“ اور ”مصباح السنہ“ ہی شامل نصاب رہیں۔ بقول پروفیسر بختیار حسین صدیقی ”حدیث سے بے اعتنائی کا وہی عالم رہا“ (۵۷۸)۔

دورِ سوم کا آغاز ۱۵۸۳ء میں میر فتح اللہ شیرازی (م ۹۹۷ھ/۱۵۸۸ء) کی اکبر (م ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) کے دربار میں آمد سے ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) اس دور کے آخری لیکن سب سے زیادہ نامور عالم تھے۔ اس دور میں مشکوٰۃ المصابیح (مکمل)، شمائل ترمذی (مکمل) اور صحیح بخاری (کچھ حصہ) شامل نصاب تھا۔ اس دور میں حدیث کی کتب دو سے بڑھ کر تین ہو گئیں۔ مشارق الانوار کی جگہ شمائل ترمذی اور صحیح بخاری نے لے لی (۵۷۹)۔

دورِ چہارم بارہویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے اور تقریباً عہد مغلیہ کے خاتمے تک جاری رہا۔ اس دور میں صرف مشکوٰۃ المصابیح شامل نصاب تھی۔

دورِ پنجم ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت ختم ہونے پر ۱۸۵۷ء کے بعد شروع ہوا۔ اور سابقہ نصاب میں اضافہ ہوا جس میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا، سنن ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ شامل نصاب ہوئیں۔

مولانا ابوالحسنات ندوی کے الفاظ میں ”یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس نصاب میں منطق (صغریٰ، کبریٰ، ایسا غوجی، قال اقول۔۔۔ ۱۹ کتابیں) کی جتنی کتابیں داخل ہیں وہ علی العموم ہر درس گاہ میں پڑھائی جاتی ہیں۔ بخلاف اس کے ادب و حدیث کی جو کتابیں مندرج ہیں وہ ہر جگہ نہیں پڑھائی جاتی ہیں۔۔۔ حدیث کے لیے دیگر کتب درسیہ سے فارغ ہونے کے بعد ایسے مقامات کا سفر کرنا پڑتا ہے جہاں حدیث کے پڑھانے والے مل سکیں۔ اس بنا پر میرے خیال میں اسی نصاب درس

سے جو عموماً مدارس عربیہ میں رائج ہے عملاً حدیث و ادب کی مذکورہ بالا کتابوں کو خارج ہی سمجھنا چاہیے (۵۸۰)۔

مدارس دینیہ کا جدید نصاب تعلیم:

مدارس دینیہ میں رائج الوقت نصاب کا جائزہ لیتے وقت ہم برصغیر کے نمائندہ اداروں کے حوالے سے حاصل کردہ معلومات پیش کر رہے ہیں۔

مدرسہ دیوبند کا نصاب:

دیوبندی مکتب فکر کی بنیادی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کے گیارہ سالہ درجات عربیہ کے نصاب میں صرف سال ہفتم اور سال ہشتم میں حدیث اور اصول حدیث کو شامل کیا گیا ہے۔ سال ہفتم میں حدیث (مشکوٰۃ شریف مکمل) اور اصول حدیث (شرح نخبۃ الفکر مکمل) پڑھائی جاتی ہے۔ سال ہشتم میں دورہ حدیث کے نام پر نسائی، ابن ماجہ، ترمذی شریف، بخاری شریف، ابوداؤد شریف، مسلم شریف، شمائل ترمذی، طحاوی شریف، مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد شامل نصاب ہیں (۵۸۱)۔

جامعہ نعیمیہ کا نصاب:

بریلوی مکتب فکر کی اہم ترین درس گاہ جامعہ نعیمیہ لاہور کے نصاب میں سال پنجم میں مشکوٰۃ اور سال ہفتم میں بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی، ابوداؤد، طحاوی، نخبۃ الفکر، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ شامل ہیں (۵۸۲)۔

اہل حدیث مدارس کا نصاب:

مدارس سلفیہ میں دیگر نصاب کے ساتھ ساتھ الثانیۃ العامہ نمبر ۱ میں بلوغ المرام ابتداء سے کتاب الحج تک اور کتاب الآداب پڑھائی جاتی ہے۔ اور اصطلاح حدیث میں محمد اور یس بکرامی کا رسالہ اصول الحدیث پڑھایا جاتا ہے۔ جبکہ الثانیۃ العامہ نمبر ۲ میں مشکوٰۃ المصابیح نصف اول اور اصطلاح حدیث میں مولانا سلطان محمود محدث جلال پور پیر والا کی کتاب ”اصطلاحات الحدیث“ اور شیخ عبدالحق کی ”مصطلحات الحدیث“ پڑھائی جاتی ہے۔ اور الثانیۃ العامہ نمبر ۱ میں مشکوٰۃ المصابیح نصف ثانی اور سنن نسائی پڑھائی جاتی ہے جبکہ مصطلح الحدیث میں مؤلف بہ من اطبیب المنع پڑھائی

جاتی ہے۔ اور الثانویہ الخاصہ نمبر ۲ میں حدیث میں سنن ابی داؤد جبکہ مصطلح الحدیث میں ڈاکٹر محمود طحان کی ”تیسیر مصطلح الحدیث“ پڑھائی جاتی ہے۔ اسی طرح درجہ العالیہ نمبر ۱ میں سنن ترمذی اور حافظ ابن حجر کی ”شرح نخبہ الفکر“ پڑھائی جاتی ہے۔ جبکہ العالیہ نمبر ۲ میں الجامع الصحیح مسلم اور مؤطا امام مالک پڑھائی جاتی ہے اور حجتہ الحدیث میں ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی ”السنة ومكانتها في التشريع الاسلامي“ پڑھائی جاتی ہے اور العالمیہ نمبر ۱ میں الجامع الصحیح للبخاری اور العالمیہ نمبر ۲ میں جرح و تعدیل، نقد حدیث، تاویل مختلف الحدیث اور اسماء الرجال پڑھائے جاتے ہیں (۵۸۳)۔

مدارس کے درج بالا نصاب سے صاف عیاں ہے کہ احناف کے مدارس خواہ دیوبندی ہوں یا بریلوی ہر دو کے ہاں حدیث کا نصاب رسوخ فی الحدیث پیدا کرنے والا نصاب نہیں ہے۔ کیونکہ ایک سال کے دورہ سے صرف کتب حدیث کی ورق گردانی ہی ممکن ہوتی ہے نہ کہ درک فی الحدیث۔ ان مدارس کے نصاب پر عقلیات اور فقہ و اصول فقہ کی کتابوں کا غلبہ ہے اسی لیے حدیث کے میدان میں بات سطحی سی رہ جاتی ہے۔ مطالعہ حدیث کو مرکزی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ ان کے بالمقابل اہل حدیث مدارس میں پہلے سال سے ہی حدیث کے چھوٹے چھوٹے مجموعے شامل نصاب کر دیے جاتے ہیں اور ہر سال متن حدیث میں کوئی ایک کتاب تفصیلی طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ ساتھ ساتھ اصول حدیث پر مختلف کتابوں کی تدریس بھی جاری رہتی ہے۔ جس سے اہل حدیث مدارس کے طلباء میں حدیث سے واقفیت دیگر مدارس کے طلباء کی نسبت کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

سرکاری اداروں میں تدریس حدیث:

سرکاری تعلیمی اداروں میں کالج کی سطح پر ایف اے (اسلامیات اختیاری) کے نصاب میں برعین نووی شامل نصاب ہے جبکہ B.A (اسلامیات اختیاری) میں ساٹھ (۶۰) منتخب احادیث شامل نصاب ہیں۔ یونیورسٹی کی سطح پر ایم اے اسلامیات میں حدیث کا ایک مکمل پرچہ شامل نصاب ہوتا ہے۔ جس میں اصول حدیث، تاریخ حدیث اور متن حدیث کے حوالے سے ہر یونیورسٹی کا اپنا اختیار کردہ مواد شامل نصاب ہوتا ہے جبکہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں ایم اے سال اول کے بعد سال دوم میں بھی حدیث کا مکمل پرچہ شامل ہے۔ مزید برآں حدیث کے دو اختیاری پرچے بھی نصاب کا حصہ ہیں (۵۸۴)۔

الحمد للہ ہماری یونیورسٹی یعنی جامعہ اسلامیہ، بہاولپور نے ایک خاص قدم اٹھایا ہے۔ اور ہمارے ہاں ایم اے حدیث و سیرت کے نام سے الگ سے کلاسز کا اجراء ہو چکا ہے۔ جس کا نصاب قابل دید ہے کیونکہ حدیث کے پرچہ جات کے علاوہ تفسیر، فقہ، عربی زبان و ادب کے پرچہ جات کا

نصاب بھی حدیث کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے۔ اس نصاب میں اصول حدیث، تاریخ حدیث، متون حدیث کا جدید خطوط پر موضوعاتی مطالعہ شامل کیا گیا ہے۔ جس کے لیے حدیث کی امہات الکتاب میں سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، کتاب الآثار امام محمد، شرح معانی الآثار امام طحاوی، سنن دارمی، شمائل ترمذی، سنن شافعی اور صحیح ابن حبان میں سے ابواب کا انتخاب کیا گیا ہے (۵۸۵)۔ یوں تدریس حدیث کے حوالے سے جملہ کتب حدیث زیر درس آتی رہتی ہیں۔

ایم فل کے نصاب میں علوم الحدیث کے نام سے ایک پرچہ پڑھایا جاتا ہے (۵۸۶) اور پی ایچ ڈی کی سطح پر خدمات محدثین کے حوالے سے مقالہ جات لکھے گئے ہیں یا لکھے جا رہے ہیں۔ جن میں علاوہ ان کی دیگر خدمات کے تدریسی خدمات کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے۔

تدریسی اسالیب:

برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس میں تعلیم کا جو طریقہ رائج ہوا وہ مطالعے، قراۃ و سماع، مباحثے، اعادے، پڑھانے کی مشق اور امالی کے چھ ارکان پر مشتمل تھا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ مطالعہ:

خود متحرکی پر مبنی اس تعلیم کا پہلا اصول مطالعے کا اصول تھا شاگرد کے لیے ضروری تھا کہ وہ درس سے پہلے خود کتاب کا بنظر غائر مطالعہ کرے۔ اپنی قوت فکر کو حرکت میں لائے اور کتاب کی عبارت کو سمجھنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ بقول شمس الدین سیحی بن سیحی، صاحب سیر الاولیاء، ”شبہات و قیود“ کی تحقیق کرے۔ شبہات و قیود کی اس ”تحقیق“ کا نام مطالعہ تھا۔ مسئلے کے بیان کرنے میں مصنف کتاب نے جو طریقہ بیان اختیار کیا ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرنا، اس پر جو اعتراضات ہو سکتے ہوں ان کو پیدا کرنا۔ اسی کا نام ”شبہات“ تھا۔ بیان کس قدر جامع و مانع ہے اس کو جانچنا۔ اس کے لیے جن قیود اور شرائط کے الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے ان کو پرکھنا۔ کتاب کی عبارت کے سوا خود مسئلے میں جو پیچیدگیاں ہوں ان کو خود سلجھانا اور اگر مشکل پیش آئے تو استاد سے رجوع کرنا۔

مفتی رکن الدین نے مولانا انوار اللہ خاں حیدر آبادی کی سوانح عمری، مطلع الانوار میں طالب علمی کے زمانے میں ان کے مطالعے کا طریقہ خود ان کے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے: ”ہم

کوشش کرتے تھے کہ مضمون کسی صورت سے مطالعے میں حل ہو جائے طریقہ یہ تھا کہ پہلے عبارت و ترجمے کی جانب توجہ کی جاتی تھی جو نئے الفاظ آتے تھے، ان کو لغت کی مدد سے حل کیا جاتا۔ پھر مطلب کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی۔ اگر ایک دفعہ مضمون حل نہ ہوتا تو دوبارہ سہ بارہ سعی کی جاتی اگر کوئی اتنا ہی مشکل مضمون ہوتا جو سعی پیہم کے باوجود سمجھ میں نہ آتا تو دل میں ایک خلش رہتی جب استاد (مولانا عبدالحی فرنگی محلی) کے سامنے سبق شروع ہوتا تو بجز شبہات کے جو مطالعے میں حل نہ ہو سکے ہوں، اور کوئی بات دریافت طلب نہ رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ روزانہ کئی صفحے درس ہوتا تھا۔“

”مطالعے کے سلسلے میں صرف لغت سے استفادہ کرنے کی اجازت تھی۔ طلبا کو سختی سے پابند کیا جاتا تھا کہ مطالعے کے وقت وہ کسی تشریحی نوٹ یا حواشی سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ کسی طالب علم کے متعلق اگر استادوں کو محسوس ہو جاتا کہ یہ مطالعے کے وقت حاشیہ وغیرہ دیکھنے کا عادی ہے تو اس سے سخت ناراضگی کا اظہار کیا جاتا“ (۵۸۷)۔ یہ تھا مطالعے کا وہ طریقہ جس کے ذریعے قوت فکر و فہم کی نشوونما کی جاتی تھی اور جسے تعلیم کا اصل مقصود سمجھا جاتا تھا۔ مدارس دینیہ میں تا حال یہ مشق جاری ہے۔

۲۔ سماع و قرأت:

برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس میں درس کا جو طریقہ رائج ہوا وہ ”قرأت“ کا طریقہ تھا۔ استاد کتاب کی قرأت کرتا اور طلباء اسے غور سے سنتے تھے۔ بعض اوقات طالب علم قرأت کرتا اور استاد سنتا تھا اور تلفظ کی غلطیوں کی تصحیح کرتا جاتا تھا۔ ”قرأت“ کے دوران طلباء اپنے شکوک رفع کرنے کے لیے جو مطالعے کے وقت ان کے ذہن میں پیدا ہوتے، سوال بھی کرتے رہتے تھے اور روزانہ کئی صفحے درس ہوتا تھا۔ کیونکہ جب استاد کے سامنے سبق شروع ہوتا تو بجز شبہات کے جو مطالعے میں حل نہ ہو سکے ہوں اور کوئی بات دریافت طلب نہ رہتی (۵۸۸)۔ استاد کے پڑھنے کو آگے بیان کرنے کے لئے سماع اور شاگرد کے پڑھنے کو قرأت کہتے ہیں۔

برصغیر میں اس کی مثال سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی کا مولانا محمد اسحاق شاہ سے حدیث پڑھنے کے حوالے سے صحیح بخاری و صحیح مسلم پڑھنے کا یہ دستور تھا کہ ایک دن پہلے شام کو مولوی رحمت اللہ بیگ کے ساتھ مولانا عبدالحق سے وہی سبق پڑھ لیتے تھے جو اگلے روز مولانا محمد اسحاق کے درس میں پڑھنا تھا اور صبح کو مولانا محمد اسحاق صاحب کے درس میں شریک ہوتے تو صرف سماعت کرتے اور اگر کوئی شبہ باقی رہ جاتا تو اس کو حل کراتے۔ اس لیے شاہ محمد اسحاق صاحب کے حلقہ میں ان کو قرأت کا اتفاق کم ہوا اور سماعت کا زیادہ اور اس کی طرف شاہ صاحب نے اُن کی سند میں اشارہ

کیا ہے۔ حیث قال، سمع منی الاحادیث الکثیرہ (۵۸۹) (انہوں نے مجھ سے بہت سی احادیث سنی)۔ اسی طرح الشیخ، شمس الحق ڈیانوی کی قرآۃ علی الشیخ سید نذیر حسین دہلوی، ابوداؤد ابتداء سے کتاب الجنائز تک ہوئی (۵۹۰)۔ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری فرماتے ہیں: فاجازنی بہ وبجميع ما قرأت علیہ من کتب الحدیث وغیرہا (۵۹۱) (کتب حدیث وغیرہ جو میں نے ان سے پڑھیں۔ ان کی مجھے انہوں نے اجازت دی)۔ اسی طرح حافظ محمد گوندلوی صاحب کے متعلق ہے: قرأ علی مولانا الشیخ عبدالاول بن محمد بن عبداللہ الغزنوی بلوغ المرام واکثر المشکوۃ مع حفظہ عن ظہر قلبہ (۵۹۲) (انہوں نے مولانا شیخ عبدالاول بن محمد بن عبداللہ غزنوی کے پاس بلوغ المرام اور مشکوٰۃ کا کافی حصہ پڑھ کر زبانی یاد کیا)۔

تحدیث نعمت کے طور پر عرض گزار ہوں کہ عالم عرب کی نامور شخصیت صلاح الدین الادلبی پر ناچیز نے المدخل للحاکم کی قرآۃ کی تھی اور امام ذہبی کی اصول حدیث پر کتاب الموقظہ کی قراءت برطانیہ میں شیخ محمد سعید بادنچکی ندوی پر کی۔

مولوی امجد علی (اعظمی انصاری) نے سال بھر میں صحاح ستہ، مسند شریف، کتاب الآثار شریف، مؤطا شریف طحاوی شریف کا قراءت و سماعت درس حاصل کر کے اعلیٰ درجہ کا امتحان دیا (۵۹۳)۔

۳۔ مباحثہ:

قدیم درس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ”گوٹھا درس“ نہ تھا۔ یعنی ایسا درس جس میں استاد بولے اور شاگرد کان لگا کر خاموش ہو کر صرف سنے یا لکھے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ علم ایک خزانہ ہے اور اس خزانے کی کنجی سوال ہے۔ اس لیے سوال کرنا فرداً فرداً ہر طالب علم کے لیے لازم تھا۔ اگر کوئی طالب علم چند دن بھی چپ رہتا تو استاد فوراً اس کی طرف متوجہ ہو جاتا اور اسے سوال کرنے پر مجبور کرتا اور اس طرح درس ”بحث و تحقیق“ کی ایک محفل بن جاتا جس میں ہر طالب علم بڑی سرگرمی سے حصہ لیتا۔ مطالعہ اور مباحثہ طالب علم کے دو ضروری جزو تھے۔ طلبا مطالعہ کرتے ہیں یا نہیں۔ اساتذہ اس کی باقاعدہ نگرانی کرتے تھے اور اس کا پتہ ”طریق بحث“ سے چل جاتا تھا۔ مباحثہ شاگرد کی خود متحرکی کے مدارج ترقی کا مقیاس تھا (۵۹۴)۔ بطور مثال ہم حافظ محمد گوندلوی صاحب کے درس حدیث کا اس پہلو سے جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے ”دوران درس طلبہ جس قدر بھی سوالات کرتے آپ ان کے تسلی بخش جوابات عنایت فرماتے۔ ان میں سے کچھ سوالات موضوع سے غیر متعلق بھی ہوتے مگر آپ خندہ پیشانی سے ان کے بھی جوابات دیتے مقصد یہ تھا کہ طلبا کو مسائل کا حقہ ذہن نشین

ہو جائیں اور کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے (۵۹۵)۔

مدارس دینیہ و سرکاری اداروں میں دورانِ تعلیم طلباء کو یہی حق سب سے زیادہ دیا جاتا ہے کہ وہ بھرپور بحث و مباحثہ میں حصہ لیں تاکہ ان کے شکوک و شبہات دور ہوں اور ان کی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آئیں۔

۴۔ اعادہ یا تکرار:

قدیم درس کی ایک اور خصوصیت سبق کو دہرانے کا اہتمام تھا جسے پہلے اعادہ کہتے تھے۔ لیکن بعد میں جس کا نام تکرار پڑ گیا۔ ”اس زمانے میں نامور علماء کے ہاں معمول تھا کہ جب وہ درس دے چکے تھے تو شاگردوں میں سے جو سب سے زیادہ لائق ہوتا تھا وہ باقی طالب علموں کو دوبارہ درس دیتا تھا اور استاد کے بتائے ہوئے مضامین کو اچھی طرح ذہن نشین کراتا تھا۔ یہ منصب جسے حاصل ہوتا تھا اسے معید کہتے تھے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں اعادے کے اس دستور کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ اور اس (استاد) کے دائیں اور بائیں دو معید بیٹھے ہیں جو ان لیکچروں کو دہراتے ہیں، جسے استاد شاگردوں کو دیتا ہے۔“ اعادے کے اس دستور کے دو فائدے تھے طالب علم اگر سبق کا کوئی حصہ بھول جاتا تو اس سے یہ کمی پوری ہو جاتی۔ اس کے علاوہ درس کے جو نقوش ذہن پر ثبت ہوتے وہ اس طرح واضح اور گہرے ہو جاتے کہ کمزور اور ذہین طلباء دونوں اس سے یکساں طور پر مستفید ہوتے اور ان کی قوت فکر و فہم اور حفظ کو تقویت ملتی (۵۹۶)۔

۵۔ پڑھانے کی مشق: (مانیٹوریل سسٹم):

قدیم مدارس میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ اعلیٰ جماعتوں کے طلباء طالب علمی ہی کے دنوں میں اس بات کی کوشش کرتے کہ اپنی پڑھی ہوئی کتابیں نچلی جماعت کے طلباء کو پڑھاتے رہیں۔ خصوصاً وہ طلباء جو استاد بننے کے خواہشمند ہوتے تھے۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی نفع المفتی والسائل میں لکھتے ہیں: ”جس کتاب کے پڑھنے سے میں فارغ ہوتا، اسی کو پڑھانا بھی شروع کر دیتا۔“ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ”تمام علوم میں میری لیاقت پختہ ہوتی چلی گئی۔۔۔۔۔ مجھے کسی کتاب کے سمجھنے سمجھانے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی تھی، خواہ کون سی بھی کتاب ہو اور کسی فن کی بھی ہوتی کہ اس مشق کی بنیاد پر ایسی کتابوں کو میں نے پڑھا دیا جنہیں استاد کے سامنے میں نے پڑھا نہیں تھا مثلاً طوسی کی شرح اشارات اور افق المبین، طب میں قانون شیخ، عروض کا رسالہ (۵۹۷)۔

۶۔ امالی:

تدریس حدیث میں ایک یہ طریقہ بھی رائج تھا کہ استاد دوران درس املاء کرواتا جاتا اور طالب علم اپنے استاد کی تحقیقات کو قلم بند کرتے چلے جاتے۔ اس طرح یہ ایک مستقل کتاب تیار ہو جاتی جسے ”امالی“ کہا جاتا ہے۔ امالی کا طریقہ مسلمانوں کے نظام تعلیم میں قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں اس طرز تدریس کے نتیجے میں ہی لامع الدراری علی جامع البخاری از مولانا رشید احمد گنگوہی معرض وجود میں آئی ہے جو کہ ان کے شاگرد مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی (م ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء) کے درسی نوٹس ہیں۔ جنہیں مولانا محمد زکریا (م ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء) نے شرح و حواشی کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اسی طرح الکوکب الدرری علی جامع الترمذی کا معاملہ ہے۔

مولانا انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء) کی فیض الباری علی صحیح البخاری بھی امالی کی طرز پر معرض وجود میں آنے والی شرح بخاری ہے جو کہ دوران درس مولانا بدر عالم میرٹھی (م ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۴ء) نوٹس لیتے تھے اور پھر حواشی کے ساتھ انہیں شائع کر دیا گیا۔

حافظ محمد گوندلوی (م ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۳ء) کی ارشاد القاری بھی اسی قسم کا مظہر ہے جو کہ ان کے نامور شاگرد حافظ عبدالمنان نور پوری کی کاوش کا نتیجہ ہے (۵۹۸)۔



برصغیر کی نامور شخصیات کی تدریس حدیث (تاریخی جائزہ)

شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء):

شاہ ولی اللہ صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، مسند الدارمی اور مشکوٰۃ المصابیح وغیرہ کی تدریس کا فریضہ ربیع صدی تک سرانجام دیتے رہے۔ ”ان کی تدریس کا انداز یہ تھا کہ سب سے پہلے وہ طلباء سے یہ کہتے تھے کہ وہ خود روزانہ اپنا سبق پڑھ کر آئیں اور پھر ان سے اس سبق پر بحث و گفتگو کرتے تھے۔۔۔۔۔ مسائل فقہیہ پر بحث کرتے وقت ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ان پر مذاہب اربعہ میں جو اختلاف پایا جاتا ہو اسے بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی بجائے کم سے کم کر کے دکھائیں۔ بالخصوص ایسے اختلافات کو جو حنفی اور شافعی مسالک میں پائے جاتے ہوں۔ اس مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ ایسے تمام مسائل کے صرف ان پہلوؤں پر بہت زور دیتے اور ان کا تجزیہ کرتے تھے جن میں اتفاق رائے پایا جاتا تھا اور کسی ایک مسلک کو دوسرے پر فوقیت نہ دیتے تھے۔ یہ ایک ایسا طریقہ تعلیم تھا جس میں نوجوان طلباء میں وسیع النظری پیدا کرنے میں بہت مدد ملتی تھی۔ اور ان کے دل میں چاروں اماموں اور ان کے مسالک کے بارے میں احترام و رواداری کا جذبہ بھی پیدا ہو جاتا تھا“ (۵۹۹)۔

شاہ ولی اللہ کی تدریس حدیث میں جمع و تطبیق بین المسالک کی فکر غالب رہتی تھی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے روایتی مسلکی تعصبات والا انداز اختیار نہیں کیا جیسا کہ الاستاذ السیالکوٹی نے لکھا ہے۔ ”انہ اختار طريقة تدريس الحديث على منهج المحدثين الاوائل رواية ودراسة وانكر طريقة الفقهاء الجامدين والمتعصبين الذين عادتهم تاويل الحديث وتحريفه لتأييد مذاهبهم واهوائهم“ (۶۰۰) (انہوں نے تدریس حدیث کے لیے اوائل محدثین کا طریقہ روایت و درایت کے اعتبار سے اختیار کیا۔ اور جامد و متعصب فقہاء کے طریقے کو ناپسند کیا جو کہ اپنے مذہب اور اپنی آراء کی تائید میں احادیث کی تاویل و تحریف کرنے کے عادی ہیں)۔

شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء):

سید نذیر حسین محدث دہلوی نے شاہ محمد اسحاق کی ہجرت حجاز کے بعد ان کی مسند کی جانشینی کا حق ۶۰ برس تک ادا کیا۔ ابتدا میں آپ تمام علوم پڑھاتے رہے مگر آخری زمانہ میں صرف حدیث و تفسیر پر کار بند رہے۔ بقول مولانا سید عبدالحی حسنی رحمہ اللہ: ”ہندوستان میں تدریس حدیث کے میدان میں ان کو ایک امتیاز و اعزاز حاصل ہوا“ (۶۰۱)۔

آپ کی تدریس حدیث کا آنکھوں دیکھا حال ان کے مشہور شاگرد مولانا فضل حسین بہاری یوں بیان کرتے ہیں، ”ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ پڑھانے میں جس وقت کسی حدیث کی نسبت تکرار ہوتی تھی اور یہ ضرورت آگے پڑتی تھی کہ اس حدیث کے موافق یا مخالف کتنی حدیثیں ہیں اور کس کس جگہ ہیں۔ آپ فوراً بتا دیتے تھے کہ فلاں حدیث فلاں کتاب کے فلاں باب سے نکال لو اور فلاں حدیث فلاں کتاب کے فلاں باب سے۔ اسی طرح وہ تمام حدیثیں جو اس متنازع فیہ حدیث کے متعلق کتب صحاح میں موجود ہوتیں، چند منٹوں میں نکل آتی تھیں (۶۰۲)۔

تدریس حدیث میں آپ کے مد نظر نہ کوئی مذہبی تعصب ہوتا تھا اور نہ ہی کوئی دنیاوی مفاد۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے شاگرد مولانا محمد حسین بٹالوی کی نوکری پر خفگی کا اظہار فرماتے ہوئے لکھا ”تم نے حدیث رسول ﷺ اسی دن کے لئے پڑھی تھی کہ نوکری کرو“۔ چنانچہ ممدوح فوراً نوکری سے کنارہ کش ہو گئے (۶۰۳)۔ خدمت حدیث نبوی ﷺ کے پیش نظر تدریس حدیث کی یہ لگن آپ کو پابند سلاسل ہونے پر بھی باز نہ رکھ سکی۔ آپ نے وہاں پر بھی صحیح بخاری کی تدریس جاری رکھی۔ راولپنڈی جیل میں عطاء اللہ نامی آپ کے قید کے ساتھی نے سبقاً سبقاً صحیح بخاری مکمل پڑھی (۶۰۴)۔ تدریس حدیث میں آپ کا ملکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کی پہلی حدیث پر سبق ۲۷ دن تک جاری رہتا تھا (۶۰۵)۔

آپ کی محدثانہ تدریس کا اثر تھا کہ درس میں طلبہ کا ایک ہجوم رہتا تھا اور سارے ہندوستان میں آپ کے درس کی دھوم مچی ہوئی تھی بلکہ بیرون ہند، حجاز، چین اور افریقہ تک لوگ حدیث پڑھنے حاضر ہوتے تھے (۶۰۶)۔

مولانا انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء):

مولانا انور شاہ کشمیری نے عام درس گا ہی طریق درس میں یکسر انقلاب برپا کیا۔ آپ نے

حدیث کی شرح و تفصیل میں صرف ونحو، فقہ و اصول فقہ، معانی و بلاغت، اسرار و حکم، سلوک و تصوف، فلسفہ و منطق، سائنس و عصری علوم کا ایک گراں قدر اضافہ، رجال کی بحثیں، مصنفین و مؤلفین کی تاریخ و سوانح، تالیفات و تصنیفات پر نقد و تبصرہ آپ کے درس کا ایک امتیاز تھا (۶۰۷)۔

حضرت شاہ صاحب (انور شاہ کشمیری صاحب) کا درس حدیث محض حدیث تک محدود نہ تھا بلکہ فقہ و تاریخ، ادب، کلام، فلسفہ، منطق، ہیئت، ریاضی، سائنس الغرض تمام علوم جدیدہ و قدیمہ پر مشتمل ہوتا (۶۰۸)۔

مولانا کاندھلوی کے بقول: فقہ الحدیث پر جب کلام فرماتے تو اولاً ائمہ اربعہ کے مذاہب نقل فرماتے اور پھر ان کے وہ دلائل بیان فرماتے جو اس مذہب کے فقہاء کے نزدیک سب سے زیادہ قوی ہیں۔ پھر ان کا شافی جواب اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کی ترجیح بیان فرماتے“ (۶۰۹)۔ آپ کی تدریس حدیث میں فقہی تعصب کا رجحان غالب رہتا تھا۔ مسلکی دفاع کی خدمت کا یوں اقرار کرتے ہیں: ”میں (انور شاہ کشمیری) نے حنفیت کو اس درجہ مستحکم کر دیا کہ اب ان شاء اللہ سو سال تک اس میں کوئی اضمحلال پیدا نہیں ہو سکتا“ (۶۱۰)۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا (م ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء):

مولانا محمد زکریا اپنے درس میں مشکل عربی الفاظ کا بہتر اردو میں ترجمہ، مشکل مقامات کی تشریح، وہم راوی کو رفع کرنا، مذاہب ائمہ کی تحقیق اور ان کے دلائل خصوصاً مسلک حنفی کے دلائل کو تفصیل سے بیان کرتے۔ اگر کوئی روایت بظاہر حنفیہ کے مسلک کے خلاف نظر آتی تو اس کی توجیہات اس طرح نقل فرماتے کہ مسلک حنفیہ اس حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا (۶۱۱)۔

مولانا کے درس بخاری کی کیفیت اس طرح بیان کی گئی: ”مسند تدریس پر قدم رکھتے تو کھڑے ہی سے ”جی“ فرما دیتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ عبارت پڑھ۔ کسی طالب علم نے عبارت شروع کر دی ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے بلکہ بین القیام والعقود ہی تھے کہ عبارت میں کوئی ایسی جگہ آگئی جہاں کلام کرنے کی ضرورت تھی اسی وقت وہیں سے کلام شروع فرما دیا۔ تشریف فرما ہوئے سانس لیا، عبارت پڑھی جا رہی ہے شیخ جگہ جگہ کلام فرما رہے ہیں۔ تقریر مسلسل جاری ہے نکات بیان ہو رہے ہیں۔ محدثین کے اقوال ازبر ہیں اور پوری تقریر پر شاعر کا یہ قول صادق آتا ہے۔

تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے ہے، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا، میرے

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ہے اور جناب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے ہے اور میری بھی ایک رائے ہے بوجھ بھکڑ والی اور کبھی فرماتے تھے میرا بھی یہ چکی کا پاٹ ہے“ (۶۱۲)۔

مولانا حیدر حسن خان ٹونگی (م ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء):

عموماً حدیث شریف کے درس میں طلبہ عبارت پڑھتے ہیں پھر استاد مطالب و مباحث پر مفصل و مدلل تقریر کرتا ہے۔ لیکن مولانا کا طریقہ درس اس سے بالکل مختلف تھا۔ وہ طلبہ کے سامنے عبارت کی تشریح مطالب کی توضیح اور مباحث کی تفسیر ہی نہیں پیش کرتے تھے بلکہ طلبہ کو مآخذ سے بھی واقف کراتے تھے۔ ان کے مراتب ذہن نشین کراتے۔ ان کے مطالعہ کے آداب بتاتے اور ان سے استفادہ کا سلیقہ سکھاتے تھے (۶۱۳)۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ اپنے بیان کے ثبوت میں جہاں ضرورت محسوس کرتے، کتابوں کا حوالہ دیتے، کبھی کبھی کسی کتاب کو کھول کر دکھا بھی دیتے تھے (۶۱۴)۔ ان کے متعلق سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے: ”وکان مع انتصاره لمذهب الحنفی کثیر العطف علی تلامذته من اهل الحدیث“ (۶۱۵) (وہ حنفی مذہب کی طرف اپنے بہت زیادہ رجحان کے باوجود اپنے اہل حدیث طلبہ سے محبت رکھتے تھے)۔

مولانا محمود حسن (م ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء):

مولانا محمود حسن مسائل مختلف فیہا میں ائمہ ثلاثہ (رحمہم اللہ) بلکہ دیگر مجتہدین کے مذاہب بھی بیان فرماتے اور مختصر طور سے دلائل بھی نقل فرماتے لیکن جب امام ابوحنیفہ کا نمبر آتا ”تو مولانا (محمود حسن) کے قلب میں انشراح، چہرہ پر بشاشت، تقریر میں روانی، لہجہ میں جوش پیدا ہو جاتا دلیل پر دلیل، شاہد پر شاہد، قرینہ پر قرینہ بیان کرتے چلے جاتے تقریر رکتی ہی نہ تھی، اور اس خوبی سے مذہب امام اعظم کو ترجیح دیتے تھے کہ سلیم الطیب اور منصف المزاج لوٹ جاتے تھے۔ دور دور کی مختلف المضامین احادیث جن کی طرف کبھی خیال بھی نہ جاتا تھا۔ پیش کر کے اس طرح مدعا ثابت فرماتے کہ بات دل میں اترتی تھی اور سامعین کا دل گواہی دیتا اور آنکھوں سے نظر آ جاتا تھا کہ یہی جانب حق ہے“ (۶۱۶)۔

مسئلی حمیت، مذہبی تعصب دوران تدریس کس طرح جھلک رہا ہے۔ اپنے مذہب کی ترجیح ثابت کرنے میں کس طرح دور سے کڑیاں ملائی جاتی تھیں۔ تدریس حدیث کے پیچھے صرف اور صرف حدیث نبوی کی خدمت کا جذبہ کارفرما ہونا ایک دوسری چیز ہے اور مذکورہ بالا انداز چیز دیگر ہے۔

مولانا حفیظ اللہ مہتمم ندوۃ العلماء (م ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء):

عموماً حدیث شریف کے درس میں طلباء عبارت پڑھتے ہیں۔ پھر استاد، مطالب و مباحث پر مفصل و مدلل دلائل پیش کرتا ہے اور اپنے بیان کے ثبوت میں جہاں ضرورت محسوس ہو کتابوں کا حوالہ دیتا ہے کبھی کبھی کسی کتاب کو کھول کر دکھا بھی دیتا ہے۔ اس کے برعکس ندوۃ کے مہتمم (پرنسپل) مولانا حفیظ اللہ صاحب تھے ان کو حدیث پڑھانے کا شوق تھا۔ صحیح مسلم ان کے پاس رہتی تھی۔ ان کا درس سادہ ہوتا تھا۔ حدیث کا مطلب بتا دیتے تھے لیکن مختلف فقہاء کے مذاہب بیان کرنے اور ان کے دلائل فراہم کرنے سے زیادہ دلچسپی نہ تھی (۶۱۷)۔

حافظ محمد گوندلوی (م ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۳ء) :

نامور مؤرخ اسحاق بھٹی کے بقول: ”حضرت استاد کا اسلوب درس حدیث اپنے اندر انفرادیت بھی رکھتا تھا اور بے حد جاذبیت بھی۔ وہ انتہائی وقار اور تمکنت کے مالک تھے اور اسی وقار اور تمکنت سے مسند تدریس پر بیٹھتے اور طلباء کو پڑھاتے تھے۔ بخاری شریف میں ایک مہینہ سے زیادہ عرصہ حجیت حدیث، اتباع حدیث، صحیح بخاری کی شرائط، صحت حدیث، امام بخاری کے مقام و مرتبہ کی تعیین اور دیگر محدثین سے ان کے امتیاز وغیرہ امور کی وضاحت میں صرف ہو جاتا۔ وہ بڑی روانی اور صفائی سے درس دیتے تھے۔ ان کے ارشادات انتہائی احتیاط اور توجہ سے سننے کی ضرورت تھی۔ آسان زبان اور عام فہم انداز میں ان کے لیے بات کرنا بہت مشکل تھا۔ وہ مشکل کلام تھے“ (۶۱۸)۔

آپ کا انداز تدریس بڑا منفرد اور اچھوتا تھا حلقہ درس میں ملک اور بیرون ملک کے متعدد طلبہ ہوتے۔ ایک طالب علم سبق پڑھتا آپ غور سے کتاب دیکھتے اور جو مقام جس قدر تشریح کا طالب ہوتا اس پر اسی قدر روشنی ڈالتے اور مغلق اور پیچیدہ مقامات کی اس عمدگی سے تشریح فرماتے کہ کسی طالب علم کو کوئی تشنگی باقی نہ رہتی (۶۱۹)۔

معروف پبلشر منیر احمد سلفی لکھتے ہیں: ”ہمارے شیخ الحدیث کے علمی تبحر کی بنا پر درس حدیث صرف علوم حدیث تک ہی محدود نہ رہتا بلکہ ضمناً لطیف نسبتوں کے ساتھ ہر علم و فن کی بحث ہوتی رہتی۔۔۔ غرض نقلی و درایتی فنون میں نقل و عقل دونوں کی بحثیں آتیں اور ہر فن کے متعلق مقصد پر ایسی سیر حاصل اور محققانہ بحث آتی کہ تحقیق حدیث کے علاوہ وہ فن مسئلہ بھی فی نفسہ پوری وضاحت کے ساتھ منقح ہو کہ سامنے آ جاتا“ (۶۲۰)۔

دورانِ درس حضرت الاستاذِ روانی سے مختلف شروح کے عربی اقتباسات پڑھ کر شارحین حدیث کے موقف کا تقابل فرماتے تھے اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی فتح الباری تو قریب قریب آپ کو حفظ تھی (۶۲۱)۔ حدیث نبوی کے معروف محقق مولانا ارشاد الحق اثری نے دیگر طلباء کے ساتھ ۱۹۶۸ء میں ان سے صحیح بخاری پڑھی۔ ان کے بقول ابتدائی طور پر کافی دن مقام حدیث، حجیت حدیث، اسناد حدیث، فہم قرآن کے لئے حدیث، جمع و تدوین حدیث، جرح و تعدیل اور اسماء الرجال پر لگائے الزامات امام بخاری، صحیح بخاری کے متعلق بعض مباحث پر گفتگو فرمائی پھر تراجم ابواب سے متعلق بعض بہت ضروری باتیں کیں۔

عام طور پر طلباء سے پڑھاتے، قراءت کا سلسلہ ہوتا، اسانید پر بحث کرتے، رجال کو زیر بحث لاتے، لغوی بحث کرتے اور مسائل کا استنباط کرتے۔ ان کے درس میں طلباء کو فکری آزادی ہوتی۔ سبق سے متعلق ہر قسم کا سوال کرنے کی اجازت تھی۔ بخاری کی شروح کی عبارتیں زبانی یاد ہوتی تھیں۔ زیادہ تر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ کے حوالے دیتے۔ آئمہ اربعہ کی رائے کو بھی زیر بحث لاتے۔ آپ کا درس فقہ الحدیث کا بہترین نمونہ ہوتا تھا۔

مولانا عبدالحق رحمہ اللہ (م ۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۸ء):

حضرت (مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک) کے درس کا ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ فن حدیث کے ادق سے ادق مباحث بھی پوری تفصیل و استقصاء کے ساتھ ایسے آسان، شستہ انداز اور سلجھے ہوئے پیرائے میں بیان کرتے کہ غبی سے غبی طالب علم بھی اس سے محروم نہیں رہتا تھا۔ دورانِ تدریس عصر حاضر کے علمی و دینی فتنوں اور فرق باطلہ کی تردید بھی کرتے جاتے ہیں۔ ملکی سیاسیات، اقتصادی و معاشی مسائل، سائنسی ترقیات کی روشنی میں اسلام کی حقانیت و صداقت پر روشنی ڈالتے رہتے (۶۲۲)۔

مولانا عبدالحق جیسے وسیع النظر اور وسیع المشرَب اہل علم کے درس میں حدیث پر عالمانہ، محدثانہ بحثوں کے ساتھ ساتھ دورِ حاضر کے مسائل پر بھی خوب راہنمائی ہوتی تھی لیکن مولانا مذہبی تعصب کے تنگ نظری والے دائرے سے باہر نہ نکل سکے۔ ان کے ہاں بھی ہر حال میں ترجیح حنفیت کی فکر پائی جاتی ہے اور درس حدیث کے دوران بقول ”آئمہ اربعہ کے مذاہب بالتفصیل بیان فرما کر نہایت کشادہ دلی سے ان کے دلائل کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر مسلک حنفیت کی ترجیح میں ایک ایک دلیل کا معقول اور شافی جواب دیتے ہیں“ (۶۲۳)۔

مولانا سید داؤد غزنوی رحمۃ اللہ (م ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء):

مولانا داؤد غزنوی کے دادا محترم مولانا عبداللہ غزنوی (م ۱۲۹۸ھ/۱۸۷۸ء) کے متعلق علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ نے ایک مکتوب بنام محمد دین فوق میں لکھا ہے کہ ”مولوی عبداللہ غزنوی درس حدیث (مؤطا امام مالک) دے رہے تھے کہ اُن کو اپنے بیٹے کے قتل کیے جانے کی خبر ملی۔ ایک منہ تامل کیا پھر طلباء کو مخاطب کر کے کہا ”برضائے اوراضی ہستیم بیاید کہ کار خود بکنیم“ (ہم اس کی رضا پر راضی ہیں، آؤ ہم اپنا کام کریں) یہ کہہ کر پھر درس میں مشغول ہو گئے (۶۲۳)۔

مولانا محی الدین سلفی ”میرے استاد مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ“ کے تحت لکھتے ہیں کہ ہم مؤطا کے گھنٹے (پیریڈ) کاشت سے انتظار کرتے۔ جس دن ناغہ ہو جاتا ہمیں اس کا نہایت دکھ ہوتا۔ مولانا کے درس میں علم بھی تھا، وقار بھی، ادب بھی، زبان بھی، اختلاف رائے کے باوجود ائمہ کا نام اتنے ادب و احترام سے لیتے کہ سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے۔

مولانا علیہ الرحمہ میں یہ خوبی بدرجہ غایت موجود تھی کہ مسائل میں اعتدال کی راہ اختیار فرماتے۔ پورا درس نہایت دلچسپ ماحول میں ہوتا۔ تھکان اور بیوست نام کو نہ ہوتی جیسا کہ عام اساتذہ کے اسباق میں ہوتی ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب انہیں کوئی علمی نکتہ بیان فرمانا ہوتا تو طلبہ کو پوری طرح اپنی طرف متوجہ فرماتے اور کہتے العلم، العلم۔ آپ کے درس کی نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ دورانِ درس دنیا کی کسی بات کا تذکرہ نہ فرماتے۔ اگر کوئی صاحب ملاقات کے لیے آتے تو کیا مجال کہ آپ سے دورانِ درس بات کر سکے۔۔۔ آپ کے ہاں یہ طریقہ ہرگز رائج نہ تھا کہ مسند حدیث پر بھی بیٹھے ہوئے ہیں اور دنیا داری کے تذکرے بھی ہو رہے ہیں۔۔۔ دورانِ درس آپ ضروری اشارات لکھواتے۔ غرض کہ درس اس طرز پر ہوتا کہ خود بخود ذہن نشین ہوتا جاتا“ (۶۲۵)۔ حافظ عبدالرشید صاحب کے بقول ”جب حضرت پڑھانے کے لیے تشریف لاتے تو خوب اُجلا لباس پہن کر اور خوشبو لگا کر درس ارشاد فرماتے“ (۶۲۶)۔

حدیث نبوی کی وراثت میں ملنے والی محبت و عظمت اس قدر کوٹ کوٹ کر بھری تھی کہ دورانِ تدریس اگر ڈی سی لاہور بھی آیا تو بات کرنا گوارا نہ کی، تدریس حدیث کے بعد ہی ملاقات کی۔ یہ سب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی سے والہانہ عقیدت و محبت کا نتیجہ تھا۔

مولانا عبدالقدوس کلیم:

آپ سے راقم الحروف نے بلوغ المرام، الجامع الصحیح امام بخاری اور حدیث کی بعض دیگر کتب مدرسہ ضیاء القرآن والحدیث منڈی چشتیاں میں پڑھیں۔ ان کا قراءۃ اور سماع دونوں طرح سے پڑھانے کا طریقہ تھا۔ تدریس سے قبل حدیث سے متعلق ضروری باتیں بتاتے تھے پھر کوئی طالب علم پڑھتا اور ضرورت کے مطابق مولانا خود تشریح فرما دیتے یا بعض اوقات طلباء ان سے سوال کرتے۔ بعض اوقات اپنی مرضی سے خود پڑھنے لگ جاتے اور ضرورت کے مطابق تشریح کرتے۔ قرآن مجید کی آیات اور احادیث تشریح میں بیان فرماتے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، علامہ عینی رحمہ اللہ اور قسطلانی رحمہ اللہ کے حوالے دیتے۔ بعض مسائل میں آئمہ اربعہ کی رائے بھی بتاتے اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتب سے بھی حوالے دیتے۔ عام طور پر مطالعہ کر کے آتے اور بڑے علمی نکات بیان فرماتے۔ کتب حدیث کا درس پورا سال جاری رہتا۔

تدریس حدیث میں جدید سہولتوں کے استعمال کا رویہ:

دورِ حاضر میں تدریس کے حوالے سے بہت سی جدید سہولتیں میسر آ چکی ہیں مثلاً بلیک بورڈ، پروجیکٹر، لاؤڈ سپیکر، آڈیو کیسٹ، ویڈیو کیسٹ، ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، اخبارات و رسائل اور فاصلاتی تدریس کا نظام وغیرہ وغیرہ۔

ہم دیکھتے ہیں کہ برصغیر میں تدریس حدیث کے دوران ان سہولتوں میں سے صرف بلیک بورڈ یا طلباء کی کثرت کے پیش نظر لاؤڈ سپیکر کا استعمال بھی شاذ و نادر ہوتا ہے۔ دیگر سہولتوں سے استفادہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اکثر اہل علم کے ہاں تو ان سہولتوں کے جائز و ناجائز کا مسئلہ ہی تصفیہ طلب ہے۔ حالانکہ اپنی تمدنی زندگی میں دیگر جدید سہولتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا رہا ہے اور زندگی کی رفتار کئی گنا تیز ہو چکی ہے۔ آج دنیا کے ایک کنارے میں کوئی چیز سامنے آتے ہی دنیا میں چاروں طرف اس کی خبر ہو جاتی ہے۔ آج میڈیکل سائنس میں انتہائی پیچیدہ آپریشن، دنیا میں ایک ہسپتال میں ہوتا ہے اور دنیا بھر کے میڈیکل کے طالب علم اپنے اپنے کلاس روم میں اس سے بھرپور راہنمائی پا رہے ہوتے ہیں۔ آیا تدریس حدیث میں اگر ایک محدث دورانِ تدریس ایک جگہ درس حدیث ارشاد فرما رہے ہوں اور دیگر مختلف مقامات کے طالبان حدیث کے لئے ان سہولتوں کی بدولت براہ راست استفادہ کی گنجائش کیوں نہیں؟ ہمارے حدیث سکالرز کو اس پر غور و خوض کرتے

ہوئے تدریس حدیث کے ذریعے ترویج دین کی بدولت اصلاح معاشرہ میں بھرپور کردار ادا کرنے کی سوچ اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

برصغیر میں تدریس حدیث کے اثرات:

برصغیر پاک و ہند کے مدارس کے نصاب تعلیم کا پانچ مختلف ادوار میں جائزہ لیتے وقت ہم مولانا ابوالحسنات ندوی کے الفاظ نقل کر چکے ہیں کہ ”میرے خیال میں اس نصاب درس سے جو عموماً مدارس عربی میں رائج ہے۔ عملاً حدیث و ادب کی مذکورہ بالا کتابوں کو خارج ہی سمجھنا چاہیے۔“

رشید احمد ارشد برصغیر کے اہل علم کے حدیث نبوی سے تعلق پر رقم طراز ہیں ”یہاں کے علماء حدیث کی اعلیٰ تعلیم کو غیر ضروری سمجھنے لگے بلکہ اس فن میں ان کی انتہائی معراج مشارق الانوار اور مشکوٰۃ المصابیح کی تعلیم ہوتی تھی اور یہ تعلیم بھی محض برکت حاصل کرنے کے لئے ہوتی تھی۔ اس کا مقصد مسائل کا استنباط اور فقہی مسائل کا اثبات نہ ہوتا تھا“ (۶۲۷)۔ یہ رویہ کچھ بے جا نہ تھا اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ فاتحین ہند زیادہ تر حنفی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے اور یہاں پر حنفی مسلک کو زیادہ فروغ حاصل ہوا۔ فقہا کرام کا علم حدیث سے تعلق ہمیشہ کمزور ہی گردانا گیا ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ ”واشتغالہم بعلم الحدیث قليل قديماً و حديثاً“ (۶۲۸) (ان کا علم حدیث سے شغل کم رہا ہے۔ زمانہ ماضی میں بھی اور حال میں بھی)۔ اس حقیقت کا اظہار مولانا عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) نے بھی کیا ہے (۶۲۹)

فقہی استنباطات و استخراجات کے لیے اصولی و منطقی علوم کی ضرورت ہونا اظہر من الشمس ہے۔ اسی احتیاج کا نتیجہ تھا کہ یہاں کے نصاب تعلیم میں ۱۹ کتابیں منطق و فلسفہ کی تو شامل کی گئیں لیکن حدیث کی صرف دو کتابوں پر اکتفا کیا گیا اور عملاً وہ بھی خارج از نصاب ہی رہتی تھیں۔ بعد ازاں جب تدریس حدیث پر مجبور ٹھہرے تو پھر مسلکی تائید پر بے قراری کی سوچ کا اندازہ لگانے کے لئے ایک حوالہ پیش خدمت ہے۔ مولانا ظہیر احسن نیموی (م ۱۳۲۵ھ) ایک اشتہار میں یوں اعلان کرتے ہیں۔

”یہ تو ظاہر ہے کہ حدیث میں پہلے بلوغ المرام یا مشکوٰۃ شریف پڑھائی جاتی ہے اور ان کے مؤلف شافعی المذہب تھے۔ ان کتابوں میں زیادہ وہی حدیثیں ہیں جو مذہب امام شافعی کی مؤید اور مذہب حنفی کے خلاف ہیں۔ اس پر طرہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر معلم در پردہ غیر مقلد ہوتے ہیں۔ بے چارے اکثر طلباء یہ ابتدائی کتابیں پڑھ کر مذہب حنفی سے بے عقیدہ ہو جاتے ہیں۔ پھر جب صحاح ستہ کی نوبت آتی ہے تو ان کے خیالات اور بھی بدل جاتے ہیں۔ علمائے حنفیہ نے کوئی ایسی کتاب قابل

درس تالیف نہیں کی کہ جس میں مختلف کتب احادیث کی وہ حدیثیں ہوں جن سے مذہب حنفی کی تائید ہوتی ہو، پھر بے چارے طلباء ابتدا میں پڑھیں تو کیا اور ان کے عقائد درست رہیں تو کیونکر آخر بے چارے غیر مقلد نہ ہوں تو کیا ہوں؟ فقیر نے انہی خیالات سے حدیث شریف میں آثار السنن کے نام سے ایک کتاب کی بنائے تالیف ڈالی ہے اور ارادہ ہے کہ کتب متداولہ کے علاوہ عرب و عجم کی نایاب کتب احادیث سے حدیثیں انتخاب کر کے جمع کروں اور حاشیہ میں اسناد لکھ دوں“ (۶۳۰)۔

مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب بھی تدریس حدیث میں مذہبی تعصب کو بروئے کار لانے کی خاطر یوں مشورہ دیتے ہیں۔ ”مشکوٰۃ شریف کے طلباء اور حضرات مدرسین کے لیے حضرت مولانا (ظفر احمد عثمانی مرحوم) کا ایک مفید مشورہ یہ بھی تھا کہ مشکوٰۃ شریف کے ہر باب کے ساتھ بطور انفصل الرابع کے اعلاء السنن کے متن سے لے کر احادیث مؤیدہ حنفیہ کو جمع کر کے ان کو سبقاً سبقاً پڑھایا جایا کرے۔ اس طرح مشکوٰۃ شریف پڑھنے والے طلباء کو ہر بات میں حنفیہ کے دلائل کا بھی ساتھ ساتھ علم ہوتا رہے گا“ (۶۳۱)۔

برصغیر میں مذہبی تعصبات سے بالاتر ہو کر تدریس و ترویج حدیث کی سعادت شاہ ولی اللہ کی ذات گرامی کا مقدر تھی۔ آپ نے یہاں کے معقولی و منقولی نظام تعلیم میں پرورش پائی جس پر حنفیت کا رنگ غالب تھا لیکن زیارت حرمین سے حج و عمرہ کی سعادت کے ساتھ ساتھ ذہنی افتق کی وسعت بھی نصیب ہوئی۔ مسلکی تعصب کی جگہ بین المسالک تطبیقی فکر نے لی۔ واپسی پر آپ نے درس حدیث میں مؤطا امام مالک پر دوام اختیار کیا۔ مؤطا امام مالک کی دو شرحیں بنام المسویٰ (عربی) اور المصنفی (فارسی) میں لکھیں اور حجۃ اللہ البالغہ میں اس کو صحیحین کے ساتھ ذکر فرمایا۔ فکر محدثین کی طرف رجوع کی تلقین کی۔ اس مشن اور فکر کو لے کر آپ کا خاندان آگے بڑھا۔ یہاں پر دارالحدیث کا قیام اور کتب حدیث کی تدریس میں اضافہ کا سہرا اپنے سر باندھا۔ مولانا ابوالحسن ندوی کے بقول ”در حقیقت صحاح ستہ کے درس و تدریس کا ہندوستان میں رواج اسی وقت سے ہوا ہے جب کہ شاہ صاحب اور ان کے نامور اخلاف نے اس کو رواج دیا اور اپنی اپنی عمر عزیز کا بیش بہا حصہ اس کی اشاعت میں صرف کر دیا“ (۶۳۲)۔ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بستان المحدثین جیسی انسائیکلو پیڈیا قسم کی کتاب لکھ کر برصغیر کے متلاشیان علم کو کتب حدیث و محدثین سے روشناس کروایا۔ عجلہ نافعہ جیسی اصول حدیث کی کتاب لکھ کر اصولی راہنمائی کی آپ کے نواسے شاہ محمد اسحاق رحمہ اللہ نے مسند حدیث پر متمکن ہو کر محدثین کی یاد تازہ کی اور ان کے جانشین شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تدریس حدیث کو چار چاند لگائے۔ آپ کی تدریس حدیث کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیلا۔ اور حدیث نبوی

سے اس قدر وابستگی بڑھی کہ اب اقوال آئمہ کی برتری ختم ہو گئی اور ان کی جگہ احادیث نبوی مقدم ٹھہریں۔ بقول سید سلیمان ندوی ”مدت کا رنگ طبیعتوں سے دور ہوا اور یہ جو خیال ہو گیا تھا کہ اب تحقیق کا دروازہ بند اور نئے اجتہاد کا راستہ مسدود ہو چکا ہے، رفع ہو گیا اور لوگ از سر نو تحقیق و کاوش کے عادی ہونے لگے۔ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے دلائل کی نحو پیدا ہوئی اور قیل و قال کے مکر گر ٹھہریں کی بجائے ہدایت کے اصلی سرچشمہ مصفا کی طرف واپسی ہوئی“ (۶۳۳)۔

سید نذیر حسین محدث دہلوی کی درس گاہ سے اپنے قلوب و اذہان کو حدیث نبوی سے منور کرنے والے محدثین مثلاً مولانا ابراہیم آروی رحمہ اللہ، مولانا شمس الحق ڈیانوی رحمہ اللہ، حافظ عبداللہ غازی پوری رحمہ اللہ اور مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ جیسے کئی ایک خدام حدیث نے اپنے مقامات پر مسند حدیث بچھائی اور تدریس و تحدیث سے عوام الناس کو خوب فائدہ پہنچایا۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ اور ان کے نواسے شاہ محمد اسحاق کی تدریس حدیث کا فیض مدارس احناف میں بھی پہنچا۔ سلسلہ علمائے فرنگی محلی (لکھنؤ) میں درس حدیث کی باقاعدگی مولانا عبدالرزاق سے ہوئی جو کہ ایک واسطہ سے شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے۔ بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی، شاہ عبدالغنی مجددی کے واسطے سے شاہ محمد اسحاق کے شاگرد ہیں۔ اسی طرح جوئی پور، صادق پور، رام پور اور دیگر مقامات پر مدارس حنفیہ میں تدریس حدیث اسی خاندان کی بدولت جاری ہوئی۔

سید نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگردوں کی بدولت یہاں پر علانیہ رنگ اختیار کرنے والی تحریک عمل بالحدیث کی روز بروز کامیابی نے مدارس احناف میں تدریس حدیث کی مجبوری بڑھادی۔ ان مدارس میں دورہ حدیث کے نام پر کئی ایک کتب حدیث کی صرف ایک سال میں ورق گردانی کو رواج ملا۔ اس دورہ میں بھی مذہبی تعصب کی ختم ریزی کی فکر ہی غالب رہتی ہے۔ بہر حال مجموعی طور پر برصغیر میں تدریس حدیث کا رجحان بڑھتا چلا گیا اور مدارس کے نصاب تعلیم میں لائی جانے والی جدید ترتیبوں میں کتب حدیث کو زیادہ مقام ملتا جا رہا ہے۔

اہل حدیث و احناف کے ہاں تدریس حدیث میں اضافے سے عمل بالحدیث کا رجحان غالب آیا ہے۔ موضوع و ضعیف روایات کی جگہ صحیح و حسن احادیث کی تلاش اور عمل کرنے کی خواہش روز بروز افزوں ہے (اللہم زد فرد)۔



حوالہ جات

- ۱- حاکم، المستدرک (بیروت) ۵۰۲/۳۔
- ۲- الازرقی، ابوالولید، محمد بن عبد اللہ، اخبار مکہ (مطابع الثقافة مکہ المکرمۃ ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء) ۲۶۰/۲۔
- ۳- معرفۃ علوم الحدیث، ص ۱۹۲۔
- ۴- الطبقات الکبریٰ، ۵/۲۸۶۔
- ۵- البخاری، التاريخ الکبیر، ۳/۱۳۳۔
- ۶- راغب الطباخ، تاریخ افکار علوم اسلامی (اسلامک پبلیکیشنز لیمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء) ۲/۳۲۶ بحوالہ رسالہ موجز دلیل الحجاز)۔
- ۷- السنۃ قبل التمددین، ص ۱۶۵۔
- ۸- تاریخ حدیث والحدیثین، ص ۱۲۲۔
- ۹- شاہ ولی اللہ، مصنفی شرح مؤطا امام مالک (طبع دہلی، ۱۲۲۶ھ) ۶/۱۔
- ۱۰- الکھف (۱۸) ۲۸۔
- ۱۰-۱- احمد، المسند، ۳/۱۳۷۔
- ۱۰-۲- کتابی، نظام الحکومت النبویہ، ۱/۲۸ بحوالہ ابوداؤد، السنن، کتاب البیوع، باب کتب العلم۔
- ۱۱- البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۹۵، ص ۲۲۔
- ۱۲- ابوداؤد، السنن، حدیث نمبر ۳۶۵۳، ص ۵۲۳۔
- ۱۳- ایضاً، حدیث نمبر ۳۶۵۳، ص ۵۲۳۔
- ۱۴- الطبقات الکبریٰ، ۵/۱۳۰۔
- ۱۵- ایضاً، ۵/۱۲۶۔
- ۱۶- ایضاً۔
- ۱۷- ایضاً، ۵/۱۸۸۔

- ۱۸- ایضاً۔
- ۱۹- تذکرہ الحفاظ (بیروت) ۶۲/۱۔
- ۲۰- ایضاً، ۱۵۸/۱۔
- ۲۱- الطبقات الکبریٰ، ۲۱۶/۵۔
- ۲۲- العمر فی خبر من غمر، ۱۸۳/۱۔
- ۲۳- تہذیب التہذیب، ۳۹۵/۳۔
- ۲۴- الطبقات الکبریٰ، ۳۸۷/۲۔
- ۲۵- تذکرۃ الحفاظ، ۵۲/۲۔
- ۲۶- ایضاً، ۵۲/۲-۵۳۔
- ۲۷- تذکرۃ الحفاظ، ۲۲/۲۔
- ۲۸- ایضاً، ۲۱۲/۲۔
- ۲۹- ایضاً۔
- ۳۰- ایضاً۔
- ۳۱- نووی، شرح صحیح مسلم (کراچی) ۱۸۵/۱۔
- ۳۲- شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ (مصر) ۱۳۳/۱۔
- ۳۳- ابن تیمیہ، منہاج السنۃ النبویہ (مکتبہ الریاض الحدیثہ الریاض) ۱۳۷/۲۔
- ۳۴- ایضاً، ۱۳۹/۲۔
- ۳۵- کتاب الاسماء والکنی، ۱۷۴/۱۔
- ۳۶- ابن تیمیہ، منہاج السنۃ، ۱۴۲/۲۔
- ۳۷- حافظ عراقی، شرح الفیہ (طبع مصر) ۹۰/۳۔
- ۳۸- ابن حجر، فتح الباری (طبع منیریہ، مصر) ۲۰۷۹/۲ (مقدمہ)۔
- ۳۹- تذکرۃ الحفاظ، ۴۸/۱۔
- ۴۰- ایضاً، ۸۵/۱۔
- ۴۱- الطبقات الکبریٰ، ۲۳۶/۶-۲۵۵۔
- ۴۲- تذکرۃ الحفاظ، ۱۶/۲۔
- ۴۳- ایضاً، ۱۶/۲۔

- ۴۴۔ تہذیب التہذیب، ۶/۳۔
- ۴۵۔ تذکرہ الحفاظ، ۲/۱۷۔
- ۴۶۔ ایضاً، ۲/۶۶۔
- ۴۷۔ ایضاً، ۲/۶۳۔
- ۴۸۔ ایضاً۔
- ۴۹۔ ایضاً، ۲/۷۰۔
- ۵۰۔ ایضاً۔
- ۵۱۔ ایضاً۔
- ۵۲۔ ابن حزم، فضائل اہل اندلس، ص ۵۵۔
- ۵۳۔ فتح الطیب، ۴/۱۵۹۔
- ۵۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۲۸۸۔
- ۵۵۔ الطبقات الکبریٰ، ۷/۱۵۶-۱۵۷۔
- ۵۶۔ ایضاً۔
- ۵۷۔ ایضاً، ۷/۱۵۸-۱۵۹۔
- ۵۸۔ الطبقات الکبریٰ، ۷/۱۵۸۔
- ۵۹۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۶۲۔
- ۶۰۔ سیر اعلام النبلاء، ۴/۶۱۰-۶۱۱۔
- ۶۱۔ ایضاً، ۴/۶۱۳۔
- ۶۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۹۸۔
- ۶۳۔ ایضاً، ۱/۹۹۔
- ۶۴۔ المحدث الفاصل بین الراوی والوای، ص ۲۳۶۔
- ۶۵۔ الطبقات الکبریٰ، ۷/۲۶۲۔
- ۶۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۱۱۸۔
- ۶۷۔ ایضاً، ۱/۹۳۔
- ۶۸۔ الطبقات الکبریٰ، ۷/۲۳۰۔
- ۶۹۔ معرفۃ علوم الحدیث، ص ۱۹۲۔

- ۷۰۔ تاریخ دمشق، ۱/۳۱۴۔
- ۷۱۔ منہاج السنۃ النبویہ، ۳/۱۳۲۔
- ۷۲۔ تاریخ دمشق، ۱/۳۲۸۔
- ۷۳۔ ڈاکٹر محمد بن عروذ، مدرسۃ الحدیث فی بلاد الشام (دار البشائر الاسلامیہ بیروت، ۲۰۰۰ء) ص ۲۲۳-۲۲۲۔
- ۷۴۔ ایضاً، ص ۳۸۵۔
- ۷۵۔ الطبقات الکبریٰ، ۷/۳۶۱۔
- ۷۶۔ تذکرۃ الحفاظ (بیروت) ۲/۵۰۔
- ۷۷۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۵۱۷۔
- ۷۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۳۰۔
- ۷۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۱/۳۲۶۔
- ۸۰۔ ایضاً، ۲/۳۰۔
- ۸۱۔ کتاب الثقات، ص ۲۱۵۔
- ۸۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانی، الرحمة الفقیہ فی ترجمۃ اللیثیہ (طبع منیریہ مصر ۱۳۰۱ھ) ص ۶۔
- ۸۳۔ الطبقات الکبریٰ، ۷/۵۱۳۔
- ۸۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۲۲۶۔
- ۸۵۔ تہذیب التہذیب، ۸/۳۵۹۔
- ۸۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/۲۲۷۔
- ۸۷۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۲/۵۸۷۔
- ۸۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/۱۹۳۔
- ۹۰۔ ایضاً، ۲/۸۳۔
- ۹۰۔ ۱۔ بھٹی، محمد اسحاق، برصغیر میں اہل حدیث کی آمد (مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۰۲ء) ص ۲۲۱۔
- ۹۰۔ ۲۔ ابن حبان، مشاہیر علماء امصار (دار الکتب العلمیہ بیروت) ص ۱۲۵۔
- ۹۰۔ ۳۔ البخاری، التاریخ الکبیر، ۲/۳۸۶۔
- ۹۱۔ احمد امین، ظہر الاسلام (دار الکتب العربی، بیروت، الطبعة الخامسة، ۱۹۶۹ء) ۳/۱۳۸۔
- ۹۲۔ حسن ابراہیم، تاریخ الاسلام، ۳/۳۳۸۔
- ۹۳۔ ابن الفرغی، تاریخ علماء الاندلس، ۲/۱۲؛ مقدمہ ابن خلدون، ص ۴۴۱۔

- ۹۴۔ التذکرۃ، ۱/۱۷۶۔
- ۹۵۔ تاریخ علماء الاندلس، ۱/۱۲۲۔
- ۹۶۔ البدلیۃ والنہایۃ، ۱۰/۲۵۹۔
- ۹۷۔ ابن القوطیہ، تاریخ فتح الاندلس، ص ۲۵۔
- ۹۸۔ تاریخ علماء الاندلس، ۱/۲۹۰۔
- ۹۹۔ ابن فرحون، الدیباچ المذہب، ص ۲۳۸، مزید ملاحظہ ہو؛ احسان عباس، تاریخ الادب الاندلس، ص ۲۸۔
- ۱۰۰۔ التذکرۃ، ۱/۳۷-۶۳۔
- ۱۰۱۔ ایضاً۔
- ۱۰۲۔ ابن وضاح، کتاب البدع والنہی عنہا (المقدمۃ)۔
- ۱۰۳۔ الدیباچ المذہب، ۲۳۹، با مخلوق محمد، شجرۃ النور التزکیہ فی طبقات المالکیہ، ص ۷۶۔
- ۱۰۴۔ تاریخ علماء الاندلس، ۱/۱۰۷۔
- ۱۰۵۔ حسین مونس، شیوخ العصر فی الاندلس، ص ۳۶۔
- ۱۰۶۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۳/۲۹۲-۲۹۳۔
- ۱۰۷۔ التذکرۃ، ۲/۶۳۰۔
- ۱۰۸۔ ایضاً۔
- ۱۰۹۔ ایضاً۔
- ۱۱۰۔ ایضاً۔
- ۱۱۱۔ ایضاً۔
- ۱۱۲۔ ایضاً۔
- ۱۱۳۔ ایضاً۔
- ۱۱۴۔ الرسالة المستطرفة، ص ۷۴-۷۵۔
- ۱۱۵۔ التذکرۃ، ۲/۶۳۸۔
- ۱۱۶۔ ایضاً، ۳/۸۱۵۔
- ۱۱۷۔ ایضاً۔
- ۱۱۸۔ ایضاً، ۲/۸۰۲۔
- ۱۱۹۔ احمد المقرئ، تلخ الطیب، ۶/۱۶۰-۱۶۱۔

- ۱۲۰۔ ایضاً، ص ۱۶۱۔
- ۱۲۱۔ ایضاً، ص ۱۱۸۔
- ۱۲۲۔ ایضاً۔
- ۱۲۳۔ ایضاً۔
- ۱۲۴۔ ایضاً، ۱۲۰؛ تذکرہ، ۸۵۴/۳۔
- ۱۲۵۔ فتح الطیب، ۱۲۰/۶۔
- ۱۲۶۔ تاریخ علماء الاندلس، ۱/۲۹۷؛ الذکرہ، ۸۵۴/۳؛ ظہر الاسلام، ۵۱/۳۔
- ۱۲۷۔ الذکرہ، ۸۵۶/۳۔
- ۱۲۸۔ فتح الطیب، ۱۲۱/۶۔
- ۱۲۹۔ ظہر الاسلام، ۵۱/۳۔
- ۱۳۰۔ الذکرہ، ۸۷۰/۳۔
- ۱۳۱۔ ایضاً، ۸۹۰/۳۔
- ۱۳۲۔ ایضاً، ۹۱۹؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۸/۱۶۔
- ۱۳۳۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۱۶؛ الذکرہ، ۹۱۹/۳؛ تاریخ علماء الاندلس، ۱۱۳/۱۔
- ۱۳۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۰۵/۱۶۔
- ۱۳۵۔ ایضاً۔
- ۱۳۶۔ ایضاً، تاریخ علماء الاندلس، ۴۹/۱۔
- ۱۳۷۔ الذکرہ، ۱۰۰۷/۳۔
- ۱۳۸۔ ایضاً، ص ۱۰۰۸۔
- ۱۳۹۔ ایضاً، ص ۱۰۰۷؛ فتح الطیب، ۲۴۷/۷۔
- ۱۴۰۔ الذکرہ، ۱۰۰۸/۳۔
- ۱۴۱۔ ایضاً، ۱۰۲۵/۳۔
- ۱۴۲۔ ایضاً۔
- ۱۴۳۔ ایضاً، ص ۱۰۵۸۔
- ۱۴۴۔ ایضاً۔
- ۱۴۵۔ ایضاً، ص ۲۰۵۹۔

- ۱۳۶- ایضاً۔
- ۱۳۷- ایضاً، ص ۱۰۹۱۔
- ۱۳۸- ایضاً۔
- ۱۳۹- ایضاً۔
- ۱۵۰- ایضاً، ص ۱۰۹۲۔
- ۱۵۱- ایضاً۔
- ۱۵۲- ایضاً، ص ۱۰۹۸۔
- ۱۵۳- ایضاً، ۱۰۹۸-۱۰۹۹۔
- ۱۵۴- ابن بشکوال، الصلۃ، ۳۴/۱۔
- ۱۵۵- التذکرہ، ۳/۱۰۹۹۔
- ۱۵۶- سیر اعلام النبلاء، ۱۷/۵۶۹-۵۷۰۔
- ۱۵۷- ابوالحسن، تاریخ قضاۃ الاندلس، ۹۵-۹۶۔
- ۱۵۸- حسین مونس، شیوخ العصر، ۸۲۔
- ۱۵۹- التذکرہ، ۳/۱۱۲۰۔
- ۱۶۰- ایضاً، ص ۱۲۱۱۔
- ۱۶۱- ایضاً۔
- ۱۶۲- ایضاً، ۳/۱۱۳۶۔
- ۱۶۳- مصطفیٰ احمد زرقاء، مقدمہ معجم فقہ ابن حزم، ۱۳/۱۔
- ۱۶۴- التذکرہ، ۳/۱۱۳۷۔
- ۱۶۵- ایضاً۔
- ۱۶۶- الحمیدی، جذوۃ المکتبیس فی ذکر دولة الاندلس، ۲۱۹؛ ابن حجر، لسان المیزان، ۴/۲۳۰۔
- ۱۶۷- معجم فقہ ابن حزم، ۱۳/۱۔
- ۱۶۸- لسان المیزان، ۴/۲۳۲۔
- ۱۶۹- ایضاً، ص ۲۳۳۔
- ۱۷۰- سیر اعلام النبلاء، ۱۸/۱۵۵۔
- ۱۷۱- ایضاً۔

- ۱۷۲- جذوة المقتبس، ص ۳۶۷؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۸/۱۶۵۔
- ۱۷۳- الصلة، ۲/۶۷۷-۶۷۸؛ وفيات الاعيان، ۷/۶۶۔
- ۱۷۴- التذكرة، ۳/۱۱۲۹-۱۱۳۰؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۸/۱۵۶۔
- ۱۷۵- سیر اعلام النبلاء، ۱۸/۱۵۷۔
- ۱۷۶- ایضاً، ۱۵۷-۱۵۸؛ وفيات الاعيان، ۷/۶۷؛ الصلة، ۳/۶۷۸۔
- ۱۷۷- وفيات الاعيان، ۷/۶۸؛ الصلة، ۲/۶۷۸؛ بغیة الملتبس، ص ۴۹۰؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۸/۱۵۸۔
- ۱۷۸- تاریخ الحديث والمحدثین، ۲۵۱۔
- ۱۷۹- كشف الظنون، ۲/۱۹۰۷۔
- ۱۸۰- سیر اعلام النبلاء، ۱۸/۱۵۸۔
- ۱۸۱- مطبوع علی حاشیة: الاصابه (دار احیاء التراث العربی، بیروت)۔
- ۱۸۲- وفيات الاعيان، ۷/۶۷۔
- ۱۸۳- ایضاً۔
- ۱۸۴- سیر اعلام النبلاء، ۱۸/۱۵۹۔
- ۱۸۵- وفيات الاعيان، ۲/۴۰۸۔
- ۱۸۶- ایضاً، ۲/۴۰۸-۴۰۹، دیکھئے تاریخ قضاة الاندلس، ص ۹۵۔
- ۱۸۷- السیوطی، طبقات الحفاظ، ۴۲۷۔
- ۱۸۸- التذکرہ، ۳/۱۱۷۹۔
- ۱۸۹- ایضاً۔
- ۱۹۰- التعديل والتجريح، ۱/۲۸ (المقدمة)۔
- ۱۹۱- التذکرہ، ۳/۱۱۸۰۔
- ۱۹۲- ترتيب المدارک، ۴/۸۰۳۔
- ۱۹۳- فتح الطیب، ۶/۱۷۴۔
- ۱۹۴- ایضاً، ص ۱۷۵۔
- ۱۹۵- التذکرہ، ۳/۱۱۸۰، ترتيب المدارک، ۴/۸۰۳۔
- ۱۹۶- مطبوع دار اللواء، الرياض، ۱۹۸۶ء۔
- ۱۹۷- سیر اعلام النبلاء، ۱۸/۵۳۸ (حواشی کے ساتھ)۔

- ۱۹۸۔ ایضاً۔
- ۱۹۹۔ التذکرہ، ۳/۱۱۲۶۔
- ۲۰۰۔ ایضاً، ص ۱۱۳۹۔
- ۲۰۱۔ ایضاً، ۳/۱۲۱۸۔
- ۲۰۲۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۱۲۱۔
- ۲۰۳۔ التذکرہ، ۴/۱۲۱۸؛ فتح الطیب، ۶/۳۰۰۔
- ۲۰۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۱۲۲۔
- ۲۰۵۔ وفيات الاعیان، ۴/۲۸۲۔
- ۲۰۶۔ التذکرہ، ۴/۱۲۱۹۔
- ۲۰۷۔ ایضاً، سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۱۲۳۔
- ۲۰۸۔ التذکرہ، ۴/۱۲۱۹، سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۱۲۲۔
- ۲۰۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۱۲۷؛ التذکرہ، ۴/۱۲۲۲؛ وفيات الاعیان، ۴/۲۸۳۔
- ۲۱۰۔ التذکرہ، ۴/۱۲۲۲؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۱۲۷۔
- ۲۱۱۔ فتح الطیب، ۶/۳۰۱۔
- ۲۱۲۔ سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۱۲۵۔
- ۲۱۳۔ ایضاً، ۱۹/۱۳۸-۱۳۹۔
- ۲۱۴۔ ایضاً، ۱۹/۱۳۹۔
- ۲۱۵۔ ایضاً، ۱۹/۱۵۰۔
- ۲۱۶۔ ابن الآبار، محمد بن عبد اللہ بن ابی بکر القضاہی، المعجم اصحاب ابی علی الصدفی، ص ۷۹-۸۰۔
- ۲۱۷۔ القاضي عیاض، الالماع (مقدمہ)۔
- ۲۱۸۔ الصلۃ، ۱/۱۳۱-۱۳۳۔
- ۲۱۹۔ التذکرہ، ۴/۱۲۳۳-۱۲۳۴۔
- ۲۲۰۔ ایضاً، ص ۱۲۳۴۔
- ۲۲۱۔ ابن عطیہ، فہرستہ، ص ۷۸۔
- ۲۲۲۔ الصلۃ، ۱/۱۳۳۔
- ۲۲۳۔ ایضاً۔

- ۲۲۲- الرسالة المسطرة، ص ۱۱۸؛ الکتانی، فہرس الفہارس، ۲/۲۵۳؛ سیر۔۔، ۱۹/۱۵۰؛ ابن خیر، فہرست، ص ۲۲۰۔
- ۲۲۵- لسان المیزان، ۳/۳۳۵۔
- ۲۲۶- ابن خیر، فہرست، ص ۲۲۱۔
- ۲۲۷- ایضاً، ص ۳۲۵۔
- ۲۲۸- التذکرۃ، ۴/۱۲۵۳۔
- ۲۲۹- المعجم فی اصحاب القاضی ابی علی الصدقی، ص ۷۹-۸۰۔
- ۲۳۰- سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۳۷۷۔
- ۲۳۱- فتح الطیب، ۶/۲۳۷۔
- ۲۳۲- ایضاً، ۶/۲۳۹؛ سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۳۷۸۔
- ۲۳۳- فہرس الفہارس، ۲/۱۱۱۔
- ۲۳۴- ایضاً۔
- ۲۳۵- ایضاً، ص ۱۱۲۔
- ۲۳۶- الصلۃ، ۱/۱۳۵؛ سیر اعلام، ۱۹/۳۷۷۔
- ۲۳۷- ابن خیر، فہرست، ص ۱۰۰۔
- ۲۳۸- سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۳۷۷۔
- ۲۳۹- التحدیل والتجریح، ۱/۸۳۔
- ۲۴۰- المعجم فی اصحاب الصدقی (مقدمہ)؛ التحدیل والتجریح، ۱/۸۳۔
- ۲۴۱- شیوخ العصر، ص ۹۳۔
- ۲۴۲- التذکرۃ، ۴/۱۲۵۵۔
- ۲۴۳- ایضاً۔
- ۲۴۴- ایضاً، ص ۱۲۶۹۔
- ۲۴۵- ایضاً۔
- ۲۴۶- الصلۃ، ۲/۴۵۸، دیکھئے سیر اعلام، ۱۹/۵۸۷۔
- ۲۴۷- التذکرۃ، ۴/۱۲۷۲۔
- ۲۴۸- ایضاً، ص ۱۲۹۳۔

- ۲۴۹۔ ایضاً۔
- ۲۵۰۔ ایضاً، ۱۲۹۹، تاریخ قضاة الاندلس، ۱۰۵؛ وفيات الاعيان، ۲/۲۹۶۔
- ۲۵۱۔ وفيات الاعيان، ۶/۲۹۶۔
- ۲۵۲۔ فہرس الفہارس، ۲/۲۲۹؛ الصلۃ، ۲/۴۹۰؛ شیوخ العصر، ص ۸۷۔
- ۲۵۳۔ فہرس الفہارس، ۲/۲۲۹۔
- ۲۵۴۔ تاریخ قضاة الاندلس، ۱۰۶۔
- ۲۵۵۔ سیر اعلام النبلاء، ۲۰/۲۰۱۔
- ۲۵۶۔ ایضاً، ص ۱۱۹۔
- ۲۵۷۔ بیروت سے شائع شدہ۔
- ۲۵۸۔ التذکرۃ، ۴/۱۳۰۴-۱۳۰۵۔
- ۲۵۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۲۰/۲۱۴۔
- ۲۶۰۔ وفيات الاعيان، ۳/۴۸۳۔
- ۲۶۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۲۰/۲۱۴؛ الصلۃ، ۲/۴۵۳۔
- ۲۶۲۔ سیر اعلام النبلاء، ۲۰/۲۱۴۔
- ۲۶۳۔ فہرس الفہارس، ۲/۱۸۴۔
- ۲۶۴۔ ایضاً۔
- ۲۶۵۔ تاریخ قضاة الاندلس، ص ۱۰۱۔
- ۲۶۶۔ التذکرۃ، ۴/۱۳۰۵۔
- ۲۶۷۔ یہ کتاب ۱۹۸۳ء میں مراکش سے شائع ہوئی ہے۔ مزید دیکھئے: وفيات الاعيان، ۳/۴۸۳۔
- ۲۶۸۔ فہرس الفہارس، ۲/۱۸۶۔
- ۲۶۹۔ ایضاً۔
- ۲۷۰۔ ایضاً۔
- ۲۷۱۔ سیر اعلام النبلاء، ۲۲/۲۱۵۔
- ۲۷۲۔ ایضاً، ۲۱/۸۰۶۔
- ۲۷۳۔ ایضاً، الصلۃ، ۱/۵۲۴۔
- ۲۷۴۔ مطبوع مکتبہ المثنیٰ بغداد، ۱۹۶۳ء۔
- ۲۷۵۔ التذکرۃ، ۴/۱۳۵۰۔

- ۲۷۶۔ ایضاً۔
- ۲۷۷۔ سیر اعلام النبلاء، ۲۱/۱۹۹۔
- ۲۷۸۔ ایضاً۔
- ۲۷۹۔ ایضاً، ص ۱۳۹۔
- ۲۸۰۔ ایضاً، ص ۱۴۰۔
- ۲۸۱۔ التذکرۃ، ۴/۱۳۴۰۔
- ۲۸۲۔ ایضاً، ۴/۱۳۳۹۔
- ۲۸۳۔ ایضاً، ۴/۱۳۵۵۔
- ۲۸۴۔ ایضاً، ص ۱۳۵۵-۱۳۵۶۔
- ۲۸۵۔ آئی، ایچ برنی، مسلم پین (اردو)، ص ۳۰۳۔
- ۲۸۶۔ الطبری، جامع البیان، تفسیر سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۳۸۔
- ۲۸۷۔ ڈاکٹر زبید احمد صدیقی، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۸۷ء) ص ۳۱۔
- ۲۸۸۔ قاضی محمد اسلم سیف، تحریک اہل حدیث، تاریخ کے آئینے میں، ص ۱۲۷۔
- ۲۸۹۔ نسائی، السنن، حدیث نمبر ۳۱۷۳، ص ۱۳۸۔
- ۲۹۰۔ بلاذری، احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان (القاہرہ) ص ۸۴۔
- ۲۹۱۔ ندوی، سید سلیمان، عربوں کی جہاز بانی (اسلامک کلچر حیدر آباد، دکن) ص ۵۲-۵۳۔
- ۲۹۲۔ بزرگ بن شہر یار ناخدا، رام ہرمزی، کتاب عجائب الہند (طبع ۱۸۸۲ء)۔
- ۲۹۳۔ غازی، محمود احمد، محاضرات حدیث (الفیصل ناشران کتب لاہور، ۲۰۰۴ء) ص ۴۱۳۔
- ۲۹۴۔ علم حدیث میں برصغیر پاک و ہند کا حصہ، ص ۱۷۔
- ۲۹۵۔ ایضاً، ص ۲۷۔
- ۲۹۶۔ ایضاً، ص ۳۴۔
- ۲۹۷۔ مرزا قلیچ بیگ، چیچ نامہ (مترجم انگلش، فریدوں بیک کراچی) ص ۷۸۔
- ۲۹۸۔ فریوائی، عبدالرحمن بن عبد الجبار، جهود مخلصہ فی خدمۃ السنۃ المطہرۃ (الجامعۃ السلفیہ بنارس ہند، ۱۴۰۶ھ) ص ۳۔
- ۲۹۹۔ ایضاً، ص ۲۱-۲۲ بحوالہ احسن التقاسیم۔
- ۳۰۰۔ عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر (دائرۃ المعارف، حیدر آباد، بھارت) ۱/۳۵۔
- ۳۰۱۔ جهود المخلصہ، ص ۱۴۔

- ۳۰۲۔ ایضاً، ص ۱۸۔
- ۳۰۳۔ ایضاً، ص ۲۲۔
- ۳۰۴۔ مبارکپوری، قاضی محمد اطہر، رجال السند والہند (المطبعة الحجازیہ ممبئی، ۱۹۵۸ء) ص ۳۰۔
- ۳۰۵۔ عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر (کارخانہ تجارت کتب کراچی) ۳۵/۱؛ رجال السند والہند، ص ۲۵۵۔
- ۳۰۶۔ رجال السند والہند، ص ۲۱۷-۲۱۸۔
- ۳۰۷۔ ایضاً، ص ۲۳۶-۲۳۷۔
- ۳۰۸۔ ایضاً، ص ۲۳ تا ۲۴۔
- ۳۰۹۔ ایضاً، ص ۱۶۷۔
- ۳۱۰۔ ایضاً، ص ۲۰۲، ۲۰۳-۲۰۵۔
- ۳۱۱۔ ایضاً، ص ۵۶-۵۸۔
- ۳۱۲۔ ایضاً، ص ۳۳۔
- ۳۱۳۔ ایضاً، ص ۸۹۔
- ۳۱۴۔ ایضاً، ص ۳۳۔
- ۳۱۵۔ ایضاً، ص ۱۵۳۔
- ۳۱۶۔ شاہ ولی اللہ، الانصاف، ص ۷۷۔
- ۳۱۷۔ جہود مخلصہ، ص ۳۶-۳۷، بحوالہ الثقافہ الاسلامیہ فی الہند، ص ۱۳۵۔
- ۳۱۸۔ فقہائے ہند (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۶ء) ۲۲۳/۱، بحوالہ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی۔
- ۳۱۹۔ ندوی، سید سلیمان، مقالات سید سلیمان ندوی، ۶/۲-۳۰، ۷۔
- ۳۲۰۔ ایضاً، ۲/۳۷۔
- ۳۲۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اعظمی، تاریخ کشمیر، ص ۱۱۹۔
- ۳۲۲۔ رحمان علی (تذکرہ علمائے ہند) کا بیان ہے کہ عبدالرحمن ہندی محدث تھے۔ درست نہیں ہے۔ زبدۃ المقاصد، ۹۲ الف۔
- ۳۲۳۔ معارف، ج ۲۲، ش ۴، ص ۳۳۴-۳۳۵۔
- ۳۲۴۔ ایضاً۔
- ۳۲۵۔ علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ (مترجم)، ص ۱۶۵۔
- ۳۲۶۔ ایضاً، ص ۱۷۱۔
- ۳۲۷۔ محدث، دہلوی، اخبار الاخیار، ص ۳۰۰۔

- ۳۲۸۔ ایضاً، ص ۳۰۰۔
- ۳۲۹۔ ایضاً، ص ۳۰۱؛ نظامی، خلیق احمد، حیات شیخ عبدالحق محدث، ص ۷۷۔
- ۳۳۰۔ حیات شیخ عبدالحق، محدث، ص ۷۹۔
- ۳۳۱۔ مدارج النبوت (مقدمہ)، عبدالمصطفیٰ محمد اشرف (مترجم)، (مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار لاہور) ص ۶۔
- ۳۳۲۔ ایضاً، ص ۷۔
- ۳۳۳۔ رائل جنرل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۹۱۶ء، ۲۲/۲۳-۶۰۔
- ۳۳۴۔ ایضاً، ص ۴۷، نمبر ۱۱/فہرست مصنفین دہلی، ص ۳ وما بعد؛ فہرست بانگی پور، ۱۴/۳۶-۴۷۔
- ۳۳۵۔ مخطوطات بانگی پور، ۱۴/۱۱۹۳-۹۴؛ آصفیہ: ۸۳/۱، فہرست، نمبر ۲۶۵۴ ریویو فہرست، ۱۵/۱۴، ۱۔
- ۳۳۶۔ محدث دہلوی شیخ عبدالحق، اشعۃ اللمعات (مطبع نول کشور لکھنؤ) ج ۱، فہرست بانگی پور، ۱۴/۵۲-۵۳۔
- ۳۳۷۔ فہرست مصنفین دہلی (پنجاب یونیورسٹی لاہور) ص ۳ وما بعد۔
- ۳۳۸۔ رائل جنرل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ص ۴۔
- ۳۳۹۔ فہرست بانگی پور (پنجاب یونیورسٹی لاہور) ۱۲/۶۹-۷۰۔
- ۳۴۰۔ محدث دہلوی، شیخ عبدالحق، فہرست التالیف۔
- ۳۴۱۔ برائے مخطوطات بانگی پور، ج: ۵ (۲۰۴) رامپور، ۱، نمبر ۲۰، ۳۱۸۔
- ۳۴۲۔ رائل جنرل آف ایشیاٹک سوسائٹی، نمبر ۲۲۔
- ۳۴۳۔ ایضاً، نمبر ۲۱۔
- ۳۴۴۔ ایضاً، نمبر ۷۔
- ۳۴۵۔ انڈیا آفس لائبریری، نمبر ۲۶۵۸۔
- ۳۴۶۔ مدارج النبوت (مقدمہ)، ص ۷۔
- ۳۴۷۔ تذکرۃ علمائے ہند، ص ۵۴۲۔
- ۳۴۸۔ شاہ ولی اللہ، الجزء اللطیف مع انفس العارفين (حاشیہ، مطبع احمدی دہلی) ص ۱۹۳۔
- ۳۴۹۔ ایضاً، ص ۲۰۴۔
- ۳۵۰۔ فقہائے ہند، ۵/۳۲۰۔
- ۳۵۱۔ الجزء اللطیف (حاشیہ) ص ۱۹۵۔
- ۳۵۲۔ دہلوی، رحیم بخش، حیات ولی، ص ۲۳۰۔
- ۳۵۳۔ تحریک احیائے دین اور امام راشد، ص ۲۶، فقہائے ہند، ۵/۳۳۶۔
- ۳۵۴۔ ناز، ڈاکٹر ایم ایس، شاہ ولی اللہ اور علم حدیث (مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۳ء) ص ۱۱۳۔

- ۳۵۵۔ عبد الرشید عراقی، تذکرۃ النبلاء (بیت الحکمت لاہور ۲۰۰۴ء) ص ۳۵۔
- ۳۵۶۔ قاضی محمد اسلم سیف، تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں، ص ۲۲۷۔
- ۳۵۷۔ ایضاً، ص ۲۲۸۔
- ۳۵۸۔ ایضاً، ص ۲۲۸۔
- ۳۵۹۔ ایضاً، ص ۲۲۹۔
- ۳۶۰۔ ایضاً۔
- ۳۶۱۔ بہاری، فضل حسین، الحیات بعد الممات (مکتبہ شعیب، حدیث منزل کراچی نمبر ۱) ص ۳۸۔
- ۳۶۲۔ تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینے میں، ص ۲۳۵۔
- ۳۶۳۔ ایضاً، ص ۲۳۶۔
- ۳۶۴۔ ایضاً، ص ۲۳۷۔
- ۳۶۵۔ جہود مخلصہ، ص ۲۳۵۔
- ۳۶۶۔ ایضاً، ص ۲۳۵۔
- ۳۶۷۔ ایضاً، ص ۲۳۶۔
- ۳۶۸۔ ایضاً، ص ۲۳۷۔
- ۳۶۹۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۳۱۹۔
- ۳۷۰۔ ایضاً، ص ۳۲۰۔
- ۳۷۱۔ ایضاً، ص ۳۲۱-۳۲۲۔
- ۳۷۲۔ نواب صدیق حسن خان، ابقاء العنن بالقاء المحن (خودنوشت سوانح حیات)، تسہیل مولانا محمد خالد سیف (دارالدعوة السلفیہ، شیش محل روڈ لاہور) ص ۷۵۔
- ۳۷۳۔ ایضاً، ص ۳۲۱-۳۲۲۔
- ۳۷۴۔ ایضاً، ص ۳۶۱-۳۶۳۔
- ۳۷۵۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۳۲۳۔
- ۳۷۶۔ نزہۃ الخواطر، ۳/۸۔
- ۳۷۷۔ ایضاً، ۳/۸۔
- ۳۷۸۔ ایضاً۔
- ۳۷۹۔ الفلاح، محمد عبدہ مفتی، تحریک اہل حدیث کے چند اوراق، ۱/۶۰؛ نزہۃ الخواطر، ۳/۸۔
- ۳۸۰۔ سلفی، عبد القیوم، تحریک اہل حدیث خدمات کارنامے، ص ۱۱۔

- ۳۸۱۔ نزہۃ الخواطر، ۳/۸۔
- ۳۸۲۔ ایضاً، ۳/۸۔
- ۳۸۳۔ علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ، ص ۲۰۲۔
- ۳۸۴۔ ایضاً، ص ۲۰۲۔
- ۳۸۵۔ حافظ محمد ابراہیم سیالکوٹی، تاریخ اہلحدیث، ص ۴۱۷۔
- ۳۸۶۔ تھائیسری، محمد جعفر، حیات احمد شہید (نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۸ء) ص ۳۸۳۔
- ۳۸۷۔ ایضاً، ص ۳۸۳۔
- ۳۸۸۔ بہاری، الحیاء بعد الممات، ص ۵۵۷-۵۶۰۔
- ۳۸۹۔ سید نذیر حسین محدث، معیار الحق، مقدمہ، عبدالرزاق، مولانا آزاد کی کہانی خود اس کی زبانی، ص ۳۶۶۔
- ۳۹۰۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۲۹۷۔
- ۳۹۱۔ علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ، ص ۲۰۲۔
- ۳۹۲۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا (شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی)، ص ۹۰۱۔
- ۳۹۳۔ مقصود ایاز، شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا (شعاع ادب لاہور)، ص ۳۰۶۔
- ۳۹۴۔ بجنوری، سید احمد رضا، مقدمہ انوار الباری (مکتبہ ناشر العلوم دیوبند، یو۔ پی بھارت) ۲/۲۳۰۔
- ۳۹۵۔ ارشد، عبدالرشید، بیس بڑے مسلمان (شاہ عالم مارکیٹ لاہور) ص ۱۵۰۔
- ۳۹۶۔ مقدمہ انوار الباری، ۲/۲۳۱؛ شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا، ص ۳۰۶۔
- ۳۹۷۔ انوار الباری، ۲/۲۳۱۔
- ۳۹۸۔ بیس بڑے مسلمان، ص ۲۲۵۔
- ۳۹۹۔ مقدمہ انوار الباری، ۲/۲۳۱۔
- ۴۰۰۔ ایضاً۔
- ۴۰۱۔ بیس بڑے مسلمان، ص ۲۳۵۔
- ۴۰۲۔ مقدمہ انوار الباری، ۲/۲۳۱۔
- ۴۰۳۔ ایضاً۔
- ۴۰۴۔ بیس بڑے مسلمان، ص ۲۲۰۔
- ۴۰۵۔ الحیاء بعد الممات، ص ۶۸۸۔
- ۴۰۶۔ اثری، ارشاد الحق، پاک و ہند میں علمائے اہلحدیث کی خدمات حدیث (فیصل آباد، ۱۹۹۰ء) ص ۱۱۶۔
- ۴۰۷۔ ایضاً، ص ۱۱۶۔

- ۴۰۸۔ الفلاح، تحریک الحمدیث کے چند اوراق، ص ۶۲۔
- ۴۰۹۔ مقدمہ انوار الباری، ۲/۲۳۲۔
- ۴۱۰۔ لکھنوی، نزہۃ الخواطر، ۸/۱۷۹۔
- ۴۱۱۔ انوار الباری، ۲/۲۳۲۔
- ۴۱۲۔ تحریک الحمدیث کے چند اوراق، ص ۶۲۔
- ۴۱۳۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۱۸۰۔
- ۴۱۴۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۲۳۳۔
- ۴۱۵۔ نوشہروی، ابونحی امام خاں، تراجم علمائے حدیث سند (جامعہ سلفیہ، فیصل آباد) ص ۳۲۲۔
- ۴۱۶۔ ایضاً، ص ۳۲۲۔
- ۴۱۷۔ تذکرۃ النبلاء، ص ۳۳۱۔
- ۴۱۸۔ ایضاً، ص ۳۳۲۔
- ۴۱۹۔ ایضاً، ص ۱۳۰-۱۳۱۔
- ۴۲۰۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۲۱۸۔
- ۴۲۱۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۱۳۱۔
- ۴۲۲۔ ایضاً۔
- ۴۲۳۔ راہی، اختر، تذکرۃ علماء پنجاب (مکتبہ رحمانیہ لاہور ۱۹۸۰ء)، ۱/۳۸۵۔
- ۴۲۴۔ عراقی، برصغیر پاک و ہند میں علمائے الحمدیث کے علمی کارنامے، ص ۳۵-۳۶؛ تحریک الحمدیث کے چند اوراق، ص ۵۷-۵۹۔
- ۴۲۵۔ اثری، پاک و ہند میں علماء الحمدیث کی خدمات حدیث، ص ۱۲۵۔
- ۴۲۶۔ گھرجا کھی، خالد، سوانح حیات فضل الہی (جمعیت المجاہدین پاکستان، گوجرانوالہ ۱۹۳۲ء) ص ۶۱۔
- ۴۲۷۔ ایضاً، ص ۷۷۔
- ۴۲۸۔ ایضاً، ص ۷۸-۷۹۔
- ۴۲۹۔ ایضاً، ص ۷۷-۷۸۔
- ۴۳۰۔ ایضاً، ص ۷۸۔
- ۴۳۱۔ عبدالغفار حسن، عظمت حدیث (دارالعلم آب پارہ، اسلام آباد) ص ۱۲۔
- ۴۳۲۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۷۹۔
- ۴۳۳۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ص ۱۶۰۔

- ۲۳۲۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۷۹۔
- ۲۳۵۔ عظمت حدیث، ص ۱۲۔
- ۲۳۶۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۲۵۶۔
- ۲۳۷۔ الحیاۃ بعد الحماۃ، ص ۶۷۱۔
- ۲۳۸۔ ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، ص ۴۴۔
- ۲۳۹۔ عبدالعزیز رحیم آبادی، حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان (اہل حدیث اکادمی، لاہور) ص ل (مقدمہ)۔
- ۲۴۰۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۲۵۶؛ حسن البیان، ص ل (مقدمہ)۔
- ۲۴۱۔ تذکرۃ النبلاء و تراجم العلماء، ص ۲۴۳؛ مقصود ایاز، شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا، ص ۵۰۸۔
- ۲۴۲۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۱۱۱؛ نزہۃ الخواطر، ۸/۲۸۷؛ ندوی، یاد رفتگان (دارالاشاعت کراچی) ص ۴۰۔
- ۲۴۳۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۲۴۳۔
- ۲۴۴۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۱۱۱۔
- ۲۴۵۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۲۴۴-۲۴۵۔
- ۲۴۶۔ تحریک الحدیث کے چند اوراق، ص ۶۱۔
- ۲۴۷۔ چشتی، عبدالخلیم، حیات وحید الزمان، ص ۱۵۔
- ۲۴۸۔ ایضاً، ص ۱۵۔
- ۲۴۹۔ ایضاً، ص ۱۶۔
- ۲۵۰۔ ایضاً، ص ۲۲۔
- ۲۵۱۔ ایضاً، ص ۲۳۔
- ۲۵۲۔ ایضاً، ص ۲۵۔
- ۲۵۳۔ ایضاً، ص ۲۵۔
- ۲۵۴۔ پاک و ہند میں علماء الحدیث کی علمی خدمات حدیث، ص ۹۸-۱۰۰؛ حیات وحید الزمان، ص ۱۱۳-۱۶۵۔
- ۲۵۵۔ حیات وحید الزمان، ص ۸۳۔
- ۲۵۶۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۲۶۵۔
- ۲۵۷۔ سید اصغر حسین، محمود الحسن کے حالات و کمالات (دارالعلوم دیوبند، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۷۷ء) ص ۱۷۔
- ۲۵۸۔ رحمان علی، تذکرۃ علماء ہند، ص ۳۶۷۔
- ۲۵۹۔ بیس بڑے مسلمان، ص ۲۹۸۔
- ۲۶۰۔ عزیز الرحمن، مفتی، تذکرۃ شیخ الہند (ادارہ مدنی دارالتالیف بجنور) ص ۸۱۔

- ۲۶۱۔ تذکرۃ علماء ہند، ص ۲۶۷۔
- ۲۶۲۔ تراجم علماء حدیث ہند، ص ۳۲۳۔
- ۲۶۳۔ ایضاً، ص ۳۲۳۔
- ۲۶۴۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۳۳۷۔
- ۲۶۵۔ ایضاً، ص ۳۳۷۔
- ۲۶۶۔ ایضاً، ص ۳۳۷۔
- ۲۶۷۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۱۳۳۔
- ۲۶۸۔ میرٹھی، عاشق الہی، تذکرۃ التحلیل، (مکتبہ قاسمیہ سیالکوٹ، ۱۹۴۹ء) ص ۲۶۔
- ۲۶۹۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۱۳۵۔
- ۲۷۰۔ تذکرۃ التحلیل، ص ۳۷۰۔
- ۲۷۱۔ المرجع السابق، ص ۳۷۰۔
- ۲۷۲۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۸۱؛ مقدمۃ انوار الباری، ۲/۲۳۷۔
- ۲۷۳۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۸۱؛ بیس بڑے مسلمان، ص ۳۷۰۔
- ۲۷۴۔ بیس بڑے مسلمان، ص ۳۹۷۔
- ۲۷۵۔ مقدمۃ انوار الباری، ۲/۲۵۴۔
- ۲۷۶۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۲۴۲؛ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۳۳۲۔
- ۲۷۷۔ نزہۃ الخواطر، ص ۸/۲۴۲؛ الحیاۃ بعد الممات، ص ۶۹۳۔
- ۲۷۸۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۳۳۳۔
- ۲۷۹۔ ایضاً، ص ۳۳۳-۳۳۴۔
- ۲۸۰۔ ایضاً، ص ۳۳۵۔
- ۲۸۱۔ نزہۃ الخواطر، ص ۸/۲۴۳؛ تراجم علمائے حدیث ہند، ص ۳۲۶؛ تذکرۃ النبلاء، ص ۳۳۲۔
- ۲۸۲۔ تذکرۃ النبلاء، ص ۳۵۱۔
- ۲۸۳۔ ایضاً۔
- ۲۸۴۔ ایضاً۔
- ۲۸۵۔ ایضاً، ص ۳۵۱-۳۵۲۔
- ۲۸۶۔ ایضاً، ص ۳۵۲-۳۵۳۔
- ۲۸۷۔ ایضاً، ص ۳۵۲۔

- ۲۸۸۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ص ۶۶۔
- ۲۸۹۔ ایضاً۔
- ۲۹۰۔ ایضاً، ص ۱۶۸۔
- ۲۹۱۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۲۵۱۔
- ۲۹۲۔ تراجم علماء حدیث ہند، ص ۱۶۹۔
- ۲۹۳۔ تذکرۃ النبلاء، ص ۲۵۲۔
- ۲۹۴۔ راہی، تذکرہ علمائے پنجاب، ص ۲۵۰۔
- ۲۹۵۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۲۵۲۔
- ۲۹۶۔ ایضاً، ص ۲۵۲-۲۵۳۔
- ۲۹۷۔ پاک و ہند میں اہل حدیث کی خدمات حدیث، ص ۱۱۹۔
- ۲۹۸۔ تذکرۃ علماء پنجاب، ۱/۲۵۱۔
- ۲۹۹۔ ابوالقاسم بناری، جمع القرآن والاحادیث (تحقیق پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، جگہت ہاشمی) (مقدمہ تحقیق) (النور انٹرنیشنل بہاولپور، طبع اول، ۲۰۰۰) ص ۲۔
- ۵۰۰۔ تراجم علمائے اہل حدیث ہند، ص ۲۹۲۔
- ۵۰۱۔ جمع القرآن والاحادیث، ص ۵ (مقدمہ تحقیق)۔
- ۵۰۲۔ بیس بڑے مسلمان، ص ۵۴۵۔
- ۵۰۳۔ ایضاً، ص ۵۴۵۔
- ۵۰۴۔ صدیقی، علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت، ص ۳۴۱؛ مقدمہ انوار الباری، ۲/۳۷۰۔
- ۵۰۵۔ علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت، ص ۳۴۱۔
- ۵۰۶۔ تذکرۃ النبلاء، ص ۱۳۸۔
- ۵۰۷۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۱۳۸۔
- ۵۰۸۔ ایضاً، ص ۱۳۹۔
- ۵۰۹۔ ایضاً، ص ۱۴۰۔
- ۵۱۰۔ ماہنامہ صراط مستقیم، برصغیر (برطانیہ) دسمبر ۱۹۸۷ء، ص ۲۷؛ ابوبکر غزنوی، سید داؤد غزنوی (مکتبہ غزنویہ لاہور) ص ۲۵۰-۲۷۷۔
- ۵۱۱۔ تذکرۃ النبلاء، ص ۱۹۰۔
- ۵۱۲۔ ایضاً، ص ۱۹۱۔

- ۵۱۳۔ ایضاً، ص ۱۹۳۔
- ۵۱۴۔ تذکرہ علمائے پنجاب، ۱/۳۲۲-۳۲۳۔
- ۵۱۵۔ حافظ محمد گوندلوی، درسِ صحیح بخاری مرتب منیر احمد سلفی، ص ۹۔
- ۵۱۶۔ ایضاً، ص ۱۰۔
- ۵۱۷۔ ایضاً۔
- ۵۱۸۔ ایضاً۔
- ۵۱۹۔ ایضاً۔
- ۵۲۰۔ ایضاً۔
- ۵۲۱۔ ایضاً، ص ۱۲۔
- ۵۲۲۔ ایضاً، ص ۱۴-۱۵۔
- ۵۲۳۔ ایضاً، ص ۱۵-۱۶۔
- ۵۲۴۔ ایضاً، ص ۱۷۔
- ۵۲۵۔ ایضاً، ص ۲۶-۲۷۔
- ۵۲۶۔ ایضاً، ص ۲۵۔
- ۵۲۷۔ تذکرہ النبلاء، ص ۳۶۸۔
- ۵۲۸۔ انصاری، عبدالعظیم، تذکرہ علمائے بھوجیان، (ناشر، عمر فاروق بھوجیانی، قصور ۱۹۸۴ء) ص ۲۲۱-۲۲۲۔
- ۵۲۹۔ تذکرہ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۳۶۹۔
- ۵۳۰۔ ایضاً، ص ۳۷۱۔
- ۵۳۱۔ ایضاً، ص ۳۷۳۔
- ۵۳۲۔ ایضاً، ص ۳۷۴۔
- ۵۳۳۔ ایضاً، ص ۳۷۲۔
- ۵۳۴۔ ماہنامہ ”الحق“ (جون ۱۹۹۲ء، جلد ۷، ش ۹)، ص ۴۹-۵۱۔
- ۵۳۵۔ تذکرہ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۳۹۷۔
- ۵۳۶۔ ایضاً۔
- ۵۳۷۔ سجاد، محمد یوسف، تذکرہ علمائے اہل حدیث پاکستان، ۲/۳۶-۳۸؛ تذکرہ النبلاء، ص ۳۹۸۔
- ۵۳۸۔ تذکرہ علمائے اہل حدیث پاکستان، ۲/۳۰۱۔
- ۵۳۹۔ بھٹی، محمد اسحاق، کاروانِ سلف (مکتبہ اسلامیہ، فیصل آباد)، ص ۴۱۲۔

- ۵۴۰۔ ایضاً، ص ۴۱۳۔
- ۵۴۱۔ ایضاً، ص ۴۱۶۔
- ۵۴۲۔ ایضاً، ص ۱۳۵۔
- ۵۴۳۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۳۹۸۔
- ۵۴۴۔ تذکرہ علماء الہدیث پاکستان، ۱۶۴/۲۔
- ۵۴۵۔ ایضاً، ص ۱۶۷/۲۔
- ۵۴۶۔ ایضاً، ۱۶۸/۲۔
- ۵۴۷۔ ایضاً، ۲۱۱/۲-۲۱۸۔
- ۵۴۸۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۴۰۰۔
- ۵۴۹۔ انوار الباری، ۱۸۳/۲-۲۳۹۔
- ۵۵۰۔ تذکرۃ علماء الہدیث پاکستان، ۲۷۷/۲۔
- ۵۵۱۔ ایضاً، ۲۷۷/۲-۲۷۸۔
- ۵۵۲۔ تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء، ص ۸۰۔
- ۵۵۳۔ ایضاً۔
- ۵۵۴۔ ایضاً، ص ۸۱۔
- ۵۵۵۔ ایضاً۔
- ۵۵۶۔ ایضاً، ص ۳۰۳۔
- ۵۵۷۔ تذکرہ علماء الہدیث پاکستان، ۲۷۹/۳-۲۸۰۔
- ۵۵۸۔ ایضاً، ۲۸۰/۳۔
- ۵۵۹۔ ایضاً، ۳۸۲/۳۔
- ۵۶۰۔ تحریک الہدیث تاریخ کے آئینے میں، ص ۶۹۹۔
- ۵۶۱۔ ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات، ص ۱۶۳۔
- ۵۶۲۔ سلفی، عزیز الرحمن، جماعت الہدیث کی تدریسی خدمات، ص ۱۱-۱۲۔
- ۵۶۳۔ تحریک الہدیث کے چند اوراق، ص ۴۔
- ۵۶۴۔ ماہنامہ محدث، لاہور، جلد ۲۳، شمارہ ۲، ص ۱۶۴۔
- ۵۶۵۔ نزہۃ النواظر، ۱۸/۱، جہود مخلصۃ فی خدمۃ السنۃ المظہرۃ، ص ۲۳۔
- ۵۶۶۔ السمعی، ابوسعید عبدالکریم، الانساب (دار البیان، بیروت ۱۹۸۸ء) ۳۲۱/۳۔

- ۵۶۷۔ ایضاً، ۲/۵۲۳۔
- ۵۶۸۔ ایضاً، ۴/۴۹۳، رجال السند والہند، ص ۱۵۳۔
- ۵۶۹۔ مقالات سلیمان، ۲/۲۔
- ۵۷۰۔ رجال السند والہند، ص ۱۷۸؛ مقالات سلیمان، ۲/۲۔
- ۵۷۱۔ جہود مخلصہ، ص ۳۳-۳۴؛ مقالات سلیمان، ۲/۲۔
- ۵۷۲۔ جہود مخلصہ، ۳۷۔
- ۵۷۳۔ ایضاً، ص ۴۰۔
- ۵۷۴۔ ایضاً، ص ۴۸۔
- ۵۷۵۔ ایضاً، ص ۵۹-۶۱۔
- ۵۷۶۔ رفیق، پروفیسر سعید احمد، مسلمانوں کا نظام تعلیم (ایڈیٹڈ آف ایجوکیشنل ریسرچ، کراچی، ۱۹۶۲ء) ص ۲۵۵۔
- ۵۷۷۔ قادری، حقانی، ڈاکٹر، دینی مدارس نصاب و نظام تعلیم اور عصری تقاضے (فضلی سنز، کراچی، ۲۰۰۲ء) ص ۳۳۱۔
- ۵۷۸۔ صدیقی، پروفیسر بختیار حسین، برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۲ء) ص ۱۴۔
- ۵۷۹۔ ایضاً، ص ۱۷۔
- ۵۸۰۔ ندوی، ابوالحسنات، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں (مکتبہ خاور، لاہور، ۱۹۷۹ء) ص ۱۰۵-۱۰۶۔
- ۵۸۱۔ قاری محمد طیب، تاریخ دارالعلوم دیوبند (دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۷۲ء) ص ۳۵-۳۶۔
- ۵۸۲۔ تعارف دارالعلوم جامعہ نعیمیہ، لاہور، ص ۱۲۹۔
- ۵۸۳۔ نصاب الجامعہ السلفیہ، فیصل آباد۔
- ۵۸۴۔ ملاحظہ برائے تفصیلات، نصاب برائے ایم اے علوم اسلامیہ، ۱۹۹۵ء تا حال، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور۔
- ۵۸۵۔ نصاب شعبہ حدیث و سیرت (ماڈرن پراگریسو سنٹر آف ایکسیلینس، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ۲۰۰۲-۲۰۰۳ء)۔
- ۵۸۶۔ سلیبس، شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ۲۰۰۲ تا ۲۰۰۵ء۔
- ۵۸۷۔ برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم، ص ۳۷۔
- ۵۸۸۔ ایضاً، ص ۴۰۔
- ۵۸۹۔ الحیاء بعد الممات، ص ۴۳-۴۴، ۵۳؛ عظیم آبادی، محمد شمس الحق، الوجازۃ فی الاجازۃ، ص ۳۶۔

- ۵۹۰۔ عظیم آبادی، شمس الحق، غایۃ المقصود فی شرح سنن ابی داؤد (حدیث اکادمی، فیصل آباد، ۱۴۱۳ھ/۱/۷۱)۔
- ۵۹۱۔ مبارکپوری، عبدالرحمن، جامع ترمذی مع شرحہ تحتہ الاحوذی (مکتبہ ضیاء السنہ، فیصل آباد) ۱/۱۔
- ۵۹۲۔ گوندلوی، حافظ محمد، ارشاد القاری (ادارہ صیانت الحدیث والمحدثین، گوجرانوالہ ۱۹۹۵ء) ۵/۱۔
- ۵۹۳۔ رضی حیدر، خواجہ، محدث سورتی (سورتی اکیڈمی کراچی) ص ۷۹۔
- ۵۹۴۔ برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم، ص ۳۰-۳۱۔
- ۵۹۵۔ درس صحیح بخاری، ص ۲۰۔
- ۵۹۶۔ برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم، ص ۳۲۔
- ۵۹۷۔ ایضاً، ص ۳۲-۳۳۔
- ۵۹۸۔ ارشاد القاری ۱/۹۔
- ۵۹۹۔ علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ، ص ۱۹۳-۱۹۴۔
- ۶۰۰۔ السیالکوتی، محمد بشیر، الشاہ ولی اللہ دہلوی حیاتہ ودعوۃ (مکتبہ دار العلم، اسلام آباد، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء) ص ۹۲۔
- ۶۰۱۔ سید ابوالحسن علی ندوی، بصائر (مجلس نشریات اسلام ناظم آباد، کراچی) ص ۲۴-۲۵۔
- ۶۰۲۔ الحیاء بعد الہمة، ص ۲۳۰-۲۳۱۔
- ۶۰۳۔ ایضاً، ص ۲۰۹۔
- ۶۰۴۔ ایضاً، ص ۱۰۳، ۱۳۷؛ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، تاریخ اہل حدیث (مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۱ء) ص ۴۷۷۔
- ۶۰۵۔ الحیاء بعد الہمة، ص ۱۱۱۔
- ۶۰۶۔ ایضاً، ص ۶۶۲-۷۰۴ (مختصر طور پر ۵۰۰ شاگردوں کے نام لکھے ہیں)۔
- ۶۰۷۔ مسعودی، انظر شاہ، نقش دوام (المکتبہ الخوریہ، کراچی) ص ۱۴۷۔
- ۶۰۸۔ ایضاً، ص ۱۵۲۔
- ۶۰۹۔ ایضاً، ص ۱۶۵۔
- ۶۱۰۔ ایضاً، ص ۱۷۳۔
- ۶۱۱۔ ماہنامہ ”الفرقان“ لکھنؤ (خصوصی اشاعت بیادگار شیخ الحدیث، محمد زکریا ۱۴۰۳ھ، مضمون: حضرت شیخ الحدیث اور علم حدیث از مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری، ص ۲۳۷-۲۳۸ (تلخیصاً)؛ ڈاکٹر محمد نواز، شیخ الحدیث، محمد زکریا کی دینی و علمی خدمات (نعت اکادمی، فیصل آباد ۱۹۹۷ء) ص ۳۰۱؛ محمد عاشق الہی

- بلند شہری، سوانح عمری مولانا محمد زکریا (معهد التحلیل الاسلامی، کراچی ۱۴۱۷ھ) ص ۲۹۸۔
- ۶۱۲۔ سوانح عمری مولانا محمد زکریا ص ۲۹۴-۲۹۵۔
- ۶۱۳۔ قدوائی، مولانا عبدالسلام، مولانا حیدر حسن خان (مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۹۷۵ء) ص ۳۲-۳۳۔
- ۶۱۴۔ ایضاً، ص ۳۲-۳۲۔
- ۶۱۵۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۱۲۸۔
- ۶۱۶۔ اصغر حسین، حیات شیخ الہند، ص ۳۵-۳۶۔
- ۶۱۷۔ قدوائی، مولانا حیدر حسن خان، ص ۲۷۔
- ۶۱۸۔ محمد اسحاق بھٹی، نقوش، عظمت رفتہ (مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۱۹۹۶ء) ص ۱۳۱۔
- ۶۱۹۔ ہفت روزہ الاعتصام، لاہور، جنوری ۱۹۸۶ء (اشاعت خاص بیاد محدث عصر حافظ محمد گوندلوی، مضمون: حضرت الاستاذ حافظ محدث گوندلوی از مولانا محمد ادریس فاروقی) ص ۵۲۔
- ۶۲۰۔ درس صحیح بخاری، ص ۲۱۔
- ۶۲۱۔ ایضاً، ص ۲۳۔
- ۶۲۲۔ مجلہ ”الحق“، مولانا عبدالحق نمبر (اکوڑہ خٹک) ص ۳۴۲۔
- ۶۲۳۔ ایضاً، ص ۳۴۲۔
- ۶۲۴۔ فقہائے ہند (تیرھویں صدی ہجری) ۲/۱۸۰۔
- ۶۲۵۔ ابوبکر غزنوی، حضرت مولانا داؤد غزنوی، ص ۱۶۹-۱۷۰۔
- ۶۲۶۔ ایضاً، ص ۱۷۳-۱۷۴۔
- ۶۲۷۔ پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث، ص ۱۰۔
- ۶۲۸۔ شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، لاہور ۱۹۷۱ء) ص ۵۵۔
- ۶۲۹۔ عبدالحی لکھنوی، مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص ۱۲-۱۳ اور عبدالحی لکھنوی، النافع الکبیر ص ۱۲۲-۱۲۳۔
- ۶۳۰۔ پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات، ص ۷۰۔
- ۶۳۱۔ ترمذی، مولانا عبدالشکور، تذکرۃ الظفر سوانح مولانا ظفر احمد عثمانی (مطبوعات علمی، کمالیہ، ۱۹۷۷ء) ص ۲۳۸۔
- ۶۳۲۔ ندوی، مولانا ابوالحسن علی، ہندوستانی مسلمان (مجلس نشریات اسلام، کراچی) ص ۱۱۸۔
- ۶۳۳۔ تراجم علمائے حدیث ہند، ص ۳۳ مقدمہ از سید سلیمان ندوی۔



مکاتب فکر اور ان کا نظریہ حدیث

فتنہ انکار حدیث کا تاریخی و تحقیقی جائزہ

(برصغیر کے تناظر میں)

تاریخ عالم گواہ ہے کہ اسلام کے سوا کوئی دین بھی اپنی اصلی صورت میں موجود نہیں۔ خواہ آسمانی ادیان ہوں یا مفکرین عالم کے بنائے ہوئے اصول۔ اسلام قیامت تک محفوظ رہے گا۔ قرآن مجید کے تحفظ کی ذمہ داری کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون“ (۱) (بے شک ہم نے ہی ذکر اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)۔

قرآن مجید کی تشریح وہی درست ہے جو رسول اللہ ﷺ نے کی ہے۔ یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر ڈالی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم“ (۲) (اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن مجید) اتارا تاکہ آپ لوگوں کو وضاحت کر دیں اس کی جو ان کی طرف اتارا گیا)۔ قرآن کی طرح قرآن کا بیان یعنی حدیث و سنت بھی محفوظ ہے اس کا اعتراف غیروں کو بھی ہے۔

اس سلسلے میں R.V.C. Bodlay لکھتا ہے: ”ہمارے پاس موسیٰ، کنفیوشس یا گوتم بدھ کا کوئی معاصرانہ ریکارڈ نہیں ہے اور عیسیٰؑ کی زندگی کے بس چند اجزاء ہم جانتے ہیں۔ ان کی زندگی کے ان تیس (۳۰) برسوں کا جنہوں نے آخری تین برسوں کے لیے راستہ ہموار کیا ہمیں کچھ علم نہیں۔ مگر محمد ﷺ کی کہانی انتہائی روشن ہے۔ یہاں اسرار اور پرچھائیاں نہیں تاریخ ہے۔ ہم محمد ﷺ سے ایسے ہی واقف ہیں جیسے کہ اپنے قریب العہد شخص سے۔ ان کا خارجی ریکارڈ، ان کی جوانی، ان کے اعزاء، ان کے عادات و اطوار نہ کوئی افسانہ ہے نہ سنی سنائی بات اور نہ مشوش و اعظ کی

دھندلی روایت، ہمارے پاس ابھی انہیں کے یکتا ہم عصروں کا قلم بند کیا ہوا ان کا ایسا ریکارڈ ہے جو اپنے آغاز اور تحفظ دونوں کے لحاظ سے قطعی یکتا ہے اور جس سچائی کے متعلق ایک بھی سنجیدہ شبہ ظاہر کرنا کسی کے لیے ممکن نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم کے ساتھ سیرت و حدیث کے ذخیروں کا اس طرح محفوظ رہنا اسلام کا اعجاز اور اس کا ایک لاثانی امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب اور کوئی امت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی (۳)۔

اس بارے میں ایک مغربی مؤرخ ایڈورڈ گبن لکھتا ہے: ”محمد ﷺ کے مذہب کی جو چیز واقعی حیرت انگیز ہے وہ اس کی اشاعت نہیں بلکہ اس کا اثبات، اس کی پائیداری اور اس کی شان دوام ہے۔ جو صاف اور سادہ نقش آپ ﷺ نے مکہ (مکہ) اور مدینہ میں کندہ کیا تھا، بارہ صدیوں کے انقلابات کے بعد آج بھی قرآن کے ہندی، افریقی اور ترکی نو معتقدوں کے پاس اسی طرح محفوظ ہے“ (۴)۔

تاریخی پس منظر:

یہ فتنوں کا دور ہے طرح طرح کے فتنے ظہور میں آ رہے ہیں۔ گمراہی اور بے دینی کے داعی طرح طرح کی دعوت دینے کے لیے کھڑے ہیں اور نشر و اشاعت کے ذریعے اپنے زہریلے اثرات مسلمانوں میں چھوڑ رہے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے اس قسم کے لوگوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: ”دعاة علی ابواب جہنم من اجابهم اليها قذوه فيها“ (دوزخ کے دروازے کی طرف بلانے والے ہوں گے جو شخص ان کی دعوت کو قبول کرے گا اسے دوزخ میں پھینک دیں گے)۔ اس حدیث کے راوی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صفہم لنا (ان کا حال ہمیں بیان فرمادیجئے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہم من جلدتنا ویتکلمون بالسنتنا“ (۵) (وہ لوگ ہماری جماعت سے نسبت رکھنے والے ہوں گے اور اسی طرح کی باتیں کریں گے جیسی ہم باتیں کرتے ہیں)۔ ان حقائق کے باوجود جنہیں غیر اقوام کے انصاف پسند اور غیر انصاف پسند دونوں قسم کے سکالرز تسلیم کرتے ہیں منکرین حدیث سادہ لوح مسلمانوں خاص کر اردو دان طبقہ سکول اور کالج کے نو خیز طلباء کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے گمراہ کن لٹریچر کے ذریعے اسلامی تعلیمات سے ناواقف مسلمانوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات کی تخم ریزی کرتے ہیں اور یہ کوئی اتفاقی امر نہیں بلکہ یہ ان یہودی اور نصرانی آقاؤں کی ایک خاص منصوبہ بندی اور سازش ہے۔ جس کو وہ اسلام کے خلاف زمان و مکان کے

رنگ و حالات کے مطابق جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ سارا کچھ ایک سازش کے تحت تکمیل پا رہا ہے کیونکہ ہم لوگ جانتے ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے حق کے مقابلے میں باطل اور نور کے بالمقابل ظلمت نبرد آزار ہے ہیں۔ حضرت آدمؑ نے ابھی خلعتِ خلافت نہیں پہنی تھی کہ ابلیس ملائکہ کی صف سے علیحدہ ہو گیا اور حضرت ابراہیمؑ ابھی پیدا نہ ہوئے تھے کہ اقتدارِ نمرود کے ہاتھوں میں تھا۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت موسیٰؑ کے پیدا ہونے سے پہلے تختِ مصر پر فرعون براجمان تھا۔ حدیثِ نبوی نے جس طرح قرآن کریم کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا اور عملاً ایک اُمت کی تشکیل کی اور اسے توارثِ عمل بخشا تو ضروری تھا کہ اس کے بالمقابل پھر ظلمت کی گھٹا اٹھے۔ اُمت کو اتحاد کی بجائے انتشار ملے اور قرآن اپنے احکام کے تعین میں ممبرانِ اسمبلی کا دستِ نگر ہو اور عقل کی ہر بدلتی لہرِ تعلیم نبوت کے کنارے توڑتی رہے۔ منکرینِ حدیث انہی تقاضوں سے اٹھے اور مختلف عنوانوں سے سامنے آئے۔ جدید فتنوں میں انکارِ حدیث کا فتنہ بظاہر تو نیا ہے لیکن حقیقت میں پرانا۔ جس جماعت نے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کٹ کر اپنا راستہ علیحدہ بنایا اس نے انکارِ حدیث کی روش اپنائی اور اسے آگے بڑھایا، اپنی گمراہی پر خوش نما لیبیل لگایا اور اپنا اچھا نام تجویز کیا۔

انگریزوں نے ۱۸۶۹ء میں ایک کمیشن اس مقصد کے لیے متحدہ ہندوستان بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی تجاویز مرتب کرے۔ اس کمیشن نے یہاں ایک سال میں مسلمانوں کے حالات معلوم کیے اور ۱۸۷۰ء میں وائٹ ہاؤس لندن میں ان نمائندوں کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں متعین مشنری پادری بھی خاص طور پر شریک ہوئے جنہوں نے علیحدہ علیحدہ رپورٹیں پیش کیں۔

یہ وہ دوستِ نما دشمن جو مار آستین بن کر مسلمانوں کے ذہنوں میں زہرِ قاتل کا انجکشن لگا رہے ہیں مگر افسوس کی انتہا تو یہی ہے کہ خود مسلمانوں میں سے ایک گروہ (منکرینِ حدیث) اہل القرآن کا خوش نما لیبیل لگا کر یہود و نصاریٰ کی راگنی الاپ رہا ہے اور مختلف اطراف میں انکارِ حدیث کا زہریلا لٹریچر پھیلا رہا ہے۔ کہیں مفت علاج کے کیمپ کا دلچسپ نام دے کر غریب مسلمانوں کو اس منافقانہ پروپیگنڈے کے ذریعے جمع کر رہے ہیں۔ کہیں ”مفت علاج اور مفت دوائی“ کے عیارانہ ہتھکنڈے سے ان کے ایمانوں میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہیں منافقانہ چالبازوں سے قرآنی ریسرچ کے اسلامِ نما دفاتر کھول کر سکول اور کالج کے معصوم بچوں کے ذہنوں میں گمراہ کن عقائد کی تخم ریزی کر رہے ہیں (۶)۔

انکارِ حدیث کی تحریک کسی دور میں منفی عنوانوں سے نہیں چلی بلکہ اس نے اپنی منفی آواز کے لئے ہمیشہ کسی نہ کسی مثبت عنوان کا سہارا لیا ہے منکرینِ کبھی:

۱۔ جامعیت قرآن کا نعرہ لے کر اٹھے کہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں (یعنی حدیث کی ضرورت نہیں) کبھی ان لوگوں نے کہا کہ قرآن کے ابدی قوانین ہر زمانے کے نئے تقاضوں کے تحت طے ہونے چاہئیں۔

۲۔ کبھی ان لوگوں نے بعض حدیثوں کے خلاف عقل ہونے کا سہارا لیا اور ان کے ذریعے سارے ذخیرہ حدیث کو گدلا کرنا چاہا۔ کبھی یہ الزام تراشی کی کہ ہم ان حدیثوں کو کیسے مان لیں جن میں خلاف عقل مضامین ہیں۔ ان لوگوں نے چند متشابہات کے باعث تمام ذخیرہ احادیث کا انکار کر دیا۔

۳۔ کبھی انہوں نے باطنی تاویلات کی راہ سے احادیث کا انکار کیا اور کہا کہ ہم اہل معرفت خود ہی حدیث کو دیکھ لیتے ہیں۔ تمہارے ذخیرہ حدیث میں سے ہمیں کسی حدیث کی ضرورت نہیں۔

چودھویں صدی ہجری نے جہاں اور بہت سے گل کھلائے وہیں انگریز نے جھوٹے نبی کھڑے کیے اور فتنہ انکار حدیث بھی نئے انداز میں سامنے آیا۔ اب یہ فتنہ اچھا خاصا معروف ہو چکا ہے اور کچھ لوگ اب منفی عنوان اختیار کرنے سے بھی نہیں چوکتے اور یہ تحریک اب زور پکڑتی جا رہی ہے۔ چنانچہ ایک منکر حدیث کھل کر کہتا ہے: ”یہ سنت ہی تھی جس نے اسلام کے ابتدائی جمہوری مزاج میں بگاڑ پیدا کیا۔ یہ سنت ہی تھی جس نے مسلمانوں کو متعدد فرقوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ یہ سنت ہی تھی جس نے بنو امیہ اور بنو عباس کے عہد میں مذہبی لوگوں کو غیر معمولی اہمیت دلوائی اور یہ سنت ہی تھی جس نے دولت عثمانیہ کو ناقابل علاج مریضوں کی آماجگاہ بنایا“ (۷)۔

فتنہ انکار حدیث کی پیشین گوئی ہمیں آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ملتی ہے، حضرت مقداد بن اسودؓ بن معدی کرب کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”یوشک أحدکم ان یکذبنی وهو متکئی علی اریکتہ یحدث بحدیثی فیقول بیننا و بینکم کتاب اللہ فما وجدنا فیہ من حلال استحللناہ وما وجدنا فیہ من حرام حرمنناہ الا وان ما حرم رسول اللہ ﷺ ما حرم اللہ“ (۸) (عنقریب تم میں سے ایسا آدمی ہوگا جو میری تکذیب کرے گا اور وہ اپنے پلنگ پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا ہوگا۔ میری طرح باتیں کرے گا اور کہے گا ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب (قرآن) ہی کافی ہے۔ جو اس میں حلال ہم پائیں گے اسے حلال سمجھیں گے اور جو اس میں حرام پائیں گے اسے حرام سمجھیں گے) (آپ نے تمہیں فرمادی) کہ خبردار! جو (چیزیں)

اللہ کے رسول نے حرام کی ہیں وہ (بھی حکماً) ایسی ہی ہیں جیسے خود اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہوں (یعنی رسول اللہ کا حکم اللہ ہی کا حکم ہے)۔

اس حدیث میں جہاں اس فتنے کی خبر دی ہے وہاں ایک اشارہ بھی کر دیا کہ انکارِ حدیث کی آواز پہلے امرا کے اسی قسم کے حلقوں سے اٹھے گی۔ لوگ صوفیوں پر بیٹھے کوٹھیوں میں محفلیں لگائے حدیث کا انکار کریں گے اور یہی لوگ ہیں جو منکرینِ حدیث کی صفیں باندھیں گے۔

انکارِ حدیث کی آواز انفرادی طور پر امام شافعی کے زمانے میں اٹھی تھی۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے ایسے افراد سے مناظرہ بھی کیا تھا لیکن یہ آواز منظم نہ ہو سکی اور یہ فتنہ اس وقت اپنی موت آپ مر گیا۔ ماضی قریب میں انکارِ حدیث کی آواز مختلف افراد نے بلند کی۔ عالم اسلام خاص طور پر عالم عرب مثلاً مصر وغیرہ میں اس فتنہ کو جگانے کی کوشش کی گئی لیکن یہ سب کوششیں انفرادی تھیں کوئی فرقہ یا کوئی منظم تحریک وجود میں نہ آ سکی (۹)۔



دور نبوی ﷺ تا عصر حاضر

دور نبوی ﷺ میں انکارِ حدیث:

انکارِ حدیث کا فتنہ بظاہر تو نیا ہے لیکن حقیقت میں کافی پرانا ہے۔ کیونکہ اس کی ابتدا ایک لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اس وقت ہو چکی تھی جب ذوالخویصرہ نامی شخص نے اللہ کے رسول ﷺ کی بات کا اعتبار نہ کرتے ہوئے اسے رد کر دیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب وہ یمن میں تھے آنحضرت ﷺ کے پاس سونے کا ایک ٹکڑا بھیجا۔ آپ نے وہ سونا اقرع بن حابس خنظلی جو بنی مجاشع میں سے تھا اور عیینہ بن بدر فزاری اور علقمہ بن علائہ عامری کو جو بنی کلاب میں سے تھا اور زید خیل طائی جو بنی بہان میں سے تھا (ان چار آدمیوں) میں تقسیم کر دیا۔ یہ دیکھ کر قریش اور انصار کے لوگ غصے ہوئے اور کہنے لگے آنحضرت ﷺ کو کیا ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نجد کے رئیسوں کو دیتے ہیں مگر ہم کو نہیں دیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے یہ مال نجد والوں کو دیا ہے، تو ایک مصلحت کے لیے میں ان کا دل بہلاتا ہوں۔ اتنے میں ایک شخص آ پہنچا۔ عبداللہ ذوالخویصرہ جس کی آنکھیں اندر دھنسی ہوئی اور پیشانی اوپر اٹھی ہوئی، داڑھی بہت گھنی، گال پھولے ہوئے اور سر منڈا ہوا تھا کہنے لگا۔ محمد ﷺ خدا سے ڈرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں اللہ کا رسول ہو کر اس کی نافرمانی کروں گا تو پھر اس کی اطاعت کون کرے گا وہ تو زمین والوں پر مجھ کو امین جانتا ہے (جیسی تو اس نے مجھ کو پیغمبر اور اپنا نائب بنا کر بھیجا) اور تم میرا اعتبار نہیں کرتے۔ ایک شخص مسلمانوں میں سے (خالد بن ولید رضی اللہ عنہ یا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ) کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ حکم ہو تو اس کی گردن اڑا دیں آپ نے اجازت نہ دی۔ جب وہ پیٹھ موڑ کر چلا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی نسل سے کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو قرآن کے صرف لفظ پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے سے نہیں اترے گا۔ یہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکاری جانور میں سے پار نکل

جاتا ہے (اس میں کچھ لگا نہیں رہتا)۔ یہ کم بخت مسلمانوں کو تو ماریں گے (کہیں گے تم کافر ہو گئے) اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے (ان سے جہاد نہیں کریں گے) اگر میں نے کہیں ان کا زمانہ پایا تو عادی قوم کی طرح ان کو نیست و نابود کر دوں گا“ (۱۰)۔

یہ وہ پہلا واقعہ جس میں آنحضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی حدیث کا انکار کیا گیا۔ اس حدیث نبوی سے واضح پتہ چلتا ہے کہ کچھ لوگ بعد میں ایسے پیدا ہوں گے جن کا رجحان انکار حدیث کا ہوگا۔ تاریخ عالم بتاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور اقوال کی مخالفت سب سے پہلے یہود نے کی اور یہ مخالفت انہوں نے محض اسلام دشمنی، بغض و عناد اور قومی تعصب کی بنا پر کی۔ اس سلسلے میں ہر وہ منافقانہ اور دورنگی چالیں اختیار کی گئیں جن کے ذریعے وہ اسلامی احکام کو زک پہنچا سکتے تھے۔ چنانچہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے انکار کی تحریک بعثت نبوی ﷺ کے ساتھ ہی شروع کی گئی تاکہ لوگوں کو اسلام لانے میں ان کے پیدا کردہ شکوک کی بنا پر رکاوٹیں ہوں۔ چنانچہ وہ اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ انہوں نے اپنی مذہبی کتاب تورات کو تبدیل کر دیا اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی جو علامات اور آمد کی پیشین گوئیاں کی گئی تھیں ان آیات کو سرے سے نکال دیا۔

قرآن کریم اس کا ذکر یوں کرتا ہے: ”ثم يحرفونه من بعد ما عقلوه وهم يعلمون“ (۱۱) (پھر (یہود) نے خوب جان بوجھ کر تورات کے احکام میں رد و بدل کیا (جن آیتوں میں حضور پاک ﷺ کی نبوت کی نشانیاں بتلائی گئی تھیں)۔

قرآن کریم ان کے معاندانہ تحریف پر ان کو دھتکارتا ہے اور اس کا فرانہ حرکت پر ان کو ملامت کرتا ہے۔ لیکن ان تمام تر ہدایات کے باوجود یہود نے ہر وہ حربہ استعمال کیا جس کے ذریعے وہ اسلام کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے متعلق شکوک پیدا کرنے کے لئے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر انہیں دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ اس کے لیے انہوں نے یہ چال چلی کہ دن کے پہلے حصہ میں ایمان لانا ظاہر کیا کرتے اور مسلمانوں کے ساتھ منافقانہ طور پر نمازوں میں بھی شریک ہوتے لیکن شام کے وقت اسلام سے نکل جاتے تاکہ نو مسلم اور ضعیف الایمان مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوں۔ اسی طرح بعض یہود نے اسلام کا لبادہ دیر تک اوڑھے رکھا اور خود کو مسلمان ظاہر کرتے رہے۔ لیکن ان کے دلوں میں چونکہ حق و صداقت کی روشنی نہیں تھی اس لیے وہ چھپ چھپ کے منافقانہ چالوں کے ذریعے مسلمانوں کو زک پہنچانے کی فکر میں لگے رہتے تھے اور چونکہ ان کو اپنی کتابوں کے ذریعے یہ معلوم تھا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ صحیح اور حقیقی پیغمبر ہیں چنانچہ کبھی کبھار خود ان کے منہ سے بھی یہ حق بات مسلمانوں کے

سامنے نکل جاتی تھی تو پھر یہود تنہائی میں اس بات پر ایک دوسرے کو ملامت کرتے تھے کہ تم کیوں حق بات مسلمانوں کے سامنے بیان کرتے ہو (۱۲)۔

منافقانہ رویہ ایک فتنہ انگیز اور زہریلا ہتھیار ہے جو حق و صداقت کے لئے شرک سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ قرآن حکیم نے ایک طرف تو منافقین کے لیے سزا بھی سخت مقرر کی۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: ”ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار“ (۱۳) (بے شک منافقین جہنم کے سب سے نچلے حصہ میں ہوں گے)۔ تو دوسری طرف مسلمانوں کو یہودیوں سے دور رہنے کی بار بار تلقین بھی کی۔ یہودی ہر وقت اس تاک میں رہتے تھے کہ کسی بھی طریقے سے مسلمانوں کو دوبارہ کفر کی طرف لوٹا دیں (۱۴)۔

ارشاد مبارک ہے۔ ”و کثیر من اهل الكتاب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارا حسدا من عند انفسہم من بعد ما تبین لہم الحق“ (۱۵) (اہل کتاب میں سے اکثر اپنے دلی حسد اور کینے کے سبب یہی چاہتے ہیں کہ کاش وہ کسی بھی طریقے سے تم (مسلمانوں) کو ایمان لانے کے بعد دوبارہ کافر بنادیں باوجود اس کے کہ حق بات ان پر ظاہر ہو چکی ہے)۔ چنانچہ اس سلسلے میں یہود نے مسلمانوں کو دین سے پھیرنے کے لئے کوئی چال نہیں چھوڑی۔ یہی وجہ ہے کہ فتنہ ارتداد میں یہودیوں نے بڑا مرکزی کردار ادا کیا۔ چنانچہ مؤرخ ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ یہود نے اسلام دشمنی کے لیے پھر اپنا سراٹھایا اور منافقت کا لبادہ اوڑھ کر عرب قبائل کو اسلام سے کفر کی طرف لوٹانے میں خوب کام کیا (۱۶)۔

سجاح نامی عورت نے جو عیسائی قبیلہ بنو تغلب سے رشتہ رکھتی تھی نبوت کا دعویٰ کر کے جھوٹی نبوت کے دوسرے دعویدار مسیلمہ الکذاب سے شادی کی اور جب سجاح نے مسیلمہ الکذاب سے مہر کا مطالبہ کیا تو مسیلمہ نے ازراہ تحقیر سجاح کو دو وقتوں کی نماز یعنی صبح اور عشا کی نماز کی معافی کا اعلان کر دیا اور کہا کہ یہ دو نمازیں تمہارا مہر ہے (۱۷)۔ یہ ان منافقین کے معاندانہ حربے تھے جن کے سبب وہ دین میں تذبذب اور تردد پیدا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اس سازش میں لگے ہوئے تھے کہ کسی بھی ممکن طریقے سے پیغمبر خدا ﷺ کو راہ حق سے ہٹا کر اپنا پیروکار بنادیں جو بالکل ایک ناممکن سی بات تھی۔ جیسے قرآن کریم ان کی سازش کو یوں بیان کرتا ہے: ”ولن ترضی عنک الیہود ولا النصارى حتی تتبع ملتہم قل ان ہدی اللہ ہو الہدی“ (۱۸) (۱۷) پیغمبر! یہود اور نصاریٰ تو ہرگز آپ سے اس وقت تک خوش نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ خود ان کے دین کی پیروی اختیار نہ کریں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے)۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”ان الدین عند اللہ الاسلام“ (۱۹)۔ (اللہ کے ہاں اسلام ہی دین ہے)۔ لیکن یہود کسی صورت میں بھی اسلام کی پیروی کرنا نہیں چاہتے تھے اس لیے مسلمانوں کو صاف حکم ہے کہ یہود و نصاریٰ سے ہرگز دوستی نہ رکھو اور جو کوئی یہود کی چال چلے گا وہ ان کی جماعت میں سے شمار ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”یا ایہا الذین امنوا لا تتخذوا الیہود والنصارى اولیاء بعضهم اولیاء بعض ومن يتولهم منکم فانه منهم ان اللہ لا یہدی القوم الظالمین“ (۲۰) (اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا تو وہ بھی ان ہی میں شمار ہو گا، بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا)۔

حضور ﷺ کی رسالت کا سب سے پہلا انکار یہود نے کیا۔ کیونکہ رسالت کا مقصود صرف اقوال رسول ﷺ کو سچا مان کر ان پر ایمان لانا ہے اور جو فرمان الہی وہ پیش کریں اس پر سچے دل سے یقین کر کے عمل کرنا ہے۔ پس حضور ﷺ کا یہ دعویٰ کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہو رہا ہے۔ حدیث رسول کہلاتا ہے۔ اس لیے جو حدیث رسول کا منکر ہے وہ حقیقت میں قرآن و حدیث دونوں کا منکر ہے (۲۱)۔

دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں انکارِ حدیث اور یہودی سازشیں:

حضور نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد یہود و نصاریٰ نے اسلام کے خلاف مختلف قسم کی سازشیں شروع کیں۔ فتنہ ارتداد میں ان دونوں نے بہت بڑا کام کیا۔ حضور ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد یہودیت اور نصرانیت نے اسلام دشمنی کے لیے اپنا سرا بھارا اور منافقت کا لبادہ اوڑھ کر عرب قبائل کو اسلام سے کفر کی طرف پھیرنے میں خوب کام کیا۔ مثلاً ایک قبیلے کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ ”زکوٰۃ کی فرضیت اور ادائیگی کا تعلق حضور کی ذات سے تھا“ اب اس کی ضرورت باقی نہ رہی۔ ختم نبوت کے خلاف مختلف اطراف میں نبوت کے دعوے کرائے گئے۔ عبادات کا مذاق اڑایا گیا جیسے مسیلمہ الکذاب نے اہم ترین عبادت، نمازوں کا مذاق اڑا کر (سجاح کو بعوض مہر معاف کر کے) اللہ تعالیٰ کے اہم ترین حکم کی بے حرمتی کی۔

عین اسی زمانے میں ایک انتہائی خطرناک آدمی یمن کا ایک صنعانی یہودی نمودار ہوا جس کا اصلی نام جہود تھا۔ اس نے منافقانہ طور پر اسلام ظاہر کیا اپنا اسلامی نام عبداللہ ابن سبارکھا اور مشہور کر دیا کہ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے اس کا خیال تھا کہ اس طرح حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ اس کی قدر کریں گے۔ مگر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو شہر مدینہ سے باہر نکال دیا تو اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عیب جوئی شروع کر دی۔ چنانچہ یہ وہ پہلا یہودی سازشی ہے جس نے پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی عیب جوئی کا نشانہ بنایا۔ مدینہ سے نکل کر اس نے کوفہ، شام اور بصرہ کا دورہ کیا اس نے وہاں موقع پا کر اسلام کے خلاف تحریک چلائی۔ اس کی تحریک کے بنیادی عناصر درج ذیل تھے:

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف جھوٹے الزامات لگا کر لوگوں کے سامنے ان کی عدالت اور معیار و وقار کو گرانا۔

۲۔ پیغمبر خدا ﷺ کی طرف جھوٹے بیانات منسوب کرنا۔

۳۔ مفہوم قرآنی کے تعین کے لئے حضور ﷺ کی تشریحات کی ضرورت نہیں بلکہ اپنی من مانی اور خواہش کے مطابق قرآن پاک کے مطالب بیان کرنا۔

۴۔ ان عقائد کی ترویج کر کے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا اور ان کو آپس میں لڑانا تاکہ اسلامی قوت تہس نہس ہو جائے اور یہودیت کا پھر سے غلبہ ہو جائے (۲۲)۔

آنحضرت ﷺ کی طرف جھوٹے بیانات سب سے پہلے اس یہودی نے منسوب کیے مثلاً یہ کہ آنحضرت ﷺ نے خلافت کا مستحق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرار دیا تھا اور وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل تھے وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ حافظ ابن حجر حضرت شعبی کے حوالے سے ابن سبا منافق کے متعلق یوں رقم طراز ہیں کہ ”اول من کذب عبد اللہ بن سبا“۔

حضور ﷺ پر سب سے پہلے جھوٹ کہنے والا یہ یہودی منافق تھا چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گروہ کے ایک مشہور بزرگ مسیب بن نجبه نے کوفہ کی جامع مسجد میں اسے کھڑا کر کے لوگوں کے سامنے اعلان کیا: ”یکذب علی اللہ وعلی رسولہ“ (۲۳) (یہ منافق یہودی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھتا ہے) ان کی طرف ایسی بیہودہ باتیں منسوب کرتا ہے جو ایک احمق ترین آدمی بھی نہیں کہہ سکتا۔

قرآن کے مطالب بیان کرنے کے لیے اس یہودی نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی کہ قرآن کریم خود ایک مکمل کتاب ہے۔ اس کے مطالب اور وضاحت کے لئے حدیث رسول پاک ﷺ کی کوئی ضرورت نہیں تاکہ قرآن کریم سے حدیث رسول پاک ﷺ کے بیان اور وضاحت کا رشتہ کاٹا جائے اور یوں اسلام کے احکام ہر ایک کے لئے تختہ مشق بنے رہیں۔ حالانکہ قرآن کریم صاف طور پر بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا قرآنی مفہوم وہی ہے جو پیغمبر اسلام

بیان کرے کیونکہ جس پر قرآن کریم نازل ہو رہا ہے مفہوم بیان کرنے کا عقلاً حق دار وہی ہوتا ہے اور جو کوئی قرآنی مفہوم کے تعین کے لئے حدیث رسول کا رشتہ کاٹتا ہے، وہ مفسد ہے۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ”وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ“ (۲۳) (اور وہ کاٹتے ہیں اس چیز کو جس کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں)۔ یعنی خدا کا حکم تو یہی ہے کہ قرآنی مفہومات کے بیان کے لئے اقوال رسول ﷺ کا ربط نہ کاٹا جائے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں تو درحقیقت وہ زمین میں فساد کا آغاز کرتے ہیں۔

قرآن کریم کی حیثیت تو متن کی ہے جب کہ حدیث رسول ﷺ کی حیثیت اس کی شرح کی ہے جس کا کھول کر بیان کرنا، صرف پیغمبر کا کام ہے۔ مگر اس مفسد اور یہودی منافق نے بصرہ میں ایک ایسی جماعت تیار کی تھی جو کہا کرتی تھی کہ قرآن کے سوا ہم کسی بات کو نہیں مانتے۔ چنانچہ صاحب کفایہ خطیب بغدادی بیان کرتے ہیں کہ یہ جماعت لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھاتی تھی کہ قرآن کے سوا کسی اور بات کو نہ مانو اور قرآن کا مفہوم وہی ہے جو تمہارا ذہن اخذ کرتا ہے (۲۵)۔ اس سلسلے میں حافظ ابن حجر اپنی کتاب ”لسان المیزان“ میں فرماتے ہیں: ”كان عبد الله أول من أظهر ذلك“ (۲۶) (عبد اللہ بن سبا یہودی وہ پہلا شخص ہے جس نے اس تحریک کا آغاز کیا)۔

اس یہودی کو جب مسلمانوں کے درمیان مصالحت کی کوئی صورت نظر آتی تو وہاں اپنی منافقانہ چال کی بدولت دروغ گوئی کے ذریعے اس مصالحت کو برباد کر دیتا۔ گویا یہود و نصاریٰ بغض و عناد کی وجہ سے مسلمانوں کے وجود کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ دین اسلام کو نیست و نابود کیا جائے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم مسلمانوں کو یہودی دوستی اور ان کی پیروی سے سختی کے ساتھ منع کرتا ہے۔

دورِ تابعین اور فتنہ انکارِ حدیث:

قوم یہود نے اسلام کی دشمنی اور مخالفت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گویا وہ اسلام کی مخالفت اپنا مذہبی مشن سمجھتے تھے۔ اس لیے حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ وہ مناسب سازشوں کا جال بچھاتے رہے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اعتزال یعنی عقل پرستی رونما ہوئی۔ جس کے بنیادی عوامل میں غلط نظریات کا دخل رہا ہے۔

عہد بنو امیہ میں معتزلہ کی وجہ سے حکمرانوں کی خونریزیوں نے عوام میں انتہائی بے چینی اور

مسلمان حکمرانوں کے خلاف بدگمانی پیدا کی کہ اسلام میں مسلمانوں کا خون بہاتے ہیں۔ جن کے تدارک کے لیے ملحدین تقدیر کی آڑ لے کر یہ جواب دیتے تھے کہ یہ ہم خود نہیں کرتے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ ہم سے کراتا ہے، کیونکہ ہمارا ایمان ہے کہ کوئی کام بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں ہوا کرتا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہود و نصاریٰ کے حواریوں نے بڑے پیمانے پر پروپیگنڈہ کر کے یہ بھی مشہور کر دیا کہ دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ ورنہ اس کی تعلیمات میں حقیقی خوبیاں، اخلاقی جاذبیت اور اتنی قوت نہیں جو حیات انسانی کے مختلف گوشوں کے لیے کافی ہوں وغیرہ وغیرہ۔ ان عوامل نے ایک نیا فرقہ جنم دیا جس کے خیال کے مطابق جو احکام عقلی گرفت میں نہ آ سکتے ہوں ان کا انکار کر دیا جائے اس فرقہ کا نام معتزلہ ہے (۲۷)۔

اس فرقے کے متعلق مولانا بدر عالم لکھتے ہیں: ”اس فرقے نے اپنے فاسد مزاج کے سبب حشر و نشر، رویت باری تعالیٰ، صراط، میزان، وزن، اعمال، جنت و دوزخ جیسے بنیادی عقائد کے وجود سے انکار کر دیا جن کا مفہوم ان کے متعین کردہ عقلی میزان میں پوری طرح نہیں آ سکتا تھا ان کے مسائل کے متعلق قرآنی آیات کی خود ساختہ تاویلیں کیں اور خبر واحد جیسی احادیث کا انکار کیا“ (۲۸)۔ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ (م ۴۵۶ھ) فرماتے ہیں: ”اہل سنت، خوارج، شیعہ، قدریہ تمام فرقے آنحضرت ﷺ کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں برابر قابل حجت سمجھتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع کے خلاف کیا“ (۲۹)۔

معتزلہ کا یہ فتنہ ایک علمی فتنہ تھا۔ اس لیے انکار حدیث میں انہیں بہت کچھ پس و پیش کرنا پڑا یہاں تک کہ ایک جماعت نے تصریح کی کہ خبر واحد اگر عزیز ہو جائے تو چونکہ وہ مفید یقین بن جاتی ہے اس لیے وہ حجت ہو جائے گی۔ تحریک اعتزال کا بانی واصل بن عطا تھا جو پہلی صدی ہجری کے آخر میں ابھرا اور عقل کے ہتھیاروں کی تیزی میں بہت سے ذخیرہ احادیث کو کچلتے ہوئے آگے نکل گیا۔ دوسری صدی میں امام شافعی رحمہ اللہ نے سب سے پہلے فتنہ انکار حدیث کا رد کیا (۳۰)۔

معتزلہ کے علاوہ پیچریوں نے بھی انکار حدیث کیا۔ لیکن ان کا انکار علمی شبہات کی اوٹ میں پروان چڑھا۔ اس تحریک کے بانی سرسید احمد خان تھے اور ان کے شاگرد نواب اعظم یار جنگ، مولوی چراغ علی (م ۱۸۹۵ء) جیسے لوگ ایک فکری حلقہ بنا چکے تھے۔ تیرھویں صدی کے آخر میں یہ معتزلہ کی نشاۃ جدید تھی۔ انکار حدیث کا عنوان انہوں نے بھی اختیار نہ کیا تھا پھر یہ بھی یاد رہے کہ مسلمانوں نے اگر سرسید کا ساتھ دیا تو وہ ان کی تعلیمی پالیسی کی وجہ سے تھا۔ مذہبی پہلو سے وہ ان کے ساتھ نہ تھے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری ایک مقام پر لکھتے ہیں ”پہلی تحریک علی گڑھ سے اٹھی جس کے محرک سرسید احمد خاں تھے یہ تحریک انگریزی تعلیم کی ترقی کے لیے تھی۔ اس لیے مسلمان اس کے حامی ہو گئے مگر سرسید مرحوم نے مسلمانوں کے عقائد میں دخل دینا شروع کیا تو بگاڑ شروع ہو گیا (۳۱)۔ سرسید اور ان کے حلقہ فکر میں اسلام کس قسم کی نشوونما پا رہا تھا اس کا جواب مولوی چراغ علی کی اس صاف گوئی سے ملتا ہے: ”مردم شماری ہوئی تو انہوں (سرسید) نے مذہب کے خانہ میں اپنی بیوی کے نام کے سامنے شیعہ لکھ دیا اپنے اور اپنے بیٹوں کے نام کے مقابل صفر صفر لکھ دیئے“ (۳۲)۔ نیچریوں کے علاوہ شیعہ اور قادیانیوں نے بھی انکار حدیث کیا۔ شیعہ حضرات اہل سنت کے سامنے جب کبھی ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جو اہل سنت والجماعت کے ہاں متداول ہیں یا صحاح ستہ میں سمجھی جاتی ہیں تو وہ انہیں الزامی طور پر پیش کر رہے ہوتے ہیں وہ اس بات کے مدعی ہوتے ہیں کہ یہ روایات اہل سنت کے ہاں معتبر ہیں لیکن جہاں تک ان کے اپنے عقیدے کا تعلق ہے وہ نہ ان کتابوں کو معتبر سمجھتے ہیں نہ ان کے مؤلفین سے انہیں کوئی عقیدت ہے۔ نہ وہ انہیں اپنے ہاں مومن تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے ہاں تو حدیث کی اپنی کتابیں وہ ہیں جو اصول اربعہ کے نام سے معروف ہیں۔ سو شیعہ حضرات کا صحاح ستہ کی احادیث سے انکار دراصل ان کتابوں سے انکار ہے، حدیث رسول ﷺ سے اصولی انکار نہیں۔ ارشاد رسالت کے حجت ہونے کے وہ بہر حال قائل ہیں۔ پھر شیعہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ان کا امام معصوم ہر دور میں موجود رہا ہے اور یہ صرف امام کی بات ہے جو ان کے ہاں حدیث کا درجہ رکھتی ہے سو اس کی حدیث کے ہوتے ہوئے انہیں جناب رسالت مآب ﷺ کی احادیث کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔

قادیانی لوگ علمی مباحث میں جب کبھی حدیث سے استدلال کرتے ہیں تو ان کی بھی کوشش برسبیل الزام ہوتی ہے خود وہ حدیث کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ وہ یہ انداز محض اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ مسلمان حدیث نبوی ﷺ کے قائل ہوتے ہیں وہ اسے اپنے لیے ناقابل اعتماد سمجھتے ہیں اور علم و عمل کی سند جانتے ہیں۔ ورنہ جہاں تک قادیانیوں کا اپنا تعلق ہے وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی پوری امت کے لیے حکم بن کر آیا ہے اور اب حدیث وہی قابل قبول ہے جسے وہ صحیح قرار دے اور وہ حدیث ضعیف ہے جسے وہ ناقابل قبول ٹھہرائے (۳۳)۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ معتزلہ، شیعہ اور قادیانیوں کے اختلافات عام مسلمانوں سے کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کے حجت اور سند ہونے پر یہ پھر بھی متفق ہیں۔

قادیانی تو ویسے ہی پاکستان میں غیر مسلم اقلیت ہیں۔ شیعہ کے عوام پر گو غیر مسلم ہونے کا

فتویٰ نہیں تاہم یہ ضرور ہے کہ اثنا عشری شیعہ علماء اسلامی صفوں میں کچھ وزن نہیں رکھتے۔ رہے معتزلہ تو ان کا اعتزال اس دور میں مستقل نہیں رہا، شیعیت اور نیچریت میں جذب ہو چکا ہے۔ مستشرقین نے بھی اس پہلو سے صف اسلام میں بہت انتشار پیدا کیا ہے حدیث سے اعتماد اٹھانے میں شک کے کانٹے دور تک بکھیرے۔ گولڈزیہر اور شاخت نے اس معرکے میں اپنی عمریں صرف کر ڈالیں اور عرب ممالک میں حدیث کے خلاف ہر طرف تشکیک کی راہیں کھول دیں۔ الحمد للہ کہ ان ممالک میں جامعۃ الازھر اور سعودی عرب کے بعض علماء نے اس محاذ پر کام کیا ہے اور اس فتنے کا پوری طرح سد باب کیا ہے (۳۴)۔

دور جدید اور فتنہ انکار حدیث:

دور جدید کا فتنہ انکار حدیث علمی نہیں بلکہ یہ پھر اس یہودی اور عیسائی سازش کا حصہ ہے جو عناد اور اسلام دشمنی پر مبنی ہے جس کو عیسائی سازش کے تحت یورپ کے مستشرقین نے ہندو پاک کے اسلام نما شاگردوں کے ذریعے شروع کیا۔ بعض کو نبوت کے دعوے کے لیے تیار کر دیا اور بعض کو حدیث رسول ﷺ کے انکار کے لیے تیار کیا۔ چنانچہ ان مفسدین نے حفاظت حدیث کے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس ضمن میں انہوں نے حفاظت حدیث کی کثرت تعداد پر حیرت و تعجب کا اظہار کر کے اس کو خلاف فطرت قرار دیا۔ دوسرے قدم میں انہوں نے حدیث کی تاریخیت پر حملہ کر دیا اور جان بوجھ کر صحابہ کرام اور صالحین امت پر یہ بہتان لگایا کہ ان کے زمانے میں حدیث کا وجود نہیں تھا (۳۵)۔

انگریزی دور حکومت نے ایسا ہی نظام ہندو پاک میں رائج کیا، جس کے سبب دین اسلام کی مخالفت کے لیے ایک اسلام نما مگر یورپی ذہن رکھنے والا گروہ وجود میں آیا۔ جس کا کام دین سے فرار اور اعمال رسول ﷺ سے گریز کرنا تھا۔ چنانچہ خود ڈبلیو ہنٹر اس نظام تعلیم کا مقصد بتاتے ہوئے کہتا تھا: ”ہمارے اینگلو انڈین سکولوں سے کوئی مسلمان ایسا نہیں نکلتا جو اپنے آباؤ اجداد کے مذہب سے انکار نہ جانتا ہو“ (۳۶)۔ اس سلسلے میں لارڈ میکالے کا بیان ہے ”نظام تعلیم کے ذریعے ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہمارے اور رعایا کے درمیان ترجمان کا کام کرے اور وہ ایک ایسی جماعت ہو، خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق، رائے اور الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو“ (۳۷)۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے انگریز مکار نے اسلام نما دشمنوں کا انتخاب کیا جو اسلام کا ظاہری لیبل لگائے منافقانہ اور عیارانہ طریقوں سے اسلام کے بارے میں بدگمانی پھیلاتے رہے۔ ان لوگوں میں سے انگریزوں کو ایک سرکردہ لیڈر سر سید احمد خان ملا جس نے حدیث

رسول کا انکار کر کے قرآنی تعلیمات کے خلاف عیسائی اور انگریزی سازشوں کی تائید کی (۳۸)۔ لیکن سرسید صاحب انگریز حکمرانوں کو خوش کرنے کے لیے ان تمام تاریخی حقائق کا انکار کر کے دعویٰ کرتا ہے کہ بائبل تو بالکل محفوظ ہے۔ البتہ خود نبی کریم ﷺ کا حدیثی سرمایہ اس کے نزدیک غیر محفوظ اور ناقابلِ اسناد ہے۔

بقول علامہ اقبال:

جسے کساد سمجھتے ہیں تاجرانِ فرنگ
وہ شے متاعِ ہنر کے سوا کچھ اور نہیں

محبانِ رسول ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اقوالِ محبوبِ ربانی کو سرمایہِ ایمان سمجھتے تھے اور ان کی زبان سے نکلے ہر حرف کو دل و دماغ میں پیوست کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اعمال میں بغیر کسی کم و کاست کے ظاہر کرتے تھے۔ ایسے عشاقِ رسول ﷺ جن کو حضور ﷺ کی طرف سے احادیث کو محفوظ کرنے کی خوشخبری ملی تھی: ”نضر اللہ امرءاً سمع مقالتی فوعاها و حفظها و بلغها“ (۳۹) [اللہ تعالیٰ اس آدمی کو تروتازہ رکھے جس نے میرا قول سنا تو اسے یاد کیا اور اچھی طرح محفوظ کیا اور (پھر دوسروں تک ایسا ہی) پہنچایا]۔

دوسری طرف خطرناک قسم کے عذاب کا ڈر بھی سنایا کہ ”من کذب علی متعمداً فلیتبعوا مقعده من النار“ (۴۰) (جس کسی نے میری طرف قصداً جھوٹ منسوب کیا اس نے دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنالیا)۔ اس طرح ہر بات کی حضور ﷺ نے پہلے سے یہ پیشین گوئی کر دی تھی۔ سرسید احمد خان نے انگریز حاکم کو خوش کرنے کے لیے مسلمانوں کے دل و دماغ میں اسلامی احکامات کے متعلق شکوک و شبہات کا دروازہ کھولا۔ پیغمبر اسلام کی تشریحات کی پرواہ کیے بغیر قرآن کریم کی من مانی تشریحات کیں اور یوں مسند پیغمبر پر قبضہ کر کے خداوند عالم کی کتاب کو اپنی رکیک تاویلات کا نشانہ بنایا (۴۱)۔ بڑی آسانی کے ساتھ ان اقوال سے سرسید کی اسلام دشمنی کا پتہ چلتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ عبد اللہ ابن سبا یہودی نے اسلام کے خلاف جس سازش کا آغاز کیا تھا وہ بھی قرآنی آیات کی من مانی تشریحات اور حدیثِ رسول پاک کے انکار پر مبنی سازش تھی۔ پس سرسید کی سازش کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ ابن سبا یہودی کی تحریک کا پرتو ہے (۴۲)۔

سرسید کے پیروکاروں میں سے بعض نے ختم نبوت کا انکار کر کے اپنی خود ساختہ نبوت کا اعلان کیا جن میں سے غلام احمد قادیانی نے انگریز آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا۔ جبکہ بعض نے اپنا نام اہل قرآن رکھ کر اسلام کے حلیہ کو بگاڑنا شروع کر دیا۔ چنانچہ غلام احمد

قادیانی نے قرآنی آیات کے مفہومات کو اپنی من مانی تاویلات کے ذریعہ بگاڑنے کی خوب کوشش کی۔ سرسید احمد خان کا ایک سرگرم پیروکار عبداللہ چکڑالوی جس کا اصل نام غلام نبی تھا۔ حدیث سے نفرت کی بنا پر اپنا نام عبداللہ بن سبا کی طرح عبداللہ رکھا۔ اس نے کھلم کھلا حدیث کا انکار کر کے (اپنا نام) اہل قرآن رکھا۔ اور مسلمانوں کو دین اسلام سے منحرف کرنے لگا۔ اس نے تمام ذخیرہ احادیث اور اقوال رسول اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ شیطانی خیال کیا۔

عبداللہ چکڑالوی کے بعد اس کا بڑا سرگرم رکن احمد الدین امرتسری نے تمام اسلامی عبادات کو بیک جنبش قلم مٹا دیا (۴۳)۔

منکرین حدیث کے گروہ کا ایک سرگرم رکن نیاز فتح پوری قرآن کریم کے متعلق لکھتا ہے۔ ”کلام مجید کو میں نہ کلام خداوندی سمجھتا ہوں نہ الہام ربانی بلکہ اسے ایک انسان کا کلام جانتا ہوں اور اس مسئلہ پر میں اس سے قبل کئی بار گفتگو کر چکا ہوں“ (۴۴)۔ اس نے قرآن مجید کے کلام الہی ہونے کے انکار کے ساتھ سرے سے وحی کا بھی انکار کر دیا ہے۔ یہ ہیں قرآن مجید کے متعلق اصل عقائد اور خیالات جو عبداللہ چکڑالوی سے بھی بہت آگے اس کے شاگرد نیاز فتح پوری نے ظاہر کیے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ”اہل قرآن“ اپنے یہودیانہ سازشوں میں ابلیس سے بھی اونچا مقام حاصل کر چکے ہیں۔ اقوام عالم میں کوئی بھی قوم ایسی نہیں گزری ہے جس نے وحی کا انکار کیا ہو مگر بغض و عناد میں دشمن جب حسد کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے تو پھر وہ سب کچھ کر گزرتا ہے (۴۵)۔

منکرین حدیث میں ایک اسلم جیراج پوری ہے اس نے بھی اپنے زہریلے پروپیگنڈے کے ذریعے اقوال رسول کا انکار کیا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ ”احادیث کا ذخیرہ پیغمبر کے منہ سے نکلا ہی نہیں آپ نے صرف قرآن کی تبلیغ کی ہے“ (۴۶)۔ بعد ازاں ایسا شخص آیا جس نے قرآن کریم کے نام سے اسلام دشمنی کی تمام حدود کو پامال کر کے ضلالت گمراہی کی حد کر دی۔ وہ غلام احمد پرویز بٹالوی ہے جو ایک طرف خدا اور رسول کے وجود سے انکار کرتا ہے اور دوسری طرف خود اپنے آپ کو اہل قرآن کہتا ہے۔ وہ لکھتا ہے: ”قرآن حکیم میں جہاں اللہ اور رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد مرکز نظام حکومت ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں مرکز ملت کو اللہ اور اس کے رسول سے تعبیر کر لیا گیا“ (۴۷)۔

پرویز کے بیانات تو اس سلسلے میں واضح ہیں کہ انسان خدا بھی ہے اور انسان بھی، جنت بھی، جہنم بھی نیز فرشتے بھی انسان کی نفسانی محرکات کا نام ہیں۔ ایک عقل مند اور ذی ہوش انسان کی سمجھ سے تو یہ بات بالکل بالاتر ہے کہ انسان خالق بھی ہو اور مخلوق بھی جنت بھی ہو اور دوزخ بھی یہ ہیں وہ احمقانہ خیالات جن کو منکرین حدیث بڑی دھوم دھام سے پیش کرتے ہیں اور ان کو قرآن کریم

کی تعلیم بھی بتاتے ہیں۔

یہ چند مختصر بیانات منکرین حدیث کے ہیں جو درحقیقت منکرین قرآن ہیں تاکہ یہ پتہ چلے کہ منکرین حدیث دراصل قرآن کے تمام حلیہ کو بگاڑنے کے درپے ہیں اور جو نظریات وہ پیش کرتے ہیں، اسلام کو مٹانے کی وہی یہودیانہ سازشیں ہیں جن کو عبداللہ بن سبا اور ان کے پیروکاروں نے شروع کی تھیں (۳۸)۔

منکرین حدیث کے مختلف گروہ:

احادیث نبویہ میں مختلف قسم کے منکرین حدیث کی خبر دی گئی ہے کہ وہ مختلف صورتوں اور مختلف اندازوں سے احادیث رسول کا اعتبار ختم کرنے کی ناکام سعی کریں گے۔ ان کی تین بڑی قسمیں درج ذیل ہیں:

الف: وضاعین حدیث:

ایک طبقہ کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ وضاعین حدیث کی صورت میں نمایاں ہوگا جو وضع حدیث کے پیرایہ میں حدیث کو بے اعتبار کر کے گویا اس سے انکار کی دعوت دے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: آخر زمانہ میں ایسے جھوٹے اور جلسا ساز پیدا ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں (گھڑ کر) بیان کریں گے جو نہ کبھی تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارے آباؤ اجداد نے۔ ان سے بچتے رہنا کہیں تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور بتلائے فتنہ و فساد نہ کر دیں (۳۹)۔

علامہ ابن الصلاح فرماتے ہیں: ”والواضعون للحدیث اصناف، واعظمهم ضررا قوم من المنسوبین الی الزهد وضعوا الاحادیث احتسابا فیما زعموا فتقبل الناس موضوعاتہم ثقہ منهم بہم، و رکونا الیہم، ثم نہضت جہابذہ الحدیث لکشف عوارھا ومحو عارھا والحمد للہ“ (۵۰) (حدیث گھڑنے والوں کی (کئی) قسمیں ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ ضرر رساں وہ لوگ ہیں جو زہد کی طرف منسوب ہیں انہوں نے اپنے خیال میں احتساب (ڈرانے) حدیثیں گھڑ لیں اور سمجھتے یہ رہے کہ اس میں ثواب ملے گا۔ لوگوں نے ان کی ظاہری حالت پر اعتماد کر کے ان سے عقیدت رکھتے ہوئے ان کی موضوع روایت کو قبول کر لیا۔ پھر فن حدیث کے اعلیٰ ماہرین اٹھے تاکہ اس کمزوری کا پردہ چاک کر دیں اور اس کی خرابی کو مٹا

دیں اور اصل تعریف تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات کے لیے ہے۔

پس یہ لوگوں کی اطلاع تھی جنہوں نے حدیث اور بیان قرآن کو معتبر کہہ کر بلکہ اس سے عقیدت کا اظہار کر کے عیاری اور سادگی سے جعلی حدیثیں گھڑیں اور اصلی احادیث خلط ملط کر کے شائع کیں تاکہ اصل احادیث کا اعتبار اٹھ جائے گویا اقرار کے پیرایہ میں انکار حدیث کیا۔

ب: منکرین حدیث:

ایسے لوگوں کے وجود کی بھی رسول اللہ ﷺ نے خبر دی جو کھلے بندوں حدیث کا انکار کر کے اسے بے اعتبار بنانا اور مٹانا چاہیں گے چنانچہ مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”خبردار ہو! مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کا مثل اور بھی دیا گیا ہے (یعنی حدیث) آگاہ رہو کہ ایک پیٹ بھرا تو نگر قسم کا آدمی مسند و تکیہ پر بیٹھ کر کہے گا۔ لوگو! بس قرآن کو مضبوط تھامو جو اس میں حلال ہے اسے حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہے اسے حرام سمجھو (حدیث کا کوئی اعتبار نہیں) حالانکہ (حدیث میں) رسول اللہ نے بہت سی چیزوں کو حرام کیا ہے۔ جیسے اللہ نے حرام فرمایا ہے، دیکھو پالتو گدھے کا گوشت تمہارے لیے حلال نہیں، کانٹے والے درندے تمہارے لیے حلال نہیں۔ کسی معاہدہ کی گری پڑی چیز تمہارے لیے حلال نہیں۔ الا یہ کہ تمہاری اطلاع کے بعد وہ خود ہی اس سے دست بردار ہو جائے“ (۵۱)۔

اس حدیث نے فتنہ انکار حدیث کا منشا بھی بتلا دیا ہے کہ وہ منکروں کی شکم سیری اور پیٹ بھرے ہوئے کا کرشمہ ہوگا۔ دنیا کی طرف سے بے فکری ہوگی تو دین پر ہاتھ صاف کرنے کی سوجھے گی۔ ارشاد ربانی ہے: کلاً ان الانسان لیطغی ان راہ استغنی (۵۲)۔ (ہرگز نہیں آدمی سرکش ہو جاتا ہے جب کہ اپنے آپ کو مال اور دولت کے اعتبار سے غنی دیکھتا ہے)۔

پس غور کیا جائے تو وضاعین حدیث روافض کے نقش قدم پر ہیں جنہوں نے قرآن کا نام لے کر احادیث کو بے اعتبار ٹھہرایا۔

ج: محرّفین حدیث:

یہ تو وہ طبقات تھے جنہوں نے برملا انکار حدیث یا تحریف الفاظ حدیث کا فتنہ امت میں پھیلا یا ایسے طبقوں کی خبر بھی دی گئی ہے جو الفاظ حدیث کو مان کر اس کی معنویت میں تحریف کے مرتکب ہونے والے تھے۔ چنانچہ احادیث میں ان تحریف معنوی کرنے والوں کی اطلاع بھی موجود

ہے جو قرآن و حدیث کو ثابت مان کر بھی پھر اس سے آزاد بلکہ اپنی عقل کو حکمران سمجھیں گے اور معانی قرآن و حدیث میں عقل محض اور رائے مجرد سے معنوی تحریف کر کے ان کا نقشہ بدل دینے کی کوشش کریں گے جس سے امت میں مستقل گروہ بندی کی خو پیدا ہو جائے گی، فرمایا گیا یہود اکہتر فرقوں میں بٹ گئے اور نصاریٰ بہتر فرقوں میں بٹ گئے، میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سوائے ایک فرقے کے سب جہنمی ہوں گے (۵۳)۔

یہ گروہ بندی قرآن و حدیث کے انکار کے نام پر نہیں بلکہ اقرار کے نام پر ہوئی اور امت میں اصولاً تہتر فرقے بن گئے، یہ وہی معنوی تحریف ہے جو یہود و نصاریٰ کا وطیرہ تھا اور رفتہ رفتہ توراۃ و انجیل کا اصل علم گم ہو گیا۔

”بحرفون الكلم عن مواضعه ونسوا حظا مما ذكروا به“ (۵۴)
(کلمات (دین) کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں اور نصیحتوں سے جو یاد کرایا گیا تھا اسے بھلا بیٹھے ہیں)۔
فتنہ انکار حدیث کے اسباب:

قطع و برید نصوص:

حدیث کے انکار کا ایک سبب یہ ہے کہ منکرین حدیث جن ماخذ پر انحصار کرتے ہیں وہ لوگ قرآن یا حدیث کا صرف ایک مخصوص حصہ کاٹ کر الگ کر کے لکھتے ہیں۔ جس سے انکے مخصوص ذہن کی ترجمانی ہو جاتی ہے۔ مگر حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انکار حدیث کے جراثیم نشوونما پاتے ہیں۔ مثلاً کتابت حدیث کے متعلق دلیل میں حدیث پیش کرتے ہیں ”لا تکتبوا عنی غیر القرآن“ (مجھ سے قرآن کے علاوہ اور کچھ نہ لکھو) صرف اتنے ہی ٹکڑے پر اکتفا کرتے ہیں اگر پوری حدیث لکھ کر اس کا ترجمہ کریں تو کتابت حدیث کی ممانعت اس حدیث سے ہرگز ثابت نہیں ہوتی (۵۵)۔

سطحی تعلیم اور ناقص مطالعہ:

اکثر منکرین حدیث کی رسائی اصل ماخذ تک نہیں ہوتی کیونکہ اصل ماخذ تو عربی میں ہیں اور پھر عربی بھی قدیم، اس کا مطالعہ اور مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالے بغیر تحقیق بھی کرنا چاہتے ہیں یوں ان کا مطالعہ مکمل نہیں ہو پاتا۔ یہ ناقص مطالعہ

”نیم حکیم خطرہ جان.....“ کے مصداق نیم مطالعہ خطرہ ایمان کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ انہوں نے ناقص مطالعہ کی بنا پر جو نظریات قائم کیے ان کے لیے تو گھائے کا سودا تھا ہی ساتھ ہی ان کے لیے بھی باعث نقصان ثابت ہوئے جنہوں نے بعد میں ان کا مسلک اپنایا۔ ناقص مطالعہ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے حدیث کا مطالعہ باقاعدہ کسی عالم دین اور مستند ادارے سے نہیں کیا اس لیے بھی ان میں وہ علمی گہرائی اور دقت نظر پیدا نہ ہو سکی۔ یوں انکار حدیث کی: ! وہ پر چل نکلنے (۵۶)۔

اصول حدیث سے بے خبری:

چونکہ ان لوگوں نے اسلام کا مطالعہ سطحی کیا ہوتا ہے اس لیے وہ اسلامی علوم کے اصولوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ ان کو اقسام حدیث کا بھی صحیح علم نہیں ہوتا۔ بعض اوقات موضوع احادیث کو ہی اساس بنا کر چل پڑتے ہیں جس سے احادیث کی قانونی اور فقہی حیثیت مشکوک ٹھہرتی ہے۔ نیز وہ اس بات سے بھی قطعاً ناواقف ہوتے ہیں کہ کسی خاص حدیث سے جو حکم ثابت ہوتا ہے وہ فرض ہے سنت ہے جائز ہے یا صرف مباح ہے (۵۷)۔

ذہنی مرعوبیت:

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مفتوح قوم فاتح قوم سے گفتگو کے میدان میں بھی مار کھا جاتی ہے اور آخر کار ذہنی شکست خوردگی کا شکار ہو جاتی ہے اور غالب و فاتح قوم کے نظریات و افکار کو عین عقل اور الہامی تسلیم کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ منکرین حدیث بھی ذہنی اور فکری میدان میں یورپ سے مرعوب ہیں اس لیے ان لوگوں نے یورپ سے درآمد شدہ اسلام کو ہی عین اسلام سمجھا اور اس اسلام کے آڑے صرف اور صرف حدیث آتی تھی اس لیے اس کا انکار کر کے شکوک و شبہات کی فضا قائم کر لیتے ہیں (۵۸)۔

نفسانی خواہشات:

آج تہذیب و تمدن کی ترقی کے نام پر جو نفسانی خواہشات کی پراگندگی پھیل رہی ہے۔ انسانیت کی اعلیٰ اقدار جس طرح پامال ہو رہی ہیں۔ انسانیت حیوانیت کی پستیوں کی اتھاہ گہرائی میں گرتی جا رہی ہے۔ یہ غیر اسلامی معاشرے کی منظر کشی ہے۔ کچھ مخصوص مری اور غیر مری قوتیں بھی اپنی خواہشات کے افادہ عام کے لیے اسلامی معاشرے میں وہی حیا باخستہ مظاہر بد تہذیبی پھیلانا

چاہتے ہیں۔ سنت اس راہ میں رکاوٹ ہے تو ان لوگوں نے اس رکاوٹ کو توڑنے کے لیے سنت کا سرے سے ہی انکار کر دیا تاکہ ”نہ رہے بانس نہ بجے بانسری“۔ یعنی نہ سنت ہوگی اور نہ ہی ہمیں اپنے کسی فعل پر ندامت ہوگی اور قرآن کا انکار اس لیے نہیں کرتے کیونکہ قرآن مجید میں اجمال ہے۔ تفصیل نہیں ہے اور سنت کی عدم موجودگی میں اس کے معانی و مطالب کو اپنے نظریات کے مطابق ڈھال کر پیش کرنا آسان ہے اور اس طرح یہ لوگ بزعم خود مسلمان بھی ہیں کیونکہ کلمہ گو ہیں۔ اور ارکان اسلام پہ عمل پیرانہ ہو کر بھی مسلمان۔ ان کے کیونکہ ان کے خیال میں ذخیرہ احادیث مشکوک ہے۔ وہ اس آڑ میں اپنی خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں حدیث حجت کی حامل نہیں ہے (۵۹)۔

مادی لالچ:

مادی منفعت اور لالچ انسان کی طبیعت میں ہے اور مادی لالچ تو انسانیت کے لیے زہر قاتل ہے۔ سیم وزر ہی سے انسان اپنی ہوائے نفسانی کی تکمیل کرتا ہے۔ معاندین اسلام نے جب ہر طرح کے حربے آزمائے اور اہل اسلام ٹس سے مس نہ ہوئے تو ان لوگوں نے بعض کمزور ایمان مسلمانوں کو لالچ دیا۔ جس کے دام میں یہ لوگ آ گئے۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ ملت اسلامیہ کے حفاظتی حصار بیرونی حملہ آوروں سے نہیں بلکہ اندرونی فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے منہدم ہوئے۔ بالکل اس طریق پر یورپ نے جو سرمایہ وقوت و اقتدار میں آج کل بلند تر ہے۔ مسلمانوں کو لالچ دیا۔ انہیں اپنے ادارہ جات میں داخلے اور ڈگریاں دیں۔ مزید انہیں ملازمتیں اور مالی امداد کی یقین دہانیاں کرائیں۔ یہ سب کچھ کیا اور معاندین اسلام کے یہ ناخلف اسلامی تلامذہ ان کے جھانسنے میں آ گئے اور وہی زبان بولنے لگے جو وہ بولتے تھے۔ قادیانیت کے پھیلنے کا بھی یہی سبب ہے کیونکہ مادی لالچ میں پھنس کر ان لوگوں نے حدیث رسول ﷺ کا انکار کر دیا تاکہ مادی وسائل سے بھرپور استفادہ کیا جاسکے (۶۰)۔

نفسیاتی بیماری:

بعض لوگ دنیا میں بلند مقام حاصل کرنے کی مطلوبہ ہمت نہیں رکھتے لیکن انہیں بڑا بننے کا شوق ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ درحقیقت یہ ذہنی مریض ہوتے ہیں۔ نئے نئے شوشے، افکار علمی، تحقیق جدید کے نام پہ چھوڑتے رہتے ہیں۔ منکرین حدیث کی تمام تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ان لوگوں نے علم و ادب اور عقل و منطق کے کسی بھی معیار پر پورا نہ اترنے والی تاویلات کیں۔ ایسی نئی

موشگافیوں سے انہیں ذہنی تسکین تو حاصل ہوگئی اس ذہنی تسکین کا سامان ان لوگوں کو حجیت حدیث کے انکار سے ہی حاصل ہوا (۶۱)۔

حریت فکر کا شاخسانہ:

بعض منکرین حدیث، سنت و حدیث کو آزادی فکر و عمل کے منافی قرار دیتے ہیں۔ انسان اگر کسی جنگل کا جانور نہیں بلکہ انسانی معاشرے کا فرد ہے تو پھر اسے معاشرتی طور و اطوار کی پابندی کرنا ہوگی ورنہ نام نہاد جدید تعلیم یافتہ معاشرے اور جنگل میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔ اسلامی تبدیلی اقدار کے نام پر اخلاق کے بگاڑ کی بجائے ایسی معاشرتی پابندیوں کو سنت کی پابندی کی شکل میں پیش کرتا ہے لیکن کسی ادنیٰ سے اشارے سے بھی انسانی فکر کی پرواز پر پابندی عائد نہیں کرتا بلکہ اسلام تو مسلمان کو ادراک باری تعالیٰ ایسا بلند ترین منصب عطا کرتا ہے کہ ساری عمر عقل کے گھوڑے پر سوار ہوا کے دوش اڑتا رہے لیکن پھر بھی عاجز رہے (۶۲)۔

پست ہمتی:

ہر نیا دن نئے مسائل کے ساتھ طلوع ہوتا ہے۔ قرآن دانی، ذخیرہ احادیث پر مکمل عبور، احادیث پر جرح و تعدیل کی بحثوں کے مکمل احاطہ، خارجی و داخلی نقد، حدیث کی مہارت اور ملکہ، جدید و قدیم اسلامی علوم سے واقفیت عامہ، استنباط مسائل کی قوت اور استخراج ادلہ کی مہارت نیز اخلاص و تقویٰ ان سب پر مستزاد ہو تو یہ مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ مگر منکرین حدیث ان تمام اوصاف حمیدہ سے عاری، ان علوم و فنون سے بے بہرہ اور عقل کے اندھے، نفسیاتی مریض، خواہشات نفسانی کے اسیر، اس کار مرداں کے کیسے متحمل ہو سکتے تھے؟ لہذا ذخیرہ احادیث کو ناقابل اعتماد کہہ کر اپنی جان چھڑا گئے۔ حالانکہ قصور اپنا تھا الزام سنت پر سونپ دیا۔ پر لطف بات یہ کہ ذخیرہ احادیث مجموعی طور پر ناقابل اعتماد ٹھہرانے والے اپنی نماز بھی مکمل نہ کر پائے اور نہ ہی ادائیگی نماز پر اتفاق ہو سکا۔ بلکہ ان کی نماز کی رکعات و اوقات میں صرف دوسری پشت میں اتنا بعد پیدا ہو گیا کہ استاد و شاگرد کی تمیز ہی نہ رہی (۶۳)۔

موضوع احادیث:

اسلام کے نادان دوستوں اور عیار دشمنوں کی مشترکہ کوششوں سے بے شمار موضوع احادیث

گھڑی گئیں اور یہ ایک حقیقت ہے۔ لیکن اسلام کے خیر اندیش اور بھی خواہ محدثین (ہر فرعون راموسی کے مصداق) نے ایک ایک راوی اور اس کی ایک ایک مروی حدیث کی ایسی باریک بینی سے جانچ پڑتال کی کہ انسانی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

قابل اعتماد اور ناقابل اعتماد احادیث کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیا۔ منکرین کے نزدیک اب بھی اگر تمام ذخیرہ احادیث ناقابل اعتماد ہے تو ذرا اس کی بنا پر دیگر علوم اور زندگی کے دوسرے معاملات کو بھی پرکھتے ہیں۔ یا اصل و نقل کی پہچان اور فرق کے باوجود اصل کو نقل سے الگ کر کے سنبھال رکھتے ہیں حالانکہ ان کے اصول کے مطابق تو اصل و نقل تمام ناقابل اعتماد اور پھینکنے کے لائق ہیں۔ مگر عام دنیاوی معاملات میں کھرے اور اصل مال کو لینا مباح اور نقل کو پھینکنا ان کی فطرت ہے۔ تو بقیہ دین اسلام کے معاملے میں بھی انہیں یہی راہ اختیار کرنی چاہیے جو وہ دنیاوی معاملات میں کرتے ہیں۔ اگر کریں تو ٹھیک و گرنہ یہ ان کی منافقانہ روش ہے (۶۴)۔

منصب رسالت سے بے اعتنائی:

قرآن عزیز میں پیغمبر انسانیت کو تا قیامت اسوہ حسنہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ خالق انسانیت کے اپنی مخلوق کے لیے پیش کردہ ماڈل کی حقیقت و عظمت اور معرفت و یقین نہ ہونے کی بنا پر بعض لوگ انکار کی روش اپناتے ہیں۔ یا ادھر ادھر جھانکتے ہیں اور اگر یہ احساس ہو جائے کہ میرا دامن ”محمدی ماڈل“ رکھتا ہے جو کہ ہر دور میں کامل و افضل اور اپنی جامعیت کی بنا پر صرف اور صرف وہی لائق اتباع ہے۔ تو پھر سنت سے انکار کی بجائے عقیدت و اطاعت کے لیے وہ بے مثال محبت ابھرتی ہے کہ اس کی نظروں میں کوئی دوسرا ماڈل ذرہ برابر وقعت و اہمیت نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی وہ کسی کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے۔

یورپ اپنے دامن میں تحریف و تبدل سے محفوظ کوئی ذخیرہ ہدایت اور راہنمائی کے لیے مکمل نمونہ نہیں رکھتا جو کہ انسانی ضرورت ہے۔ اس لیے نت نئے نئے افکار سے دو چار ہے۔ لیکن ذہنی آسودگی نہیں پا رہا اور عملی بے چینی و بے قراری کا اندازہ تو ان کی بے مقصد آوارگی سے خوب ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ان کے ذہنی کرب و اذیت اور فکری درماندگی کا آئینہ دار ہے (۶۵)۔

ایرانی تصور تصوف:

کچھ محققین کے مطابق ابتداء میں انکار حدیث کا سبب غالباً ایرانی تصور تصوف تھا (۶۶)۔ یہ

ایرانی تصور تصوف اصولاً تو سنت پر غالب نہ آسکا مگر اس کی فعالیت اور ایک حد تک افادیت کی نفی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سنت بعض لوگوں کے ہاں ایک خیالی رسم بن گئی اور اس کو بے جان و بے معنی ڈھانچہ سمجھا جانے لگا (۶۷)۔

معجزات کو عقل انسانی پر پرکھنا:

انسانی عقل محدود ہے اور کائنات لامحدود اور خالق کائنات کی قدرت کاملہ اور اس کے تصرفات کا احاطہ عقل انسانی کے ادراک سے ہی مادی ہے۔ لیکن انسان نے جب سے اپنی عقل کو کل علوم و فنون کا منبع تصور کر رکھا ہے۔ تب سے یہ تصورات و افکار پیدا ہو رہے ہیں۔ انبیاء کے خرق عادت و واقعات و تمثیلات ہیں۔ حالانکہ یہ صرف ان لوگوں کی فریب عقلی کے سوا کچھ نہیں۔ اور یہ ان لوگوں کے علم کی حد سے بالاتر ہیں۔ اور انسانی عقل خام کی رسائی وہاں تک ناممکن ہے۔

اپنے اس عقلی تفوق کو معیار بنا کر معجزات کا انکار کیا اور چونکہ معجزات انبیاء کی تصدیق عام علمی حقائق سے ناممکن ہوتی ہے اور ان کی تائید و نصرت میں صرف احادیث ہی ہیں تو ان لوگوں نے اپنے آپ کو برحق ثابت کرنے کے لیے سنت و حدیث کا انکار کر دیا۔ تاکہ اپنے خود ساختہ مفروضات کے لیے کوئی دلیل مہیا ہو سکے (۶۸)۔

اسلام اور جدید علوم:

آج کا انسان علمی و عقلی لحاظ سے ترقی کے افق پر چھایا ہوا ہے۔ اس کی علمی و عقلی قوتوں کے سامنے کائنات کی وسعتیں اور دوریاں مٹ رہی ہیں۔ انسان نے اسی مادی ترقی کے حصول کا لمبا اور کٹھن سفر بڑی صعوبتوں اور مصیبتوں سے طے کیا ہے۔ مزید سفر ابھی جاری ہے اور یہ تمام سفر یعنی ترقی کا سفر جدید علوم کی بدولت ہی ممکن ہوا۔ ان علوم جدیدہ کا انسانی زندگی و تہذیب پر اس قدر گہرا اثر ہے کہ ہر آنے والا کل گذشتہ کل سے کئی قدم آگے کے حقائق کو حقیقت کے روپ میں دکھلا رہا ہے اور کچھ مرعوب ذہن اور صحیح اسلامی علوم و فنون سے عاری لوگ جب یورپ کی اس علمی جولانگاہ پر نظر دوڑاتے ہیں۔ تو بجائے کچھ کرنے کے انہوں نے یہی سمجھا کہ کیوں نہ سنت کا انکار کر دیا جائے۔ کیونکہ سنت پر عمل پیرا ہونے سے ہی مسلمان رو بہ تنزل ہیں اور سنت ہی اسلامی اقوام کی ترقی میں رکاوٹ ہے۔

اس لیے ان لوگوں نے سنت کے انکار کی راہ کو اپنایا۔ اگر وہ لوگ اسلام سے واقفیتاً مخلص

ہوتے تو سنت کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے اسلاف کی روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ترقی و برتری میں بھی نام پیدا کر سکتے تھے لیکن کاش وہ ایسا نہ کر سکے اور ایک ایسی راہ کا انتخاب کیا جو صرف انہی کے لیے ہی نہیں تمام ملت اسلامیہ کے لیے تباہی و بربادی کی راہ ہے (۶۹)۔

شہرت و ناموری:

انسان طبعی طور پر شہرت و ناموری کا خواہاں ہے۔ کچھ لوگ باہمت اور صاحب کردار ہوتے ہیں دنیا خوب بخود اپنی جبین عقیدت ان کے حضور جھکا دیتی ہے اور شہرت و ناموری ان کا مقدر ہوتی ہے اور تاریخ کے اوراق ان کے لیے اپنے دامن کو پھیلا لیتے ہیں اور آئندہ آنے والی نسلیں بھی ان کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرنا فرض اولین جانتی ہیں۔ ان کی عزت و قار اور اعتراف عظمت کے امنٹ نقوش جب خود غرض، دنیا دار قسم کے لوگ دیکھتے ہیں تو یہ بھی کچھ ایسے شوٹے چھوڑتے ہیں۔ جن کے اذہان میں بزعم خود دانشور اور مفکر بن جانے کا سودا سایا ہوتا ہے۔ اور کسی دانا کے بقول: کبرنی موت الکبراء (بڑے لوگوں کی موت نے مجھے بڑا بنا دیا)۔

چونکہ اہل علم و فن تو نہ تھے۔ اہل اللہ و اہل التقویٰ بھی نہ تھے مگر شہرت و ناموری کے حصول کی آسان راہ یہی نکالی کہ جمہور کو ملعون قرار دے کر خود کو حق پر جانا اور اپنی انفرادیت قائم رکھنے کے لیے طرح طرح کے نظریات پیش کیے۔ ان میں ایک نظریہ انکار حدیث بھی ہے (۷۰)۔

تقویٰ کا فقدان:

اہل ایمان کی یہ خصوصی صفت ہے۔ تمام ارکان اسلام کا پر تو تقویٰ ہی ہے۔ تقویٰ کے بغیر اسلامی معاشرہ ایک بے روح معاشرہ ہے۔ تقویٰ اسلامی معاشرے اور اسلامی علوم و فنون کی روح ہے۔ قرآن کتاب ہدایت ہے تو صرف اہل تقویٰ کے لیے ہے۔ تقویٰ وہ کسوٹی اور معیار ہے جس سے اوصاف حمیدہ کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ تقویٰ کے بغیر انسانی زندگی کالا حاصل ہے۔ منکرین حدیث و سنت عموماً تقویٰ یعنی خوف خدا سے خالی ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں تقویٰ اور للہیت کی بجائے خود غرضی اور خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے۔



برصغیر کے منکرین حدیث

۱۔ مولوی غلام العلی قصوری (م ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء):

غلام العلی بن داؤد بن مخدوم حافظ غلام مرتضیٰ بن حاجی عبدالملک ہے۔
قصوری صاحب ۲۲-۱۲۲۱ھ/۱۸۲۶ء کے لگ بھگ قصور ضلع لاہور میں پیدا ہوئے ابتدائی
تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور دیگر قصوری فضلاء سے بھی کسب فیض کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے
بعد ضلع فیروز پور میں فوجیوں کے امام مقرر ہوئے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ملازمت چھوڑ دی
اور آپ لاہور تشریف لے آئے۔ آپ نے مولانا غلام محی الدین بھگوی اور مولانا احمد دین بھگوی کے
زیر سایہ دینی تعلیم مکمل کی اور امرتسر تشریف لے گئے اور سرکاری مدرسہ میں نائب مدرس دینیات مقرر
ہوئے۔ اپنے بڑے بھائی مولانا غلام رسول کی وفات کے بعد ۷۸-۱۲۷۷ھ/۱۸۶۱ء میں شہر کے
قاضی مقرر ہوئے اسی سال کے وسط میں انہوں نے سرکاری ملازمت کو چھوڑ دیا کیونکہ آپ بزم خود
غیر شرعی امور کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے۔ یاد رہے کہ ان کا طبعی رجحان طریقت و تصوف کے
برعکس تھا۔

قصوری صاحب نے ۳۰ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ/۲۶ مئی ۱۸۶۵ء میں اپنی قصور کی جائیداد فروخت
کر کے کڑھ سفید میں ایک قطعہ زمین بیس روپے میں خریدا اس پر مسجد اور رہائشی مکان تعمیر کیا اور مسجد
میں مدرسہ تاسید الاسلام جاری کیا۔ جس کا انتظام ایک مجلس کے سپرد تھا۔
مولوی غلام العلی قصوری نے کسی قابل ذکر علمی شخصیت سے علم حدیث حاصل نہیں کیا مزید
وہ نہ صرف انگریزوں سے روابط رکھتے تھے بلکہ ان کے ملازم بھی تھے۔ اس کے علاوہ ان کا تعلق
صاحبزدگان کی گدی سے تھا جو قصور میں واقع ہے تو معلوم ہوا کہ انکار حدیث کی بنیاد رکھنے میں یہی
عوامل کارفرما تھے۔

آپ کی تصانیف اردو، عربی اور فارسی میں ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

- تفسیر قرآن مجید (سورۃ کہف تک، یہ مسودہ ان کے نبیرہ کے پاس ہے)۔

- حدیث قرطاس (فارسی)۔

- تحریق قرآن۔

- تعامل الکفار (فارسی) اس کا اردو ترجمہ بنام کفار کی نوکری شائع ہوا۔

وہ ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء میں قصور میں فوت ہوئے (۷۱)۔

۲۔ مولوی چراغ علی (م ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء):

چراغ علی ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۲ء میں بمقام میرٹھ پیدا ہوئے۔ والد محمد بخش سہارنپور کی ایک انگریزی عدالت میں ملازم تھے۔ جوان کی پیدائش سے قبل ہی فوت ہو چکے تھے۔ مولوی چراغ علی نے روایتی تعلیم بھی حاصل کی اور علمی انہماک کی بدولت یونانی اور لاطینی وغیرہ قدیم زبانیں بھی سیکھیں۔ چراغ علی، سرسید احمد خاں کے معین و مددگار تھے اور رسالہ ”تہذیب الاخلاق“ کے خاص مقالہ نگار تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے اسلام کی عقلی و کالت میں کئی علمی رسائل و مقالات لکھے۔ ان کی مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ تحقیق الجہاد ۲۔ اعظم الکلام

یہ کتب انگریزی سے اردو ترجمہ ہو کر مقبول عام ہوئیں۔ نیز رسائل چراغ علی بھی ایک اہم تصنیف ہے۔ موصوف ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء کو بمبئی میں فوت ہوئے (۷۲)۔

۳۔ سرسید احمد خاں (م ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء):

۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء دہلی میں پیدا ہوئے ان کے والد کا نام سید محمد متقی خان تھا۔ بہادر شاہ ظفر نے انہیں ”جواد الدولہ، عارف جنگ“ کا خطاب دیا۔ حکومت انگلستان نے انہیں ”سر“ کا خطاب دیا۔ ان کی تعلیم و تربیت نہال میں ہوئی۔ فارسی درسیات، تھوڑی سی عربی، قدیم ہیئت، ریاضی اور طب پڑھی۔ طب آپ نے حکیم غلام حیدر خاں دہلوی سے پڑھی اور عربی قواعد اور عربی کی دوسری کتابیں اپنے خالوزین العابدین سے پڑھیں۔ فقہ میں آپ کے استاد نوازش دہلوی تھے۔ عربی ادب میں آپ کے استاد فیض الحسن سہارنپوری تھے۔ حدیث (مشکوٰۃ اور جامع ترمذی) کا درس مولانا مخصوص اللہ ابن رفیع الدین الدہلوی سے لیا۔ ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء تا ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء انگریز کمپنی میں ملازمت کی۔

سر سید ۱۸۹۸ء میں فوت ہوئے۔

تصانیف:

- ۱۔ آثار الصنادید
- ۲۔ تاریخ ضلع بجنور
- ۳۔ سیرت رسول اللہ (خطبات احمدیہ) یہ آپ نے ولیم میور کے جواب میں اردو میں لکھے تھے۔ انگریزی میں ترجمہ کروا کر شائع کروائے، کیونکہ سر سید احمد خاں انگریزی نہیں جانتے تھے۔
- ۴۔ قرآن مجید کی نصف تک تفسیر بھی لکھی تھی۔ اس تفسیر نے فتنہ انکار حدیث کو شبہ دی۔ ان کے حدیث پر اعتراضات کے جوابات مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اپنی ”تفسیر ثنائی“ میں دیئے ہیں جو سر سید کو ان کی زندگی ہی میں بھجوائی گئی۔ ان کے اکثر اجتہادات مذہبی حلقوں میں نامقبول ہوئے۔

انہوں نے باقاعدہ کسی ادارے سے اور کسی بھی معروف عالم دین سے تعلیم حاصل نہیں کی۔ حالانکہ اس دور میں بڑی بڑی نابغہ روزگار شخصیات برصغیر میں موجود تھیں اور توحید و سنت کے تابش و نور سے جہالت کی تاریکی دور فرما رہی تھیں۔ بقول شخصے سید احمد کو سر سید احمد خاں بنایا ہی اس بات نے ہے کہ اس نے مکمل علم دین نہیں پڑھا اگر وہ مکمل دین پڑھ لیتے تو ایک مولوی ہوتے سر سید احمد خاں نہ ہوتے (۷۳)۔

۴۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی (م ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء):

پہلا شخص جس نے ہندوستان میں کھلم کھلا حدیث کا انکار کیا۔ قاضی غلام نبی تھا یہ شخص چکڑالہ ضلع میانوالی کا رہنے والا تھا اور قاضی نور عالم کا بیٹا تھا۔ اس کو حدیث نبوی ﷺ سے یہاں تک نفرت تھی کہ اپنا نام غلام نبی بدل کر عبداللہ رکھ لیا اسی شخصیت کو عبداللہ چکڑالوی کہتے ہیں موصوف کی پیدائش انیسویں صدی عیسوی کے تیسرے عشرے میں ہوئی (۷۴)۔ ان کا خاندانی پس منظر پردہ اخفا میں ہے۔ علمی گھرانہ نہ تھا بلکہ علاقائی رواج کے مطابق کچھ زمینیں تھیں۔ آبائی قصبہ کی نسبت سے چکڑالوی کہلائے۔ والد کا نام بھی معروف نہیں۔ صاحب نزہۃ الخواطر نے ان کا نام عبداللہ بن عبداللہ بیان کیا ہے (۷۵)۔

ان کے اخلاف آج بھی قاضی کہلاتے ہیں۔ مولوی غلام نبی سے مولوی عبداللہ کے نام کی

تبدیلی کب ہوئی تاریخ اس بارے میں خاموش ہے۔ ان کے اخلاف بھی اس بارے میں کوئی واضح خبر نہیں رکھتے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ انہوں نے جب اپنے خیالات و عقائد میں تبدیلی کی تو اپنا نام بھی بدل دیا کیونکہ ان کے خیال میں نام میں نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف تھی اور یہ غیر اللہ کی طرف نسبت ان کے ہاں شرک تھی۔ چکڑالوی کے والد خواجہ اللہ بخش تونسوی کے مرید تھے (۷۶)۔

ان کے ابتدائی حالات، رحلات، ابتدائی تعلیم اور دینی تعلیم کہاں سے حاصل کی، آپ کے اساتذہ و شیوخ کون کون سے ہیں؟ سب نام معلوم ہیں۔ البتہ یہ معلوم ہوا کہ ۱۲۸۲ھ میں علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ عربی زبان میں کافی وسیع مطالعہ کے حامل تھے۔ موصوف جدید علوم بالخصوص انگریزی سے نا آشنا تھے۔ مولانا محمد علی قصوری لکھتے ہیں: ”چکڑالوی چونکہ انگریزی بالکل نہ جانتے تھے اس لیے ان تمام خطوط کو ہمارے ایک دوست سے پڑھواتے (جو عیسائی، پادری وغیرہ نہیں لکھتے) (۷۷)۔

موصوف، خواجہ احمد دین امرتسری (معروف منکر حدیث) سے متاثر تھے۔ ۱۸۹۹ء میں خواجہ صاحب لاہور تشریف لائے تو چکڑالوی صاحب اور ان کے مقتدی میاں چٹو اور شیخ محکم الدین خواجہ صاحب کے ہم خیال ہو گئے اور احادیث کو وحی الہی اور مشلہ معہ سمجھنے کے بجائے کتاب اللہ کے قائل ہو گئے (۷۸)۔ چکڑالوی صاحب نے خواجہ صاحب کے نظریات قبول کرتے ہوئے انکار حدیث کی طرح ڈالنے اور عیسائی پادریوں وغیرہ کے ساتھ روابط کی بنا پر اس میں شدت پیدا ہوئی اور اس نظریہ کو تحریکی بنیادوں پر پھیلایا۔

انکار حدیث کا کھلم کھلا اظہار کرنے پر مسجد چیمپیاں (جس میں وہ امامت کرواتے تھے) کی انتظامیہ نے انہیں مسجد سے نکال دیا تو انہوں نے سریاں بازار میں ایک نئی مسجد کی بنیاد رکھی اور ایک انجمن قائم کی۔

چکڑالوی کے نظریات و افکار سے متاثرہ افراد نے گوجرانوالہ، گجرات اور امرتسر میں مراکز قائم کیے۔ اپنے نظریات کی اشاعت کے لیے ایک رسالہ ”اشاعت القرآن“ جاری کیا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اہل القرآن کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ عبداللہ چکڑالوی فاج کی حالت میں ۱۹۱۵ء میں فوت ہو گئے اور انہیں چکڑالہ ہی میں دفن کیا گیا (۷۹)۔

مولوی عبداللہ چکڑالوی نے ”ترجمۃ القرآن بآیات القرآن“ کے نام سے ایک تفسیر بھی لکھی جس کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

”کتاب اللہ کے مقابلے میں انبیاء اور رسولوں کے اقوال و افعال یعنی احادیث قولی، فعلی، تقریری پیش کرنے کا مرض ایک قدیم مرض ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے مخاطب بھی قطعی اور یقینی

طور پر یہی لوگ تھے“ (۸۰)۔

”کسی جگہ سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم کے ساتھ کوئی اور شے رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تھی اگر کوئی شخص کسی مسئلہ میں قرآن کریم کے سوا کسی اور چیز سے دین اسلام میں حکم کرے گا تو وہ مطابق آیات مذکورہ بالا کافر، ظالم اور فاسق ہو جائے گا“ (۸۱)۔

موصوف کے نزدیک نماز میں (احادیث سے ثابت شدہ) غیر قرآنی دعائیں مانگی جائیں تو وہ سب شرک ہیں۔ ”رسول اللہ کی زبان مبارک سے دین کے متعلق یا قرآن شریف نکلتا تھا اور سہوا اپنے خیالات و قیاسات جن میں اتقاء شیطانی موجود ہوتا تھا جن کو خدا تعالیٰ نے منسوخ و مذکور فی القرآن کر کے آپ کی ان سے بریت کر دی“ (۸۲)۔

مولوی عبداللہ چکڑالوی کی ان تصریحات میں ان کا اعتقادی چہرہ بہت کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ اطاعت رسول کو زیر بحث لانے سے قبل تمام ذخیرہ احادیث کی حیثیت کو ناقابل اعتبار اور مشکوک بنا دیتے ہیں تا کہ حدیث رسول کو بے اعتبار ٹھہرایا جاسکے۔ حدیث کے موجود لٹریچر کو جعلی اور وضعی بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں: ”حدیث کی تشریح و تفصیل کتاب اللہ المجید کے سراسر مخالف ہے۔۔۔ اس وجہ سے مجھے اس بارے میں شک ہوا کہ حدیث محمد رسول اللہ ﷺ کا قول و فعل اور تقریر نہیں ہے۔۔۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ ایک نہایت ہی کریہہ النظر، بد صورت، اور بد شکل مصنوعی چیز ہے۔ اس کو رسول اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ کی وفات سے سینکڑوں برس پیچھے بعض خود غرض لوگوں نے از خود ہزلیات گھڑ لیں اور کمال سیاہ دلی سے ان کو ناحق محمد رسول اللہ کے ذمے لگا دیا ہے یہ کام زیادہ تر بعض یہود و نصاریٰ دشمنان اسلام کا معلوم ہوتا ہے جنہوں نے اسلام کی بیخ کنی کی یہ بہترین راہ سوچی کہ وہ مسلمانوں کے لباس میں لوگوں کو قرآن حکیم کی طرف سے ہٹا کر اور طرف لگا دیں“ (۸۳)۔

ایک دوسری جگہ لکھا ہے: ”فی الحقیقت حدیث میں اس قدر لغویات، ہزلیات اور دو راز کار اور بے سرو پا باتیں مندرج ہیں کہ وہ اس کی شکل کو نہایت ہی بد نما بناتی ہیں لیکن واضعین حدیث نے یہ بڑی کاریگری کی کہ اس کو خاتم النبیین ﷺ کی طرف منسوب کر دیا اور اس طرح اس کے بد شکل چہرہ پر سفید (پاؤڈر) مل دیا“ (۸۴)۔

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ چکڑالوی صاحب کا حملہ پہلے براہ راست اطاعت رسول کے لازم ہونے اور حدیث کی حجیت پر نہ تھا وہ صرف موجودہ ذخیرہ حدیث کو ناقابل اعتماد سمجھتے تھے اور ان کے پاس جب حضور کی صحیح تعلیمات تک پہنچنے کے لیے اور کوئی راہ بھی تو نہ تھی۔ مجبوراً

انہوں نے یہ راہ اختیار کی کہ قرآن مجید کو ہر طرح سے ہر بات میں کافی اور دافی کہیں تاکہ اور کسی طرف انہیں دھیان نہ کرنا پڑے۔

ذخیرہ احادیث کے متعلق چکڑالوی صاحب کے موقف کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

”حدیث کا کوئی وجود حضور ﷺ کے زمانے میں نہ تھا حضور ﷺ نے قرآن کے سوا کبھی کوئی بات نہ کی تھی۔ صحابہ نے حضور ﷺ کے کسی قول یا عمل کو بھی کسی کے سامنے نقل کیا تھا نہ ان میں حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی کسی بات کو آگے نقل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور نہ ہی اگلوں نے پچھلوں سے حضور ﷺ یا صحابہ کے زمانے کی کوئی بات پوچھی۔ انہی حالات پر اسلام کی دو تین صدیاں بہتر ہوئیں اور اس کے بعد یہود و نصاریٰ کے کہنے سے حدیث کی کتابیں یکا یک لکھ دی گئیں اور مسلمان یکا یک ان کی باتوں میں آکر ان ہزلیات کو دین سمجھنے لگے۔ پہلی تین صدیوں میں جو قرآنی نماز قائم کی تھی وہ یکا یک ترک ہو گئی اور نماز کا موجودہ نقشہ جو سراسر قرآن کے خلاف تھا۔ مسلمانوں میں قائم ہو گیا۔ اسلامی دنیا جہاں تک وسیع ہوتی گئی۔ یہی عجمی نماز ہر جگہ پہنچی اور کسی عربی دان کو قرآن کے مطالعہ سے قرآن میں یہ نقشہ نماز نظر نہ آیا جو مولوی عبداللہ چکڑالوی نے برہان القرآن علی صلوۃ القرآن میں درج فرمایا ہے۔ پھر مسلمانوں میں ان قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ میں جتنے بھی قانون دان اور ماہرین فقہ گزرے ان میں سے کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ یہ معتبر راویوں کے نقل کیے ذخائر حدیث ہرگز ماخذ علم نہیں بلکہ یہ سب ہزلیات کا ایک ذخیرہ ہے جو دشمنان اسلام نے مسلمانوں کی بیخ کنی کے لیے تیار کیا ہے (۸۵)۔

چکڑالوی صاحب کا یہ تبصرہ صرف اس امت پر ہی نہیں وہ پہلی امتوں کو بھی اس عقیدہ (حجیت حدیث) میں برابر کا مجرم قرار دیتے ہیں اور مولوی صاحب کا لوی ہے کہ اتباع حدیث کی تجویز پہلے ادوار میں بھی تھی۔ موصوف آخری عمر میں مرض فالج کا شکار ہوئے اور اسی حالت میں ۱۹۱۵ء میں فوت ہوئے اور چکڑالہ میں دفن ہوئے۔ (۸۶)

۵۔ خواجہ احمد دین امرتسری (م ۱۹۱۷ھ/ ۱۹۳۶ء):

خواجہ احمد دین ۱۸۶۱ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام میاں محمد تھا (۸۷)۔ پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ مکمل کیا۔ بعد ازاں چکندوزی کا کام سیکھا یہ ان کا خاندانی ہنر تھا۔ لیکن آپ کے ایک تایا زاد فیض محمد کے سکول داخل ہونے پر آپ نے بھی سکول داخل ہونے کی ضد کی۔ والد صاحب کی رضا مندی سے مشن ہائی سکول امرتسر میں داخل ہو گئے (۸۸)۔

مشن سکول امرتسر میں دنیاوی تعلیم کے ساتھ بائبل بھی پڑھائی جاتی تھی۔ آپ بائبل میں بالخصوص اور بقیہ مضمون میں ہمیشہ اوّل رہے اور انعام حاصل کیا۔ ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم حافظ امام الدین سے حاصل کی جب کہ دینی تعلیم مولانا غلام علی سے حاصل کی۔ بچپن ہی سے آپ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا اور آدھی آدھی رات تک کتاب لیے بیٹھے رہتے۔ کھیل کود سے آپ کو بے حد نفرت تھی۔ دیر تک مطالعہ کی عادت اور کھیل کود و ریاضت سے عدم دلچسپی کی وجہ سے بچپن ہی میں آپ کی آنکھیں خراب ہو گئیں اور آخری وقت تک ضعف بصارت میں مبتلا رہے لیکن اس پر بھی آپ نے مطالعہ ترک نہ کیا بلکہ بڑھاپے تک جاری رکھا۔

کثرت مطالعہ و مختلف فرق سے مباحثے وغیرہ کرنے کی بنا پر اور تقابل ادیان میں دلچسپی کی وجہ سے مذہب کے بارے میں کافی معلومات تھیں۔ فتنہ انکارِ حدیث کا شکار ہو گئے اور اس گمراہی کو آگے پھیلانے میں بڑی تندہی سے کام کیا۔ خواجہ امرتسری سے متاثرہ افراد میں مولانا عبداللہ چکڑالوی، علامہ اسلم جیراچپوری، علامہ مشرقی خاکسار قابل ذکر ہیں۔ خواجہ صاحب نے تمام زندگی، قلم، کتاب اور علم سے ناطہ جوڑے رکھا۔ حتیٰ کہ بستر مرگ پر بھی تحقیق و تخریج مسائل کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ آخری ایام میں آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی اور اسی حالت میں جون ۱۹۳۶ء کو راہی عدم ہوئے (۸۹)۔ چونکہ تعلیم نظریہ ضرورت کے تحت مولوی غلام علی سے حاصل کی اور استاد بھی کامل نہ تھے اس لیے شاگرد بھی علم دین خصوصاً علم حدیث پر اعتراضات کرتے ہی رہے۔ نماز وغیرہ اور تواتر اعمال میں سے انکار نہ کر سکے بقیہ تمام احادیث کے منکر ہو گئے۔ ان کے نزدیک احادیث ایک عظیم الشان کوشش ہے جو اسلامی قانون سازی میں بطور نظائر کے ہی کام آ سکتی ہے (۹۰) یعنی موصوف کے نزدیک عام علماء و فقہاء کے اقوال اور احادیث نبویہ کا ایک ہی مقام ہے۔

آپ کی تصانیف میں خیر کثیر در اثبات وجود رب قدیر، معجزہ قرآن، برہان القرآن، اصل مطاع، ریحان القرآن اور تفسیر بیان الناس زیادہ اہم ہیں۔ آخر الذکر تفسیر دوست ایسوی ایش، اردو بازار لاہور نے ۱۹۹۹ء میں شائع کی۔

۶۔ حافظ اسلم جیراچ پوری (م ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۵ء):

علامہ اسلم جیراچپوری ۱۸۸۱ء میں جیراچ پور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے (۹۱)۔ ابتدائی تعلیم نہال میں رہ کر حاصل کی۔ سب سے پہلے قرآن پاک حفظ کیا کیونکہ والدین کے اکلوتے بیٹے تھے اس لیے ان کی تعلیم و تربیت کے لیے بہترین اساتذہ کا بندوبست کیا گیا۔ فارسی، ریاضی، صرف و

نحو، فقہ، منطق، فلسفہ، عربی ادب، حدیث اور تفسیر میں متداول اور غیر متداول کتب سبقاً سبقاً اور مطالعہ پڑھیں۔

۱۹۰۶ء میں علی گڑھ کالج میں عربی و فارسی کے مدرس مقرر ہوئے۔ آپ نے ایک مورخ کی حیثیت سے زیادہ شہرت حاصل کی اور چھ جلدوں میں ”تاریخ امت“ تحریر کی۔ تقسیم ہند پر کراچی تشریف لائے لیکن بقول پرویز: ”اس خطہ زمین کو اہل علم حضرات کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی لیے وہ انہیں قبول نہ کر سکی اور اس طرح عصر حاضر کا یہ جوہر گراں مایہ مراجعت فرمائے ہندوستان ہو گیا“ (۹۲)۔

موصوف دسمبر ۱۹۵۵ء میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اسلم جیراج پوری کے والد ریاست بھوپال محکمہ تعلیم کے ذمہ دار آفیسر تھے اور انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کی تعلیم کے لیے عالم اساتذہ کا گھر پر ہی اہتمام کیا۔ موصوف نے علم کے حصول میں کوئی سفری تکلیف نہ اٹھائی اور نہ ہی دہلی اور بھوپال کے مراکز حدیث سے استفادہ کر سکے۔ یاد رہے کہ یہ ریاست انگریزوں کے حلیف تھی اور ان کا ریاست میں کافی عمل دخل تھا۔ جیراج پوری صاحب نے انگریزی تہذیب کے مرتبہ اثرات کے زیر اثر پرورش پائی تو فکری طور پر اس سے متاثر ہو گئے۔ علاوہ ازیں علی گڑھ میں بھی ایسے متاثرہ افراد کے ہم سفر رہے کہ لامحالہ انکار حدیث کرتے ہی بنے۔ ان کے نظریہ حدیث کے حوالے سے ایک بات قابل ذکر ہے کہ وہ احادیث کو دین کی تاریخی حیثیت دیتے ہیں (۹۳)۔

ان کی درج ذیل تصانیف زیادہ معروف ہیں:

تاریخ الامت (چھ جلد)، تاریخ اسلام کا جائزہ (قرآن کی روشنی میں)، تعلیمات قرآن، تاریخ القرآن، مقام حدیث، مقالات، نوادرات۔ حدیث اور حجیت حدیث کے حوالے سے ان کے عقائد ملاحظہ ہوں: ”نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے اور نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ نہ حدیث کے راوی پر ہمارا ایمان ہے نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ نہ حدیث کی سند میں جو رجال ہیں ان پر ہمارا ایمان ہے نہ ان پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ پھر یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ ایسی غیر ایمانی اور غیر یقینی چیز کو ہم قرآن کی طرح حجت مانیں“ (۹۴)۔

”قرآن میں جہاں جہاں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے جب تک رسول اللہ ﷺ امت میں موجود تھے۔ ان کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت تھی اور آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہوگی اور اطاعت عربی میں کہتے ہیں زندہ کی فرمانبرداری کو“ (۹۵)۔

جیراج پوری کا یہ استدلال درست نہیں کہ اطاعت زندہ کی ہی ہو سکتی ہے فوت شدہ کی نہیں۔

فوت شدہ کی پیروی کے لیے بھی لفظ اطاعت حدیث میں موجود ہے۔ اسلم صاحب کا یہ نظریہ منکرین حدیث سے ماخوذ ہے۔

حافظ اسلم خاندانی طور پر مذہبی پس منظر رکھنے کے باوجود انکار حدیث کے نئے کاروان میں شریک سفر ہو گئے۔ آپ حدیث کے اصولاً تو خلاف تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسوۂ رسول کو اصولاً حجت تسلیم کرتے تھے۔ لیکن اسوۂ رسول کے بارے میں ایسی ایسی قیود لگائیں کہ انجام انکار حدیث ہی کے قریب رہا۔

علامہ وحید الزمان کی تحریر سے ہمیں موصوف کی علمی سطح کا کچھ اندازہ ہو جائے گا: ”مولانا اسلم جیراچپوری کو یہاں عجیب شبہ گزرا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ما اتکم کی آیت مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں ہے۔ حدیث سے اس کا دور کا واسطہ نہیں ہے۔ یہاں ”اتنا“ کے لفظ کو جو ”نہی“ کے بالمقابل واقع ہے لوگوں نے غلط فہمی سے امر یا قال کے معنی میں سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ قرآن میں سینکڑوں جگہ آیا ہے اور کہیں ان معنوں میں مستعمل نہیں ہوا بلکہ ہر جگہ اس کے معنی دینے ہی کے ہیں۔ لہذا یہ استدلال بھی صحیح نہیں کیونکہ حدیثیں اقوال ہیں ان کے لیے لینے دینے کا لفظ نہیں کہا جاسکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے جو چیز دی ہے وہ قرآن ہے۔ انتہی“ (۹۶)۔

مولانا بدر عالم میرٹھی لکھتے ہیں: ”مولانا جیراچپوری کو چونکہ قرآن کی جامعیت کا علم ہی نہیں اس لیے یہاں بھی انہوں نے آیت بالا کو صرف مال غنیمت سے خاص کر ڈالا۔ تاہم حدیث کے نزدیک آیت بالا اپنی شان جامعیت کی وجہ سے صرف مال کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ان ساری ہدایات کو بھی شامل ہیں جو آپ نے اپنی امت کو دی ہیں“ (۹۷)۔

علامہ وحید الزمان موصوف کی قرآن فہمی کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی علمی قابلیت کا پردہ چاک کرتے ہیں: ”مولانا (اسلم جیراچپوری) کی قرآن دانی کی یہ انتہا ہے کہ انہیں سینکڑوں جگہ میں ایسی کوئی آیت نظر نہیں آئی جہاں یہ لفظ ایسے معنی میں مستعمل ہو جو حدیث پر بھی بولے جاسکیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: یرفع اللہ الدین آمنوا منکم والذین اتوا العلم درجات (البقرہ: ۱۷۷) (اللہ تعالیٰ درجے بلند کرتا ہے مومنین کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے) اگر علم کے لیے یہ لفظ مستعمل ہو سکتا ہے تو کیا حدیث ایک علم ہی نہیں۔ دوسری جگہ فرمایا: واتیناہم الحکم (مریم: ۱۲) وعلمناہم من لدنا علما (الکہف: ۶۹) ولقد اتینا لقمن الحکمة (لقمان: ۱۲) اتانی الكتاب وجعلنی نبیا (مریم: ۳۰) واتاکم ما لم یؤت احدًا من العلمین (المائدہ: ۲۰) اتیناہم الحکمة (فصل الخطاب) (ص: ۲۰)۔

ان آیات میں ”اتنا“ کا لفظ کتاب کے لیے، علم کے لیے، حکمت کے لیے، حکم اور نبوت کے لیے فضائل و کمالات کے لیے اور آخری آیت میں ”فصل الخطاب“ یعنی اقوال کے لیے بھی مستعمل ہوا ہے۔ اس لیے مولانا کا دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔ یہ چند سطور ہی مولانا کے دعویٰ کی تردید کے لیے کافی ہیں (۹۸)۔

۷۔ علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی (م ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء):

عنایت اللہ خاں مشرقی، عطا محمد خاں امرتسری کے ہاں محرم ۱۳۰۷ھ/۲۸ اگست ۱۸۸۸ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد امرتسر کے مشہور رئیس اور سرسید و غالب کے ساتھی تھے۔ انٹر میڈیٹ کا امتحان امرتسر ہی سے اعلیٰ اعزاز کے ساتھ پاس کیا اور وظیفہ حاصل کیا۔ مزید تعلیم کے لیے لاہور تشریف لائے اور فارمن کرچین کالج سے B.A کیا۔ اس امتحان میں بھی وظیفہ حاصل کیا۔ 18 سال کی عمر میں ایم اے ریاضی کے امتحان میں صوبہ بھر میں اوّل پوزیشن حاصل کی اور یونیورسٹی کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑ ڈالے۔ المشرقی کے والد نے اپنے خرچ پر انہیں انگلستان بھیجا۔ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں موصوف نے کیمبرج یونیورسٹی کے کرائسٹ کالج سے ریاضی کے مقابلے کے امتحان میں شرکت کی ستر پونڈ وظیفہ اور فاؤنڈیشن سکالرشپ کا لقب ملا۔ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں انجینئرنگ کے سب سے بڑے امتحان ملینیکل سائنس، ٹراپس میں شامل ہوئے اور صرف ایک سال میں پی۔ ای آنرز کی ڈگری حاصل کی (۹۹)۔

علامہ مشرقی کا اصل میدان تو یورپ سے حاصل کردہ ریاضی اور انجینئرنگ کی تعلیم تھا۔ چلتے چلتے ایک امتحان عربی کا بھی دے دیا اور علامہ معروف ہو گئے۔ موصوف جدید علوم سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ قلم میں بلا کی روانی اور تحریر و تقریر میں جوش و ولولہ کی خوبی سے بھی مالا مال تھے چنانچہ لوگوں کا ان سے متاثر ہونا یقینی تھا۔ اپنے سیاسی افکار کو مذہبی رنگ دیتے دیتے اسلام کی اساس ثانی (حدیث) کے درپے آزار ہو گئے اور حدیث پر اعتراض کرنے بیٹھ گئے۔ ان کی تصانیف تذکرہ اور ملا کے مذہب میں ہمیں ان کے شخصی افکار کی جھلک نظر آتی ہے۔

۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں لاہور میں فوت ہوئے اور اچھرہ میں دفن کیے گئے۔ (۱۰۰)

۸۔ نیاز فتح پوری (م ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء):

اصل نام نیاز محمد خاں جبکہ تاریخی نام لیاقت علی خاں تھا۔ ۱۸۸۲ء میں فتح پور ہسودہ کے

پولیس آفیسر امیر خاں کے ہاں ولادت پائی۔ نو سال کی عمر میں مدرسہ اسلامیہ فتح پور میں داخلہ لیا اور ۱۸۹۹ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ عملی زندگی کا آغاز ۱۹۰۱ء میں صحافت کے میدان سے شروع کیا۔ ۱۹۱۱ء میں ہفت روزہ اخبار ”توحید“ کے معاون مدیر ہوئے۔ ۱۹۱۹ء میں اخبار ”رعیت میرٹھ“ کے چیف ایڈیٹر ہو گئے۔ فروری ۱۹۲۲ء سے اپنا رسالہ ”نگار“ شائع کیا جو کہ ان کے انتقال ۲۴ مئی ۱۹۶۶ء ہر ماہ باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔

نیاز فتح پوری بھی انکار حدیث میں نمایاں شخصیت تھے۔ ”من ویزداں“ انہی کی تصنیف ہے۔ وہ انکار حدیث میں یہاں تک آگے نکلے کہ مسلمانوں کی تمام خرابیوں کا ذمہ دار حدیث کو ٹھہراتے ہیں۔ خود لکھتے ہیں: ”اگر مولویوں کی جماعت واقعی مسلمان ہے تو میں یقیناً کافر ہوں اور اگر میں مسلمان ہوں تو یہ سب نامسلمان ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اسلام نام ہے صرف کورانہ تقلید کا اور تقلید بھی رسول و احکام رسول کی نہیں بلکہ بخاری و مسلم و مالک وغیرہ کی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ حقیقی کیفیت یقین کی اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہو سکتی جب تک ہر شخص اپنی جگہ غور کر کے کسی نتیجہ پر نہ پہنچے۔ قصہ مختصر یہ کہ اوّلین بیزاری اسلامی لٹریچر کی طرف سے مجھ میں احادیث نے پیدا کی“ (۱۰۱)۔

اس میں نیاز فتح پوری نے علماء کو امام بخاری و امام مسلم، امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ محدثین کا مقلد قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ بات قطعی طور پر غلط ہے اور مسلمانوں کے متعلق معلومات کی کمی ہے۔ مسلمان محدثین کی تقلید نہیں کرتے انہوں نے جو صحیح سندوں کے ساتھ احادیث نبویہ بیان کی ہیں صرف ان کو مانتے ہیں۔

نیاز فتح پوری لکھتے ہیں: ”اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے متعلق قرآن کے بتائے ہوئے تصورات دوزخ و جنت، حشر و نشر وغیرہ عقائد ان سب کا مفہوم میرے لیے کچھ سے کچھ ہو گیا ہے کیونکہ اب مجھے نہ صرف عقائد بلکہ خود مذاہب کا وجود بچوں کا کھیل نظر آنے لگا“ (۱۰۲)۔

فتح پوری حدیث نبوی ہی نہیں بلکہ قرآن حکیم پر بھی ایمان میں مخلص نہیں۔ حدیث رسول میں شک سے کانٹے نکالنے والے نیاز صاحب قرآن مجید کے ساتھ کہاں تک وفادار ہیں۔ ملاحظہ ہو: ”میں کلام مجید کو نہ کلام خداوندی سمجھتا ہوں اور نہ الہام ربانی بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں“ (۱۰۳)۔

قرآن مجید کے متعلق یہ ہرزہ سرائی انکار حدیث سے پیدا ہوئی؟ انکار حدیث کا اصل سبب رسول اللہ کی باتوں کو چھوڑ کر غیروں کی باتوں پر ایمان لانا ہے۔ معجزات کے بارے میں نیاز فتح پوری کا عقیدہ ہے کہ: ”معجزے کبھی ظاہر ہی نہیں ہوئے بلکہ یہ سب داستانیں ہیں جو صدیوں بعد گھڑی گئیں“ (۱۰۴)۔

۹۔ تمنا عمادی پھلوا ری (م ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء):

اصل نام محی الدین تخلص تمنا جبکہ تمنا عمادی کے نام سے شہرت حاصل کی۔ وطن مالوف کی نسبت سے پھلوا ری کہلائے۔ تمنا عمادی صوبہ بہار کے ایک صوفی گھرانے میں ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے (۱۰۵) یہ مردم خیز علاقہ کئی ایک اہل علم و صاحب قلم علما کی جائے پیدائش ہے۔

آپ کے بچپن کے حالات پردہ اخفا میں ہیں۔ ابتدائی تعلیم والد گرامی مولانا شاہ نذیر الحق اور خاندانی بزرگوں مولانا علی نعمت اور منظور احمد سے حاصل کی۔ درس نظامی کی تکمیل کے بعد مولانا نے تدریس شروع فرمائی اور پندرہ برس تک تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ قیام پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان ڈھاکہ میں قیام پذیر ہوئے۔ نومبر ۱۹۷۲ء میں عمر کی ستاسی بہاریں گزار کر کراچی میں مسافرانہ بے کسی میں فوت ہوئے اور یہیں دفن ہوئے (۱۰۶)۔

مولانا تمنا عمادی کی مطبوعہ اور عام دستیاب کتب میں جمع القرآن، اعجاز القرآن و اختلاف قرأت، حدیث کے مدون اول زہری اور تفسیر کے مدون اول طبری، سبیل المؤمنین، انتظار مہدی و مسیح کی حقیقت زیادہ معروف ہیں۔

ان کا نظریہ حدیث حسب ذیل ہے: ”وہی ایک حدیث صحیح ہے جو قرآن سے قریب تر ہو اور باقی سب غلط۔۔۔ چاہے ان باقی کے راوی کیسے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں اور وہ صحاح ستہ کی متفق علیہ حدیثیں ہی کیوں نہ ہوں اور وہ ایک حدیث جو کہ قرآن سے قریب تر ہے۔ اس کا راوی کیسا ہی مجروح کیوں نہ ہو اور وہ صحاح ستہ سے باہر ہی کی حدیث کیوں نہ ہو بلکہ شیعوں کی اصول کافی وغیرہ ہی کی حدیث کیوں نہ ہو (۱۰۷)۔“

وہ مزید لکھتے ہیں: ”بعض صحابہ نے عہد نبوی میں حدیثوں کا لکھنا شروع کر دیا تھا اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنتے تھے یا آپ کو کرتے ہوئے دیکھتے تھے اس کو لکھ لکھ کر جمع کرنے لگے تھے تو یہ آیتیں اتریں: ”یا ایہا الناس قد جاء تکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور وهدی ورحمة للمؤمنین قل بفضل اللہ وبرحمته فبذلک فلیفرحوا هو خیر مما یجمعون“ (یونس: ۵۷-۵۸)۔“

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حدیثیں لکھنے سے منع کر دیا“ (۱۰۸)۔

جمہور محدثین کے ہاں کتابت حدیث کی ممانعت اس ابتدائی دور میں تھی جب صحابہ کرام قرآن مجید اور احادیث کو ایک ہی جگہ لکھ لیتے تھے۔ اس کے باوجود بعض صحابہ کو لکھنے کی اجازت مل گئی

جیسے عبداللہ بن عمرو اور بعض کو بعد میں ملی۔ مگر تمنا عمادی نے ہی انکار حدیث کی راہ تلاش کرنے کے لیے اپنی مرضی سے یہ شرح بیان کر دی۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ”یہ سب من گھڑت افسانے ہیں دراصل کسی صحابی نے حدیثوں کا کوئی مجموعہ مرتب نہیں کیا تھا۔ اگر دو چار حدیثیں بھی کوئی صحابی کسی ورق پر لکھ لیتے وہ ورق تبرک کے طور سے ضرور محفوظ رکھا جاتا“ (۱۰۹)۔

ماہنامہ طلوع اسلام ستمبر 1950 کی اشاعت میں ان کا ایک مضمون شائع ہوا جو حدیث کے بارے میں ان کے نظریات کی پوری وضاحت کرتا ہے۔ تمنا صاحب لکھتے ہیں: ”منافقین عجم نے اپنے مقاصد کے ماتحت جمع احادیث کا کام شروع کرنا چاہا تو انہیں منافقین عجم کے آمادہ کرنے سے اس وقت خود ابن شہاب کو خیال ہوا کہ ہم حدیثیں جمع کرنا شروع کر دیں تو یہ مدینہ پہنچے اور کوفہ بھی اور احادیث مختلف مقامات سے حاصل کیں اور بیسیوں راویوں کے ساتھ رہے“ (۱۱۰)۔

اہل علم سے مخفی نہیں کہ ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے حدیث لکھنی شروع کی تھی۔ صالح بن کیسان آپ کے ساتھ تھے مگر تمنا صاحب کا شوق تحقیق دیکھیے کس وضاحت سے اسے عجمی سازش کا نام دیا ہے۔

حدیث کو عجمی سازش قرار دینا ”طلوع اسلام“ کے حل و عقد کا حصہ ہے۔ اس کے متعلق مولانا محمد اسماعیل سلفی کا نہایت وقیع مقالہ ان کی کتاب ”حجیت حدیث“ میں موجود ہے۔ جس کا کچھ حصہ راقم الحروف کی کتاب ”التحدیث فی علوم الحدیث“ کے مقدمہ میں بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۰۔ چوہدری غلام احمد پرویز (م ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء):

غلام احمد پرویز بٹالہ ضلع گورداس پور کے چوہدری فضل دین کے گھرانے میں ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ یہ گھرانہ بقولہ شریعت و طریقت کا بڑا لطیف آمیزہ تھا۔ ان کے دادا حضور بخش حنفی المسلك ایک جید عالم دین، چشتیہ نظامیہ سلسلے کے ممتاز بزرگ اور حافظ طیب تھے (۱۱۱)۔

۱۹۲۱ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا گریجویشن کے بعد سول سروس میں چلے آئے اور ساری زندگی ایک ہی ملازمت پر اکتفا کیا۔ ابتدائی استادان کے دادا چوہدری رحیم بخش تھے جنہوں نے آپ کو سلوک کی منازل بھی طے کرائیں اور انہیں کے حکم پر سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت ہوئے (۱۱۲)۔

موصوف نے گیتا کا درس و دوان (گیتا اچاریہ) سے لیا اور ان کے کہنے پر شملہ کے نزدیک باؤلی کے کنارے ایک سادھی پر مشقیں اور مشقتیں کیں اور سادھی کے گرد کے جانشین

بنے (۱۱۳)۔ موصوف ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں ان کا قابل فخر چیلا تھا۔ عربی ادب دہلی میں قیام کے دوران علامہ اسلم جیراج پوری سے پڑھا۔ فروری ۱۹۸۵ء کو لاہور میں وفات پائی (۱۱۴)۔ ان کی تصنیفات میں مفہوم القرآن، لغات القرآن، مطالب الفرقان، تبویب القرآن، ابلیس و آدم، اسلام کیا ہے؟ شاہکار رسالت، انسان نے کیا سوچا؟ سلیم کے نام خطوط، طاہرہ کے نام خطوط، مقام حدیث، بہارِ نو خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

ان کے حالات زندگی سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ موصوف نے بھی تمام زندگی سول سروس میں گزاری تھی اور اس میں ان کا میل ملاپ انگریزوں سے بھی رہا۔ نتیجہً موصوف نے بھی اپنی بزمِ طلوع اسلام کی اٹھان حدیث و اصول حدیث پر تشکیک وغیرہ کے افکار پر رکھ کر انکار حدیث کے اس فتنہ کو ایک قوت فراہم کی۔ مزید پرویز صاحب حنفی المسلك اور طریقت و تصوف کے سلاسل و مشارب کے متعلقین میں سے تھے۔ بلکہ ان کا تعلق تو ہندو جوگیوں اور سادھوؤں سے بھی رہا ہے۔ ان حالات کے تناظر میں ان میں انکار حدیث کے نظریات پروان چڑھے ہیں اور انہوں نے اس فتنہ کو بڑی تقویت فراہم کی۔

غلام احمد پرویز کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس کوئی طے شدہ شریعت نہیں ہے جسے ابدیت حاصل ہو اور اس میں ہمیشگی ہو۔ ان کا موقف یہ ہے کہ جزئیات مختلف حالات کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ ان کے ہاں ان بدلتی جزئیات کو ہی شریعت کہتے ہیں جو وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ بدلتی چاہیے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے کی شریعت صرف اس دور کے لیے تھی اس دور کے لیے نہیں۔ ہمارے زمانے کی شریعت مرکز ملت (وفاقی اسمبلی) طے کرے گی انہیں حدیث سے طے کرنا درست نہیں (۱۱۵)۔

غلام احمد پرویز کے دور میں فتنہ انکار حدیث پورے عروج کو پہنچا ہے۔ اس کا انداز تصنیف بزمِ خود باسلیقہ لیکن الجھا ہوا ہے جس میں جھانک کر اصل فتنے کی نشاندہی کرنا ایک بڑا مشکل کام ہے۔ آپ نے تفسیر مفہوم القرآن کئی جلدوں میں تحریر کی ہے جو اردو عبارت اور حسن طباعت میں نفیس کتاب ہے۔ اس میں کس طرح اسلام کے قطعی نظریات سے کھیلا گیا ہے، وہ ہمیں مطالعہ سے ہی پتہ چلتا ہے۔ نیز یہ کہ انکار حدیث کا نظریہ پرویز صاحب کو کہاں تک اسلام سے دور لے گیا ہے۔ ان کی یہ تحریر ملاحظہ ہو: ”اب آئیے قرآن کریم کی طرف۔۔۔ اس میں یہ بالخصوص کہیں نہیں لکھا کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی“ (۱۱۶)۔

کیا یہ وہی عقیدہ نہیں جو قادیانیوں کا ہے؟ کیا قرآن حضرت عیسیٰ کو بار بار مسیح بن مریم نہیں

کہتا؟ کیا پارہ ۳ سورہ آل عمران رکوع ۵ میں اور پارہ ۱۶ سورہ مریم رکوع ۲ میں اس پر مفصل بحث نہیں ملتی؟ اس وقت ہم اس موضوع پر بحث نہیں کر رہے بتلانا یہ مقصود ہے کہ دیکھو انکار حدیث کس طرح پرویز صاحب کو قادیانیوں کے قریب لے گیا ہے۔ مزید دیکھیے: ”حضرت عیسیٰ کے اب تک زندہ ہونے کی تائید قرآن کریم سے نہیں ملتی۔ قرآن پاک آپ کے وفات پا جانے کا بصراحت ذکر کرتا ہے“ (۱۱۷)۔

ہمیں تو اب تک قرآن پاک میں کہیں وہ آیت نہیں ملی جس میں خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات صراحت سے مذکور ہو رہی ہو الفاظ کی کھینچا تانی اور دوراز کار تاویلات سے قادیانیوں کا لٹریچر بھی بھرا ہوا ہے۔

پرویز صاحب لکھتے ہیں: ”کوئی روایت جو حضرت عیسیٰ کی آمد کی خبر دیتی ہے وضعی اور جھوٹی ہے جو ہمارے لیے سند نہیں ہو سکتی“ (۱۱۸)۔

آپ کے ہاں کل ذخیرہ حدیث ہی جعلی اور وضعی ہے تو یہاں حدیث مسیح کی تخصیص کس لیے ہے؟ پرویز صاحب نے جس طرح قرآن پر یہ بہتان باندھا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کی وفات کا بصراحت ذکر کرتا ہے اسی طرح قرآن پاک پر ان کا دوسرا بہتان بھی ملاحظہ کیجئے: ”قرآن کریم نے کس شدت اور تکرار سے اس کی صراحت فرمادی ہے کہ نبی اکرم کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا اور حضور کا معجزہ صرف قرآن ہی ہے“ (۱۱۹)۔

پرویز صاحب تو اس باب میں شدت اور تکرار کے مدعی ہیں لیکن ہمیں تو ایک آیت بھی ایسی نہیں ملی جس میں بصراحت کہا گیا ہو کہ حضور اکرم ﷺ کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا۔ معتزلہ نے اسی پہلو سے معجزات کا انکار کیا تھا۔ فتنہ انکار حدیث اپنی لپیٹ میں اسلام کے ہر بنیادی عقیدہ کو کھینچ رہا ہے اور اس دور میں مسٹر غلام احمد پرویز اسلام کے لیے دوسرے غلام احمد (قادیانی) کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں انکار حدیث کی باقاعدہ تحریک مولوی عبداللہ چکڑالوی سے چلی تھی۔ پاکستان بننے پر مسٹر پرویز اس کشتی کو کھینچتے رہے۔ پرویز نے اپنے خیالات کی اشاعت میں اپنی سرکاری پوزیشن بھی استعمال کی اور افسران کے ایک حلقے کو جو پہلے سے علماء سے بغض رکھتا تھا متاثر کیا اور جدید تعلیم یافتہ لوگ کسی درجے میں اس کے گرد جمع ہو گئے۔ پرویز نے اپنے اس موقف پر خاص لٹریچر مہیا کیا ہے۔ پہلے اس خیال کے لوگوں کو چکڑالوی کہا جاتا تھا اب انہیں پرویزی کہتے ہیں۔ یہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سب سے پہلے پرویز کسری ایران نے حضور کے نامہ مبارک کو پارہ کیا تھا۔ حدیث کا یہ پہلا انکار تھا۔

پرویز صاحب کے ہاں اللہ اور رسول کی اطاعت سے کیا مراد ہے؟ ملاحظہ ہو:

”چونکہ نظام دین میں اللہ کے احکام مرکز سے نافذ ہوتے تھے اور یہ مرکزی قوت نافذہ رسول کی مخصوص شخصیت میں تھی اس لئے ان مرکزی احکام کی اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت قرار دیا گیا ہے۔ لہذا اللہ اور رسول سے مراد وہ مرکزی نظام دین ہے جہاں سے احکام قرآنی نافذ ہوں“ (۱۲۰)۔

”ان تصریحات سے واضح ہے کہ نظام قرآنی میں اطاعت مرکز ملت کی ہے اور چونکہ یہ مرکز قوانین خداوندی کی تنفیذ کرتا ہے اور پہلا مرکز رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی تھی اس لئے قرآن کریم میں مرکز ملت کو اللہ اور رسول کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے“ (۱۲۱)۔

۱۱۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق (م ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۵ء):

یہ سرکاری ملازم تھے، ان کی تحریر میں چاشنی تھی۔ اس کی کتابوں میں دو قرآن، دو اسلام، جہان نو اور حروف محرمانہ، اللہ کی عادت وغیرہ بسلسلہ انکار حدیث دیکھتے کے لائق ہیں۔ ایک جگہ مرزا غلام احمد کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”مرزا صاحب درست فرماتے ہیں کہ تمام حدیثیں تحریف معنوی و لفظی سے آلودہ یا سرے سے موضوع ہیں“ (۱۲۲)۔

رسولوں کی اطاعت درکنار ہی برق صاحب کے ہاں خود رسولوں پر بھی ایمان لانا ضروری نہیں تھا۔ خدا تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان ہو تو نیک اعمال شرف قبولیت پالیتے ہیں لیکن اس کے ہاں رسولوں پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے امنوا باللہ والیوم الآخر کو قبول اعمال کی بنیادی شرط قرار دیا ہے۔ اس میں ایمان بالرسول شامل نہیں“ (۱۲۳)۔ ایک جگہ علماء کو خطاب کرتے ہوئے لکھا ہے: ”آپ کے ہاں اسلام چند عقائد کا نام ہے اور قرآن کے نزدیک صرف نیکی کا۔ اس لیے خدا اور رسول کا صحیح پیرو وہ ہے جو ان اعمال پر عمل کر رہا ہو خواہ اس پر عیسائیت کا لیبل لگا ہوا ہو یا یہودیت کا، نہ وہ جو خدا اور رسول کا صرف زبانی قائل ہو اور عملاً کافر“ (۱۲۴)۔

ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق جو انکار حدیث میں اس قدر آگے نکلے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کی دستگیری کی اور وہ انکار حدیث سے یکسر تائب ہو گئے۔ ان کی آخری تصنیف تاریخ حدیث ہے۔ جس میں انہوں نے حدیث کو قبول کرنے کا غیر مشروط اقرار کرتے ہوئے اپنے انکار حدیث کے نظریات سے یکسر تائب ہونے کا اظہار کیا ہے۔

۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء میں فوت ہوئے اور اپنے آبائی گاؤں میں دفن ہوئے (۱۲۵)۔



منکرین حدیث کے مراکز

- ۱۔ امرتسر:
- ۱۔ امرتسر پنجاب کا ایک اہم علمی و تجارتی مرکز تھا۔ نیز یہاں آریہ مسلم اور عیسائیت کے فروغ کی تنظیمیں اپنے اپنے مذہبی افکار کو باقاعدہ تحریکی صورت میں پھیلا رہی تھیں۔
- ۲۔ جب امرتسری مسلم علماء نے مخالف فریقین کے دلائل میں ذہنی اور فکری پسپائی اختیار کی تو سابقہ گمراہ فرق (معتزلہ اور خوارج وغیرہ) کے پیش کردہ نظریہ کفایت قرآن کو بنیاد بنا کر انکار حدیث کا دروازہ کھول دیا۔
- ۳۔ امرتسر میں مولوی غلام علی قصوری بسلسلہ ملازمت تشریف لائے اور یہیں کے ہو رہے۔ ان کی اسلامی تعلیم نامکمل تھی۔ حدیث و اصول حدیث سے کما حقہ آگاہ نہیں تھے۔
- ۴۔ موصوف نے مد مقابل کے اعتراضات سے بچنے کے لیے حدیث کی صحت اور حجت کا انکار کیا۔ اس مرکز سے وابستہ لوگ عمل تو اتر کے قائل رہے۔ امرتسر میں اس فتنہ کی بنیاد موصوف مولوی صاحب نے رکھی اور اس تحریک کو پروان ان کے شاگرد خاص منشی احمد دین نے چڑھایا۔
- ۵۔ بیسویں صدی میں بھی امرتسر کی مرکزی حیثیت قائم رہی۔ یہاں منکرین حدیث کی قیادت خواجہ احمد دین کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے ۱۹۲۲ء میں امرتسر میں ایک مجلس ”امت مسلمہ“ قائم کی (۱۲۶)۔
- انکار حدیث کی ابتداء تو امرتسر سے ہی ہوئی لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس گروہ کی انتہائی کوشش کے باوجود امرتسر میں اس کو فروغ حاصل نہ ہو سکا اور عام مسلمان اس بادِ سموم سے محفوظ رہے۔
- ۲۔ دہلی:
- بیسویں صدی عیسوی میں انکار حدیث کے جرائم دہلی بھی پہنچ گئے۔ یہاں اس فتنہ کے

سرپرست و مربی اسلم جیراچپوری تھے۔ جو کہ جامعہ ملیہ دہلی میں استاد تھے اور غلام احمد پرویز کے بھی مرشد مربی و استاد تھے۔ انہوں نے اپنے افکار و نظریات کو پھیلانے کے لیے کوئی انجمن یا ادارہ قائم نہ کیا ان کی کچھ کتب جامعہ ملیہ دہلی نے شائع کیں اور باقی کی اشاعت ”بلاغ امرتسر“ اور طلوع اسلام دہلی، کراچی اور لاہور نے کی کیونکہ موصوف کے اکثر مضامین انہیں رسائل میں چھپا کرتے تھے۔

۳۔ علی گڑھ:

انگریزوں کے لائے ہوئے ملحدانہ نظریات اور فلسفہ کے دور میں انکارِ حدیث کی پہلی آواز وابستگانِ علی گڑھ کی جانب سے بلند ہوئی (۱۲۷)۔ علی گڑھ سرسید احمد خاں اور ان کے رفقا جو ترقی پسند کہلاتے تھے، ان کا مرکز تھا۔ یہ لوگ چونکہ انگریزی تہذیب و تمدن اور ان کے فلسفہ و نظریات سے متاثر تھے۔ ان کی زیادہ تر زندگی انگریز ہی کی ملازمت میں گزری اور یہ لوگ اسلامی علوم و فنون اور ان کے علم اصول سے نا آشنا تھے۔ نتیجہ یہ لوگ مستشرقین کے افکار و نظریات سے متاثر ہوئے اور ان لوگوں نے انکارِ حدیث اور تشکیک فی القرآن کے نظریات کو عامۃ الناس میں پھیلا دیا۔ تاہم علی گڑھ میں شبلی جیسی نابغہ روزگار شخصیات بھی موجود تھیں جو اس سے مستثنیٰ ہیں۔

۴۔ کراچی:

کراچی بھی منکرین حدیث کا ایک اہم مرکز رہا ہے اور ہے قیام پاکستان کے فوراً بعد پرویز نے کراچی ہی کو اپنا مرکز بنا کر طلوع اسلام اور اپنی دوسری تالیفات شائع کیں۔ بعد ازاں مولوی حبیب الرحمن کاندھلوی اور تمنا عمادی جیسی شخصیات نے بھی انکارِ حدیث کے نظریات کے فروغ کے لیے کراچی ہی کو مرکز بنایا۔ ”رحمان پبلشنگ“ ان کے مذموم عقائد کو فروغ دے رہا ہے۔ نگار نیاز فتح پوری کا رسالہ بھی کراچی ہی میں انکارِ حدیث کی تحریک کی زہر پاشی میں مصروف رہا ہے۔

۵۔ لاہور:

انیسویں صدی میں انکارِ حدیث کے معروف مراکز دو تھے۔ لیکن جونہی بیسویں صدی کا آغاز ہوا۔ فتنہ انکارِ حدیث کی وبا نے لاہور جیسے علمی اور تحریکی مرکز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ گزشتہ صدی میں امرتسر، علی گڑھ ہی ان کے مراکز تھے لیکن اب لاہور ان کا تیسرا اور سب سے اہم مرکز بنا۔ بیسویں صدی کے اوائل میں مولوی عبداللہ چکڑالوی نے لاہور میں ایک انجمن ”اہل

الذکر والقرآن“ قائم کی جس کے تحت اپنے نظریات و افکار کا پرچار شروع کیا۔ اور اپنے نظریات کی اشاعت کے لیے رسالہ ”اشاعت القرآن“ بھی جاری کیا۔ اس کی وفات کے بعد اس انجمن کو ان کے جانشین اسے چلاتے رہے۔ بالآخر یہ مجلس اور رسالہ اپنی موت آپ مر گیا۔

پرویز نے اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد لاہور ہی کو اپنا مرکز قرار دے کر ”ماہنامہ طلوع اسلام“ جاری کیا جو تاحال جاری ہے۔ قبل ازیں یہ رسالہ کراچی سے شائع ہوتا تھا۔ اس نے اپنے نظریات کے فروغ کے لیے بزم طلوع اسلام قائم کی۔ ہفتہ وار درس قرآن شروع کیا جو کہ آج کل بھی بذریعہ ویڈیو کیسٹ ہر اتوار صبح نو بجے ہوتا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقے بالخصوص ماڈرن خواتین میں یہ درس اور رسالہ کافی مقبول ہے۔

اس بزم و رسالے کا ہیڈ آفس پرویز کی رہائش گاہ ہے۔ جسے ان لوگوں نے ایک ٹرسٹ کی حیثیت دے رکھی ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ طلوع اسلام نے اپنے اور ماقبل دور کے تمام اہم ارکان اور ان کے نظریات جو کہ انکارِ حدیث کے متعلق تھے ان تمام کو اپنے اندر سمویا ہے۔ اس کی موجودہ حیثیت انکارِ حدیث کے ایک دائرہ معارف کی سی ہے۔

نظریاتی و اساسی طور پر پرویز، سید احمد خاں کے نظریات و افکار کا ترجمان ہے۔ بلکہ پرویز کے ایک معتقد کے نزدیک تو سر سید احمد خاں کا پرویز کی شکل میں دوسرا جنم ہے (۱۲۸)۔ ادارہ طلوع اسلام نے پرویز کی تمام کتب شائع کی ہیں۔

لاہور کو خاکسار تحریک نے مرکز بنایا۔ علامہ عنایت اللہ المشرقی کی زیر قیادت انکارِ حدیث کے افکار کو فروغ دیا۔

۴۔ اسی شہر میں متعدد ادارے اور رسائل معرض وجود میں آئے۔ جنہوں نے بیسویں صدی عیسوی میں انکارِ حدیث کے پھیلانے میں اپنا تن من دھن اور ایمان سب کچھ غارت کیا۔ ان میں معروف ”ماہنامہ بلاغ القرآن لاہور“، ”دوست ایسوی ایٹس لاہور“ قابل ذکر ہیں۔

۵۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی کے مربی منشی احمد دین نے بھی لاہور میں ایک مجلس قائم کی۔ جس کا نام ”امت مسلمہ“ رکھا جس کے زیر انتظام موصوف کی کتب کی اشاعت بھی ہوئی۔ جب تک وہ زندہ رہے اسی کے تحت لکشمی چوک کے نزدیک ایک ہال میں درس قرآن دیتے رہے جو کہ اسی انجمن کے تحت ہے اور یہ ہال روڈ پر واقع ہے (۱۲۹)۔

فتنہ انکارِ حدیث کے رد میں لکھی جانے والی کتب:

۱۔ آئینہ پرویزیت، عبدالرحمان کیلانی۔

- ۲۔ اتباع سنت، سید بدیع الدین شاہ راشدی۔
- ۳۔ اثبات الخیر فی رد منکری الحدیث والاثر، عبدالستار حسن عمر پوری۔
- ۴۔ احادیث صحیح بخاری و مسلم کو مذہبی داستانیں بنانے کی ناکام کوشش، مولانا ارشاد الحق اثری۔
- ۵۔ اسلام میں سنت کا مقام، عبدالغفار حسن۔
- ۶۔ اسلام میں سنت و حدیث کا مقام، مصطفیٰ حسن السباعی / احمد حسن۔
- ۷۔ اسلامی معاشرہ میں سنت کی اہمیت، علامہ محمد اسد / محمد معین خان۔
- ۸۔ اقبال اور منکرین حدیث، محمد فرمان۔
- ۹۔ انتخاب حدیث، عبدالغفار حسن عمر پوری۔
- ۱۰۔ انکار حدیث ایک فتنہ ایک سازش، محمد فرمان۔
- ۱۱۔ انکار حدیث حق یا باطل، صفی الرحمن الاعظمی۔
- ۱۲۔ انکار حدیث کے نتائج، محمد سرفراز صفدر۔
- ۱۳۔ انکار حدیث یا انکار رسالت، سید معین الدین۔
- ۱۴۔ اہتمام المحمدین بقصد الحدیث سنداً و متناً، محمد لقمان السلفی۔
- ۱۵۔ برق اسلام بجواب رسالہ طلوع اسلام، محمد شرف الدین۔
- ۱۶۔ پرویز اور قرآن، مفتی مدار اللہ مدار۔
- ۱۷۔ پرویز کا اسلام، منشی عبدالرحمان خان۔
- ۱۸۔ پرویز نے کیا سوچا؟ ڈاکٹر سبطین لکھنوی۔
- ۱۹۔ تدوین حدیث، مناظر احسن گیلانی۔
- ۲۰۔ جمع القرآن والاحادیث، ابوالقاسم بناری تحقیق ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، نگہت ہاشمی۔
- ۲۱۔ حجیت حدیث، محمد اسماعیل سلفی۔
- ۲۲۔ حجیت حدیث، ناصر الدین البانی۔
- ۲۳۔ حجیت حدیث، محمد تقی عثمانی۔
- ۲۴۔ حجیت حدیث اور اتباع رسول، ثناء اللہ امرتسری۔
- ۲۵۔ حجیت حدیث (وجوب العمل بسنتہ الرسول و کفر من انکرھا)، عبدالعزیز بن باز۔
- ۲۶۔ حجیت حدیث بجواب حقیقت حدیث۔
- ۲۷۔ حجیت حدیث پر برصغیر کے ادب کا تنقیدی جائزہ۔

- ۲۸۔ حجیت سنت، مترجم خالد گھر جاکھی۔
- ۲۹۔ حجیت سنت، عبدالغنی عبدالخالق۔
- ۳۰۔ حجیت السنہ، دکتور محمد لقمان سلفی۔
- ۳۱۔ حدیث اور قرآن، ابوالاعلیٰ مودودی۔
- ۳۲۔ حدیث کی اہمیت، محمد رفیق۔
- ۳۳۔ حدیث کی تدوین عہد صحابہ اور تابعین میں، حکیم عبدالشکور۔
- ۳۴۔ حمایت حدیث، محمد عبداللہ حنیف۔
- ۳۵۔ خود انصاف کیجیے بجواب خود فیصلہ کیجیے، مسعود احمد۔
- ۳۶۔ دراسات فی الحدیث النبوی و تاریخ تدوینہ، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی۔
- ۳۷۔ دفاع حدیث، عبدالرحمان کیلانی۔
- ۳۸۔ دلیل الفرقان بجواب اہل القرآن، ثناء اللہ امرتسری۔
- ۳۹۔ زوابع فی وجہ السنہ قد یماد حدیث، صلاح الدین مقبول احمد۔
- ۴۰۔ عظمت حدیث، مولانا عبدالغفار حسن۔
- ۴۱۔ السنۃ تجتہا مکاتبتھا فی الاسلام والرد علی منکرہا، محمد لقمان سلفی۔
- ۴۲۔ فتنہ انکار حدیث، حافظ محمد ایوب دہلوی۔
- ۴۳۔ فتنہ انکار حدیث، رشید احمد مفتی۔
- ۴۴۔ فتنہ انکار حدیث، مفتی ولی حسن خاں ٹونگی۔
- ۴۵۔ فتنہ انکار حدیث اور اس کا پس منظر، محمد عاشق الہی مفتی۔
- ۴۶۔ فتنہ انکار حدیث اور اسلام، عبدالعزیز بن باز/ عبدالستار حماد۔
- ۴۷۔ فتنہ انکار حدیث کا منظر و پس منظر، افتخار احمد بلخی۔
- ۴۸۔ قرآنی تعزیرات بجواب پرویزی خرافات، منور حسین سیف الاسلام دہلوی۔
- ۴۹۔ قضیۃ الحدیث فی حجیت الحدیث، ابوالقاسم بناری۔
- ۵۰۔ کتابت حدیث، منت اللہ رحمانی۔
- ۵۱۔ کتابت حدیث عہد تابعین، محمد خالد سیف۔
- ۵۲۔ کتابت حدیث عہد نبوی میں، ابوبکر غزنوی۔
- ۵۳۔ مکتوب لطیف فی حجیت حدیث، محمد سرفراز خاں چوہدری۔

۵۴۔ منکرین حدیث کا جنازہ مؤاخذہ، سید محمد احسن۔

۵۵۔ یہودی سازش اور فتنہ انکار حدیث، انعام اللہ جان (۱۳۰)۔

موجودہ صورت حال:

موجودہ دور میں یہ فتنہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ اس گروہ کی طرف سے اپنے آپ کو حالات کے دھارے میں ڈھالتے ہوئے جدید ذہن کو مسموم کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔ اس کا ہدف خصوصاً وہ پڑھا لکھا طبقہ ہے جو عربی اور علوم اسلامیہ سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتا۔ سطحی مطالعہ اور دینی تربیت کا فقدان انہیں بڑی آسانی سے اس فکر کی راہ پر گامزن کر دیتا ہے۔

منکرین حدیث کا ایک گروہ ”حزب المسلمین“ کے نام سے لاہور میں سرگرم عمل ہے۔ اس کے زیر انتظام ایک مفت روزہ رسالہ ”قرآنی معاشرہ“ شائع کیا جا رہا ہے۔ جس کے مدیر محمد قاسم نوری ہیں۔ ان کے افکار ملاحظہ ہوں: ”حزب المسلمین قرآن کے سوا کسی چیز کو تسلیم نہیں کرتی۔ ان الذی فرض علیک القرآن [الفصص (۱۳۱)] فرض صرف قرآن ہے۔ لہذا جو کچھ قرآن میں ہے وہی ایمان ہو سکتا ہے۔ اور جو بات قرآن میں نہیں اسے اپنا ایمان بنا لینا کفر ہے، شرک ہے اور جرم ہے۔ قرآن کریم کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ نہ کسی حدیث کا نہ تفسیر کا نہ تشریح کا اور نہ کسی فقہی موشگافیوں کا“ (۱۳۲)۔

ایک اور ادارہ ”صوت القرآن“ کے نام سے لاہور میں کام کر رہا ہے۔ ملک احسان الحق کی تصنیف ”سبیل المؤمنین“ ادارہ مذکور نے شائع کی ہے۔ جس میں صراحتاً دعویٰ کیا گیا ہے کہ دین اسلام کا واحد حقیقی ماخذ قرآن مجید ہے (۱۳۳)۔ علاوہ ازیں کچھ لوگ انفرادی طور پر بھی اس فکر کو پروان چڑھا رہے ہیں۔ لاہور کے بشیر صاحب نے ”صحیح بخاری کی چند احادیث اور ان پر تبصرہ“ کے عنوان سے ایک پمفلٹ شائع کیا ہے۔ اس میں رقمطراز ہیں: ”جس طرح پارسل کا صحیح حالت میں ملنا اس کا ثبوت ہے کہ چیز محفوظ حالت میں مل گئی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو قرآن مجید بالکل محفوظ حالت میں ہم تک پہنچا ہے اور مجموعہ حدیث پر یہ مثال صادق نہیں آتی اس لیے کہ اس میں ضعیف روایات شامل ہو گئی ہیں“ (۱۳۴)۔

اسی طرح رحمت اللہ طارق، صاحب ”منسوخ القرآن“، ”برہان القرآن“، ”میزان القرآن“ ہیں۔ جو علم حدیث کو ایک مشکوک علم گردانتے ہوئے اس بات کے علمبردار ہیں کہ دین میں احادیث حجت نہیں، ہر حجت صرف اسوہ رسول ہے۔ اسوہ کا تعلق مشاہدہ سے ہے روایات سے نہیں (۱۳۵)۔



خوارج

تاریخی پس منظر، عقائد اور روایت حدیث

ادیان سماویہ میں سے اسلام، واحد دین ہے جس کی جملہ تعلیمات حرف بحرف محفوظ ہوئیں اور تحریف و تغیر سے بالاتر رہ کر تسلسل کے ساتھ نسل در نسل امت مسلمہ تک پہنچ رہی ہیں اور یقیناً پہنچتی رہیں گی۔ اس منفرد دین کے دو بنیادی ماخذ ”قرآن و حدیث“ میں سے قرآن مجید کی لفظی صیانت و حفاظت کا ذمہ خود اس کے نازل کرنے والے نے اپنے ذمے لیا (۱۳۶)۔ جو اقوام عالم کے مختلف ناکام تحریفی حربوں کے باوجود اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ محفوظ ہے۔

دین اسلام کے دوسرے بنیادی ماخذ کو بھی جس حسن و خوبی اور کمال احتیاط کے ساتھ محفوظ کیا اس کی مثال پیش کرنا بھی ممکن نہیں۔

محدثین نے تمام تر تعصبات سے بالاتر ہو کر قبول حدیث کے لیے اتنے کڑے معیار قائم کئے کہ ادیان عالم میں سے اس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ محدثین عظام حدیث رسول اللہ ﷺ کے معاملہ میں کسی کی رعایت نہ کرتے تھے، بلکہ اس معاملے میں اگر کوئی خاص عزیز یا رشتہ دار ہو تو اس کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری کے استاد علی بن المدینی نے اپنے والد پر تنقید کی (۱۳۷)۔ اسی طرح ابو محمد ثین کے متعلق بھی روایات ملتی ہیں (۱۳۸)۔ اس معاملے میں محدثین بہت زیادہ محتاط تھے۔ ہر چند کہ جرح و تعدیل بہت نازک اور حساس کام ہے مگر محدثین نے صحت حدیث کے لیے بلا خوف و ہمت لائم یہ فریضہ سرانجام دیا۔ امام ابن دقیق العید فرماتے ہیں: ”اعراض المسلمین حفرة من حفرة النار، وقف علی شفیہا طائفان من الناس: المحدثون والحکام“ (۱۳۹) (مسلمانوں کی عزتیں جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے، جس کے کنارے لوگوں کے دو گروہ محدثین اور حکمران کھڑے ہیں)۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا منہج تحدیث ذکر کرتے ہوئے جمال الدین قاسمی فرماتے ہیں:

فخرج عن كل عالم صدوق ثبت عن أئمة فرقة كان (۱۴۰) (انہوں نے ہر سچے اور ثقہ عالم سے احادیث بیان کیں خواہ وہ کسی فرقہ سے ہو)۔ علمائے امت نے بخاری اور مسلم کا کسی راوی سے روایت کرنا اس کے ثقہ ہونے کا ثبوت قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں ”تعرف ثقة الراوي بالتنقيص عليه من رواه او ذكره في تاريخ الثقات او تخريج أحد الشيخين له في الصحيح وإن تكلم في بعض من خرج له فلا يلتفت اليه“ (۱۴۱) (راوی کی ثقاہت کا علم نص قطعی سے ہوتا ہے یا اس کا تاریخ ثقات میں ذکر آنے سے ہوتا ہے، یا شیخین (بخاری و مسلم) کے صحیح میں روایت لانے سے ہوتا ہے۔ جس کی روایت کو ان کی صحاح میں لایا گیا۔ اس پر کلام بھی کیا گیا ہو تو وہ ناقابل التفات ہوگا)۔ نیز امام ابوالحسن المقدسی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ایسا شخص جس سے بخاری و مسلم کی صحیحین میں روایت آگئی ”هذا جاوز القنطرة“ (یہ پل گزر گیا)۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: ”يعني بذلك أنه لا يلتفت إلى ما قيل فيه“ (۱۴۲) (اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے متعلق جو کچھ کہا جائے گا، اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی جائے گی)۔

روایت حدیث کے سلسلہ میں جہاں محدثین نے اہل سنت کو مختلف طبقات میں تقسیم کر کے معیار صحت پر پورا اترنے والے اشخاص کی کاٹ چھانٹ کی وہاں مبتدعہ (اہل سنت کے علاوہ تمام فرقے بشمول اہل تشیع، روافض، خوارج وغیرہ) میں سے میدان تحدیث کیلئے زندگی وقف کرنے والے لوگوں میں سے باصلاحیت اور قابل اعتماد افراد کو آٹے میں سے بال کی طرح نکال کر ان کی روایات کو اپنے دواوین میں فرعی حیثیت سے جگہ دی۔ انہی میں سے ایک گروہ ”خوارج“ ہے۔ محدثین نے دوران تدوین حدیث ان افراد کی وساطت سے پہنچنے والی احادیث کو جس معیار تحقیق پر پرکھا، ذیلی سطور میں ہم اس کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ بالخصوص رجال صحیح بخاری میں خوارج رواۃ کو زیر بحث لایا جائے گا۔

لغوی واصطلاحی تعریف:

خوارج کی تعریف اور وجہ تسمیہ کے متعلق متعدد اقوال منقول ہیں۔ جن میں سے اہم درج ذیل ہیں:

القاموس المحیط میں ہے: ”الخوارج من اهل الاهواء لهم مقالة على حدة سموا به لخروجهم على الناس“ (۱۴۳) (خوارج اہل بدعت میں سے ہیں۔ ان کے اپنے علیحدہ نظریات ہیں۔ ان کا یہ نام اس وجہ سے پڑا کہ انہوں نے عام مسلمانوں کے خلاف بغاوت کی)۔ تاج

العروس میں اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے کہ خارجی کے علاوہ ان کا نام حروریہ بھی ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ لوگ دین حق یا حضرت علی سے صفین کے بعد علیحدہ ہو گئے تھے (۱۴۴)، المنجد میں ہے ”الخارجی من خالف السلطان والجماعة ومن اعتقد بمذهب الخوارج“ (۱۴۵) وہ آدمی جو حکمران اور جماعت کا مخالف ہو اور خوارج کے مذہب کا عقیدہ رکھے خارجی کہلاتا ہے۔ عبدالقاهر بغدادی نے صفین کے بعد حروراء مقام پر جمع ہونے کی وجہ سے ”حروریہ“ اور ”لا حکم الا للہ“ کا نعرہ لگانے کی وجہ سے ان کا نام ”محکمہ“ بھی لکھا ہے (۱۴۶)۔

بغدادی نے ”الفرق بین الفرق“ میں محکمہ کے ساتھ ”شراۃ“ کے نام سے بھی انہیں موسوم کیا ہے (۱۴۷)۔ لغت اور عقیدہ کی دیگر کتب میں بھی ان کی تعریف اسی طرح سے کی گئی ہے اور یہی نام لکھے گئے ہیں (۱۴۸)۔ احمد امین مصری نے خوارج کے لفظ کی وجہ تسمیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت قرار دی اور کہا ہے کہ وہ اپنے نام کو خروج فی سبیل اللہ سے مشتق سمجھتے تھے اور اس ارشاد ربانی سے استناد کرتے تھے۔ ”ومن یخرج من بیتہ مهاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ“ (۱۴۹) (جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے اپنے گھر سے نکلے پھر اس کو موت آجائے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر لازم ہو جاتا ہے)۔ احمد امین کہتے ہیں ان کا نام شراۃ بھی تھا۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ میں فروخت کر دیا ہو ان کے ہاں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ”ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضاة اللہ“ (۱۵۰) (بعض لوگ اپنے آپ کو اللہ کی رضا مندی کی خاطر فروخت کر دیتے ہیں)۔ اس لغوی اور اصطلاحی تعریف سے معلوم ہوا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حکومت وقت سے الگ ہو گئے اور انہوں نے سمجھ و طاعت سے انکار کیا۔ اس وجہ سے ان کو خارجی یا باغی کہا جاتا ہے۔

ابتدائی تاریخ:

امت محمدیہ میں پہلے امام حق خود حضرت محمد ﷺ ہیں۔ حضرت محمد ﷺ پوری کائنات میں امانت، دیانت، شرافت، حیاء، عبادت، ریاضت، شجاعت، لیاقت اور حسن و جمال میں سب سے بڑھ کر تھے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زندگی کو لوگوں کے لئے بہترین نمونہ قرار دیا (۱۵۱)۔ لیکن اس کے باوجود ایک بد بخت نے آنحضرت ﷺ پر اعتراض کیا۔ قرآن مجید میں ہے: ”ومنہم من یلمزک فی الصدقت“ (۱۵۲) (ان میں سے بعض لوگ آپ ﷺ کے صدقہ تقسیم کرنے پر آپ ﷺ پر الزام لگاتے ہیں)۔ امام بغوی نے اس آیت کے شان نزول کے متعلق

لکھا ہے۔ یہ آیت ذوالخویصرہ کے بارے میں اتری جس کا نام حرقوص بن زہیر تھا جو اصل الخوارج (خوارج کا بانی) تھا (۱۵۳)۔ معالم التنزیل میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے ہیں کہ بنو تمیم کا ایک آدمی ذوالخویصرہ نامی آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول ﷺ: انصاف کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”تمہارا برا ہوا اگر میں انصاف نہیں کرتا تو پھر کون انصاف کرے گا“۔ نا انصافی کی صورت میں (کیا) نقصان اور خسارے میں نہیں ہوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے اجازت دیجیے میں اس کا سر قلم کر دوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اسے چھوڑ دو اس کے ساتھی ایسے لوگ ہوں گے کہ تم میں سے بعض ان کی نماز دیکھ کر اپنی نماز کو حقیر سمجھیں گے اور ان کے روزوں کو دیکھ کر اپنے روزوں کو حقیر سمجھیں گے۔ وہ قرآن مجید پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا۔ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے (۱۵۴)۔

یہ پورا واقعہ مزید تفصیل سے صحیح بخاری میں موجود ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے کہ ان کی نشانی یہ ہوگی کہ جب یہ لوگ رونما ہوں گے تو ان میں ایک شخص ہوگا جس کا ایک ہاتھ عورت کی چھاتی کی طرح یا حرکت کرتے ہوئے گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہوگا۔ یہ لوگ اس وقت ظاہر ہوں گے جب مسلمانوں میں پھوٹ پڑی ہوگی۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حدیث آنحضرت ﷺ سے سنی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (آوان میں) ان کو قتل کیا۔ میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ اس شخص کو تلاش کر کے لایا گیا، اس کی شکل وہی تھی جو آنحضرت ﷺ نے فرمائی تھی (۱۵۵)۔ علامہ شہرستانی نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے ”وذلك خروج صريح على النبي ﷺ“ (۱۵۶) (یہ آنحضرت ﷺ کے خلاف واضح بغاوت تھی)۔

آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کی خاص کاروائی نظر نہیں آتی۔ عبداللہ بن سبا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلام لایا لیکن وہ ان کے رعب اور دبدبہ کی وجہ سے کوئی جرأت نہ کر سکا۔ لیکن بعد ازاں یہی لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب بنے (۱۵۷)۔ باقاعدہ طور پر ان کا ظہور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں ہوا۔ جنگ صفین میں حضرت علی تحکیم پر راضی نہ تھے لیکن ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اس معاہدہ پر متفق ہوئے تو یہ لوگ الگ ہو گئے (۱۵۸)۔

علامہ شہرستانی نے اس کے متعلق لکھا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ بند نہیں کرنا چاہتے تھے مگر

اس گروہ کے سرغنہ اشعت بن قیس الکندی، مسعود بن فدی، التیمی اور زید بن حصین الطائی آ کر حضرت علی سے کہنے لگے ”القوم يدعوننا الى كتاب الله وانت تدعوننا الى السيف“ (۱۵۹) (یہ لوگ ہمیں کتاب اللہ کی دعوت دیتے ہیں لیکن آپ ﷺ ہمیں تلوار کی طرف بلا تے ہیں)۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بات مان لی تو یہی لوگ آپ رضی اللہ عنہ سے الگ ہو گئے۔ اور اپنی نادانی کی بنا پر اسی پر اعتراض شروع کر دیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ان کو تین اعتراض تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرتے ہوئے انہوں نے اپنے نام سے امیر المؤمنین کا لفظ کیوں کٹوایا، حکیم کو کیوں پسند کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھیوں کو جنگ جمل کی فتح کے بعد غلام کیوں نہیں بنایا (۱۶۰)۔ ابن عبدالبر نے لکھا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اجازت سے ان کو سمجھایا۔ وہ (ابن عباس) ان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دینی معاملات میں بہت متشدت تھے۔ ان کے چہرے مسلسل بیداری سے زرد اور پیشانیوں پر سجدوں کے نشانات تھے۔ یہ لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر خوش ہوئے کہ ابن عم الرسول آئے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے علیحدگی کے اسباب پوچھے تو انہوں نے مذکورہ تینوں اعتراضات بیان کئے۔ فرمایا جہاں تک آدمیوں کو منصف بنانے کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ”يا ايها الذين امنوا لا تقتلوا الصيد وانتم حرم ومن قتله منكم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم يحكم به ذوا عدل منكم“ (۱۶۱) (اے اہل ایمان! احرام کی حالت میں شکار نہ کرو جو تم میں سے عداً ایسا کرے گا تو اس کا فدیہ اس قسم کا جانور دینا ہے۔ تم میں دو صاحب عدل اس کا فیصلہ کریں گے)۔ بیوی اور اس کے خاوند کے متعلق ارشاد ہے: ”وان خفتهم شقاق بينهما فابعثوا حكماً من اهله وحكماً من اهلها“ (۱۶۲) (اگر ان کے متعلق مخالفت کا ذکر ہو تو خاوند اور بیوی کے اہل میں سے ایک ایک منصف مقرر کرو)۔ فرمایا احرام اور عورت کا معاملہ زیادہ اہم ہے یا مسلمانوں کی آپس میں صلح کرانی بہتر ہے۔ سب نے کہا مسلمانوں کا معاملہ اہم ہے۔ فرمایا میں نے آپ کی اس بات کا جواب دے دیا۔ سب نے کہا ہاں، پھر فرمایا جہاں تک امیر المؤمنین کے لفظ کو مٹانے کا تعلق ہے۔ آنحضرت ﷺ جب ابوسفیان اور سہیل بن عمرو سے حدیبیہ کا معاہدہ طے کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا علی لکھو ”هذا ما صالح عليه محمد رسول الله“ تو انہوں نے اس کو نہ مانا۔ آنحضرت ﷺ نے رسول کا لفظ صلح کرانے کے لیے کٹوایا۔ وہ اس بات کو بھی مان گئے۔ پھر فرمایا جہاں تک قیدی بنانے کا تعلق ہے کیا آپ اپنی ماں کو قیدی بنانا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا کرتے ہو تو تم مسلمان نہیں ہو۔ اگر کہتے ہو تو تمہاری ماں نہیں ہے پھر بھی تم مسلمان نہیں ہو۔ انہوں نے اس بات کو مان لیا۔ اس طرح سے دو ہزار آدمی

ان میں سے الگ ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹ گئے باقی اپنے مقام پر قائم رہے (۱۶۳)۔ ان لوگوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہروان کے مقام پر جنگ کی جس میں ان کی کافی تعداد قتل ہو گئی (۱۶۴)۔ یہ اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے آخر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن العاص کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا۔ حضرت علی کو شہید کر دیا گیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ و بن العاص بچ گئے (۱۶۵)۔

حضرت معاویہ کے دور میں خوارج سر اٹھاتے رہے لیکن ۴۳ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کافی حد تک ان کا قلع قمع کر دیا (۱۶۶)۔ بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز نے بڑی حکمت کے ساتھ ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کو خطوط لکھے، اپنے پاس بلایا۔ ان میں سے کافی لوگ تائب ہو گئے اور باقی ان کی سیرت سے متاثر ہونے کے سبب خاموش رہے (۱۶۷)۔ بعد ازاں یہ لوگ بنو امیہ اور بنو عباس کی خلافت کے مختلف ادوار میں ظہور پذیر ہوتے رہے (۱۶۸) اور خلفاء کے لیے مشکلات کا باعث بنتے رہے۔ اب ان کے ہم خیال عمان میں موجود ہیں جو اباضیہ کے نام سے معروف ہیں۔ یہ لوگ عام خوارج سے معتدل ہیں۔

خوارج کے مشہور فرقے:

خوارج کے بہت سے فرقے ہیں، ان میں سے درج ذیل زیادہ مشہور ہیں:

- ۱۔ ازرقہ: نافع بن ازرق کے پیروکار ہیں۔
- ۲۔ نجدیہ: نجدہ بن عامر حنفی کے متبع ہیں (نجدات)۔
- ۳۔ بھیسہ: ابو بھیس بن جابر کے اصحاب ہیں۔
- ۴۔ اباضیہ: عبداللہ بن اباض اسمی کے متبع ہیں۔
- ۵۔ صفریہ: زیاد بن اصفر کے متبعین ہیں (۱۶۹)۔

خصوصی اوصاف:

یہ لوگ تمام نقائص کے باوجود بعض اوصاف کے حامل تھے۔ چند اوصاف درج ذیل ہیں:

- ۱۔ فصاحت و بلاغت طلاقت لسانی اور خوش الحانی ان کا خصوصی وصف تھا اسی وجہ سے لوگ ان سے متاثر ہو جاتے تھے (۱۷۰)۔

- ۲۔ جدل و مناظرہ، شعر و شاعری اور ادیبانہ اقوال و آثار ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ مہلب بن ابی

- صفرہ اور قطری بن فجاۃ کے مابین جنگ ہوئی جنگ بند کر کے امن اور سکون سے باہم دینی مسائل پر بحث و تمحیص کرتے رہے (۱۷۱)۔
- ۳۔ کتاب و سنت پر تمسک کرنے پر زور دیتے تھے۔ اس کے معنی کی گہرائی تک نہ جاتے تھے (۱۷۲)۔
- ۴۔ عابد و زاہد تھے۔ عبادت بہت انہماک سے کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جب ان سے ملاقات کی تو واپس آ کر ان کی عبادت کی تعریف کی تھی (۱۷۳)۔
- ۵۔ عقیدہ کے دفاع کے لئے مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے تھے اور عقیدہ کے لئے مخلص تھے (۱۷۴)۔

مخصوص اعتقادات:

- ۱۔ خلیفہ کا آزادانہ اور منصفانہ انتخاب ہو۔ جب عدل سے انحراف کرے تو اس کو معزول کر کے قتل کر دیا جائے۔
- ۲۔ خلافت کسی عرب یا قریشی سے مخصوص نہیں ہے۔
- ۳۔ عجمی خلیفہ بہتر ہے اس لئے کہ انحراف کی صورت میں اسے قتل کرنا آسان ہے۔
- ۴۔ ہر گناہ گار کو کافر سمجھتے تھے خواہ گناہ ارادۃ ہو، غلط فہمی سے ہو یا اجتہادی خطاء سے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تحکیم کے معاملہ میں کافر کہتے ہیں (۱۷۵)۔

اہل سنت سے ان کے اختلافات:

- ۱۔ باہمی اختلاف کے باوجود خوارج کے تمام فرقے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتے تھے (۱۷۶)۔
- ۲۔ نجدات کے علاوہ ان کے تمام فرقے کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر سمجھتے ہیں (۱۷۷) جب کہ اہل سنت کے ہاں مرتکب کبیرہ کافر نہیں ہے۔
- ۳۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اور حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر ہونے کی وجہ سے کافر سمجھتے ہیں (۱۷۸)۔
- ۴۔ عذاب قبر کے قائل نہیں ہیں (۱۷۹)۔

- ۵۔ سلطان جابر کے خلاف بغاوت کو واجب سمجھتے ہیں (۱۸۰)۔
- ۶۔ خلیفہ کا غیر قریشی ہونا بہتر سمجھتے ہیں۔ اس بنا پر انہوں نے عبداللہ بن وہب الراسی کو اپنا امیر مقرر کیا جو کہ قریشی نہ تھا (۱۸۱)۔
- ۷۔ خلیفہ آزاد مسلمانوں کے اختیار سے ہوگا۔ منتخب ہو جانے کے بعد اسے معزول کرنا جائز نہیں (۱۸۲)۔

اسلام میں کبائر کا تصور اور خوارج:

اسلام نے ارادۂ کیے جانے والے جرائم کو دو اقسام میں منقسم کیا ہے۔ صغائر اور کبائر۔ کبائر میں وہ جرائم داخل ہیں جن کا کبیرہ ہونا منصوص ہو یا جن کے مرتکب کو حد، جہنم، لعنت یا غضب الہی کی وعید سنائی گئی ہو (۱۸۳)۔ ان کے علاوہ تمام جرائم کو صغائر میں شمار کیا گیا ہے (۱۸۴)۔ کبائر کے بارے میں اہل سنت والجماعت (جملہ فرق) کا نظریہ یہ ہے کہ ان کے ارتکاب سے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ البتہ توبہ کے بغیر یہ گناہ معاف نہیں ہو سکتے۔ بلا توبہ فوت ہونے والا مسلمان جہنم میں سزا پانے کے بعد جنت میں داخل ہو سکے گا (۱۸۵)۔

اس کے برعکس خوارج کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ دائرہ اسلام سے خارج اور ابدی جہنمی ہے۔ چنانچہ علامہ شہرستانی ان کی کئی چیزوں کا ذکر کر کے لکھتے ہیں ”ویکفرون أصحاب الكبائر“ (۱۸۶) (کبیرہ کے ارتکاب کرنے والے کو کافر سمجھتے ہیں)۔ ان کے ایک فرقے ازرقہ کے متعلق فرماتے ہیں: ”اجتمعت الأزارقة علی أن من ارتكب كبيرة من الكبائر كفر كفر ملة خرج به عن الاسلام جملة ویكون مخلدا فی النار مع سائر الکفار“ (۱۸۷) (ازرقہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا وہ ایسے کفر کا مرتکب ہوا جس سے آدمی مکمل طور پر اسلام سے خارج ہو جائے اور تمام کفار کے ساتھ ہمیشہ جہنم میں رہے گا)۔

عبارہ کے متعلق لکھتے ہیں: ”ویکفرون بالکبائر“ (۱۸۸) (اصحاب کبائر کو کافر سمجھتے ہیں)۔ ان میں سے یزید یہ اور بھی متشدد ہیں وہ مستوجب حدود کو خواہ وہ خوارج میں سے ہو یا عام مسلمان کافر اور مشرک سمجھتے ہیں۔ اسی طرح صغیرہ اور کبیرہ گناہ کا مرتکب بھی ان کے ہاں مشرک ہے (۱۸۹)۔

امام ابن حزم ان کے ایک فرقہ مکرمیہ کے متعلق یوں رقم طراز ہیں: ”من اتی كبيرة فقد جهل الله تعالى فهو کافر لیس من أجل الكبيرة كفر لكن لأنه جهل الله

عز وجل فهو كافر بجهله بالکھ تعالیٰ“ (۱۹۰) (جس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا یہ اللہ سے جاہل ہو گیا۔ وہ کافر ہے لیکن کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے جاہل ہونے کی وجہ سے لہذا وہ اللہ تعالیٰ سے لاعلم ہونے کے باعث کافر ہے)۔

کذب بیانی سے متعلق خوارج کا موقف:

کذب بیانی کا کبیرہ ہونا نصاً ثابت ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کبار کا ذکر فرمایا: ”الشرك بالله وعقوق الوالدين وقتل النفس وقول الزور“ (۱۹۱) (اللہ کے ساتھ شریک کرنا۔ والدین کی نافرمانی قتل نفس اور جھوٹ)۔ لیکن مذکورہ بالا اختلاف کے باعث خوارج نے اس کے متعلق تشدد ادا نہ موقف اختیار کیا ہے۔ چنانچہ نجدات کے قائد نجدہ بن عامر الحنفی کا قول ہے: ”من كذب كذبة صغيرة أو كبيرة أو أصر عليها فهو مشرك“ (۱۹۲) (جس نے چھوٹا یا بڑا جھوٹ بولا یا اس پر اصرار کیا وہ مشرک ہے)۔

امام ابن حزم نے ان کے ایک فرقے نجدات کے متعلق لکھا ہے: ”من كذب كذبة صغيرة أو عملاً صغيراً فأصر على ذلك فهو كافر مشرك“ (۱۹۳) (جس نے چھوٹا جھوٹ بولا یا جھوٹا (برا) عمل کیا اور اس پر اصرار کیا وہ کافر و مشرک ہے)۔

المبرد نے لکھا ہے: ”الخوارج في جميع أصنافها تبریء من الكاذب ومن ذي المعصية“ (۱۹۴) (خوارج کے تمام فرقے جھوٹے اور معصیت کرنے والے سے براءت کا اظہار کرتے ہیں)۔

اسلام نے کذب بیانی کو کبیرہ گناہ میں سے شمار کیا ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے لیکن روایت حدیث کے معاملہ میں اس کی سنگینی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من كذب على متعمداً فليتبوا مقعده من النار“ (۱۹۵) (جس نے عمداً میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تیار کر لے)۔

ملا علی القاری نے حافظ سیوطی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس حدیث کو ایک سو سے زیادہ صحابہ نے بیان فرمایا ہے، اس کے بعد مفصل طور سے تمام طرق کو ذکر کیا ہے (۱۹۶) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”ان افرى الفرى من قوئى مالم اقل ومن ارى عينيه مالم ترى ومن ادعى الى غير أبيه“ (۱۹۷) (سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ کوئی آدمی میری طرف ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہ کہی ہو یا اپنی آنکھوں کو ایسی چیز دکھانے کا دعویٰ کرے

جو انہوں نے نہ دیکھی ہو (جھوٹا خواب بیان کرنا) یا کسی غیر باپ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے)۔ ملا علی القاری نے سیوطی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اہل سنت کے نزدیک کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کفر نہیں ہے مگر رسول اللہ ﷺ کی ذات پر جھوٹ کفر ہے (۱۹۸)۔

مندرجہ بالا حدیث کے پیش نظر جب ہم خوارج کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عام جھوٹ کو ناجائز سمجھتے ہیں اور اس کے مرتکب کو کافر و مشرک قرار دیتے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی ذات سے متعلق کیسے جھوٹ بول سکتے ہیں۔

روایت حدیث اور خوارج:

محدثین نے اصول روایت حدیث وضع کرتے ہوئے کسی راوی کی ثقاہت کے لئے صدق مقال کو اس قدر اہمیت دی کہ وہ عام باتوں میں کذب بیانی سے کام لینے والے شخص سے بھی اخذ روایت میں اجتناب کرتے۔ چنانچہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں: ”حدثنا أحمد بن سنان قال: كان عبد الرحمن بن مہدی لا يترك حديث رجل إلا متهم بالكذب أو رجلاً الغالب عليه الغلط“ (۱۹۹) (احمد بن سنان نے بیان کیا ہے کہ عبد الرحمن بن مہدی کسی آدمی کی حدیث چھوڑتے تو اس کا سبب یہ ہوتا کہ وہ آدمی متہم بالکذب ہوتا یا زیادہ اغلاط کا مرتکب ہوتا)۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لا ينبغي لأحد أن يحدث عنه إلا عن يثق بخبره ويرضى دينه وأمانته لأنها ديانة“ (۲۰۰) (آنحضرت ﷺ کی حدیث صرف ایسے شخص سے لی جائے جس کے ثقہ ہونے کا یقین ہو اور اس کا دین و امانت پسندیدہ ہو کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے)۔

امام شافعی رحمہ اللہ ہی حدیث نبوی ﷺ: ”حدثوا عن بني إسرائيل ولا حرج وحديثوا عني ولا تكذبوا علي“ (۲۰۱) (بنی اسرائیل کی روایات بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں میری احادیث بھی بیان کرو، لیکن میری ذات پر جھوٹ نہ باندھو) کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: ”لا نتقبل حديثاً إلا من ثقة ونعرف صدق من حمل الحديث من حين ابتداء إلى أن يبلغ به منتهاه“ (۲۰۲) (ہم صرف ایسے آدمی سے حدیث اخذ کرتے ہیں جو ثقہ (باعتبار) ہو۔ اس کی نقل روایت کی صداقت ابتداء سے انتہا تک معروف ہو)۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ محدثین سخت ترین مرتبہ ”اکذب الناس“ (سب لوگوں سے جھوٹا) کو دیتے ہیں اور اس سے کم دجال، وضاع اور کذاب کو شمار کرتے ہیں، اور ان کی روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔ اس پر مستزاد ہے کہ متہم بالکذب راوی سے بیان کردہ روایت کو بھی ناقابل

اعتماد قرار دے کر ”متروک“ کا نام دیتے ہیں (۲۰۳)۔

محدثین نے اپنی اس شرط میں اہل سنت والجماعت کے علاوہ فرق کی وساطت سے پہنچنے والی روایات کے لئے اور بھی سختی پیدا کر دی ہے تاکہ حدیث رسول ﷺ کے اس صاف و شفاف چشمے کو کسی صورت بھی مکدر نہ ہونے دیا جائے چنانچہ محمود زعمی لکھتے ہیں: ”وأجمعوا على عدم قبول رواية المبتدع الذي يستحل الكذب في نصره مذهب أو لأهل مذهب“ (۲۰۴) محدثین کا ایسے بدعتی کی عدم قبول روایت پر اجماع ہے جو اپنے مذہب یا مذہب والوں کی نصرت کے لئے جھوٹ کو جائز سمجھتا ہو۔

خوارج کے متعلق ذکر ہو چکا ہے کہ وہ کذب بیانی کو کبیرہ گناہ قرار دیتے ہیں اور کبیرہ کا مرتکب ان کے ہاں دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ محدثین نے ان کی اس انتہا پسندی کے باعث ان کی وساطت سے پہنچنے والی روایت کو بنظر استحسان دیکھا ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی، امام ابو داؤد کا یہ قول نقل فرماتے ہیں: ”ليس في أصحاب أهل الأهواء أصح حديثاً من الخوارج ثم ذكر عمران بن حطان وأبا حسان الأعرج“ (۲۰۵) (اہل ہواء (بدعت) میں سے خوارج سے بڑھ کر صحیح احادیث بیان کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ پھر انھوں نے عمران بن حطان اور ابو حسان الاعرج کا ذکر کیا)۔

خطیب بغدادی ہی خوارج کی روایات قبول کرنے کے متعلق لکھتے ہیں: ”والذي يعتمد عليه في تجويز الاحتجاج بأخبارهم اشتهر من قبول الصحابة أخبار الخوارج وشهاداتهم ومن جرى مجراهم من الفساق بالتأويل ثم استمرار عمل التابعين والخالفين بعدهم على ذلك لما رأوا من تحريمهم الصدق وتعظيم الكذب وحفظهم أنفسهم عن المحظورات من الأفعال وانكارهم على أهل الريب والطرائق المذمومة ورواياتهم الأحاديث التي تخالف آراءهم ويتعلق بها مخالفتهم في الاحتجاج عليهم فاحتجوا برواية عمران بن حطان وهو من الخوارج“ (۲۰۶) (صحابہ کرام کے خوارج اور اس قسم کے دیگر فاسق لوگوں کی روایات و شہادات کو جائز سمجھنے اور بعد ازاں تابعین اور تبع تابعین کے اس پر عمل کرنے کا سبب یہ تھا کہ یہ لوگ سچائی کے متلاشی تھے۔ جھوٹ کو برا سمجھتے تھے اور ان چیزوں کا ارتکاب نہ کرتے تھے جن سے بچنا چاہیے۔ نیز شکوک و شبہات پیدا کرنے والے اور مذموم نظریات اپنانے والے لوگوں کی تردید کرتے تھے یہ لوگ (خوارج) ایسی احادیث بیان کرتے تھے جو ان کے نظریات کے خلاف ہوں بلکہ ان کے مخالف

دلیل کے طور پر ان کی مخالفت میں پیش کرتے مثلاً انہوں (محدثین) نے عمران بن حطان کی روایت اس کے خارجی ہونے کے باوجود قبول کی۔

امام ابن الصلاح فرماتے ہیں: ”اعتمدہم بعض أئمة الحديث كالبخاري فقد احتج بعمران بن حطان وهو من الخوارج لا سيما إذا علمت أن الخوارج يحكمون بكفر من يكذب لأن مرتكب الكبيرة كافر في نظرهم والكذب من الكبائر“ (۲۰۷) (بعض ائمہ حدیث نے ان کی روایت پر اعتماد کیا ہے مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ نے عمران بن حطان سے روایت کیا ہے حالانکہ وہ خارجی تھے خاص کر اس وجہ سے جب کہ یہ معلوم ہو گیا کہ خوارج جھوٹ بولنے والے پر کفر کا حکم لگاتے ہیں کیونکہ مرتکب کبیرہ گناہ ان کے خیال میں کافر ہے اور جھوٹ کبیرہ گناہ ہے)۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان کے متعلق فرماتے ہیں: ”ليسوا ممن يعتمد الكذب بل هو معروفون بالصدق حتى يقال: إن حديثهم من اصح الحديث لكنهم جهلوا وضلوا في بدعتهم ولم تكن بدعتهم عن زندقة والحاد بل عن جهل وضلال في معرفة معاني الكتاب“ (۲۰۸) (یہ لوگ عمداً جھوٹ نہ بولتے تھے بلکہ سچائی میں معروف تھے، اس بناء پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ ان کی احادیث زیادہ صحیح ہیں لیکن وہ لوگ جاہل تھے اور بدعت میں بھٹک گئے تھے، لیکن ان کی بدعت زندقہ اور الحاد کی وجہ سے نہ تھی بلکہ کتاب اللہ کے معنی کے فہم میں جہالت اور ضلالت کی وجہ سے تھی)۔

محمد ابو زہو ”خوارج اور وضع حدیث“ کے عنوان کے تحت ان کی صداقت، بہادری اور عدم تقیہ جیسے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ”یہ تمام عوامل خوارج کے لیے حدیث میں جھوٹ کی قلت کا ثبوت ہیں۔ جبکہ دیگر فرق میں ایسا نہ تھا،“ (۲۰۹)۔

محمود زعمی نے محدثین کے ہاں ان کی روایت کے قبول کرنے کے دو سبب بیان کیے ہیں:

- ۱۔ خوارج کی بدعت کتاب و سنت سے جہالت اور تاویل کا نتیجہ تھا۔
- ۲۔ خوارج عام گفتگو میں سچے تھے اور جھوٹ کو حرام سمجھتے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا معاملہ تو سب سے بڑھ کر ہے (۲۱۰)۔

کتب موضوعات میں زنادقہ اور روافض کی وضع کردہ روایات تو ملتی ہیں لیکن خوارج کی روایات نہیں ملتیں۔ صرف دو روایات ایسی ہیں جن کی نسبت خوارج کی طرف کی گئی ہے اور وہ دونوں محل نظر ہیں۔

پہلی روایت:

”عن ابن لہیعة قال سمعت شیخا من الخوارج وهو يقول: إن هذه الأحادیث دین فانظروا عمن تاخذونه دینکم أنا کنا إذا هوینا أمرا صیرناہ حدیثا“ (۲۱۱) (ابن لہیعة سے روایت ہے کہ میں نے خوارج کے ایک شیخ سے سنا کہ یہ احادیث دین ہیں آپ دیکھ لیا کریں کہ اپنا دین کن سے لیتے ہیں۔ ہم جب کسی کام کو پسند کرتے تو اس کے متعلق حدیث گھڑ لیتے)۔

اس حدیث کے متعلق محدث شام ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی فرماتے ہیں۔ قدیم و جدید مؤلفین اسی طرح لکھتے رہے ہیں لیکن تلاش بسیار کے باوجود مجھے ایک حدیث بھی ایسی نہ ملی جو کسی خارجی نے وضع کی ہو۔ میں نے موضوعات کی کتب میں بہت تلاش کیا۔ مجھے ایک خارجی بھی نہ ملا جسے کذاب یا وضاع شمار کیا گیا ہو۔ گذشتہ روایت جس میں ایک خارجی شیخ کا ذکر کیا گیا ہے مجھے معلوم نہیں وہ کون تھا۔ حماد بن سلمہ نے ایک ایسی روایت ایک رافضی شیخ سے نقل کی ہے جو گزر چکی ہے (۲۱۲) اس لئے اس روایت کی نسبت غلط ہی کیوں نہ سمجھی جائے بالخصوص اس صورت میں کہ ہمیں خوارج کی وضع کردہ ایک حدیث بھی نہیں ملی (۲۱۳)۔

دوسری روایت:

عبدالرحمن بن مہدی سے منقول ہے کہ زنادقہ اور خوارج نے یہ حدیث وضع کی ہے۔ ”إذا أتاکم عني حدیث فأعرضوه علی کتاب اللہ فإن وافق کتاب اللہ فأنا قلتہ“ (۲۱۴) (جب تمہارے پاس کوئی حدیث آئے تو اسے کتاب اللہ پر پیش کرو۔ اگر کتاب اللہ کے موافق ہو تو میں نے کہی ہوگی)۔

ڈاکٹر سباعی فرماتے ہیں ”عبدالرحمن بن مہدی“ کا قول ہے کہ ”یہ حدیث خوارج اور زنادقہ کی وضع کردہ ہے“ میں نہیں سمجھتا کہ اس قول کی نسبت موصوف کی طرف درست ہو کیونکہ اس کی کوئی سند نہیں ہے۔ اس میں پتہ نہیں چلتا کہ اس کا وضع کون ہے؟ کب وضع کیا گیا ہے؟ علاوہ ازیں اس امر سے ہمارے شک میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے کہ ایک حدیث کو وضع کرنے کی نسبت خوارج اور زنادقہ دونوں کی طرف ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ دونوں (خوارج اور زنادقہ) اس کے وضع کرنے پر کیسے متفق ہوئے؟ نیز یہ کہ دونوں فرقوں نے ایک ہی وقت میں وضع کیا یا ایک نے پہلے اور دوسرے نے

بعد میں۔ عبدالرحمن بن مہدی کے علاوہ دیگر علماء نے اسے صرف زنادقہ کی طرف منسوب کیا ہے (۲۱۵)۔ آخر میں نتیجہ بحث ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ”لقد حاولت أن أعثر على دليل علمي يؤيد نسبة الوضع إلى الخوارج ولكنني رأيت الأدلة العلمية على العكس“ (۲۱۶) (میں نے بہت کوشش کی کہ وضع کی نسبت خوارج کی طرف کرنے کی کوئی دلیل مل جائے، لیکن علمی دلائل اس کے برعکس ہیں)۔

محدث ہند شمس الحق ڈیانوی رحمہ اللہ ”عون المعبود شرح سنن ابی داؤد“ میں اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: ”فانه حديث باطل لا أصل له وقد حكى زكريا الساجي عن يحيى بن معين أنه قال هذا حديث وضعته الزنادقة“ (۲۱۷) (یہ حدیث باطل ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ زکریا ساجی نے یحییٰ بن معین سے بیان کیا ہے کہ اس کو زنادقہ نے وضع کیا ہے)۔

علامہ طاہر پٹنی نے علامہ خطابی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ روایت زنادقہ کی وضع کردہ ہے (۲۱۸)۔

صحیح بخاری میں خارجی روایات:

امت مسلمہ کے تمام محدثین و فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ صحیح بخاری کے تمام راوی عادل اور ثقہ ہیں۔ ان میں دو خارجی راوی ہیں۔ سطور ذیل میں ہم ان دونوں کی حیثیت اور امام بخاری کے ان سے روایت لینے پر مفصل تبصرہ کرتے ہیں تاکہ یہ بات کھل کر سامنے آ سکے کہ انہوں نے خوارج کو کس سیاق میں اپنی کتاب میں جگہ دی اور کیوں؟

پہلا راوی عمران بن حطان:

امام ابن القیسرانی ان کا تعارف کراتے ہوئے فرماتے ہیں: ”عمران بن حطان السدوسي سمع عائشة وابن عمرو ابن عباس روى عنه يحيى بن أبي كثير في اللباس عند البخاري“ (۲۱۹) (اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے، اس سے یحییٰ بن ابی کثیر نے روایت کیا۔ بخاری کی کتاب اللباس میں حدیث ہے)۔ ابو الولید الباجی نے بھی تقریباً اس قسم کے الفاظ لکھ کر حدیث بیان کی ہے (۲۲۰)۔ امام بخاری کے اس سے روایت لینے کے بارہ میں ہم مندرجہ ذیل نکات قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

اولاً: ایک رائے کے مطابق امام موصوف نے اس سے خارجی نظریات اپنانے سے پہلے روایت

کی ہے۔ جیسا کہ دیگر محتاط و غیر موثق رواۃ کے بارے میں امام بخاری کا طرہ امتیاز ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ”رایت بعض الائمہ یزعم أن البخاری إنما أخرج له ما حمل عنه قبل أن یری رای الخوارج“ (۲۲۱) (امام بخاری نے ان سے خوارج کا نظریہ اپنانے سے قبل بیان کی گئی حدیث بیان کی ہے)۔

اس کے متعلق حافظ ابن حجر نے دوسری رائے امام ابوزکریا الموصلی سے اس طرح نقل کی ہے:

”ذکر أبو زکریا الموصلی فی تاریخ الموصل عن محمد بن بشیر العبدی الموصلی قال: لم یمت عمران بن حطان حتی رجع عن رأی الخوارج“ (ابوزکریا الموصلی نے تاریخ موصل میں لکھا ہے کہ محمد بن بشیر العبدی الموصلی نے کہا: عمران بن حطان نے وفات سے قبل خوارج کے عقیدہ سے رجوع کر لیا تھا)۔ اس رائے کو پسندیدہ قرار دیتے ہوئے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ”هذا أحسن ما یعتذر به عن تخریج البخاری له“ (۲۲۲) (یہ اس لحاظ سے امام بخاری کے اس سے حدیث روایت کرنے کیلئے بہترین عذر ہے)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: ”کان من المعروفین فی مذهب الخوارج وکان قبل ذلک مشهوراً فی طلب العلم الحدیث ثم ابتلی“ (۲۲۳) (خوارج کے مذہب میں معروف آدمی تھا۔ اس عقیدہ سے قبل طلب علم اور طلب علم حدیث میں مشہور تھا پھر آزمائش میں مبتلا ہو گیا)۔

ثالثاً: اگر ہم مذکورہ بالا دونوں آراء سے صرف نظر کرتے ہوئے اسے خارجی تسلیم کر بھی لیں تو امام بخاری کے سامنے تمام روایت کے بارے میں ان کی صدق و ثقاہت ملحوظ ہوتی ہے جیسا کہ ابن الصلاح کے قول میں لکھا جا چکا ہے۔

رابعاً: مزید براں ہمیں اس راوی کے خارجی نظریات اپنانے کا ایک ایسا سبب معلوم ہوا ہے جو اس کی خارجی نظریات میں متزلزل ہونے پر دلیل ہے: ”عن ابن سیرین قال تزوج عمران امرأة من الخوارج لیردھا عن مذهبھا فذهب بہ“ (۲۲۴) (امام ابن سیرین سے روایت ہے کہ عمران نے ایک خارجی عورت سے شادی کی تاکہ اس کے عقیدہ کو بدلے لیکن وہ اس کو اپنے ساتھ ملا لے گئی)۔

چنانچہ مختلف ائمہ کی رائے ملاحظہ ہو:

۱۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”عمران بن حطان السدوسی عن عمرو ابی

موسیٰ و جمع و عنہ قتادہ و محارب بن دثار و عدہ وثق و کان خارجیا“ (۲۲۵) (عمران نے عمر، ابو موسیٰ اور ایک جماعت سے حدیث روایت کی۔ اس سے قتادہ، محارب بن دثار اور کئی لوگوں نے روایت کی ہے یہ ثقہ راوی تھا لیکن خارجی تھا)۔

۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”رُمِیَ بِرَأْيِ الْقَعْدِيَةِ مِنَ الْخَوَارِجِ“ (۲۲۶) (اس پر خوارج کے فرقہ قعدیہ سے تعلق رکھنے کا الزام ہے) قعدیہ فرقہ کے متعلق لکھتے ہیں: ”كانوا يقولون بقولهم ولا يرون الخروج بل يزينونه“ (۲۲۷) (یہ لوگ انہی (خوارج) کا ساقیدہ رکھتے تھے لیکن بغاوت کے قائل نہ تھے بلکہ صرف اس کو جائز سمجھتے تھے)۔

۳۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ”قد وثقه العجلي وقال قتادة: لا يهتم في الحديث، وقال أبو داود: ليس في أهل الأهواء أصح حديثاً من الخوارج ثم ذكر عمران بن حطان هذا وغيره“ (۲۲۸) (عجلی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حدیث کے بارے میں اس پر کوئی الزام نہیں۔ ابو داؤد نے کہا ہے اہل بدعت میں خوارج سے بڑھ کر صحیح حدیث بیان کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس کے بعد انہوں نے عمران بن حطان اور دیگر لوگوں کا ذکر کیا)۔

۴۔ امام عجلی کے اپنے الفاظ یہ ہیں: ”عمران بن حطان بصري تابعي ثقة“ (۲۲۹) (عمران بن حطان بصری ثقہ تابعی تھا) اب امام بخاری رحمہ اللہ کے ہاں اس کی روایت بالتفصیل ملاحظہ ہو۔

”حدثني محمد بن بشار قال حدثنا عثمان بن عمر قال حدثنا علي بن المبارك عن يحيى بن ابي كثير عن عمران بن حطان قال سألت عائشة عن الحرير فقالت: انت ابن عباس فسألته فقال سل ابن عمر فسألت ابن عمر فقال: أخبرني أبو حفص يعني عمر بن الخطاب أن رسول الله ﷺ قال: إنما يلبس الحرير في الدنيا من لا خلاق له في الآخرة فقلت: صدق وما كذب أبو حفص علي رسول الله ﷺ وقال عبد الله بن رجاء حدثنا حرب عن يحيى قال حدثني عمران وقص الحديث“ (۲۳۰) (عمران بن حطان روایت کرتے ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے ریشم کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھو۔ ان سے جا کر پوچھا تو انہوں نے فرمایا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھو۔ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا ابو حفص یعنی عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب نے مجھے بتایا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ دنیا میں ریشم وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت

میں کوئی حصہ نہ ہو۔ میں نے کہا اس نے سچ کہا۔ ابو حفص نے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ نہ باندھا۔ عبداللہ بن رجاء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ حرب نے یحییٰ سے روایت کیا اس نے کہا مجھے عمران نے حدیث بیان کی اور پوری حدیث بیان کر دی۔

اس روایت کو بیان کرنے سے قبل امام بخاری نے اس کے ہم معنی پانچ روایات بیان کی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ روایت متابعات میں سے ہے۔ اس طرح دیگر محدثین نے بھی اس کی ہم معنی روایات دیگر رواۃ سے بیان کی ہیں (۲۳۱)۔ اس وجہ سے حافظ ابن حجر اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: قلت: لم يخرج له البخاري سوى حديث واحد (۲۳۲) (امام بخاری نے اس سے صرف ایک روایت بیان کی ہے)۔

پھر اس روایت کو بیان کر کے فرماتے ہیں: ”وهذا الحديث انما أخرجه البخاري في المتابعات فللحديث عنده طرق غير هذا من رواية عمر وغيره وقد رواه مسلم من طرق أخرى عن ابن عمر وغيره وقد رواه مسلم من طرق أخرى نحوه“ (۲۳۳) (امام بخاری نے اس حدیث کو متابعات میں بیان کیا ہے۔ ان کے ہاں اس حدیث کی اور بھی سندیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ہیں۔ اس حدیث کو امام مسلم نے اور سند سے ابن عمر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ امام مسلم نے اور سند سے ایک اور روایت اسی طرح کی لکھی ہے)۔

امام ذہبی رحمہ اللہ، عمران کے متعلق فرماتے ہیں: ”فكان عمران صدوق في نفسه“ (۲۳۴) (عمران فی نفسہ سچا آدمی ہے) ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔

۱۔ عمران بن حطان نے خارجی عقیدہ سے رجوع کر لیا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے اس سے روایت لینے کا بہت بڑا جواز قرار دیا ہے۔

۲۔ ابن حبان اور عجلی جیسے نقاد نے اس کو ثقہ شمار کیا ہے۔

۳۔ ایک رائے کے مطابق امام بخاری نے اس سے خوارج کا عقیدہ اپنانے سے قبل روایت کیا ہے۔

۴۔ امام عالی مقام نے اس کی روایت کو مستقل حیثیت نہیں دی بلکہ متابعات میں بیان کیا ہے۔

۵۔ محدثین کی شرائط کا خیال رکھتے ہوئے ایسی روایت بیان کی ہے جس کا اس کے نظریہ اور عقیدہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

- ۶۔ ایسی روایت ہے جس کے ہم معنی اور تائید میں تقریباً تمام کتب احادیث میں روایات موجود ہیں۔
- ۷۔ اس کا تعلق جتنا بھی رہا یا تھا وہ خوارج کے ایک معتدل فرقہ سے تھا۔
- ۸۔ حدیث کے معاملہ میں متہم نہ تھا۔
- ۹۔ خارجی عورت سے شادی کرنے کے لئے خوارج کی طرف رجحان کیا تاکہ اس کا عقیدہ بدل سکے۔

دوسرا روای ولید بن کثیر:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الولید بن کثیر بن یحیی المدنی رمی برای الاباضیہ من الخوارج (۲۳۵) (اس پر خوارج کے فرقے اباضیہ میں سے ہونے کا الزام ہے) دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ”الولید بن کثیر المخزومی ابو محمد المدنی نزیل کوفہ و ثقہ ابراہیم بن سعد وابن معین وقال ابن سعد لیس بذاک وقال الساجی: قد کان ثقة ثبتا یحتج بحديثه ولم یضعفه احد انما عابوا علیه الرأی وقال الأجرى عن ابی داؤد ثقة إلا أنه أباضی قلت: الإباضیة، فرقة من الخوارج لیست مقالتهم شديدة الفحش ولم یکن الولید داعیة واللہ اعلم“ (۲۳۶) (ولید بن کثیر کوفہ کا رہنے والا تھا۔ ابراہیم بن سعد اور ابن معین نے اس کو ثقہ کہا۔ ابن سعد نے کہا ہے کوئی اتنا بڑا آدمی نہ تھا۔ ساجی نے کہا ہے وہ ثقہ اور قابل اعتماد آدمی تھا۔ اس کی حدیث قابل حجت ہے۔ کسی نے اس کو ضعیف نہیں کہا۔ اس کی خامی صرف یہ بیان کی گئی ہے کہ اہل رائے میں سے تھا۔ آجری نے کہا ہے کہ ابو داؤد کہتے ہیں وہ ثقہ آدمی ہے البتہ اباضی ہے۔ میں (حافظ ابن حجر) کہتا ہوں۔ اباضیہ خوارج کا ایسا فرقہ ہے ان کے نظریات سخت نہیں تھے جہاں تک ولید کا معاملہ ہے وہ اپنے مذہب کا داعی بھی نہ تھا)۔

امام عبدالرحمن الرازی فرماتے ہیں: ”روی عن محمد بن کعب روی عنه عیسی بن یونس و ابراہیم بن سعد و ابو اسامہ سمعت ابی یقول ذلک“ (۲۳۷) (میں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا تھا کہ اس نے محمد بن کعب سے روایت کیا، عیسی بن یونس اور ابراہیم بن سعد اور ابو اسامہ اس کے شاگردوں میں سے ہیں)۔ الحافظ الذہبی کے ہاں ابن حجر کے قول کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے ”ثقة صدوق حدیثه فی الصحاح سمع سعید بن ابی ہند و الکبار“ (۲۳۸) (ثقة اور نہایت سچا آدمی تھا، اس کی احادیث صحاح میں ہیں۔ اس نے سعید بن ابی ہند اور بڑے علماء سے سماع کیا)۔

ولید بن کثیر ثقہ تھا علم غزوات کا متلاشی اور اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں حریص تھا (۲۳۹)۔

امام الباجی ان کے متعلق فرماتے ہیں: ”الولید بن کثیر أبو محمد المخزومی المدني أخرج البخاري في الأئمة والخمس والشرب وغير موضع عن ابن عيينه وإبراهيم بن سعد عنه عن بشير بن يسار ووهب بن كيسان ومحمد بن عمرو بن حلحلة. مات بالكوفة سنة إحدى وخمسين ومائة“ (۲۴۰) (امام بخاری نے اس سے ائمتہ، خمس اور دیگر ابواب میں روایت کی ہے۔ ابن عیینہ اور ابراہیم بن سعد اس سے روایت کرتے ہیں جبکہ وہ بشیر بن یسار، وھب بن کيسان اور محمد بن عمرو بن حلحلہ سے روایت کرتا ہے۔ کوفہ میں ۱۵۱ھ میں فوت ہوا)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تہذیب التہذیب میں ان کے سترہ اساتذہ اور پانچ شاگردوں کے نام لکھے ہیں۔ مزید یہ کہ عیسیٰ بن یونس نے اسے ثقہ کہا ہے۔ ابراہیم بن سعد نے بھی ثقہ کہا ہے۔ ابن عیینہ نے صدوق (بہت سچا) کہا۔ ابن معین نے ثقہ کہا۔ ابو داؤد نے کہا ہے ثقہ ہے مگر اباضی ہے۔ ابن سعد نے کہا ہے سیرۃ اور مغازی کا علم رکھتا ہے اس نے احادیث روایت کی ہیں۔ اتنا کوئی بڑا آدمی نہ تھا، (لیس بذاک) عیسیٰ بن یونس نے کہا: ”کان متقنا فی الحدیث“ (حدیث میں مستحکم تھا) ساجی نے کہا ہے: ”صدوق ثبت یحتج بہ“ (ثقہ اور سچا ہے اس سے حدیث میں حجت لی جاتی ہے)۔

ابن معین نے اسے ثقہ (قابل اعتماد) کہا اور لا باس بہ (مناسب) قرار دیا۔ ساجی نے مزید کہا: ”کان اباضیا ولكنه كان صدوقاً“ (۲۴۱) یہ اباضی تھا لیکن انتہائی سچا شخص تھا) ابن القیصرانی نے لکھا ہے اس سے بشیر بن یسار، وھب بن کيسان، محمد بن عمرو بن حلحلہ کے حوالے سے بخاری و مسلم میں روایت ہے۔ محمد بن کعب، سعید بن ابی ہند، محمد بن عمرو بن عطاء، سعید المقبری، ابراہیم بن عبداللہ بن حصین، عبید اللہ بن عبداللہ بن عمر، نافع اور معبد بن کعب کے حوالے سے مسلم میں روایات ہیں۔ اس سے سفیان بن عیینہ ابو اسامہ اور ابراہیم بن سعد کے حوالے سے صحیحین (بخاری و مسلم) میں روایت ہے۔ عیسیٰ بن یونس سے صرف مسلم میں ہے (۲۴۲)۔ امام ذہبی رحمہ اللہ الکاشف میں فرماتے ہیں: ”قال ابو حاتم يكتب حديثه“ (۲۴۳) (اس کی حدیث لکھی جائے) ابن حبان نے کتاب الثقات میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے اس سے ایک حدیث بھی بیان کی ہے (۲۴۴) صحیح البخاری میں اس کی ایک حدیث کتاب الجہاد باب ما جاء فی بیوت ازواج النبی ﷺ الخ میں ہے جو کہ درج ذیل ہے: ”حدثنا سعيد بن محمد الجرمي حدثنا يعقوب بن ابراهيم

حدثنا أبي أن الوليد بن كثير حدثه عن محمد بن عمرو بن حنبل حدثه أن
ابن شهاب حدثه أن علي بن حسين حدثه أنهم حين قدموا المدينة من عند يزيد بن
معاوية مقتل حسين بن علي لقيه المسور بن مخرمة فقال له: هل لك إلى من حاجة
تأمرني بها فقلت له: لا قال له: فهل أنت معطي سيف رسول الله ﷺ فاني أخاف أن
يغلبك القوم عليه، وأيم الله لئن أعطيتني لا يخلص إليه أحد حتى تبلغ نفسي. أن
علي ابن ابی طالب خطب ابنة ابی جہل علی فاطمہ فسمعت رسول اللہ ﷺ يخطب
الناس في ذلك على منبره هذا وأنا يومئذ محتلم فقال: إن فاطمہ منی وأنا أتخوف
أن تفتن في دينها ثم ذكر صهرًا له من بني عبد شمس فأثنى عليه مصاهرته إياه قال
حدثني فصدقني ووعدني فوفى لي واني لست أحرم حلالًا ولا أحل حرامًا ولكن
والله لا تجتمع بنت رسول الله ﷺ وبنت عدو الله أبداً (۲۳۵) (علي بن حسين نے بیان کیا
کہ جب میں یزید بن معاویہ کے ہاں سے حسین بن علی کے شہید ہونے کے بعد مدینہ آیا مسور بن
مخرمہ نے مجھ سے کہا کہ آپ کو کوئی مجھ سے حاجت (کام) ہے تو کہہ دو تو میں نے کہا نہیں اس نے کہا
آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی تلوار عنایت کر دیں مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ آپ پر غالب آ جائیں
گے۔ اللہ کی قسم! اگر آپ نے مجھے تلوار دے دی تو اس کو جب تک میں زندہ ہوں کوئی نہ لے سکے
گا۔ علی بن ابی طالب نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں ابو جہل کی بیٹی سے منگنی کرنا چاہی۔
میں نے حضور ﷺ کو منبر پر لوگوں کو خطبہ دیتے سنا جب کہ میں بالغ تھا اور انہوں نے کہا ”فاطمہ
مجھ سے ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اپنے دین کے معاملے میں کسی فتنہ میں نہ پڑ جائیں پھر انہوں
نے بنی عبد شمس سے اپنے داماد کا ذکر کیا۔ اس کی تعریف کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس نے مجھ
سے بات کی تو اس کو سچ کر دکھایا اس نے مجھ سے وعدہ کیا تو اسے پورا کیا میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا
اور نہ حرام کو حلال کرتا ہوں لیکن رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک جگہ جمع نہیں
ہو سکتیں۔)

یہی حدیث انہیں الفاظ میں معمولی تغیر کے ساتھ صحیح مسلم میں بھی موجود ہے۔ تمام سند وہی
ہے تاہم امام بخاری کے استاد سعید بن محمد الجرمی ہیں جبکہ امام مسلم کے استاد امام احمد بن حنبل
ہیں (۲۳۶)۔ اس حدیث کو دو مزید طرق سے امام مسلم نے مکرر روایت کیا ہے (۲۳۷)۔ یہ روایت دیگر
رواۃ سے ابن ماجہ میں بھی مروی ہے لیکن سنن ابی داؤد میں تمام رواۃ صحیح مسلم کے ہیں (۲۳۸)۔ صحیح
بخاری میں اس سے دوسری روایت کتاب الاطعمہ میں ان الفاظ سے ہے: ”حدثنا علي بن عبد الله

قال حدثنا سفيان قال الوليد بن كثير اخبرني انه سمع وهب بن كيسان يقول انه سمع عمر بن أبي سلمة يقول كنت غلامًا في حجر رسول الله وكانت يدي تطيش في الصحيفة فقال لي رسول الله ﷺ: يا غلام سمع الله وكل بيمينك وكل مما يليك فما زالت تلك طعمتي بعد“ (۲۴۹) (عمر بن ابی سلمہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی پرورش میں تھا۔ میرا ہاتھ پلیٹ (کھانے کی) میں گھوم رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے لڑکے اللہ کا نام لے اور دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے آگے سے کھا۔ اس کے بعد میں ہمیشہ اسی طرح کھاتا رہا)۔ یہی روایت امام مسلم نے ولید بن کثیر سے روایت کی ہے اس میں امام مسلم کے استاد ابو بکر بن ابی شیبہ اور ابن عمر ہیں۔ سفیان بن عیینہ سے قبل سفیان اور ابو بکر کا واسطہ ہے باقی سند وہی ہے (۲۵۰)۔ اسی روایت کے ہم معنی روایت دیگر رواۃ سے اس سے اگلے باب الاکل مما یلیہ میں امام بخاری نے روایت کی ہے (۲۵۱)۔ اس روایت سے ملتی جلتی روایات امام مسلم نے اس روایت سے پہلے اور بعد میں بیان کی ہیں (۲۵۲)۔ ولید بن کثیر کی صحیح بخاری والی روایت آخری جملہ کے علاوہ سنن ابن ماجہ میں بھی موجود ہے (۲۵۳)۔ یہی روایت دیگر رواۃ سے سنن الترمذی میں بھی ہے (۲۵۴)۔ یہی روایت دیگر رواۃ سے سنن ابی داؤد میں بھی ہے (۲۵۵)۔

مذکورہ بالا امور کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں:

- ۱۔ ولید بن کثیر ثقہ راوی ہے۔ اس کی حدیث قابل حجت ہے۔
- ۲۔ کسی نے اس کو ضعیف نہیں لکھا۔
- ۳۔ اس کا تعلق خوارج کے اباضی سے ہے جو کہ میانہ روی اختیار کرنے والا ہے۔
- ۴۔ یہ اپنے مذہب کا داعی نہیں تھا۔
- ۵۔ یہ انتہائی سچا آدمی ہے۔
- ۶۔ علم کا متلاشی تھا۔
- ۷۔ اس کے اساتذہ اور تلامذہ میں کبار محدثین کی ایک جماعت شامل ہے۔
- ۸۔ اس کی بیان کردہ احادیث کا تعلق اس کے عقیدہ سے نہیں ہے۔
- ۹۔ صحیح بخاری میں روایت کردہ احادیث اور راوی سے دیگر کتب حدیث میں بھی ہیں۔
- ۱۰۔ صحاح میں اس راوی کی اور احادیث بھی ہیں۔
- ۱۱۔ بخاری میں بیان کردہ احادیث کی تائید دیگر کتب احادیث سے بھی ہوتی ہے۔
- ۱۲۔ بڑے بڑے نقاد محدثین نے اس سے روایت لینے کا لکھا ہے۔

اہل تشیع اور ان کا نظریہ حدیث

شیعہ کی تعریف:

شیعہ: (مادہ شیع) ، شایع ، یُشایع ، مشایعہ ، متابعت کرنا ، کسی کے پیچھے چلنا (۲۵۶)۔
 شیعہ اسم بمعنی دوست ، پیروکار ، گروہ ، جماعت ، رفقاء ، مددگار ، ایک جیسی رائے رکھنے والا ، کسی کے پیچھے چلنے والے (۲۵۷)۔ عموماً شیعہ واحد و جمع اور مذکر و مؤنث کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی جمع شیع و اشیاع ہے (۲۵۸)۔

ابن منظور نے لکھا ہے: ”وَأَصْلُ الشَّيْعَةِ الْفِرْقَةُ مِنَ النَّاسِ وَيَقَعُ عَلَى الْوَاحِدِ وَالْأَثْنَيْنِ وَالْجَمْعِ وَالْمَذْكَرِ وَالْمُؤْنِثِ بِلَفْظٍ وَاحِدٍ وَمَعْنَى وَاحِدٍ، وَقَدْ غَلَبَ هَذَا الْأَسْمُ عَلَى مَنْ يَتَوَلَّى عَلِيًّا وَأَهْلَ بَيْتِهِ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ، حَتَّى صَارَ لَهُمْ اسْمًا خَاصًّا، فَبِإِذَا قِيلَ: فَلَانٌ مِنَ الشَّيْعَةِ، عُرِفَ أَنَّهُ مِنْهُمْ، وَفِي مَذْهَبِ الشَّيْعَةِ كَذَا: أَيِ عِنْدَهُمْ. وَأَصْلُ ذَلِكَ مِنَ الْمَشَايِعَةِ: وَهِيَ الْمَتَابَعَةُ وَالْمَطَاوَعَةُ“ (۲۵۹) (شیعہ کا اصل لوگوں کا ایک فرقہ ہے۔ یہ لفظ واحد تشبیہ، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی ایک ہی ہے۔ یہ اسم عام طور پر ان لوگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت سے تعلق رکھتے ہوں۔ پھر یہ نام ان کے لیے ہی مخصوص ہو گیا۔ جب کہا جائے فلان شیعہ سے ہے تو اس کا مطلب یہ ہے وہ ان میں سے ہے۔ وہی مذهب الشیعہ کذا کا مطلب ہے ان کے ہاں، اور اس لفظ کا اصل مشایعت سے ہے۔ جس کے معنی متابعت اور مطاوعت ہیں)۔

القیومی نے لکھا ہے: الشَّيْعَةُ: الْآتِبَاعُ وَالْأَنْصَارُ، وَكُلُّ قَوْمٍ اجْتَمَعُوا عَلَى أَمْرٍ فَهُمْ شَيْعَةٌ، ثُمَّ صَارَتْ الشَّيْعَةُ اسْمًا لَجَمَاعَةٍ مَخْصُوصَةٍ، وَالْجَمْعُ شَيْعٌ (۲۶۰)
 (شیعہ پیروکار اور مددگار کو کہتے ہیں۔ ہر قوم جو کسی ایک معاملے پر اکٹھے ہو جائیں وہ شیعہ ہیں۔ پھر شیعہ کا نام ایک مخصوص جماعت کیلئے استعمال ہونے لگا۔ اس کی جمع شیع ہے)۔

ابن الاثیر نے لکھا ہے شیعہ اولیاء اور انصار کو کہتے ہیں۔ شیعہ کا اصل ”الفرقة من الناس“ (لوگوں کا ایک فرقہ ہے)۔ ”وقد غلب هذا الاسم على كل من يزعم أنه يتولى علياً وأهل بيته حتى صار لهم اسماً خاصاً. فإذا قيل فلان من الشيعة عرف أنه منهم وفي مذهب الشيعة كذا: أي عندهم وتجمع الشيعة على شيع وأصلها من المشايعة وهي المتابعة والمطاوعة“ (۲۶۱) (یہ نام ہر اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو خیال کرتا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت سے محبت کرتا ہے۔ پھر یہ نام ان کے لیے مخصوص ہو گیا جب کہا جائے کہ فلاں آدمی شیعہ سے ہے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ان میں سے ہے اور فی مذهب شیعہ کذا کا مطلب یہ ہے۔ کہ ان کے ہاں یہ ہے اور شیعہ کی جمع شیع ہے اور اس کا اصل مشایعت، متابعت اور مطاوعت سے ہے)۔

الجم الوسيط میں ہے: شایع مشایعة تبعہ و صحبہ و آیدہ و صحبہ موکد ع (اتباع کرنا، ساتھی ہونا، مدد کرنا، الوداع کرتے ہوئے ساتھ ہونا)۔ شیع: انتحل مذهب الشیعة، نشر (مذہب شیعہ اختیار کرنا، پھیلانا)۔ الشیعة: الفرقة والجماعة (فرقہ اور جماعت)۔ الشیعة فرقة كبيرة من المسلمين اجتمعوا على حب علي وآله وأحقهم بالإمامة (ج) شیع و أشیاع، والأشیاع: الأمثال والأشباہ (۲۶۲) (مسلمانوں کا بڑا فرقہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی آل کی محبت پر اکٹھے ہوئے اور انہی کو امامت کا حق دار سمجھتے ہیں۔ شیعہ کی جمع شیع اور أشیاع ہے اس کے معنی اتباع کرنے والے اور ان جیسے ہیں)۔

ابن خلدون کہتے ہیں: ”اعلم أن الشيعة لغة: هم الصحبُ والاتباعُ ويطلق في عرف الفقهاء والمتكلمين من السلف والخلف على أتباع علي وبنيه رضي الله عنهم“ (۲۶۳) (لغوی لحاظ سے شیعہ ساتھی اور پیروکار کو کہتے ہیں لیکن فقہاء اور متکلمین پہلے اور موجودہ بھی اس لفظ کا استعمال حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے پیروکاروں پر کرتے ہیں)۔

مصباح اللغات میں ہے: شاع يشيع شيعاً (خبر کو پھیلانا) شاع شياًعاً (پیچھے جانا، ہمراہ جانا)۔ شیعہ (رخصت کرنے یا مکان تک پہنچانے کے لیے ہمراہ جانا)۔ شیع الرجل (کسی آدمی کا شیعہ ہونے کا دعویٰ کرنا)۔ تشيع الغضب (دل میں غصہ بھڑکنا)۔ تشايعا (مختلف گروہ بننا)۔ شیعة الرجل (پیروکار، مددگار)۔ شیعہ فرقہ اس لفظ کا غالب استعمال ان لوگوں کے لیے ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف دار ہوں۔ اس کا واحد شيعی ہے (۲۶۴)۔

فیروز اللغات میں ہے۔ شیعہ: گروہ، مسلمانوں کا وہ فرقہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیغمبر

اسلام ﷺ کے بعد خلافت کا حق دار سمجھتا ہے، امامیہ مذہب کا پیروکار، شیعہ فرقہ سے منسوب (۲۶۵)۔

قرآن مجید میں لفظ شیعہ کا استعمال:

قرآن مجید میں یہ لفظ پیروکار کے معنی میں اس طرح سے استعمال ہوا ہے:

۱۔ ”وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ“ (۲۶۶) (بے شک ابراہیم ان (نوح) کے پیروکاروں میں سے تھے جب وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم لے کر آیا)۔

۲۔ قرآن مجید میں گروہ کے معنی میں اس کلمہ کا استعمال یوں ہوا ہے: ”ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا“ (۲۶۷) (پھر ہم ہر گروہ سے ان کو جدا کر دیں گے جو رحمن سے سرکشی میں زیادہ ہوگا)۔

۳۔ قرآن مجید میں لفظ شیعہ قوم، گروہ، ٹکڑا، ہم مشرب اور مثل کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے ”فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يُقَاتِلَانِ هَذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَذَا مِنْ عَدُوِّهِ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ“ (۲۶۸) (وہاں اس نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں۔ ایک اُس کی اپنی قوم کا اور دوسرا اُس کی دشمن قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی قوم کے آدمی نے دشمن قوم والے کے خلاف اُسے مدد کے لیے پکارا)۔

۴۔ ”وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِعَابِ الْأَوَّلِينَ“ (۲۶۹) (ہم تم سے پہلے بہت سی گزری ہوئی قوموں میں رسول بھیج چکے ہیں)۔

۵۔ ”قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبَسَكُمْ شِيعًا وَيُزَيِّقَ بَعْضَكُمْ بِأَسْبَاطِ بَعْضٍ“ (۲۷۰) (کہو وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کر دے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے برپا کر دے یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھوا دے)۔

۶۔ ”إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا لَسْتَ فِي شَيْءٍ“ (۲۷۱) (بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے۔ ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں)۔

۷۔ ”إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيعًا“ (۲۷۲) (حقیقت یہ ہے کہ فرعون

نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔

۸۔ ”واقیموا الصلوٰۃ ولا تكونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینہم

وکانوا شیعاً“ (۲۷۳) (اور نماز قائم کرو اور نہ ہو جاؤ اُن مشرکوں میں جنہوں نے اپنا

دین الگ بنا لیا اور گروہوں میں بٹ گئے)۔

۹۔ ”وحیلَ بینہم و بین ما یشتہون کما فعل بأشیاعہم من قبل“ (۲۷۴) (اس

وقت جس چیز کی یہ تمنا کر رہے ہوں گے۔ اس سے محروم کر دیئے جائیں گے جس طرح

ان کے پیش رو ہم مشرب ہو چکے ہوں گے)۔

۱۰۔ ”ولقد اہلکنا اشیاعکم فہل من مدکر“ (۲۷۵) (تم جیسے بہت سوں کو ہم ہلاک کر

چکے ہیں پھر ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا)۔

حدیث نبوی ﷺ میں لفظ شیعہ کا استعمال:

حدیث نبوی میں بھی لفظ شیعہ استعمال ہوا ہے: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ینزل الدجال فی ہذہ السبخۃ بمرقنۃ، فیکون اکثر من یدخرج

إلیہ النساء حتی أن الرجل لیرجع الی حمیمہ و الی أمہ و ابنتہ و اختہ و عمتہ فیوثقہا

رباطاً، مخافۃ أن تخرج إلیہ. ثم یسلط اللہ المسلمین علیہ فیقتلونہ و یقتلون شیعتہ

حتى إن الیہودی لیختبیء تحت الشجرۃ أو الحجر فیقول الحجر أو الشجرۃ

للمسلم، ہذا یہودی تحتی فاقتلہ“ (۲۷۶) (دجال مرقنات کے مقام پر اس جگہ نکلے گا زیادہ

لوگ جو اس کی طرف لکھیں گے وہ عورتیں ہوں گی یہاں تک کہ آدمی اپنے دوست، اپنی والدہ، بیٹی،

بہن اور پھوپھی کی طرف لوٹے گا تو اسے اچھی طرح باندھ دے گا۔ اس بات سے خوف کھاتے

ہوئے کہ وہ اس کی طرف نہ نکل جائیں۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ مسلمانوں کو اس پر غلبہ دے دیں گے

اور وہ اس کو قتل کر دیں گے اور اس کے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی یہودی کسی

درخت کے پیچھے یا پتھر کے پیچھے چھپے گا تو وہ پتھر یا درخت مسلمان کو کہے گا یہ یہودی میرے پیچھے ہے

اس کو قتل کر دو)۔

ابتدا میں کسی کے حامی، ساتھی اور رفیق کو اس کا شیعہ کہا جاتا تھا۔ جیسے حامیان

معاویہ رضی اللہ عنہ، شیعان معاویہ رضی اللہ عنہ اور حامیان علی رضی اللہ عنہ، شیعان علی رضی اللہ عنہ کہلاتے۔ مگر جنگ جمل اور

جنگ صفین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف داروں کو خصوصی طور پر اس نام سے نمایاں کر دیا (۲۷۷) پھر

عام طور پر یہ لفظ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیان کے لئے استعمال ہونے لگا۔ بعد ازاں اس نام سے ایک فرقہ مشہور ہو گیا۔

شیعہ مسلمانوں کے سیاسی فرقوں میں سے قدیم ترین فرقہ ہے جو اہل سنت سے الگ ہوا۔ شیعہ کا ظہور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے آخری دور میں ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پھلا پھولا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے اور رسول اللہ ﷺ کے داماد تھے۔ اہل تشیع نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں میں آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بیان کرنے شروع کر دیے۔

شیعہ کے مشہور فرقے:

مذہب شیعہ بنیادی طور پر چار فرقوں میں منقسم ہے:

- ۱۔ غلاة ۲۔ کیسانیہ ۳۔ زیدیہ ۴۔ امامیہ
- غلاة کے چوبیس (۲۴) فرقے، کیسانیہ کے چھ (۶) فرقے، زیدیہ کے نو (۹) فرقے اور امامیہ کے سینتیس (۳۷) فرقے ہیں (۲۷۸)۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب ”تحفۃ اثنا عشریہ میں فرقوں کی جو تفصیل بتائی ہے۔ اس میں صرف امامیہ کے فرقوں کی تعداد ۳۹ لکھی ہے (۲۷۹)۔ جن میں سے اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ زیادہ معروف ہیں۔ اثنا عشریہ کے مندرجہ ذیل بارہ امام ہیں:

- ۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ (۲۳ قبل ہجرت و الشہید بعد السنۃ ۴۰ ہجریہ)۔
- ۲۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ (۲-۵۰ھ)۔
- ۳۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ (۳-۶۱ھ)۔
- ۴۔ امام علی (زین العابدین) بن حسین رضی اللہ عنہ۔
- ۵۔ امام ابو جعفر محمد الباقر بن علی (۵۷-۱۱۴ھ)۔
- ۶۔ امام جعفر الصادق بن محمد الباقر (۸۳-۱۴۸ھ)۔
- ۷۔ امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق (۱۲۸-۱۸۳ھ)۔
- ۸۔ امام علی الرضا بن موسیٰ کاظم (۱۴۸-۲۰۳ھ)۔
- ۹۔ امام محمد تقی الجواد بن علی الرضا (مدت امامت ۱۸ سال) (۱۹۵-۲۲۰ھ)۔
- ۱۰۔ امام علی نقی الہادی بن محمد تقی الجواد (مدت امام ۳۲ سال) (۲۱۲-۲۵۴ھ)۔

۱۱۔ امام حسن عسکری بن علی نقی الہادی (۲۳۲-۲۶۰ھ)۔

۱۲۔ امام محمد المہدی بن حسن عسکری (پیدائش ۲۵۶ھ)۔

آخری بار ہویں امام کے متعلق شیعہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بچپن میں ایک غار میں چھپ گئے تھے، اور پھر وہ آج تک اس کے غار سے نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں (۲۸۰)۔

۲ اسماعیلیہ:

یہ فرقہ اسماعیل بن جعفر کی طرف منسوب ہے یہ آئمہ کے بارے میں جعفر صادق تک اثنا عشریہ کے ساتھ متفق ہیں۔ امام جعفر صادق کے بعد ان دونوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اثنا عشریہ کے نزدیک امام جعفر صادق کے بعد ان کے بیٹے موسیٰ کاظم امامت کے منصب پر فائز ہوئے اس کے برعکس اسماعیلیہ امام جعفر صادق کے بیٹے اسماعیل کو امام قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک امام جعفر صادق کے بعد ان کے فرزند اسماعیل اپنے والد کی نص کی بناء پر امام ہوئے۔ اسماعیل اپنے والد سے قبل فوت ہو گئے۔ مگر نص کا یہ فائدہ ہوا کہ امامت ان کے اخلاف میں موجود رہی۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ اقوال امام، امامیہ کے یہاں شرعی نصوص کی طرح واجب التعمیل ہیں۔ اسماعیل سے منتقل ہو کر امامت محمد المکتوم کو ملی، پھر ان کے بیٹے جعفر مصدق، پھر ان کے بیٹے محمد حبیب کو۔ ان کے بعد عبداللہ مہدی کو ملی جس کو ملک المغرب کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان کی اولاد مصر کی بادشاہ ہوئی اور یہی فاطمی کہلائے (۲۸۱)۔ اسماعیلیہ میں سے آغا خانی فرقہ زیادہ مشہور ہے۔

اہل تشیع کی کتب حدیث: ایک تعارف:

اہل تشیع رسول کریم ﷺ کے ساتھ ساتھ آئمہ معصومین کے ارشادات اور تعامل کو بھی حدیث کا نام دیتے ہیں (۲۸۲) ان کے ہاں حدیث نبوی کے ساتھ قول امام کی اہمیت یوں بیان کی گئی ہے۔ ”قول وفعل امام حجت ہے۔ قرآن حکیم میں حدیث امام کا مرتبہ یوں بیان ہوا ہے: ”یا ایہا السالین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم“ (۲۸۳) آگے اس کی مزید وضاحت بھی کر دی کہ رسول ﷺ واولی الامر ایک ہی نوعیت کے عہدیدار ہیں (۲۸۴)۔

علم حدیث میں شیعہ علماء علمائے اہل سنت کے ساتھ متفق نہیں۔ ان کا علم حدیث ایک الگ متوازی سلسلہ ہے جو چوتھی صدی سے شروع ہوا۔ پہلا مرکزی محدث ملا محمد بن یعقوب الکلینی (م ۳۲۸ھ) ہے۔ کلبینی نے لکھا ہے شیعہ امام نے اپنے پہلے ظہور میں ان کی کتاب ”الکافی“ کی

تصدیق کی ہے۔ اس کا نام حضرت امام کی تصدیق ”ہذا کاف لشیعتنا“ سے ماخوذ ہے۔ اس سے ان کے ہاں اس کی عظمت اور بڑھ جاتی ہے اور اس کا ہر لفظ اہل تشیع کے لیے سند سمجھا جاتا ہے (۲۸۵)۔

اہل تشیع کے ہاں اصول رِوَاۃ:

اہل تشیع کا رِوَاۃ کے متعلق اصول یہ ہے کہ تمام راوی ثقہ ہوں اور عقیدہ امامت رکھتے ہوں۔ ان کی حدیث صحیح شمار ہوگی۔ راوی امامی ہوں مگر ثقہ نہ ہوں۔ ہاں ممدوح ہوں تو ان کی روایت حدیث حسن رہے گی۔ ہاں راوی سب کے سب ثقہ ہوں مگر عقیدہ امامت نہ رکھتے ہوں تو ان کی حدیث قوی شمار ہوگی۔ بعض راوی امامی ہوں اور بعض غیر امامی، مگر ہوں سب کے سب ثقہ تو بھی حدیث قوی سمجھی جائے گی۔ کسی حدیث کے بعض راوی ممدوح ہوں اور امامی ہوں اور بعض دوسرے راوی ثقہ ہوں مگر غیر امامی ہوں تو بھی حدیث قوی ٹھہرے گی۔ ضعیف راویوں کی روایت اہل سنت کے ہاں ناقابل اعتبار ہے۔ کسی راوی کے بارے میں یہ پتہ چلے کہ وہ عملاً غلط بیانی کرتا ہے تو اس کی روایت قابل اعتماد نہیں رہتی۔ لیکن شیعہ کے ہاں اس سے روایت مسترد نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے وہ تقیہ کے تحت ایسا کر رہا ہو اور تقیہ ان کے ہاں ہر بات میں ہو سکتا ہے۔ اس صورت حال میں ان کے علماء زیادہ تر گروہی اعتماد پر فیصلے کرتے ہیں۔ آئمہ اہل تشیع کے ہاں اٹھنے بیٹھنے والے سب کے سب امامی نہ تھے۔

اہل تشیع کی کتب حدیث میں وہ رِوَاۃ بے شمار ہیں جو امامی نہ تھے۔ آئمہ کا عام طریقہ بھی یہی رہا کہ قبول روایت کے لیے راویوں میں امامی ہونے کی شرط نہ رکھی جائے آج اہل تشیع علماء جن کتابوں پر اعتماد رکھتے ہیں وہ سب ملے جلے راویوں کا مجموعہ ہیں۔ اصول کافی تو اس لیے ہر جرح سے نکل گئی کہ اسے امام منتظر محمد بن حسن امام مہدی نے پسند فرمایا اور باقی تین کتابیں اس لیے اصول مشہر ہیں کہ ان پر اثنا عشری اور اہل سنت علماء نے اظہار اعتماد کیا۔

اہل تشیع کی کتب صحاح اربعہ اور ان کی شروح:

قدما شیعہ کے پاس بہت سے ابتدائی مسودے موجود تھے جو لوگوں نے علماء شیعہ کی مجالس سے مرتب کئے تھے جن سے یہ اصول اربعہ مرتب ہوئے۔ جن پر آج شیعہ علم حدیث کا مدار ہے۔ ہندرجہ ذیل چار کتب صحاح اربعہ کے نام سے مشہور ہیں:

۱۔ تصحیح الکافی:

تعارف مؤلف: الکافی ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی، بغدادی (۲۵۰ھ/۸۶۲ء - ۳۲۸ھ/۹۴۱ء) کی تالیف ہے۔ کلین کے رہنے والے تھے، کلین بغداد کے ایک محلہ کا نام ہے۔ بعض نے کہا ہے کلین رے کا ایک قصبہ ہے، جو رے کے قریب شاہراہ قم سے مشرق کی سمت پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے (۲۸۶)۔

ابو جعفر الکلینی کا خانوادہ شیعہ فقہ و حدیث میں خاص امتیاز رکھتا تھا، ان کے والد یعقوب بن اسحاق عالم تھے اور ان کے ماموں ابوالحسن علی بن محمد بن ابراہیم بن ابان علان کلینی بھی عالم تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کرنے کے بعد انہوں نے رے، قم اور نیشاپور کے نامور اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ الکافی کی ترتیب و تبویب سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف کو علم عقائد و کلام، معقولات و فقہ میں مہارت تھی۔ نیز تاریخ و رجال، درایت و روایت، تفسیر و ادب سے واقفیت تھی، الکافی کا مقدمہ مؤلف کی وسعت نظر، قدرت تحریر، قدرت اسلوب اور کمال فہم و بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ ان کے علمی مرتبے اور جلالت قدر کے بارے میں شیعہ علماء اور الطوسی نے لکھا ہے کہ کلینی اپنے عہد میں رے کے شیخ الاصحاب اور باوجاہت عالم اور فاضل حدیث تھے (۲۸۷)۔

کتب رجال سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابو جعفر محمد کلینی کا بیشتر وقت وطن میں گزرا۔ کچھ عرصہ کے لئے وہ رے کو چھوڑ کر بغداد چلے گئے۔ مقتدر باللہ کے دور خلافت میں کلینی فقہائے امامیہ کے زعمیم تھے (۲۸۸)۔ اس کا اعتراف بڑے بڑے علماء نے کیا ہے (۲۸۹)۔

کلینی نے ۳۲۸ھ/۹۴۱ء میں وفات پائی۔ نماز جنازہ ابو قیراط محمد بن جعفر حسنی نے پڑھائی۔ کلینی کی کتابیں درج ذیل ہیں:

- | | |
|--|-----------------|
| ۱۔ کتاب تفسیر یا تعبیر رویا۔ | ۲۔ کتاب الرجال |
| ۳۔ کتاب الرد علی القرامطہ | ۴۔ کتاب الرسائل |
| ۵۔ کتاب ما قبل فی الائمۃ من الشعر (۲۹۰)۔ | ۶۔ کتاب الکافی |

کتاب تصحیح الکافی:

اہل تشیع کے اصول اربعہ میں پہلی کتاب ہے جو بعض کے قول کے مطابق کلینی کی تیس سالہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔ کتاب کافی کلینی کے نام سے موسوم ہے۔ پہلی دو جلدیں کافی کلینی کے نام سے

مشہور ہیں۔ اگلی پانچ جلدیں فروع کافی اور آٹھویں جلد روضہ کافی کے نام سے موسوم ہے۔ امامیہ کافی کو ترجیح دیتے ہیں (۲۹۱)۔ اہل تشیع کے مطابق کلینی نے امام منتظر محمد المہدی کا زمانہ پایا۔ اس امام نے اس کتاب کی تصدیق کی۔ اس کا نام کافی امام مہدی کے قول: الکافی کاف لشیعتنا سے ماخوذ ہے۔ اس سے اس کی عظمت شیعہ کے ہاں اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور اس کا ایک ایک لفظ شیعہ کے لئے سند کی حیثیت رکھتا ہے (۲۹۲)۔

شیخ مفید (م ۴۱۳ھ) نے اس کتاب کافی کے متعلق کہا: ”هو من أجل كتب الشيعة وأكثرها فائدة“ (۲۹۳) (یہ شیعہ کتب میں سب سے بڑی ہے اور زیادہ فائدہ مند ہے)۔ ملا فیض کاشانی نے لکھا ہے: ”أشرفها وأوثقها وأتمها وأجمعها لاشتماله على الأصول من بينها وخلوها من الفضول وشيئها“ (۲۹۴) (سب کتب سے بہتر، معتبر، اکمل اور زیادہ محفوظ ہے۔ سب اصولوں پر مشتمل ہے اور ہر زائد اور عیب سے پاک ہے)۔

یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ اور اس میں پینتیس کتب ہیں ایک روایت کے مطابق احادیث کی تعداد ۱۶۹۹۰ ہے۔ احادیث کی تعداد صاحب لؤلؤة البحرين کے خیال میں ۱۶۱۹۹ یا ۱۵۹۷ ہے (۲۹۵)۔ اس کے تین حصوں کی تفصیل یہ ہے:

الف: الاصول: کتاب العقل سے کتاب العشرہ تک ہے تک ہے۔
ب: الفروع: کتاب الطہارت سے کتاب الایمان والزند وروا الکفارات تک ہے۔
ج: الروضہ: یہ حصہ ”متفرق احادیث“ اور خطوط و خطبات رسالت مآب ﷺ وائمہ اہل بیت پر مشتمل ہے۔ اس کی درج ذیل علماء نے شرح لکھی ہیں:

۱۔ محمد باقر داماد (م ۱۴۰۴ھ)۔
۲۔ ملا صدر الدین شیرازی (م ۱۰۵۰ھ)۔
۳۔ فارسی میں ملا خلیل قزوینی (م ۱۰۸۹ھ) نے لکھی ہے۔
۴۔ ”مرآة العقول فی شرح اخبار الرسول“ ملا باقر مجلسی (م ۱۱۱۰ھ) یہ اس کتاب کی مفصل شرح ہے (۲۹۶)۔

ارباب فہارس نے کم و بیش اٹھارہ (۱۸) شروح اور اکیس (۲۱) حواشی کا تذکرہ کیا ہے۔ اس میں برصغیر میں لکھے گئے ترجموں اور خلاصوں کا تذکرہ نہیں ہے۔ ہاشم معروف الحسینی نے ”دراسات فی الکافی للکلینی والصحیح للبخاری“ کے نام سے ایک تقابلی مقالہ شائع کیا ہے جس میں شیعہ نقطہ نظر کی نمائندگی کی گئی ہے (۲۹۷)۔

کلینی نے اس کتاب میں بعض ضعفاء راویوں سے بھی بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر حسین بن احمد المنقری، کتاب ”فضل القرآن“ باب فضل القرآن، حدیث نمبر ۱۸ میں یہ راوی ہے۔ اس کی روایت کردہ حدیث ہے: ”من استکفی بآية من القرآن من الشرق إلى الغرب كفى، إذا كان بيقين“ (۲۹۸)۔ اسی طرح کتاب الایمان والکفر میں باب التقبیل میں بھی اس راوی سے روایت ہے (۲۹۹)۔ اس کے متعلق الحلی نے لکھا ہے کہ یہ ابو عبد اللہ سے شاذ روایت بیان کرتا ہے جو درست نہیں اور وہ ضعیف ہے (۳۰۰)۔

ابن داؤد الحلی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے (۳۰۱)۔ اس کتاب میں بعض مجہول راوی بھی ہیں۔ جیسے کتاب التوحید میں باب الجبر والقدرة، حدیث نمبر ۸ ملاحظہ ہو: محمد بن یحییٰ، عن احمد بن محمد بن حسن زعلان، عن ابی طالب القمی، عن رجل، عن ابی عبد اللہ... (۳۰۲)۔

۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ :

ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی المعروف شیخ صدوق (۳۰۸ھ/ ۹۲۰ء-۳۸۱ھ/ ۹۹۱ء) کی تالیف ہے۔ انہوں نے قم میں پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ پھر مزید تعلیم کے لیے خراسان، نیشاپور، بغداد اور کوفہ گئے۔ ساٹھ سال تک یہ پڑھنے اور پڑھانے میں لگے رہے۔ ان کا نجی مشغلہ تجارت تھا۔

اس کے متعلق لکھا ہے صاحب التصانیف السائرة بین الرافضہ (۳۰۳) (رافضہ میں اس کی تصانیف کافی چلتی ہیں)۔ اس کی کتب میں دعائم الاسلام، کتاب الخواتیم، کتاب الملاحی، کتاب دین الامامیہ اور کتاب التوحید وغیرہ شامل ہیں (۳۰۴)۔

من لا یحضرہ الفقیہ دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس کتاب میں فقہی استدلال کے اصولوں پر احادیث کا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے جن پر ان کے فتاویٰ کا مدار تھا۔ اس میں ۵۹۶۳ احادیث ہیں اس کتاب میں اسناد نہیں ہیں (۳۰۵)۔ اس کی مشہور ترین فارسی شرح ملا محمد تقی مجلسی (م ۱۰۷۰ھ) نے لکھی ہے۔ جو شرح الفقیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اسے لوامع صاحب قرانی بھی کہتے ہیں (۳۰۶)۔ اس کتاب میں ثقہ، ضعفا اور مجہول ہر قسم کے راویوں سے روایات لی گئی ہیں مثلاً موسیٰ بن سعد۔ اس کے ضعیف ہونے میں کسی کو شک نہیں ہے (۳۰۷)۔

۳۔ تہذیب الاحکام:

تعارف مصنف: ابو جعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی، ماہ رمضان ۳۸۵ھ/۹۹۲ء میں طوس میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پانے کے بعد وہ ۴۰۸ھ/۱۰۱۷ء میں بغداد آ گیا اور شیخ المفید محمد بن محمد النعمان البغدادی (م ۴۱۳ھ/۱۰۲۲ء) سے تعلیم حاصل کرنے لگا۔ اُن کی وفات پر الطوسی، السید المرتضیٰ (ابو القاسم علی بن الحسین) (م ۴۳۶ھ/۱۰۴۴ء) کے حلقہ درس میں شامل ہو گیا اور ۲۳ برس تک اُن کا شاگرد و صاحب رہا۔ جب وہ بھی وفات پا گئے تو بارہ برس تک بغداد میں مقیم رہا اور شیعہ مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں اپنی انتہائی کوشش صرف کرتا رہا۔ وہ اہل تشیع کا عظیم مجتہد ہے اور شیخ الطائفہ یا صرف ”الشیخ“ کے لقب سے مشہور ہے۔ متعدد سوانح نویسوں کے قول کے مطابق اُس کا انتقال ۴۶۰ھ/۱۰۶۷ء میں نجف میں ہوا۔ بعض لکھتے ہیں کہ اُس نے ۴۵۸ھ/۱۰۶۵ء میں وفات پائی۔ اس کی دو کتابیں تہذیب الاحکام اور الاستبصار ان چار کتابوں (الکتب الاربعہ) میں سے ہیں جنہیں شیعہ بے حد قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے ہیں (۳۰۸)۔ وہ متعدد کتابوں کا مصنف ہے۔ اُس کی تصانیف میں اہم حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ کتاب تہذیب الاحکام۔
- ۲۔ کتاب الاستبصار فیما اختلف فیہ من الاخبار۔
- ۳۔ النہایہ فی الفقہ۔
- ۴۔ فہرست کتب الشیعہ: مطبوعہ ۱۸۴۸ء۔
- ۵۔ دعاء الجوشن الکبیر: دعاؤں کی کتاب جو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ (م ۹۴ھ) سے منسوب ہے۔
- ۶۔ دعاء الجوشن الصغیر: وظائف یا دعاؤں کی ایک اور کتاب جو حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ (م ۱۸۳ھ) سے منسوب ہے۔
- ۷۔ کتاب الفصول فی الاصول: شیعہ مذہب کے اساسی عقائد و اصول پر ایک رسالہ ہے۔
- ۸۔ مصباح المتعجب الکبیر: یہ کتاب اعمال صالحہ اور دعاؤں سے متعلق ہے مؤلف نے مختصر کر کے نام مصباح المتعجب الصغیر رکھا۔
- ۹۔ کتاب الحلی والعقد: مذہبی فرائض بالخصوص نماز کی کتاب۔
- ۱۰۔ کتاب الثبیان فی تفسیر القرآن: قرآن کی مفصل و مکمل تفسیر ۲۰ جلدوں میں مطبوعہ تہران۔

- ۱۱۔ عذۃ الاصول: اصول فقہ کے متعلق ہے، مطبوعہ تہران۔
- ۱۲۔ الامالی فی الاحادیث: احادیث و روایات حدیث، مطبوعہ تہران۔
- ۱۳۔ کتاب ”المبسوط“ شیعہ مذہب کے مطابق شرعی احکام کی تلخیص تہران سے ۱۲۷۱ھ میں شائع ہوئی۔
- ۱۴۔ کتاب الابواب المرفوف بکتاب الرجال۔
- ۱۵۔ کتاب اختیار: ابو عمر و الکشی (۳۰۹)۔

کتاب تہذیب الاحکام:

یہ دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس میں احادیث احکام کا بڑا شیعہ ذخیرہ ہے۔ تہذیب کی سند سے علمائے شیعہ نے کئی جگہ کافی کی سند کی بھی تصحیح کی ہے۔ اس سے اس کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے اس کی احادیث ساڑھے تیرہ ہزار کے قریب ہیں (۳۱۰)۔ قاضی نور اللہ شوستری (م ۱۰۱۹ھ) نے اس کی تہذیب الاحکام کے نام سے شرح لکھی ہے۔ علامہ تقی مجلسی (م ۱۰۷۰ھ) نے احیاء الاحادیث کے نام سے اور ملا باقر مجلسی (م ۱۱۱۰ھ) نے ”ملاذ الاخبار“ کے نام سے شرح لکھی ہیں (۳۱۱)۔

۴۔ الاستبصار فیما اختلف من الاخبار:

یہ بھی ابو جعفر محمد بن حسن طوسی کی تالیف ہے مؤلف نے روایات متعارضہ کو جمع کیا ہے اور ان میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے یہ تین جلدوں میں ہے پہلی دو جلدیں عبادات پر ہیں۔ تیسری جلد میں دیگر معاملات اور احکام ہیں (۳۱۲)۔ پہلی تصنیف تہذیب الاحکام بہت مفصل ہے اور اس میں ہر قسم کی احادیث ہیں لیکن اس دوسری کتاب میں وہی احادیث ہیں جو مختلف فیہ ہیں۔ شیخ طوسی نے تہذیب الاحکام کی ترتیب اور اس میں جمع احادیث کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ نہ صرف اچھوتا بلکہ ایک لحاظ سے مفید بھی تھا لیکن اس طریقہ کار کی بنا پر قاری و فقیہ دونوں کو چند مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جن کا احساس خود مؤلف کو بھی تھا۔ اس لیے اس نے ان مشکلات کا ازالہ کرنے کے لئے یہ کتاب مرتب کی جو اس سے زیادہ وسیع اور ضخیم ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب تہذیب الاحکام ہی کا تتمہ ہے۔ اس میں مؤلف نے ہر باب میں ان احادیث کو مقدم رکھا ہے جن پر خود ان کے فتوے کا دارومدار ہے۔ اس کے بعد اس کی مخالف احادیث لکھیں اور ساتھ ہی ان کی تشریح فرما کر ان اختلافات کی نوعیت اور ان میں تطابق کے امکانات پر گفتگو کی ہے۔

اس کتاب میں کل ”۹۸۶“ ابواب ہیں۔ بعض علماء کے مطابق ابواب کی تعداد ۹۲۵ اور ایک روایت میں ۹۱۵ ہے اور شیخ نے خود ابواب شمار کئے ہیں ان کے مطابق کل تعداد یہی ہے۔ اس کتاب میں کل احادیث مؤلف کے شمار کے مطابق ۵۵۱۱ یا ۵۵۱۲ ہیں۔ چند شارحین اور معلقین درج ذیل ہیں: محمد امین بن محمد شریف الاسترآبادی (م ۱۰۴۱ھ)۔ میر محمد باقر بن شمس الدین الحسینی، (م ۱۰۷۱ھ)۔ میر محمد صالح عبدالواسع الخواتون آبادی (م ۱۱۱۶ھ)۔ عبداللہ بن حسین تستری (م ۱۰۲۱ھ)۔ عبداللہ بن نور دین جزائری (م ۱۱۷۳ھ)۔ میر شرف الدین علی (م ۱۰۶۰ھ) شیخ زین الدین علی بن سلیمان (م ۱۰۶۳ھ)۔

حسن بن حسن اعرجی کاظمی، (م ۱۲۲۷ھ)۔ میرزا محمد بن علی بن حسین موسوی (م ۱۰۰۹ھ) یوسف خراسانی (۳۱۳)۔

اہل تشیع کی کتب رجال:

شیعہ کی رجال سے متعلق درج ذیل کتب مشہور ہیں:

- | | |
|--------------------|---------------------|
| ۱۔ رجال البرقی | ۲۔ رجال الکشی |
| ۳۔ رجال الشیخ طوسی | ۴۔ فہرست الشیخ طوسی |
| ۵۔ رجال النجاشی | |

۱۔ رجال برقی:

اس کا مؤلف ابو جعفر احمد بن محمد بن خالد بن عبدالرحمن برقی کوئی ہے جو کہ ۲۷۴ھ یا ۲۸۰ھ میں فوت ہوا۔ اس کے متعلق نجاشی کہتا ہے وہ خود ثقہ ہے لیکن ضعیف راویوں سے روایت کرتا ہے اور مراسل پر اعتماد کرتا ہے (۳۱۳)۔ ابن النضر کی اس کے متعلق لکھتا ہے وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ روایت کس سے لیتا ہے (۳۱۵)۔

طباطبائی اس کے متعلق لکھتا ہے: اس کی روایت میں طعن کیا گیا ہے لیکن اس کی ذات میں طعن نہیں کیا گیا (۳۱۶) رجال برقی کا علم نہیں کہ وہ چھپی ہے یا نہیں۔

۲۔ رجال کشی:

مؤلف کتاب ابو عمر بن محمد بن عمر الکشی کی وفات ۳۷۸ھ کے قریب ہوئی۔ لیکن اس کی

ولادت اور تاریخ وفات کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کی جاسکتی (۳۱۷)۔ یہ شیعہ کی بڑی معروف کتاب ہے اور اس کے بارے میں شیعہ کے کئی محدثین اور مؤرخین نقل کرتے ہیں۔ وہ راویوں کے حالات لکھتا ہے اور ان کے بارے میں رائے بھی دیتا ہے مثلاً فہرست میں شیخ طوسی نے فضل بن شاذان کے متعلق کشتی کا قول لکھا ہے (۳۱۸)۔

اس کتاب میں پانچ سو بیس راویوں کے تراجم ہیں۔ اس کے متعلق علمائے امامیہ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف راویوں سے روایت کرتا ہے اور اس کتاب میں بہت سی غلطیاں ہیں۔ اور وہ کبھی ایک راوی کو دو جگہ ذکر کر دیتا ہے لیکن اس کے باوجود علمائے شیعہ اس سے بہت روایت کرتے ہیں (۳۱۹)۔

۳۔ رجال طوسی:

اس کتاب کا مؤلف ابو جعفر طوسی (م ۲۶۰ھ) ہے۔ اس نے یہ کتاب اپنے شاگرد قاضی عبدالعزیز (م ۲۸۱ھ) کے کہنے پر لکھی۔ اس کے متعلق خود مؤلف کہتا ہے کہ اس سے قبل ایسی جامع کتاب شیعہ کے ہاں نہیں لکھی گئی جس میں نبی ﷺ، آئمہ اور زمن قائم تک تمام راوی لکھے گئے ہوں (۳۲۰)۔ اس کتاب کے اندر ۸۹۰۰ راویوں کے حالات لکھے گئے ہیں۔ زیادہ تر وہ راوی کا نسب طبقہ اور بعض اوقات روایات کا ذکر کرتا ہے۔ وہ راویوں کی توثیق اور تخریج کے متعلق کم ہی ذکر کرتا ہے اور اور جب کرے تو عام طور پر اس قسم کے لفظ ذکر کرتا ہے۔ **ثقة ثقة ثقة، صحيح، ثقة مامون، من اصحابنا، متكلم، مستقيم المذهب، مشكور، روى عنهم، من غلمان العياشي، ضعيف، عامي فيه نظر، ردى الاصل، مخلط، مدلس، مجهول، ملعون، خبيث۔** اسی طرح سے درج ذیل الفاظ ذکر کرتا ہے: **غالی، غالی ملعون، یرمی بالغلب، جارودی** (۳۲۱)۔

۴۔ الفہرست:

یہ بھی طوسی کی کتاب ہے۔ اس میں اصحاب الکتاب اور اصول اور ان کی اسانید کا ذکر ہے۔ اس میں ۹۰۰ مصنفین کا ذکر ہے۔ طوسی اس کے مقدمہ میں ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ میں ہر ایک مصنف کے حالات لکھتا ہوں اور ساتھ ساتھ اس کی تعدیل اور تخریج کا بھی خیال کرتا ہوں (۳۲۲)۔ اس کتاب میں راوی کا ترجمہ، اس کا نسب، کنیت، شہر کی نسبت، بعض اوقات قبیلہ کی نسبت کا ذکر بھی کرتا ہے اور جرح و تعدیل کا بھی ذکر اس میں ہے۔

ابوزہرہ نے طوسی کے متعلق کہا ہے۔ طوسی نے مذہب جعفری کی صرف تالیفات لکھ کر ہی خدمت نہیں کی بلکہ ان لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے جن پر مذہب جعفری کا اعتماد ہے۔ مذہب جعفری کے تمام رواۃ کا ذکر کیا ہے (۳۲۳)۔

۵۔ رجال النجاشی:

احمد بن عباس النجاشی الاسدی (۳۷۲-۴۵۰ھ)۔ اس مؤلف کی کتب میں رجال نجاشی کے علاوہ کتاب الجمعہ، کتاب الکوفہ، کتاب انساب بنی نصر، کتاب مختصر الانواء ومواضع النجوم (۳۲۴)۔ نجاشی اپنی کتاب میں مصنف کا نسب، شہر، مذہب، وفات، تعدیل و تخریج اور بعض اوقات روایات کا ذکر بھی کرتا ہے۔ اگر نجاشی اور طوسی کے قول میں تعارض ہو تو نجاشی کو ترجیح دیتے ہیں (۳۲۵)۔ اس کتاب کے متعلق شیعہ اس طرح سے اظہار کرتے ہیں:

- ۱۔ کثرت تکرار۔ ایک ہی راوی کو ایک امام کے رواۃ میں لکھتا ہے پھر خود اسی کے متعلق لکھتا ہے۔ اس نے کسی امام سے روایت نہیں کیا۔
- ۲۔ کتاب میں تضاد ہے (۳۲۶)۔



معزلہ

(تاریخی پس منظر، عقائد، فرقے، اقتدار و زوال، مشہور کتب، نظریہ حدیث)

معزلہ کی تعریف:

معزلہ ایک فرقہ کا نام ہے۔ معزلہ کے لفظ کا مادہ ”عزل“ ہے۔ اس کے معنی علیحدگی کے ہیں۔ یہ باب اعتزل بعزل سے ہے۔ اس کے معنی جدا ہونے والا اور الگ ہونے والا کے ہیں۔ یہ ایک ایسا عجمی مکتب فکر تھا جنہوں نے اپنے خیال میں روایت سے زیادہ درایت کو، نقل سے زیادہ عقل کو اور تقلید سے زیادہ اجتہاد کو اہمیت دی اور یوں اس نے ایک مستقل مکتب فکر کی شکل اختیار کر لی۔

معزلہ کا تاریخی تسلسل و پس منظر:

معزلہ کے تاریخی پس منظر و تسلسل کو جاننے کے لیے ہمیں تمام اسلامی ادوار کا مختصر جائزہ لینا ہوگا۔ بنیادی طور پر اسلام سادہ اور واضح اصولوں پر مشتمل دین ہے۔ اس کا غالب اصرار عقائد کی درستی اور اعمال کی پاکیزگی پر ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد زریں میں اسلامی تعلیمات کی باریکیوں اور ان کے پس پردہ پائی جانے والی حکمتوں کی جانب اشارے تو ملتے ہیں لیکن ان کا مقصود محض تربیت نفس تھا۔ عربوں کا مزاج بھی حقیقت پسندانہ تھا۔ ان کے ہاں جزوی اختلافات آنے کی جھلکیاں تو موجود تھیں لیکن عقائد کے مفہوم و مطالب میں ان کا نقطہ نظر تقریباً یکساں تھا۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اپنے فکر و عمل کی اصلاح میں وہ کچھ اس انداز سے منہمک تھے کہ انہیں مجرد اور فلسفیانہ مباحث کی طرف توجہ مبذول کرنے کی مہلت ہی نہ ملتی تھی۔

یہ صورت حال زیادہ عرصے تک برقرار نہ رہ سکی۔ مختلف عمرانی، نفسیاتی اور جغرافیائی عوامل کے زیر اثر مسلمانوں میں فلسفیانہ رجحانات فروغ پانے لگے۔ یوں جداگانہ مکاتیب فکر کا آغاز ہوا۔

حدود سلطنت کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ نئے مسائل کا ابھرنا اور ان کا مختلف طریقوں سے سامنا کرنا بھی لازمی اور قدرتی امر تھا۔ سیاسی وجوہات کی بنا پر بھی فرقہ بندی ہوئی جو بتدریج دینی اختلافات کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔

علامہ شہرستانی نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”الملل والنحل“ میں ان چار مابہ النزاع مسئلوں کا ذکر کیا ہے جو ابتدائی طور پر مسلمانوں کے نظریاتی اختلافات کا باعث بنے۔ ان کے خیال کے مطابق یہ مسئلے حسب ذیل تھے:

- | | |
|--------------------|----------------|
| ۱۔ ذات و صفات الہی | ۲۔ جبر و قدر |
| ۳۔ ایمان اور عمل | ۴۔ عقل اور نقل |

جو اختلافات ابتداء میں بالکل معمولی تھے وقت کے ساتھ ساتھ پھلتے چلے گئے اور یوں ان گنت مکتبہ ہائے فکر وجود میں آ گئے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ سب مکتبہ ہائے خیال نے اپنے اپنے نقطہ نظر کی حمایت میں قرآن و حدیث سے جواز ڈھونڈنے کی روش اختیار کی اور اس طرح تفسیری نکات، احادیث کی صحت و عدم صحت اور فقہی مسائل پر بحث مباحثے کو فروغ حاصل ہوا۔

تاریخی اعتبار سے اختلاف رائے کی خلیج اس وقت وسیع ہوتی دکھائی دیتی ہے جب شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد مسلمانوں میں سیاسی افراتفری پیدا ہو گئی۔ خلافت کا تنازعہ مختلف گروہوں کے ابھرنے کا باعث بنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں خانہ جنگی کی کیفیت زور پکڑ گئی، غلط فہمیوں اور منافقین کی مکارانہ چالوں اور سازشوں کی وجہ سے صحابہ کرام میں باقاعدہ جنگیں ہوئیں۔ جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان میں بعض جید اور سرکردہ صحابہ بھی ایک دوسرے کے مخالف گروہوں کے ساتھ شریک ہوئے۔ حتیٰ کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف صف آرا ہوئیں۔ اس افسوسناک صورت حال میں قدرتی طور پر ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوا ہو گا کہ حق پر کون ہے؟ اور کیوں کر ہے؟ غلطی کس کی ہے؟ اور کیسے ہے؟ یہ وہ موڑ ہے جہاں سے سیاسی اختلاف نے ایک فتنے کی صورت اختیار کر لی اور مختلف فرقے رونما ہونے لگے۔ ذیل میں مختلف فرقوں کے ظہور پذیر ہونے کی ترتیب اجمالاً درجہ بدرجہ کچھ اس طرح ہے:

۱۔ شیعہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں کا گروہ ابتدا میں شیعیان علی رضی اللہ عنہ کہلاتا تھا۔ بعد میں انہیں صرف شیعہ کہا جانے لگا۔ ان کا بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد خلافت کا حق حضرت

علی رضی اللہ عنہ کو پہنچتا تھا کیونکہ وہ اپنے ذاتی اوصاف اور فضائل کے اعتبار سے اس لائق تھے کہ اس منصب جلیلہ پر فائز ہوتے علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ سے قرابت داری کی وجہ سے بھی وہ صحیح حق دار تھے لیکن انہیں موقع نہ دیا گیا۔ پہلے تینوں خلفاء نے شیعہ کے نقطہ نظر کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق کو غصب کیا۔ رفتہ رفتہ انہوں (شیعہ) نے ایک منظم مکتب فکر اور مذہب کی صورت اختیار کر لی۔ ان کے عقائد اور فرقوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے جداگانہ فقہ کی تدوین کی۔

۲۔ خوارج:

خوارج کا گروہ جنگ صفین کے دوران اس وقت پیدا ہوا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین حکم مقرر کرنے کا معاہدہ طے پایا۔ اس وقت تک یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں سے تھے مگر تحکیم پر اچانک بگڑ گئے۔ وہ اس معاہدے پر مطمئن نہ تھے۔ انہوں نے ”ان الحكم الا لله“ کا نعرہ بلند کیا۔ یعنی فیصلہ کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ان کے نزدیک انسانوں کو حکم تسلیم کرنا ناجائز تھا۔ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے کٹ کر علیحدہ ہو گئے۔ بلکہ کھلم کھلا مخالفت پر اتر آئے۔ وہ اپنے آپ کو سچا اور پکا مسلمان کہتے تھے اور دوسروں کو کافر کہنے کے عقیدے کا فروغ ہوا اور ان کے نزدیک غیر عادل حکومت کے خلاف خروج کرنا جزو ایمان تھا۔ وہ ایک طویل عرصے تک کشت و خون میں مصروف رہے۔ انہوں نے اپنا مطمع نظر بھی بنالیا کہ وہ زمین پر حکومت الہیہ قائم کر کے دم لیں گے۔

۳۔ جبریہ:

جبریہ کا عقیدہ یہ تھا کہ کائنات کی باقی تمام اشیاء کی مانند انسان بھی تقدیر الہی کا پابند ہے۔ اسے اپنے فکر اور عمل پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی رضا سے ہوتا ہے۔ وہ انسان کو مجبور محض قرار دیتے تھے۔ جبریہ کا سب سے بڑا حامی جہم بن صفوان تھا۔

۴۔ قدریہ:

قدریہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ کیونکہ اسے متبادل راستوں میں سے کسی ایک راستے کے انتخاب کا موقع میسر ہوتا ہے۔ یہ آزادی انسان کو ذمہ دار بنادیتی ہے۔ قدریہ کا سب سے بڑا ترجمان معبد ابھنی تھا۔ بنو امیہ کے دور حکومت میں اس مکتب فکر پر بہت

پابندیاں عائد کی گئیں لیکن اس کی طاقت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس عہد میں تقدیر کے مسئلہ کی اہمیت بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ جبریہ اور قدریہ کی یہ بحثیں مسلمانوں میں غور و فکر اور استدلال کی روش کا باعث ہوئیں۔ نقلی دلائل کے علاوہ عقلی دلائل کا رواج بھی عام ہوا۔ تعبیر و توجیہ کے اختلاف کی نئی نئی صورتیں رونما ہونے لگیں۔

۵۔ مرجہ:

اس فرقہ کے خیال کے مطابق ایمان کا تعلق توحید و رسالت کے اقرار سے ہے۔ اگر ان بنیادی عقائد کو تسلیم کر لیا جائے تو عملی لغزشوں، کوتاہیوں اور گناہوں کے باوصف انسان مومن رہتا ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ظاہری اعمال کی بنا پر کسی کے جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ کرے۔ ان کا کہنا تھا کہ اعمال، ایمان کا جزو نہیں، اگر انسان گناہ کبیرہ کرے تو پھر بھی اس کا ایمان برقرار رہتا ہے۔ یہ فرقہ خوارج کے متشددانہ عقائد کے خلاف رد عمل کے طور پر ابھرا لیکن دوسری انتہا تک جا پہنچا۔

۶۔ وعید یہ:

یہ فرقہ خوارج کا حامی تھا اور مرجہ کے عقائد کے برعکس تھا۔ اس فرقے نے خیال پیش کیا کہ ایمان کا تعلق محض اقرار باللسان ہی سے نہیں بلکہ تصدیق بالقلب اور اعمال حشر و نشر سے بھی ہے۔ ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔

درج بالا بحث کس قدر اہمیت اختیار کر گئی تھی اس کا اندازہ اس معروف واقعہ سے کیا جاسکتا ہے جو ایک روز حضرت حسن بصری کی مجلس میں رونما ہوا۔ حسن بصری رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے کسی نے استفسار کیا: کیا کبیرہ گناہ کے مرتکب کو مومن کہنا درست ہے؟ سائل کو معلوم تھا کہ حسن بصری مرجہ کے حامی ہیں۔ ابھی وہ جواب دے نہ پائے تھے کہ ان کے ایک شاگرد واصل بن عطا نے جواب دیا: ایسا شخص نہ کافر ہوگا نہ مومن بلکہ دونوں کے درمیان کی منزل میں ہوگا۔ واصل بن عطا کا یہ جواب مرجہ کے انتہا پسند نظریات کے مابین مصالحت اور اعتدال کی روش اختیار کرنے کا ایک انداز تھا۔ اس نے اپنے عہد کے مسائل کا تجزیہ کرنے کے بعد عقل پرستی کو فروغ دیا۔ جس سے ایک نیا فرقہ وجود میں آیا جسے معتزلہ کا نام دیا گیا۔ معتزلہ کے مختلف نام ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

- ۱۔ معتزلہ
- ۲۔ اہل عدل و توحید
- ۳۔ اہل حق
- ۱۔ معتزلہ سب سے زیادہ عام اور مشہور نام ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف

اقوال ہیں۔ بغدادی کا قول ہے: ”یہ نام اہل سنت کا دیا ہوا ہے۔ اس لیے کہ مرتکب گناہ کبیرہ کے معاملہ میں یہ عام مسلمانوں کے ہم خیال نہ تھے بلکہ ان سے الگ تھے۔ ان کا عقیدہ مرتکب گناہ کبیرہ کے بارے میں یہ تھا کہ نہ وہ کافر ہے نہ مومن بلکہ کفر و ایمان کے درمیان ہے“ (۳۲۷)۔ یعنی اجماع سے الگ ہونے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا۔

علامہ شہرستانی اس تسمیہ کا دوسرا سبب قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس مکتبہ فکر کے بانی واصل بن عطاء نے جب مرتکب گناہ کبیرہ کے بارے میں حسن بصری رحمہ اللہ سے اختلاف کیا اور ان کی مجلس سے اٹھ گئے تو اس کے ساتھ وہ چند لوگ بھی اٹھ گئے جو اس کے ہم خیال تھے۔ واصل ان لوگوں کو لے کر مسجد کے ایک ستون کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے خیال کی تشریح کرنے لگا اس موقع پر حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: ”اعتزل عنا واصل“ (واصل ہم سے الگ ہو گیا) (۳۲۸)۔ اس کے الگ ہونے کی وجہ سے اس فرقہ کو یہ نام دیا گیا۔ ان کے اس نام کے متعلق معروف مستشرق گولڈزیہر کا خیال ہے: یہ لوگ ان کے شیوخ اولین واصل بن عطاء، عمرو بن عبید مردار، جعفر بن جعفر بن مبشر، جعفر بن حرب دنیا اور اہل دنیا سے الگ تھلگ رہتے اور زہد و تقشف کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس لیے معتزلہ کہلائے (۳۲۹)۔

معتزلہ بغدادی کے اس الزام کو تسلیم نہیں کرتے کہ اجماع امت سے الگ ہونے کی وجہ سے ان کو یہ نام دیا گیا۔ وہ کہتے ہیں ہم اجماع کے دائرے سے پورے طور پر وابستہ ہیں۔ امام ابن الرضی الزیدی السیسی نے اپنی کتاب ”المعنیہ واللائل“ میں بغدادی کے اس الزام کا بڑی سختی سے رد کیا ہے اور احتجاج کرتے ہوئے فرمایا ہے: معتزلہ غیروں کا دیا ہوا نہیں خود معتزلہ کا اپنا اختیار کیا ہوا نام ہے۔ وہ اپنے آپ کو دنیا سے الگ کہتے تھے اس وجہ سے یہ نام مشہور ہوا گویا انہوں نے خود اختیار کیا (۳۳۰)۔

۲۔ اہل عدل و توحید:

مقبلی کی روایت ہے کہ معتزلہ نے اپنا نام ”اہل عدل و توحید“ رکھا تھا (۳۳۱)۔ امام ابن الرضی کا بیان ہے: ”معتزلہ اپنے آپ کو عدلیہ اور موحدہ جماعت کہا کرتے تھے“ (۳۳۲)۔

۳۔ اہل حق:

معتزلہ اپنے آپ کو اہل حق بھی کہتے تھے اور فرقہ ناجیہ کا لفظ بھی اپنے لیے استعمال کرتے

تھے۔ اس کے برعکس معتزلہ کے مخالف انہیں طرح طرح کے ناموں سے یاد کرتے تھے (۳۳۳) جو درج ذیل ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے اور بھی نام ہیں:

- ۱۔ مجرہ: یہ جبر کے قائل ہیں۔
- ۲۔ قدریہ: یہ قدر پر اعتبار رکھتے ہیں یعنی انسان اپنے اعمال پر خود قادر ہے (۳۳۴)۔
- ۳۔ مجوزہ:
- ۴۔ مشبہ: یہ خدا کے لیے وہ صفات تسلیم کرتے ہیں جو ثابت نہیں۔
- ۵۔ حشوئیہ:
- ۶۔ وعیدیہ: درحقیقت وعیدیہ نام معتزلہ کا عقیدہ ”وعد و وعید“ کی بنا پر چل نکلا ہے۔ اس عقیدے پر اعتزال کی بنیاد قائم ہے (۳۳۵)۔

ظہور معتزلہ:

تاریخ سے اس امر کا سراغ نہیں ملتا کہ معتزلہ کی جماعت کس سن میں ظہور پذیر ہوئی؟ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ بصرہ میں نمودار ہوئے۔ حسن بصری کے حلقے میں نشست رکھتے تھے۔ بعد میں ان سے جدا ہو گئے۔ البتہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ حسن بصری کی وفات ۱۱۰ھ/۷۲۸ء میں ہوئی۔ اور معتزلی مکتب فکر کے جو دو حضرات مؤسس اور بانی کہے جاسکتے ہیں یعنی واصل اور عمرو بن عبید کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی۔ یہ بات کسی طرح بھی تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ بیس سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ان حضرات نے ایک فکری ادارے کی بنیاد ڈالی۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ معتزلہ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں ظہور پذیر ہوئے۔ سال کا تعین اگر کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ۱۰۰ھ سے ۱۱۰ھ کے مابین اس مکتبہ فکر کی داغ بیل پڑی اور ہمارا یہ خیال مقریزی کے خیال سے ہم آہنگ ہے جس نے دوسری صدی ہجری میں ان کا ظہور بیان کیا ہے (۳۳۶)۔

ظہورِ معتزلہ کے عوامل اربعہ:

معتزلہ کا وجود و ظہور چار مختلف عوامل پر قائم ہے:

- ۱۔ مسلمانوں کے فکری اختلافات کا حل اور اجتماعی مشکلات و مسائل؛ فتوحات اور کشور کشائی کا دور جب رُک گیا اور مسلمانوں نے مختلف دیار و امصار میں

سکونت اختیار کی تو بہت سے نازک اور سنگین قسم کے اجتماعی مشکلات و مسائل پیدا ہوئے۔ ضروری تھا کہ مسلمان ان پر غور کرتے، ان کا حل تلاش کرتے اور وہ حل ایسا ہوتا جو روح شریعت اسلامیہ سے پورے طور پر ہم آہنگ ہوتا کیونکہ اس زمانے میں نفوس انسانی پر دین کا بڑا گہرا اثر تھا۔ وہ جو کچھ بھی کہیں یا کریں وہ تعلیمات دینی کے مطابق ہو۔ ان مسائل میں ایک مسئلہ شرک کے علاوہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب کا تھا (۳۳۷)۔

گناہ کبیرہ کے متعلق اہل سنت والجماعت کا مسلک:

کبار میں قتل اور زنا دوسرے کبار کے مقابلہ میں زیادہ بُرے ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے۔ ہاں مگر حق پر، اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا اسے سزا سے سابقہ پڑے گا (۳۳۸)۔ اہل سنت والجماعت شرک کے سوا مرتکب گناہ کبیرہ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ جو ملت اسلامیہ میں شامل ہے مومن ہے۔ اس کی یہ مصیبت کبیرہ اسے نہ ایمان سے خارج کرتی ہے نہ ہی اسے کفر کے حلقے میں داخل کرتی ہے کیونکہ وہ حقیقت ایمان کی تصدیق کرتا ہے۔ لہذا اسے سزا ضرور ملے گی لیکن وہ کافر نہیں ہوتا (۳۳۹)۔

اہل سنت سے خوارج کا اختلاف:

خوارج نے کہا کہ مرتکب گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ کافر ہے اور ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اس لیے ان کے نزدیک بغیر عمل کے ایمان مکمل نہیں ہوتا (۳۴۰)۔ رفتہ رفتہ اس مسئلہ (مرتکب گناہ کبیرہ) نے بہت زیادہ نزاعی صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ بصرہ اور دوسرے مقامات کی مساجد میں مناظروں کے حلقے قائم ہونے لگے۔ سب سے مشہور حلقہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کا تھا۔ انہوں نے اس مسئلہ کو حل کرنے کی بہت کوشش کی چنانچہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مرتکب گناہ کبیرہ منافق ہے (۳۴۱)۔ لیکن بغدادی نے اس قول کو مہمل قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ منافق تو اس کافر سے بدرجہا بدتر ہے جو اپنے کفر کا اعلانیہ اظہار کرتا ہے (۳۴۲)۔ یہ تھی وہ فضا جس میں معتزلہ کا ظہور ہوا ہے۔

اس مرحلہ پر حضرت حسن بصری کے شاگرد واصل نے سوچا کہ وہ ایسا حل دریافت کر سکتے ہیں جو سابقہ احکام کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر اور قابل قبول ہو سکتا ہے۔ واصل اس حقیقت کے رمز شناس تھے کہ عمل ایمان کا جزو ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ کتاب و سنت میں جو احکام مومنین، کافرین

اور منافقین کے لیے وارد ہوئے ہیں وہ مرتکب گناہ کبیرہ پر عائد نہیں ہوتے۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مرتکب گناہ کبیرہ مومن ہے نہ کافر بلکہ کفر و ایمان کی منازل کے درمیان ہے۔ اس نے حکم لگایا کہ مرتکب گناہ کبیرہ مومن ہے نہ کافر بلکہ کفر و ایمان کی منازل کے بیچ میں ”المنزلة بین المنزلتین“ ہے اور فاسق ہے (۳۲۳)۔

۲۔ دوسرے مذاہب کا معتزلہ پر اثر:

ظہورِ معتزلہ میں یہود کی کارفرمائی بھی شامل ہے۔ خلقِ قرآن کا مسئلہ بھی انہی کا پیدا کیا ہوا تھا۔ خطیب بغدادی نے ذکر کیا ہے کہ بشر المریسی (م ۲۱۸ھ) جو مرجع تھا اور معتزلی بھی۔ خلقِ قرآن کا سب سے بڑا داعی تھا (۳۲۴)۔ ابن قتیبہ کی ایک روایت ہے کہ خلقِ قرآن کی بات جس منہ سے سب سے پہلے نکلی وہ مغیرہ بن سعید العجلی تھا یہ عبداللہ بن سبا کے اتباع میں سے تھا (۳۲۵)۔

مذاہب غیر میں سب سے زیادہ جو مذہب اعتزال پر اثر انداز ہوا وہ مسیحیت تھا۔ خاص طور پر مسیحی دمشق جیسا شخص تو اثر ڈالے بغیر رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ کلیسائے شرقیہ کا سب سے بڑا عالم مانا جاتا تھا اور مشرق کی مسیحی دنیا میں علم کلام کے ماہر کی حیثیت سے بھی یہ بہت اونچا مقام رکھتا تھا (۳۲۶)۔

اہل کتاب کی جانب سے اسلام کو کسی طرح کا خطرہ لاحق نہیں تھا اس کا ثبوت یہ ہے کہ قرآن نے ان کے ساتھ حسن معاملہ کا حکم دیا ہے اس طرح احادیث نبوی ﷺ سے ثابت ہے کہ انہیں کوئی ایذا نہ پہنچائی جائے نہ ان پر کسی طرح کی زیادتی کی جائے (۳۲۷)۔ یہود وہ قوم ہے جس نے سختی کے ساتھ اسلام کی مخالفت کی اس کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں ”تمام آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپ ﷺ یہود اور مشرکین کو پائیں گے“ (۳۲۸)۔ رہے اہل فارس تو ان کا معاملہ ہی اور ہے۔ اہل فارس صدیوں تک کارِ حکومت و سلطانی انجام دے چکے تھے۔ عربوں سے یہ قومیت، زبان اور مذہب میں یکسر مختلف تھے۔ یہ اپنے آپ کو عربوں سے زیادہ مہذب اور اعلیٰ وارفع سمجھا کرتے تھے۔ عراق و یمن کے عربوں کی بہت بڑی جمعیت اسلام سے پہلے ان کے ماتحت اور باج گزار رہ چکی تھی۔ یہ مسلمانوں کے خلاف کینہ رکھتے تھے کہ انہوں نے ان کا تخت حکومت الٹ دیا لہذا ان کی سرگرمیوں کا محور یہ تھا کہ مسلمانوں کی سیاسی بالادستی کا خاتمہ کیا جائے اور دین اسلام میں فساد اور رخنہ پیدا کیا جائے (۳۲۹)۔

۳۔ معتزلہ کی طرف سے دین کی نصرت و حمایت:

دین کی نصرت اور حمایت میں معتزلہ برابر سرگرم رہے۔ مخالفین اسلام کا مقابلہ کرنے اور ان کے اقوال و دلائل کا رد کرنے والا معتزلہ کے سوا خلفاء کو دوسرا کوئی نہیں ملا۔ خلیفہ مامون الرشید ادیان غیر اور معتزلہ کے مابین مناظرہ بھی کرایا کرتا تھا۔ ان مناظروں میں معتزلہ مخالفین کو لا جواب کر دیتے تھے۔ انہوں نے دین اسلام کی تبلیغ میں جوش و خروش کا مظاہرہ کیا اور بہت سے لوگوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا دیا (۳۵۰)۔

ان سب باتوں سے یہ امر واضح ہے کہ معتزلہ نے اپنے آپ کو دین اسلام کے دفاع اور دشمنان دین کے رد اور مقابلے کے لیے وقف کر دیا۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ معتزلہ کے اعمال تبشیر، تبلیغ و دفاع دین کے بارے میں آدمی جو کچھ پڑھتا ہے وہ شافی نہیں بلکہ جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ بتلائے شک و ریب ہو جاتا ہے (۳۵۱)۔

۴۔ معتزلہ اور علم فلسفہ (دشمن کے اسلحہ سے مقابلہ):

معتزلہ نے عقائد اسلامیہ کے دفاع اور اسلام کی تبلیغ و تبشیر کی مہم شروع کی جب انہوں نے مخالفین اسلام سے تعرض کرتے ہوئے ان سے مناظرے کا سلسلہ شروع کیا تو انہوں نے محسوس کیا کہ حریف جدل و مناظرے پر غیر معمولی عبور رکھتا ہے۔ علوم عقلیہ اور فلسفہ میں انہیں مہارت حاصل ہے۔ معتزلہ نے ایسے مدارس قائم کیے۔ جہاں فلسفہ اور دوسرے علوم کی تعلیم کا مکمل انتظام کیا (۳۵۲)۔

فلسفی اصولوں پر دینی عقائد:

معتزلہ کے لیے یہ بات بآسانی ممکن ہو سکی کہ اپنے دینی عقائد کو فلسفی اصول پر مرتب کریں اور منطقی و دقیق کلام سے کام لیں اور مناظرے میں مہارت حاصل کر لیں۔ معتزلہ نے اس فلسفہ پر اپنی ساری توجہ مرکوز کر دی تاکہ دشمن کا مقابلہ اسی ہتھیار سے کر سکیں۔ اس بات نے خلیفہ منصور کو اس امر پر آمادہ کیا کہ غیر زبانوں کی کتب کا ترجمہ عربی میں کرایا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

فلسفہ بجائے خود مقصود نہ تھا لیکن معتزلہ نے اصول فلسفہ کی طرف توجہ اس لیے مبذول نہیں کی تھی کہ انہیں فلسفے سے خود کوئی دلچسپی تھی بلکہ انہوں نے دین اسلام کے مخالفین کا رد کرنے کے لیے بطور خاص فلسفہ سے کام لیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں سے تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا یہ دور خود

معتزلہ سے متعلق تھا۔ فلسفے نے ان کی زندگی کو ایک عظیم انقلاب سے دو چار کر لیا وہ رفتہ رفتہ فلسفے سے بحیثیت فلسفہ دل چسپی لینے لگے اور ان سے ان کی وابستگی بڑھتی گئی۔ غیر محسوس طور پر معتزلہ اپنے اہداف دینی سے دور ہوتے چلے گئے (۳۵۳)۔

معتزلہ کے اصولِ خمسہ (عقائد و نظریات):

ابوالحسن خیاط اپنی کتاب ”الاختصار“ میں لکھتے ہیں کوئی شخص جب تک ان اصول خمسہ کا معتقد نہ ہو معتزلی کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا (۳۵۴)۔

۱۔ توحید:

توحید فرقہ معتزلہ کا جوہر، خلاصہ اور روح ہے۔ امام ابوالحسن اشعری اپنی کتاب ”مقالات الاسلامیین“ میں توحید کے بارے میں معتزلہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ خدا ایک ہے۔ ”لیس کمثله شیء وهو السميع البصیر“ (۳۵۵)۔

ان کا عقیدہ تھا اللہ تعالیٰ نہ جسم رکھتا ہے نہ صورت، خون بھی نہیں ہے، گوشت بھی نہیں ہے، نہ جوہر ہے نہ عرض نہ اس کا رنگ ہے نہ ذائقہ نہ خوشبو، اسے چھوا بھی نہیں جاسکتا۔ زمانہ اس پر حاوی نہیں ہو سکتا نہ اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ لامتناہی ہے اسے ناپا بھی نہیں جاسکتا۔ وہ مختلف جہات میں سمایا ہوا ہے۔ اس پر فنا بھی طاری نہیں ہو سکتی۔ نہ اس میں کسی طرح کی کوتاہی یا کمی ہے (۳۵۶)۔ ابوالہذیل علاف نے اس عقیدے کی صراحت کرتے ہوئے کہا خدا کی صفات اس کی ذات کا جزو ہیں۔ صفات ہی ہیں جن کی وجہ سے خدا وہ ہے جو وہ ہے۔ صفات خدا کا عین ہیں۔ وہ اس کی ذات میں موجود ہیں۔ معتزلہ نے ذات و صفات کے اس مسئلے پر منطقی موشگافیوں کو کچھ اس طرح آگے بڑھایا کہ خدا کا عمومی تصور دب کر رہ گیا۔ روایت باری تعالیٰ کے متعلق ان کا یہ خیال ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ان آنکھوں سے آخرت میں بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ حالانکہ اس کے متعلق صحیح بخاری کی احادیث میں صراحتاً موجود ہے کہ ہم اللہ کو اس طرح دیکھیں گے جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہیں (بخاری الجامع الصحیح، کتاب التوحید)۔ قرآن مجید کو معتزلہ مخلوق سمجھتے تھے۔ حالانکہ مسلمانوں کا واضح عقیدہ تھا کہ قرآن غیر مخلوق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کلام صفت خداوندی ہے لیکن معتزلہ اسے مخلوق سمجھتے تھے۔

عقیدہ توحید کے نتائج:

معتزلہ اسی اصول کے پیش نظر قیامت کے دن رویت باری تعالیٰ کو محال سمجھتے تھے کیونکہ اس سے خدا کی جسمانیات اور جہت لازم آتی ہے۔ نیز یہ کہ صفات ذات سے غیر نہیں۔ اس پر بنیاد رکھتے ہوئے وہ قرآن کو مخلوق سمجھتے تھے کیونکہ وہ صفت کلام کو خدا کی صفت قرار نہیں دیتے تھے۔

۲۔ عدل:

مؤرخ شہیر مسعودی ”مروج الذهب“ میں عدل کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا فساد کو نہیں چاہتا نہ افعال العباد کو پیدا کرتا ہے۔ لوگ اللہ کے امر کو بجالاتے ہیں۔ اس کے منہیات سے رُک جاتے ہیں تو یہ اس قدرت کے باعث ہے جو اللہ نے انہیں ودیعت کر رکھی ہے۔ خدا وہی حکم دیتا ہے جس کا ارادہ کرتا ہے اور اسی بات سے روکتا ہے جسے بُرا سمجھتا ہے۔ ہر نیکی جس کا اس نے حکم دیا ہے اس کی پسندیدہ ہے ہر وہ برائی اچھی نہیں ہے جس سے اس نے روکا ہے۔ وہ ہر چیز کا مالک ہے جس سے چاہتا ہے لے لیتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو مخلوق کو اپنی اطاعت پر مجبور کر سکتا ہے۔ اگر اس کی مرضی ہو تو لوگ کبھی کسی معصیت کے پاس نہ پھٹکتے۔ بے شک وہ اس پر قادر تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اگر ایسا کرتا تو پھر بندوں کی آزمائش نہیں ہو سکتی (۳۵۷)۔

قانون عدل سے معتزلہ دراصل جہمیہ کے اس نظریہ کی تردید کرنا چاہتے تھے کہ بندہ اپنے فعل میں محتار نہیں۔ لہذا اس کو ذمہ دار قرار دینا ظلم ہے کیونکہ اس کا کوئی مطلب نہیں کہ ایک شخص کو کسی بات کا حکم دیا جائے اور پھر آ مر ہی اس کی مخالفت پر مجبور کرے ورنہ کسی فعل سے روکنے کا کچھ مطلب نہیں۔ اس بنا پر معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے اور خدا خالق افعال نہیں۔ بلکہ انسان اپنے افعال میں آزاد ہے اور اپنے اچھے اور بُرے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ جو انسان کی قدرت اور اختیار کا انکار کرتا ہے وہ دراصل خدا کی توہین کا مرتکب ہوتا ہے۔

۳۔ وعد اور وعید:

معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ وعد و وعید لامحالہ وقوع پذیر ہوں گے۔ خدا نے جو ثواب کا وعدہ کیا اور سزا کی جو دھمکی دی وہ پوری ہو کر رہے گی۔ اس نے توبہ کی قبولیت کا جو وعدہ کیا ہے وہ بھی پورا ہوگا۔ جو نیک کام کرے گا جزا پائے گا۔ اس طرح بدکار کو سزا دی جائے گی۔ کبار بلا توبہ معاف نہیں ہوتے۔ نہ نیکی کرنے والا جزا سے محروم رہتا ہے۔ اس سے ان کا مقصد فرقہ مرجیہ کی تردید کرنا تھا جن کا

نظریہ ہے کہ ایمان کی موجودگی میں معصیت سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے طاعت اور عبادت کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر مرجیہ کی یہ بات صحیح ہوتی تو خدا کی وعید بے اثر ہو جاتی۔

۴۔ المنزلة بین المنزلتین (کفر و اسلام میں درمیانہ درجہ):

معتزلہ کے اس نظریہ کی توجیہ کرتے ہوئے شہرستانی لکھتے ہیں: واصل بن عطاء کا قول کہ ایمان عبارت ہے خصالِ خیر سے جب یہ کسی شخص میں موجود ہو تو وہ مومن ہے اور مومن ایک تو صفی نام کا مستحق نہیں۔ پس اسے مومن بھی نہیں کہا جائے گا۔ مگر اسے کافر بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ کلمہ شہادت کا قائل ہے اور دوسرے اعمالِ خیر بھی اس میں موجود ہیں جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا اگر وہ دنیا سے اس طرح رخصت ہو کہ کسی گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو چکا ہو اور توبہ نہ کی ہو تو وہ دوزخی ہے اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا کیونکہ آخرت میں صرف دو ہی فریق ہوں گے ایک فریق تو جنت میں ہوگا دوسرا جہنم میں۔ البتہ اس کے ساتھ یہ رعایت کی جائے گی کہ عذاب کچھ کم کر دیا جائے اور اسے کافروں سے ایک درجہ اوپر رکھا جائے گا۔ گو ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مرتکب کبائر نہ مومن ہے نہ مسلم لیکن اس کے لیے لفظ ”مسلم“ کا اطلاق جائز خیال کرتے ہیں تاکہ اہل ذمہ اور بت پرستوں سے اسے ممتاز کیا جاسکے۔ لہذا یہ لفظ مرتکب کبائر کے لیے ایسی احتیاط سے استعمال کیا جائے کہ اس سے اس کی تعظیم، ثنا اور مدح نہ سمجھی جائے (۳۵۸)۔

۵۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

یہ معتزلہ کے اجماعی اصولوں میں سے پانچواں اصول ہے معتزلہ کے نزدیک امر بالمعروف ونہی عن المنکر سب مومنوں پر واجب ہے تاکہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ انجام دیا جائے اور ان لوگوں کے حملوں کی روک و تھام کی جائے جو حق و باطل کو ملاتے اور مسلمانوں میں فساد برپا کرتے تھے۔ خلافت میں الحاد و زندقہ کا جو ایسا فساد اٹھا اور جس نے حقائقِ اسلامیہ کی بنیادوں کو متزلزل کر کے رکھ دیا۔ معتزلہ محدثین و فقہاء کے خلاف بھی اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ اپنے مخالفین کے بارے میں یہ یقین رکھتے تھے کہ انہوں نے فعلِ منکر کا ارتکاب کیا ہے۔ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ اپنے عقائد و نظریات کو طاقت کے ساتھ تسلیم کروانا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ نہایت ضروری ہے۔ انہوں نے اسی بنا پر ریاست کے اقتدار کو استعمال کیا اور مخالفین پر ہر قسم کی سختیاں کیں اور اپنے مخالفین جن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جیسے محدث و فقیہ تھے پر عرصہ حیات تنگ کرنے کی کوشش کی۔

کسی نے ان کے پانچوں اصولوں کو دو شعروں میں بیان کیا ہے:

اصولهم فی العدل والتوحید والامر بالمعروف والنہی
ومنزل لصاحب الکبیرہ معلق والخلد فی الاخیرہ (۳۵۹)

معتزلہ کے فرقے:

معتزلی لوگ دوسروں کے پیچھے چلنے اور تقلید کے قائل نہ تھے۔ خود سوچ و بچار کے عادی تھے۔ ان کو حقیقت سے کوئی غرض نہ تھی۔ ان کی روش کا محور یہ تھا کہ اصول دین میں اجتہاد سے کام لینے کا ہر شخص مکلف ہے اور اسی وجہ سے یہ فرقہ بہت ذیلی فرقوں میں بٹ گیا۔ عام طور پر ہر فرقہ اپنے رئیس کے نام منسوب ہوا۔

۱۔ واصلیہ:

فرقہ واصلیہ واصل بن عطا الغزال (۸۰-۱۳۱ھ/۶۹۹-۷۷۸ء) کے اتباع پر مشتمل ہے۔ واصل ہی کو فقہ معتزلہ کا بانی مانا جاتا ہے۔ یہی اس فرقہ کا سب سے پہلا سردار اور رئیس تھا (۳۶۰)۔ یہی حسن بصری رحمہ اللہ سے کبار کے متعلق اختلاف کر کے الگ ہو گیا۔ معتزلہ کے اصول خمسہ اسی کی ایجاد ہیں۔

۲۔ العمریہ:

اس فرقے کے لوگ عمرو بن عبید بن باب (۸۰-۱۴۴ھ/۶۹۹-۷۷۱ء) کے تابع تھے یہ واصل بن عطاء کا ہم عصر تھا۔ واصل کی موت کے بعد وہ شیخ معتزلہ قرار پایا (۳۶۱)۔ اس نے کوئی نئی رائے پیش نہ کی بلکہ یہ واصل کا ہم نوا تھا۔ واصل نے اپنی بہن کا اس سے نکاح کر دیا۔ احادیث کے رد کرنے کے متعلق (واصل) کا مخالف تھا۔ وہ صحابہ کے متعلق خصوصاً حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے متعلق واصل کی طرح بدگمانی نہ کرتا تھا۔

۳۔ الہذیلیہ:

اس فرقے کے پیرو اصحاب ابو الہذیل محمد بن الہذیل المعروف علاف (۱۳۵-۲۲۶ھ/۷۵۲-۸۴۰ء) ہیں۔ یہ بصرہ کے معتزلہ کے شیخ مانے جاتے تھے (۳۶۲)۔ اس نے فلسفہ یونان کا مطالعہ کیا تھا اور اس سے متاثر تھا۔ اس کے کئی احوال فلسفہ یونان سے لئے گئے ہیں۔

۴۔ النظامیہ:

اس فرقے کے اصحاب ابواسحاق ابراہیم بن سیار النظام (م ۲۳۱ھ/۸۴۵ء) کے پیرو تھے۔ نظام، ابو الہذیل علاف کا شاگرد تھا۔ نظام کو بہت سے مسائل میں دوسرے معتزلہ سے انفرادیت حاصل ہے (۳۶۳)۔

۵۔ الثمامیہ:

اس فرقے کے رئیس ثمامہ بن اشرس الثمیری (م ۲۱۳ھ/۸۲۸ء) تھے۔ اس کا خیال تھا کہ مسلمانوں سے جو آدمی ایک گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر کے مر گیا وہ ہمیشہ جہنم میں فرعون اور ابولہب کے ساتھ رہے گا (۳۶۴)۔

۶۔ المعمریہ:

اس فرقے کے لوگ معمر بن عباد السلمی (م ۲۲۰ھ/۶۳۵ء) کے تابع تھے۔ شہرستانی نے معمر کے بارے میں کہا ہے کہ یہ شخص نفی صفات اور نفی قدر کے اعتبار سے معتزلہ میں بہت بڑا اور بلند مقام رکھتا ہے (۳۶۵)۔

۷۔ البشریہ:

اس فرقے کے لوگ اصحاب بشر بن معتمر (م ۲۲۶ھ/۸۴۰ء) یکے از فاضل علماء معتزلہ ہیں۔ اس کا شمار بغداد کے رؤساء میں ہوتا تھا۔

۸۔ الہشامیہ:

یہ لوگ ہشام بن عمرو الفوطی (م ۲۲۶ھ/۸۴۰ء) کے پیرو ہیں۔ ہشام نے بہت سے مسائل پر الگ اور منفرد رائے قائم کی (۳۶۶)۔

۹۔ المرداریہ:

اس فرقے کے لوگ ابو موسیٰ المردار عیسیٰ بن صبیح الکوفی الزاہد کے پیرو ہیں۔ المردار کے اقوال الگ نظر نہیں آتے وہ اکثر و بیشتر مسائل میں اپنے استاد بشر بن معتمر کی تائید کرتے ہیں (۳۶۷)۔

۱۰۔ الجعفریہ:

یہ لوگ جعفر بن مبشر الثقفی (م ۲۳۴ھ/ ۸۴۸ء) اور جعفر بن حرب الہمدانی (م ۲۳۶ھ/ ۸۵۰ء) کے تابع ہیں۔ یہ دونوں معتزلی بغداد کے تھے اور علماء کلام میں ان کا شمار ہوتا تھا (۳۶۸)۔

۱۱۔ الاسواریہ:

یہ لوگ علی الاسواری (م ۲۴۰ھ/ ۸۵۳ء) کے پیرو ہیں۔ علی الاسواری نے اہم اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ وہ قدرت الہی کی تحدید کرتے ہیں (۳۶۹)۔

۱۲۔ الاسکافیہ:

یہ لوگ اصحاب محمد بن عبداللہ الاس کافی (م ۲۴۰ھ/ ۸۵۳ء) ہیں۔ ان کا شمار معتزلہ کے اہل زہد و تقویٰ میں تھا (۳۷۰)۔

۱۳۔ الحائطیہ والحدثیہ:

اس فرقے کے لوگ احمد بن حائط (م ۲۳۲ھ/ ۸۴۶ء) اور ان کے رفیق فضل الحدیثی (م ۲۵۷ھ/ ۸۷۰ء) کے پیرو ہیں۔ ان دونوں حضرات نے ایک مستقل فرقے کی بنیاد ڈالی جو اپنے عجب اقوال (۳۷۱) میں اتنا غیر معمولی ہے کہ بغدادی نے اس کو غالی فرقوں میں شمار کیا اور تمام معتزلی فرقوں سے الگ ایک جداگانہ حیثیت دی ہے (۳۷۲)۔

۱۴۔ المویسیہ:

اس فرقہ کے لوگ موئس (م ۲۴۶ھ/ ۸۶۰ء) کے تابع تھے (۳۷۳)۔

۱۵۔ الصالحیہ:

یہ صالح قبہ (م ۲۴۶ھ/ ۸۶۰ء) کے اصحاب تھے اور اوراق تاریخ میں اس فرقے سے متعلق بھی کوئی قابل ذکر مواد دستیاب نہیں ہے (۳۷۳)۔

۱۶۔ الجاحظیہ:

یہ لوگ عمرو بن بحر الجاحظ (م ۲۵۵ھ/ ۸۶۸ء) کے تابع ہیں۔ جاحظ کے بارے میں ابن

قتیبہ کا بیان ہے کہ یہ شخص آخر المتکلمین تھا اور حجت اور دلیل کے لحاظ سے ان اصحاب سے بڑھا ہوا تھا (۳۷۵)۔ اس نے ادب کی بعض کتابیں لکھیں، مثلاً البخلاء، کتاب الحیوان، البیان والتبیین۔

۱۷۔ الشحامیہ:

شحامیہ فرقے کے لوگ ابو یعقوب الشحام (م ۲۶۷ھ/ ۸۸۰ء) کی تقلید اور پیروی کرتے تھے بصرے میں جو معتزلی تھے شحام ان کا رئیس تھا (۳۷۶)۔

۱۸۔ الخیاطیہ:

اس فرقے کے لوگ ابوالحسین الخیاط (م ۳۰۰ھ/ ۹۱۲ء) کے پیرو اور متبع ہیں یہ بغداد کا رہنے والا تھا (۳۷۷)۔ اس نے کتاب ”الانتصار“ لکھی۔

۱۹۔ الجبائیہ:

ابوعلی محمد بن عبدالوہاب الجبائی (م ۳۳۰ھ/ ۹۱۵ء) ابو یعقوب الشحام کے تلامذہ میں سے تھا۔ یہ بصرے کے معتزلہ میں سے تھا (۳۷۸)۔

۲۰۔ الکعبیہ:

یہ لوگ ابو القاسم عبداللہ البلیخی الکعبی (م ۳۱۹ھ/ ۹۳۱ء) کے پیرو کار ہیں۔ کعبی خیاط کا شاگرد تھا (۳۷۹)۔ نفی صفات میں اس نے افراط سے کام لیا۔

۲۱۔ البہشمیہ:

اس فرقے کے لوگ ابو ہاشم عبدالسلام بن ابی علی الجبائی (م ۳۲۱ھ/ ۹۳۲ء) کے پیرو کار ہیں (۳۸۰)۔ اپنے باپ کے بعد بصرہ کے معتزلہ کا رئیس تھا۔

۲۲۔ الحماریہ:

یہ عسکر مکرم کی ایک معتزلہ جماعت تھی۔ اس جماعت کا کوئی خاص مذہب و مسلک نہیں تھا (۳۸۱)۔ عسکر مکرم ایک جگہ ہے جو خوزستان کے قریب ہے۔ یہ بصرہ اور فارس کے درمیان ہے۔ اس فرقہ کے کسی بانی کا علم نہیں ہے۔

معتزلہ کا اقتدار:

شروع شروع کے قدریہ بیچارے بد قسمت تھے جنہوں نے امتِ اسلامیہ کی برہمی اور ناراضگی مول لی اور مختلف اذیتوں کے شکار بنے۔ جب قدریہ نے معتزلہ کا روپ دھار لیا تو انہوں نے یہ کمزوری محسوس کر لی اور جان لیا کہ جب تک قوت و طاقت اور شوکت و حشمت نہ حاصل کر لیں زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہی ایک چیز ہے جس پر وہ بھروسہ کر سکتے ہیں۔ لہذا انہوں نے سوچا کہ برسرِ اقتدار جماعت سے ربط اور صلہ قائم کرنا چاہیئے اور وہ لوگ جو سب کچھ کر سکتے ہیں انہیں اپنی طرف مائل کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تدابیر سوچتے رہے اور بالآخر کامیاب بھی ہوئے (۳۸۲)۔

معتزلہ کا امیوں پر اثر:

اس پروگرام کے بعد معتزلہ نے خلفاء کے گرد اپنا جال بٹنا شروع کیا اور انہیں اسیر کرنے کی تدبیریں کرتے رہے معتزلہ یا قدریہ، یزید بن ولید بن عبدالملک کے ارد گرد رہنے لگے (۳۸۳)۔ طبری کا بیان ہے ”یزید قدری تھا“ (۳۸۴)۔ ”مروج الذهب“ میں ہے ”یزید نے معتزلہ کے اصول خمسہ تسلیم کر لیے تھے“ (۳۸۵)۔

معتزلہ یزید بن ولید کو ریاست و صدارت میں عمر بن عبدالعزیز پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ یزید معتزلہ سے اس درجہ متاثر ہو چکا تھا کہ بہت جلد انہوں نے اس کے مزاج پر قابو حاصل کر لیا۔ پھر ریاست میں داخل ہو گئے اور یہ دخل صرف فکری نہیں بلکہ عملی تھا۔ اور جب یزید بیمار پڑا تو معتزلہ نے اسے ترغیب دی کہ اپنے بھائی ابراہیم کے لیے ولی عہدی کی بیعت اور ابراہیم کے بعد عبدالعزیز بن حجاج ابن عبدالملک کی ولی عہدی کی بیعت لے۔ معتزلہ برابر اسے اس بات پر اکساتے رہے اور اسے یہ کہتے رہے اس کے لیے مناسب نہیں کہ تحت غیر طے شدہ چھوڑ جائے۔ چنانچہ اس نے ان دونوں کی ولی عہدی پر بیعت لے لی (۳۸۶)۔

قدریہ نے مروان بن محمد کو اعتماد میں لینے کی پوری کوشش کی جو بنی امیہ کا آخری فرمانروا تھا (۳۸۷)۔ مروان تختِ حکومت پر پہنچنے کے کچھ عرصے بعد فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن گیا۔ اس کے خلاف خروج اور بغاوت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شیعان بنی عباس نے بغاوت کی اور بالآخر بہت عبرت انگیز طور پر ان کے ہاتھوں قتل ہوا (۳۸۸)۔

معتزلہ اور عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور:

امویوں کا دور جب ختم ہو گیا اور عباسی برسر اقتدار آئے تو معتزلہ ان کی طرف جھک گئے اور ابو جعفر منصور کی نیاز مندی کو اپنا شعار بنا لیا۔ عمرو بن عبید، منصور کا اس وقت سے دوست تھا جب ابھی وہ خلیفہ نہیں بنا تھا۔ منصور اس کا بہت احترام کرتا تھا۔ ایک مرتبہ عمرو، منصور کے پاس آیا اسے وعظ و نصیحت کی، ایسی باتیں کہیں کہ اسے رُلا دیا اسی زمانے ہی سے معتزلہ نے ابھرنا شروع کر دیا (۳۸۹)۔

مہدی اور معتزلہ: ش

خلیفہ مہدی بن منصور کے زمانے میں معتزلہ کی آواز کچھ دبی رہی کیونکہ مہدی زنادقہ اور مخالفین کے لیے نہایت سخت گیر اور متشدد واقع ہوا تھا۔ ۱۶۷ھ میں اس نے ایسے لوگوں کی تلاش و جستجو شروع کی اور ایسے لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر پکڑا اور بعضوں کو موت کے گھاٹ اتارا (۳۹۰)۔

ہارون اور معتزلہ:

خلیفہ ہارون الرشید (۱۷۰ھ-۱۹۳ھ) کا دور شروع ہوا تو معتزلہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر سے یہ لوگ نمودار ہونا شروع ہو گئے اور حصول اقتدار کے لیے کوشش میں لگ گئے۔ کہا جاتا ہے ابن سماک نے ایک مرتبہ ہارون الرشید کو ایسی نصیحت کی کہ اسے دہشت زدہ کر دیا (۳۹۱) اور جب ثمامہ بن اشرس بغداد آیا تو اسے بھی ہارون کا قرب حاصل ہو گیا۔ اس سے قبل یحییٰ، مہدی کے ماموں یزید بن منصور کے لڑکوں کا اتالیق رہ چکا تھا۔ خاص طور پر ہارون رشید کو اتنا زیادہ متاثر کر دیا کہ اس نے اسے اپنے بیٹے کا اتالیق بنا دیا (۳۹۲)۔ لیکن ابھی ان میں اتنی قوت نہ تھی کہ اپنے خیالات کی علی الاعلان تبلیغ کر سکتے تھے اور اپنی آراء کا اظہار کرتے۔ اس لیے کہ ہارون امور دین میں محتاط اور سخت واقع ہوا تھا۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ اس کے سامنے ذکر کیا گیا کہ بشر بن المریسی خلق قرآن کا قائل ہے تو اس نے کہا ”خدا کی قسم اگر وہ میرے ہاتھ آیا تو اس طرح قتل کروں گا کہ آج تک میں نے کسی کو اس طرح قتل نہیں کیا ہوگا“۔ پھر بھی عہد رشید میں معتزلہ نے اہمیت حاصل کر لی تھی اور ان کا مستقبل تابناک نظر آنے لگا (۳۹۳)۔

امین الرشید اور معتزلہ:

امین جداگانہ طبیعت رکھتا تھا۔ امین میں مذہبیت کا جذبہ زیادہ تھا۔ ایک دفعہ پھر معتزلہ

بارگاہِ خلافت سے محروم ہو گئے اس لیے کہ وہ مسائل دین میں اپنے باپ سے زیادہ سخت اور بے لچک واقع ہوا تھا۔ اس نے زندیقوں کو جیل میں ٹھونس دیا اور شرابیوں کو عبرت انگیز سزائیں دیں (۳۹۴)۔

مامون اور معتزلہ:

خليفة مامون الرشيد نے معتزلہ کی بالا دستی قبول کر لی۔ بعض کبار معتزلہ کا وہ غیر معمولی احترام کرتا تھا مثلاً ثمامہ بن اشرس۔ آخر کار نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ وہ معتزلہ کا مکمل ہمنوا بن گیا۔ ان کے افکار و آراء سے اس درجہ متاثر ہوا کہ ان کے اصول اس نے اپنائے (۳۹۵)۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ثمامہ بن اشرس تھا جس نے مامون کو گمراہ کیا اور اعتزال کے راستے پر ڈالا (۳۹۶)۔

مامون علم و فلسفہ کا رسیا تھا ادب سے اسے بھی بہت زیادہ دل چسپی تھی۔ مناظرے کی مجلسیں اسے بہت مرغوب تھیں۔ اس کے زمانے میں معتزلہ ہی کی وہ جماعت تھی جو علم اور فلسفے کی شائق تھی۔ رفتہ رفتہ ان کے اصول اس کا ایمان بن گئے ان کا مذہب اس کا مذہب بن گیا۔

مامون جو علماء کی طرف میلان رکھتا تھا وہ ثمامہ اور ابو الہذیل دونوں سے بہت متاثر تھا۔ معتزلہ کو حصول اقتدار کا خداداد موقع مل گیا۔ انہوں نے اپنے اصول مامون کو تلقین کیے اور اسے باور کرا دیا کہ یہ حق مبین ہیں۔ قاضی احمد بن ابی داؤد کا مامون سے ربط ۲۰۴ھ میں قائم ہوا۔ انہیں سنجی بن اکثم نے ایک جماعت علماء کے ساتھ مامون کے پاس اس لیے بھیجا تا کہ اس کی مجلس میں حاضر رہا کریں۔ مامون قاضی احمد بن ابی داؤد کو پا کر بہت خوش ہوا (۳۹۷)۔

ابن ابی داؤد نے اپنی چرب زبانی اور علم سے مامون کو ایسا گردیدہ بنا لیا کہ رفتہ رفتہ وہ اس پر چھا گیا اور اسے خلق قرآن کا قائل کر لیا۔ اور اسے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اس مسئلے کے سلسلے میں لوگوں کو قائل کرے۔ تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ تنہا ابن ابی داؤد ہی اس مصیبت کا ذمہ دار ہے جو اس سلسلہ میں لوگوں پر نازل ہوئی۔ خطیب بغدادی اور سبکی کی بھی یہی رائے ہے (۳۹۸)۔

عقیدہ خلق قرآن کا اظہار:

مامون نے خلق قرآن کے عقیدے کا اظہار ۲۱۲ھ میں کیا۔ لیکن لوگوں پر اس کو مسلط کرنے کی کوشش ۲۱۸ھ تک نہیں کی۔ اسی سال وہ دمشق پہنچا اور وہاں کے لوگوں کو عدل و توحید کے سلسلہ میں بتلائے امتحان رکھا۔ پھر وہ رقبہ پہنچا اور یہاں سے ایک فرمان اسحاق بن ابراہیم بغداد کے کو تو ال شہر کے نام بھیجا کہ وہ اس سلسلے میں قاضیوں، گواہوں اور محدثین کا امتحان لے (۳۹۹)۔

علماء حق کا امتحان:

اسحاق بن ابراہیم نے ایک فقہاء کی جماعت کو طلب کیا۔ جس میں اپنے وقت کے محدثین میں سے احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی تھے۔ انہیں دو مرتبہ مامون کا فرمان سنایا پھر ایک ایک کر کے سب کو جانچا۔ ان میں سے ہر ایک نے جواب دیا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور خاموشی اختیار کر لی اس سے آگے کچھ نہ کیا۔ البتہ ابن البرکاء الاکبر نے کہا ”اور قرآن مجہول ہے“۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”انا جعلنا قرآن عربیاً“ نیز قرآن محدث بھی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”ما یاتہم من ذکر من ربہم محدث“ (۴۰۰) (الانبیاء-۲)۔ اسحاق نے پوچھا ”کیا مجہول کا مطلب مخلوق ہے“۔ ابن البرکاء نے کہا ”ہاں بے شک“۔ اسحاق نے دریافت کیا ”تو پھر قرآن مخلوق ہے“۔ ابن البرکاء نے جواب دیا میں مخلوق نہیں کہہ سکتا۔ مجہول کہتا ہوں (۴۰۱)۔

اسحاق نے ان سب سے پوچھ گچھ کرنے کے بعد ہر ایک کا قول مامون کو لکھ بھیجا۔ نو دن بعد مامون کا جواب آیا۔ اس نے لکھا کہ قرآن کو قدیم جاننا کفر صریح اور شرک محض ہے۔ پھر اس نے لکھا ان سے پوچھنے کے بعد جو توبہ کر لے اس سے درگزر کر لیا جائے۔ جو لوگ اپنے شرک پر ڈٹے رہیں انہیں رسیوں میں جکڑ کر رقبہ بھیج دیا جائے تاکہ امیر المؤمنین ایک مرتبہ بہ نفس نفیس ان سے حجت تمام کر لیں۔ اس کے بعد بھی اگر یہ لوگ اپنے قول پر قائم رہے اور توبہ نہ کی تو سب کی گردنیں اڑادی جائیں (۴۰۲)۔

اسحاق نے ان فقہاء کو ایک بار پھر طلب کیا۔ انہیں خلیفہ کا مکتوب سنایا۔ اس مرتبہ سب نے اقرار کر لیا کہ قرآن مخلوق ہے۔ صرف چار آدمی ایسے تھے جو اپنے قول پر برقرار رہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، محمد بن نوح، القواریری اور سجادہ، اسحاق نے انہیں بیڑیوں میں جکڑ کر قید کر لیا۔ دوسرے دن پھر بیڑیوں میں گھسیٹتے ہوئے حاضر کیا گیا۔ اس مرتبہ قواریری نے اقرار کر لیا کہ قرآن مخلوق ہے۔ چنانچہ انہیں آزاد کر دیا گیا۔ باقی تینوں اصحاب اپنے قول پر قائم رہے۔ اس کے بعد سجادہ نے بھی قرآن کو مخلوق تسلیم کر لیا۔ اب دونوں باقی رہ گئے یہ اپنے قول پر قائم تھے۔ ان دنوں کو طرسوس روانہ کر دیا گیا۔ لیکن یہ لوگ وہاں اس وقت پہنچے جب مامون کی وفات ہو چکی تھی۔ اسی حالت میں یہ لوگ رقبہ لائے گئے وہاں سے ایک کشتی میں روانہ کر دیے گئے۔ محمد بن نوح کا راستے میں انتقال ہو گیا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بغداد پہنچے اور حوالہ زنداں کر دیے گئے (۴۰۳)۔

عہد معصم میں معتزلہ:

مامون کے بعد اس کا بھائی معصم تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے مرحوم بھائی مامون کی وصیت کا پورا پورا پاس رکھا اور خلقِ قرآن کے سلسلے میں لوگوں کو مبتلائے آزمائش کرتا رہا اور معتزلہ کو مقرب بارگاہ بناتا رہا کیونکہ مامون نے جب اسے دلی عہدِ خلافت بنایا تھا اس سے عہد لے لیا تھا کہ لوگوں کو خلقِ قرآن کے مسلک پر لانے کے لیے پوری کوشش کرے گا (۴۰۴) اور احمد بن ابی داؤد پر تمام امور میں بھروسہ کرے گا۔ اس کی وصیت کے الفاظ یہ ہیں: ”ابو عبد اللہ احمد بن ابی داؤد سے کبھی مفارقت نہ کرنا اپنے تمام امور اور معاملات میں ان سے مشورہ کرتے رہنا کہ وہ اس کے مستحق ہیں“ (۴۰۵)۔

معصم کے عہد میں بھی علمائے محدثین کی ایک بڑی جماعت کو دورِ ابتلاء سے گزرنا پڑا۔ مثلاً نعیم بن حماد جو اس مقصد کے لیے مصر سے لائے گئے تھے۔ ان سے بھی خلقِ قرآن کے بارے میں سوال کیا گیا۔ انہوں نے یہ عقیدہ ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ انہیں سامرا میں قید کر دیا اور اس وقت تک قید میں رہے جب تک وفات نہیں پائی (۴۰۶)۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی سرگزشت:

ابتلاء اور آزمائش کے جس دور سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو گزرنا پڑا وہ بے انتہا لرزہ خیز اور اپنی مثال آپ ہے۔ رقتہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ واپس بغداد لائے گئے اور جیل میں پابند سلاسل رہتے ہوئے زندگی گزار رہے تھے۔ معصم نے اپنی بارگاہ میں طلب کیا۔ یہ واقعہ ماہِ رمضان کا ہے چنانچہ یہ جیل سے اسحاق بن ابراہیم کے گھر لائے گئے یہاں ہر روز خلیفہ کی طرف سے دو آدمی آتے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مناظرہ کرتے۔ یہ مناظرہ جب ناکام ہو جاتا تو اس پر سختیاں اور بڑھ جاتیں یہاں تک کہ ان کے پاؤں میں چار بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ پھر چوتھی رات اسحاق، امام احمد کے پاس گیا اور کہنے لگا ”اے احمد، خدا کی قسم وہ معصم آپ کو تلوار سے قتل نہیں کرے گا۔ اس نے قسم کھائی ہے۔ اگر آپ نے خلقِ قرآن کا اقرار نہ کیا تو مسلسل آپ کو کوڑے لگائے گا اور ایسی جگہ آپ کو پھینک دے گا کہ جہاں آپ سورج کی روشنی نہ دیکھ سکیں گے“۔ اس کے بعد امام صاحب کورسی میں جکڑ کر سواری پر بٹھایا گیا۔ حالت یہ تھی کہ زنجیروں کے بوجھ سے منہ کے بل گر پڑے۔ یہاں تک انہیں لے کر نگہبان معصم کے گھر پہنچے۔ انہیں ایک حجرے میں بند کر دیا اور باہر تالا لگا دیا گیا (۴۰۷)۔

دوسرے دن انہیں خلیفہ کے رو برو پیش کیا گیا جہاں ایک مجلس مناظرہ ہوئی جس میں احمد بن ابی داؤد، عبدالرحمن بن اسحاق اور ایک خلق کثیر موجود تھی۔ پھر ان کی آنکھوں کے سامنے دو آدمیوں کی گردنیں اڑائی گئیں۔ امام احمد کو دہشت زدہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی پھر معتصم نے مناظرے کا حکم دیا۔ معتزلی علماء ان سے مناظرہ کرتے رہے اور امام احمد رحمہ اللہ ان کی ہر دلیل رد کرتے رہے۔ معتصم نے کہا: ”خدا کی قسم اگر اس (احمد بن حنبل رحمہ اللہ) نے میری حسب خواہش جواب دیا تو میں اس سے ہاتھ کھینچ لوں گا۔“ پھر وہ امام صاحب کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: ”اے احمد میں تم پر اتنا ہی مہربان ہوں جتنا اپنے لڑکے ہارون پر شفیق اور مہربان ہوں۔“ پھر امام صاحب سے پوچھا گیا کہ ”تم صالح رشیدی کو جانتے ہو؟“ امام صاحب نے جواب دیا: ”میں نے اس کا نام سنا ہے۔“ معتصم نے امام صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”وہ میرا اتالیق تھا میں نے اس سے قرآن کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے یہ عقیدہ ماننے سے انکار کر دیا چنانچہ وہ میرے حکم سے روند ڈالا گیا۔“

امام صاحب نے اس عقیدے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا: اس عقیدے کا اقرار اس صورت میں کر سکتا ہوں کہ اپنا دعویٰ کتاب اللہ یا سنت رسول سے ثابت کر۔ بحث بڑھتی چلی گئی۔ معتصم کے چہرے پر تکدر کے آثار پیدا ہوئے۔ اس نے امام صاحب کو پھر قید خانے میں بھیج دیا۔ پھر ہر روز مناظرہ کرتا رہا لیکن امام صاحب رحمہ اللہ اپنے قول پر قائم رہے۔ آخر معتزلہ علماء نے کہا اے امیر المؤمنین! اس شخص کو قتل کر دیں اس کا خون ہم اپنی گردن پر لیتے ہیں۔

معتصم نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور امام صاحب کے چہرے پر کئی ضربیں لگانا شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ وہ بیہوش ہو گئے۔ یہ رنگ دیکھ کر سب کے رنگ فق ہو گئے۔ ان میں امام کے چچا بھی تھے۔ معتصم ڈرا کہ کہیں لوگ اس پر حملہ نہ کر دیں۔ اس نے پانی منگوا یا اور امام صاحب کے چہرے پر چھڑکا۔ امام صاحب غشی سے ہوش میں آئے تو سر اٹھا کر اپنے چچا کی طرف دیکھا اور کہا ”غم محترم یہ پانی جو میرے چہرے پر چھڑکا ہے شاید یہ بھی غصب کردہ ہو۔“

معتصم نے کہا ”کم بخنوا! تم نے دیکھا یہ شخص مجھ پر حملہ کر رہا ہے۔ قسم قرابت رسول ﷺ کی، جب تک یہ خلق قرآن کا اقرار نہیں کرے گا۔ اسے برابر کوڑوں سے پٹواتا رہوں گا۔“

معتصم نے خوب کوڑے لگوائے۔ یہاں تک کہ ۲۸ کوڑے ان کے ناتواں جسم پر لگ چکے تھے۔ پھر معتصم نے حکم دیا کہ انہیں جیل میں واپس بھیج دیا جائے جہاں وہ اٹھارہ مہینے محبوس رہے۔ کوڑے اس شدت اور بے رحمی سے لگائے کہ ان کی پیٹھ پر تازندگی ان کے نشان قائم رہے (۴۸)۔

عہدِ واثق میں معتزلہ کا اقتدار:

معتصم کی وفات کے بعد واثق اس کا جانشین ہوا یہ وہ زمانہ تھا کہ معتزلہ قوت و شوکت کی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ نشہ کامرانی نے انہیں مدہوش کر دیا تھا (۴۰۹)۔ چنانچہ معتزلہ نے اس نئے خلیفہ کو بھی کامیابی کے ساتھ اس ڈگر پر چلایا جس پر مامون اور معتصم کو چلاتے رہے یہ خلیفہ بھی ان کا ہم نوا بن گیا۔ واثق بڑا کٹر معتزلی تھا۔ اس کے عہد میں دورِ ابتلاء اور زیادہ شدید ہو گیا۔ احمد بن ابی داؤد وہ شخص تھا جس نے اسے غالی معتزلی بنا دیا تھا (۴۱۰)۔ چنانچہ اس نے تمام شہروں کے رفقاء کے نام فرمان بھیجا کہ قرآن کے معاملے میں وہ لوگوں کی جانچ کریں اور صرف انہی لوگوں کی گواہی قبول کریں جو اہل توحید معتزلی ہوں چنانچہ اس سلسلہ میں بہت سے لوگ حوالہ زنداں کر دیئے گئے (۴۱۱)۔ واثق تعصب اور غلو اعتزال میں اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ اس نے حکم دیا کہ مسلمان جنگی قیدیوں کا فدیہ اس وقت تک نہ ادا کیا جائے جب تک مسئلہ خلقِ قرآن کا انکار کرنے والوں سے پوچھ گچھ کی نہ جائے۔ جو اقرار کرتا اس کا فدیہ ادا کر کے اس کو رہا کر لیا جاتا تھا جو انکار کرتا اسے رومیوں کی قید میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ فدیہ دینے کی رسم انجام پانے لگی۔ واثق نے ایک دستہ سیاہ طرطوس کے قریب بھیجا۔ دو آدمی نہر کے پل پر کھڑے ہو گئے۔ مہمان قیدیوں میں سے کوئی اس طرف سے گزرتا تو پہلے پوچھ گچھ ہوتی جو خلقِ قرآن کا اقرار کرتا اور رویت باری تعالیٰ کا انکار کرتا اس کا فدیہ ادا کر دیا جاتا اور اسے ایک دینار بھی دیا جاتا (۴۱۲)۔

معتزلہ کا زوال:

واثق کے بعد خلیفہ متوکل کی تخت نشینی ہوئی تو معتزلہ کا دورِ ضعف و سقوط شروع ہوتا ہے۔ ۲۳۲ھ سے ان کے زوال کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ بالکل ختم ہو گئے۔ جہاں اہل سنت کا غلبہ اور اکثریت تھی وہاں تو ختم ہو گئے لیکن جن شہروں میں شیعوں کی اکثریت تھی وہاں اعتزال برابر قائم رہا (۴۱۳)۔

متوکل اور معتزلہ:

واثق کے بعد متوکل نے جو روش اختیار کی وہ حیرت انگیز تو نہیں لیکن تدریجی تغیر تھا۔ متوکل معاملاتِ دین میں بہت شدید تھا اس نے نہ صرف معتزلہ کو مردود قرار دیا بلکہ اہل ذمہ کے ساتھ بھی سختی

کے ساتھ پیش آیا (۴۱۴)۔ یہ حقیقت ہے کہ معتزلہ کے خلاف متوکل نے کوئی قدم دفعۃً نہیں اٹھایا۔ بلکہ رفتہ رفتہ اس نے اپنی پالیسی متعین کی اور اس پر عمل درآمد کیا۔

متوکل تخت نشین ہوا تو اس سال اس نے ایک فرمان صادر کیا اور لوگوں کو جدل فی القرآن وغیرہ سے روکا۔ اور اپنے اس فرمان کو آفاق میں سختی کے ساتھ نافذ کر دیا۔ چنانچہ اس فرمان کے بعد لوگ جدل و مناظرہ سے باز آ گئے۔

واثق کے زمانے میں جو لوگ عقیدہ خلق قرآن کی مخالفت کے باعث جیل کی چار دیواری میں مقید کر دیئے گئے اور ظلم و ستم سہتے رہے متوکل نے انہیں رہائی بخشی (۴۱۵)۔ متوکل نے ایک اور انتہائی قدم اٹھایا جسے ضربت کبریٰ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ۲۳۷ھ میں اس نے علی الاعلان معتزلہ کے خلاف برہمی اور غضب کا اظہار کیا اور ابوالولید کو منصب مظالم عسکر سے معزول کر دیا۔ اس کے بعد قاضی القضاۃ کے منصب سے بھی برطرف کر دیا۔ صرف اس پر اکتفا نہ کیا اسے اور اس کے بھائیوں کو نذیر زندان کر دیا۔ اس دوران ابوالولید کا انتقال ہو گیا۔ ابوالولید کے تیس دن بعد اس کا باپ احمد بن ابی داؤد بھی اس دنیا سے چل بسا۔ اس سال متوکل نے احمد بن نصر کی لاش سولی سے اتارنے کا حکم دیا۔ وہ اتار دی گئی اور کٹا ہوا سر اس میں شامل کیا گیا۔ پھر ورثاء کے حوالے کر دی گئی۔ یہ واقعہ عید الفطر کے دن پیش آیا اور اسی روز اسے دفن کر دیا گیا۔ پھر متوکل نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو طلب کیا اور ان کے ساتھ اعزاز و کرام کا برتاؤ کیا (۴۱۶)۔

معتزلہ کی اس عکبت نے علماء فقہاء اور عوام الناس کے نفوس پر بڑا گہرا اثر کیا۔ جنہوں نے ان کے ہاتھوں بڑے بڑے مصائب برداشت کیے۔ خاص طور پر اصحاب احمد بن حنبل رحمہ اللہ، کون سا ظلم تھا جو ان پر نہیں اٹھتا رہا تھا۔ لوگ یہ سفاکی دیکھ کر معتزلہ سے بیزار اور متنفر ہو گئے۔ ان کے دلوں میں جو معتزلہ کے خلاف غیض و غضب کا طوفان اٹھ رہا تھا وہ انہیں کچل دینا چاہتے تھے۔ لیکن بے بس و مجبور تھے۔ وہ ڈرتے تھے کیونکہ ان کے ساتھ خلفاء تھے کہ اگر انہوں نے اپنی نفرت کا برملا اظہار کیا تو کچل دیئے جائیں گے اور ان کے ظلم سے محفوظ نہیں رہیں گے (۴۱۷)۔

دولت عباسیہ پر ترکی النسل ممالیک کا نفوذ:

زمانہ نے پھر کروٹ بدلی۔ صورت حال اس طرح سے بدلی گئی کہ ممالیک اتراک نے دولت عباسیہ پر مکمل طور پر اقتدار و تسلط حاصل کر لیا۔ ان ممالیک کو خلیفہ معتصم اپنا نگہبان بنا کر لایا تھا۔ ان کے لیے ایک پورا شہر سامرا بسا دیا تاکہ عوام اور ان سے چپقلش کی کوئی صورت پیدا نہ ہو۔ انہوں

نے متوکل کو قتل کر دیا۔ اس کی جگہ اس کے بیٹے مستنصر کو تخت نشین کر دیا۔ متوکل کے بعد خلیفہ ان کا کھلونا بن گیا۔ یہ لوگ ادب، تہذیب ان چیزوں سے یکسر ناواقف تھے۔ ان کو مذہب و فلسفہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی (۴۱۸)۔

داخلی خلفشار کا نتیجہ:

معتزلہ پر آخری ضرب شدید جس نے انہیں ہلا کر رکھ دیا وہ ضرب داخلی خلفشار کا نتیجہ تھی جو معتزلہ کے باہمی اختلاف کی پیدا کردہ تھی۔ معتزلہ نے اپنے سقوط کا سروسامان خود بہم پہنچایا اور خود ہی تباہی و بربادی کے راستے پر آئے۔ یہ ضرب شدید اس وقت انتہا کو پہنچی جب ابوالحسن اشعری نے معتزلہ کے انہدام و سقوط پر اپنی توجہ ابن الراوندی کی طرح مبذول کر دی۔ یہ ابوالحسن بھی معتزلہ میں سے تھے۔ جواب بغاوت کر کے ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کے قتال و غارت کے لیے کوشاں تھے (۴۱۹)۔

معتزلہ کی ناکامی کے اسباب:

- معتزلہ کی تحریک کی ناکامی کے کئی اسباب ہیں۔ جن میں چند درج ذیل ہیں:
- ۱۔ ان کا مسلک عقلی تھا جسے انہوں نے بزورِ شمشیر منانا چاہا اور انہوں نے اپنے مخالفین جن میں بڑے بڑے محدث شامل تھے انہیں سخت سزائیں دلوائیں۔
- ۲۔ یہ اختلاف محض تعبیر اور تشریح تک تھا لیکن انہوں نے اسے توحید و شرک اور کفر و اسلام کا اختلاف بنا دیا۔
- ۳۔ استدلال مسائل میں عقلیت یا معروضات عقلی کو قرآن و حدیث کی نصوص کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دی۔
- ۴۔ ان کے مسائل پر صرف خواص ہی غور کرنے کے مجاز تھے۔ لیکن انہوں نے انہیں عوامی حلقوں میں پہنچانے کی ناکام کوشش کی۔
- ۵۔ انہوں نے نہ صرف محدثین کا بڑے طریقے سے مذاق اڑایا بلکہ حدیث کی حجیت کا بھی انکار کیا۔
- ۶۔ انہوں نے رویت باری تعالیٰ، جنت و دوزخ اور ملائکہ کے بارے میں ایسے خیالات کا اظہار کیا جو کہ نہ صرف صحیح راہ سے ہٹے ہوئے تھے بلکہ اہل سنت کے مسلمہ عقائد کے خلاف تھے۔

۷۔ ان کے مد مقابل محدثین کردار و عمل میں ان سے بہت بلند تھے اور ان کا اثر بھی بہت وسیع تھا جبکہ معتزلہ صرف ایوان اقتدار میں قدر و منزلت رکھتے تھے لیکن محدثین کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔

۸۔ اہل سنت والجماعت میں سے دو جماعتیں: اشاعرہ (ابو الحسن اشعری سے متاثر) اور ماتریدیہ اپنے مسلک کے دفاع کے لیے یونانی علوم و فنون سے مسلح ہو کر نکل آئیں اور ان میں غزالی اور رازی جیسے لوگ پیدا ہوئے اور پھر خالص محدثانہ اور دینی ذہن کے لوگ مثلاً امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان پر ایسی تند و تیز تنقید کی جس سے ان کا مسلک رفتہ رفتہ ختم ہو گیا (۲۲۰)۔

معتزلہ کی کتب:

- ۱۔ درۃ التزیل و نمرۃ التاویل، ابو عبد اللہ الاسکانی (م ۲۴۰ھ)، مطبع السعادة مصر ۱۲۳۶ھ
- ۲۔ الانصار والرد علی ابن الراوندی المصحح، ابو حسین عبد الرحیم الخياط (م ۳۰۰ھ)، قاہرہ ۱۳۲۲ھ
- ۳۔ تفسیر الکشاف، محمود جار اللہ زحشری (م ۵۳۸ھ)، القاہرہ ۱۳۰۷ھ
- ۴۔ المدیۃ والائل، احمد بن یحییٰ بن مرتضیٰ (م ۸۴۰ھ)، مطبوع حیدر آباد (۱۳۱۳ھ/۱۹۰۲ء)۔
- ۵۔ العلم الشامخ فی إیثار الحق علی الآباء والمشائخ، شیخ صالح المقبلی (م ۱۱۰۸ھ)، القاہرہ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء (۲۲۱)۔
- ۶۔ البیان والتبیین، الجاحظ۔

معتزلہ کے رد میں کتب اہل سنت:

- ۱۔ امام بخاری، الجامع الصحیح (خصوصاً کتاب التوحید)
- ۲۔ مسلم، الجامع الصحیح۔
- ۳۔ امام طحاوی، عقیدہ طحاویہ۔
- ۴۔ امام ابن تیمیہ کی کتب۔
- ۵۔ امام ابن قیم کی کتب۔
- ۶۔ عبد القاہر بغدادی (م ۴۲۹ھ)، اصول الدین۔

- ۷۔ ایضاً، الفرق بین الفرق۔
- ۸۔ ابوالحسن اشعری (م ۳۳۰ھ) الابانۃ فی اصول الدیانۃ (حیدرآباد، الطبعة الاولى)۔
- ۹۔ ایضاً، مقالات الاسلامیین (حیدرآباد، ۱۹۲۹ء)۔
- ۱۰۔ ابن حزم (ت ۴۵۶ھ) الفصل فی الملل والاهواء والنحل۔
- ۱۱۔ ابو حامد الغزالی (م ۵۰۵ھ)، المستصفی من علم الاصول (القاهرة، ۱۹۰۴ھ)۔
- ۱۲۔ ایضاً، المنقذ من الضلال (دمشق ۱۹۳۳ء)۔
- ۱۳۔ عمر النسفی (م ۵۳۷ھ)، العقائد النسفیہ (قاہرہ ۱۹۰۱ء)۔
- ۱۴۔ محمد بن عبدالکریم شہرستانی (م ۵۳۸ھ) الملل والنحل۔
- ۱۵۔ ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ)، المعارف۔
- ۱۶۔ بخاری، خلق افعال العباد (مؤسسة الرسالة بیروت، ۱۹۹۰ء)۔
- ۱۷۔ ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن احمد بن حنبل، کتاب السنہ (دار ابن قیم الدمام، ۱۹۸۶ء)۔
- ۱۸۔ ابن مندۃ، کتاب الایمان۔
- ۱۹۔ الحمید عبدالرزاق محمد اسود، موسوعة الاديان والمذاهب (الدار العربیہ للموسوعات)۔
- ۲۰۔ محمد ابو زہرہ، المذاهب الاسلامیہ (مکتبہ رحمانیہ، لاہور)۔
- ۲۱۔ محمد حنیف ندوی، عقلیات ابن تیمیہ (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور)۔
- ۲۲۔ ایضاً، افکار غزالی۔ (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور)۔

معتزلہ اور حدیث نبوی:

معتزلہ حدیث نبوی ﷺ کے بارے کیا نظریہ رکھتے ہیں اس ضمن میں درج ذیل تین مختلف اقوال منقول ہیں:

- ۱۔ معتزلہ، جمہور علماء کی طرح حدیث متواتر اور خبر واحد دونوں کو حجت قرار دیتے ہیں۔
- ۲۔ وہ مذکورہ دونوں قسموں کو حجت تصور نہیں کرتے۔
- ۳۔ معتزلہ حدیث متواتر کو حجت سمجھتے ہیں مگر خبر واحد کو نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ معتزلہ سے اس ضمن میں تین مختلف متضاد اقوال منقول ہیں۔ چنانچہ امام آمدی رحمہ اللہ، ابوالحسن بصری معتزلی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ خبر واحد کو عقلاً حجت قرار دیتا ہے (۴۲۲)۔ اسی طرح امام آمدی، مشہور معتزلی جبائی اور متکلمین کی ایک جماعت کے بارے میں نقل

کرتے ہیں: وہ عقلاً خبر واحد کو حجت تسلیم نہیں کرتے (۴۲۳)۔ امام جلال الدین سیوطی، ابوعلی جبائی کے بارے میں فرماتے ہیں: وہ عادل راوی کی روایت کو اس وقت تسلیم کرتا ہے جب اس قسم کا دوسرا راوی اس کی تائید کرتا ہو یا ظواہر کتاب و سنت سے اس کی توثیق ہوتی ہو یا صحابہ کے مابین عام طور سے معروف یا معمول بہ ہو۔ ابوالحسن بصری نے بھی ”المعتمد“ میں جبائی سے یہی قول نقل کیا ہے۔ ابو نصر تمیمی نے جبائی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ خبر واحد کو اس وقت تسلیم کرتا ہے جب کم از کم چار راویوں نے روایت کیا ہو (۴۲۴)۔

معتزلہ کے نظریہ حدیث سے متعلق ابن حزم کا زاویہ نگاہ:

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اہل اسلام کے تمام فرقے مثلاً اہل سنت، خوارج، شیعہ اور قدریہ ایک راوی کی روایت کو جب کہ وہ ثقہ ہو بالاتفاق قبول کر لیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی ہجری کے اختتام پر معتزلہ کا ظہور و شیوع ہوا اور انہوں نے اجماع کی خلاف ورزی کی۔ مشہور معتزلی عمرو بن عبید، حضرت حسن بصری سے منقول روایات پر اعتماد کرتا اور ان کی روشنی میں فتویٰ دیا کرتا تھا (۴۲۵)۔

امام ابن حزم ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ معتزلہ علی العموم خبر واحد کی حجت کے منکر ہیں وہ فرماتے ہیں ”جمیع معتزلہ و خوارج کا قول ہے کہ خبر واحد یقینی علم کی موجب نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ جس بات میں جھوٹ یا غلط ہونے کا احتمال ہو خدا کے دین میں نہ اس کے مطابق فیصلہ صادر کیا جاسکتا ہے اور نہ اسے خدا اور رسول کی جانب منسوب کیا جاسکتا ہے“ (۴۲۶)۔

ابن قیم فرماتے ہیں: معتزلہ گناہ گار مومنین کی شفاعت کے سلسلہ میں وارد شدہ نصوص صریحہ کو ایک ایسی آیت کے پیش نظر رد کر دیتے ہیں جو متشابہات میں شمار ہوتی ہے فرمایا: ”فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ“ (سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کو فائدہ نہ دے گی) (۴۲۷)۔

حدیث نبوی اور صحابہ کرام کے متعلق بعض اکابرین معتزلہ کی رائے:

امام ابو منصور بغدادی نے اپنی کتاب ”الفرق بین الفرق“ میں معتزلہ کے فرقوں اور صحابہ و حدیث نبوی ﷺ سے متعلق ان کے موقف کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا ہے۔ ان میں سب سے پہلے فرقہ واصلیہ کے بارے میں ذکر کرتے ہیں۔

واصل بن عطاء:

معتزلہ کا فرقہ واصلیہ، واصل بن عطاء کا معتقد تھا۔ واصل نے سلف کی راہ سے ہٹ کر ایک تیسری راہ ہموار کی۔ واصل کے معاصرین حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نیز حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ و عائشہ رضی اللہ عنہا و دیگر اصحاب جمل رضی اللہ عنہ کے بارے میں مختلف رائے تھے۔

”خوارج یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ و عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے اتباع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف صف آرا ہونے کی بنا پر اسلام کے دائرے سے نکل گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، اصحاب جمل اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف نبرد آزما ہونے میں حق بجانب تھے۔ جب انہوں نے تحکیم کو منظور کر لیا تو کافر ٹھہرے۔ اس ضمن میں اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ جنگ جمل میں لڑنے والے دونوں فریق مسلمان ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اصحاب جمل جادہ حق پر گامزن تھے۔ غلط فہمی کی بنا پر یہ جنگ ہوئی۔ بلکہ سازش کے تحت کرائی گئی۔ دونوں فریق قصور وار نہ تھے۔ اہل سنت جنگ جمل میں لڑنے والے فریقین کی شہادت کو قبول کرتے ہیں اور اس کے مطابق فیصلہ صادر کرنے کے قائل ہیں۔

واصل خوارج اور اہل سنت دونوں کے خلاف رائے رکھتا تھا۔ اس کا کہنا یہ تھا کہ فریقین میں سے ایک ضرور فاسق ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ کون؟ وہ کہا کرتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اتباع مثلاً حضرات حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر اور ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ فاسق ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فریق ثانی میں سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و دیگر اصحاب جمل فاسق ہوں (العیاذ باللہ)۔

واصل اپنے نظریہ کے اثبات میں کہا کرتا تھا کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ و طلحہ رضی اللہ عنہ یا علی رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ یا اصحاب علی رضی اللہ عنہ میں سے ایک شخص اور اصحاب جمل میں دوسرا شخص مل کر میرے پاس کسی اور اوباش آوارہ مزاج آدمی کے خلاف شہادت دیں تو میں ان کی شہادت قبول کروں گا۔ اس لئے کہ میرے نزدیک دونوں میں ایک بلا تعین فاسق ضرور ہے۔ جس طرح کہ دولعان کرنے والوں کی شہادت میرے یہاں اس لیے مقبول نہیں کہ دونوں میں سے ایک بلا تعین فاسق ہے۔ البتہ کسی ایک فریق کے خلاف دو آدمی شہادت دیں تو ان کی شہادت قبول کروں گا“ (۴۲۸)۔

عمر و بن عبید:

امام ابو منصور بغدادی معتزلہ کے فرقہ عمریہ کے بارے میں لکھتے ہیں: عمرو بن عبیدے واصل بن عطاء کی مذکورہ صدر بدعت میں اور بھی اضافہ کیا۔ چنانچہ اس نے کہا کہ جنگِ جمل میں لڑنے والے دونوں فریق فاسق ہیں۔ اس لیے دونوں میں کسی ایک فریق کی بھی شہادت مقبول نہیں۔

واصل بن عطاء اور عمرو کے بعد معتزلہ کے فرقہ قدریہ کے یہاں اس مسئلہ میں اختلاف رونما ہو گیا تھا۔ چنانچہ معتزلی علماء میں سے نظام اور جاحظ جنگِ جمل میں لڑنے والے فریقین کے بارے میں واصل کی رائے سے متفق تھے۔ اس کے علاوہ حوشب و ہاشم یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جنگِ جمل کے قائدین نجات یافتہ ہیں اور ان کے اتباع برباد ہو گئے۔ (۴۲۹)۔

ابوالہذیل:

امام ابو منصور بغدادی فرماتے ہیں کہ معتزلہ کا فرقہ ہذیلیہ ابوالہذیل کا عقیدت مند تھا۔ امتِ مسلمہ کے تمام فرقے بالاتفاق اس کے کفر کے قائل ہیں حتیٰ کہ معتزلہ بھی اس کو کافر قرار دیتے ہیں۔

امام ابو منصور بغدادی نے ابوالہذیل کے رسوائے عالم افکار و آراء کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے ”انبیاء کے معجزات اور دیگر غیر محسوس امور کے بارے میں احادیث و اخبار سے حجت اس وقت قائم ہوتی ہے جب راویوں کی تعداد بیس سے کم نہ ہو اور ان میں کم از کم ایک شخص جنتی ہو۔ کافر و فاسق لوگ تعداد میں کتنے بھی ہوں ان کی مرویات سے حجت قائم نہیں ہوتی خواہ وہ متواتر کی حد تک پہنچ جائیں۔ جن کا جھوٹ پر جمع ہونا ممکن نہیں۔ جب تک ان میں کم از کم ایک راوی جنتی نہ ہو۔“

ابوالہذیل کا قول ہے کہ چار سے کم اشخاص کی روایت کی بنیاد پر فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا۔ جب راوی چار سے زائد ہوں اور ان کی تعداد بیس تک پہنچ جائے تو بعض اوقات ان کی روایت سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے اور گاہے حاصل نہیں ہوتا۔ جب بیس رواۃ و رجال میں سے ایک بھی شخص جنتی ہو تو ان کی روایت سے لامحالہ یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ بیس راویوں کی روایت کے حجت ہونے پر اس نے آیت کریمہ ”ان یکن منکم عشرون صابرون“ اگر تم میں بیس آدمی صابر ہوں“ سے استدلال کیا ہے اس کا کہنا کہ بیس مجاہدین کو جہاد کی اجازت اسی لیے دی گئی ہے کہ ان کا قول حجت ہے۔

امام بغدادی فرماتے ہیں: ”ابوالہذیل نے احادیث کی قبولیت کے بارے میں جو شرط

لگائی ہے کہ بیس راوی ہوں اور ان میں ایک راوی جنتی ہو اس سے اس کا بڑا مقصد شرعی احکام کے ضمن میں وارد شدہ روایات کا ٹھکرانا ہے۔ جنتی ہونے سے اس کی مراد یہ ہے کہ وہ راوی معتزلہ اور قدریہ میں سے ہو کیونکہ جو شخص اس کا ہم خیال نہ ہو وہ اس کے زعم میں نہ مومن ہو سکتا ہے نہ جنتی (۲۳۰)۔

نظام معتزلی:

امام ابو منصور بغدادی، ابو اسحاق بن سيار المعروف نظام کے اتباع فرقہ نظامیہ کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ زنادقہ و فلاسفہ کے ساتھ اختلاط و امتزاج کی وجہ سے نظام کے عقائد بگڑ گئے تھے۔

نظام کے عقائدِ فاسدہ کی جھلک:

۱۔ نظام سرورِ کائنات ﷺ کے معجزات کا منکر ہے چنانچہ وہ حضور ﷺ کے اس معجزہ کو تسلیم نہیں کرتا کہ چاند آپ کے لئے پھٹ گیا تھا۔ پانی آپ ﷺ کی انگلیوں میں سے پھوٹنے لگا تھا۔ معجزات سے انکار کا اصل مقصد آپ ﷺ کی رسالت کو تسلیم نہ کرنا ہے۔

۲۔ نظام ان احادیث و اخبار کو حجت قرار نہیں دیتا جن سے یقینی علم حاصل نہیں ہوتا۔

۳۔ نظام جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم اور محدثین و فقہاء کے فتاویٰ کو تسلیم نہیں کرتا اور ان پر اعتراض کرتا ہے نظام کا غلط عقیدہ یہ بھی ہے کہ خبر متواتر کے رواۃ و ناقلین اگرچہ عدد اور حصہ سے باہر ہوتے ہیں اور ان کے دوائی و محرکات بھی یکساں نوعیت کے نہیں ہوتے تاہم ہو سکتا ہے کہ وہ جھوٹی ہو۔ دوسری جانب اس کا کہنا ہے کہ بعض اخبار آحاد سے بھی یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ اس غلط عقیدے کی اساس پر ہمارے اصحاب اور نظام کے ہم خیال معتزلہ نے بھی متفقہ اس کی تکفیر کی ہے۔

بقول امام بغدادی اس عقیدہ فاسدہ کا نتیجہ یہ ہے کہ اجماعی مسائل اور احکام سے بالکل اعتماد اٹھ جائے اس لیے کہ نظام کے نزدیک ان کا غلط اور بعید از صواب ہونا ممکن ہے۔ بعض شرعی احکام و مسائل احادیث متواترہ سے ماخوذ ہیں، بعض اخبار آحاد سے اور بعض قیاس و اجتہاد سے جبکہ نظام خبر متواتر، اجماع اور قیاس میں سے کسی کو بھی حجت نہیں سمجھتا۔ اس کے ساتھ ساتھ اخبار آحاد میں جب مفید علم یقینی نہ ہوں تو ان کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ شریعت کے فروعی احکام انہی طرق و ذرائع سے ثابت ہوتے ہیں نظام ان ذرائع کا ابطال کر کے گویا شریعت کے فروعی احکام کو جھٹلاتا اور

انکار کرتا ہے۔

مذکورہ صدر عقائد فاسدہ کے علاوہ نظام صحابہ کے مبنی بر اجتہاد فتاویٰ کی وجہ سے صحابہ و تابعین کی روایات پر معترض ہوتا ہے، چنانچہ جاحظ اپنی تصنیفات میں بیان کرتا ہے کہ نظام خود محدثین پر نقد و جرح کرتا ہے کہ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایات نقل کرتے ہیں حالانکہ بہت جھوٹا نظام خود حضرت فاروق رضی اللہ عنہ پر طعن کیا کرتا تھا کہ وہ صلح حدیبیہ کے دن اپنے دین کے بارے میں شک کرنے لگے تھے۔ اسی طرح حضور ﷺ کی وفات کے دن بھی وہ بتلائے شک ہو گئے تھے۔ نظام کہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو زد و کوب بھی کیا تھا۔ بقول نظام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصر بن حجاج کو مدینہ سے بصرہ کی طرف نکال دیا تھا۔ نماز تراویح کی بدعت بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایجاد کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حج تمتع سے روکا اور یہ حکم صادر کیا کہ کوئی عجمی، عربی عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔ نظام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے کہ انہوں نے حکم بن العاص کو مدینہ میں ٹھہرایا اور ولید بن عقبہ کو کوفہ کا گورنر بنایا۔ اس کے خیال کے مطابق ولید کا یہ عالم تھا کہ شراب کے نشہ میں سرشار لوگوں کو نماز پڑھاتا تھا۔ سعید بن العاص کی شادی کے موقع پر اس کو چالیس ہزار درہم کا عطیہ دیا۔ بلا وجہ ایک چراگاہ اپنے لیے مخصوص کر لی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ بہتان تراشا کہ ایک دفعہ آپ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی گدھے یا گائے کو ہلاک کر دے تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا تو اس کے بارے میں اس ضمن میں اپنی رائے سے فتویٰ دوں گا۔ نظام کہتا ہے کہ ”حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی رائے سے فتویٰ دینے والے کون ہوتے ہیں؟“ یہ تمام محض الزامات ہیں۔

معتزلہ کا ایک گروہ ظہور فتنہ کے زمانہ سے لے کر صحابہ کی عدالت میں شک و شبہ کا اظہار کرتا ہے۔ جیسے واصل معتزلہ میں سے عمرو بن عبید اور اس کے ہم خیال لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کا فر قرار دیتے ہیں۔

نظام اور اس کے رفقاء جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم پر دروغ گوئی اور جہل و نفاق کا بہتان لگاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ معتزلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی و منقول روایات کو تسلیم نہیں کرتے۔ واصل بن عطاء، عمرو بن عبید اور ان کے ہم فکر معتزلہ یہی رائے رکھتے ہیں۔ ابو ہذیل کے نزدیک خبر واحد سے کوئی شرعی حکم اس صورت میں ثابت ہوتا ہے جب اس کی نقل و روایت کرنے والے کم از کم بیس اشخاص ہوں اور ان میں سے ایک معتزلی ہو۔ نظام اجماع و قیاس کو حجت تصور نہیں کرتا اور خبر متواتر کی قطیعت کا منکر ہے۔

سابقہ بیانات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ جمہور اہل اسلام کے خلاف معتزلہ

نے حدیث نبوی ﷺ کے متعلق جو عجیب و غریب موقف اختیار کیا تھا اس نے علمائے حدیث اور رؤسا معتزلہ کے درمیان ایک خلیج حائل کر دی۔ محدثین کا یہ کہنا تھا کہ معتزلہ فاسق و فاجر اور بدعتی ہیں۔ وہ دین کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جن کی سرے سے کوئی دلیل ہی نہیں۔

بقول امام ابن قتیبہ نظام معتزلی آوارہ مزاج تھا اور ہر وقت نشہ میں پور رہتا تھا۔ مشہور معتزلی ثمامہ بن اشرس نے مامون کے عہد خلافت میں فتنہ خلق قرآن کی قیادت کی تھی۔ ثمامہ نے دیکھا کہ جمعہ کے دن لوگ بھاگ کر جامع مسجد کی جانب جا رہے تھے کہ کہیں نماز جمعہ نہ جاتی رہے۔ ثمامہ یہ دیکھ کر اپنے ایک ساتھی سے کہنے لگا ”یہ دیکھو لوگ کس طرح گدھوں اور بیلوں کی طرح بھاگے جا رہے ہیں“ پھر بولا اس عربی (حضور ﷺ) نے لوگوں کی کیا گت بنا دی ہے (نعوذ باللہ) (۴۳۱)۔

بہر کیف یہ تھے وہ حالات جن کے پیش نظر محدثین و معتزلہ کے مابین نزاع و جدال کی خلیج وسیع تر ہوتی گئی یہاں تک کہ ۲۱۸ھ میں خلیفہ مامون نے فتنہ خلق قرآن کا بیڑا اٹھایا۔ جس کے زیر اثر لوگوں کو اس عقیدہ کو قبول کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ محدثین کرام نے اس عظیم فتنہ کے دوران طرح طرح کی مشکلات برداشت کیں۔ امام احمد بن حنبل نے اس ضمن میں تیرہ سال قید و بند اور مار پیٹ کے مصائب برداشت کیے۔ یہاں تک کہ متوکل باللہ مسند خلافت پر تخت نشین ہوا۔ یہ اہل سنت کا ہم خیال تھا اس نے لوگوں کو اس عظیم فتنہ سے نجات دلائی اور محدثین کی عزت افزائی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معتزلہ ہمیشہ کے لیے دب گئے اور پھر کبھی سر نہ اٹھا سکے۔ حدیث کے سلسلہ میں اس سے تین بڑے اہم نتائج برآمد ہوئے۔

پہلا نتیجہ:

رؤسائے معتزلہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی قدر و منزلت میں جو رخسہ پیدا کر دیا تھا اس سے گستاخ مستشرقین کو یہ موقع ملا کہ حمایت و نصرت دین کا فریضہ ادا کرنے والے صحابہ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کریں۔ حیرت یہ ہے کہ بعض مصنفین مثلاً احمد امین مصری (مصنف فجر الاسلام، ضخی الاسلام، اور ظہر الاسلام) وغیرہ بھی مستشرقین کی ہموار کردہ راہ پر گامزن ہوئے۔

دوسرا نتیجہ:

جب محدثین و معتزلہ کے مابین نزاع و جدال کا آغاز ہوا تو محدثین نے قائلین خلق قرآن

کو تنقید کا نشانہ بنایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض محدثین نے قول بالرائے کی اساس پر اکثر آئمہ کو مجروح قرار دیا۔ خلاصہ یہ ہے گو اس معرکہ کے نتیجہ میں کئی مسلم آئمہ بھی اس میں ملوث ہو گئے۔

تیسرا نتیجہ:

سب سے اہم بات حجیت حدیث کا انکار ہے۔ ابتدائی طور پر انہی لوگوں نے فتنہ انکار حدیث کی بنا رکھی۔ جدید منکرین حدیث کے لیے انہی کے اگلے ہوئے نوالے فکری غذا ثابت ہو رہی ہے۔ نیز خیر واحد کو شک کی بنا پر رد کر کے احکامات دین کے بہت بڑے حصے سے عملی فرار کی راہ اختیار کی۔ نیز خیر واحد کا انکار کرنے والے لاشعوری طور پر انہی کے راستے پر گامزن ہیں۔



حدیث نبوی ﷺ اور مستشرقین

استشراق کے معنی مشرقی علوم میں مہارت حاصل کرنا اور مستشرق کے معنی مشرقی علوم کا ماہر اور مشرقی آداب سے آگاہ ہونا ہیں (۴۳۲)۔ مستشرق درحقیقت ایسے غیر مشرقی سکالر کو کہتے ہیں جو مشرقی علوم، معاشرت اور ادب وغیرہ میں دلچسپی رکھتا ہو۔ معن زلفو مدینہ نے مغرب کے ان سکالروں کو مستشرق کہا ہے جو اسلام، اسلامی تہذیب، اسلامی معاشرت اور اسلامی زبانوں میں دلچسپی رکھتے ہوں (۴۳۳)۔ ڈاکٹر عمر فروخ کے مطابق مستشرق علوم اسلامیہ کا وہ مغربی (یورپین یا امریکی) سکالر ہوتا ہے جو غیر مسلم ہو (۴۳۴)۔

تحریک استشراق کا آغاز و ارتقاء:

تحریک استشراق کا آغاز اسلام کے ابتداء دور ہی میں ہو گیا تھا لیکن یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے اعتقادات میں رخنہ اندازی میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اسلام کے خلاف سب سے پہلے تحریک چلانے والا ساتویں صدی عیسوی کا جان آف دمشق تھا۔ بارہویں صدی عیسوی کے اختتام تک صرف دو مستشرقین ایسے ملتے ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کی زندگی اور اسلامی تہذیب کا مطالعہ معروضی انداز میں کرنے کی کوشش کی۔ ان میں ایک پیٹر الفانسی (Peter Alfansi) جو ہسپانوی یہودی ہے اور دوسرا ولیم آف مالمسبری (William of Malmosbury) ہے (۴۳۵)۔

تحریک استشراق کا باقاعدہ اور منظم آغاز صلیبی جنگوں (۱۱ تا ۱۳ صدی عیسوی) کے بعد ایک دینی تحریک کے طور پر ہوا۔ اس تحریک کو سلطنت روما اور پاپائیت کی سرپرستی حاصل تھی۔ سترھویں صدی میں لندن، پیرس، کیمبرج، آکسفورڈ، گلاسگو، ایڈنبرا اور سینٹ اینڈریوز کی جامعات میں علوم شرقیہ کی تدریس کے لیے شعبہ جات نے کام شروع کر دیا (۴۳۶)۔ اسی صدی میں بڈویل (Bedwell) (م ۱۶۳۲ء) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب (Muhammad the Imposture) [محمد الکاذب (نعوذ باللہ)] لکھی۔ نجیب العقیقی نے متعدد کتب کے عربی سے لاطینی

زبان میں تراجم کیے جانے کا ذکر کیا ہے (۴۳۷)۔

استشراق کے تیسرے اور موجودہ دور کا آغاز اٹھارھویں صدی سے ہوا اور یہ اب تک جاری ہے۔ فرانس کے سلوسڑوی ساسی (۱۷۵۸ء-۱۸۳۸ء) اور برطانیہ کے ایڈورڈ ولیم لین (۱۸۰۱ء-۱۸۷۶ء) کو دور جدید کے استشراق کا بانی قرار دیا جاسکتا ہے (۴۳۸)۔ مستشرقین کی پہلی کانفرنس ۱۸۷۳ء میں پیرس میں ہوئی اور کانفرنسوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۷۳ء تک ان میں ہر ایک کو شرکت کی اجازت تھی (۴۳۹) اب صرف اہل مغرب ہی کو شرکت کی اجازت ہے۔

بیسویں صدی کے اواخر میں صورت حال یہ ہے کہ اب مستشرقین، مستشرق کہلوانا پسند نہیں کرتے دوسری عالمگیر جنگ کے بعد وہ ”ایڈوانزرز“ یا ایریا سٹڈی سپیشلسٹ/ایکسپرٹ کہلوانا پسند کرتے ہیں (۴۴۰)۔

مشہور مستشرقین:

مستشرقین کی ایک بڑی تعداد نے اسلام اور نبی اکرم ﷺ کی ذات پر خامہ فرسائی کی ہے۔ اس پر ڈاکٹر عبدالرحمن بدوی نے ”موسوعہ المستشرقین“ تحریر کیا ہے۔ جس میں ڈیڑھ سو سے زیادہ مستشرقین کے بارے میں اہم معلومات موجود ہیں۔ چند معروف مستشرقین کے نام درج ذیل ہیں:

آربری (Arbury)، بروکلمان، گب (H.A.R. Gibb)، سپرنگر (Springer)، گولڈزیہر (Goldziher)، ڈوزی (Dozi)، ولیم میور، شاخت (J. Schacht)، مارگولیتھ (Margoliouth)، فانملر (Pfannmueller)، ہورویٹس (J. Horowitz)، ہورست (H. Horst)، وان کریمر (A. Von. Kremer)، کیانی (L. Caetani)، نکلسن (A.R. Nicholason)، آر تھر جیفری (Arthor Jeffery)، منٹگری واٹ (Montgomery Watt)، ول ڈیوران (Will Durant)، گلیوم (A. Guillaume)، رابسن (Robson)، ژان بال (G.H.A. Juyaboll) (۴۴۱)۔

قرآن حکیم کے بارے میں تقریباً سبھی مستشرقین نے قلم اٹھایا ہے۔ قرآن کے بعد مستشرقین کا دوسرا بڑا ہدف ہمیشہ سے آپ ﷺ کی ذات رہی ہے۔

مستشرقین کے مقاصد:

۱۔ اسلام کے بارے میں بدگمانی پیدا کرنا۔

- ۲۔ مسلم علماء سے بدظن کرنا۔
- ۳۔ ابتدائی مسلم معاشرے کی غلط تصویر کشی کر کے مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کرنا۔
- ۴۔ اسلامی تہذیب کی تحقیر و تذلیل کرنا۔
- ۵۔ کتاب و سنت میں تحریف کرنا، عبادتوں کو غلط مفہوم میں پیش کرنا اور حسب خواہش قبول کرنا یا رد کرنا (۴۴۲)۔

مستشرقین کی تحقیقی کاوشوں کا سب سے بڑا مقصد اسلام کو نقصان پہنچانا اور اسے کمزور کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے جھوٹ، فریب، دھوکا اور بہتان تراشی کے کسی حیلے کو بھی کراہت کی نظر سے نہ دیکھا۔ انہیں معلوم تھا کہ اسلام کی قوت کا پہلا منبع قرآن حکیم ہے۔ انہوں نے اس منبع پر تابد توڑ حملے کیے۔ لیکن سینکڑوں سالوں کی تخریبی کاوشوں کے باوجود مستشرقین اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

قرآن مجید کے خلاف مستشرقین کی سازشیں اب بھی جاری ہیں مگر ان میں مسلسل شکستوں نے انہیں اسلام کے خلاف نئے محاذ کھولنے پر مجبور کر دیا ہے کیونکہ قرآن کی مخالفت کرتے ہوئے انہیں مشکلات کا سامنا تھا کہ آنحضور ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو قرآن حکیم کی مکمل تشریح اپنے قول و فعل سے کر کے بتائی تھی اور چونکہ مسلمانوں میں لکھنے کا رواج تھا اس لیے بعض صحابہ کے پاس تو وہ تحریری طور پر بھی موجود تھا۔

مستشرقین نے جب قرآن مجید کو اپنے من پسند معانی پہنانے کی کوشش کی تو امت مسلمہ کے علماء نے احادیث طیبہ کی مدد سے ان کو جواب دیے اور قرآن مجید کی معنوی تحریف کی تمام کوششیں احادیث طیبہ کی مضبوط چٹان کے ساتھ ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں۔

اس ناکامی کے بعد مستشرقین نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا ایک اور راستہ نکالا اب انہوں نے قرآن کے ساتھ ساتھ آنحضور ﷺ کی احادیث مبارکہ کے خلاف محاذ شروع کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ احادیث مبارکہ کو نقصان پہنچائے بغیر اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ وہ حضور ﷺ کے اس ارشاد سے بھی آگاہ تھے ”ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتاب اللہ و سنتہ نبیہ“ (۴۴۳) (میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری اس کے نبی کی سنت)۔ اسی وجہ سے مستشرقین نے مسلمانوں کے دونوں بنیادی مصادر کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مستشرقین نے انیسویں صدی میں حدیث کے بارے میں بڑی بڑی بنیادیں بحثیں کیں۔

مشہور جرمن مستشرق سپرنگر نے ۱۸۵۱ء میں حضور ﷺ کی سیرت پر تین جلدوں میں کتاب لکھی۔ اس میں حدیث کی روایت اور اس کی حیثیت پر بحث کی۔ ولیم میور نے ۱۸۶۱ء میں حضور اکرم ﷺ کی سیرت پر کتاب لکھی اور اس میں حدیث کے متعلق سپرنگر کے اٹھائے جانے والے نکات کو آگے بڑھایا۔ حدیث کے بارے میں سب سے تفصیلی بحث مشہور جرمن مستشرق گولڈ زیہر (Gold Ziher) نے کی۔ اس کی تحقیق کو پروفیسر شاخت (J. Schacht) نے آگے بڑھایا۔ ان مستشرقین نے حدیث نبوی ﷺ کی حیثیت کو مشکوک بنانے کی کوشش کی اور اسے بطور دینی ماخذ کے ناقابل اعتبار قرار دیا۔

حدیث نبوی کے بارے میں مستشرقین کے خصوصی اہداف:

ڈاکٹر لقمان سلفی نے اپنی کتاب ”النہ“ میں مستشرقین کے حدیث کے بارے میں سات خصوصی اہداف کا ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہیں:

- ۱۔ حدیث نبوی ﷺ کو ناقابل اعتبار ٹھہرانا مستشرقین کا خصوصی ہدف رہا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ حدیث نبوی ﷺ قرآن حکیم کی تفسیر اور وضاحت ہے۔ جب قرآن حکیم کو وضاحت نبوی سے الگ کر دیا جائے تو مسلمان اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے اور اس طرح وہ مسلمانوں کو ان کے اصل دین سے دور کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔
- ۲۔ نبی ﷺ کی رسالت میں اس طرح تشکیک پیدا کرنا کہ آپ ﷺ صرف قرآن کے مبلغ ہیں اور ان کا کام قرآن کے مکمل نزول کے ساتھ ختم ہو گیا ہے۔
- ۳۔ سادہ لوح مسلمانوں کو اس بات پر مطمئن کرنے کی کوشش کرنا کہ شریعت اسلامی یہودیت سے اخذ کردہ ہے جیسا کہ گولڈ زیہر اور شاخت کا دعویٰ ہے۔
- ۴۔ فقہ اسلامی کی قدر و قیمت میں تشکیک پیدا کرنا۔
- ۵۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے بارے میں مسلمانوں کے اندر شکوک پیدا کرنا۔
- ۶۔ مسلمانوں میں اپنے علمی ورثے کے بارے میں یقین کو متزلزل کرنا اور ان کے صحیح عقائد میں شک پیدا کرنا۔
- ۷۔ حدیث نبوی ﷺ سے مسلمانوں کا رابطہ ختم کر کے اسلامی اخوت کا دائرہ اپنے اپنے ملکوں تک محدود کرنا (۴۴۴)۔

مستشرقین کی تحقیق کے اہم نکات:

- ڈاکٹر خالد علوی نے اپنی کتاب ”حفاظت حدیث“ میں مستشرقین کی تحقیق کے درج ذیل اہم نکات بیان کئے ہیں:
- ۱۔ حدیث لٹریچر زیادہ تر زبانی روایت پر مبنی ہے جو ایک صدی سے زیادہ عرصہ اسی زبانی روایت سے منتقل ہوتا رہا۔
 - ۲۔ اسلامی قانون کے ابتدائی مجموعوں میں حدیثوں کی تعداد کم ہے جبکہ بعد کے ادوار میں احادیث کی تعداد بڑھ گئی اور متاخر مجموعوں میں اتنی بڑی تعداد جمع کی گئی جو ابتدائی دور میں ناقابل تصور تھی۔
 - ۳۔ کم عمر صحابہ کی مرویات بڑی عمر کے صحابہ کی مرویات سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ جو سند ملحق کی گئی ہے وہ قابل اعتماد نہیں۔
 - ۴۔ اسناد کا طریق پہلی صدی ہجری کے آخر میں استعمال کیا گیا لہذا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس حدیث کو ان اسناد سے بیان کیا گیا ہے وہ صحیح معنوں میں حدیث ہے۔
 - ۵۔ بہت سی احادیث ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔
 - ۶۔ ایسے یقینی ثبوت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر اسناد اور متن حدیث موضوع ہیں۔
 - ۷۔ مسلم نقادوں نے اپنے تنقیدی اصولوں کو سند تک محدود رکھا ہے اور متن حدیث پر کبھی تنقیدی نظر نہیں ڈالی (۴۴۵)۔

مستشرقین کا طریقہ کار:

- ۱۔ حقائق کو بدلنا۔
 - ۲۔ علمی مواد کی نصوص کو بدلنا۔
 - ۳۔ علمی مواد کو اپنے فہم کے مطابق ڈھلانا (اگرچہ عربی ذوق سے ناواقف ہوں)۔
 - ۴۔ تہذیب اسلامی کو ایک خوانخواہ معاشرے اور تہذیب کی صورت میں پیش کرنا۔
 - ۵۔ ایسے مصادر سے نقل کرنا جو اسلامی فکر کی نمائندگی نہیں کرتے اور ان کے لکھنے والوں کو اہل اسلام اپنے لیے قابل حجت نہیں سمجھتے (۴۴۶)۔
- مندرجہ بالا منہج کے ساتھ مستشرقین نے اسلام اور سنت نبوی کے بارے میں کلام کیا ہے۔

مستشرقین کے حدیث نبوی ﷺ پر اعتراضات اور ان کے جوابات:

مستشرقین نے حدیث اور محدثین پر درج ذیل الزامات عائد کئے ہیں:

- ۱۔ احادیث قدیم اسلامی معاشرے میں سیاسی اور معاشرتی ارتقاء کا نتیجہ ہیں۔
- ۲۔ احادیث محض متاخرین ہی نے وضع نہیں کیں بلکہ صحابہ اور تابعین نے بھی وضع کی ہیں۔
- ۳۔ اسلام میں مختلف فرقوں کے افراد نے اپنے فرقوں کی تائید میں احادیث وضع کر کے ان کو نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کر دیا۔
- ۴۔ محدثین کے ہاں تنقید کا دائرہ سمٹ کر سند تک محدود ہو گیا ہے۔ اس لئے بہت سی غیر صحیح احادیث نقد اسلامی کے لحاظ سے صحیح ہیں۔
- ۵۔ علمائے اسلام نے ایسی احادیث وضع کیں جن سے حکام کی مخالفت ہوتی تھی۔
- ۶۔ مسلمان حکمرانوں نے اپنے سیاسی افکار کی تائید اور متقی افراد کو خاموش کرنے کیلئے احادیث وضع کیں۔
- ۷۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو ایسی احادیث ضائع کرنے کا حکم دیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تائید کرتی تھیں اور ان احادیث کو پھیلانے کا حکم دیا جو ان کی حکومت کی تائید میں تھیں۔
- ۸۔ عبدالملک بن مروان نے قبہ صخرہ کے گرد طواف کرنے کا حکم دیا۔
- ۹۔ امام زہری رحمہ اللہ نے یہ حدیث وضع کی ”لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد“ (تین مساجد کے علاوہ کسی طرف سفر کا قصد نہ کریں)۔
- ۱۰۔ امام زہری رحمہ اللہ اموی حکمرانوں کی خواہش کے مطابق احادیث وضع کرتے تھے (۴۴۷)۔

ان اعتراضات کا جواب درج ذیل ہے:

اعتراض نمبر ۱: احادیث قدیم اسلامی معاشرے میں سیاسی اور معاشرتی ارتقاء کا نتیجہ ہیں:

قرآن حکیم اور احادیث نبویہ ﷺ صحیحہ سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ حدیث نبوی ﷺ شریعت اسلامی کا دوسرا ماخذ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین کے کامل ہونے پر اپنی نعمت کی تکمیل اور اسلام کے دین ہونے کو پسند کرنے کے متعلق خبر دی ہے ”الیوم اکملت لکم دینکم“ (آج کے دن میں نے آپ کے لئے آپ کے دین کو مکمل کر دیا ہے) (۲۴۸)۔

یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ حدیث نبوی رسول ﷺ کی زندگی میں نامکمل تھی اور اس کو بعد میں مکمل کیا گیا۔ مسلمانوں کے ہاں یہ بات محقق ہے کہ پیغمبر ﷺ اپنے صحابہ کو ہمیشہ احادیث کو یاد رکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ ان میں سے ایک یہ حدیث ہے ”نَضْرُ اللّٰہُ امْرَءًا سَمِعَ مَنَا شَیْئًا فَبَلَغَهُ کَمَا سَمِعَ“ (اللہ اس شخص کو سرسبز و شاداب رکھے جس نے ہم سے کچھ سنا اور پھر اس کو اسی طرح آگے پہنچا دیا جس طرح سنا تھا) (۴۴۹)۔

یہ بات بھی قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں تکمیل حدیث ہوئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشرق و مغرب کے مختلف علاقوں میں گئے، اور وہاں جا کر انہوں نے اسلام کی دعوت دی۔ اور وہاں انہوں نے فرائض، سنن اور اخلاق و آداب بھی سکھلائے۔ اور جو چیزیں انہوں نے مختلف علاقوں میں سکھائیں ان میں اور مغرب میں صحابہ سے سیکھنے والے لوگوں کا مشرق میں سیکھنے والوں سے کوئی فرق نہیں تھا۔ اگر احادیث سیاسی اور معاشرتی ارتقا کا نتیجہ ہوتیں تو ایک جگہ کے مسلمانوں کا طریقہ کار دوسری جگہ کے مسلمانوں سے مختلف ہوتا۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ قرآن مجید کے اندر قواعد ہیں اور احادیث میں بھی قواعد ہیں جن کو سامنے رکھ کر مسلمان بعد میں آنے والے زمانوں میں قیامت تک کیلئے استنباط کرتے رہیں گے۔ مسلمان قرآن و سنت میں موجود قواعد کو سامنے رکھ کر اپنے دینی، سیاسی اور معاشرتی معاملات کیلئے استنباط کرتے ہیں۔

گولڈزیہر اور اس کے مکتبہ فکر کے لوگ مسلمانوں میں وہم پیدا کرنے کیلئے ایسی بات کہتے ہیں جس کا انہیں علم نہیں کہ وہ احادیث ہیں جو مسلمانوں نے وضع کی ہیں اور ان کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے یہ کذب و افتراء ہے اور حقائق کو غلط رنگ میں پیش کرنا ہے۔ اگر اس یہودی مستشرق کا مقصد یہ ہے کہ زندیق، بے دین اور بعض راویوں نے جو کہ اسلام کی طرف منسوب ہیں احادیث وضع کی ہیں تو وہ خود اور اس کے ساتھی یہ بات جانتے ہیں کہ محدثین نے صحیح احادیث کو جھوٹی احادیث سے الگ کر دیا اور دنیا میں ایسی کوئی حدیث نہیں پائی جاتی جس کی محدثین نے ہر طرح سے چھان پھٹک نہ کی ہو اور اس کی حقیقت کو نہ جانا ہو۔ انہوں نے موضوعات اور ضعیف حدیثوں کو الگ خاص کتابوں میں لکھ دیا ہے۔

مسلمانوں کو اس بات سے باخبر ہونا چاہیے کہ اعدائے اسلام مستشرقین کو یہ بات گراں گذرتی ہے کہ یہ بابرکت دولت مسلمانوں کے اندر مقبول رہے۔ اس لئے وہ ہمیشہ باطل، جھوٹی اور موضوع روایات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں جن کا محدثین

قطعی طور پر اقرار نہیں کرتے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ حق کو اپنی شیطانی سازشوں میں چھپاویں لیکن الحمد للہ یہ ان کا زعم باطل ہی رہے گا۔

اعتراض نمبر ۲: احادیث محض متاخرین ہی نے وضع نہیں کیں بلکہ صحابہ اور تابعین نے بھی وضع کیں۔ ان کے اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ہے اور امت مسلمہ میں سے کوئی بھی اس کی تائید نقلی طور پر نہیں کرتا۔ صحابہ کی عدالت پر جمہور اہل سنت کا اتفاق ہے۔ ان کے ہاں تمام اصحاب عادل ہیں خواہ وہ آپس کی جنگوں میں شامل ہوئے یا نہ ہوئے۔

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم پہلے مہاجرین کی فضیلت کے قائل ہیں پھر اس کے بعد اہل عقبہ، اہل بدر، پھر باقی جنگوں میں شامل ہونے والے تمام ایمان و ہدایت پر تھے اور اہل جنت میں سے تھے (۴۵۰)۔

قرآن کی بہت سی آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان کے اعلیٰ درجے پر تھے۔ اسی طرح سے بہت سی احادیث بھی انکی عدالت، ان کے ایمان کے اعلیٰ درجے اور فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ تمام احادیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہر قسم کی خوبی پائی جاتی تھی۔ انہیں سے ہی احادیث مروی ہیں اور یہ تمام صدق، دیانت، امانت اور شرافت میں اعلیٰ درجے پر تھے۔ منافقین اور جھوٹے لوگوں کے متعلق کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ وہ احادیث کے راوی تھے ان کے بارے میں نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کو علم تھا۔

کتب احادیث میں ایسی ایک بھی حدیث نہیں ملے گی جس میں صحابہ کرام کے زمانے میں کسی مشکوک آدمی کی روایت ہو بلکہ اکابر صحابہ سے ہی روایات ہیں پھر یہ دعویٰ کیسے کر دیا گیا کہ صحابہ کرام یہ احادیث وضع کرتے تھے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین کی حیثیت بعض اوقات ضعیف بھی ہے لیکن ایسے آدمی محدثین کے ہاں احادیث میں متروک ہیں اور وہ ان کی خود وضاحت کر دیتے ہیں۔ امام الشعمی (ت ۱۰۴ھ)، سعید بن مسیب، سعید بن القطان اور امام زہری رضی اللہ عنہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے زمانے کے تابعین کی خوب چھان پھٹک کی۔ یہ تمام چیزیں مسلمانوں کی معروف کتابوں کے اندر موجود ہیں۔ وہ تابعین جو ہمارے لئے احادیث بیان کرتے ہیں ان کا دین، ایمان، دیانت اور صداقت مسلم ہے۔ جس آدمی کا ضمیر زندہ ہو، وہ اگرچہ یہودی ہی ہو اس قسم کا الزام نہیں لگا سکتا لیکن گولڈ زیہر جیسے متعصب آدمی سے ہر چیز کی توقع ہے۔

اعتراض نمبر ۳: اسلام میں مختلف فرقوں کے افراد نے اپنے فرقوں کی تائید میں احادیث وضع کر کے

ان کو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کر دیا۔

یہ الزام کہ لوگوں نے اپنے مذاہب کی تائید کیلئے احادیث گھڑیں، ایسا کلام ہے جس میں چشم پوشی، حقائق کو چھپانا اور تجاہل عارفانہ سے کام لیا گیا ہے کیونکہ محدثین نے ان تمام چیزوں کو خود سامنے رکھا ہے۔ اس کے لئے چند باتیں ملاحظہ ہوں:

الف: مسلمان اس بات کے معترف ہیں کہ بعض کمزور ایمان اور متعصب لوگوں نے اپنے فرقے کی تائید کیلئے حدیثیں وضع کیں۔ لیکن ان تمام احادیث اور وضع کرنیوالوں کو محدثین نے خود عریاں کر دیا اور یہ تمام باتیں کتب جرح و تعدیل اور موضوعات کی کتب میں موجود ہیں۔ جیسے نصب الراية۔

ب: کتب فقہ، حدیث کی کتابیں نہیں ہیں۔ حدیث کی کتابیں تو مشہور ہیں۔ اگر کوئی حدیث کو تلاش کرنا چاہے تو اس کو کتب حدیث دیکھنی چاہیے جو کہ ان کے اصلی مصدر ہیں۔ محدثین نے ان تمام احادیث کی حیثیت کو واضح کر دیا جو کہ فقہاء کی کتب کے اندر موجود ہیں۔ جیسے نصب الراية۔

ج: اگر کوئی ضعیف یا موضوع حدیث سے دلیل پکڑے تو اس کو رد کر دیا جائے۔
د: محدثین اور فقہاء میں اختلافات خواہشات نفس کی بنا پر نہیں تھے کہ وہ احادیث وضع کرتے بلکہ اس کے اسباب میں یہ بات شامل تھی کہ پیغمبر ﷺ نے وہ فعل مختلف طریقوں سے انجام دیا۔ جس نے جس طریقے سے دیکھ لیا اس نے ویسے ہی بیان کر دیا۔ بعض اوقات نبی ﷺ نے کسی کام کو دو طریقوں سے کیا تا کہ دونوں طرح سے اس کی جواز کی صورت ہو۔ بعض اوقات پہلا حکم منسوخ ہوتا ہے اور بعد میں آنے والا حکم ناسخ ہوتا ہے۔

یہ اختلاف عقائد، امور دین اور ارکان اسلام میں نہیں بلکہ صرف فروعات میں تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بعض حدیثوں میں موجود اختلافات اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ وہ گھڑی ہوئی ہیں اور انہیں اصحاب مذاہب نے گھڑا ہے بلکہ اس کے علمی اسباب ہیں جن کو تمام اہل علم امام جانتے ہیں۔
اعتراض نمبر ۴: محدثین کے ہاں تنقید کا دائرہ سمٹ کر سند تک محدود ہو گیا ہے۔ اس لئے بہت سی غیر صحیح احادیث ان کے نقد کے بعد بھی صحیح قرار پا گئی ہیں۔

یہ اتہام کہ محدثین اپنی تنقید کو صرف سند تک محدود رکھتے ہیں۔ بطور مثال غاستون ویت لکھتا ہے کہ محدثین سنت کے علم کو سند تک محدود رکھتے ہیں یعنی راویوں کی پہچان، ان کی ملاقات اور بعض کا بعض سے سماع وغیرہ، پھر وہ کہتا ہے کہ بعض راویوں نے زبانی احادیث نقل کیں اور حفاظ نے

ان کی جمع و تدوین کر دی۔ اور انہوں نے متن کی چھان پھٹک نہ کی لہذا ہمیں یقین نہیں کہ جو حدیث ہم تک پہنچی ہے وہ پیغمبر ﷺ سے مروی ہے یا اس میں راویوں میں سے کسی نے اپنی حسن نیت سے اضافہ کر دیا ہے (۲۵۱)۔

جب ایک منصف مزاج انسان ان مباحث کو دیکھتا ہے جو کہ محدثین نے اصطلاح حدیث کے بارے میں لکھے ہیں تو اسے معلوم ہوگا کہ سند حدیث کے ساتھ ساتھ متن حدیث کی بھی بہت چھان پھٹک کی گئی ہے اور اس پر بہت غور و خوض کر کے لکھا گیا۔ بلکہ یہ ایک الگ علم ہے جس پر محدثین نے گفتگو کی ہے۔ محدثین، سند اور متن دونوں کو دیکھ کر ہی احادیث کا فیصلہ کرتے تھے۔ اگر کوئی آدمی صحیح حدیث کی تاریخ پڑھے تو اس میں شاذ اور علت کا لفظ موجود ہے جو کہ نقد متن بھی ہے اور نقد سند بھی۔ اسی طرح سے کوئی حدیث حسن لذاتہ سے صحیح لغیرہ کے درجہ پر جاتی ہے تو اس میں متن کو بھی سند کے ساتھ زیر غور لایا جاتا ہے۔ اس لئے علماء حدیث نے حسن اسناد یا صحیح الاسناد اور حدیث حسن صحیح میں فرق کیا ہے کیونکہ کبھی حسن الاسناد متن کے بغیر ہوتی ہے۔ اسی طرح سے مقلوب کی بھی دو قسمیں ہیں۔ مقلوب متن اور مقلوب سند۔ اسی طرح سے موضوع حدیث کو جاننے کے لیے متن کو بھی سامنے رکھنا ہوتا ہے۔ اس کا بہت سی کتب حدیث میں ذکر موجود ہے (۲۵۲)۔

محدثین کے ہاں مراہیل صحابہ مقبول ہیں اگرچہ ان میں علم انقطاع سند ہوتا ہے۔ یہ اس لیے کہ جس متن کو صحابی بیان کرے وہ خود ساختہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین عادل ہیں (۲۵۳)۔

ان حقائق کو سامنے رکھ کر یہ الزام کیسے لگایا جاسکتا ہے کہ محدثین نے نقد سند کے ساتھ نقد متن کا اہتمام نہیں کیا۔

اعتراض نمبر ۵: علمائے اسلام نے ایسی احادیث وضع کیں جن سے حکام کی مخالفت ہوتی تھی۔

یہ دعویٰ کہ علمائے اسلام نے وہ حدیثیں وضع کی ہیں جن سے اموی حکمرانوں کی مخالفت محسوس ہوتی تھی حقائق سے قطعی چشم پوشی ہے۔ کیونکہ جن علماء نے حدیث نبوی کی خدمت کی ہے اور انہیں کتب میں جمع کیا ان میں اور اموی حکمرانوں میں کوئی مخالفت نہیں تھی۔ اموی حکمران اس بات سے مستغنی تھے کہ وہ علماء کو اپنے خلاف کریں جس طرح کہ حدیث کے مشہور علماء کو بھی اس بات کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اموی حکمرانوں کی مخالفت کرتے اور اگر کوئی ایسی چیز پیدا ہوئی بھی جیسے سعید بن مسیب اور عبدالملک کے درمیان یا حجاج بن یوسف کا بنو امیہ کے مخالفین پر ظلم ایسی چیزیں نہیں تھیں جو احادیث کو وضع کرنے پر مجبور کرتیں۔

اموی حکمرانوں، امامت علی کے معتقدین اور خوارج کے درمیان دشمنی کے اسباب تاریخ میں محفوظ ہیں۔ کیا کوئی مستشرق یہ ثابت کر سکتا ہے کہ جن لوگوں نے جمع و تدوین حدیث کا کام کیا وہ خوارج یا علوی تھے۔ جبکہ تدوین حدیث کا کام کرنے والوں کے احوال زندگی محفوظ ہیں۔

امام زہری، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، حسن بصری اور لیث بن سعد وغیرہ بہت سے لوگ کوفہ، شام، یمن اور بغداد میں تھے۔ کیا کوئی مستشرق یہ ثابت کر سکتا ہے کہ ان کی اموی حکمرانوں سے کوئی مخالفت تھی اور ان محدثین کی جماعت سے کسی جھوٹ کا ظہور ہو سکتا تھا؟ یا ان کا مقصد درہم و دینار کا حصول تھا؟ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ان کی مخالفت تھی تو کیا وضع حدیث کے علاوہ دشمنی کیلئے کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بہتان کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۶: مسلمان حکمرانوں نے اپنے سیاسی افکار کی تائید اور متقی افراد کو خاموش کرنے کیلئے احادیث وضع کیں۔

یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ کتب احادیث میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جو کہ عبدالملک یا یزید یا ولید بن عبدالملک یا کسی اور اموی حکمران کے واسطے سے روایت کی گئی ہو بلکہ ان کے راوی دیگر محدثین ہیں۔ ان کے اور ان راویوں کے احوال زندگی کتب رجال میں محفوظ ہیں۔ اور محدثین ایسے کسی شخص سے روایت قبول نہیں کرتے تھے جس کا رجحان گناہ کی طرف ہو یا جس کی عدالت میں نقص ہو۔ اسی طرح گولڈزیہر نے بعض اموی خلفاء پر ایسے الزامات لگائے ہیں جن سے احادیث کی مخالفت کا پہلو نکلتا ہے وہ بھی محض الزامات ہیں (۴۵۴)۔

کتب حدیث میں ایسی کسی روایت کی نشاندہی نہیں ہوتی جو حکمرانوں نے متقی لوگوں کو خاموش کرنے کے لیے وضع کی ہوں اور زیر بحث دور کا ایسا کوئی متقی شخص جاہل نہیں تھا جس کو موضوع حدیث کا پتہ ہی نہ چل سکا ہو۔

اعتراض نمبر ۷: حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو ایسی احادیث ضائع کرنے کا حکم دیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تائید کرتی تھیں اور ان احادیث کو پھیلانے کا حکم دیا جو ان کی حکومت کی تائید میں تھیں۔

یہ اتہام بھی غلط ہے اور اس کو غلط طریقے سے پیش کیا گیا ہے کہ وضع حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حصہ لیا۔ گولڈزیہر اس کے لئے دلیل پیش کرتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے کہا ”علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینے میں سستی سے کام نہ لو۔ حضرت عثمان کیلئے خدا کی رحمت طلب کرو اور اصحاب علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہو۔ ان کی احادیث کا مقابلہ کرو۔ اس کے برخلاف

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور آل عثمان رضی اللہ عنہ کی مدح کرو۔ ان کا قرب حاصل کرو اور ان کی باتیں سنو۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی لکھتے ہیں کہ گولڈ زیہر کی اس دلیل پر غور کریں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے عامل سے یہ کہنا کہ اصحاب علی رضی اللہ عنہ کو مرعوب کریں اور آل عثمان رضی اللہ عنہ کو مقرب بنائیں اس میں وضع حدیث کی کون سی دلیل نکلتی ہے (۲۵۵)۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے یہ نہیں کہا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں احادیث وضع کریں۔ ایسی کوئی حدیث نہیں ملتی جو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کی تائید میں روایت کی ہو اور کتب رجال میں ان کے احوال زندگی میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تائید والی حدیثوں سے روکا ہو۔

اعتراض نمبر ۸: عبدالملک بن مروان نے قبۃ الصخرہ کے گرد طواف کرنے کا حکم دیا (۲۵۶)۔

یہ الزام بھی درست نہیں ہے اور یہ گولڈ زیہر نے یعقوبی سے نقل کیا ہے (۲۵۷)۔ یعقوبی شیعہ مؤرخ ہے اس نے دیگر شیعہ حضرات کی طرح حقائق کو مسخ کرنے کیلئے ایسی روایات لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ کسی مؤرخ نے اس بات کو نہیں لکھا بلکہ ابن الاثیر اور ابن کثیر نے یہ لکھا ہے کہ قبۃ الصخرہ کو عبدالملک کے بعد اس کے بیٹے ولید بن عبدالملک نے بنایا اس سے اس قصہ کا باطل ہونا ظاہر ہو گیا (۲۵۸)۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے صحابہ اور تابعین میں سے کوئی بھی قبۃ الصخرہ کی تعظیم نہیں کرتا تھا وہ منسوخ قبلہ ہے (۲۵۹)۔ اگر اس قسم کا کوئی واقعہ ہوتا تو محدثین اور علماء اس پر خاموش نہ رہتے۔

اعتراض نمبر ۹: امام زہری نے یہ حدیث وضع کی ”لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد“ (تین مساجد کے علاوہ کسی طرف سفر کا قصد نہ کیا جائے)۔

یہ دعویٰ کہ امام زہری نے حدیث ”لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد“ (۲۶۰)۔ عبدالملک کے کہنے پر وضع کی، محض اتہام ہے۔ مستشرق پروفیسر ہوروٹس (Horovitz) نے اس بات پر تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ امام زہری وضع و افتراء سے بہت بلند تھے۔ بلکہ وہ خلیفہ عبدالملک کے مخالف رہتے تھے اور ان میں بعض اوقات تلخ کلامی بھی ہو جاتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث ”لا تشد الرحال“ اس نے وضع نہیں کی بلکہ ایمان کامل اور مکمل حافظے کے ساتھ روایت کی (۲۶۱)۔

یہ قول اس لئے نقل کیا گیا ہے تاکہ مستشرقین کے کلام کو اس (ہوروٹس) کے ذریعے سے رد کیا جائے ورنہ مسلمان اس حدیث کی صحت پر یقین رکھتے ہیں اور وہ امام زہری کے دامن کو تو وضع حدیث سے یہودی مستشرق کی پیدائش سے قبل بھی مبرا سمجھتے تھے اس لئے کہ یہ حدیث متعدد سندوں

سے کئی صحابہ سے مروی ہے۔ اور پھر ان صحابہ سے مختلف راویوں نے روایت کیا ہے اور ان میں سے ایک راوی امام زہری بھی ہیں۔

صحابہ میں سے یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اسی طرح ان سے آگے کئی راوی ہیں (۴۶۲)۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ اہل علم کا اس حدیث کی صحت پر اجماع ہے (۴۶۳)۔

اعتراض نمبر ۱: امام زہری رحمہ اللہ اموی حکمرانوں کی خواہش کے مطابق احادیث وضع کرتے تھے۔ یہ الزام کہ امام زہری امویوں کی رغبت کے مطابق حدیثیں گھڑ لیتے تھے، محض بہتان ہے۔ جو کوئی بھی امام زہری رحمہ اللہ کی سیرت و جرات کردار کے بارے میں جانتا ہے اس کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے کہ امام زہری رحمہ اللہ کی سیرت کا حدیث کی کتابوں میں مطالعہ کیا جاسکتا ہے (۴۶۴)۔

استشراتی فکر پر گولڈزیہر کے اثرات:

حدیث پاک کے متعلق جس مستشرق نے زیادہ شہرت حاصل کی ہے وہ مشہور یہودی مستشرق گولڈزیہر (Goldziher) ہے۔ مستشرقین کی اسلامی تحقیقات پر جتنا اثر انداز گولڈزیہر کا ہوا کسی دوسرے مستشرق کا نہیں ہوا۔

گولڈزیہر کے تدوین حدیث نبوی ﷺ پر اعتراضات اور ان کے جوابات:

- ۱۔ حدیث نبوی ﷺ کا ظہور مسلمانوں کے دینی، سیاسی اور اجتماعی تنازعات کے نتیجے میں ہوا جو پہلی اور دوسری صدی میں رونما ہوئے۔
- ۲۔ وضع حدیث کا سبب وہ بغض اور عداوت ہے جو اموی خلفاء اور علمائے دین کے مابین پائی جاتی تھی۔ علمائے مدینہ نے بنو امیہ سے انتقام لینے کے لئے حدیثیں وضع کرنے کی طرح ڈالی۔
- ۳۔ علماء نے دھرمیت، الحاد اور دینی احکام سے نفرت و بعد کا مقابلہ کرنے کیلئے حدیثیں وضع کیں۔
- ۴۔ علمائے مدینہ نے فضائل اہل بیت میں حدیثیں وضع کیں۔

۵۔ اموی خلفاء کو جب کسی بات کو پھیلانا ہوتا تو ایسی احادیث کا سہارا لیتے جو ان کے نظریات سے ہم آہنگ ہوتیں۔ ان احادیث کو یا تو خود وضع کرتے یا وضع کرانے کی دعوت دیتے۔
۶۔ اختلافی مسائل کے سلسلے میں اصحاب مذاہب نے حدیثیں وضع کی ہیں۔

۷۔ اموی خلفاء نے امام زہری کو حدیثیں گھڑنے کا حکم دیا تھا (۳۶۵)۔
گولڈزیہر کا پہلا اعتراض: حدیث نبوی ﷺ کا ظہور اور اشاعت مسلمانوں کے دینی، سیاسی اور اجتماعی تنازعات کے نتیجہ میں ہوا جو پہلی اور دوسری صدی ہجری میں رونما ہوئے۔

گولڈزیہر کے خیال میں آپ ﷺ کے عالم آخرت تشریف لے جانے کے وقت اسلام نا پختہ، نامکمل اور ناتمام تھا۔ اسلامی فتوحات کے نتیجے میں مسلمانوں کو ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑا جن کی تفصیلات قرآن و سنت میں نہیں تھیں۔ مسلمانوں نے قیاس اور استنباط کی مدد سے احکام وضع کئے۔

اس اعتراض کے جواب کے لئے تین دلائل پیش کرنا چاہتے ہیں:

۱۔ قرآن حکیم کی آخری آیت ہے ”اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا“ (۳۶۶)۔

۲۔ اسلام عصر اول میں کتنا پختہ تھا اس کے لئے مصطفیٰ سباعی کی یہ دلیل بہت مضبوط ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تہذیب و کمال کی بلندیوں پر فائز اپنے وقت کی دو عظیم مملکتوں قیصر و کسریٰ کا نظم و نسق سنبھالا تو ان کو ایسا امن نصیب ہوا جو قیصر و کسریٰ کے عہد میں نہ تھا (۳۶۷)۔

۳۔ اہل اسلام زمین کے دور افتادہ گوشوں تک پہنچے ان کی عبادت کا رنگ ڈھنگ، عقائد، عبادات اور معاملات میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ اگر احادیث نبوی ﷺ ابتدائی دو صدیوں کے انتشار کا نتیجہ ہوتیں تو افریقی مسلمانوں کی عبادت چینیوں سے مختلف ہوتی اور پھر قانون اور آداب و اطوار میں یکساں ہونے کا سوال ہی نہ پیدا ہو سکتا (۳۶۸)۔

اعتراض نمبر ۲: وضع حدیث کا سبب وہ بغض اور عداوت ہے جو اموی خلفاء اور علمائے دین کے مابین پائی جاتی تھی۔ علمائے مدینہ نے بنو امیہ سے انتقام لینے کے لئے حدیثیں وضع کرنے کی طرح ڈالی یہ بات درست ہے کہ اموی خلفاء خوارج اور علویہ کے سخت دشمن تھے۔ ان کے درمیان عداوت پائی جاتی تھی مگر خوارج اور علویہ نے حدیث نبوی ﷺ کی جمع و تدوین اور اس کی تنقید اور نقل کے ضمن میں کوئی خدمت انجام نہیں دی۔ حدیث نبوی کی خدمت کا سہرا درج ذیل علماء کے سر ہے: سعید بن

مسیب، ابوبکر بن عبدالرحمن، عبید اللہ بن عتبہ رحمہ اللہ، سالم رحمہ اللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ، سلیمان بن یسار رحمہ اللہ، قاسم رحمہ اللہ بن محمد بن ابی بکر، امام زہری، عطاء رحمہ اللہ، شعبی رحمہ اللہ، علقمہ رحمہ اللہ، حسن بصری رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ حدیث۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ تو کبھی بنو امیہ کے خلاف رہے نہ انہیں ان سے بغض و عداوت تھی (۴۶۹)۔

سعید بن مسیب اور عبدالملک کے تعلقات اس وقت متاثر ہوئے جب اس نے اپنے بیٹے ولید اور اس کے بعد سلیمان کی بیعت خلافت کا تقاضا کیا جو انہوں نے تسلیم نہ کیا اور فرمایا نبی ﷺ نے بیک وقت دو شخصوں کی بیعت سے منع فرمایا تھا۔ اسی طرح حجاج بن یوسف اور بعض علما کے تعلقات کی خرابی کی وجہ حجاج کی بنو امیہ کے دشمنوں پر سختی تھی۔ اس لئے نہیں کہ حجاج فاسق اور گمراہ تھا۔ حجاج نے ہی قرآن حکیم پر نقطے اور اعراب لگوائے۔ یہ وصف اسی شخص کا ہو سکتا ہے جو نہایت دیندار ہو الخضر گولڈزیہر کی علما سے مراد خوارج اور علوی علما ہیں تو انہوں نے حدیث کی جمع و تدوین میں حصہ ہی نہیں لیا۔

گولڈزیہر نے اپنی تصانیف ”دراسات اسلامیہ“ اور ”العقیدہ والشریعہ“ میں علمائے مدینہ پر الزام عائد کیا ہے کہ وہ وضاع حدیث تھے۔ مصطفیٰ سباعی اس کا جواب دیتے ہوئے یہ سوالات اٹھاتے ہیں:

۱۔ علمائے مدینہ نے وضع حدیث کا آغاز کیا تھا تو کیا اس وقت کچھ اور علماء مکہ، کوفہ، دمشق اور بصرہ میں موجود نہ تھے؟

۲۔ کیا تمام علاقوں کے علماء وضع حدیث میں شامل تھے؟

۳۔ کس مجلس میں جمع ہو کر انہوں نے وضع حدیث کی سازش تیار کی؟

۴۔ اہل مدینہ کی روایت کردہ احادیث ان سے کیونکر اخذ کی گئیں؟

۵۔ کیا علمائے اہل مدینہ کو علمائے وقت نے معتبہ ٹھہرایا؟

حقیقت یہ ہے کہ تمام علماء، اہل حجاز کی روایات کو زیادہ صحیح تصور کرتے تھے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ گولڈزیہر نے ابن مسیب کی عبدالملک کے ساتھ دشمنی کو تو وضع حدیث کا سبب قرار دیا ہے لیکن وہ ابن مسیب کی ایک روایت بھی اپنے دعوے کے ثبوت کے طور پر پیش نہ کر سکا۔ لہذا اس کا دعویٰ بے بنیاد ہے (۴۷۰)۔

اعتراض نمبر ۳: علماء نے دھرتی الحاد اور دینی احکام سے نفرت و بعد کا مقابلہ کرنے کے لئے حدیثیں وضع کیں۔

گولڈزیہر ہمارے علماء کے لئے وضع حدیث کا جواز پیش کرتا ہے لیکن ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کے مطابق: ”ایسی بات کہنے والا شخص ہمارے علماء کے اخلاق جلیلہ کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ وہ کذب و افتراء سے اس حد تک پاک ہو سکتا ہے جس حد تک ہمارے علماء حتیٰ کہ نجی زندگی میں بھی جھوٹ سے پاک تھے۔ ہمارے علماء نبی ﷺ پر افتراء پردازی کو جس نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس کا شہ بھی اس شخص میں موجود نہیں۔ بعض علماء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ آپ ﷺ پر جھوٹ باندھنے والا کافر اور واجب القتل ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی (۴۷۱)۔

کیسے ممکن ہے کہ سعید بن مسیب جیسا شخص مار کھانے اور ذلت و رسوائی کے لئے توتیار ہو مگر بیک وقت دو شخصوں کی بیعت اس لئے نہ کرے کہ یہ خلاف سنت ہے۔ پھر اس کے بعد سنت رسول ﷺ کے دفاع کے لئے دروغ گوئی کو جائز قرار دے۔

اعتراض نمبر ۴: علمائے مدینہ نے فضائل اہل بیت میں حدیثیں وضع کیں:

پہلی دلیل اس ضمن میں یہ ہے کہ اہل بیت کی مدح و ستائش میں حدیثیں وضع کرنے کی بجائے علماء نے حدیثیں گھڑنے والوں کا مقابلہ کیا اور وضع حدیث کی تحریک کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر علمائے مدینہ نے حدیثیں گھڑی تھیں تو انہیں شیعہ کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کی بجائے ان کے ساتھ مل جانا چاہیے تھا لیکن انہوں نے ایسا کیوں نہیں کیا (۴۷۲)۔

اعتراض نمبر ۵: اموی خلفاء نے وضع حدیث میں حصہ لیا:

پہلی دلیل: اگر اموی خلفاء نے حدیثیں وضع کیں تو ان کی وضع کردہ احادیث کہاں گئیں، علمائے حدیث، حدیث کے ساتھ سند بھی بیان کرتے ہیں۔ احادیث صحیحہ کی اسانید کتب حدیث میں محفوظ ہیں۔ کسی حدیث کی سند میں عبدالملک یا یزید یا ولید یا ان کے کسی عامل اور حاکم کا نام کیوں نہیں ملتا؟ دوسری دلیل: اگر حدیثیں وضع نہیں کی تھیں اس کی دعوت دی تھی تو اس کی دلیل کیا ہے؟ (۴۷۳)

اعتراض نمبر ۶: اختلافی مسائل کے سلسلے میں اصحاب مذاہب نے حدیثیں وضع کیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ احادیث میں اختلافات موجود ہیں۔ ان اختلافات کے اسباب وہ ہیں جو علمائے حدیث نے بتائے ہیں مثلاً:

۱۔ آپ ﷺ نے ایک کام کو مختلف طریقوں سے انجام دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنا اپنا مشاہدہ ذکر کر دیا۔ مثلاً وتر کی تعداد میں اختلاف ہے۔

۲۔ آپ ﷺ کا حال دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو سمجھتے وہ بیان کر دیتے مثلاً آپ ﷺ کے حج کے بارے میں صحابہ کا اختلاف۔ ہر صحابی نے اپنی سمجھ کے مطابق ذکر کیا جب کہ

حج میں افراد یا قرآن یا تمتع کا پتہ تو نیت سے چلتا ہے جو پوشیدہ چیز ہے۔
 ۳۔ ایک حکم کا دوسرے حکم کے لیے ناسخ ہونا اور صحابی کو ناسخ کا پتہ نہ چلے اور وہ روایت کر دے جس طرح سے سنے۔ اختلاف کے اگرچہ اور بھی اسباب ہیں۔ محدثین نے حدیث میں پیدا ہونے والے اختلاف اور ان کے اسباب کے ساتھ ساتھ اگر اختلاف کا موجب و محرک وضع حدیث تھا تو وہ بیان کر دیا اور جہاں کوئی اور بات تھی وہ بھی ذکر کر دی۔ اس موضوع پر علماء کی قابل قدر کتب موجود ہیں۔ لہذا ان اختلافات کی بنیاد پر حدیث کو موضوع قرار دینا غلط اور بے بنیاد ہے (۴۷۴)۔

اعتراض نمبر ۷: اموی خلفاء نے امام زہری کو حدیثیں گھڑنے کا حکم دیا تھا۔
 گولڈزیہر کہتا ہے کہ بنو امیہ نے وضع حدیث کے سلسلے میں امام زہری جیسے لوگوں سے کام لیا تھا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے امام زہری رحمہ اللہ پر الزام کے حوالے سے تین سوالات اٹھا کر ان کا جواب دیا ہے۔

۱۔ امام زہری رحمہ اللہ کو اموی خلفاء کی خواہشات کی پیروی کی ضرورت کیا تھی؟ کیا وہ مال کے طلبگار تھے۔ گولڈزیہر اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ زہری ایسے آدمی نہ تھے جن کو مال سے خریدا جاسکے۔

۲۔ کیا زہری جاہ و منصب کے خواہاں تھے؟
 گولڈزیہر اس امر میں اتفاق کرتا ہے کہ پوری ملت اسلام زہری کو عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ پھر اس کے بعد آخرا نہیں اور کون سے منصب کی تلاش تھی۔ زہری شرع کے پابند اور جری انسان تھے۔ تو پھر وہ اتنے کم عقل کیسے ہو سکتے تھے کہ اپنا دین بنو امیہ کے پاس فروخت کر دیتے اور مسلمانوں میں جو عزت انہیں حاصل تھی اسے فروخت کر دیتے۔
 ۳۔ جرح و تعدیل کے علماء ان کے بارے میں کیوں خاموش رہے۔ جب کہ ان میں احمد بن حنبل، یحییٰ ابن معین، بخاری، مسلم اور ابن ابی حاتم جیسے محدثین شامل تھے جو کسی ملامت کی پرواہ نہ کرتے۔ پھر وہ ایسے شخص کو کیسے معاف کر سکتے تھے جو اموی دور کے سرکردہ اور مشہور لوگوں میں سے تھے۔ اموی خلفاء سے تعلق رکھنے کے باوجود عباسی خلافت کے علمائے جرح و تعدیل کے زہری کی توثیق و تائید کرنے میں اس بات کی زبردست دلیل موجود ہے کہ زہری شک و شبہ سے بالاتر اور کذب اور وضع کی جانب میلان و رجحان رکھنے سے پاک تھے (۴۷۵)۔

مستشرقین کے اثرات:

مستشرقین کے اثرات یوں تو دنیا بھر کے مسلمانوں پر مرتب ہوئے لیکن خاص طور پر مصر اور ہندوستان کے مسلمانوں پر ان کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں سرسید احمد خان ان افکار سے متاثر ہونے والے پہلے شخص ہیں۔ ان کے بعد علامہ مشرقی، حافظ اسلم جیراچپوری اور غلام احمد پرویز اس مسلک کو لے کر آگے چلے۔

مصر میں گولڈزیہر کی کتاب کا ”العقیدہ والشریعتہ فی الاسلام“ کے نام سے عربی میں ترجمہ ہوا۔ اسے عبدالعزیز، عبدالحق، ڈاکٹر علی حسن، عبدالقادر اور محمد یوسف موسیٰ نے عربی میں منتقل کیا اور یوں گولڈزیہر کے خیالات کے اثرات عربی حلقوں میں نظر آنے لگے۔ احمد امین نے ”فجر الاسلام“ اور ابوریہ نے ”الاضواء علی السنۃ المحمدیہ“ میں ان اثرات کو زیادہ مرتب انداز میں پیش کیا ہے جو کہ مستشرقین کی خوشہ چینی ہے۔

مستشرقین استعماری مقاصد کی تکمیل کے لئے جو کام کرتے رہے اور اس کے لئے جہاں نام نہاد مسلمان دانشور اپنی فکری کج روی اور مرعوبیت کے باعث مسلمانوں کی فکری بنیادیں متزلزل کرنے میں مصروف عمل رہے ہیں۔ وہیں ان کی تحریروں کے جواب میں لٹریچر بھی تیار ہوا ہے۔ گولڈزیہر اور اس کے متاثرین کے سلسلے میں ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کی کتاب ”السنۃ ومکانتھا فی التشريع الاسلامی“ حجت ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں گولڈزیہر اور شاخست کے نظریات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ ان کا مقالہ (Early studies in hadith literature) کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کا عربی میں ترجمہ ”دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینہ“ کے نام سے بھی ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر اعظمی نے ان محققین کے مغالطوں کا جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے شاخست کی کتاب (origins of Muhammad Jurisprudance) کے جواب میں تنقیدی جائزہ لیا اور کتاب لکھی جس کا نام On schachts origins of Muhammad Jurisprudance ہے۔ ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی نے اس موضوع پر اس سے قبل Hadith literature لکھی ہے۔



مولانا امین احسن اصلاحی کا نظریہ حدیث

برصغیر پاک و ہند کے معروف دینی سکالر مولانا امین احسن اصلاحی ہجری ۱۴۰۲ سال ۱۵ دسمبر ۱۹۹۷ء کو لاہور میں انتقال فرما گئے۔

آپ نے مولانا حمید الدین فراہی، مولانا عبدالرحمن نگرانی اور مولانا عبدالرحمن مبارکپوری شارح ترمذی (تحفۃ الاحوذی) جیسے ماہر اساتذہ سے مختلف علوم و فنون میں درک حاصل کیا۔ مولانا ابو الحسن ندوی، مولانا منظور احمد نعمانی جیسے نامور لوگوں کے ساتھ سید مودودی کی رفاقت اختیار کی۔ طویل عرصہ تک ان کے دست راست اور نائب امیر کے طور پر کام کیا۔ جماعت اسلامی سے جنوری ۱۹۵۸ء میں حتمی طور پر علیحدہ ہو گئے (۴۷۶)۔ بعد ازاں آپ نے اپنے استاد گرامی کی فکر کو آگے بڑھانا زندگی کا مشن قرار دیا اور باقی ماندہ عمر فکر فراہی کی نشر و اشاعت میں گزاری۔ اس کے لیے تدبر قرآن کی صورت میں نو ضخیم جلدوں پر مشتمل اردو تفسیر عرصہ ۲۱ سال میں مکمل کی (۴۷۷)۔ ”مبادی تدبر قرآن“ اور ”مبادی تدبر حدیث“ جیسی اصولی، حقیقت دین جیسی نظریاتی اور ”تزکیہ نفس“ جیسی اصلاحی، ”دعوت دین اور اس کا طریق کار“ جیسی تبلیغی و دعوتی، ”اسلامی ریاست اور اسلامی قانون کی تدوین“ جیسی فقہی، ”اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام“ اور ”قرآن میں پردے کے احکام“ جیسی معاشرتی امور سے متعلقہ کتب بطور یادگار چھوڑیں۔

آپ کا علمی مقام بلند اور عمر طویل تھی اس لیے مختلف اسلامی موضوعات پر آپ کے کاموں کا سلسلہ بھی وسیع تھا۔ اس وقت آپ کے جملہ علمی کاموں کا جائزہ لینا مقصود نہیں بلکہ صرف مولانا کے نظریہ حدیث کے حوالے سے چند امور کی نشان دہی مطلوب ہے۔

قرآن مجید سے خصوصی شغف رکھنے اور مولانا فراہی صاحب سے علوم قرآنی میں خوب استفادہ کے بعد صاحب ”تحفۃ الاحوذی شرح سنن للترمذی“ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری سے خصوصی استدعا کے ساتھ اصول حدیث میں شرح نخبۃ الفکر اور متن حدیث میں ترمذی شریف پڑھی (۴۷۸)۔ ان کے اپنے الفاظ میں ”تا کہ حدیث سمجھنے کا سلیقہ سیکھوں“ اور اس کے لیے روزانہ گھنٹوں کی پڑھائی

کے علاوہ پیدل ۴ میل آنے جانے کا سفر بھی طے کرتے تھے (۴۷۹)۔

تذکرہ قرآن سے فراغت پانے پر تدریس حدیث کا سلسلہ سال ہا سال تک جاری رکھا۔ اس میں مؤطا امام مالک اور ”مسلم شریف“ مکمل پڑھائیں۔ جب کہ صحیح بخاری مکمل نہ کر سکے۔

حدیث سے متعلق مولانا کا عام رویہ:

مولانا امین احسن اصلاحی حدیث نبوی کے حوالے سے اصول حدیث اور محدثین کی کوششوں کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کرنے والے نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی اصول حدیث و اخبار آحاد کی تعریف و توصیف کرتے نظر آتے ہیں اور کبھی مشہور احادیث کا انکار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اپنی کتاب ”اسلامی قانون کی تدوین“ میں لکھتے ہیں: ”نمازوں کے اوقات کیا ہیں؟ نمازیں کتنی بار پڑھی جائیں اور کس طرح پڑھی جائیں؟ مختلف چیزوں پر زکاۃ کی مقدار کیا ہو؟ روزوں کی عملی شکل و صورت کیا ہے؟ حج کے مناسک کیا ہیں؟ وہ کس طرح ادا کیے جائیں؟ مسلمانوں کے لیے ظاہری شکل و صورت میں کیا چیزیں امتیاز اور شعار کی حیثیت رکھتی ہیں؟ اسلامی معاشرے میں کیا چیزیں امتیازی خصوصیات کی حیثیت رکھتی ہیں؟ اسلامی نظام کی عملی شکل کیا ہوتی ہے؟ اور اس طرح کے جتنے مسائل بھی ہیں ان میں سے کون سی چیز ہے جو امت کے عملی توازن نے ہم تک منتقل نہیں کی ہے؟۔ یہ ساری چیزیں ہم نے صرف حدیث کی کتابوں ہی سے نہیں جانی ہیں بلکہ جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے مختلف طریقوں سے اور اتنے مختلف طریقوں سے جانی ہیں کہ ان کا انکار کرنا یا ان کو مشتبہ اور مشکوک ٹھہرانا بالکل ہدایت کا انکار کرنا اور ایک ثابت اور قطعی حقیقت کو جھٹلانا ہے۔ کتب حدیث کا احسان یہ ہے کہ ان کے ذریعے یہ چیزیں تحریر میں بھی آ گئیں اور اس طرح تحریر میں آ گئیں کہ انسانی ہاتھوں سے انجام پاتے ہوئے کسی کام میں زیادہ سے زیادہ جو احتیاط ممکن تھی وہ ان کے ضبط و تدوین کے معاملے میں ملحوظ رکھی گئی ہے“ (۴۸۰)۔

انکار کرنے پر آتے ہیں تو مشہور و متواتر روایات کا بھی انکار کر جاتے ہیں۔ مثلاً احادیث رجم جو کہ ۳۴ صحابہ کرام سے مروی ہیں اور انہیں کثرت طرق و صحت مضمون کی بنیاد پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، امام شوکانی رحمہ اللہ، مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ، امام رازی رحمہ اللہ، امام نووی رحمہ اللہ، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ میں سے بعض اقرار صحت اور بعض متواتر کا حکم لگاتے ہیں“ (۴۸۱)۔



مولانا اصلاحی صاحب کا سنت کا نیا مفہوم متعین کرنا اور اس کی مناسبت سے احادیث سے بعد کی راہ دکھلانا

مولانا کے خیال میں سنت سے مراد نبی ﷺ سے صرف ثابت شدہ اور معلوم طریقہ ہے۔ جس پر آپ ﷺ نے بار بار عمل کیا جس کی آپ ﷺ نے پابندی فرمائی ہو جس کے حضور ﷺ عام طور پر پابند رہے ہوں۔ جبکہ حدیث ہر وہ قول و فعل یا تقریر ہے جس کی روایت نبی ﷺ کی نسبت کے ساتھ کی جائے (۳۸۲)۔

جبکہ محدثین اور فقہاء کے ہاں سنت اور حدیث باہم مترادف ہیں۔ چنانچہ الجزاری لکھتے ہیں ”اما السنة فتطلق على الاكثر على ما اضيف الى النبي ﷺ من قول او فعل او تقرير فهي مرادفة للحدیث عند علماء الاصول“ (۳۸۳) (سنت کا اطلاق زیادہ تر اس چیز پر ہوتا ہے جس کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف ہو، قول ہو یا فعل یا تقریر، علمائے اصول کے ہاں یہ حدیث کے مترادف ہے)۔

صاحب مسلم الثبوت کے نزدیک ”السنة لغة العادة وههنا ما صدر عن رسول الله ﷺ غير القرآن من قول او فعل او تقرير كذا في شرح المختصر“ (۳۸۴) (لغت میں سنت کے معنی عادت کے ہیں لیکن یہاں (یعنی فن حدیث کی اصطلاح میں) وہ چیز جو آنحضرت ﷺ سے قرآن کے علاوہ قول، فعل یا تقریر کی صورت میں مروی ہو)۔

امام شاطبی نے سنت کو نقل سے مخصوص کیا ہے۔ ”يطلق لفظ السنة على ما جاء منقولاً عن النبي ﷺ على الخصوص مما لا نص عليه في الكتاب العزيز“ (۳۸۵) (سنت کے لفظ کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو آنحضرت ﷺ سے منقول ہو خاص طور پر وہ چیز جس پر کتاب عزیز کی نص نہ ہو)۔

اسی طرح صاحب نور الانوار لکھتے ہیں ”السنة تطلق على قول الرسول وفعله

وسکوتہ و علی اقوال الصحابة و افعالهم“ (۲۸۶) (سنت کا اطلاق قول رسول، فعل اور آپ ﷺ کی خاموشی پر ہوتا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال اور افعال پر ہوتا ہے)۔

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”فاما معناها شرعا فی اصطلاح اهل الشرع فھی قول النبی و فعله و تقریرہ“ (۲۸۷) (اہل شرع کی اصطلاح میں سنت کا شرعی معنی نبی ﷺ کا قول، فعل اور تقریر ہے)۔

نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں: ”فھی قول النبی و فعله و تقریرہ“ (۲۸۸) (سنت کا اطلاق نبی ﷺ کے قول، فعل اور تقریر پر ہوتا ہے)۔

مولانا عبدالحی لکھنوی ابن ملک کی کتاب ”شرح منار الاصول“ کے حوالے سے فرماتے ہیں: ”ان السنة تطلق علی قول رسول الله و فعله و تقریرہ“ (۲۸۹) (سنت کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر پر ہوتا ہے)۔

(مذکورہ بالا تعریفوں کے علاوہ دیگر آئمہ حدیث و فقہاء کی کتب میں سنت کو حدیث کے مترادف ہی بیان کیا گیا ہے اور سنت کو آپ کے مواظبت کے ساتھ اختیار کردہ اعمال کے دائرے میں سکیڑا نہیں گیا۔ کیونکہ اس سے سنت کا دائرہ بالکل محدود ہو کر رہ جائے گا اور احادیث کا عظیم ذخیرہ اس شرط کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں ٹھہرے گا۔ علاوہ ازیں سنت کو حدیث کے مترادف مفہوم میں لیتے ہوئے ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی نے اپنی کتاب ”السنة و مکیانتها فی التشريع الاسلامی“ میں حدیث ہی کا دفاع کیا ہے۔ اسی طرح پیر کرم شاہ صاحب الازہری نے ”سنت خیر الانام“ میں بھی حدیث کا ہی دفاع کر کے سنت اور حدیث کو باہم مترادف گردانا ہے)۔

مولانا اصلاحی صاحب ”مبادی تدبر حدیث“ میں لکھتے ہیں: ”سنت کی بنیاد احادیث پر نہیں ہے جن میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا بلکہ امت کے عملی تواتر پر ہے۔ جس طرح قرآن قولی تواتر سے ثابت ہے اسی طرح سنت امت کے عملی تواتر سے ثابت ہے۔ مثلاً ہم نے نماز اور حج وغیرہ کی تفصیلات اس وجہ سے نہیں اختیار کیں کہ ان کو چند راویوں نے بیان کیا بلکہ یہ چیزیں نبی ﷺ نے اختیار فرمائیں۔ آپ ﷺ سے صحابہ کرام نے ان سے تابعین پھر تبع تابعین نے سیکھا اسی طرح بعد والے اپنے اگلوں سے سیکھتے چلے آئے۔ اگر روایات کے ریکارڈ میں ان کی تائید موجود ہے تو یہ اس کی مزید شہادت ہے۔ اگر وہ عملی تواتر کے مطابق ہے تو فیہا اور اگر دونوں میں فرق ہے تو ترجیح بہر حال امت کے عملی تواتر کو حاصل ہوگی۔ اگر کسی مخالف بلے میں اخبار آحاد ایسی ہیں کہ عملی تواتر کے ساتھ ان کی مطابقت نہیں ہو رہی ہے تو ان کی توجیہ تلاش کی جائے گی اگر

توجیہ نہیں ہو سکے گی تو انہیں مجبوراً چھوڑا جائے گا اس لئے کہ وہ ظنی ہیں اور سنت ان کے مقابل قطعی ہے (۴۹۰)۔

مولانا اصلاحی صاحب کی سنت کی جمہور سے ہٹ کر اپنی وضع کردہ تعریف سے قطع نظر سنت و حدیث کا باہم بیان کردہ فرق ناقابل فہم ہے۔ کیونکہ سنت کو قطعی یقینی بلکہ ثبوت کے اعتبار سے قرآن کی طرح یقینی مانتے ہیں اور احادیث کو ظنی کہہ کر رد بھی کر جاتے ہیں حالانکہ سنت یا حدیث اپنے صدور کے اعتبار سے دونوں ہی حجت ہیں۔ دونوں ہی قطعی ہیں ہم تک پہنچنے کے ذرائع کی صحت کی بناء پر ایک کی حجت میں اضافہ نہیں ہو سکتا اور ذرائع کے ضعف کی وجہ سے دوسری کی حجت ختم نہیں ہو سکتی کیونکہ دونوں کا صدور اس ہستی سے ہو رہا ہے جس کا دین کے بارے میں ہر قول وحی اور ہر فعل امت کے لئے اسوہ حسنہ ہے۔ ذرائع میں تواتر کی بناء پر دونوں میں ظنیت و قطعیت کے اعتبار سے فرق کا پہاڑ کھڑا نہیں کیا جاسکتا۔



مولانا کے ہاں اصول تفسیر میں سنت متواترہ اور احادیث کا مقام

”مبادی تدبر قرآن“ میں مولانا نے تفسیر کے چار قطعی اصول بیان فرمائے ہیں:

- ۱۔ ادب جاہلی
 - ۲۔ نظم قرآن
 - ۳۔ تفسیر القرآن بالقرآن
 - ۴۔ سنت متواترہ (۴۹۱)۔
- اور اس کے بعد بطور ظنی ماخذ احادیث کو قبول کرتے ہیں (۴۹۲)۔

مولانا کے ہاں عربیت اور ادب جاہلی کے مقابلے میں نہ صرف احادیث بلکہ سنت متواترہ بھی کمتر ہے اور ان کی قائم کردہ ترتیب میں سنت چوتھے نمبر پر ہے۔ نہ جانے قرآن فہمی کے چالیس سال کی طویل مدت میں مولانا آیت ”وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم“ (۴۹۳) کا مفہوم کیا سمجھے ہیں؟

”مؤطا امام مالک“، ”صحیح بخاری“ اور ”صحیح مسلم“ کو مولانا نے ”مبادی تدبر حدیث“ میں امہات فن میں شمار کیا ہے (۴۹۴)۔ رجم کے متعلق ان میں یہ روایت پائی جاتی ہے ”عن ابن عباس قال قال عمر اذا زنيا فارجموهما البتة“ (۴۹۵) (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب وہ دونوں (شادی شدہ) زنا کریں تو ان دونوں کو رجم کر دو)۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک روایت زیادہ واضح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”ان الله بعث محمداً بالحق وانزل عليه الكتاب فكان بما انزل آية الرجم فقرانها وعقلناها ووعيناها رجم رسول الله ﷺ ورجمنا بعده“ (۴۹۶) (اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان پر کتاب نازل کی۔ جو اتارا گیا اس میں آیت رجم تھی۔ ہم نے اسے پڑھا، سمجھا اور یاد کیا۔ رسول اللہ نے رجم کیا اور بعد میں ہم نے بھی رجم کیا)۔

جبکہ مولانا امین احسن اصلاحی کے اس روایت کے بارے میں تاثرات دل پر جبر کے ساتھ نقل کیے دیتا ہوں اور آپ بھی دل کے جبر کے ساتھ سنتے جائیں۔ فرماتے ہیں: ”اس روایت پر غور کیجئے تو ہر پہلو سے یہ کسی منافق کی گھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے“۔ آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

”بہر حال یہ روایت بالکل بے ہودہ روایت ہے“ (۴۹۷)۔ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے رجم کے حوالے سے من گھڑت روایتوں اور بلا دلیل فیصلوں سے انہیں ایک نہایت بد خصلت غنڈہ، شریف بہو بیٹیوں کا تعاقب کرنے والا بکرا یا سائڈ قرار دیا ہے (۴۹۸)۔ حالانکہ صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ ان کی توبہ کے بارے میں فرماتے ہیں ”ما توبة افضل من توبة ماعز انه لينغمس في انهار الجنة“ (ماعز کی توبہ سے بڑھ کر کوئی توبہ نہیں ہے وہ جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے)۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ”لقد تاب توبة لو قسمت بين امة لو سعتهم“ (اس نے ایسی توبہ کی ہے اگر قوم پر تقسیم کی جائے تو ان کے لئے کافی ہو جائے) (۴۹۹)۔ احادیث رسول ﷺ تو حسن خاتمہ کی گواہی دے رہی ہیں اور مولانا بد خصلت غنڈہ قرار دیتے ہیں۔ اب اعتبار کس کا کریں؟۔

نسخ قرآن بذریعہ احادیث میں مولانا اصلاحی کا نقطہ نظر:

جمہور محدثین و فقہاء کے ہاں حدیث نسخ قرآن ہو سکتی ہے لیکن مولانا کے خیال میں ”قرآن کے کسی حکم کو قرآن کے سوا کوئی دوسری چیز منسوخ نہیں کر سکتی۔ بعض فقہاء نے حدیث کو بھی قرآن کے لیے نسخ مانا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ مسلک صحیح نہیں“ (۵۰۰)۔ جبکہ نواب صدیق حسن نے ”حصول المامول من علم الاصول“ میں لکھا ہے کہ ”يجوز نسخ القرآن فالسنة المتواترة عند الجمهور وهو مذهب ابي حنيفة وعامة المتكلمين“ (۵۰۱) (جمہور کے نزدیک قرآن کا نسخ سنت متواتر سے جائز ہے۔ یہ ابو حنیفہ اور عام متکلمین کا مذہب ہے)۔

اسی طرح الشیخ الزرقانی نے ”مناهل العرفان“ میں طویل کلام کے بعد فیصلہ دیا ”هذا العرض يلحظ لنا ان نسخ القرآن بالسنة لا مانع يمنعه عقلا وشرعا“ (۵۰۲) (اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سنت سے قرآن کے نسخ کے لیے کوئی شرعی یا عقلی ممانعت نہیں ہے)۔ لیکن مولانا کی رائے جمہور کے خلاف ہے کہ وہ حدیث و سنت سے قرآن مجید کا نسخ جائز نہیں سمجھتے حالانکہ قرآن کی طرح حدیث و سنت بھی منزل من اللہ اور وحی ہونے کی بنا پر ایک دوسرے کے نسخ ہو سکتے ہیں۔ لیکن مولانا اصلاحی نے کھلے لفظوں میں کہیں حدیث و سنت کا منزل من اللہ ہونا بیان نہیں فرمایا اور قرآن کی سنت سے منسوخی کے مسئلہ میں جمہور سے ہٹ کر مسلک اختیار کرتے ہیں۔ جس سے ظاہری طور پر محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ہاں سنت منزل من اللہ نہیں ہے اسی لیے نسخ قرآن نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ حدیث و سنت کا منزل من اللہ ہونا قرآن سے واضح ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يسوخي“ (۵۰۳)۔ (وہ خواہش سے کلام نہیں کرتا وہ تو وحی ہے جو کی جاتی ہے)۔ منکرین حدیث کے

الزامات سے مرعوب اور تجدد زدہ اذہان کی پریشانی تو بجا ہے لیکن مولانا جیسے نامور عالم دین کا جمہور کی روش سے ہٹ کر مسلک اختیار کرنا بڑا حیران کن ہے۔ حالانکہ مولانا کے ہاں پائی جانے والے تو آخر عملی کی توضیح اور جمہور کی روش تقریباً مترادف بھی ہے۔ اس سے انکار چہ معنی وارد؟۔

مولانا اصلاحی اور احادیث کی تشریح:

مولانا احادیث کی تشریح بھی اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ حدیث ”امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ“ میں ”الناس“ سے مراد ”صرف بنی اسماعیل“ لیتے ہیں (۵۰۴)۔ کتاب الایمان میں امام بخاری رحمہ اللہ نے باب ”فان تابوا واقاموا الصلوۃ واتوا الزکاة فخلوا سبیلہم“ لکھ کر بعد ازاں یہ حدیث لکھی ہے ”عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال امرت ان اقاتل الناس حتی یشہدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمدًا رسول اللہ ویقیموا الصلاۃ ویؤتوا الزکاة فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماءہم وحسابہم علی اللہ“ (۵۰۵) (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ دیں جب وہ یہ کریں گے تو وہ مجھ سے اپنے خون اور مال بچا لیں گے سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہوگا)۔

اس حدیث کی شرح میں شارحین حدیث میں سے کسی نے ایسی تشریح نہیں کی جو مولانا اصلاحی صاحب کے موقف کی تائید کرے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس سے مراد مشرکین لیا ہے (۵۰۶)۔ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم، کتاب الایمان میں ”باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ ویقیموا الصلاۃ ویؤتوا الزکاة ویؤمنوا بجميع ما جاء به النبی ﷺ و من فعل ذلک عصم نفسه وماله الا بحقها وکلت سریرتہ الی اللہ، و قتال من منع الزکاة او غیرہا من حقوق الاسلام والاهتمام بشعائر الاسلام“ (۵۰۷) باندھ کر اس میں اس حدیث کے ساتھ اس جیسی چار اور حدیثیں مختلف سندوں سے بیان کی ہیں پھر اس کی شرح میں لکھا ہے ”قال الخطابی: ان المراد بهذا اهل الاوثان دون اهل الكتاب لانهم یقولون لا الہ الا اللہ“ (۵۰۸) (خطابی نے کہا اس سے مراد بتوں کے پجاری ہیں اہل کتاب نہیں ہیں کیونکہ وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں)۔

تفسیر قرآن میں مولانا اصلاحی کی حدیث سے بے اعتنائی:

سورۃ بقرہ کی آیت ”فان طلقها فلا تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ“ (۵۰۹) (اگر وہ طلاق دے دے تو اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے)۔

مولانا اصلاحی یہاں صرف عقد نکاح مراد لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں: ”حتی تنکح زوجا غیرہ“ میں نکاح کا لفظ ہمارے نزدیک عقد نکاح ہی ہے۔ جن لوگوں نے اس کو وطی کے معنی میں لیا ہے انہوں نے ایک غیر ضروری تکلف کیا ہے (۵۱۰)۔ جبکہ حضرت رفاعہ القرظی کی حدیث میں بخاری شریف میں صاف لفظ ہیں: ”لا حتی تذوق عسیلته ویذوق عسیلتک“ (۵۱۱) (نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ تو اس کا مزہ چکھے اور وہ تمہارا مزہ چکھے)۔ جمہور کے نزدیک عسیلہ سے مراد جماع ہے ”قال الجمہور العسیلہ کنایہ عن المجامعة“ (۵۱۲) (جمہور کہتے ہیں عسیلہ مجامعت سے کنایہ ہے)۔

اسی طرح سورہ کہف میں ہے ”فوجدنا عبداً من عبادنا“ (۵۱۳) (انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا)۔ مولانا اصلاحی فرماتے ہیں یہاں عبد سے مراد حضرت خضر ہیں اور جن حدیثوں میں ان کا نام خضر آیا ہے چونکہ ان حدیثوں کے انکار کی کوئی وجہ ہمارے پاس نہیں اس وجہ سے یہی نام اختیار کرتے ہیں (۵۱۴)۔

اس واقعہ سے قبل خود فرماتے ہیں اس سفر میں تربیتی سفر کی داستان بیان کی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک حضرت موسیٰؑ کے اس سفر کا یہی مقصد تھا۔ لیکن بعض مفسرین نے معلوم نہیں کہاں سے یہ فضول سی بات لکھ دی کہ نعوذ باللہ حضرت موسیٰؑ ترنگ میں آ کر کسی دن یہ کہہ بیٹھے کہ اس وقت مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بطور تادیب و تنبیہ ان کو اپنے ایک بندے کے پاس بھیجا کہ وہ دیکھ لیں کہ ان سے بھی بڑا ایک عالم موجود ہے (۵۱۵)۔ میرے خیال میں مندرجہ بالا بات خود مولانا صاحب نے ترنگ میں آ کر فرمائی ہے۔ مفسرین نے یہ بات صحیح احادیث سے لکھی ہے جس کا ذکر خود انہوں نے فرمایا: ”کہ حضرت خضرؑ کا نام احادیث میں آیا ہے۔ چنانچہ مولانا نے ”مبادی تدبر حدیث“ میں امہات فن کی کتب میں صحیح بخاری کا نام بھی شامل کیا ہے۔ اسی بخاری شریف کی روایت ملاحظہ ہو: ”حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا عمرو بن دینار قال أخبرنی سعید بن جبیر قال قلت لابن عباس: ان نولنا البکالی یزعم ان موسیٰ صاحب

الخضر لیس ہو موسیٰ صاحب بنی اسرائیل فقال ابن عباس کذب عدو الله حدثنی ابي بن کعب أنه سمع رسول الله ﷺ يقول ان موسى قام خطيباً في بني اسرائيل فسئل أي الناس أعلم؟ فقال: أنا فعتب الله عليه اذا لم يرد العلم اليه فادعى الله اليه ان لي عبداً بمجمع البحرين هو أعلم منك. قال موسى: يا رب فكيف لي به قال تاخذ معك حوتاً فتجعله في مكمل فحيثما فقدت الحوت فهو ثم، فاخذ حوتاً فجعله في مكمل ثم انطلق وانطلق معه بفتاه يوشع ابن نون حتى اذا اتيا الصخرة وضعا رؤسهما فناما واضطرب الحوت في المكمل فخرج منه فسقط في البحر "فاتخذ سبيله في البحر سرباً" وامسك الله عن الحوت جرية الماء فصار عليه مثل الطاق" (۵۱۶) (سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا نواف بکالی کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ صاحب خضر، بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا۔ مجھے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اس نے رسول اللہ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے۔ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے تو ان سے سوال کیا گیا کہ کون سب سے بڑا عالم ہے؟ تو انہوں نے فرمایا میں، اللہ تعالیٰ نے ان کو عتاب فرمایا، جب انہوں نے علم کو اللہ کی طرف منسوب نہ کیا ان کی طرف وحی کی گئی کہ میرا ایک بندہ مجمع البحرين کے مقام پر ہے وہ آپ سے بڑا عالم ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا: اے اللہ! میں ان سے کیسے ملوں، فرمایا: آپ ٹوکری میں ایک مچھلی ساتھ لے کر جائیں جہاں مچھلی گم ہو جائے وہاں وہ ہوگا۔ انہوں (موسیٰ) نے مچھلی لی اور اس کو ٹوکری میں رکھا اور چلے گئے اور ان کے ساتھ ان کے نوجوان یوشع بن نون تھے۔ جب دونوں چٹان کے پاس آگئے تو دونوں نے اپنے سر رکھے اور سو گئے۔ مچھلی ٹوکری سے نکلی تڑپی اور سمندر میں گر گئی۔ اس نے سمندر میں سرنگ کی طرح اپنا راستہ بنالیا۔ مچھلی جہاں گری تھی اللہ تعالیٰ نے وہاں پانی کی روانی کو روک دیا اور پانی ایک طاق کی طرح اس پر بن گیا)۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق ارشاد ربانی ہے: "هو الذي بعث في الاميين رسولا منهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة" (۵۱۷) (وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور ان کو سنوارتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے)۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا نتیجہ تھا: "ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلوا عليهم آياتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم" (۵۱۸) (اے ہمارے رب ان میں ایک رسول انہیں میں سے بھیج جو ان پر تیری آیات پڑھے اور ان کو کتاب

وحکمت سکھائے اور ان کو پاک کرے۔

مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں: ”تیسری چیز تعلیم حکمت ہے۔ حکمت کے متعلق ایک نہایت ہی اہم سوال یہ ہے کہ حکمت قرآن ہی کا ایک جزو ہے یا اس سے علیحدہ کوئی چیز ہے؟۔ ہمارا خیال ہے کہ کتاب الہی جس طرح آیات اللہ اور احکام پر مشتمل ہے۔ اس طرح حکمت پر بھی مشتمل ہیں لیکن ہمارا یہ دعویٰ ان لوگوں کے خلاف پڑے گا جو حکمت سے حدیث یا بعض دوسرے علوم مراد لیتے ہیں (۵۱۹)۔ پھر مزید لکھتے ہیں: لیکن یہ بات صحیح نہیں کہ اس آیت میں حکمت سے مراد حدیث ہے (۵۲۰)۔ بعد ازاں مولانا اپنے دعویٰ کی دلیل کے لئے قرآن مجید کی متعدد آیات سے استدلال فرماتے ہیں (۵۲۱)۔ جبکہ امت کے اکثر علماء و محدثین اس سے مراد حدیث لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر امام شافعی رحمہ اللہ قرآن مجید میں کتاب کے ساتھ جہاں حکمت کا لفظ آیا ہے۔ ان سات آیات کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”فذكر الله الكتاب وهو القرآن وذكر الحكمة وسمعت من ارضى اهل العلم بالقرآن يقول: الحكمة سنة رسول الله“ (۵۲۲) (اللہ نے کتاب کا ذکر فرمایا وہ قرآن ہے میں نے پسندیدہ اہل علم بالقرآن سے سنا وہ کہتے تھے حکمت، سنت (رسول اللہ ہی ہے) (۵۲۳)۔ اسی طرح ابن عبد البر رحمہ اللہ بھی قتادہ رحمہ اللہ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہاں حکمت سے مراد حدیث نبوی ہے (۵۲۴)۔

مندرجہ بالا حقائق سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جہاں عام محدثین، مفسرین، فقہاء اور علماء حکمت سے مراد ”حدیث“ لیتے ہیں مولانا اصلاحی کا نقطہ نظر الگ ہے۔

”مبادی تدبر قرآن“ میں تفسیر کے چار قطعی ماخذ لکھ کر بعد ازاں فرماتے ہیں: ”اب میں آپ کے سامنے تفسیر کے ظنی ماخذوں کی بابت عرض کروں گا۔ ظنی سے میری مراد یہ ہے کہ ان کے اوپر ہر حال میں پورا اطمینان نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کے اندر چونکہ ظن اور شبہ کو دخل ہے اس لیے ان کو قرآن کی تفسیر میں وہیں تک دخیل بنایا جائے گا جہاں تک وہ قرآن سے موافقت کریں۔ تفسیر کے ظنی ماخذوں میں سب سے اشرف اور سب سے زیادہ پاکیزہ چیز احادیث اور آثار صحابہ ہیں اگر ان کی صحت کی طرف سے پورا اطمینان ہوتا تو تفسیر میں ان کو یہی اہمیت حاصل ہو جاتی جو اہمیت سنت متواترہ کی بیان ہوتی ہے لیکن چونکہ ان کی صحت پر پورا پورا اطمینان نہیں کیا جاسکتا اس لئے ان سے تفسیر میں اسی حد تک فائدہ اٹھایا جائے گا جہاں تک یہ ان قطعی اصولوں کی موافقت کریں جو اوپر بیان ہوئے ہیں“ (۵۲۵)۔

مولانا نے اپنے ماخذ تفسیر میں حدیث کو ظنی حیثیت دی ہے مولانا کے ہاں ظن کی حیثیت یقین کی نہیں حالانکہ جیسا کہ قرآن میں کئی جگہ لفظ ظن یقین کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اہل

لغت نے بھی یقین کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ بلکہ ان کے خیال میں وہم اور شک کے معنوں میں ہے چنانچہ فرماتے ہیں: ”احادیث کو ظنی بھی کہتے ہیں“ (۵۲۶)۔

میں مولانا کی تفسیر کے ۶ جلدوں کی تفصیل بیان کرتا ہوں کہ ان میں مولانا نے کل کتنی احادیث نقل فرمائی ہیں۔ پوری تفسیر میں کتب حدیث میں سے صرف بخاری، مسلم اور ترمذی شریف کا نام گنتی کے چند مقامات پر پایا جاتا ہے۔ جلد اول کے ۸۳۶ صفحات ہیں جبکہ اس میں سترہ احادیث لکھی ہیں ان میں صرف ایک جگہ صحیحین (۵۲۷) ایک جگہ مسلم (۵۲۸) اور صرف ایک مقام پر ترمذی شریف کا نام ہے (۵۲۹)۔

جلد دوم میں ۸۰۸ صفحات ہیں اس میں دس احادیث ہیں اور ۹ احادیث کتاب کے نام کے بغیر درج کی ہیں۔ صرف ایک جگہ صحیح بخاری کا نام ہے (۵۳۰)۔ جلد سوم ۸۰۸ صفحات پر مشتمل ہے چھ احادیث بغیر حوالہ کے درج ہیں۔ دو حدیثیں مکرر لکھی گئی ہیں گویا کل ۱۱۲ احادیث جلد سوم میں ہیں (۵۳۱)۔ جلد چہارم کے ۸۶۶ صفحات میں صرف ایک حدیث نقل کی گئی ہے (۵۳۲)۔ جلد پنجم کے ۶۲۷ صفحات میں صرف سات احادیث نقل کی ہیں۔ صرف صحیح بخاری کا نام دو جگہ پر ہے اور کسی حدیث کی کتاب کا نام نہیں ہے (۵۳۳)۔ جلد ششم کے ۶۴۶ صفحات ہیں جن میں کل ۶ احادیث لکھی ہیں (۵۳۴)۔ جلد ہفتم کے ۶۴۴ صفحات ہیں۔ گویا چار ہزار آٹھ سو ستر صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب میں گنتی کی کل ۴۰ احادیث ہیں۔ لیکن دیگر مصادر کی بھرمار ہے۔ جاہلی ادب سے کافی استفادہ کیا گیا ہے۔ اہل لغت کی طرف بھی کافی رجحان ہے لیکن مولانا کی حدیث نبوی ﷺ سے اتنی بے اعتنائی سمجھ سے بالا ہے۔

ان تمام باتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا قطعی طور پر حدیث کا انکار نہیں کرتے بلکہ بعض اوقات فتنہ انکار حدیث کا رد کرتے بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کے نظریہ سے انکار حدیث کے فتنہ کو تقویت ملتی ہے اور بعض مقامات پر ان سے حدیث کے معاملہ میں استخفاف کا پہلو نکلتا ہے۔ رجم کی متواتر احادیث کے متعلق ان کے بیانات محدثین کے نقطہ نظر سے بالکل مختلف ہیں۔ اپنی تفسیر میں مولانا نے احادیث سے بڑھ کر ادب جاہلی اور لغت پر اعتماد کیا ہے۔ اس بات کا کوئی مسلم سکالر انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کی تشریح جو آنحضرت ﷺ نے کی ہے وہ باقی سب لوگوں سے بہتر ہے۔ احادیث کی کتب التفسیر میں آنحضرت ﷺ کی یہ تشریح موجود ہیں لیکن مولانا نے ان احادیث کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔



حوالہ جات

- ۱۔ سورۃ الحجر (۱۵) ۹۔
- ۲۔ النحل (۱۶) ۴۴۔
- ۳۔ قدوائی، ڈاکٹر آصف، مقالات سیرت (مجلس نشریات اسلام، کراچی) ص ۲۱۷۔
- ۴۔ مقالات سیرت، ص ۲۱۹ بحوالہ کین، اڈورڈ، وی لائف آف محمد، ص ۱۰۴۔
- ۵۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۷۴۳۲۔
- ۶۔ خالد محمود، آثار الحدیث، ۲/۳۹۹۔
- ۷۔ روزنامہ تسنیم لاہور، ۸ فروری ۱۹۵۵ء، ص ۱، کالم ۴۔
- ۸۔ احمد بن حنبل، المسند (دار الفکر، قاہرہ) ۳/۱۳۱۔
- ۹۔ عبدالغفار حسن، عظمت حدیث، ص ۲۸۔
- ۱۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۷۴۳۲۔
- ۱۱۔ البقرۃ (۲) ۷۵۔
- ۱۲۔ جان، انعام اللہ، یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، (پشاور) ص ۲۷۵۔
- ۱۳۔ النساء (۴) ۱۲۵۔
- ۱۴۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ص ۲۸۔
- ۱۵۔ البقرۃ (۲) ۱۰۹۔
- ۱۶۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ۱/۱۳۹۔
- ۱۷۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ص ۲۹-۳۰۔
- ۱۸۔ البقرۃ (۲) ۱۲۰۔
- ۱۹۔ آل عمران (۳) ۱۹۔
- ۲۰۔ المائدہ (۵) ۵۱۔
- ۲۱۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ص ۳۱۔

- ۲۲۔ ایضاً، ص ۳۲-۳۳۔
- ۲۳۔ ابن حجر، لسان المیزان، ۳/۲۸۹۔
- ۲۴۔ البقرہ (۲) ۲۷۔
- ۲۵۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ص ۳۵۔
- ۲۶۔ ابن حجر، لسان المیزان، ۳/۲۹۰۔
- ۲۷۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ۲۳ تا ۲۴۔
- ۲۸۔ میرٹھی، بدر عالم، ترجمان السنہ (ایچ ایم سعید کمپنی کراچی) ۱/۹۳۔
- ۲۹۔ میرٹھی، بدر عالم، ترجمان السنہ ص ۱/۹۲ بحوالہ ابن حزم، الاحکام، ۱/۱۴۔
- ۳۰۔ التحدیث فی علوم الحدیث، ص ۳۲-۳۳۔
- ۳۱۔ آثار الحدیث، ۲/۴۰۲-۴۰۳۔
- ۳۲۔ مولوی عبدالحق، چند ہمعصر، (انجمن ترقی اردو کراچی، ۱۹۵۰ء) ص ۴۷۔
- ۳۳۔ آثار الحدیث، ۲/۴۰۳-۴۰۴۔
- ۳۴۔ ایضاً، ۲/۴۰۵-۴۰۶۔
- ۳۵۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ص ۴۵-۴۶۔
- ۳۶۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ص ۴۵-۴۶ بحوالہ ہنٹر ڈبلیو، ہمارے ہندوستانی مسلمان، ص ۳۱۲۔
- ۳۷۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ص ۴۶۔
- ۳۸۔ ایضاً، ص ۴۷۔
- ۳۹۔ ترمذی، السنن، حدیث نمبر ۲۶۵۸۔
- ۴۰۔ البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱۱۰۔
- ۴۱۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ص ۴۹-۵۰۔
- ۴۲۔ ایضاً، ص ۵۳۔
- ۴۳۔ ایضاً، ص ۵۴۔
- ۴۴۔ ایضاً، ص ۶۳۲۔
- ۴۵۔ ایضاً، ص ۵۶-۵۷۔
- ۴۶۔ بدر عالم میرٹھی، ترجمان السنہ، ۱/۹۳۔
- ۴۷۔ پرویز، غلام احمد، معارف القرآن (ادارہ طلوع اسلام، لاہور) ۳/۶۳۲۔

- ۴۸۔ یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث، ص ۶۰۔
- ۴۹۔ مسلم، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱۶۔
- ۵۰۔ مقدمہ ابن الصلاح (ملتان) ص ۴۷۔
- ۵۱۔ احمد بن حنبل، مسند، ۴/۱۳۱۔
- ۵۲۔ العلق (۹۶) ۶-۷۔
- ۵۳۔ الحاکم، المستدرک، ۱/۱۸۸۔
- ۵۴۔ المائدہ (۵) ۱۳۔
- ۵۵۔ صدیقی، علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمات، ص ۴۷۔
- ۵۶۔ حافظ عطاء الرحمن، بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ (مقالہ برائے ایم۔ فل شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، سیشن ۱۹۹۹-۲۰۰۱ء، غیر مطبوع) ص ۵۷۔
- ۵۷۔ الازہری، پیر کرم شاہ، سنت خیر الانام، (بھیرہ، پنجاب، طبع اولیٰ، ۱۹۵۵ء) ص ۱۶۷۔
- ۵۸۔ ہفت روزہ ”اہل حدیث“ لاہور (خدمات اہل حدیث نمبر) جلد ۲۸، شمارہ ۳۹، اکتوبر ۱۹۹۷ء (پروفیسر خالد ظفر اللہ، اہل حدیث کی خدمات حدیث اور رد منکرین حدیث) ص ۶۶۔
- ۵۹۔ ایضاً، ص ۲۱۴۔
- ۶۰۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ، ص ۵۹۔
- ۶۱۔ ایضاً، ص ۶۰۔
- ۶۲۔ ہفت روزہ اہل حدیث لاہور (خدمات اہل حدیث نمبر) ص ۲۱۵۔
- ۶۳۔ ایضاً، ص ۲۱۵۔
- ۶۴۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ، ص ۶۱۔
- ۶۵۔ عبدالرشید، انکار حدیث کے اسباب (مقالہ برائے ایم اے، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، سیشن ۱۹۶۵-۱۹۶۶ء) ص ۳۵۔
- ۶۶۔ محمد اکرم انیلیم، جزیۃ الحدیث (مقالہ برائے ایم اے شعبہ علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، T-26) ص ۴۱۔
- ۶۷۔ عبدالرشید، انکار حدیث کے اسباب، ص ۳۵۔
- ۶۸۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ، ص ۶۳۔
- ۶۹۔ ایضاً، ص ۶۴۔

- ۷۰۔ ایضاً، ص ۶۵۔
- ۷۱۔ سہ ماہی ”بصائر“ کراچی (جلد ۲، شمارہ ۱، ۱۹۶۳ء) ص ۴۵-۴۹۔
- ۷۲۔ امرتسری، احمد دین،، خواجہ تسہیل برہان القرآن (دوست ایسوی ایش، لاہور) ص ۴۴۔
- ۷۳۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ، ص ۹۷۔
- ۷۴۔ عبدالغفار حسن، عظمت حدیث، ص ۲۹۔
- ۷۵۔ ندوی، ابوالحسن علی، نزہۃ الخواطر، ۸/۲۹۱۔
- ۷۶۔ تسہیل برہان القرآن، ص ۴۵۔
- ۷۷۔ ہفت روزہ ”الاعتصام“ لاہور (شمارہ حدیث نمبر)، ۱۵ فروری ۱۹۵۶ء (محمد علی قصوری، فتنہ انکار حدیث کا عقلی اور تاریخی جائزہ) ص ۶۶۔
- ۷۸۔ تسہیل برہان القرآن، ص ۴۶۔
- ۷۹۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۲۹۱۔
- ۸۰۔ چکڑالوی، مولوی عبداللہ، ترجمہ القرآن بآیات القرآن (طبع اول ۱۳۲۰ھ) ص ۹۷۔
- ۸۱۔ ایضاً، ص ۴۵۔
- ۸۲۔ تسہیل برہان القرآن، ص ۴۵۔
- ۸۳۔ ایضاً ص ۴۴۔
- ۸۴۔ آثار الحدیث، ۲/۲۰۹۔
- ۸۵۔ ایضاً۔
- ۸۶۔ نزہۃ الخواطر، ۸/۲۹۱۔
- ۸۷۔ آثار الحدیث، ص ۴۱۱۔
- ۸۸۔ ماہنامہ ”بلاغ“ امرتسر، ستمبر ۱۹۳۶ء، جلد ۱۳، شمارہ ۹، ص ۵۔
- ۸۹۔ ایضاً، ص ۷۔
- ۹۰۔ تسہیل برہان القرآن، ص ۱۶۔
- ۹۱۔ مولوی چراغ علی کے حالات زندگی کے لیے ملاحظہ ہو: اردو جامع انسائیکلو پیڈیا (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۷ء) ۱۳/۱-۵۱۳۔
- ۹۲۔ جیراج پوری، حافظ اسلم، نوادرات (طلوع اسلام کراچی) ص ۳۴۳۔
- ۹۳۔ ماہنامہ ”طلوع اسلام“ جنوری ۱۹۵۶ء، اسلم جیراج پوری کی خودنوشت سوانح حیات، ص ۱۸۔

- ۹۴۔ ہفت روزہ، الاعتصام، لاہور شمارہ حدیث نمبر، ص ۲۔
- ۹۵۔ مقام حدیث (ادارہ طلوع اسلام، لاہور ۱۹۶۵ء) ص ۱۴۹۔
- ۹۶۔ آثار الحدیث، ص ۴۱۴۔
- ۹۷۔ ایضاً، ص ۴۱۶۔
- ۹۸۔ ایضاً۔
- ۹۹۔ ابن المشرقی، حمید الدین، حضرت علامہ عنایت اللہ خاں المشرقی (باب الاشاعت خاکسار تحریک لاہور) ص ۳۔
- ۱۰۰۔ شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص ۱۱۰۵۔
- ۱۰۱۔ نیاز فتح پوری، من ویز داں (ڈان بکس، لاہور، ۲۰۰۰ء) ص ۵۷۴ (ٹائٹل بیک پر یہ حالات شائع ہوئے ہیں)۔
- ۱۰۲۔ ایضاً، ص ۵۴۹۔
- ۱۰۳۔ ایضاً، ص ۴۰۵۔
- ۱۰۴۔ ایضاً، ص ۴۰۷۔
- ۱۰۵۔ تمنا عمادی، محی الدین، ایضاح السنن بتوضیح اصلاح سخن (ڈھاکہ، ۱۹۶۱ء) ص (مقدمہ: ب)۔
- ۱۰۶۔ ماہنامہ ”طلوع اسلام“ لاہور، فروری ۱۹۷۳ء (اطلاع وفات برتنما عمادی۔ ادارہ) ص ۴۸۔
- ۱۰۷۔ تمنا عمادی، اعجاز القرآن واختلاف قرأت (رحمان پبلشنگ ناظم آباد، کراچی، ۱۹۹۴ء) ص ۵۴۔
- ۱۰۸۔ ایضاً، ص ۷۳۔
- ۱۰۹۔ ایضاً۔
- ۱۱۰۔ ماہنامہ ”طلوع اسلام“ ستمبر ۱۹۵۰ء، ص ۴۸۔
- ۱۱۱۔ پرویز، غلام احمد، تصوف کی حقیقت (طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور، دسمبر ۱۹۹۶ء) ص (مقدمہ، ع)۔
- ۱۱۲۔ ایضاً، ص مقدمہ، ع۔ غ۔
- ۱۱۳۔ ایضاً، ص مقدمہ، ک۔ گ۔
- ۱۱۴۔ محمد عمر دراز، دولت پرویز (النور پرنٹرز لاہور، ۱۹۹۲ء) ص ۱-۲۔
- ۱۱۵۔ پرویز، معارف القرآن (ادارہ طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور) ۵۴۷/۳۔
- ۱۱۶۔ ایضاً، ۵۳۲/۳۔
- ۱۱۷۔ ایضاً۔

- ۱۱۸۔ ایضاً، ۵۷۵/۳۔
- ۱۱۹۔ ایضاً، ۷۲۹/۴۔
- ۱۲۰۔ پرویز، معراج انسانیت (طلوع اسلام ٹرسٹ، لاہور) ص ۳۱۸۔
- ۱۲۱۔ ایضاً، ص ۳۲۳۔
- ۱۲۲۔ برق، غلام جیلانی، حرف محرمانہ (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور) ص ۷۵۔
- ۱۲۳۔ برق، دود اسلام (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور) ص ۲۸۔
- ۱۲۴۔ ایضاً، ص ۱۹۳۔
- ۱۲۵۔ اردو جامع انسائیکلو پیڈیا (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور) لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۲۵۔
- ۱۲۶۔ ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ۱۷ فروری ۱۹۵۶ء (یوسف سلیم چشتی، ہندوستان میں انکار حدیث کی تاریخ) ص ۳۸۔
- ۱۲۷۔ بلخی، افتخار احمد، انکار حدیث کا منظر و پس منظر (مکتبہ چراغ راہ، کراچی) ۶۳/۱۔
- ۱۲۸۔ ماہنامہ ”طلوع اسلام“ لاہور، نومبر ۱۹۷۲ء، (عطاء اللہ چوہدری، روح سرسید پیکر پرویز میں)، ص ۱۵۔
- ۱۲۹۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ، ص ۷۵۔
- ۱۳۰۔ ایضاً، ص ۲۱-۲۸۔
- ۱۳۱۔ القصص: (۲۸) ۸۵۔
- ۱۳۲۔ سہ ماہی ”قرآنی معاشرہ“ لاہور، اپریل جون ۱۹۸۹ء، جلد ۳ شمارہ ۲-۳ (محمد قاسم نوری، حزب المسلمین کا دو ٹوک موقف) ص ۶۔
- ۱۳۳۔ احسان الحق، سبیل المسلمین (ادارہ صوت القرآن، لاہور) ص ۲۰۔
- ۱۳۴۔ محمد بشیر، بخاری کی چند احادیث اور ان پر تبصرہ (توحید جیولز اچھرہ بازار لاہور) ص۔ پیش لفظ۔
- ۱۳۵۔ بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف منکرین حدیث کے افکار کا جائزہ، ص ۸۴۔
- ۱۳۶۔ الحجر (۱۵) ۹، انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔
- ۱۳۷۔ السخاوی، عبدالرحمن، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاريخ (دار الکتاب العربی بیروت ۱۹۸۳ء) ۶۶- فقد قال ابن المدینی لمن سئل عن ابیه: سلوا عنه غیری فاعادوا المسئلة ثم رفع رأسه فقال هو الدین؟ انه ضعیف۔
- ۱۳۸۔ ایضاً: وکان وکیع بن الجراح لکون والدہ کان علی بیت المال یقرن معہ آخر اذا روی عنه۔ وقال ابو داؤد صاحب السنن: ابني عبدالله کذاب مع تاویلنا له فی بذل الجہود،

ونحوه قول الذهبی فی ولده ابی هريره انه حفظ القرآن ثم تشاغل عنه حتى نسيه.

۱۳۹- (۱) ابن دقیق العید، تقی الدین، لاقتراح فی بیان الاصطلاح، ص ۶۱۔

(۱۱) جمال الدین القاسمی، الجرح والتعديل، ص ۶۔

۱۴۰- القاسمی، الجرح والتعديل، ص ۵۔

۱۴۱- ایضاً، ص ۷۔

۱۴۲- الاقتراح، ص ۵۵۔

۱۴۳- القاموس المحیط، ۱/ ۱۸۵۔

۱۴۴- تاج العروس من جواهر القاموس، ۲/ ۳۰۔... سموا به لخروجهم عن الناس او عن الدين او

عن الحق او عن على كرم الله وجهه بعد صفين.

۱۴۵- المنجد فی اللغة والاعلام، ص ۱۷۲۔

۱۴۶- بغدادی، عبدالقاهر، کتاب السلل والنخل، ۵۹-۶۰۔

۱۴۷- بغدادی، عبدالقاهر، الفرق بین الفرق، ۷۴-۷۵۔

يقال للخوارج محكمته وشرقة.... ان الخوارج بعد رجوع على من صفين الى كوفة

الجاؤا الى الحروراء وهم يومئذ اثنا عشر الفا ولذلك سميت الخوارج حرورية.

۱۴۸- مثلاً (۱) بلیاوی، عبدالحفیظ، ابوالفضل، مصباح اللغات ۱۹۶، خوارج باغی لوگ، جماعت سے نکلے

ہوئے لوگ۔

(۱۱) لسان العرب، ۲/ ۲۵۱۔

والخوارج والحرورية والخارجيته طائفة منهم لزمهم هذا الاسم لخروجهم عن

الناس والخوارج قوم من اهل الأهواء لهم مقالة عليحدة.

(۱۱۱) محمود الزعبي، البينات فی الرد علی اباطیل المرجعات (ص ۲۰۸):

الخوارج جمع خارج وهو الذي خلع طاعة امام الحق واعلن عصيانه والى عليه وهو

الباغي عند علماء الشريعة والخوارج طائفة من الشيعة خرجت على الامام على رضى

الله تعالى عنه بعد ان قبل بالتحكيم كما هو معروف في كتب التاريخ.

(iv) E.W. Lane, Arabic English Lexicon, (2, 720.

Al.khawarij is the appellation of a party of those following erroneous opinions, they are the Haroorlyah and the

Kharjiyah are a sect of them; and they, consist of seven sects. They are so called because they went forth or against the rest of the people; or from the religion or from the truth, or from Ali after the battle of Siffin.

- ۱۴۹۔ النساء (۴) ۱۰۰۔
- ۱۵۰۔ البقرہ (۲) ۲۰۷؛ احمد امین، فخر الاسلام، ص ۲۵۷۔
- ۱۵۱۔ الاحزاب (۳۳) ۲۱، لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہ حسنہ۔
- ۱۵۲۔ التوبہ (۹) ۵۸۔
- ۱۵۳۔ البغوی، حسین بن مسعود، ابو محمد، معالم التنزیل، (ج ۲، جز نمبر ۳، ۱۰۷، جلائین، ۱/۱۶۱ کے حاشیہ میں ہے
حواصل الخوارج۔
- ۱۵۴۔ معالم التنزیل، ج ۲، جز نمبر ۳/ ۱۰۷-۱۰۸۔
- ۱۵۵۔ (۱) ایضاً۔
- (۲) البخاری، الجامع الصحیح (نور محمد صبح المطالع کراچی) ۱۰۲۴/۲، کتاب استتابة المعاندین۔
- (۳) وحید الزمان، مولانا (مترجم) صحیح بخاری (مکتبہ رحمانیہ لاہور) ۶/۳۹۸، میں فرماتے ہیں۔ یہ اس
سونے کی تقسیم تھی جو ۹ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے بھیجا تھا۔
- (۴) صحیح بخاری میں مزید اس کی تفصیل ہے۔ ۱۱۰۵/۲۔ وہاں بھی اس حدیث کے راوی حضرت ابوسعید خدری
ہی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے سونے کی ڈلی بھیجی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے تالیف قلب کیلئے
اقرع بن حابس الحنظلی، عیینہ بن حصن بن بدر فزاری، علقمہ بن علاشہ العامری اور زید النخیل لطائی میں تقسیم
کر دیا تو اس بد بخت نے ان الفاظ میں اعتراض کیا تھا۔ یا محمد ﷺ، اتق اللہ۔ اس مقام پر
آنحضرت ﷺ کی تہدید کا بھی ذکر ہے۔ امام مسلم نے مختلف سندوں سے اس حدیث کو بڑی تفصیل
سے بیان کیا ہے۔
- (۵) مسلم، الجامع الصحیح، ۱/۳۶۰-۳۶۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس شخص کی اجازت قتل طلب کرنے پر
آنحضرت ﷺ نے فرمایا: معاذ اللہ ان یتحدث الناس النبی. اقتل. اضحالی. (اللہ کی پناہ کہ لوگ
باتیں کریں کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہوں)۔
- (۶) البرد نے بھی اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔ الکامل، ۱۰۴/۳۔
- ۱۵۶۔ شہرستانی، الملل والنحل، ۱/۲۱۔

- ۱۵۷۔ قاضی ابو بکر بن العربی، العواصم من القواصم فی تحقیق مواقف الصحابة بعد وقاه النبی ﷺ، ص ۸۵-۱۰۶: اس کتاب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً قال شیخ الاسلام ابن تیمیہ فی منهاج السنہ، ۳/ ۱۸۸ کل ذی علم بحال عثمان یعلم انه لم یکن ممن یأمر بقتل محمد بن ابی بکر ولا امثاله ولا عرف منه قط انه قتل احدا من هذا الضرب وقد سعوا فی قتله (ای فی قتل امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ)۔
- ۱۵۸۔ محمد محمد ابو زہو، الحدیث والمحدثون، ۸۳۔
- ۱۵۹۔ شہرستانی، الملل والنحل، ۱/ ۱۱۳۔
- ۱۶۰۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ، ۲/ ۱۲۷۔
- ۱۶۱۔ النساء (۴) ۳۵۔
- ۱۶۲۔ المائدہ (۵) ۹۵۔
- ۱۶۳۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم، ص ۱۲۷، ۱۲۸ (مکمل تفصیل)۔
- ۱۶۴۔ ندوی، معین الدین، تاریخ اسلام، ۱/ ۳۶۱-۳۶۷۔
- ۱۶۵۔ ندوی، تاریخ اسلام، ۱/ ۳۷۷۔ ابن قتیبہ الدینوری، ابو محمد عبداللہ بن مسلم الامامہ والسیاسہ، ۱/ ۱۵۹: عبدالرحمن بن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی حامی بھری۔ حجاج بن عبداللہ النعمانی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی ذمہ داری قبول کی۔ ناذویہ جس کا نام عمرو بن بکر تھا نے حضرت عمرو بن العاص کو شہید کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا۔
- ۱۶۶۔ تاریخ اسلام، ۲/ ۲۵-۲۷ (مکمل تفصیل)۔
- ۱۶۷۔ (۱) ابن عبدالحکم، عبداللہ، ابو محمد، سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، ص ۱۳۷-۱۴۲ (اس کتاب میں ان کے خوارج سے مناظرات اور خط و کتابت کی تفصیل ملاحظہ کی جاسکتی ہے)۔
- (۲) سید الاہل، عبدالعزیز، الخلیفۃ الزاہد عمر بن عبدالعزیز، ص ۱۸۰۔
- فلما یزل عمر یرفق بہم حتی اخل علیہم ورضوا منه ان یرزقہم ویکسوہم ما بقی فخرجوا علی ذلک۔
- (۳) ابن قتیبہ، الامامہ والسیاسہ، ۲/ ۱۱۸-۱۲۰ (تفصیل سے)۔
- ۱۶۸۔ بطور مثال تفصیل ملاحظہ ہو، ندوی، تاریخ اسلام، ۲/ ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱،

- (۳) ابونصر عمر، تاریخ خوارج، ص ۱۹۶-۲۲۸ (تینوں کتب میں تمام فرقوں کا تفصیل سے ذکر ہے)
- ۱۷۰۔ مبرد، الکامل، ۱۰۱/۲۔
- ۱۷۱۔ غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر و مفسرین، ص ۵۱۱۔
- ۱۷۲۔ ایضاً۔
- ۱۷۳۔ مصری، احمد امین، فجر الاسلام، ص ۲۶۲ ابن عباس نے جو دیکھا اس کی تصویر یہ ہے۔ رای عنہم
جباہا قرحة لطول السجود وایدیہا کثفناں الابل علیہم قمص مرحفة وھم
مشمرون۔ اس کتاب میں مزید تفصیل بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔
- ۱۷۴۔ فجر الاسلام ۲۶۳-۲۶۴ میں اس سلسلے میں تفصیلی واقعات موجود ہیں۔
- ۱۷۵۔ حریری، تاریخ تفسیر و مفسرین، ص ۵۰۵-۵۰۶ (اختصار کے ساتھ کتاب میں ۴ نکات کی تفصیل ہے)۔
- ۱۷۶۔ (۱) الأشعری، ابو الحسن، مقالات الأشعریین (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور) (ترجمہ اردو محمد
حنیف ندوی بنام مسلمانوں کے عقائد و افکار)، ص ۹۱۔
- (۲) بغدادی، ابو منصور عبدالقاهر، اصول الدین، ص ۳۳۲۔
- (۳) بغدادی، کتاب الملل والنحل، ص ۵۸۔
- ۱۷۷۔ (۱) مقالات الأشعریین، ص ۹۱ (اردو ترجمہ)۔
- (۲) بغدادی، کتاب الملل والنحل، ص ۵۸۔۔۔۔۔ و تکفیر کل من ارتکب کبیرة۔
- ۱۷۸۔ مقالات الأشعریین (مسلمانوں کے عقائد و افکار)، ص ۹۲۔
- ۱۷۹۔ ایضاً، ص ۱۳۷۔
- ۱۸۰۔ (۱) احمد امین، ضحیٰ الاسلام، ۳/۳۳۰۔
- (۲) بغدادی، کتاب الملل والنحل، ص ۵۸۔
- ۱۸۱۔ احمد امین، فجر الاسلام، ص ۲۵۸-۲۵۹۔ اہل سنت حدیث الائمتہ من قریش کی وجہ سے قریش کو بہتر سمجھتے
ہیں۔
- ۱۸۲۔ فجر الاسلام، ص ۲۵۸۔
- ۱۸۳۔ شرح العقیدہ الطحاویۃ، ص ۳۷۰۔
- ۱۸۴۔ ارشاد ربانی ہے ان تعجبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیاتکم وندخلکم مدخلا
کریمما (النساء) (۲) (۳۱) (تم بڑے گناہوں سے بچو جن سے تم کو منع کیا گیا ہے۔ تو ہم تمہاری چھوڑی
برائیوں کو خود دور کر دیں گے اور تمہیں مقام عزت (جنت) میں داخل کریں گے) کبیرہ گناہوں کی تفصیل

کے لئے:

- (۱) طبری، محمد بن جریر، ابو جعفر، تہذیب الآثار، ۴/۱۸۴-۱۹۵۔
 (۲) شرح العقیدہ الطحاویہ، ص ۳۷۰-۳۷۳۔
 (۳) عبدالقادر عارف حصاروی، نبوی جواہر در ذکر کبار (فاروقی کتب خانہ ملتان ۲۰۰۴، تحقیق راقم السطور) ملاحظہ کریں۔

۱۸۵۔ شرح عقیدہ طحاویہ، ص ۳۷۰۔

۱۸۶۔ عبدالکریم شہرستانی۔ الملل والنحل، ۱/۱۱۵۔

۱۸۷۔ ایضاً، ص ۱۲۲۔

۱۸۸۔ ایضاً، ص ۱۲۸۔

۱۸۹۔ ایضاً، ص ۱۳۶۔

۱۹۰۔ ابن حزم، ابو محمد، کتاب الفصل فی الملل والاهواء والنحل، ۴/۱۹۱۔

۱۹۱۔ الطبری، تہذیب الآثار، ۴/۱۸۴۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری (مع فتح الباری، ۵/۲۱۶) میں قول الزور کی بجائے شہادۃ الزور کے الفاظ ذکر فرمائے ہیں۔ صحیح بخاری میں اسی جگہ ایک اور روایت حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ سے ہے۔ جس میں آنحضرت ﷺ نے کبیرہ گناہوں اشراک باللہ، والدین کی نافرمانی کا ذکر فرمایا جبکہ آپ تکیہ زن تھے۔ پھر آپ بیٹھ گئے اور فرمایا الا قول الزور (خبردار جھوٹی بات) حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں۔ آپ بار بار ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہماری خواہش تھی آپ خاموش ہو جائیں۔ یہ حدیث درج ذیل کتب میں بھی ہے۔

(۱) مسلم، الجامع الصحیح (نور محمد اصح المطابع کراچی)، ۱/۸۴۔

(ii) احمد بن حنبل، المسند، ۳/۱۳۱-۱۳۲۔

(iii) ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائینی، المسند، ۱/۵۴۔

(iv) النسائی، عبدالرحمن بن شعیب، السنن، ۲/۲۴۹۔

۱۹۲۔ شہرستانی، الملل والنحل، ۱/۱۲۳۔

۱۹۳۔ ابن حزم الاندلسی، ابو محمد علی (م ۴۵۶) کتاب الفصل فی الملل والاهواء والنحل، ۴/۱۹۰۔ مزید رقطراز ہیں

و كذلك ايضاً في الكبائر وان من عمل من الكبائر غير مصرّاً عليها فهو مسلم وقالوا
 جائز ان يعذب الله المؤمنين بذنوبهم لكن في غير النار واما في النار وقالوا اصحاب

الكبائر منهم ليسوا الكفار اصحاب الكبائر من غيرهم كفار.

۱۹۳- المبرد، الکامل، ۸۶/۳-

محمود الزعمی، البينات ۲۰۸ "يقول ابن تيميه ليس في اهل الاهواء اصدق ولا اعدل من الخوارج ذاك المصطفى السباعي في السننه ومكانتها في التشريع الاسلامي، ۸۱، ۸۲، میں یہ لکھا ہے وقد ذكر العلماء هنا بان اقل الفرق الاسلاميه كذبا هي فرقيه الخوارج الذين خرجوا على علي بعد قبوله التحكيم ويرجع قلة كذبهم الى انهم يرون كفر مرتكب الكبيره على ما هو المشهور عنهم او مرتكبي الذنوب مطلقا كما حكاه الكعبي فما كانوا يستحلون الكذب ولا الفسق.

۱۹۵- ابن عبد البر، التمهيد لما في الموطا من المعاني والاسانيد ۱/ ۲۳. ایک روایت میں یہ لفظ ہے من قال على ما لم اقل فليتبوا مقعده من النار. ملاحظہ ہو ملا علی قاری، نور الدین علی بن محمد بن سلطان، الاسرار لمرفوعة في الاخبار الموضوعة، ص ۶۷-

۱۹۶- ملا علی قاری، الاسرار المرفوعة في الاخبار الموضوعة، ص ۳۹-۷۲-

۱۹۷- الشافعی، الرسالة، ص ۳۹۵-

۱۹۸- الاسرار المرفوعة، ص ۶۸، قال شيخ مشائخنا الحافظ جلال الدين السيوطي: لا أعلم شيئا من الكبائر قال احد من اهل السنة بتكفير مرتكبه إلا الكذب على رسول الله ﷺ.

۱۹۹- الخطيب البغدادي، الكفاية في علم الرواية، ص ۱۴۳-

۲۰۰- ابن عبد البر، التمهيد، ۱/ ۳۳-

۲۰۱- الشافعی، الرسالة، ص ۳۹۷-۳۹۸-

۲۰۲- ايضا، ص ۳۹۸-

۲۰۳- ابن حجر، نزہۃ النظر في توضيح نخبة الفكر (فاروقی کتب خانہ ملتان) ص ۱۳۲-۱۳۳، نزہۃ ص ۷۳ ما يكون بسبب تهمته الراوي بالكذب هو المتردك مزيد ملاحظہ ہو۔ قاسمی، قواعد التحديث من فنون مصطلح الحديث ص ۱۳۱-

۲۰۴- محمود زعمی، البينات، ص ۱۹۳-

۲۰۵- الخطيب البغدادي، الكفاية، ص ۱۳۰- یہ روایت مزید دیکھیں۔ العراقي، التقييد والايضاح شرح مقدمته ابن الصلاح، ص ۱۵۰-

۲۰۶- الكفاية، ص ۱۲۵-

- ۲۰۷۔ محمد ابو زھو، الحدیث والمحدثون، ص ۸۸۔
- ۲۰۸۔ ابن تیمیہ ابو العباس احمد، منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ (مکتبہ سلفیہ لاہور) ۱/۱۵۔
اس کے ساتھ ہی مزید تفصیل اس طرح ہے واما الرافضة، فاصل بدعتهم عن زندقية والحاد
وتعمد الكذب فيهم كثير وهم يقرون ذلك حيث يقولون ديننا التقية وهو ان يقول
احدهم بلسانه خلاف ما في قلبه وهذا هو الكذب والنفاق. عبدالغفار حسن، علمت حدیث،
۳۱۵ میں امام ابن تیمیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ (خوارج) قرآن کے علاوہ مفسر قرآن سنت ہی
سمجھتے ہیں۔
- ۲۰۹۔ الحدیث والمحدثون، ص ۸۷۔
- ۲۱۰۔ محمود زعمی، الہینات، ص ۲۰۹۔
- ۲۱۱۔ (i) الکفایۃ، ص ۱۲۳۔
(ii) ابن الجوزی، کتاب الموضوعات، ۱/۳۹، میں یہ اضافہ ہے۔ سمعت شیخنا من الخوارج
تاب ورجع وهو يقول الخ۔
(iii) السخاوی، فتح المغیث، ۱/۲۵۸۔
(iv) قاسی، قواعد التحدیث، ص ۱۳۷۔
(v) السباعی، السنۃ ومکانتها فی التشریع الاسلامی، ص ۸۲۔
- ۲۱۲۔ السباعی، السنۃ ومکانتها فی التشریع الاسلامی، ص ۷۹۔
- ۲۱۳۔ ایضاً، ص ۸۲۔
- ۲۱۴۔ ایضاً، ص ۸۳۔
- ۲۱۵۔ ایضاً، ص ۸۲۔
- ۲۱۶۔ ایضاً۔
- ۲۱۷۔ ڈیانوی، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، ۴/۳۲۹۔
- ۲۱۸۔ طاہر ثنی، تذکرہ الموضوعات، ۲۸، بحوالہ السنۃ ومکانتها فی التشریع الاسلامی، ص ۸۲۔
- ۲۱۹۔ ابن القیسرانی، کتاب الجمع بین رجال الصحیحین، ۱/۳۸۹۔
- ۲۲۰۔ ابوالولید الباجی، التعذیل والتبریح، ۳/۱۰۱۱ (محقق ابولبابہ)۔
- ۲۲۱۔ ابن حجر، ہدی الساری، ۴۳۳ میں مطلق بیان کیا ہے تاہم تہذیب التہذیب میں اسے کل نظر قرار دیا
ہے۔

- ۲۲۲۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب، ۱۱۴/۸۔ میں یہ لفظ ہیں واما قول من قال انه خرج ما حمل عنه قبل ان یری ما رای ففیہ نظر۔
- ۲۲۳۔ ایضاً۔
- ۲۲۴۔ ایضاً۔
- ۲۲۵۔ الذہبی، الکاشف فی معرفۃ من له رواۃ فی الکتب الستہ، ۲/۳۰۰۔ اس کے ترجمہ کے لئے مزید دیکھیں۔ الحاکم، تسمیۃ من اخرجہم البخاری ومسلم وما انفرد کل واحد منهما (دار الجنان، بیروت، الطبعة الاولى، ۱۹۸۷ء)، ص ۱۹۹۔
- ۲۲۶۔ ابن حجر، ہدی الساری، ص ۴۶۰۔
- ۲۲۷۔ ایضاً، ص ۴۳۲۔
- ۲۲۸۔ ایضاً، ص ۴۳۲-۴۳۳۔
- ۲۲۹۔ العجلی، احمد بن عبد اللہ بن صالح، ابوالحسن، معرفۃ الثقات، ۱۸۹/۲۔
- ۲۳۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۸۶۷/۲۔
- ۲۳۱۔ بطور نمونہ (i) مسلم، الجامع الصحیح، ۱۹۷-۱۹۸/۲۔ (ii) الترمذی، السنن، ۲۰۵/۱۔ (iii) النسائی، السنن، ۲۹۱/۲۔
- ۲۳۲۔ ہدی الساری، ص ۴۳۳۔
- ۲۳۳۔ ایضاً۔
- ۲۳۴۔ الذہبی، میزان الاعتدال، ۲۳۵/۳ یہ بھی اس میں ہے: مات سنة اربع وثمانین۔
- ۲۳۵۔ ہدی الساری، ص ۴۶۰۔
- ۲۳۶۔ ایضاً، ص ۴۵۰۔
- ۲۳۷۔ الرازی، ابو محمد عبد الرحمن، ابن ابی حاتم، کتاب الجرح والتعديل، ۱۲/۹۔
- ۲۳۸۔ میزان الاعتدال، ۳۵۴/۲، مزید یہ بھی ہے: قال ابو داؤد ثقہ الا انه اباضی وقال ابن سعد ليس بذلك وقال ابن معين ثقة۔
- ۲۳۹۔ کتاب الجرح والتعديل، ۱۲/۹۔
- ۲۴۰۔ ابوالولید الباجی، التعديل والتجريح، ۱۱۸۹/۳۔
- ۲۴۱۔ تہذیب التہذیب، ۱۳۰/۱۱-۱۳۱۔
- ۲۴۲۔ ابن القیصرانی، الجمع بین رجال البخاری، ۵۳۶-۵۳۷/۲۔

- ۲۴۳- الذہبی، الکاشف، ۲۱۲/۳۔
- ۲۴۴- ابن حبان، کتاب الثقات، ۵۲۸/۷۔
- ۲۴۵- البخاری، الجامع الصحیح، ۴۳۸/۱۰۔
- ۲۴۶- مسلم، الجامع الصحیح، ۲۹۸/۲۔
- ۲۴۷- ایضاً۔
- ۲۴۸- ابن ماجہ، السنن، ص ۱۴۵۔ ابوداؤد، السنن مع شرح عون المعبود، ۱۸۵/۲۔
- ۲۴۹- بخاری، الجامع الصحیح، ۸۱۰-۸۰۹/۲۔
- ۲۵۰- مسلم، الجامع الصحیح، ۱۸۰/۲۔
- ۲۵۱- بخاری، الجامع الصحیح، ۸۱۰/۲۔
- ۲۵۲- مسلم، الجامع الصحیح، ۱۸۰/۲۔
- ۲۵۳- ابن ماجہ، السنن، ص ۲۴۲۔
- ۲۵۴- الترمذی، السنن، ۷/۲۔
- ۲۵۵- ابوداؤد، السنن (مع عون المعبود)، ۳۱۰/۳۔
- ۲۵۶- فراہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین (دار الحجر، قم ایران)، ۱۹۱-۱۹/۲۔
- ۲۵۷- ابن درید، ابوبکر محمد بن حسن، تہذیب اللغة (دار صادر بیروت)، ۶۳/۳۔
- ۲۵۸- ازہری، ابومنصور محمد بن احمد، تہذیب اللغة (دار الکتب المصریہ)، ۶۳-۶۱/۳۔
- ۲۵۹- ابن منظور، لسان العرب، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۸۸-۱۸۹/۸۔
- ۲۶۰- الفیومی، احمد بن محمد، المصباح المنیر، ص ۳۲۹۔
- ۲۶۱- ابن الاثیر، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثار، ۵۱۹-۵۲۰/۲۔
- ۲۶۲- المعجم الوسیط، ص ۵۰۴-۵۰۵۔
- ۲۶۳- ابن خلدون، المقدمة (القاهرة، ۱۳۲۹ھ)، ص ۲۱۵۔
- ۲۶۴- بلیاوی، مصباح اللغات، ص ۴۳۶-۴۳۵۔
- ۲۶۵- مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (فیروز سنز لاہور، تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۳ء)، ص ۸۵۵۔
- ۲۶۶- الصافات (۳۷) ۸۳۔
- ۲۶۷- مریم (۱۹) ۶۹۔
- ۲۶۸- القصص (۲۸) ۱۵۔

- ۲۶۹۔ الحجر (۱۵)۔ ۱۰۔
- ۲۷۰۔ الانعام (۶)۔ ۶۵۔
- ۲۷۱۔ الانعام (۶)۔ ۱۵۹۔
- ۲۷۲۔ القصص (۲۸)۔ ۴۔
- ۲۷۳۔ الروم (۳۰)۔ ۳۱-۳۲۔
- ۲۷۴۔ السبا (۳۴)۔ ۵۴۔
- ۲۷۵۔ القمر (۵۴)۔ ۵۱۔
- ۲۷۶۔ احمد، المسند، ۷/۱۹۰۔
- ۲۷۷۔ اردو دائرہ معارف الاسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی لاہور، طبع اول ۱۹۷۵ء) ۱۱/۸۹۸۔
- ۲۷۸۔ قاضی ثناء اللہ، السیف المسلول (ترجمہ محمد رفیق الاثری، فاروقی کتب خانہ ملتان ۱۹۷۹ء) ص ۱۸-۳۳۔
- ۲۷۹۔ شاہ عبدالعزیز، تحفۃ انشاء عشریہ (اردو ترجمہ، میر محمد کتب خانہ، کراچی) ص ۲۱ تا ۳۹۶۔
- ۲۸۰۔ صدیقی، فیض عالم، حقیقت مذہب شیعہ (۲۵۲-۲۸۶؛ ظہیر، احسان الہی، الشیعہ والسنة (مختصر) (ادارہ ترجمان السنہ لاہور) ص ۶۹۔
- ۲۸۱۔ اسلامی مذاہب، ص ۹۷۔
- ۲۸۲۔ سید حسین مرتضیٰ، شیعہ کتب حدیث کی تاریخ تدوین (زہرا اکادمی، کراچی، طبع اول ۱۹۹۳ء) ص ۹۔
- نجرانی، محمد یوسف، ڈاکٹر، الشیعہ فی المیزان، ص ۱۱۶-۱۱۷ میں لکھتے ہیں:
- ”فالحديث عند الشيعة كما ذكرت عبارة عن قول المعصوم حيث جعلوا له وظيفة المشرع وما دام الإمام معصوما فهو لا ينطق عن الهوى وأنه يتلقى العلم من الرسول ﷺ الذي تلقاه بدوره من الله عز وجل. يروي الكليني في كافي عن الإمام أبي عبد الله جعفر الصادق أنه قال: إن لك علمين: علم مكنون مخزون لا يعلمه إلا هو من ذلك يكون البداء، وعلم علمه ملائكته ورسله وأنبياءه فنحن نعلمه (أبو محمد الحسن بن موسى النوبختي، فرق الشيعة، صححه وعلق عليه السيد محمد صادق، ۱/۱۴۷)۔
- ”يتضح من هنا أن قول الإمام يترادف الحديث عندهم فكل ماورد عن الأئمة فهو صحيح، ونظرًا لهذا الخلاف الذي وقع بين أهل السنة والشيعة حول مفهوم السنة فإن الشيعة قد قاموا بوضع مصطلحات خاصة للحديث حسب صحة درجته وهي:

الصحيح والحسن والموثوق والضعيف“.

”النوع الأول الصحيح: وهو ما اتصل سنده إلى المعصوم بنقل العدل الإمامي عن مثله في جميع الطبقات حيث تكون متعددة (للشيخ عبد الله المامقاني، مقياس الهداية في علم الدراية، ص ۳۳).“

”النوع الثاني الحسن: وهو ما اتصل سنده إلى المعصوم عليه السلام بإمامي ممدوح مدحا معتدًا به، غير معارض بدم من غير نص على عدالته، مع تحقق ذلك في جميع مراتب رواية طريقه أو في بعضها“ (نفس المصدر، ص ۳۴).

النوع الثالث: الموثوق: وهو ما اتصل سنده إلى المعصوم بمن نص الأصحاب على توثيقه مع فساد عقيدته بأن كان من أحد الفرق المخالفة للإمامية وإن كان من الشيعة مع تحقق ذلك في جميع رواية طريقه، أو بعضهم مع كون الباقي من رجال الصحيح (نفس المصدر السابق، ص ۳۵).

النوع الرابع: الضعيف: وهو ما لم يجتمع فيه شرط أحد الأقسام السابقة بأن اشتمل طريقة على مجروح بالفسق ونحوه، أو على مجهول الحال أو مادون ذلك كالوضاع“ (نفس المصدر، ص ۳۵).

- | | |
|------|--|
| ۲۸۳- | النساء (۴) ۵۹- |
| ۲۸۴- | شیعہ کتب حدیث کی تاریخ تدوین، ص ۲۳- |
| ۲۸۵- | تاریخ حدیث و محدثین، ص ۹۹- |
| ۲۸۶- | بارٹولڈ، ترجمہ حمزہ سردار: جغرافیہ ایران، تہران، ص ۱۷۹- |
| ۲۸۷- | نباشی، کتاب الرجال (منشورات الرادری، قم) ص ۲۶۶، الطوسی، القہرست (دار الفکر بیروت) ص ۳۲۶- |
| ۲۸۸- | زبیدی، تاج العروس (مطبعة الخيرية، مصر) ۳۲۲/۹- |
| ۲۸۹- | روضات الجنات (مطبعة اسماعیلیان، قم ایران) ۱۰۹/۶- |
| ۲۹۰- | اردو دائرۃ معارف اسلامیہ، ۳۸۴/۱۷- |
| ۲۹۱- | السيف المسلول، ۸۱-۸۰- |
| ۲۹۲- | منہج المقال، ص ۲۹۸؛ الصافی، ۴/۱- |
| ۲۹۳- | نصیح الاعتقاد، ص ۲۷- |

- ۲۹۳۔ الوافی، ۶/۱۔
- ۲۹۵۔ دائرة المعارف الامامیہ میں احادیث کی تعداد ۱۶۰۹۹ لکھی ہے: ص ۷۰؛ السيد حسن صدر، تاسیس الشیخہ للعلوم الاسلام (شركة النشر والطباعة العراقية المحدودة، العراق)، ص ۲۸۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۳۸۵/۱۔
- ۲۹۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۳۸۵/۱؛ ڈاکٹر خالد محمود، آثار الحدیث، (دارالمعارف، لاہور طبع اول ۱۹۸۵ء) ۳۱۶/۱-۳۱۷۔
- ۲۹۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۳۸۵/۱۔
- ۲۹۸۔ کلینی، اصول الکافی (تہران ۱۳۸۱ھ) ۲۳۰/۲۔
- ۲۹۹۔ اصول الکافی، ۲۶۶/۲۔
- ۳۰۰۔ ابن المظہر، رجال الحلی (منشورات الرضی قم) ص ۲۱۶۔
- ۳۰۱۔ ایضاً، ص ۲۴۰۔
- ۳۰۲۔ کلینی، اصول الکافی، ۲۲۱/۱۔
- ۳۰۳۔ سیر اعلام النبلاء (مؤسسة الرسالة، بیروت) ۳۰۳/۱۶۔
- ۳۰۴۔ سیر اعلام النبلاء، ۳۰۳/۱۶؛ اس کا ترجمہ مزید دیکھیں: ابن ندیم، الفہرست، ص ۲۷۷؛ طوسی، فہرست طوسی، ص ۱۵۶-۱۵۷؛ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۸۹/۳؛ سمعانی الانساب، ۲۳۰/۲-۲۳۷؛ خوانساری، روضات الجنات، ص ۵۵۷-۵۶۰۔
- ۳۰۵۔ شیعہ کتب حدیث کی تاریخ تدوین، ص ۱۷۹، بحوالہ ترجمہ وجیزہ، ص ۱۱ (دائرہ معارف الامامیہ کے مطابق حدیث کی تعداد ۹۰۴۴ ہے، ص ۷۰)۔
- ۳۰۶۔ آثار الحدیث، ۱/۳۱۷۔
- ۳۰۷۔ الاربدیلی، جامع الرواة (مطبعة اسماعیلیان، قم) ۵۳۰/۲-۵۳۵؛ رجال العلامة الحلی، ص ۲۲۷۔
- ۳۰۸۔ ابو جعفر طوسی، فہرست کتب الشیعہ (کلکتہ ۱۲۷۱ھ) ص ۲۵۸ (مکمل فہرست)۔
- ۳۰۹۔ رجال النجاشی، ص ۳۸۷؛ غنئی المقال، ص ۲۶۹؛ روضات الجنات، ص ۵۸۰ تا ۵۹۰؛ قصص العلماء، ص ۳۱۲؛ شذور العقیان، ص: ورق ۱۱۶ تا ۱۲۱؛ ہدایت حسین: فہرست عربی مخطوطات (بوہار لاہوری، کلکتہ) ص: GAL: Brockelmann, p 405۔
- ۳۱۰۔ آثار الحدیث، ۱/۳۱۷۔ دائرہ معارف الامامیہ کے مطابق تعداد احادیث ۱۳۵۹۰ ہے۔
- ۳۱۱۔ آثار الحدیث، ۱/۳۱۷۔

- ۳۱۲۔ آثار الحدیث، ۱/۳۱۴-۳۱۵۔
- ۳۱۳۔ شیعہ کتب احادیث، مؤلف؛ رجال النجاشی، ص ۲۸۷؛ غتبی المقال، ص ۲۶۹؛ روضات الجنات، ص ۵۸۵ تا ۵۹۵، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۲/۵۷۳-۵۷۴؛ الطوسی، الاستبصار: جلد اول، ابتدائی معلومات۔
- ۳۱۴۔ رجال النجاشی (منشورات داوری، قم، ایران) ص ۵۵۔
- ۳۱۵۔ رجال ابن داؤد الحلی (منشورات الرضی، قم، ایران) ص ۲۲۹۔
- ۳۱۶۔ طباطبائی، الفوائد الرجالیہ (دارالعلمین، نجف) ص ۳۳۹-۳۴۰۔
- ۳۱۷۔ رجال العلامة حلی، ص ۱۴۶۔
- ۳۱۸۔ رجال کشی، ص ۱۲۔
- ۳۱۹۔ عبد الحمید خروب، رویۃ الحدیث عند شیعۃ الامامیہ (مقالہ برائے ایم اے، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، ۱۹۹۶ء، غیر مطبوع) ص ۳۵۴۔
- ۳۲۰۔ رجال طوسی (نجف ۱۳۸۱ھ) ص ۲۔
- ۳۲۱۔ رجال طوسی، ص ۵۵-۵۸۔
- ۳۲۲۔ الفہرست (مقدمہ)۔
- ۳۲۳۔ ابو زہرہ، الامام جعفر الصادق (دار الفکر العربی، بیروت) ص ۴۵۸۔
- ۳۲۴۔ رجال النجاشی، ص ۷۹۔
- ۳۲۵۔ الفوائد الرجالیہ (دارالعلمین، النجف) ۲/۸۸۔
- ۳۲۶۔ المامقانی، عبد اللہ، تنقیح المقال فی علم الرجال (النجف ۱۳۵۲ھ) ۱/۵۔
- ۳۲۷۔ بغدادی، الفرق بین الفرق، ص ۹۴-۹۸۔
- ۳۲۸۔ السمل والنخل، ۱/۵۵؛ تھانوی، کشاف اصطلاحات الفنون (دار الکتب العلمیہ، بیروت) ۳/۳۰۲۔
- ۳۲۹۔ منقول از شرح مختصر الفرق بین الفرق، از قلب۔
- ۳۳۰۔ زہدی، حسن جار اللہ، تاریخ معتزلہ، ص ۳۷ بحوالہ المذیہ والائل، ص ۲۔
- ۳۳۱۔ العلم الشامخ، ص ۳۰۰-۳۱۵؛ تھانوی، کشاف اصطلاحات الفنون، ۳/۳۰۲۔
- ۳۳۲۔ المذیہ والائل، ص ۲۔
- ۳۳۳۔ زہری، حسن جار اللہ، تاریخ معتزلہ، ص ۴۱۔
- ۳۳۴۔ الفرق بین الفرق، ص ۹۴۔
- ۳۳۵۔ الانتصار، ص ۱۲۶۔

- ۳۳۶۔ الوفيات، ۱/۱۸۰؛ معجم الادباء، ۱۹/۲۳۳۔
- ۳۳۷۔ تاریخ معتزله، ص ۵۹۔
- ۳۳۸۔ الفرقان (۲۵) ۶۸۔
- ۳۳۹۔ العقائد النسفية، ص ۱۱۷-۱۱۸۔
- ۳۴۰۔ ایضاً۔
- ۳۴۱۔ الانتصار، ۱۶۳، العقائد النسفية، ص ۱۱۹۔
- ۳۴۲۔ الفرق بین الفرق، ص ۹۷، تاریخ معتزله، ص ۶۳۔
- ۳۴۳۔ العقائد النسفية، ص ۱۱۹۔
- ۳۴۴۔ تاریخ بغداد، ۷/۶۱۔
- ۳۴۵۔ عیون الاخبار، ۲/۱۳۸-۱۳۹۔
- ۳۴۶۔ A History of Christian thought, p308.
- ۳۴۷۔ العنکبوت (۲۹) ۴۶، مسند ابن حنبل، ۲/۱۸۶۔
- ۳۴۸۔ المائده (۵) ۸۲۔
- ۳۴۹۔ تاریخ معتزله، ص ۹۹۔
- ۳۵۰۔ ابن عبد ربہ، العقد الفريد، ۱/۲۰۸-۲۱۸۔
- ۳۵۱۔ تاریخ معتزله، ص ۱۱۳۔
- ۳۵۲۔ ایضاً، ص ۱۱۲۔
- ۳۵۳۔ ایضاً، ص ۱۱۳۔
- ۳۵۴۔ تاریخ معتزله۔
- ۳۵۵۔ الشعراء (۲۶) تاریخ معتزله، ص ۱۴۲ بحوالہ الانتصار، ص ۱۵۔
- ۳۵۶۔ اسلامی مذاہب (مترجم غلام احمد حریری) ص ۲۱۶۔
- ۳۵۷۔ مروج الذهب مسعودی، ۲/۱۹۰۔
- ۳۵۸۔ اسلامی مذاہب، ص ۲۱۷ بحوالہ شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید۔
- ۳۵۹۔ المحی، فخر الدین بن زبیر، التوضیحات الاثریہ (مکتبہ الرشید، الرياض، ۱۹۹۹م) ص ۵۷۔
- ۳۶۰۔ الجاحظ، البیان والتبيين، ۱/۸۔
- ۳۶۱۔ المنیۃ والاعمال، ص ۲۲؛ الوفيات الاعیان، ۱/۵۴۷۔

- ۳۶۲۔ الوفيات، ۱/۳۲۲۔
- ۳۶۳۔ شرح العيون، ص ۱۶۱۔
- ۳۶۴۔ تاریخ معتزله، ص ۱۲۹۔
- ۳۶۵۔ الملل والنحل، ۱/۷۶۔
- ۳۶۶۔ تاریخ معتزله، ص ۲۷۰۔
- ۳۶۷۔ الملل والنحل، ۱/۷۵-۷۶۔
- ۳۶۸۔ تاریخ بغداد، ۷/۱۶۲۔
- ۳۶۹۔ الانصار، ص ۶۰۔
- ۳۷۰۔ مروج الذهب، ۲/۳۰۲۔
- ۳۷۱۔ الفرق بين الفرق، ص ۹۳۔
- ۳۷۲۔ (الموسيه) تاریخ معتزله، ص ۲۸۸۔
- ۳۷۳۔ تاریخ معتزله، ص ۲۸۸۔
- ۳۷۴۔ ایضاً، ص ۲۸۹۔
- ۳۷۵۔ تاویل مختلف الحدیث۔
- ۳۷۶۔ الوفيات، ۱/۶۸۵۔
- ۳۷۷۔ الوفيات، ۱/۶۸۶؛ الملل والنحل، ۱/۷۳۔
- ۳۷۸۔ الملل والنحل، ۱/۸۲۔
- ۳۷۹۔ ایضاً علیہ السلام۔
- ۳۸۰۔ تاریخ معتزله، ص ۳۰۲۔
- ۳۸۱۔ تاریخ معتزله، ص ۳۰۸؛ الفرق بين الفرق، ص ۲۶۱-۲۶۲؛ کشاف اصطلاحات الفنون ۳/۳۰۲ (اس کتاب میں فرقوں کے نام ہیں)۔ العمید عبدالرزاق محمد الاسود، موسوعة الادیان المذاهب (الدرر العربیة للموسوعات بیروت الطبعة الثانية ۲۰۰۰م) ۲/۲۳۱-۲۳۲۔
- ۳۸۲۔ تاریخ معتزله، ص ۳۱۶۔
- ۳۸۳۔ الطبری، تاریخ الامم والملوک، ۲/۳۶۔
- ۳۸۴۔ دول الاسلام، ۱/۶۵۔
- ۳۸۵۔ مروج الذهب، ۶/۳۲۔

- ۳۸۶۔ تاریخ الامم والملوک، ۵۵/۹۔
- ۳۸۷۔ ابن الاثیر، التاريخ الكامل، ۱۷۳/۵۔
- ۳۸۸۔ تاریخ معتزلہ، ص ۳۱۸۔
- ۳۸۹۔ ابن قتیبہ، عیون الاخبار، ۲۰۹/۱۔
- ۳۹۰۔ الیعقوبی، التاريخ، ۱۰۹/۱۔
- ۳۹۱۔ شذرات الذهب، ۳۰۳/۱۔
- ۳۹۲۔ معجم الادباء، ۳۰/۲۰۔
- ۳۹۳۔ تاریخ بغداد، ۶۳/۷۔
- ۳۹۴۔ تاریخ الامم والملوک، ۲۲۰/۱۰۔
- ۳۹۵۔ السمل والنحل، ۷۸/۱۔
- ۳۹۶۔ الفرق بین الفرق، ص ۱۵۷۔
- ۳۹۷۔ الوفيات، ۳۲/۱۔
- ۳۹۸۔ تاریخ بغداد، ۱۳۲/۴۔
- ۳۹۹۔ الطبری، التاريخ، ۷/۱۰۔
- ۴۰۰۔ الانبیاء (۲۱) ۲۔
- ۴۰۱۔ الطبری، التاريخ، ۲۸۷/۱۔
- ۴۰۲۔ الطبری، التاريخ، ۲۸۹/۱۰-۲۹۱۔
- ۴۰۳۔ تاریخ معتزلہ، ص ۳۳۲ بحوالہ المناقب، ص ۴۰۰۔
- ۴۰۴۔ تاریخ المعتزلہ، ص ۳۳۲۔
- ۴۰۵۔ الوفيات، ۳۳/۱۔
- ۴۰۶۔ طبقات الشافعیہ، ۲۰۹/۱۔
- ۴۰۷۔ تاریخ المعتزلہ، ص ۳۳۹؛ المناقب، ص ۳۹۴۔
- ۴۰۸۔ تاریخ المعتزلہ، ص ۳۴۱؛ المناقب، ص ۳۷۴۔
- ۴۰۹۔ العقول المختار، ۱۳۳/۲-۱۳۳۔
- ۴۱۰۔ شذرات الذهب، ۷۵/۲۔
- ۴۱۱۔ الیعقوبی، التاريخ، ۵۸۸/۲۔
- ۴۱۲۔ ابن الاثیر، التاريخ الكامل، ۱۶/۷؛ الطبری، التاريخ، ۲۰، ۱۹/۱۱۔

- ۴۱۳- تاریخ معتزلہ، ص ۳۴۵۔
- ۴۱۴- الطبری، التاريخ، ۱۱/۳۶۔
- ۴۱۵- الیعقوبی، التاريخ، ۲/۵۹۲۔
- ۴۱۶- الیعقوبی، التاريخ، ۲/۵۹۷؛ الطبری، التاريخ، ۱۱/۴۵-۴۶۔
- ۴۱۷- تاریخ معتزلہ، ص ۳۵۷۔
- ۴۱۸- الطبری، التاريخ، ۱۱/۶۲-۶۶۔
- ۴۱۹- تاریخ معتزلہ، ص ۳۷۰۔
- ۴۲۰- اردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۲۰۰۱ء) ۲۱/۳۲۳۔
- ۴۲۱- تاریخ المعتزلہ، ص ۲۶۹-۲۷۰۔
- ۴۲۲- حدیث رسول کا تشریحی مقام (ترجمہ غلام احمد حریری) ص ۲۷۷ بحوالہ الاحکام، ۲/۷۵۔
- ۴۲۳- الاحکام، ۲/۶۸۔
- ۴۲۴- تدریب الراوی، ص ۱۷۔
- ۴۲۵- حدیث کا تشریحی مقام، ص ۲۷۸ بحوالہ الاحکام، ۱/۱۱۹۔
- ۴۲۶- ابن القیم، اعلام الموقعین، ۲/۲۲۱، حدیث کا تشریحی مقام، ص ۲۷۸۔
- ۴۲۷- الفرق بین الفرق، ص ۷۲۔
- ۴۲۸- ایضاً، ص ۷۷۔
- ۴۲۹- ایضاً۔
- ۴۳۰- الکفایۃ، ص ۲۲۰۔
- ۴۳۱- حدیث رسول ﷺ کا تشریحی مقام بحوالہ تاویل مختلف الحدیث، ص ۲۱۔
- 432- Hans Wehr, Dictionary of Modern written Arabic, (ed. J.M Cowan, New York, 1961).
- ۴۳۳- مجلہ دارالعلوم دیوبند، مارچ ۱۹۸۸ء (محمد یوسف رامپوری، ”تحریک استشراق“ ص ۳۲-۳۵)۔
- ۴۳۴- عمر فروخ، الاستشراق، مالہ۔۔۔ و ما علیہ، الاستشراق والمستشرقون (عدد خاص، مجلہ المنہل، عدد ۴۷۱ (اپریل/مئی ۱۹۸۹ء) ص: ۱۵)۔
- 435- Karen Armstrong, Muhammad a Bibliography of the Prophet York, 1992) p.25 (New
- ۴۳۶- تحریک استشراق، ص ۴۲-۴۳۔

۲۳۷- المصدر السابق، ص ۴۴-

۲۳۸- Edward W. Saeed, Orientalism (New York, 1978) p.17-18

۲۳۹- السامرائی، نعمان عبدالرزاق، الفكر العربي والفكر الاستشراقی (الرياض ۱۹۸۹) ص: ۳۰-

۲۴۰- الندوی، ابوالحسن علی، الاسلامیات بین کتابات المستشرقین (مؤسسة الرسالة، بیروت) ص ۱۵-۱۶-

۲۴۱- بدای، ڈاکٹر عبدالرحمن، موسوعة المستشرقین (دار العلم للملايين بیروت، الطبعة الاولى ۱۹۸۳ء)۔

۲۴۲- السباعی، ڈاکٹر مصطفیٰ، حدیث رسول کا تشریحی مقام، ص: ۴۶۶-۴۶۷-

۲۴۳- مشکاة المصابیح، ص ۳۱-

۲۴۴- سلفی، لقمان علی، ڈاکٹر، السنۃ حجیتها ومکانتها فی الاسلام والرد علی منکرینھا (مکتبہ الایمان، المدینۃ المنورۃ،

۱۹۸۹ء، الطبعة الاولى) ص ۲۱۶-۲۱۷-

۲۴۵- ڈاکٹر خالد علوی، حفاظت حدیث، ص ۱۷-۱۸-

۲۴۶- شمس، دکتور رؤف، السنۃ الاسلامیۃ بین اثبات الفاهمین ورفض الجاهلین (مطبعة التقدم،

الکویت، الطبعة الرابعة، ۱۹۸۲ء) ص: ۱۱۷-۱۱۸-

۲۴۷- السنۃ حجیتها ومکانتها فی الاسلام والرد علی منکرینھا، ص ۲۳۰-۲۳۱؛ حمدی، دکتور محمد،

الاستشراق والخلفية الفكرية للصراع الحضاري (دار المنارة قاهرہ ۱۹۸۹ء) ص ۱۲۲-

۲۴۸- المائدة (۵) ۳-

۲۴۹- ترمذی، السنن، (تحقیق: احمد محمد شاكر، دار احیاء التراث العربی بیروت) ۳۴/۵-

۲۵۰- ابن حزم، الفصل فی الملل والنحل، ۲/۲۲۳-۲۲۵-

۲۵۱- السنۃ حجیتها ومکانتها فی الاسلام والرد علی منکرینھا، ص ۲۴۰-

۲۵۲- ابن القيم، المنار المنيف فی الصحيح والضعيف (مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ

حلب ۱۹۷۰ء)؛ الحاکم، معرفة علوم الحديث، ص ۶۲-

۲۵۳- ابواسحاق ابراہیم بن علی الشیرازی، التعبير فی اصول الفقه (دار الفکر دمشق، ۱۳۲۱) ص ۳۲۹-

454- Gold Ziher, Muslim studies, (George Allen & Unmin

Ltd., London, First Edition 1967) 2/51

۲۵۵- حدیث رسول کا تشریحی مقام، ۲۸۸-

۲۵۶- Muslim studies

۲۵۷- تاریخ یعقوبی، (بیروت ۱۹۶۰) ۳/۷-۸-

- ۳۵۸۔ ابن الاثیر، الکامل، ۴/۱۳۵؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، (دار الریان مصر ۱۹۸۸ء) ص ۱۶۵۔
- ۳۵۹۔ ابن تیمیہ، فتاویٰ (ادارۃ الحجۃ الاسلامیہ الریاض، ۱۹۸۱ء) ۱۲/۲۷۔
- ۳۶۰۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۱۱۸۹، ص ۱۹۰۔
- ۳۶۱۔ تاریخ تدوین، ص ۱۰۲-۱۰۳۔
- ۳۶۲۔ احمد المہند، مسلم، الجامع الصحیح؛ بخاری، الجامع الصحیح۔
- ۳۶۳۔ ابن تیمیہ، فتاویٰ، ۵/۲-۶۔
- ۳۶۴۔ حدیث رسول کا تشریحی مقام، ص ۴۱۹-۵۱۴۔
- ۳۶۵۔ ایضاً، ص ۴۷۶-۵۱۱؛ ڈاکٹر لقمان علی سلفی، السنۃ، ص ۲۲۷-۲۳۱۔
- ۳۶۶۔ المائدہ (۵) ۳۔
- ۳۶۷۔ حدیث رسول کا تشریحی مقام، ص ۴۷۷۔
- ۳۶۸۔ ایضاً، ص ۴۷۷-۴۷۸۔
- ۳۶۹۔ ایضاً، ص ۴۸۰۔
- ۴۷۰۔ ایضاً، ص ۴۸۲۔
- ۴۷۱۔ ایضاً، ص ۴۸۳-۴۸۴۔
- ۴۷۲۔ ایضاً، ص ۴۸۵-۴۸۶۔
- ۴۷۳۔ ایضاً، ص ۴۸۶۔
- ۴۷۴۔ ڈاکٹر لقمان علی سلفی، السنۃ، ص ۲۳۹۔
- ۴۷۵۔ حدیث رسول کا تشریحی مقام، ص ۵۱۱-۵۱۲۔
- ۴۷۶۔ تدبر، لاہور شمارہ ۵۹، جنوری ۱۹۹۸ء، ص ۱۱۔
- ۴۷۷۔ ہفت روزہ، بکبیر، کراچی ج ۱۹، شمارہ نمبر ۵۲، ۱۹، ۲۵ دسمبر ۱۹۹۷ء، ص ۴۷۔
- ۴۷۸۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، ۲/۱ (فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۳-۱۹۷۷ء) ۶/۱۔
- ۴۷۹۔ ایضاً، (فاران فاؤنڈیشن لاہور، طبع اول ۱۹۸۹ء) ص ۱۴۔
- ۴۸۰۔ ایضاً، اسلامی قانون کی تدوین، ص ۶۸، بحوالہ حدرجم اور اس کی شرعی حیثیت، ص ۴۸-۴۹۔
- ۴۸۱۔ یوسف، صلاح الدین، حافظ، حدرجم اور اس کی شرعی حیثیت (المکتبہ السلفیہ لاہور) ص ۱۲-۴۸۔
- ۴۸۲۔ ترجمان القرآن، لاہور اکتوبر ۱۹۵۵ء، ص ۱۳۷۔
- ۴۸۳۔ الجزازی، توجیہ النظر الی اصول الاثر، ص ۳۔

- ۴۸۴۔ محبت اللہ بن عبد الشکور، مسلم الثبوت، ۲/۶۶۔
- ۴۸۵۔ الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، ابواسحاق، الموافقات فی اصول الشریعہ (المطبعہ الرحمانیہ القاہرہ) ۳/۳۔
- ۴۸۶۔ احمد المعروف ملا جیون، نور الانوار مع شرح قمر الاقمار (مطبعہ علمی لاہور ۱۹۵۸ء) ص ۱۷۵۔
- ۴۸۷۔ الشوکانی، محمد بن علی، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول (دار الباز مکہ المکرمہ) ص ۲۹۔
- ۴۸۸۔ صدیق حسن، نواب السید، حصول المامول من علم الاصول (مطبع مصطفیٰ محمد القاہرہ، ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء) ص ۳۸۔
- ۴۸۹۔ لکھنوی، ظفر الامانی، ص ۲۲-۲۵۔
- ۴۹۰۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۲۸۔
- ۴۹۱۔ ایضاً، ص ۱۹۱-۲۱۷۔
- ۴۹۲۔ ایضاً، ص ۲۱۸۔
- ۴۹۳۔ النحل (۱۶) ۳۳۔
- ۴۹۴۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۱۲۶۔
- ۴۹۵۔ ابن ماجہ، السنن (ادارہ احیاء السنۃ النبویہ سرگودھا) ص ۱۸۶۔
- ۴۹۶۔ بخاری، الجامع الصحیح (نور محمد، اصح المطابع کراچی)، ۲/۱۰۰۹؛ مسلم، الجامع الصحیح، ۲/۶۵، کتاب الحدود۔
- ۴۹۷۔ تدبر قرآن، ۲/۵۰۲۔
- ۴۹۸۔ ایضاً، ۴/۵۰۵۔
- ۴۹۹۔ مسلم، الجامع الصحیح، ۲/۶۸۔
- ۵۰۰۔ تدبر قرآن، ۱/۲۷۔
- ۵۰۱۔ صدیق حسن، حصول المامول من علم الاصول، ص ۱۲۷۔
- ۵۰۲۔ زرقانی، عبد العظیم، مناهل العرفان فی علوم القرآن (دار احیاء التراث العربی القاہرہ) ۲/۱۳۹-۱۴۰۔
- ۵۰۳۔ النجم (۵۲) ۳-۲۔
- ۵۰۴۔ مبادی تدبر حدیث، ص ۵۴۔
- ۵۰۵۔ بخاری، الجامع الصحیح، ۱/۸۔
- ۵۰۶۔ ابن حجر، فتح الباری (ادارہ الدعوة والارشاد الریاض)، ۱/۲۵۔
- ۵۰۷۔ مسلم، الجامع الصحیح مع شرح نووی، ۱/۳۷۔
- ۵۰۸۔ ایضاً، ۱/۳۹۔
- ۵۰۹۔ البقرة (۲) ۲۳۰۔

- ۵۱۰۔ تذبذب قرآن، ۱/۴۹۳۔
- ۵۱۱۔ صحیح بخاری، ۲/۸۲۵۔
- ۵۱۲۔ کرمانی، شرح الجامع الصحیح البخاری (دار احیاء التراث العربی بیروت)، ۱۹/۲۲۸۔
- ۵۱۳۔ الکہف (۱۸) ۶۵۔
- ۵۱۴۔ تفسیر تذبذب قرآن، ۳/۶۲۔
- ۵۱۵۔ تذبذب قرآن، ۳/۵۶۔
- ۵۱۶۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۳۷۲۵، ص ۹۹۱-۹۹۲۔
- ۵۱۷۔ المجموعہ (۶۲) ۲/۲۔
- ۵۱۸۔ البقرۃ (۲) ۱۲۹۔
- ۵۱۹۔ مبادی تذبذب قرآن، ص ۱۱۰۔
- ۵۲۰۔ ایضاً، ص ۱۱۱۔
- ۵۲۱۔ ایضاً، ص ۱۱۰-۱۱۱۔
- ۵۲۲۔ الشافعی، الرسائل، ص ۳۳-۳۵۔
- ۵۲۳۔ الشافعی، کتاب الام، ۷/۲۷۰-۲۷۱۔
- ۵۲۴۔ ابن عبد البر، جامع بیان العلم وفضلہ، ۱/۲۰-۲۱۔
- ۵۲۵۔ مبادی تذبذب قرآن، ص ۲۱۸۔
- ۵۲۶۔ مبادی تذبذب حدیث، ص ۲۰۔
- ۵۲۷۔ تفسیر تذبذب قرآن، ۱/۲۳۔
- ۵۲۸۔ ایضاً، ۲۳-۲۴، ۲۵۸۔
- ۵۲۹۔ ایضاً، ص ۶۹۔
- ۵۳۰۔ ایضاً، ۲/۱۷۹۔
- ۵۳۱۔ ایضاً، ۳/۵۰، ۱۲۶، ۱۵۳، ۱۶۲، ۳۳۱، ۳۹۷۔
- ۵۳۲۔ ایضاً، ۵/۵۰۱۔
- ۵۳۳۔ ایضاً، ۵/۲۳۳-۲۳۴۔
- ۵۳۴۔ ایضاً، ۶/۱۳۳، ۲۷۳، ۳۶۰، ۳۶۹، ۵۱۶۔



منتخب مصادر ومراجع

- ۱- قرآن مجید
- ۲- ابن الابار، محمد بن عبد اللہ بن ابی بکر القضاہی، المعجم اصحاب ابی علی الصدفی، مدرید ۱۸۸۵ء۔
- ۳- ایضاً، الکملہ لکتاب الصلۃ، مدرید ۱۸۸۶ء۔
- ۴- ابن ابی حاتم، عبد الرحمن بن محمد الرازی، علل الحدیث، دار المعرفہ بیروت ۱۹۸۵ء۔
- ۵- ایضاً، کتاب الجرح والتعدیل، دائرة المعارف العثمانیہ، حیدرآباد الطبعة الاولى ۱۹۶۳ء۔
- ۶- ایضاً، کتاب المراسیل، سائنگھیل شیخوپورہ۔
- ۷- ابن ابی الحدید، عز الدین ابو حامد المدائنی، شرح نهج البلاغة، دار احیاء التراث العربی بیروت۔
- ۸- ابن ابی شیبہ، ابو بکر، المصنف، دار الفکر بیروت الطبعة الائی ۱۹۸۹ء۔
- ۹- ابن ابی العز، صدر الدین علی بن علی، الاتباع، المكتبة السلفية لاہور۔
- ۱۰- ایضاً، شرح عقیدہ الطحاویہ، مکتبہ سلفیہ لاہور۔
- ۱۱- ابن الاثیر، مجد الدین ابوالسعدات المبارک بن محمد، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، تحقیق محمد الطناحی، انصار السنۃ الحمدیہ لاہور۔
- ۱۲- ابن بشکوال، خلف بن عبد الملک، کتاب الصلۃ فی تاریخ آئمۃ الاندلس و علماء ہم ومحدثهم، نشر الیہ عز عطارة القاهرة ۱۹۵۵ء۔
- ۱۳- ابن تیمیہ، ابوالعباس تقی الدین احمد بن عبد الحکیم، شرح عقیدہ واسطیہ، الدعوة والارشاد الرياض۔
- ۱۴- ایضاً، الصارم المسلول علی شاتم رسول، المكتبة الاسلامی بیروت ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء۔
- ۱۵- ایضاً، مجموع فتاویٰ، ترتیب ابو عبد الرحمن بن محمد، الدعوة والارشاد الرياض ۱۳۸۱ھ۔
- ۱۶- ایضاً، منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ، مکتبہ سلفیہ لاہور۔
- ۱۷- ابن الجوزی، عبد الرحمن، الموضوعات، دار لکتب العلمیہ بیروت الطبعة الاولى ۱۹۹۵ء۔
- ۱۸- ابن حبان، محمد البستی، کتاب الجرح وحصن من المحدثین والضعفاء والمترکین، وزارة الاوقاف والشئون الاسلامیہ المملكة العربیہ ۱۹۷۹ء/۱۳۹۳ھ۔

- ۱۹۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ (مقدمہ سیرنگر) مطبوع کلکتہ۔
- ۲۰۔ ایضاً، ایضاً، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۸ھ۔
- ۲۱۔ ایضاً، تقریب التہذیب، دار الفکر بیروت ۱۹۸۵ء۔
- ۲۲۔ ایضاً، ایضاً، المکتبہ التجاریہ مصطفیٰ احمد الباز مکتہ المکرمہ، الطبعة الاولى ۱۹۹۹ء۔
- ۲۳۔ ایضاً، الدرر الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنہ، دار الجلیل بیروت ۱۹۹۳ء۔
- ۲۴۔ ایضاً، فتح الباری لشرح صحیح البخاری، دار النشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۹۸۱ء۔
- ۲۵۔ ایضاً، لسان المیزان، القاہرہ ۱۳۷۲ھ۔
- ۲۶۔ ایضاً، نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، فاروقی کتب خانہ ملتان۔
- ۲۷۔ ایضاً، الکت علی مقدمہ ابن الصلاح، الجامعہ الاسلامیہ المدینۃ المنورہ، الطبعة الاولى ۱۹۸۳ء۔
- ۲۸۔ ایضاً، ہدی الساری مقدمہ فتح الباری، ادارہ الدعوة والارشاد الرياض۔
- ۲۹۔ ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن سعید، الاحکام فی اصول الاحکام، مکتبہ عاطف الازہر الطبعة الاولى ۱۹۶۸ء۔
- ۳۰۔ ایضاً، کتاب الفصل فی الملل والاهواء والنحل، مکتبہ الخانجی القاہرہ ۱۳۲۱ھ۔
- ۳۱۔ ابن خلدون، عبدالرحمن، المقدمة، مصطفیٰ محمد القاہرہ ۱۳۲۹ھ۔
- ۳۲۔ ابن خلکان، ابوالعباس شمس الدین احمد، وفیات الاعیان، منشورات الشریف الرضی قم ایران۔
- ۳۳۔ ابن خیر اشبیلی، ابوبکر محمد، فہرستہ، مکتبہ المثنیٰ بغداد ۱۹۶۳ء۔
- ۳۴۔ ابن درید، ابوبکر محمد بن حسن، کتاب النحیرۃ فی اللغة، دار صادر بیروت۔
- ۳۵۔ ابن دیق القید، الاقتراح فی بیان الاصطلاح، دار لکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۶ء۔
- ۳۶۔ ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۱۹۸۵ء۔
- ۳۷۔ ابن الصلاح، ابو عمر عثمان، علوم الحديث المعروف مقدمہ ابن الصلاح، دار الفکر دمشق الطبعة الثالثہ ۱۹۸۳ء۔
- ۳۸۔ ایضاً، علوم الحديث المعروف مقدمہ ابن الصلاح مع شرح التقييد والايضاح للعراقي، المکتبہ العلمیہ المدینۃ المنورہ۔
- ۳۹۔ ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ، الاستدکار، قاہرہ، الطبعة الاولى ۱۹۹۴ء۔
- ۴۰۔ ایضاً، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (علی هامش الاصابۃ) دار التراث العربی، بیروت۔
- ۴۱۔ ایضاً، التہذیب لما فی الموطا من المعانی والاسانید، مکتبہ التجاریہ مصطفیٰ احمد الباز مکتہ المکرمہ ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء۔

- ۴۲- ایضاً، جامع بیان العلم وفصلہ، دارالفکر بیروت۔
- ۴۳- ابن عدی، ابو احمد عبد اللہ، الکامل فی الضعفاء الرجال، دارالفکر بیروت الطبعة الثانية ۱۹۸۵ء۔
- ۴۴- ابن العربی، قاضی ابوبکر، العواصم من القواصم فی تحقیق مواقف الصحابة بعد وفاة النبی ﷺ القاہرہ۔
- ۴۵- ابن عساکر، علی بن الحسن بن حبیب اللہ، تاریخ مدینہ دمشق بیروت۔
- ۴۶- ابن عطیہ، ابو محمد عبد الحق، فہرس، المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۸۳ء۔
- ۴۷- ابن العماد الحنبلی، شذرات الذهب، المکتبہ التجاری بیروت۔
- ۴۸- ابن فارس، احمد، معجم مقاییس اللغہ، تحقیق عبدالسلام ہارون، دار احیاء التراث العربیہ القاہرہ، ۱۳۶۶ھ۔
- ۴۹- ابن فرحون، ابراہیم بن علی، الدیباچ المذہب فی معرفۃ اعیان المذہب، القاہرہ ۱۳۵۱ھ۔
- ۵۰- ابن الفرغی، ابو الولید عبد اللہ بن محمد بن یونس الازدی، تاریخ علماء الاندلس، مزیوید ۱۹۸۲ء۔
- ۵۱- ابن فہد مکی، تقی الدین ابو الفضل محمد بن محمد، لحظ الالحاظ ذیل طبقات الحفاظ مع تذکرۃ الحفاظ، ردار المکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۸ء۔
- ۵۲- ابن القوتیہ محمد بن عمر، تاریخ فتح الاندلس، المطبعہ المحمودیہ القاہرہ۔
- ۵۳- ابن قیم الجوزیہ، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد، اعلام الموقعین، دار المکتب الحدیثہ مصر ۱۹۶۹ء۔
- ۵۴- ایضاً، المنار المذیف فی الصحیح والضعیف، تحقیق ابو غدة بیروت۔
- ۵۵- ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل، تفسیر القرآن العظیم، سہیل اکیڈمی لاہور ۱۹۷۳ء۔
- ۵۶- ایضاً، البدایہ والنہایہ، دار الریان مصر ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔
- ۵۷- ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن، ادارہ احیاء السنۃ النبویہ سرگودھا۔
- ۵۸- ایضاً، ایضاً، دار السلام الریاض، الطبعة الاولى ۱۹۹۹ء۔
- ۵۹- ابن ماکولا، ابو نصر علی بن ہبۃ اللہ، الاکمال فی رفع الارتياب عن الموقوف والمختلف من الاسماء والکنی والانساب، دار المکتب العلمیہ بیروت الطبعة الاولى ۱۹۹۰ء۔
- ۶۰- ابن المظہر، رجال الحلی، منشورات الرضی قم۔
- ۶۱- ابن منظور، ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر بیروت۔
- ۶۲- ابن وضاح، محمد، کتاب البدع والنہی عنہا، مکتبۃ التوحید والسنۃ پشاور۔
- ۶۳- ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، السنن، القاہرہ۔
- ۶۴- ایضاً، ایضاً، دار السلام الریاض، الطبعة الاولى ۱۹۹۹ء۔

- ۶۵۔ ایضاً، الراہیل، ابن تیمیہ اکادمی لاہور۔
- ۶۶۔ ابوزہرہ، محمد، احمد ابن حنبل، مکتبہ سلفیہ لاہور۔
- ۶۷۔ ایضاً، اسلامی مذاہب، ترجمہ غلام احمد حریری، ملک برادر فیصل آباد طبع دوم ۱۹۷۰ء۔
- ۶۸۔ ابوزہرہ، محمد محمد، الحدیث والمحدثون، دارالکتب العربی بیروت ۱۹۸۳ء۔
- ۶۹۔ ایضاً، الحدیث، والمحدثون (ترجمہ تاریخ حدیث و محدثین غلام احمد حریری) مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور۔
- ۷۰۔ ابو عبید قاسم بن سلام، کتاب النسب، دارالفکر بیروت الطبعة الاولى ۱۹۸۹ء۔
- ۷۱۔ ابو عمرو، رجال کشی، مطبوعہ مؤسسہ الاعلیٰ کربلا عراق۔
- ۷۲۔ ابوالفضل، محمد یاسین بن محمد الفارانی المکی، العجالة فی الاحادیث المسلسله، مطبوعہ عطاءیریہ جکارتہ انڈونیشیا۔
- ۷۳۔ ابو محمد عبدالمہدی بن عبدالقادر بن عبدالحادی، طرق تخریج حدیث، دارالاعتصام القاہرہ۔
- ۷۴۔ اثری، ارشاد الحق، پاک و ہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات، ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد طبع دوم ۲۰۰۱ء۔
- ۷۵۔ اثری، عبدالحلیل، تحفہ اہل النظر فی مصطلح اہل الخمر، یادگار لائبریری گوجرانوالہ ۱۹۹۸ء۔
- ۷۶۔ احسان الحق، سبیل المسلمین، ادارہ صوت القرآن لاہور۔
- ۷۷۔ احسان عباس، الدكتور، تاریخ الادب الاندلس، دارالثقافہ بیروت ۱۹۷۹ء۔
- ۷۸۔ احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، جامعۃ ام القریٰ مکہ المکرمہ، الطبعة الاولى ۱۹۸۳ء۔
- ۷۹۔ ایضاً، کتاب الاسامی والکنی (تحقیق عبداللہ بن یوسف المجدلی) مکتبہ دارالاقصی الکویت ۱۹۸۵ء۔
- ۸۰۔ ایضاً، کتاب العلل ومعرفۃ الرجال (تحقیق الاستاذ الدكتور طلعت قوج بیکیت، الاستاذ الدكتور اسماعیل جراح اوغلی) المکتبہ الاسلامیہ استانبول ترکیا ۱۹۸۷ء۔
- ۸۱۔ ایضاً، المسند، دارالفکر القاہرہ۔
- ۸۲۔ ایضاً، ایضاً، دارالفکر بیروت۔
- ۸۳۔ احمد امین، ظہر الاسلام، دارالکتب العربی بیروت ۱۹۷۹ء۔
- ۸۴۔ احمد سعید دہلوی، حدیث قدسیہ، دارالمطالعہ حاصل پور۔
- ۸۵۔ احمد محمد شاہ، الباعث الحسبیت شرح اختصار علوم الحدیث، دارالتراث القاہرہ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔
- ۸۶۔ احمد محمد نور، ذاکر، من ادب المحدثین فی الترویج والتعلیم، دارالبھوت للتذات الاسلامیہ واحیاء التراث وعی

الطبعة الثانية ۱۹۹۸ء۔

- ۸۷۔ الاردنی، جامع الرواة، مطبعة اسماعیلیان قم۔
- ۸۸۔ الازدی، ابو محمد عبد الغنی بن سعید، کتاب المؤتلف والمختلف فی الاسماء نقلت الحدیث وکتاب تشابه النسب، مطبعة انوار احمدی الہ آباد الہند۔
- ۸۹۔ الازہری، ابو منصور محمد بن احمد، تہذیب اللغة، دار الکتب المصریہ القاہرہ۔
- ۹۰۔ الازہری، پیر محمد کرم شاہ، سنت خیر الانام، بھیرہ پنجاب طبع اولیٰ ۱۹۵۵ء۔
- ۹۱۔ اسعدی، محمد عبد اللہ، علوم الحدیث، مجلس نشریات اسلام کراچی۔
- ۹۲۔ الاشعری، ابوالحسن علی بن اسماعیل، الابانۃ عن الاصول الدیانۃ، مکتبہ دارالبیان بیروت الطبعة الاولیٰ ۱۹۸۱ء۔
- ۹۳۔ اصغر حسین، حیات شیخ الہند، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۷۷ء۔
- ۹۴۔ الاصفہانی، ابوالقاسم حسین بن محمد المعروف الراغب، المفردات فی غریب القرآن، دارالمعرفۃ بیروت۔
- ۹۵۔ الاصفہانی، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء مصر ۱۳۵۱ھ۔
- ۹۶۔ ایضاً، ایضاً، دارالکتب العلمیہ بیروت الطبعة الاولیٰ ۱۹۸۸ء۔
- ۹۷۔ ایضاً، معرفۃ الصحابہ، مکتبۃ الحرمین الریاض الطبعة الاولیٰ ۱۹۸۸ء۔
- ۹۸۔ اصلاحی، امین احسن، اسلامی قانون کی تدوین، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۲۰۰۰ء۔
- ۹۹۔ ایضاً، تدبر القرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۳ء۔ ۱۹۷۷ء۔
- ۱۰۰۔ ایضاً، مبادی تدبر حدیث فاران فاؤنڈیشن لاہور طبع الاولیٰ ۱۹۸۹ء۔
- ۱۰۱۔ اصلاحی، ضیاء الدین، تذکرۃ المحدثین، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد طبع اول ۱۹۸۹ء۔
- ۱۰۲۔ اصلاحی، نجم الدین، دلائل السنن والآثار، ادارہ معارف اسلامیہ منصورہ لاہور طبع اول ۱۹۸۷ء۔
- ۱۰۳۔ اطہر مبارک پوری، قاضی، رجال السند والہند، المطبع الحجازیہ بمبئی ۱۹۵۸ء۔
- ۱۰۴۔ الالبانی، محمد ناصر الدین، سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، المکتب الاسلامی بیروت۔
- ۱۰۵۔ ایضاً، سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ، المکتبہ الاسلامی بیروت۔
- ۱۰۶۔ امرتسری، خواجہ احمد دین، تسہیل برہان القرآن، دوست ایسوسی ایشن لاہور۔
- ۱۰۷۔ امین ابوللاوی، اصول الجرح والتعدیل، دار بن عفان المملکۃ العربیۃ السعودیۃ۔
- ۱۰۸۔ امینی، محمد تقی، حدیث کا درایتی معیار، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۹۸۶ء۔
- ۱۰۹۔ الانصاری، حماد بن محمد، یانغ الثمر فی مصطلح اہل الاثر، مکتبہ ابن قیم المدینہ المنورہ۔

- ۱۱۰۔ الانصاری، زکریا بن محمد ابویحییٰ، فتح الباقی بشرح الفیہ العراقی، مجلس التحقیق الاثری، جہلم ۱۳۱۳ھ۔
- ۱۱۱۔ انظر شاه مسعودی، نقش دوام، مکتبہ بنوریہ کراچی۔
- ۱۱۲۔ انعام اللہ جان، یہودی سازشیں اور فتنہ انکار حدیث پشاور۔
- ۱۱۳۔ الباجی، سلیمان بن خلف، ابوالولید، التحدیل والتجرح، دار اللواء الرياض ۱۹۸۵ء
- ۱۱۴۔ باقلانی، محمد بن طیب، ابوبکر، اعجاز القرآن، دار المعارف مصر التماہرہ الطبعة الثالثة۔
- ۱۱۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، التاريخ الاوسط، دار الصمعی الرياض الطبعة الاولى ۱۹۹۸ء۔
- ۱۱۶۔ ایضاً، التاريخ الكبير، دار الفكر، بیروت۔
- ۱۱۷۔ ایضاً، الجامع الصحیح، مکتبہ دار السلام الرياض الطبعة الثانية ۱۹۹۹ء
- ۱۱۸۔ ایضاً، الکفی، دائرة المعارف عثمانیہ حیدرآباد ۱۳۶۰ھ۔
- ۱۱۹۔ بدوی، عبدالرحمن، ڈاکٹر، موسوعة المستشرقین، دار العلم للملایین بیروت الطبعة الاولى ۱۹۸۳ء۔
- ۱۲۰۔ برق، غلام جیلانی، دواسلام، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔
- ۱۲۱۔ ایضاً، حرف محرمانہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔
- ۱۲۲۔ برنی، آئی ایچ، مسلم سین، کفایت اکیڈمی کراچی ۱۹۹۰ء۔
- ۱۲۳۔ البغدادی، عبدالقادر بن طاہر، الفرق بین الفرق، دار المعرفة بیروت الطبعة الثالثة ۱۳۲۱ھ/۲۰۰۱ء۔
- ۱۲۴۔ البغوی، ابو محمد حسین بن مسعود، مصابیح السنہ، دار المعرفة بیروت الطبعة الاولى ۱۹۸۷ء۔
- ۱۲۵۔ ایضاً، معالم التنزیل المعروف تفسیر بغوی (علی ہاشم تفسیر خازن) دار الفکر بیروت۔
- ۱۲۶۔ ایضاً، ایضاً، مصطلحی البابي، واولاده بمصر، الطبعة الثانية ۱۹۵۵ء۔
- ۱۲۷۔ بلخی، افتخار احمد، انکار حدیث کا منظر و پس منظر، مکتبہ چراغ راہ کراچی۔
- ۱۲۸۔ بلیاوی، ابو الفضل عبدالحفیظ، مصباح اللغات، سعید اینڈ کمپنی کراچی ۱۹۷۳ء۔
- ۱۲۹۔ بہاری، فضل حسین، الحیاء بعد الہما، مکتبہ شعیب حدیث منزل کراچی ۱۹۵۹ء۔
- ۱۳۰۔ البہاری، محبت اللہ بن عبدالشکور، مسلم الثبوت مع شرح فوائد الرحموت المطبعة المنیریہ مصر ۱۳۲۲ھ۔
- ۱۳۱۔ بھٹی، محمد اسحاق، بر صغیر میں اہل حدیث کی آمد، مکتبہ قدوسیہ لاہور۔
- ۱۳۲۔ ایضاً، فقہائے ہند (تیرھویں صدی ہجری) ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔
- ۱۳۳۔ البیہقی، احمد بن الحسین، ابوبکر، دلائل النبوة، مطابع الاحرام التجاریہ ۱۹۶۹ء۔
- ۱۳۴۔ ایضاً، مناقب الشافعی، دار التراث القاہرہ۔
- ۱۳۵۔ پانی پتی، ثناء اللہ قاضی، السیف السلول (ترجمہ محمد رفیق الاثری) فاروقی کتب خانہ ملتان ۱۹۷۹ء۔

- ۱۳۶۔ ثنی، محمد طاہر، تذکرۃ الموضوعات، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۹۹ھ۔
- ۱۳۷۔ پرویز، غلام احمد، تصوف کی حقیقت، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور ۱۹۹۶ء۔
- ۱۳۸۔ ایضاً، معارف القرآن، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور۔
- ۱۳۹۔ ایضاً، معراج انسانیت، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور۔
- ۱۴۰۔ التبریزی الخطیب، ابو عبد اللہ محمد، مشکاة المصابیح، دار الفکر بیروت الطبعة الاولى ۱۹۹۱ء۔
- ۱۴۱۔ ایضاً، ایضاً، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۳۶۸ھ۔
- ۱۴۲۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، السنن، دار السلام الریاض الطبعة الاولى ۱۹۹۹ء۔
- ۱۴۳۔ ایضاً، ایضاً، قرآن محل کراچی۔
- ۱۴۴۔ تمنا عمادی، محی الدین، اعجاز القرآن واختلاف قرأت، رحمان پبلشنگ ناظم آباد کراچی ۱۹۹۴ء۔
- ۱۴۵۔ التوجی، محمد ڈاکٹر، معجم الأعلام الحدیث النبوی، مرکز المخطوطات الکویت الطبعة الاولى ۱۹۹۹ء۔
- ۱۴۶۔ التھانوی، محمد علی بن علی بن محمد، کشف اصطلاحات الفنون، دار الکتب العلمیہ بیروت الطبعة الاولى ۱۹۹۹ء۔
- ۱۴۷۔ جرجانی، السید شریف، التعریفات، مکتبہ المصطفیٰ البابی واولادہ مصر ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء۔
- ۱۴۸۔ الجزاؤی، طاہر بن صالح، توجیہ النظر الی اصول الاثر، دار المعرفۃ بیروت القاہرۃ ۱۳۲۸ھ۔
- ۱۴۹۔ جوہری، اسماعیل بن حماد، ابوالفداء، الصحاح (مقدمہ) القاہرہ۔
- ۱۵۰۔ جھنڈاگری، عبدالرؤف رحمانی، العلم والعلماء، مکتبہ قدوسیہ لاہور۔
- ۱۵۱۔ جیراچپوری، محمد اسلم، غلام احمد پرویز، مقام حدیث، طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور طبع پنجم ۱۹۹۲ء۔
- ۱۵۲۔ جیراچپوری، نوادرات، طلوع اسلام کراچی،
- ۱۵۳۔ چشتی، عبدالحلیم، حیات وحید الزمان، نور محمد، کارخانہ تجارت آرام باغ کراچی۔
- ۱۵۴۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، دار الفکر بیروت ۱۹۹۰ء۔
- ۱۵۵۔ الحازمی، محمد بن موسیٰ، ابوبکر، شروط الائمہ الخمسہ، حدیث اکادمی فیصل آباد ۱۹۸۲ء۔
- ۱۵۶۔ الحاکم، ابو عبد اللہ محمد، المستدرک، دار الکتب العلمیہ بیروت۔
- ۱۵۷۔ ایضاً، معرفۃ علوم الحدیث، دار افاق الجدیدۃ بیروت الطبعة الرابعة ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔
- ۱۵۸۔ الحربی، سلیمان بن ابراہیم، غریب الحدیث، جامعۃ ام القریٰ مکہ المکترمہ طبع الاولى ۱۹۸۵ء۔
- ۱۵۹۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام، مکتبہ النہضۃ الحمدیہ القاہرہ۔
- ۱۶۰۔ حسین مرتضیٰ، سید، شیعہ کتب حدیث کی تاریخ تدوین، زہرا اکادمی کراچی طبع اول ۱۹۹۳ء۔

- ۱۶۱- حسین مونس، شیوخ العصر فی الاندلس، المكتبة الثقافية الاندلس ۱۹۶۵ء۔
- ۱۶۲- حقانی، میاں قادری، دینی مدارس نصاب و نظام تعلیم اور عصری تقاضے، فضلی سنز کراچی ۲۰۰۲ء۔
- ۱۶۳- الحمیدی، ابو عبد اللہ، جذوة المقتبس فی ذکر دولة الاندلس، مصر ۱۳۷۲ھ۔
- ۱۶۴- خازن، علاء الدین علی بن محمد البغدادی، تفسیر الخازن المسمی بہ لباب التاویل فی معانی التزیل، دار الفکر بیروت ۱۹۷۹ء۔
- ۱۶۵- خالد علوی، ڈاکٹر، اصول الحدیث (مصطلحات و علوم) الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور ۱۹۹۸ء۔
- ۱۶۶- ایضاً، حفاظت حدیث، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار لاہور ۱۹۹۹ء۔
- ۱۶۷- خالد محمود، آثار الحدیث، دار المعارف لاہور، ۱۹۸۸ء۔
- ۱۶۸- خروب، عبد الحمید، رولیت الحدیث عند الشیعة الامامیہ، مقالہ برائے ایم اے، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، ۱۹۹۶ء، غیر مطبوع۔
- ۱۶۹- خطابی، ابوسلیمان حمد بن محمد، غریب الحدیث، جامعۃ ام القرٰی مکہ المکرمہ ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء۔
- ۱۷۰- ایضاً، معالم السنن، دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۰ھ۔
- ۱۷۱- الخطیب البغدادی، ابوبکر احمد بن علی، تاریخ بغداد، المكتبة السلفية المدینہ المنورہ۔
- ۱۷۲- ایضاً، الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع، مكتبة المعارف الرياض ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔
- ۱۷۳- ایضاً، الرحلہ فی طلب الحدیث، دار لکتب العلمیہ بیروت ۱۹۷۵ء۔
- ۱۷۴- ایضاً، شرف اصحاب الحدیث، دار الطباعة المل مطبع سی انقرہ، الطبعة الثانیہ ۱۹۹۱ء۔
- ۱۷۵- ایضاً، الکفایۃ فی علم الروایۃ، المكتبة العلمیہ بیروت۔
- ۱۷۶- الخطیب، محمد عجاج، السنۃ قبل التمدین، مکتبہ وحبہ عابدین، القاہرہ ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء۔
- ۱۷۷- ایضاً، لمحات فی المکتبات والجمہ والمصادر ؟
- ۱۷۸- الخولی، عبدالعزیز محمد، تاریخ فنون الحدیث، دار القلم بیروت، الطبعة الاولی ۱۹۸۶ء۔
- ۱۷۹- الدارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن، السنن، دار الفکر بیروت۔
- ۱۸۰- الذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان، ابو عبد اللہ، تذکرۃ الحفاظ، دار لکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۸ء۔
- ۱۸۱- ایضاً، تذکرۃ الحفاظ، دائرة المعارف عثمانیہ حیدرآباد، الطبعة الثالثة ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء۔
- ۱۸۲- ایضاً، سیر اعلام النبلاء، مؤسسة الرسالة بیروت، الطبعة السابعة ۱۹۹۰ء/۱۴۱۰ھ۔
- ۱۸۳- ایضاً، العصر فی خبر من غم، دار لکتب العلمیہ بیروت۔
- ۱۸۴- ایضاً، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۵۲ھ/۱۹۶۲ء۔

- ۱۸۵۔ الرازی، محمد بن ابی بکر، مختار الصحاح، مکتبہ لبنان بیروت، ۱۹۸۵ء۔
- ۱۸۶۔ الرازحری، حسن بن عبد الرحمن بن خالد، ابو محمد، المحدث الفاصل بین الراوی والواعی دار الفکر بیروت ۱۹۷۱ء/۱۳۹۱ھ۔
- ۱۸۷۔ الربیع، محمد بن عبد اللہ، ابوسلیمان، تاریخ مولد العلماء و فیہم دار العاصمہ الریاض ۱۴۱۰ھ۔
- ۱۸۸۔ رحمان علی، تذکرۃ علمائے ہند، نو لکھنؤ پریس لکھنؤ ۱۹۳۰ء۔
- ۱۸۹۔ رضی حیدر، محدث سورتی، سورتی اکیڈمی کراچی۔
- ۱۹۰۔ رؤف شبلی، الدكتور، السنۃ الاسلامیۃ بین اثبات الفاسمین ورفض الجاهلین، مطبعة التقدم الكويت، الطبعة الرابعة ۱۹۸۲ء۔
- ۱۹۱۔ قاری روح اللہ، محمد عمر المدنی، علم حدیث اور اس کا ارتقاء، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن پشاور ۱۹۸۹ء۔
- ۱۹۲۔ زبید احمد، ڈاکٹر، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔
- ۱۹۳۔ زبیدی، سید مرتضیٰ، تاج العروس من جواهر القاموس، مکتبہ الخیریہ قاہرہ مصر ۱۳۰۳ھ۔
- ۱۹۴۔ زرقاء، مصطفیٰ احمد، معجم، فقہ ابن حزم، مطبعة جامع دمشق۔
- ۱۹۵۔ زرقانی، عبد العظیم، مناهل الفرقان فی علوم القرآن، دار احیاء التراث العربی القاہرہ۔
- ۱۹۶۔ زرکلی، خیر الدین، الاعلام، دار العلم الملائین بیروت الطبعة الثامنة ۱۹۸۹ء۔
- ۱۹۷۔ الزحشری، ابوالقاسم جار اللہ محمود بن عمر، اساس البلاغہ، دار الکتب المصریہ، القاہرہ ۱۹۵۷ء۔
- ۱۹۸۔ ایضاً، الفائق فی غریب الحدیث، دار الکتب العلمیہ بیروت، الطبعة الاولى ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۶ء۔
- ۱۹۹۔ الزهرانی، محمد بن مطر، تدوین السنۃ النبویۃ نشأتہ وتطورہ، مکتبۃ الصدیق الطائف، الطبعة الاولى ۱۴۱۲ھ۔
- ۲۰۰۔ زیات، احمد حسن، تاریخ ادب عربی، مترجم، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور۔
- ۲۰۱۔ السامرائی، نعمان عبدالرزاق، الفکر العربی والفکر الاستشرافی، الریاض ۱۹۸۹ء۔
- ۲۰۲۔ السباعی، ڈاکٹر مصطفیٰ، السنۃ ومكانتها فی التشریع الاسلامی، المطبعة المدنی القاہرہ الطبعة الاولى ۱۹۶۱ء۔
- ۲۰۳۔ ایضاً، السنۃ ومكانتها فی التشریع الاسلامی (اردو: حدیث رسول کا تشریحی مقام، مترجم پروفیسر غلام احمد حریری، ملک سنز پبلشرز فیصل آباد ۱۹۹۳ء۔
- ۲۰۴۔ السجستانی، حبیب اللہ بن عطاء، آداب الطالب والعالم والمحدث، مکتبہ محمود سلام کراچی۔
- ۲۰۵۔ السخاوی، محمد بن عبد الرحمن، الاعلان بالتونج لمن ذم التاريخ، دار الکتب العربی بیروت ۱۹۸۳ء۔
- ۲۰۶۔ ایضاً، الضوء اللامع لاهل القرن التاسع مکتبۃ القدسی القاہرہ ۱۳۵۳ھ۔

- ۲۰۷- ایضاً، فتح المغیث شرح الفیہ الحدیث للعراقی، المکتبۃ العلمیہ بیروت ۱۹۸۳ء۔
- ۲۰۸- سعید احمد رفیق، مسلمانوں کا نظام تعلیم، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۴۲ء۔
- ۲۰۹- سعید بن عبد اللہ، ڈاکٹر، منہج الحدیثین، دارالعلم السنۃ الریاض ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۵ء۔
- ۲۱۰- سلفی، عزیز الرحمن، جماعت اہل حدیث کی تدریسی خدمات، ادارہ البحوث الاسلامیہ والدعوة والافتاء الجامعہ السلفیۃ بنارس الہند۔
- ۲۱۱- سلفی، لقمان علی الدکتور، السنۃ حقیقہا و مکانہا فی الاسلام و رد علی منکرہا، مکتبہ الایمان المدینہ المنورۃ ۱۹۸۹ء۔
- ۲۱۲- ایضاً، اہتمام الحدیثین بنقد الحدیث سنداً و متناً، الریاض، الطبعة الاولیٰ ۱۹۸۷ء۔
- ۲۱۳- سلفی، محمد اسماعیل، حجیت حدیث، فاران اکیڈمی لاہور۔
- ۲۱۴- السمعانی، عبد الکریم، ابوسعید، الانساب، دارالبحران، بیروت ۱۹۸۸ء۔
- ۲۱۵- سیالکوٹی، محمد ابراہیم میر، تاریخ اہل حدیث، اسلامی پبلشنگ کمپنی لاہور ۱۹۵۳ء۔
- ۲۱۶- سیالکوٹی، محمد بشیر، شاہ ولی اللہ دہلوی حیاتیہ و دعوتہ، مکتبہ دارالعلم اسلام آباد ۱۹۹۳ء۔
- ۲۱۷- السیوطی، جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر، تدریب الراوی فی شرح تقریب النوای، دار احیاء السنۃ النبویہ بیروت ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔
- ۲۱۸- ایضاً، ایضاً، المکتبۃ العلمیہ المدینہ المنورہ۔ الطبعة الاولیٰ ۱۹۵۹ء۔
- ۲۱۹- ایضاً، ایضاً، دارالکتب العلمیہ بیروت، الطبعة الثانیہ ۱۹۷۹ء۔
- ۲۲۰- ایضاً، الجامع الصغیر، المکتبۃ الاسلامیہ سمندری ۱۳۹۴ھ۔
- ۲۲۱- ایضاً، الدرر المنشرۃ فی الاحادیث الشہرۃ، المکتبۃ الاسلامی، بیروت ۱۹۸۳ء۔
- ۲۲۲- ایضاً، طبقات الحفاظ، مکتبہ و ہبۃ، القاہرہ۔
- ۲۲۳- الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، ابواسحاق، الموافقات فی اصول الشریعہ، المطبعۃ الرحمانیہ القاہرہ۔
- ۲۲۴- الشافعی، محمد بن ادریس، الرسالہ، مصطفیٰ البابا لجلس و اولادہ بمصر، القاہرہ، الطبعة الثالثہ ۱۹۸۳ء۔
- ۲۲۵- شاہ ولی اللہ، حجتہ اللہ البالغہ، المکتبۃ السلفیہ لاہور، الطبعة الاولیٰ۔
- ۲۲۶- شاہ عبدالعزیز، بستان الحدیثین (اردو ترجمہ عبد السمیع) ایچ ایم سعید کمپنی کراچی طبع سوم ۱۹۸۴ء۔
- ۲۲۷- الشوکانی، محمد بن علی، ارشاد المحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، دار الباز مکہ المکرمہ۔
- ۲۲۸- ایضاً، فتح القدیر، مصطفیٰ البابا لجلس و اولادہ بمصر، ۱۳۹۱ھ۔

- ۲۲۹۔ الشیرازی، ابواسحاق ابراہیم بن علی، التعمیر فی اصول الفقہ، دارالفکر دمشق ۱۴۲۱ھ۔
- ۲۳۰۔ صحیحی صالح، علوم الحديث، (مترجم غلام احمد حریری) مکتبہ کشمیر فیصل آباد، طبع پنجم ۱۹۹۰ء۔
- ۲۳۱۔ صدیقی، بختیار حسین، برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۲ء۔
- ۲۳۲۔ صدیقی، فیض عالم، حقیقت مذہب شیعہ، مطبع تجارت پرنٹرز لاہور، طبع الاول ۱۹۷۴ء۔
- ۲۳۳۔ صدیقی، محمد سعد، علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت، قائد اعظم لائبریری لاہور۔
- ۲۳۴۔ الضعانی، عبدالرزاق بن ہمام، ابوبکر، المصنف، دار احیاء التراث العربی الطبعة الاولى ۲۰۰۲ء۔
- ۲۳۵۔ الفی، احمد بن یحییٰ، بغیۃ المستمسک فی رجال الاندلس، مدریذ ۱۸۸۲ء۔
- ۲۳۶۔ طباطبائی، الفوائد الرجالیہ، دارالمعلمین نجف۔
- ۲۳۷۔ الطبرانی، سلیمان بن احمد، ابوالقاسم، المعجم الصغیر، مؤسسة الکتب الثقافت بیروت ۱۹۸۶ء۔
- ۲۳۸۔ طبری، محمد بن جریر، جامع البیان المعروف تفسیر طبری، المکتبۃ التجاریہ القاہرہ۔
- ۲۳۹۔ طوسی، محمد بن حسن، ابوجعفر، رجال طوسی، نجف ۱۳۸۱ھ۔
- ۲۴۰۔ ایضاً، القہرست، دارالفکر بیروت۔
- ۲۴۱۔ طیلسی، سلیمان بن داؤد، ابوداؤد، المسند، دارالمعرفہ بیروت۔
- ۲۴۲۔ ظہیر، احسان الہی، علامہ، الشیعہ والتشیع، ادارہ ترجمان السنہ لاہور ۱۹۸۳ء۔
- ۲۴۳۔ ایضاً، الشیعہ والسنہ، ادارہ ترجمان السنہ لاہور۔
- ۲۴۴۔ عبدالحق، ڈاکٹر، چند معاصر، انجمن ترقی پاکستان، ۱۹۵۰ء۔
- ۲۴۵۔ عبدالرحمن، معجم علوم الحديث نبوی، دار ابن حزم بیروت، ۲۰۰۰ء۔
- ۲۴۶۔ عبدالرزاق محمد، موسوعة الاديان والمذاهب، الدار العربیة للموسوعات بیروت الطبعة الثانیہ ۲۰۰۰ء۔
- ۲۴۷۔ عبدالرؤف ظفر، ڈاکٹر، مولانا سراج الاسلام حنیف، التحدیث فی علوم الحديث، مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۰۴ء۔
- ۲۴۸۔ عبدالعزیز ڈاکٹر، ضوابط الجرح والتعدیل، الجامعة الاسلامیہ المدینہ المنورہ، الطبعة الاولى ۱۴۱۲ھ۔
- ۲۴۹۔ عبدالغفار حسن، عظمت حدیث، دارالعلم آپ پارہ مارکیٹ اسلام آباد۔
- ۲۵۰۔ عبدالغنی، ریاض التاریخ، تاج بک ڈپو اردو بازار لاہور۔
- ۲۵۱۔ عبدالمہدی، ڈاکٹر، طرق تخریج حدیث الرسول ﷺ، دار الاعتصام القاہرہ۔
- ۲۵۲۔ عبدالموجود، علم الجرح والتعدیل، جامعة القاہرہ۔
- ۲۵۳۔ عتر، نور الدین، منہج النقد فی علوم الحديث، دارالفکر بیروت، الطبعة الثانیہ ۱۹۸۱ء۔

- ۲۵۴۔ عثمانی، شبیر احمد، مقدمہ فتح المکرم شرح صحیح مسلم، کتب خانہ محمودیہ دیوبند۔
- ۲۵۵۔ عجلونی، کشف الخفا و مزیل الالباس، مؤسسة الرسالة بیروت، الطبعة الثالثة ۱۹۸۳ء۔
- ۲۵۶۔ عجلی، احمد بن عبد اللہ، ابوالحسن، تاریخ الثقات، دار لکتاب العلمیہ بیروت۔
- ۲۵۷۔ عراقی، عبدالرشید، کاروان حدیث، نور اسلام اکیڈمی لاہور۔
- ۲۵۸۔ عطاء الرحمن، حافظ، بیسویں صدی میں برصغیر کے معروف متکثرین حدیث کے افکار کا جائزہ، مقالہ برائے ایم۔ فل، شعبہ علوم اسلامیہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور برائے سال ۲۰۰۱ء۔ زیر نگرانی پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر۔
- ۲۵۹۔ عظیم آبادی، شمس الحق ڈیانوی، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، نشر السنہ ملتان۔ غایۃ المقصود فی شرح ۲۶۰۔ ایضاً، غایۃ المقصود فی شرح سنن ابی داؤد، حدیث اکادمی فیصل آباد ۱۴۱۲ھ۔
- ۲۶۱۔ ایضاً، الوجازۃ فی الاجازۃ، حدیث اکیڈمی فیصل آباد ۱۹۸۸ء۔
- ۲۶۲۔ علوانی، محمد جابر فیاض، الدكتور، الامثال فی الحدیث النبوی الشریف، المعهد العالمی للفکر الاسلامی ہرٹن (امریکہ) الطبعة الاولى ۱۹۹۳ء۔
- ۲۶۳۔ العمری، اکرم ضیاء، الدكتور، بحوث فی تاریخ السنہ المشرقة، جامعة بغداد ۱۹۷۵ء۔
- ۲۶۴۔ ایضاً، موارد الخطیب البغدادی، دمشق ۱۳۹۵ھ۔
- ۲۶۵۔ العینی الحنفی، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد، عمدة القاری شرح صحیح بخاری، مطبع الخیریہ مصر۔
- ۲۶۶۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات حدیث، الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور ۲۰۰۴ء۔
- ۲۶۷۔ غزنوی، ابو بکر، حضرت مولانا داؤد غزنوی، مکتبہ غزنویہ لاہور ۱۹۷۲ء۔
- ۲۶۸۔ الغسانی، الحسین بن محمد، ابو علی، التنبیہ والاوهام، دار اللواء الرياض ۱۹۸۷ء۔
- ۲۶۹۔ محمد حسین، اصل الشیعة واصولها، مطبوعہ نجف۔
- ۲۷۰۔ الغماری، احمد بن محمد، حصول التفریح باصول التخریج، مکتبہ طبریہ، الرياض الطبعة الاولى ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء۔
- ۲۷۱۔ فاروقی، محمد ادریس، مقام رسالت، مسلم پبلیکیشنز لاہور طبع اول ۱۹۷۰ء۔
- ۲۷۲۔ الفالوזה، محمد بن الیاس، ابوالبراء، مدخل الی علم الطبقات، مکتبہ ندارد ۲۰۰۱ء۔
- ۲۷۳۔ فتح پوری، نیاز، من ویزداں، ڈان بکس لاہور ۲۰۰۰ء۔
- ۲۷۴۔ الفراهیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، دار الحجر قم ایران۔
- ۲۷۵۔ فریح، علی عمر، الشیعة فی التصور الاسلامی، دار غمار، عمان الاردن الطبعة الاولى ۱۹۸۵ء۔
- ۲۷۶۔ فریوایی، عبدالرحمن بن عبد الجبار، جهود المخلص فی خدمة السنہ المظهرۃ، جامعة سلفیہ بنارس البند ۱۹۸۴ء۔

- ۲۷۷۔ الفلاح، محمد عبده، اشرف الحواشی، شیخ محمد اشرف تاجران کتب لاہور۔
- ۲۷۸۔ ایضاً، تحریک اہل حدیث کے چند اوراق، ادارہ البحوث الاسلامیہ فیصل آباد ۱۹۹۱ء۔
- ۲۷۹۔ ایضاً، صحاح ستہ اور ان کے مؤلفین، اہل حدیث اکادمی لاہور۔
- ۲۸۰۔ ایضاً، امام مالک اور ان کی مؤطا، مکتبہ ضیاء السنہ فیصل آباد۔
- ۲۸۱۔ فواد سزگین، تاریخ التراث العربی جامعۃ امام محمد بن سعود الریاض۔
- ۲۸۲۔ فیروز آبادی، مجد الدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، دار الفکر بیروت ۱۳۹۱ھ۔
- ۲۸۳۔ فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، فیروز سنز لاہور راولپنڈی رکراچی تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۳ء۔
- ۲۸۴۔ الفیومی، احمد بن محمد، المصباح المنیر، دار الحجر، قم الطبعة الاولى ۱۴۰۵ھ۔
- ۲۸۵۔ قادری، عبدالغنی، ریاض الحدیث، لاہور ۱۹۶۹ء۔
- ۲۸۶۔ القاسمی، محمد جمال الدین، قواعد التحدیث من فنون مصلح الحدیث، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۷۹ء۔
- ۲۸۷۔ القاضی عیاض بن موسیٰ الیحصی، الامامع الی معرفة اصول الروایہ وتقید السماع، تحقیق احمد صقر، دار التراث القاہرہ ۱۹۷۰ء۔
- ۲۸۸۔ ایضاً، ترتیب المدارک وتقريب الممالک لمعرفة الاعلام مذہب مالک، دار المکتبہ الحیات، بیروت۔
- ۲۸۹۔ قدوائی، مولانا عبدالسلام، مولانا حیدر حسن خان، مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۹۷۵ء۔
- ۲۹۰۔ قزوینی، محمد مہدی سید معز الدین، اسماء القبائل و انسابھا دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۰ء۔
- ۲۹۱۔ قطب الدین، مولانا، مظاہر حق شرح مشکوٰۃ المصابیح، لاہور ۱۹۶۶ء۔
- ۲۹۲۔ القمی، غرائب القرآن و رغائب الفرقان، منشورات الرضی قم۔
- ۲۹۳۔ قنوجی، صدیق حسن، نواب السید، ابجد العلوم، دار ابن حزم بیروت طبع اول ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء۔
- ۲۹۴۔ ایضاً، حصول المامول من علم الاصول، المکتبہ التجاریہ مصر ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء۔
- ۲۹۵۔ ایضاً، المحلۃ فی ذکر الصحاح السنۃ، اسلامی اکادمی، لاہور الطبعة الاولى ۱۹۷۷ء۔
- ۲۹۶۔ ایضاً، المنہاج شرح صحیح مسلم، سانگلہ ہل شیخوپورہ۔
- ۲۹۷۔ قیم، اسعد سالم، علم الطبقات المحدثین، مکتبہ الرشید الریاض ۱۹۹۴ء۔
- ۲۹۸۔ کتانی، عبدالحی، فہرس الفہارس والاثبات و معجم المعاجم۔۔۔، المطبعة الجدیدہ القاہرہ ۱۳۳۶ھ۔
- ۲۹۹۔ کتانی، محمد بن جعفر، الرسالة المستطرفة، دار الفکر دمشق ۱۹۷۹ء۔
- ۳۰۰۔ کمالہ، عمر رضا، معجم المؤلفین، المکتبہ العربیہ دمشق ۱۹۰۷ء۔
- ۳۰۱۔ کرمانی، شمس الدین محمد بن یوسف، شرح صحیح البخاری، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۹۸۱ء۔

- ۳۰۲۔ الکشی، محمد بن عمر، ابو عمر، رجال کشی، مطبوعہ مؤسسۃ العلمی کربلا عراق۔
- ۳۰۳۔ کلینی، محمد بن یعقوب، اصول الکافی، تہران ۱۳۸۱ھ۔
- ۳۰۴۔ گوندلوی، محمد حافظ، ارشاد القاری، ادارہ، ادارہ صیانت الحدیث والحدیثین گوجرانوالہ ۱۹۹۵ء۔
- ۳۰۵۔ ایضاً، درس صحیح بخاری، مرتب منیر احمد سلفی، اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور طبع الاولیٰ ۱۹۸۲ء۔
- ۳۰۶۔ گیلانی، مناظر احسن، تدوین حدیث، مکتبہ العلم لاہور۔
- ۳۰۷۔ اللخمی، عبداللہ، ابو محمد، اقتباس الانوار، دارالکتب العلمیہ بیروت الطبعة الاولیٰ ۱۹۹۹ء۔
- ۳۰۸۔ لکھنوی، عبدالشکور، تاریخ مذہب شیعہ، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۷۹ء۔
- ۳۰۹۔ لکھنوی، عبدالحی، نظیر الامانی بشرح مختصر السید الشریف الجرجانی فی مصطلح الحدیث، مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ حلب۔
- ۳۱۰۔ لکھنوی، عبدالحی الحسنی، نزہۃ الخواطر، مجلس دائرہ معارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء۔
- ۳۱۱۔ مالک بن انس، المؤطا، داراحیاء العلوم بیروت۔
- ۳۱۲۔ المامقانی، عبداللہ، تنقیح المقال فی علم الرجال، النجف ۱۳۵۲ھ۔
- ۳۱۳۔ محدث دہلوی، عبدالحق، مدارج النبوة، مکتبہ اسلامیہ اردو بازار لاہور۔
- ۳۱۴۔ المرادی، محمد غلیل، سلک الدرر فی اعیان قرن الثانی عشر، دارالبشائر الاسلامیہ بیروت ۱۹۸۸ء۔
- ۳۱۵۔ المرعشی، محمد عبدالرحمن، فتح المنان المعروف بمقدمہ لسان المیزان، داراحیاء التراث، العربی بیروت ۱۹۹۵ء۔
- ۳۱۶۔ المزنی، ابوالنجاج یوسف، تحفۃ الاشراف، دارالکتب العلمیہ بیروت۔
- ۳۱۷۔ ایضاً، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۳ء۔
- ۳۱۸۔ المحی، فخرالدین بن زبیر، التوضیحات الاثریہ علی متن الرسالۃ القدیریہ، مکتبہ الرشید، الریاض ۱۹۹۹ء۔
- ۳۱۹۔ محمد اسحاق، ڈاکٹر، علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۷۶ء۔
- ۳۲۰۔ محمد اسلم سیف، تحریک اہل حدیث، تاریخ کے آئینے میں، مکتبہ تعلیمات اسلامیہ ماموں کائنجن فیصل آباد ۱۹۹۴ء۔
- ۳۲۱۔ محمد بن عزوز، ڈاکٹر، مدرسۃ الحدیث فی بلاد الشام، دارالبشائر الاسلامیہ بیروت الطبعة الاولیٰ ۲۰۰۰ء۔
- ۳۲۲۔ محمد طیب، مولانا، تاریخ دارالعلوم دیوبند، دارالاشاعت کراچی ۱۹۷۲ء۔
- ۳۲۳۔ محمد عاشق الہی، سوانح عمری مولانا محمد زکریا، محمد اخیل الاسلامی کراچی ۱۴۱۷ھ۔
- ۳۲۴۔ محمد علی، علوم الحدیث اور امام اعظم، دارالعلوم شہابیہ سیالکوٹ ۱۹۶۶ء۔

- ۳۲۵۔ محمد نواز چوہدری، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی دینی و علمی خدمات، نعت اکادمی فیصل آباد ۱۹۹۷ء۔
- ۳۲۶۔ محمود طحان، ڈاکٹر، اصول التخریج ودراسة الاسانید، دار القرآن الکریم، بیروت الطبعة الثالثة ۱۹۸۱ء۔
- ۳۲۷۔ ایضاً تیسیر مصطلح الحدیث، نشر السنہ ملتان۔
- ۳۲۸۔ مخلوف محمد، شجرہ النور الزکیہ فی طبقات المالکیہ، دار الکتب العربی بیروت ۱۹۵۱ء۔
- ۳۲۹۔ ایضاً، ایضاً، نور محمد اصح المطالع کراچی۔
- ۳۳۰۔ مغلطائی، علاء الدین بن قلیج، اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، مقدمہ، مکتبہ الفاروق الحدیثہ القاہرہ ۲۰۰۱ء۔
- ۳۳۱۔ مقبول، صلاح الدین، زوایع فی وجہ السنہ، مجمع البحوث الاسلامیہ نیودہلی الطبعة الاولى ۱۹۹۱ء۔
- ۳۳۲۔ المقدسی، محمد بن طاہر، ابوالفضل، شروط الآئمہ السنہ، حدیث اکادمی فیصل آباد۔
- ۳۳۳۔ المقرئ، احمد، فتح الطیب، دار المامون القاہرہ ۱۳۰۲ھ۔
- ۳۳۴۔ ملا جیون، احمد، نور الانوار، محمد سعید اینڈ سنز کراچی۔
- ۳۳۵۔ ایضاً، نور الانوار مع شرح قمر الاقمار، مطبع علمی لاہور ۱۹۵۸ء۔
- ۳۳۶۔ المناوی، محمد عبدالرؤف، فیض القدر شرح الجامع الصغیر، المکتبۃ التجاریہ مصر القاہرہ۔
- ۳۳۷۔ ایضاً، الیواقیت والدرر شرح شرح نخبہ الفکر، مکتبۃ الرشد الریاض الطبعة الاولى ۱۹۹۱ء۔
- ۳۳۸۔ مودودی، ابوالاعلیٰ سید، سنت کی آئینی حیثیت، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۲۰۰۴ء۔
- ۳۳۹۔ میرٹھی، بدر عالم، ترجمان السنہ، مکتبہ اہل حدیث دہلی۔
- ۳۴۰۔ میرٹھی، محمد اور لیس، سنت کا تشریحی مقام، بیت التوحید، آصف کالونی کراچی۔
- ۳۴۱۔ نابلسی، عبدالغنی، ذخائر المواریت فی الدلالة علی مواضع الحدیث، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۸ء۔
- ۳۴۲۔ النباہی، الاندلسی، ابوالحسن علی بن عبد اللہ المالکی، تاریخ قضاة الاندلس، المکتبۃ التجاری بیروت۔
- ۳۴۳۔ نجاشی، احمد بن عباس الاسدی، کتاب الرجال، منشورات الرادری قم۔
- ۳۴۴۔ نجرانی، محمد یوسف، ڈاکٹر، الشیعہ فی المیزان جلد ۱۹۸۶ء۔
- ۳۴۵۔ ندوی، ابوالحسن علی، الاسلامیات بین کتابات المستشرقین والباحثین المسلمین مؤسسة الرسالة بیروت ۱۹۸۶ء۔
- ۳۴۶۔ ایضاً، ہمارے ہندوستانی مسلمان، مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی۔
- ۳۴۷۔ ندوی، ابوالحسنات، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں مکتبہ خاور، لاہور ۱۹۷۹ء۔
- ۳۴۸۔ ندوی، محمد حنیف، مطالعہ حدیث، علم و عرفان پبلشرز لاہور ۲۰۰۳ء۔

- ۳۴۹۔ ندوی، محمد سلیمان، سید، حیات امام مالک، مجلس نشریات اسلام کراچی۔
- ۳۵۰۔ ندوی، معین الدین احمد، مقالات سلیمان، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۱۹۸۹ء۔
- ۳۵۱۔ النبی، عبداللہ بن احمد بن محمود الحنفی، تفسیر القرآن الجلیل، لاہور۔
- ۳۵۲۔ نعمانی، شبلی۔ سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، فیصل ناشران کتب اردو بازار لاہور ۱۹۹۱ء۔
- ۳۵۳۔ ایضاً، سیرۃ النبی، حذیفہ اکیڈمی لاہور ۲۰۰۰ء۔
- ۳۵۴۔ نوبختی، فرق الشیعہ، مطبعة الدولة لجمعية المستشرقین الالمانيہ استانبول۔
- ۳۵۵۔ نوشہروی، امام خاں، ابویحییٰ، تراجم علمائے اہل حدیث ہند، مرکز تحریۃ طلبہ اہل حدیث لاہور، ۱۳۹۱ھ۔
- ۳۵۶۔ نووی، محی الدین یحییٰ بن شرف، ابوزکریا، تہذیب الاسماء واللغات، دارالفکر، بیروت ۱۹۹۶ء۔
- ۳۵۷۔ ایضاً، شرح صحیح مسلم، نور محمد اصح المطابع کراچی۔
- ۳۵۸۔ الکھروی، ابو عبید القاسم بن سلام، غریب الحدیث، دارالکتب العربی بیروت ۱۹۷۶ء۔
- ۳۵۹۔ حمام بن مدبہ، الصحیفہ الصحیحہ، تحقیق ڈاکٹر حمید اللہ، ناشر رشید اللہ یعقوب کراچی ۱۹۹۸ء۔
- ۳۶۰۔ البیہقی، نور الدین، مجمع الزوائد، موسسہ المعارف بیروت ۱۹۸۶ء۔
- ۳۶۱۔ وحید الزمان، لغات الحدیث، میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی۔
- ۳۶۲۔ الوزیر، محمد بن ابراہیم، الروض الباسم، دارالبشیر عمان الطبعة الاولى ۱۹۸۵ء۔
- ۳۶۳۔ ایضاً، العواصم والقواصم فی الذب عن سید ابی القاسم، دارالبشیر عمان الطبعة الاولى ۱۹۸۵ء۔
- ۳۶۴۔ وینسک، المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی، مکتبہ ای۔ بی۔ برل لیڈن ۱۹۳۶ء۔
- ۳۶۵۔ یاقوت الحموی، ابو عبد اللہ شہاب الدین، معجم البلدان، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء۔
- ۳۶۶۔ یحییٰ بن معین، تاریخ یحییٰ بن معین، دارالقلم بیروت۔
- ۳۶۷۔ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، تاریخ یعقوبی، بیروت ۱۳۷۰ھ/۱۹۶۰ء۔
- ۳۶۸۔ یوسف، صلاح الدین، حافظ، تفسیر احسن البیان، دارالسلام الریاض۔
- ۳۶۹۔ ایضاً، حدّ رجم اور اس کی شرعی حیثیت، المکتبہ السلفیہ لاہور۔

370. Dr Abdul Wadood, Early Hadith Qudsi, Darul Quran Alkareem Beirut, Damascus, 1st edition 1980.
371. Edward W. Saeed, Orientalism, New York, 1978.
372. E.W. Lane, An Arabic English Lexicon. History of Christian thought.

373. Gold Ziher, Muslim Studies (George Allen & unwin Ltd. London, 1971.
374. Gold Ziher, Muslim studies, Gorge Allen & Unmin Ltd London 1967.
375. Hans Wehr, Dictionary of Modern written Arabic, ed J.M. Cowen, New York, 1961.
376. Hans wehr, Dictionary of Moderan written Arabic, ed. J.K. cowon, New Yark, 1961.
377. Introduction to " Alisabah "by Ibn -i-hajar (A biblographical dictionary of persons who knew Muhammad) Biship's College Paris. Calcutta. 1856.
378. Ibn-i-hajar, Alisabah (Introduction by Springer) Biship's College press, Calcutta 1856.
379. J. Robson. Tha Isnad in Muslim Tradition (Glasgow University, oriental society) 1955.
380. Karen, Arm strong Muhammad a bibliography of the Prophet Newyork 1992.
381. Karen Armstrong, A Biblography of tha Propphet, New York, 1992.
382. Schachi, Origins of Muhanmmaden Jurispondence.
383. Robson James, Ibn-i-ishaq's use of isnads (Bulletin of the John Ryland Library, Manchestar, UK) (V-38) 195.



مخطوطات

فہرست مخطوطات، برٹش میوزیم، لندن۔

فہرست مخطوطات برلن،

فہرست مخطوطات، بوہار لاہوری، کلکتہ۔

فہرست دارالکتب المصریہ

Encyclopaedia Britannica, London, 1958.

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

مجلات و رسائل

البلاغ کراچی، جلد شمارہ ۱۲

مجلہ دارالعلوم دیوبند، مارچ ۱۹۸۸ء۔

تدبر، لاہور، شمارہ ۵۹ جنوری ۱۹۹۸ء۔

معارف، اعظم گڑھ۔

ہفت روزہ تکبیر کراچی، ۱۹ تا ۲۱ دسمبر ۱۹۹۷ء۔

ماہنامہ الحق، مولانا عبدالحق نمبر (اکوڑہ خٹک)۔

محمد طفیل، نقوش (رسول نمبر) ادارہ فروغ اردو لاہور، شمارہ نمبر ۱۳، دسمبر ۱۹۸۳ء۔

الفرقان، لکھنؤ۔

ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور (خدمات اہل حدیث نمبر) ۱۹۹۷ء۔



علوم الحدیث، اسلامی ادبیات کا افتخار ہیں۔ کتابت حدیث کا عمل حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شروع ہوا اور پھر صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل اور فرمودات کو کمال ذمہ داری کے ساتھ دوسروں کے سامنے بیان کیا۔ تیسری صدی ہجری میں ان تمام روایات کو کمال تنقیح کے ساتھ موضوعاتی ترتیب میں محفوظ کر دیا گیا۔

پانچویں صدی ہجری تک علوم الحدیث کے فنی کمالات اپنے نقطہ عروج تک پہنچ گئے۔ ابن حجر عسقلانی اور ابن المصالحؒ نے اس متن کو وہ بنیادیں عطا کر دیں کہ جن پر زمانہ اور زمین دونوں ناز کر سکتے ہیں۔ آج حدیث کے ہر علم و فن پر عربی زبان میں ہزاروں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اور اس سے زائد ابھی مخطوطات کی صورت میں دیار مغرب اور دول اسلامیہ کے مراکز علمی میں موجود ہیں۔ اردو زبان میں بھی علوم الحدیث کی بہت سی عربی کتب کے تراجم کیے گئے تو کچھ طبع زاد تالیفات بھی سامنے آئیں۔ پیش نظر کتاب ”علوم الحدیث فنی“ فکری اور تاریخی مطالعہ، اسی سلسلہ الذہب کی ایک ممتاز علمی اور تحقیقی کاوش ہے۔ اردو زبان میں اگر علوم الحدیث کی پانچ بہترین کتب کا انتخاب مقصود ہو تو پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر حفظہ اللہ تعالیٰ کی یہ تالیف ان میں بآسانی شمار کی جاسکتی ہے۔ ایک بات تو اعتماد سے کہی جاسکتی ہے کہ اردو ادبیات میں علوم الحدیث پر یہ ایک ایسی تالیف ہے اور اس میں اتنے متعدد اور متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے کہ جس کے باعث یہ ایک قاموسی نوعیت کا تجربہ دکھائی دیتا ہے۔ ایک ہزار صفحات کے قریب ضخامت کی اس تحقیقی کتاب میں چار سو کتابوں، مخطوطات اور علمی جرائد سے 3070 مقامات پر استفادہ کیا گیا ہے۔ حدیث کی اصطلاحات، مقام حدیث، ضرورت و حجیت، روایت و درایت، مستشرقین اور حدیث اسماء الرجال، جرح و تعدیل، فن تخریج، اقسام حدیث، تاریخ حدیث، تدوین حدیث، تذکار محدثین، انتقاد حدیث، مدارس حدیث، مراکز حدیث، نصاب حدیث، فقہان حدیث، اسالیب تدوین حدیث، غریب الحدیث، آداب الحدیث، تراجم حدیث، فقہ الحدیث، شروح الحدیث، لغات الحدیث، علم الانساب، علم معرفۃ الاسماء و الکنی والالقب، علم الطبقات الغرض حدیث کے بیسیوں موضوعات کو سیکڑوں عنوانات کے تحت تقسیم کر کے ہر بات مستند حوالے سے درج کی گئی ہے جس کے باعث یہ تالیف لطیف علماء عظام، شیوخ الحدیث، جامعات، مدارس اور تعلیمی اداروں کے اساتذہ کرام، محقق صاحبان و کلاً طلبہ اور تمام علم دوست افراد کے لیے فیض رسانی کا منبع بن گئی ہے۔

پروفیسر عبدالحسین رشید